ایک تھی مِثال

رُخسانہ نگار عدنان

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

رخسانہ نگار عدنان

"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو..... ہیپی برتھ ڈے ڈیئر مشال..... ہیپی ہیپی برتھ ڈے۔" تالیوں اور آوازوں کے شور میں سات سالہ گلابی خوب صورت باربی فراک میں ملبوس مشال نے کیک کاٹا۔ بشریٰ اور عدیل نے خوب گلے لگا کر اسے پیار کیا۔ اس نے بھی دونوں کے پیار کا جواب خوب خوش ہو کر دیا۔ ذکیہ بیگم کے صبر کا پیمانہ جیسے لبریز ہو گیا۔

"ارے کیا اماں باوا ہی سارا پیار لٹا دیں گے بچی پر۔ کچھ نانی' دادی کا بھی حق ہے یا نہیں؟" ذکیہ نے کھینچ کر مشال کو سینے سے لگایا۔ پھر دادی کی باری آئی۔ پھوپھی اور ماموں کیوں پیچھے رہتے۔

مشال تو دونوں گھروں کا وہ خوب صورت کھلونا تھا' جس سے کوئی بھی سیر نہیں ہوتا تھا۔ دونوں گھروں میں بھلے ہر معاملے میں اختلاف ہوتا' مگر مشال کے نام پر سب ایک ہو جاتے تھے۔ وہ بچی تھی ہی کچھ اتنی پیاری معصوم موہنی صورت والی کہ جو کوئی دیکھتا' بے اختیار اسے پیار کرنے لگتا۔ پھر اس کی عادت اتنی اچھی تھی۔ ادب اور تمیز سے بات کرنے والی۔ نانی کے گھر جاتی۔ دادی کی برائی کرتی نہ پھوپھی کی۔ ماموں نانو کے پاس ایک رات رہ کر آئی یا پورا ہفتہ' کبھی ان کی باتیں دادی پھوپھی کے پاس گھس گھس کر نہ کہتی۔ اگرچہ نسیم بیگم کئی بار اسے ٹٹولنے کی کوشش کرتیں' مگر مشال پیاری سی شکل بنا کر فوراً "ہی کہہ دیتی۔

"نہیں دادو! نانو نے تو آپ کی اور فوزیہ پھوپھو کی ایسی کوئی بات کی ہی نہیں' بلکہ وہ مجھے کہہ رہی تھیں' پوری دادی پر ہے' خوش اخلاق اور ہنس مکھ۔"

اور دادی چاہتے ہوئے بھی کوئی برا جواب نہ دے پاتیں۔ الٹا بیٹی سے کہتیں۔

"ذکیہ میں یہ اچھی عادت ہے' دوسرے سے کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو' اس کی برائی نہ پیٹھ پیچھے کرتی ہے' بلکہ اس کی اچھائیاں ہی بیان کرتی ہے۔" اور فوزیہ کا موڈ آف ہو جاتا۔

"خوب سمجھتی ہوں میں مشال کا پکا پن۔ امی! یہ کبھی نانی ماموں کی برائی نہیں کرے گی۔ ماں نے بڑا اچھا ٹرینڈ کر رکھا ہے۔ پورا تھالی کا بینگن ہے۔ جانتی ہوں میں اسے۔"

اور مشال معصوم سی شکل بنائے بڑی بڑی آنکھیں پٹپٹاتی پہلے تو نا سمجھی سے دونوں کو دیکھتی رہتی' پھر پھوپھو کے کندھے سے جھول کر بھولپن سے پوچھتی۔

"پھپھو! یہ تھالی کا بینگن کیا ہوتا ہے؟" فوزیہ جل کر کباب ہو جاتی۔

"بھئی! یہ میری مشال کے لیے سونے کی بالیاں اور پانچ سوٹ ہیں۔ ماموں نے تو بھانجی کے لیے خدا جانے کون کون سی وڈیو گیمز اور کھلونے اکٹھے کر دیے ہیں۔ ان گفٹ بکس کو خود ہی بشریٰ اور عدیل کے ساتھ کھول کر دیکھ لینا اور یہ بشریٰ اور عدیل کے جوڑے ہیں اور یہ مٹھائی بھی۔"

ذکیہ نے کیک کٹنے کے بعد تحائف کا ڈھیر میز پر رکھنا شروع کر دیا۔

بشریٰ کا چہرہ فخر سے چمکنے لگا۔

عدیل بھی سسرال سے آئے بھاری تحفوں پہ بیٹی کی خوش قسمتی کو دل میں سراہنے لگا۔ جب سے پیدا ہوئی تھی' نھیال' ددھیال کے ہاتھ کا چھالا بنی ہوئی تھی۔ دونوں طرف سے نہ پیار میں کمی تھی' نہ اس کے لیے چیزوں میں۔

"اور یہ میری اور فوزیہ کی طرف سے گولڈ کی چین ہے۔ یہ اس کے کپڑے اور کھلونے۔ خاص فرمائش کر کے فوزیہ سے مشال نے یہ ناچنے والی باربی ڈول لی ہے اور ساتھ میں ڈول ہاؤس کا پورا سیٹ بھی۔ مشال پھوپھی سے کوئی فرمائش کرے اور فوزیہ اسے ٹال دے۔ سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔"

"تھینک یو نانو اینڈ ماموں! اور بہت سا تھینک یو دادو اور پھوپھو کے لیے اور مشال کا پیار بھی۔" مشال باری باری سب سے گلے لگ کر سب کو پیار کرنے لگی۔ اس کی یہ ہی ادائیں تو سب کو بھاتی تھیں۔

"میرے خیال میں پہلے سب کے لیے کھانا نہ لگا دیا جائے؟ چائے' کولڈ ڈرنکس بعد میں ہو جائیں گی۔" بشریٰ ساس کے پاس آکر بولی۔

ساس نے باہر سے آئے مہمانوں اور خاندان کے لوگوں کا حساب نظروں ہی میں لگا لیا۔

"فی الحال چائے' کولڈ ڈرنک اور مٹھائی رکھو۔ یہ ادھر ادھر کے لوگ جنہوں نے پانچ پانچ سو کے لفافے دیے ہیں۔ ان کو جانے دو۔ کھانا تو خاندان والوں کو ہی پورا پڑے گا بمشکل۔"

"نہیں امی! آرڈر تو سب کے حساب سے دیا تھا عدیل نے۔ کم تو نہیں پڑے گا۔ یوں بھی برا لگتا ہے کہ محلے والوں کو یوں ہی جانے دیں اور بعد میں آدھے لوگوں کو کھانا کھلائیں۔" بشریٰ نے ساس سے آہستگی سے کہا۔

"تو بھابھی! پھر امی کی صلاح کیوں لے رہی ہیں؟ اپنی مرضی کریں نا جو آپ نے پہلے سے طے کر رکھا ہے۔" فوزیہ اپنے مختصر سے جسم کو ذرا سا جھلا کر بولی۔

"اور میں نے تو بی بی! مشورہ اس لیے دیا تھا کہ کچھ تو بچت ہو سکے۔ عدیل کا کوئی بانڈ تو نہیں کھل گیا جو پوری بارات کو کھانا کھلانے بٹھا دو۔ آگے تمہاری مرضی' ورنہ بعد میں عدیل سے کچھ کا کچھ بول کر ماں کو بے عقل ٹھہراؤ گی۔۔۔ جو تمہارا جی چاہے' وہ کرو۔" نسیم بیگم نے نروٹھے پن سے کہہ کر گویا بات ہی ختم کر دی۔

بشریٰ متذبذب سی اٹھ کر چلی گئی۔ عدیل سے مشورے کے بعد سب کو کھانا کھلا کر ہی بھیجا گیا۔

اور یہ بات نسیم بیگم اور فوزیہ دونوں ہی کو تپا گئی۔ اول تو انہیں یہ پہلے سے نہیں پتا تھا کہ سالگرہ اتنے بڑے

پیمانے پہ منائی جائے گی۔ اگرچہ تیاریاں تو بہت دنوں سے ہو رہی تھیں مگر ہوٹل سے کھانے کا آرڈر وہ بھی تین تین ڈشز کا۔۔۔ بیٹے کی کمائی یوں بے دریغ لٹنے پر نسیم بیگم کیوں نہ خفا ہوتیں اور فوزیہ جس نے چند دن پہلے عدیل سے دس ہزار مانگے تھے۔ اسے امیٹیشن کا سیٹ پسند آگیا تھا۔ اس نے اگلے ماہ لینے کا کہہ کر منع کر دیا تھا۔ وہ بھی دل ہی دل میں بھائی سے خفا ہو گئی کہ بیٹی کے فنکشن پہ ہزاروں لٹا دیے اور بہن کے لیے صرف دس ہزار نہیں تھے ان کے پاس۔

فنکشن ہنسی خوشی ختم ہوا۔ سب سے آخر میں ذکیہ اور عمران روانہ ہوئے اور جاتے جاتے بشریٰ اور عدیل کو اگلے ویک اینڈ پر اپنے گھر آنے کی دعوت دے گئے۔ دعوت تو خیر انہوں نے نسیم بیگم اور فوزیہ کو بھی دی تھی جسے نسیم بیگم نے تو اپنی گھٹنوں کی تکلیف اور فوزیہ نے اپنی دوست کی شادی کا بہانہ کر کے رد کر دیا۔ یوں بھی ذکیہ نے کون سا دل سے دعوت دی تھی ان دونوں کو "رسماً" یوں کہا کہ کہیں وہ بشریٰ کو باتیں نہ سنائیں یا اسے آنے سے روک نہ دیں۔ ان دونوں کے انکار پر مطمئن ہو کر چلے گئے۔

☆ ☆ ☆

عمران گھر جا کر لیپ ٹاپ کھول کر بیٹھ گیا۔

"امی! ایک کپ چائے ملے گی؟" کچن کی طرف جاتی ذکیہ کی طرف دیکھ کر اس نے آواز لگائی۔

"ابھی تو پی کر آرہے ہو بشریٰ کی طرف سے۔"

"آپ تو جانتی ہیں' آپ کے ہاتھ کی چائے پیے بغیر مجھ سے کام نہیں ہوتا۔"

ذرا دیر میں وہ دو کپ لیے اس کے پاس ہی آبیٹھیں۔

"اب کیا کام کرنا ہے' تمہیں' ٹائم تو کافی ہو گیا ہے۔" ذکیہ نے اسے مصروف دیکھ کر پوچھا۔

"ہوں! کام تو کافی ہے' مگر ایک آدھ گھنٹہ ہی کروں گا۔ کافی تھکاوٹ ہو رہی ہے۔ دیر تک نہیں بیٹھ سکوں گا اور مجھے منع کر کے آپ خود بھی چائے بنا لائیں اپنے لیے؟" وہ ماں کو ٹوک کر بولا۔

"ہاں! بس سر میں درد سا ہو رہا تھا۔ میں نے کہا کچھ سکون ملے گا اور میں تو حیران ہوں ابھی تک۔ یہ نسیم اور فوزیہ نے اتنا جگرا کہاں سے دکھا دیا۔ مشال کے لیے چین' وہ بھی سونے کی۔ بڑی بات ہے۔" ذکیہ کہے بغیر نہ رہ سکیں۔

"ہاں! لو تو میں بھی حیران تھا' ورنہ ہر سال تو وہ مشال کو ہزار پانچ سو دے دیا کرتی تھیں یا ایک دو فراکوں پر ٹرخا دیا۔ آج تو واقعی کمال ہو گیا۔" عمران بھی چائے کی چسکی بھر کر بولا۔

"ظاہر ہے! بیٹے کی ترقی ہوئی ہے۔ اسے بیٹے کو خوش نہیں کرنا تھا کیا؟ معلوم تو ہے انہیں کہ عدیل کی جان تو مشال میں ہے' اس کی ہنسی اس کی خوشی تو عدیل کے لیے سب سے بڑھ کر ہے۔ یوں بھی فوزیہ کے لیے جہیز اکٹھا کرنے میں لگی ہے دن رات یہ نسیم بیگم تو بیٹے کو مٹھارنے کا اس سے اچھا موقع اور کون سا ہو گا۔ وہ سمجھتی ہیں لوگ گدھے ہیں' کسی کی کچھ سمجھ میں نہیں آتیں ان کی چالاکیاں' ورنہ میری بشریٰ جیسے ان کے ساتھ رہ رہی ہے' ہر لڑکی نہیں رہ سکتی۔ حرفوں کی بنی ہیں دونوں ماں بیٹی۔" وہ تنفر سے بولیں۔

"فوزیہ کا رشتہ ہو گیا کہیں؟" عمران لیپ ٹاپ میں مصروف تھا۔ اس نے شاید ماں کی نسیم بیگم کے خلاف کوئی بات سنی بھی نہیں تھی۔

ابھی کہاں سے۔ ہر دوسرے دن کوئی نہ کوئی رشتہ دیکھنے چلا آتا ہے۔ کسی میں ان ماں بیٹی کو کیڑے نظر آتے ہیں اور

کسی کو فوزیہ بی بی اچھی نہیں لگتی۔ وہ داور ملزوالے بھی آئے تھے ایک رشتے والی کے توسط سے۔"

"اچھا واقعی!" عمران بے اختیار چونک کر بولا۔

"ہاں! تو اور نہیں۔ بڑا اونچا ہاتھ مارنے کے چکر میں ہے نسیم بیگم بیٹی کے لیے۔"

"پھر کچھ بات بنی؟"

"کہاں۔ انہوں نے تو صاف منہ پر بول دیا کہ ہمیں تو ذرا کم عمر لڑکی چاہیے۔ فوزیہ کی شکل ہی ایسی پکّی ہے۔ پھر عمر بھی تو دیکھو! کم تو نہیں۔ عدیل سے سال بھر تو چھوٹی ہے۔ عدیل کی شادی کو ماشاءاللہ آٹھواں سال ہونے لگا ہے اور ان بی معصومہ کی کہیں بات ہی نہیں ٹھہر رہی۔ اب دوسرا تو بڑی عمر کا کہہ کر چلا جاتا ہے اور جلن نکالتی ہے بشریٰ پر۔"

"کیوں پھر کوئی جھگڑا ہوا؟" عمران کچھ چونک کر بولا۔

"یہ کون سی نئی بات ہے۔ کوئی نہ کوئی مین میخ تو ماں بیٹی نکالتی رہتی ہیں۔ میں نے بشریٰ ہی سے کہہ رکھا ہے کہ بیٹا! تحمل سے برداشت کرلیا کرو۔ دو چار مہینوں یا سال بھر میں فوزیہ بی بی کا کانٹا بھی کسی نہ کسی طرح نکل ہی جائے گا۔ ماں اتاولی تو خوب ہو رہی ہے۔" ذکیہ کن انکھیوں سے لیپ ٹاپ کی اسکرین کی سائیڈ پر آئی نیم برہنہ لڑکیوں کے اشتہاروں کی تصویروں کو دیکھ کر بولیں۔

عمران بالکل بھی متوجہ نہیں تھا۔ وہ کھڑی ہو گئیں۔ پھر کچھ یاد آگیا۔

"وہ مجھے یاد آیا۔ بشریٰ کے ہمسائے سے جو رضوی صاحب کی دونوں بیٹیاں آئی ہوئی تھیں ہ بھی مشال کے فنکشن میں بجن کی طرف میں نے اشارے بھی کرکے بتایا تھا۔ تمہیں کیسی لگیں وہ دونوں؟"

"ہوں! کچھ خاص نہیں۔ دونوں نے اتنا میک اپ تھوپ رکھا تھا کہ رنگت کا کچھ ٹھیک سے اندازہ بھی نہیں ہو رہا تھا اور نیلے سوٹ والی تو اچھی خاصی آنٹی لگ رہی تھی۔ ابھی سے ان کا یہ حال ہے تو شادی کے بعد کا سوچیں۔ اور دوسری بالکل سوکھی لڑکی۔ کچھ عجیب سی نہیں لگیں آپ کو؟" عمران منہ بگاڑ کر بولتا چلا گیا۔ ذکیہ کچھ مایوس سی ہو گئیں۔

"میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا کیسے یہ معاملہ حل ہوگا بھلا۔ تمہارے بینک میں ایسی ایسی فیشن ایبل خوب صورت لڑکیاں کام کرتی ہیں ہم کیوں نہیں دیکھ لیتے کوئی اچھی فیملی کی مناسب لڑکی؟"

"امی! میں وہاں کام کرنے جاتا ہوں لڑکیاں تاڑنے نہیں۔ یوں بھی یہ بینکوں، دفتروں میں کام کرنے والی لڑکیاں ماں باپ کے ہاتھوں سے نکلی ہوتی ہیں، ان سے گھر نہیں بسا کرتے۔ شتر بے مہار سی ہوتی ہیں۔ سچی بات ہے، مجھے ایسی لڑکیاں پسند بھی نہیں۔" عمران! بغیر کسی لگی لپٹی رکھے بولا تو ذکیہ اسے دیکھ کر رہ گئیں۔

"یہ تو ہے۔ وہ تو خالہ کلثوم بھی تین چار رشتے ایسے لے کر آئیں کہ لڑکی نوکری کرتی تھی۔ میں نے اسے منع کر دیا کہ بھئی! ان نوکری کرنے والیوں سے گھروں میں بندھ کر نہیں بیٹھا جاتا۔ ہمیں تو ایسی بہو چاہیے جو گھر کو سنبھالے، چلائے۔ اپنی سلیقہ مندی اور سگھڑپن سے شوہر اور ساس کے دل میں جگہ بنائے، نہ کہ اپنی تنخواہ اور نوکری کا رعب ہم پر جمانے لگے۔ شکر ہے کلثوم بی بی سمجھ گئیں۔ دوبارہ ایسا رشتہ نہیں لے کر آئیں۔ چلو اللہ کچھ بہتر ہی کرے گا۔ میں پہلے عشا کی نماز پڑھ لوں۔ آج تو دیر بھی بہت ہو گئی۔ تھکاوٹ سے جی سستی کرنے لگا ہے۔ نماز پڑھے بغیر نیند کہاں آئے گی مجھے۔ سو جانا تم بھی جلدی۔" وہ کہتے ہوئے چلی گئیں۔

☼ ☼ ☼

فوزیہ ڈریسنگ ٹیبل کے آگے بیٹھی اپنا میک اپ اتار رہی تھی۔

نسیم بیگم تسبیح ہاتھ میں لیے منہ میں پڑھتی بستر کی طرف بڑھ گئیں۔

"اپنی سمدھن صاحبہ کی شوبازی دیکھی تھی آپ نے؟" فوزیہ شیشے میں ماں کو دیکھ کر جتانے والے انداز میں بولی۔

"شروع سے عادت ہے اس کی تو کوئی نئی بات تھوڑی ہے یہ۔ کیسے پانی پڑ گیا اس پہ۔ جب ہم نے بھی ڈنکے کی چوٹ پر رکھے دیے۔ اس کے تو وہم گمان میں نہیں تھا کہ بازی ہمارے ہاتھ جائے گی۔" نسیم بیگم اپنے سینے پہ پھونک مارنے کے بعد تسبیح مٹھی میں لپیٹ کر ٹھٹھا مار کر ہنسیں۔

"دفع کریں بار بار ادی، اچھا خاصا خرچ ہو گیا امی! آپ نے میری چین اٹھا کر دے دی مشال کے لیے۔ میرا تو بہت دل برا ہو رہا ہے۔"

"پاگل ہے تو تو۔ ایک آدھے تولے کی چین دے کر عدیل سے چار تولے کا سیٹ نہ اس مہینے نکلوایا تو میرا نام بدل دینا۔"

"اتنے اچھے بھیا جان۔۔۔ بھابھی بیگم اشارہ کریں گی تو ہی جیب کی طرف ہاتھ جاتا ہے ان کا۔" فوزیہ چڑ کر بولی۔

"بشریٰ بی بی کو جتنے بھی چلتر آتے ہوں۔ ابھی وہ عدیل کی ماں کے برابر نہیں ہو سکتی، عقل اور ذہانت میں۔" نسیم بیگم فخر سے بولیں۔

"اچھا امی۔۔۔ وہ کیسے؟" فوزیہ مشتاق سی ماں کے پاس آکر بیٹھ گئی۔

"تو دیکھتی جا اور مجھے تو صبح میں آگ لگی ہے فوزیہ! عدیل کی ترقی کیا ہوئی، بشریٰ نے کیسے بیٹی کی سالگرہ کا فنکشن اٹھا لیا۔ وہ بھی اتنے کھلے ہاتھوں سے۔ مجھے تو اندازہ ہی نہیں تھا، ورنہ اس عدیل کو تو میں اچھی طرح سمجھا دیتی۔ بے وقوف کیسے اپنا نقصان کیے جا رہا ہے۔ بیوی کو سیٹ بھی لے کر دیا ہے۔ تجھے معلوم ہے؟"

"کیا؟ آپ کو کس نے بتایا؟" فوزیہ کو جیسے کرنٹ لگا۔

"جانتی تھی میں۔ کل شام میں یوں ہی بشریٰ کو چائے کا کہنے گئی تو عدیل آفس سے آیا ہی تھا اور بشریٰ کو سیٹ کھول کر دکھا رہا تھا۔ دونوں نے مجھے نہیں دیکھا، مگر میں نے سب سن لیا، کیسے وہ بیوی کے گن گاتے ہوئے اسے تحفہ دے رہا تھا جیسے قلوپطرہ ہو کہیں کی۔"

"اور آپ نے مجھے بتایا تک نہیں۔" فوزیہ بے حد رنج سے بولی۔

"میں خود حق دق رہ گئی تھی۔ تمہیں بتاتی تو تم اور دل بُرا کرتیں' بلکہ میں نے کچھ دیر بعد خود ہی جا کر دونوں کو مبارک باد دے دی۔" نسیم گہرا سانس لے کر بولیں۔

"امی!" فوزیہ جیسے ابھی رو دینے کو تھی۔

"پگلی! غم نہ کر۔۔۔ جو گڑ سے مرے اُسے زہر نہیں دیتے۔"

"کیا مطلب؟"

"ابھی ہمارا وقت ہے۔ سمجھا کر۔" نسیم اس کا ہاتھ دبا کر نرمی سے بولیں۔

"میں ابھی بھی نہیں سمجھی۔ کیا مطلب ہے آپ کی اس مصلحت پسندی کا' بلکہ بزدلی کہنا چاہیے مجھے تو۔" فوزیہ تپ کر بولی۔

"تیرا رشتہ کہیں اچھی جگہ ہو جائے۔ دونوں کو رام رکھیں گے تو تیرے رشتے کے لیے دوڑ دھوپ کرتے رہیں گے۔ آئے دن مہمانوں کی خاطر تواضع کے علاوہ تیرے لیے اتنا اعلا جہیز بنا رہی ہوں تو اسی مصلحت پسندی کی وجہ سے یہ ضروری ہے بیٹا!"

"اچھا! آپ کے خیال میں اگر آپ اس بشریٰ بی بی کے آگے پیچھے نہیں پھریں گی اس کی اور عدیل کی خوشامد نہیں کریں گی تو کیا وہ یہ سب نہیں کریں گے؟"

"کریں گے تب بھی مگر بُرے دل اور بگڑے منہ کے ساتھ۔ اس سے آنے والوں پر اچھا اثر نہیں پڑے گا۔ اس بشریٰ کو ہی آگے بڑھ کر ملنا ہوتا ہے۔ میں کبھی بیمار کبھی کچھ۔ ایسے میں بشریٰ اور عدیل سے بنا کر رکھنا بہت ضروری ہے فوزیہ!" نسیم نے سمجھایا۔

"آپ کریں اس کی خوشامد اور منتیں۔ مجھ سے یہ سب نہیں ہو سکتا۔ کیوں کروں یہ؟ میرا حق ہے یہ سب وصولنا۔ بشریٰ بی بی کو ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن نہیں ہوئے اس گھر میں آئے اور وہ مالکن بن جائے اور ہم نوکر تو امی! ایسا تو میں ہونے نہیں دوں گی۔" وہ غصہ میں بولتی بستر پر جا کر لیٹ گئی۔ نسیم بیگم نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا مگر پھر فوزیہ کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گئیں اور لیٹ کر تسبیح پر کچھ پڑھنے لگیں۔

☼ ☼ ☼

چلو مشال! رکھو۔۔۔ باقی کے گفٹس صبح کھول کر دیکھ لینا۔ بہت رات ہو گئی ہے۔ صبح پھر اٹھو گی نہیں تم جلدی۔" بشریٰ' مشال کے آگے پڑے گفٹس ہٹاتے ہوئے بولی۔

"نہیں مما! مجھے ابھی دیکھنا ہے سب۔ پلیز مجھے دیکھنے دیں نا!" مشال متجسس نظروں سے پیکٹس کو دیکھتے ہوئے بولی۔

"جان! بولا ہے نا صبح دیکھ لینا۔ اب بہت ٹائم ہو گیا۔ بابا بھی تھکے ہوئے ہیں۔ ہمیں بھی آرام کرنا ہے۔" بشریٰ سمجھاتے ہوئے تحفے اٹھا کر الماری میں رکھنے لگی۔

مشال منہ بنا کر بیٹھ گئی۔

"مجھے ابھی نہیں سونا۔ آپ دونوں سو جائیں۔"

"بری بات مشال! اب تم مجھ سے ڈانٹ کھاؤ گی؟" بشریٰ ذرا سختی سے بولی۔

"کوئی میری گڑیا کو ذرا سا بھی ڈانٹ کر دکھائے۔ پاپا اچھی طرح نپٹ لیں گے اس سے۔ کیوں جان پاپا۔" عدیل باتھ روم سے نکل کر مشال کو ساتھ لپٹاتے ہوئے پیار سے بولا۔

"حد ہے عدیل! لاڈ پیار کی بھی۔ اتنا نہ اسے سر چڑھائیں کہ پھر اتارنا مشکل ہو جائے۔" بشریٰ کچھ چڑ کر بولی۔

"کیوں اتاریں گے اسے ہم۔ ہماری آنکھ کا تارا ہے ہماری بیٹی۔"

"آئی لو یو پاپا۔" مشال باپ سے چمٹ کر پیار کرتے ہوئے بولی۔

"لو یو ٹو جان!" عدیل نے بھی اسے پیار کرتے ہوئے کہا۔

"بس بھی کریں اب۔ تھک گئی ہوں میں صبح پانچ بجے کی اٹھی ہوئی ہوں' بارہ بجنے کو ہیں۔" بشریٰ کو غصہ آ گیا۔

"تو بھئی' آپ لیٹ جائیں نا بیگم صاحبہ! آپ کو کس نے منع کیا ہے۔ اب ہم اپنی پیاری سی بیٹی سے دو گھڑی بات بھی نہ کریں۔" عدیل مشال کو اسی طرح ساتھ لگائے بیٹھا تھا۔

بشریٰ بیڈ پر جگہ بنا کر نیم دراز ہو گئی۔

"پاپا! دادو نے کتنی اچھی چین دی ہے۔" مشال نے باپ کو چین دکھاتے ہوئے کہا۔

"اچھا تو کیا نانو کا گفٹ اچھا نہیں تھا؟" بشریٰ نے فوراً "ٹوک کر کہا۔

"وہ بھی بہت اچھا ہے' ہے نا پاپا!" مشال جلدی سے بولی۔

"ویسے عدیل! ہماری بیٹی بڑی ہو کر کہیں پالی ٹیشن (سیاست دان) تو نہیں بنے گی؟" بشریٰ نے ہنس کر کہا۔

"جی نہیں! میری گڑیا کا دل بہت بڑا ہے' سب سے پیار کرتی ہے اور بڑی بات یہ ہے کہ اتنی چھوٹی سی عمر میں اسے احساس ہے کہ کسی کو ہرٹ نہیں کرنا' اسی لیے تو مجھے اس پر اتنا پیار آتا ہے۔" عدیل نے مشال کو پیار کیا۔

مشال وہیں لیٹ گئی۔

"مشال! جا کر اپنے بیڈ پر لیٹو بیٹا۔ ورنہ یہیں سو جاؤ گی تو تمہیں بیڈ پر کون لٹا کر آئے گا۔" اسے آنکھیں بند کرتے دیکھ کر بشریٰ نے جلدی سے کہا۔

"میں لٹا آؤں گا۔ سونے دو اسے۔ اس کا دل چاہ رہا ہے آج پاپا کے پاس سونے کو۔" عدیل' مشال کے بال سمیٹتے ہوئے بولا۔

"پتا ہے عدیل! وہ آنٹی شاکرہ آج کیا کہہ رہی تھیں۔" بشریٰ کو ایک دم یاد آیا۔

"کیا۔" عدیل نے بے دھیانی سے کہا۔

"کہہ رہی تھیں اُن کی نند کی بیٹی نے کسی گائنا کالوجسٹ کو دکھایا ہے۔ آٹھ سال ہو گئے تھے پہلے بچے کو۔ اب اس ڈاکٹر کے علاج سے دوبارہ اللہ کی رحمت ہوئی ہے۔ تم بھی اسی ڈاکٹر کو دکھاؤ جا کر۔ میں تمہیں اُس کے کلینک کا بتا دوں گی اپنی نند سے پوچھ کر۔ کہہ رہی تھیں' مشال بڑی ہوتی جا رہی ہے۔ اس کا بھائی تو ہونا چاہیے نا کوئی۔"

"ہوں!" عدیل نے جمائی لی۔

"تمہارا دل نہیں چاہتا اب ہمارا دوسرا بچہ بھی ہو؟"

"کیوں نہیں چاہتا یار! اب اللہ کو منظور نہیں فی الحال تو کیا کریں اور ہمیں جو اللہ نے اتنا پیارا تحفہ دے رکھا ہے' اس کی قدر کیوں نہ کریں۔"

"وہ تو ٹھیک ہے عدیل! مگر اب دوسرا بچہ ہو جانا چاہیے۔ امی بھی آتے جاتے سب کو کہتی ہیں کہ مشال کو پیدا کر کے جیسے بشریٰ نے تو دنیا فتح کر لی۔ دوسرے بچے کا نام نہیں لیتی۔ اب انہیں کیا بتاؤں میں۔ کتنا علاج کروایا ہے میں نے۔" اس کی آنکھوں میں نمی سی آ گئی۔

"جان! تم کیوں پریشان ہوتی ہو۔ اللہ جانتا ہے ہمارے بارے میں سب۔ ہم نے کوئی علاج چھوڑا تو نہیں۔ اب اگر اس کے گھر میں دیر ہے تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔" عدیل اس کی آنکھیں صاف کر کے نرمی سے بولا۔

"ویسے میں نے شاکرہ آنٹی سے ان کی نند کا فون نمبر لے لیا ہے۔ کل کسی وقت فرصت میں فون کر کے ساری

تفصیل پوچھوں گی۔ اب ہمیں اور دیر نہیں کرنی چاہیے' ورنہ تو بہت مشکل ہوتا جائے گا اور پتا ہے' یہ مشال میری اسکول سے آکر جان کھاتی ہے کہ اس کی سب فرینڈز کے بہن بھائی ہیں تو میرے کیوں نہیں۔ ہر بار اسے کہتی ہوں کہ آپ بس دعا کریں اللہ تعالیٰ سے تو وہ آپ کو بہن بھائی ضرور دے گا۔ اب تو الجھنے لگی ہے کہ ماما میں اتنے دنوں سے ہر وقت دعا کرتی رہتی ہوں' پھر اللہ تعالیٰ میرا بھائی کیوں نہیں دے رہا۔" بشریٰ حسرت بھرے لہجے میں بولی۔

"ہو جائے گا بچہ بھی۔ فکر نہیں کرو تم۔ ایک ڈاکٹر کا مجھے سمیع نے بھی بتایا ہے۔ اس سے مکمل معلومات لے کر وہاں بھی چلیں گے۔ اب سو جاؤ۔ بہت وقت ہو گیا ہے۔ صبح پھر اٹھا نہیں جائے گا۔" وہ لیٹتے ہوئے بولا۔

بشریٰ خاموشی سے کچھ سوچ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"کتنے پیسے چاہئیں آپ کو امی!" عدیل نے چائے کا کپ رکھتے ہوئے ماں سے پوچھا۔ بشریٰ' نسیم بیگم کے آگے ناشتا رکھ رہی تھی۔

"کم از کم دس پندرہ ہزار تو ہوں۔ تمہیں تو معلوم ہے' آج کل کراکری کتنی مہنگی ہوتی ہے۔ ابھی تو دو سیٹ ہی لوں گی۔ باقی واٹر سیٹ' ٹی سیٹ' وغیرہ بعد میں دیکھ لوں گی۔" نسیم بیگم تفصیل بتانے لگیں۔ عدیل بے چارگی سے بشریٰ کی طرف دیکھنے لگا۔

"اب دیکھو نا! تھوڑا تھوڑا کر کے بنا رہی ہوں فوزیہ کے لیے میں' پھر بھی ابھی کچھ نہیں ہوا۔ تھوڑے سے بستر بنے ہیں اور کچھ برتن۔ سونا ہی اتنا مہنگا ہوا جا رہا ہے۔ میں تو کہتی ہوں تم مجھے تھوڑی تھوڑی رقم دیتے جاؤ تو بس ساتھ ساتھ تھوڑا زیور بھی بناتی جاؤں گی۔ ایک دم کہیں رشتہ طے ہو گیا تو فرنیچر اور دوسرے ضروری سامان کے لیے اچھی خاصی رقم چاہیے ہوتی ہے۔ کھانا وغیرہ تو ایک طرف' کیوں بہو؟" نسیم نے بشریٰ سے تائید چاہی۔

"جی امی!" بشریٰ کو سر ہلانا پڑا۔

"امی! ابھی تو دس ہزار نہیں ہیں میرے پاس۔" عدیل بہت مشکل سے بولا۔

"کیوں' میں نے تو پچھلے ہفتہ سے تمہیں کہہ رکھا تھا' سالگرہ سے بھی پہلے کا۔" نسیم جتاتے ہوئے انداز میں تحمل سے بولیں۔

عدیل سے فوری طور پر کچھ بولا ہی نہیں گیا۔

"میں تو سمجھی تمہارے نزدیک میری بات کوئی ویلیو رکھتی ہو گی۔ تم سالگرہ کا خرچ نکال کر ماں کی کہی رقم الگ سے نکال رکھو گے' مگر شاید تم بھول گئے تھے نا!" نسیم پھر سے جتا کر بولیں۔

عدیل نے اثبات میں سر ہلایا۔

"دیکھو عدیل بیٹے! برا نہیں ماننا۔ یہ سالگرہ جیسی مغربی رسمیں ہماری زندگی کا ضروری حصہ نہیں۔ اگر تم ایک سال بیٹی کی سالگرہ دھوم دھام سے نہیں مناؤ گے تو کچھ فرق نہیں پڑے گا' لیکن اگر اکلوتی بہن کو تم خالی ہاتھ بھیجو گے تو دنیا ہمیں لعن طعن کرے گی ہی' میری اس یتیم بچی کا جینا حرام کر دے گی۔ آج کو اس کا باپ زندہ ہوتا کیا اس کی شادی کے معمولی خرچوں کے لیے مجھے یوں تمہارے آگے ہاتھ پھیلانے پڑتے۔" نسیم بیگم کی آواز رندھ گئی۔

"تم بھی تو باپ ہو بیٹی کے۔ کس چاؤ سے ہر سال اس کی سالگرہ مناتے ہو۔ آدھا شہر تو اس دفعہ بلا لیا۔ اس یتیم بچی کا باپ اگر زندہ ہوتا تو کیا اس کی خوشیاں نہ مناتا۔" وہ دوپٹا منہ کے آگے رکھ کر رونے لگیں۔ بشریٰ کے چہرے پر غصہ کے ساتھ ساتھ خجالت بھی تھی۔ وہاں سے چلی گئی۔

عدیل نے والٹ نکال کر کچھ نوٹ نکالے۔

"امی فی الحال یہ سات ہزار ہیں۔ یہ رکھیں۔ باقی میں شام میں دے دوں گا۔ مجھے دیر ہو رہی ہے آفس سے۔ میں اب چلوں۔"

"تم ابھی یہ بھی اپنے پاس ہی رکھو' بلکہ یوں کرو اپنی بیوی کو دے جاؤ اور اس سے کہو وہ خود جا کر نند کے لیے تھوڑے بہت برتن لے لے۔ جو اس غریب کے نصیبوں میں ہو گا' اسے مل جائے گا۔ یہ نہ ہو میرا ہاتھ کھل جائے اور میں فضول خرچی کر آؤں تو تمہاری بیوی تمہیں خود سے قیمتیں بتانے لگے چیزوں کی اور تمہارا دل مجھ سے برا ہو جائے۔" نسیم نے پیسے اس کے آگے رکھ دیے۔

"امی! کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ...... میں بشریٰ کی باتوں میں کیوں آنے لگا اور آپ فوزیہ کو ساتھ لے جائیں۔ جو بھی خریدنا ہو' اس کی پسند کا خرید لیں۔ میں کچھ دنوں میں آپ کو اور رقم بھی دوں گا۔ پھر آپ کو جو خریدنا ہو گا' وہ بھی خرید لیجیے گا۔" عدیل ماں کا کندھا دبا کر رقم ان کی جھولی میں رکھتے ہوئے سعادت مندی سے بولا۔

"اور وہ جو میں نے تم سے فوزیہ کے لیے سونے کے سیٹ کا کہا تھا؟" نسیم نے موقع غنیمت جان کر یاد دہانی کروائی۔

عدیل لمحہ بھر کو سوچ میں پڑ گیا۔

"یہ سالگرہ تو اچھی خاصی مہنگی پڑ گئی۔" وہ دل میں جھلا کر رہ گیا۔ "امی کو بھی سارے بھولے بسرے خرچ یاد آ رہے ہیں۔"

"وہ بھی ہو جائے گا۔ آپ بس دعا کریں فوزیہ کا اچھی جگہ رشتہ ہو جائے۔ پھر دیکھیے گا' میں ہر خرچا کیسے ہنسی خوشی پورا کرتا ہوں۔ میری اکلوتی بہن کی خوشی ہے' میں خیال نہیں رکھوں گا تو اور کون رکھے گا۔ اور پلیز! آپ اس طرح کی باتیں نہیں سوچا کریں۔ مجھے مشال بعد میں ہے' فوزیہ پہلے ہے۔ ابا نہیں رہے تو کیا ہوا' میں جو ہوں سب کچھ کرنے کے لیے۔ آپ کوئی بھی ٹینشن نہ لیں ورنہ پھر آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔" وہ ماں کے پاس بیٹھ کر انہیں تسلی دیتا چلا گیا۔

اور کچن میں کام کرتی بشریٰ جل بھن کر رہ گئی۔

"ایک نمبر کی ڈرامے باز ہیں دونوں ماں بیٹی۔ مل کر بیٹے کو الو بناتی ہیں اور یہ عدیل ایسے بے وقوف بنتے ہیں جیسے ان دونوں کی چالاکیوں کو جانتے نہیں۔ دیکھ لوں گی میں بھی' کیسے یہ دونوں ماں بیٹی اپنے منصوبوں میں کامیاب ہوتی ہیں۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے برتن دھونے لگی۔

☼ ☼ ☼

"ٹھیک ہے امی! میں کوشش کروں گی شام میں آنے کی۔ اب عدیل کے آنے پہ ہے۔ اگر وہ جلدی آ جاتے ہیں تو ہی میں آ سکوں گی نا!" بشریٰ فون پہ ذکیہ سے کہہ رہی تھی۔

"تو بیٹا! یہ تو کوئی مسئلہ نہیں۔ اگر تم کہو تو میں عمران کو بھیج دیتی ہوں۔ وہ آفس سے آتے ہوئے تمہیں اور مشال کو پک کر لے گا۔ رات کا کھانا میری طرف ہی کھانا۔ عدیل بھی بعد میں آ جائے گا۔" ذکیہ محبت سے بولیں۔

"نہیں امی! آپ کو پتا تو ہے ورکنگ ڈیز میں عدیل کو رات دیر تک باہر رہنا بہت ناپسند ہے۔ پھر ان کی اماں جان ہیں' یوں بولا جائیں گی جیسے عدیل دودھ پیتا بچہ ہو اور اسے صبح اسکول جانے سے دیر ہو جائے گی۔" بشریٰ چڑے ہوئے لہجے میں بولی۔

رد ماں ہے نا۔ یوں محبت نہیں دکھائے گی تو کیا اس عمر میں بیٹے کو ہاتھ سے گنوائے گی۔" ذکیہ تمسخرانہ لہجے بولیں۔

"ٹھیک کہتی ہیں امی! یقین کریں جتنے پینترے یہ دونوں ماں بیٹی بدلتی ہیں عدیل کو مٹھی میں کرنے کے لیے میں آؤں گی تو بتاؤں گی۔" بشریٰ دکھی لہجے میں بولی۔ اسے صبح والا منظر یاد آگیا تھا۔

"میری بچی! میں جانتی ہوں' تم کیسے ان دونوں چلتروں کے درمیان گزارہ کر رہی ہو۔ یہ تمہارا صبر ہی تو ہے جو تمہیں شوہر کے دل کی ملکہ بنائے ہوئے ہے' ورنہ کوئی اور ہوتی تو دوسرے دن عدیل کو ان ماں بیٹی کا اصل چہرہ دکھا کر کہیں الگ گھر لے چکی ہوتی۔" ذکیہ بیٹی سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہوئے بولیں۔

"پھر تم آ رہی ہو ناں شام میں؟" انہیں پھر سے فون کرنے کا مقصد یاد آیا۔

"دیکھو! بڑی اچھی لڑکی ہے۔ پڑھی لکھی' گرہستن اور سب سے بڑھ کر خوب کھاتے پیتے لوگ ہیں اور خاندان بھی نیک' شریف۔ اب بتاؤ اور کیا چاہیے۔ ایسی لڑکی کو تو ہاتھ سے نہیں نکلنا چاہیے بشریٰ!"

"وہ امی! آپ کی بات ٹھیک ہے' مگر مجھے پہلے عدیل کو فون کر لینے دیں۔ پتا نہیں وہ مانتے بھی ہیں یا نہیں۔"

"اتنا بھی عدیل کی مرضی پر نہ چلو کہ تمہاری اپنی کوئی خوشی ہی نہ رہے۔ ظاہر ہے' اب بھائی کے لیے تم تھوڑی دوڑ دھوپ نہیں کرو گی تو اور کون کرے گا۔ ابھی تو میری ہڈیاں کچھ کام کر رہی ہیں تو میں ساتھ لگی ہوں۔ کل کو خدا نخواستہ مجھے کچھ ہو گیا تو......"

"امی! پلیز ایسی باتیں نہیں کریں۔ اللہ آپ کو ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔ میں عدیل کو فون کر کے کہتی ہوں کہ میں عمران کے ساتھ جا رہی ہوں امی کی طرف۔ وہ رات میں مجھے آکر لے جائیں۔ ٹھیک ہے نا۔" بشریٰ کو شاید ماں کی بات بری لگی کہ عدیل کے آگے اس کی ذرا سی بھی مرضی نہیں چلتی۔

"بالکل صحیح... اور سنو! اپنا وہ سالگرہ والا سوٹ پہن لینا اور سیٹ بھی وہی' جو عدیل نے تمہیں بنوا کر دیا ہے۔ ذرا لڑکی والوں پر اچھا امپریشن پڑے گا۔ ماشاء اللہ سالگرہ میں میری بچی اتنی پیاری لگ رہی تھی اور وہ فوزیہ... جیسے دس سالوں کی بیاہی ہوئی۔ شکل سے ہی پکا پن جھلکنے لگا ہے اب تو۔ کہیں اس کے رشتے کی بات چلی؟" ذکیہ نے کریدا۔

"لگی تو ہوئی ہیں دونوں۔ آئے دن رشتہ کرانے والیوں کی جیبیں گرم کرتی رہتی ہیں۔ پھر بھی بات نہیں بن رہی اس کی شادی تک عدیل کو کنگال کر دیں گی دونوں۔"

"اللہ نہ کرے۔ چلو! تم تیاری کرو۔ میں عمران کو فون کر کے کہہ دیتی ہوں۔"

"مشال سو رہی ہے۔ میں اٹھاتی ہوں ابھی اللہ حافظ۔" کہہ کر فون بند کر کے وہ سوئی ہوئی مشال کو دیکھنے لگی۔

"نہیں یار! یہ بہت مشکل کام ہے۔ تمہیں پتا ہے' گھر آنے کے بعد میرا کہیں اور جانا بہت مشکل ہوتا ہے۔ تم آنٹی سے کہتیں کہ وہ یہ سلسلہ کسی اور دن کے لیے اٹھا رکھتیں۔" عدیل آفس میں کام کر رہا تھا' جب بشریٰ کی کال آئی تھی۔

"عدیل! میں نے پہلے ہی امی سے یہ بات کی تھی کہ آپ کو ورکنگ ڈیز میں اتنی دیر تک گھر سے باہر رہنا پسند نہیں' مگر امی بے چاری بھی مجبور ہیں۔ لڑکی بہت اچھی ہے اور رشتہ کرانے والی آنٹی بتا رہی تھیں کہ اس کے دھڑا دھڑ رشتے آ رہے ہیں۔ یہ نہ ہو کہ ہمیں دیر ہو جائے۔" بشریٰ نے اسے صورت حال کی سنگینی بتائی۔

"اب ایسی بھی آگ نہیں لگی کہ دو تین دن میں اس کا رشتہ ہی کہیں ہو جائے۔" عدیل بے زاری سے بولا۔

"عدیل! آپ کو میرے ساتھ نہیں چلنا تو صاف انکار کر دیں۔ ظاہر ہے' آپ کو آپ کی امی کچھ کہیں گی تو ان کو تو آپ انکار نہیں کر سکیں گے' لیکن جو میں کہوں گی' وہ ایک دم فضول' بیکار' بے معنی ہوتا ہے آپ کے نزدیک۔" بشریٰ پھٹ پڑی اور آواز بھی رندھ گئی۔

"بھئی! میرا یہ مطلب تھوڑی تھا... چلو ٹھیک ہے! تم عمران سے کہو وہ آکر تمہیں لے جائے۔ ورنہ مجھے آفس میں اگر دیر ہو گئی تو۔"

"آپ ٹینشن نہیں لیں۔ وہ غریب ہی مجھے واپس ڈراپ بھی کر جائے گا۔ ظاہر ہے' اس کا کام ہے تو سزا بھی وہ ہی بھگتے گا آنے جانے کی۔ آپ اپنا کام کریں۔ میں چلی جاؤں گی' اللہ حافظ۔" اس نے ناراضی سے کہہ کر فون بند کر دیا۔

"میری تو کوئی وقعت ہی نہیں ہے۔ ان عدیل صاحب کی نظروں میں۔" بڑبڑاتے ہوئے باہر نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

بشریٰ نے تیار ہو کر آئینے پر نظر ڈالی اور مطمئن ہو کر مسکرائی۔ تب ہی مشال خوب صورت فراک پہنے اپنی گڑیا ہاتھ میں پکڑے چلی آئی۔

"مما! میں اسکول بیگ بھی لے لوں۔ اگر ہمیں نانو کی طرف رات رہنا ہو تو؟" وہ بھی ماں کو ستائشی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"ارے نہیں دادی اماں! ہم رات رہنے نہیں جا رہے۔ رات میں ماموں ہمیں واپس چھوڑ جائیں گے۔" بشریٰ جلدی سے اپنا ہینڈ بیگ چیک کرنے لگی۔

"مما! یو لک سو پریٹی۔" وہ بے اختیار ماں سے لپٹ کر بولی۔

"میری جان! تھینکس... یو ٹو ویری پریٹی مائی لو۔" بشریٰ بھی بیٹی کو پیار کرنے لگی۔

"مما! پاپا نہیں آئیں گے نانو کی طرف؟" اسے ماں کی بات یاد آئی تو پوچھنے لگی۔

"بیٹا! آپ کے پاپا کا موڈ ہوا تو آ جائیں گے۔ ورنہ ہمیں ماموں ڈراپ کر جائیں گے۔ تم نے ہوم ورک مکمل کر لیا تھا نا مشال؟"

"یس مام! بس ٹیسٹ واپس آکر ایک بار دہرا کر لوں گی۔ میتھس کا ٹیسٹ ہے کل۔" مشال سر ہلا کر بولی۔

"چلو! پھر تو ٹھیک ہے۔" فون بجنے پر اس نے فون اٹھاتے ہوئے کہا۔ ذکیہ کا فون تھا۔

"عمران ابھی آ رہا ہے تمہیں لینے کے لیے۔ اس کا فون آیا تھا کہ امی! میں نکلنے لگا ہوں تو آپ بشریٰ آپی کو فون کر کے بتا دیں۔ تم تیار ہو گئی ہو ناں بشریٰ!"

"جی امی! میں بالکل تیار ہوں اور مشال بھی۔ مشال چلے گی نا لڑکی والوں کی طرف ہمارے ساتھ؟" اسے جیسے یاد آیا۔

"ہاں! چلی چلے گی یا دل کرے گا تو ماموں کے پاس ہی رک جائے گی۔" ذکیہ بولیں۔

"چلیں! پھر میں آتی ہوں تو بات کرتے ہیں اللہ حافظ۔" بشریٰ نے فون بند کر کے آخری بار اپنا جائزہ لیتے ہوئے دوپٹا اٹھایا۔

"ہمیں کہاں جانا ہے نانو کی طرف جا کر؟" مشال ماں کی تیاری کو ٹکٹکی باندھ کر دیکھے جا رہی تھی۔

"عمران ماموں کی دلہن دیکھنے۔ چلو گی ہمارے ساتھ؟" بشریٰ اس کے گال پر ہلکی سی چٹکی کاٹ کر بولی۔

"میں تو ضرور جاؤں گی۔" وہ فوراً" تیار ہو گئی۔

"اور ماموں کے پاس گھر میں نہیں رکو گی؟" بشریٰ نے کہا۔

"جی نہیں! میں دلہن دیکھنے جاؤں گی۔ اب چلیں نا مما!" وہ بے چین ہو کر بولی۔

"ہاں! چلو ماموں آتے ہی ہوں گے۔" وہ مشال کو ساتھ لے کر باہر نکلی۔

"ٹھیک ہے! فکر کی کوئی بات نہیں۔ دو گھنٹے تو ابھی ہیں نا۔ تم انہیں کہلوا دو۔ میں سب انتظام کر لیتی ہوں۔" نسیم کسی سے فون پر بڑے انہماک سے بات کر رہی تھیں۔

"اچھا۔۔۔ یہ تو اچھی بات ہے۔ تم لے آؤ انہیں۔ ہم انتظار کر رہے ہیں۔" وہ پرجوش لہجے میں بولیں۔

"ہاں ہاں! فکر ہی نہ کرو۔ اس بار جو کچھ تم بتا رہی ہو۔ تمہارے منہ میں گھی شکر۔ کمی نہیں ہوگی دیکھنا! میری طرف سے کچھ بھی۔ بس تم پہنچنے کی کرو' اللہ حافظ۔" نسیم نے پرجوش انداز میں فون بند کر دیا۔ اور کچھ بولتے ہوئے بشریٰ کے تیار حلیے کو دیکھ کر لحہ بھر کو جیسے گنگ سی ہو گئیں۔

"دادو! ہم ماموں کی دلہن دیکھنے جا رہے ہیں۔ میں بھی جاؤں گی مما اور نانو کے ساتھ۔۔۔ میں اچھی لگ رہی ہوں نا اس فراک میں دادو!" مشال فوراً" دادی کی گود میں بیٹھ کر لاڈ سے بولی۔

"دادو کی جان پری لگ رہی ہے کہیں نظر نہ لگ جائے۔" دادی فوراً" پوتی کا منہ چوم کر بولیں۔

"وہ امی! میں ذرا امی کی طرف جا رہی تھی۔ عمران مجھے لینے آ رہا ہے۔ عمران کے لیے کوئی لڑکی دیکھنے جا رہے ہیں ہم۔" بشریٰ نے سنبھلے ہوئے لہجے میں رک رک کر کہا کیونکہ نسیم کی کچھ دیر پہلے ہونے والی فون پر بات چیت اسے کچھ کھٹک سی گئی تھی۔

"کسی سے پوچھنے' بتانے یا اجازت لینے کی ضرورت بھی نہیں سمجھی تم نے؟" نسیم کٹیلے لہجے میں اس پر سخت نظریں گاڑ کر بولیں۔

"وہ امی! میں نے عدیل کو بتا دیا تھا۔"

"تمہارے خیال میں اس گھر میں صرف عدیل رہتا ہے؟" وہ کڑے لہجے میں بولیں۔

بشریٰ کچھ لاجواب سی ہو کر رہ گئی مشال کبھی ماں کو دیکھتی' کبھی دادی کو۔

"دادو آپ۔۔۔۔" اس نے دادی کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

"جاؤ! تم اندر جا کر کمرے میں کھیلو۔" دادی نے اسے جھڑک دیا۔

مشال کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ وہ کچھ شرمندہ سی ہو گئی۔

"مشال! آپ روم میں چلو۔" بشریٰ اسے اشارہ کر کے بولی۔ وہ ست قدموں سے اندر چلی گئی اور دروازے کے پاس رک کر دیکھنے لگی۔

"امی! میں رات کو جلدی آ جاؤں گی۔ عمران ہی مجھے ڈراپ کر جائے گا۔" وہ لہجے کو کچھ نرم کر کے بولی۔

"اب تم سے واپسی کی کون بات کر رہا ہے؟ میں تو ابھی یہ تمہارے جانے کی بات کر رہی ہوں۔ تم مجھے بتائے بغیر جا رہی تھیں۔ یہ حیثیت ہے تمہاری نظروں میں میری؟" نسیم کڑک کر بولیں۔

"نہیں امی! یہ بات نہیں۔ میں نے عدیل۔۔۔"

"ایک عدیل ہی تمہیں ملا؟ معصوم کاٹھ کا الو' موم کی ناک جدھر چاہتی ہو گھما لیتی ہو۔ ہم تو بھیا نہ تین میں نہ تیرہ میں۔ تم ہمیں کیوں نہ جوتے کی نوک پر رکھو گی۔ خصم کے سر چڑھو' ساس نند جائے جہنم میں۔" نسیم تو بھڑک ہی اٹھیں۔

بشریٰ گھبرا گئی۔ اسے ساس کے اتنے سخت ردِعمل کی توقع نہیں تھی' بلکہ اسے یقین تھا کہ عدیل پہلے سے فون کر کے ماں کو اس کے جانے کا بتا چکا ہو گا۔

"امی! یقین کریں میں نے عدیل سے پوچھا اور یہ بھی کہا کہ آپ سے اجازت لے لیتی ہوں تو وہ کہنے لگے کہ امی سے میں خود بات کر لیتا ہوں۔ تم چلی جاؤ۔" اس نے اپنے دفاع کے لیے فراٹے سے جھوٹ گھڑا۔

"امی مٹی کی مادھو' اللہ میاں کی گائے جس کو نہ بیٹا کسی شمار میں سمجھے' نہ بہو کسی گنتی میں رکھے۔ اٹھے چھیل چھبیلے تیار ہوئے ۔۔۔۔ کپڑے' جھمکے' چوڑیاں چڑھائیں۔ میک اپ تھوپا۔ اور منہ اٹھا کر چل پڑے۔ گھر نہ ہو گیا سرائے ہو گیا۔ جس کا نہ کوئی طور طریقہ نہ قانون۔" نسیم نے جیسے آج ہی سارے بدلے لینے کی ٹھان لی تھی۔ بشریٰ کو صاف نظر آ گیا' اس کا گھر سے جانا مشکل ہی نہیں' ناممکن بھی ہے۔

"امی! میں جاؤں پھر پارلر؟ میں نے شفق کو فون کر کے بلوا لیا ہے۔ وہ آ رہی ہے میرے ساتھ جانے کے لیے۔ اسے بھی کچھ کام کروانا ہے اپنی اسکن کا۔" فوزیہ تیار حلیے میں عجلت بھرے انداز میں ماں کے پاس آ کر بیگ کندھے پر ڈالتے ہوئے بولی۔

"دو گھنٹے میں آ رہے ہیں وہ لوگ۔ تمہیں اس سے پہلے گھر پہنچنا ہو گا۔" نسیم لہجہ بدل کر بیٹی سے متفکر لہجے میں بولیں۔

"امی! فکر نہ کریں' مائی لک" والی شفق کی دوست ہے۔ وہ پہلے میرا ہی فیشل کرے گی۔ شفق نے اس سے بات کر لی ہے۔" فوزیہ ماں کو تسلی دیتے ہوئے بولی۔

"اور یہ جھاڑ جھنکار سے بال بھی سیٹ کروا لینا' مگر ٹائم کا خیال رکھنا۔ ثریا انہیں دو گھنٹے میں لے کر پہنچ جائے گی۔ تم یوں کرو ناں' اپنے کپڑے بھی ساتھ لے جاؤ۔ وہیں سے تیار ہو کر آ جانا۔" نسیم کو خیال آیا۔

"ہاں! کپڑے تو میں نے رکھ لیے ہیں۔ وہیں سے تیار ہو آؤں گی۔ آپ مجھے پیسے تو دے دیں جلدی سے۔" وہ کچھ کوفت سے بولی۔ اس دوران میں اس نے بشریٰ کی طرف ایک بار بھی نظر اٹھا کر دیکھنے کی زحمت کی نہ اسے درخورِ اعتنا ہی سمجھا۔

بشریٰ کسی مجرم کی طرح سزا کی منتظر دونوں کی گفتگو ختم ہونے کے انتظار میں کھڑی تھی۔

نسیم نے صبح والے عدیل کے دیے نوٹوں میں سے چار ہزار نکال کر فوزیہ کو دیے۔

"کافی ہیں نا یہ؟" نسیم بیٹی کے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"امی! احتیاطاً" پانچ ہی دے دیں۔ آج کل روز تو ہر چیز کا ریٹ بڑھا ہوتا ہے۔"

ماں نے سر ہلا کر ہزار روپیہ اور تھما دیا۔ تب ہی باہر ہارن بجا۔

"عدیل اس وقت گھر آ گیا کیا؟" نسیم کچھ تشویش سے بولیں۔

"وہ امی! عمران ہے۔ مجھے اور مشال کو لینے آیا ہے۔"

"تو جاؤ! کھڑی منہ کیا دیکھ رہی ہو میرا۔" وہ کرختگی سے بولیں۔

"وہ امی۔۔۔ آپ کی اجازت ہے نا؟"

"جوتی اٹھا کر میرے سر پر مارو۔ میری کیا مجال تمہیں روک سکوں۔" نسیم زور سے بولیں۔ "میں بیوہ' میری بچی یتیم۔ تم میاں بیوی کے ٹکڑوں پر پڑے ہیں۔ اللہ نے خوشی کا موقع دکھایا۔ میری بچی کا رشتہ ہونے جا رہا ہے اور بھاوج صاحبہ بن ٹھن کر بھیا کے لیے لڑکی پسند کرنے جا رہی ہیں۔ انہیں اس یتیم نند کے رشتے کی کیا پروا۔ دو گھنٹے بعد مہمان آنے والے ہیں۔ میں بڑھیا خود ہی اٹھوں گی اور چائے چڑھا لوں گی۔ وہ ہی خالی رکھ دوں گی ان کے آگے۔ اس کے بعد میری بچی کے نصیب۔ رشتہ ہوتا ہے یا نہیں۔ تم جاؤ بی بی! تمہارے ہاتھ سے بھیا کا رشتہ نہ نکل جائے۔" نسیم دوپٹے کے پلو سے آنکھیں مسلنے لگیں۔

☼ ☼ ☼

"کتنی باتیں سنائی ہیں مجھے عمران نے گھر آ کر۔ غریب دفتر سے جلدی اٹھ کر تمہیں لینے گیا۔ رستے میں زمانے بھر کی ٹریفک' دھول مٹی کھاتا گیا اور تم نے دروازے ہی سے اسے موڑ دیا۔ شاباش بھئی! اچھا کیا بہت۔" ذکیہ فون

پر غصے میں بشریٰ کو سنا رہی تھیں۔

"آپ بھی مجھے ہی سنایئے نسیم آنٹی نے جو کسر چھوڑ دی وہ آپ پوری کر دیں۔ آج انہوں نے جو سلوک میرے ساتھ کیا ہے۔ اگر میں آجاتی آپ کی طرف تو امی! وہ مجھے ہمیشہ کے لیے آپ کے گھر بٹھا دیتیں۔ اتنے غصے اور طیش میں میں نے انہیں کبھی نہیں دیکھا۔" بشریٰ روہانسی ہو کر بولی۔

"بس یوں ہی چوہیا بن کر سسرال والوں کی جوتیاں سیدھی کرتی رہنا۔ مجھے کس شرمندگی سے لڑکی والوں کو منع کروانا پڑا۔ عمران کی باتیں سنیں۔ ماں کی عزت کی کوئی پروا نہیں تمہیں۔"

"امی! بس کریں، میں پاگل ہو جاؤں گی۔ پہلے ساس صاحبہ نے بھگو بھگو کر جوتیاں ماریں مجھے اور اب آپ شروع ہو گئی ہیں۔ ابھی وہ عدیل صاحب آئیں گے تو امی ان کے کان بھریں گی اور وہ آکر مجھ پر چلانا شروع کر دیں گے۔ میں تو جیسے انسان ہی نہیں ہوں۔ نہ میری کوئی عزت' نہ عزت نفس جس کا جو جی چاہتا ہے' سنا ڈالتا ہے۔ آپ کو جلدی ہے تو عمران کو لے جائیں ساتھ اور اسی کو لڑکی پسند کروالیں۔ شادی بھی تو اسی کی ہونی ہے۔ اسے ہی لڑکی پسند کروائیں۔ خدا حافظ۔" اس نے روتے ہوئے فون بند کر دیا۔

"مما! دادو کہہ رہی ہیں' کچن کون دیکھے گا آکر۔ مہمان آنے والے ہیں۔" مشال اندر آکر ماں سے بولی۔

وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے روتی رہی۔

"مما! آپ رو رہی ہیں؟" مشال سہمے ہوئے لہجے میں بولی۔

"نہیں! قہقہے لگا رہی ہوں۔ اندھی ہو' نظر نہیں آتا تمہیں؟" وہ الٹا اسے جھڑک کر بولی۔ مشال اور بھی سہم گئی۔

"مما۔۔۔ آپ مجھ سے غصہ ہیں؟" وہ بڑی بڑی سنہری آنکھوں میں آنسو بھر کر بولی۔

مما کی جان! میں۔۔۔ آپ سے غصہ نہیں ہوں۔ اپنے نصیبوں کو رو رہی ہوں۔ اپنی جان سے میں کیوں غصہ ہوں گی۔ مت رلائیں آپ۔" وہ فوراً" تڑپ کر مشال کو اپنے ساتھ لگا کر بولی۔

"آپ بھی تو رو رہی ہیں۔ دادو نے آپ کو ڈانٹا ہے نا اس لیے۔" مشال چھوٹے چھوٹے ہاتھوں سے ماں کے آنسو صاف کرتے ہوئے بولی۔

"میں پاپا کو بتاؤں گی کہ دادو نے آپ کو نانو کی طرف نہیں جانے دیا۔"

"تمہارے پتھر دل باپ پر کیا اثر ہونا ہے۔ وہ پہلے کون سا راضی تھے کہ میں ادھر جاؤں۔ انہیں تو خوشی ہی ہوئی ہے کہ نہیں گئی۔ اس گھر کے لیے میں اپنی جان بھی دے دوں تو بھی انہیں احساس نہیں ہوگا۔ یہ ہی کہیں گے میری نیت میں کھوٹ ہے۔"

"کیا ہوا بھئی؟ یہ کیا ہو رہا ہے؟ بن بادل ساون کیوں برس رہا ہے؟" عدیل خوش گوار موڈ میں کمرے میں داخل ہوا۔ بشریٰ کو روتے دیکھ کر ہنس کر بولا۔

"ارے! تم تو واقعی رو رہی ہو۔ کیا ہوا بشریٰ؟" وہ پاس آکر اس کا ہاتھ تھام کر تشویش سے بولا۔

بشریٰ نے اس کا ہاتھ جھٹکا اور باہر نکل گئی۔

"مشال جانو! ماما کو کیا ہوا؟" عدیل پریشان ہو کر بولا۔

"دادو نے ڈانٹا ہے۔" مشال کچھ ڈر کر بولی۔

"وہ کیوں؟ لڑائی ہوئی ہے؟" عدیل چونکا۔

"نہیں! مما نے تو لڑائی نہیں کی۔ ہم تو تیار ہو کر نانو کی طرف جا رہے تھے' ماموں کی دلہن دیکھنے۔ ماموں ہمیں لینے بھی آگئے تھے۔"

"پھر گئے نہیں تم لوگ؟"

"دادو نے مما کو زور زور سے ڈانٹا اور کہا کہ بے شک چلی جاؤ۔ واپس بھی اپنی مرضی سے آنا اور پتا نہیں کیا کیا۔" وہ رک رک کر بولی۔

عدیل گم صم سا ہو گیا۔

"پاپا! اب ہم نانو کی طرف نہیں جائیں گے کیا؟" وہ باپ کا کندھا ہلا کر بولی۔

"نانو کا فون آیا تھا؟"

"ہاں! مما فون پر بات کرتے ہوئے رونے لگیں کہ سب ان ہی کو ڈانٹ رہے ہیں۔ نانو بھی اور دادو بھی۔ سب مما کو کیوں ڈانٹ رہے ہیں پاپا؟" وہ باپ کی پریشان شکل دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"نہیں بیٹا! کوئی نہیں ڈانٹ رہا انہیں۔"

"پاپا! آپ پریشان ہیں؟"

"نہیں میری جان! میں کیوں پریشان ہوں گا۔ پھوپھو کہاں ہے تمہاری؟" وہ یوں ہی مسکرا کر بولا۔

"پتا نہیں! شاید اپنی کسی دوست کے ساتھ گئی ہیں۔ تیار ہونے کا کہہ رہی تھیں۔"

عدیل گم صم سے انداز میں جھک کر جوتے اتارنے لگا۔

☆ ☆ ☆

اس بار آنے والے مہمان واقعی مبارک ثابت ہوئے تھے۔

انہوں نے فوزیہ کو پسند کر لیا۔

کمال شاید فوزیہ کے خوب اچھے سے تیار ہونے کا تھا یا واقعی وہ انہیں اچھی لگی تھی۔ فوزیہ کی ہونے والی ساس اور بیاہی نند محبت پاش نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے مسکرا رہی تھیں۔

"یہ شگن کے پیسے ہیں بہن جی! انکار نہیں کیجیے گا۔" انہوں نے دو ہزار روپیہ فوزیہ کے ہاتھ پر بخوشی رکھ دیا۔

نسیم اور عدیل پر تو جیسے شادیٔ مرگ طاری ہو گیا۔

کہاں پانچ' چھ سالوں سے فوزیہ کا رشتہ ہی نہیں ہو رہا تھا اور کہاں ایک دم سے۔۔۔ نسیم کی سمجھ میں نہ آیا کہ فوراً" کیا بولیں۔

"نہیں بہن جی! یہ ابھی رہنے دیں۔ ہم آئیں گے نا تو۔۔۔" وہ بدقت کانپتی آواز میں بولیں۔

"آپ آئیں گی تو تب اپنی خوشی پوری کیجیے گا' لیکن ہمیں نہیں روکیں۔ ہمیں تو آپ کی بیٹی پیاری ہی اتنی لگی ہے کہ جی چاہتا ہے' ابھی اسے اپنے گھر لے جائیں ہمیشہ کے لیے۔" فوزیہ کی ہونے والی ساس اسے ساتھ لپٹا کر بولیں۔ فوزیہ اور نسیم کا چہرہ خوشی سے دمکنے لگا۔

"پھر آپ کب آرہی ہیں ہماری طرف؟" انہوں نے نسیم سے پوچھا۔

"جب آپ کہیں۔ اس ویک اینڈ پر ٹھیک رہے گا عدیل۔۔۔ بشریٰ؟"

ایک دم نسیم کو خیال آیا کہ بہو بیٹے کی شمولیت تو اس معاملے میں سب سے زیادہ ضروری ہے۔ جس کا روٹھا چہرہ آج سب کو بہت کچھ کہہ رہا تھا۔ مگر بھلا ہو فوزیہ کی ساس کی کمزور نظر کا یا اسے فوزیہ کے آگے اور کچھ نظر ہی نہیں آیا کہ اس نے بشریٰ کے خفا چہرے کو کوئی اہمیت ہی نہیں دی۔

"ٹھیک ہے امی! جیسے آپ کہیں۔" عدیل فوراً" بولا۔

"ماشاء اللہ بہن جی! بہت سعادت مند بیٹا اور بہو ہے میری۔ میری تو دعا ہے اللہ سے سب کو ایسی سعادت مند

اولاد دے۔ ایسی نیک طبیعت میری فوزیہ کی بھی ہے۔ سارا وقت یا تو گھرداری کرتی رہے یا پھر نماز' قرآن' تیسرا کوئی شغل ہے ہی نہیں اس کا۔ نہ ٹی وی کے بے ہودہ ڈرامے' نہ کوئی فیشن کی بیماری۔ میرا تو سمجھو! سارا گھر بچی نے سنبھال رکھا ہے۔ بھاوج اور اس میں ایسا دوستانہ ہے۔ بہن! کوئی غیر آئے تو وہ دیکھ کر مانے ہی نہ کہ یہ بھاوج ہیں' جیسے دو سہیلیاں ہوں یا دو بہنیں۔ ایسی بھلی مانس طبیعت ہے میری بہو اور بیٹی کی۔" نسیم نے ایک سے دو شکار کیے بلکہ تین شکار۔

بشریٰ کا دل جیتنے کی ناکام کوشش کہ ابھی تو وہ فوری طور پر ساس کے اس دو رخے رویے سے سخت بددل تھی' شوہر کی وجہ سے بہت سنبھلی ہوئی بیٹھی تھی اور فوزیہ اس کی دوست' سہیلی' بہن۔

اس کا جی چاہا' زور زور سے ہنسنے لگے۔ اس کی ساس سمجھتی ہے کہ ساری دنیا کی آنکھیں خراب ہیں یا ان میں موتیا اترا ہوا ہے' جو انہیں اس نند بھاوج کے رشتے میں ایسا پیار دکھے۔

"ہونہہ! دوغلی عورت کے۔" بشریٰ کے دل میں کھولن بڑھتی جارہی تھی۔ دوسری طرف فوزیہ کی ہونے والی ساس تو جیسے فوزیہ پر اور بھی والہ و شیدا ہونے لگیں۔ لپٹ لپٹ کر اسے خوب پیار کرنے لگیں۔

"منافق عورتیں۔" وہ کڑھتی ہوئی اٹھ کر چائے کے برتن سمیٹنے لگی۔

نسیم اور فوزیہ کی ساس کے درمیان اگلی تفصیلات طے ہونے لگیں۔

رشتہ کرانے والی کے چہرے پر بھی خوشی کے مارے جیسے ہزار واٹ کا بلب جگمگا اٹھا تھا۔ اس کی سات سالوں کی محنت بر آنے لگی تھی۔ دونوں طرف سے خوب ملنے کی آس جو بندھ گئی تھی۔

"اور میرے بھائی کی خوشیاں کیسے اس عورت نے خاک میں ملادیں۔ ہم لڑکی دیکھنے بھی نہ جاسکے۔ مطلبی' خود غرض' بے حس لوگ۔" وہ کچن میں برتن پٹخ پٹخ کر رکھنے لگی۔ مشال ذرا ذرا دیر بعد بھی آکر ماں کو دیکھ جاتی اور پھر ڈرائنگ روم میں باپ کے پاس جاکر گود میں چڑھ جاتی۔

"دادی اور پھوپھی کا موڈ خوش گوار ہوتے ہی پاپا بھی کیسے چہکنے لگتے ہیں۔" وہ باپ کی خوشی میں کھنکتی آواز پرشوق انداز میں سننے لگی اور کبھی ٹکٹکی جما کر باپ کا چہرہ دیکھنے لگتی۔ اسے اپنے باپ کو دیکھنا بہت اچھا لگ رہا تھا۔

"پاپا ایسے بات کرتے کتنے اچھے لگتے ہیں۔ ہنس بھی نہیں رہے اور لگ رہا ہے' جیسے ابھی ہنس پڑیں گے۔ اتنے خوش تو وہ صرف مما کے ساتھ ہوتے ہیں' جب دونوں رات کو ویک اینڈ پر فارغ ہوکر خوش گوار موڈ میں باتیں کرتے ہیں' مگر آج تو لگتا ہے دونوں میں خوب لڑائی ہوگی۔ مما کا موڈ سخت آف ہے۔ وہ آسانی سے تو پاپا سے بات نہیں کریں گی' لیکن پاپا کو بھی انہیں منانا آتا ہے۔ میں پاپا کا ساتھ دوں گی۔ ہم دونوں جلدی سے مما کو راضی کرلیں گے۔" وہ باپ کے چہرے کو دیکھ کر سوچتی چلی گئی۔

"اب غصہ جانے دو بشریٰ! یقین کرو۔ میں ان کو فون کرکے بتانے ہی والا تھا تمہارے جانے کے بارے میں کہ باس نے اچانک اپنے کمرے میں بلالیا۔ وہیں گھنٹے بھر کی میٹنگ ہوگئی اور باہر نکلا ہوں تو آف ہونے ہی والا تھا۔ یقین کرو! میں تو تمہیں لینے کے لیے آنے والا تھا۔" عدیل مسلسل اس کی منتیں کیے جارہا تھا۔

"مجھے نیند آرہی ہے' پلیز! مجھے تنگ نہیں کریں۔ سونا ہے مجھے۔"

"اچھا! سوجانا' مگر پہلے مجھ سے بات تو کرو۔" عدیل اس کے اوپر سے چادر کھینچ کر بولا۔

"بات کر تو رہی ہوں اور کیسے بات کروں۔" وہ پھر سے چادر کھینچ کر غصہ میں بولی۔

"اس طرح بات کرتے ہیں کیا؟"

"اور کس طرح بات کرتے ہیں؟ اب آپ بات کرنا سکھائیں گے مجھے؟ آپ کی والدہ صاحبہ نے جی بھر کر میری کلاس لی۔ اب آپ مجھے پڑھائیں..... چھوڑیں مجھے۔" وہ پھر سے چادر کھینچنے لگی۔

"اچھا! اگر کل میں آفس سے آف کرلوں اور تمہیں صبح ہی آنٹی کی طرف لے چلوں' پھر تو راضی ہوجاؤ گی نا؟" عدیل نے آخری حربہ آزمایا۔

"مجھے اب کہیں نہیں جانا۔ امی کی طرف تو اب کبھی نہیں۔ آپ کو چھٹی کرنی ہے تو سو بار کریں' مگر میری خاطر نہیں۔ میں کہیں نہیں جانے والی اور پلیز! اب مجھے سونے دیں۔ سارا دن نوکروں کی طرح کام کیا ہے میں نے۔ آپ کی بڑی مہربانی ہوگی' اگر مجھے اب تھوڑا آرام کرلینے دیں گے تو۔" بشریٰ کے موڈ سے صاف لگ رہا تھا کہ وہ کسی صورت راضی نہیں ہوگی۔

"مما! پلیز مان جائیں نا۔ دیکھیں تو پاپا کتنے پریشان ہیں۔" مشال ماں سے بولی۔

"تم سوئیں نہیں ابھی تک؟ معلوم ہے نا! صبح اسکول جانا ہے۔" بشریٰ اسے جھڑک کر بولی۔

"جب تک آپ مانیں گی نہیں' نہ میں سوؤں گی' نہ پاپا اور صبح نہ میں اسکول جاؤں گی' نہ پاپا آفس جائیں گے۔ کیوں پاپا؟" مشال باپ کی شہ پاکر چہکتے ہوئے لہجے میں بولی۔

"آف کورس میری جان!" عدیل اسے ساتھ لپٹا کر بولا۔

"تو پھر بہتر ہے' میں اٹھ کر کہیں اور چلی جاتی ہوں۔ یہاں مجھے کوئی سونے نہیں دے گا۔" وہ تکیہ اٹھا کر جانے لگی۔

"تم جہاں جاؤ گی' ہم وہیں تمہارے پیچھے آجائیں گے۔ کیوں مشی جان؟" عدیل اسے روک کر بولا۔

"عدیل! چھوڑیں نا مجھے۔" وہ زچ آکر بولی۔

"اتنی آسانی سے تو چھوڑ نہیں سکتا آپ کو ڈارلنگ!" وہ چھیڑ کر بولا۔

"مشال ہے' کچھ تو خیال کریں۔" وہ کچھ جھینپ کر شوہر کو گھور کر بولی۔

"مما! میں نے آئیز کلوز کرلی تھیں۔ پلیز! اب آپ ہنس دیں۔" مشال معصومیت سے دونوں آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر بے ساختہ بولی تو عدیل اور بشریٰ اپنی ہنسی روک نہیں سکے۔

"بھئی! جو کام ہم نہیں کرسکے' ہماری مشال نے کر دکھایا۔ مشال ڈیئر! تھینکس۔" عدیل اسے پیار کرکے بولا۔

"پاپا! خالی تھینکس نہیں چلے گا۔" وہ دونوں کے درمیان بیٹھ کر اٹھلا کر بولی۔

"تو پھر کیا چلے گا جانو!"

"کل کی چھٹی اور مزے۔ مما کو ڈھیر ساری شاپنگ..... مما اور کیا کنڈیشن لگاؤں' جلدی سے بتادیں۔ اس وقت پاپا سب کچھ مان لیں گے۔" وہ ماں سے رازداری سے بولی تو دونوں ہنسنے لگے۔

"آپ زیادہ دبلی ہمالو نہیں بنیں۔ ہمیں اپنی ٹرمز اور کنڈیشنز طے کرنی آتی ہیں۔" عدیل اس کے ریشمی بال بکھرا کر بولا۔

"آپ خوش نہیں ہوں مما! ابھی مانیں نہیں..... ہے نا مما؟" وہ جلدی سے بولی تو بشریٰ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تو پھر کیسے مانیں گی آپ کی مما؟" عدیل بشریٰ کو شریر نظروں سے دیکھ کر بولا۔

"ہم تو جانتے ہیں' یہ کیسے مانیں گی۔"

بشریٰ نے عدیل کو زور سے چٹکی کاٹی..... اور مشال کو کھینچتے ہوئے لے جانے لگی۔

"کچھ پتا نہیں کہ صبح اسکول بھی جانا ہے۔ دیر سے سوؤ گی تو اٹھو گی کیسے صبح؟"

☆ ☆ ☆

"آپ سچ کہہ رہی ہیں امی۔" عدیل ابھی آفس سے آیا تھا۔ بیگ رکھا ہی تھا کہ ماں کی بات سن کر بے یقینی سے دیکھنے لگا۔

"لو تو اتنی بڑی بات میں کیا جھوٹ بولوں گی۔ بشریٰ بیٹی! آکر ذرا بتاؤ تو عدیل کو کہ آیا تھا نا۔ ابھی فوزیہ کی ساس کا فون؟"

بشریٰ مسکراتے ہوئے کچن سے نکل کر آگئی۔

"جی! امی ٹھیک کہہ رہی ہیں عدیل۔ آنٹی تو اتنی بے قرار ہیں۔ ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ آج ہی بارات کر آجائیں۔ امی نے جب انہیں فون کرکے بتایا کہ ہمیں آپ کا بیٹا بہت اچھا لگا ہے اور واقعی ظہیر میں ایسی کوئی بات ہے بھی نہیں کہ بندہ انکار کر سکتا۔ فیملی بھی اچھی ہے، جاب بھی ٹھیک ہے اس کی، پھر اپنی فوزیہ کا رشتہ اتنی چاہ سے مانگ رہے ہیں تو اور کیا چاہیے۔ آپ بتائیں کیا کہتے ہیں؟" بشریٰ ساس کے پاس جا کر بشاش لہجے میں بتانے لگی۔

عدیل کچھ متذبذب سا ہوا۔

"کیوں عدیل! چپ کیوں ہو گئے؟" نسیم بیٹے کو دیکھ کر کچھ پریشان ہو کر بولیں۔

"نہیں امی! ایسی بات نہیں۔ اگر آپ کو یہ رشتہ پسند ہے...."

"تجھے پسند نہیں کیا؟ لڑکے کے بارے میں ساری معلومات بھی تو تو نے ہی کرائی ہیں۔" نسیم پریشان سی ہو گئیں۔

"نہیں امی! وہ سب ٹھیک ہے، لیکن خالی نکاح کرنا.... میرا مطلب تھا ہماری تیاری ہے تو سہی.... تو کیوں نہ انہیں کہیں کہ مہینے دو مہینے میں شادی رکھ لیتے ہیں۔" عدیل بیوی کی طرف دیکھ کر بولا۔ بشریٰ کی منشا بھی یہ ہی تھی کہ رخصتی بھی ہو جائے۔

"میں نے بھی یہ ہی بات کی تھی تو نسرین بہن کہنے لگیں کہ انہیں گھر میں کنسٹرکشن کچھ کا کام کروانا ہے۔ اس میں کافی ٹائم لگے گا اور انہوں نے پہلے بھی بتایا تھا کہ ان کی نند اپنی بیٹی دینا چاہ رہی ہے اپنے بیٹے کو تو اس چخ چخ سے بچنے کے لیے وہ نکاح کرنا چاہ رہی ہیں۔" نسیم نے تفصیل سے بتایا۔

"تو بس ٹھیک ہے، پھر آپ انہیں کہہ دیں اور بیٹھ کر نکاح کی کوئی تاریخ طے کر لیتے ہیں۔" عدیل سر ہلا کر بولا۔

"لا بشریٰ! فون دے۔ میں انہیں بتا دوں۔ بے صبری سے انتظار کر رہی ہوں گی۔" نسیم فوراً ہی بولیں۔ بشریٰ نے اٹھ کر ساس کو فون دیا۔ وہ نمبر ملا کر بات کرنے لگیں۔ بشریٰ اور عدیل بھی وہیں بیٹھے رہے۔

☼ ☼ ☼

فوزیہ دلہن بنی بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ اگرچہ اس کے نقوش بہت عام سے تھے، مگر دلہناپے کا روپ تو عام سے چہرے کو بھی خاص بنا دیتا ہے۔ نکاح ہوتے ہی سب ایک دوسرے کو مبارک باد دینے لگے۔ یوں بھی زیادہ لوگ نہیں تھے۔ صرف سترہ لوگ لڑکے والوں کی طرف سے اور ان کے بھی قریبی عزیز ہی مدعو تھے۔

ظہیر کو فوزیہ کے ساتھ لا کر بٹھا دیا گیا۔ سب دونوں کو دیکھنے لگے۔ بشریٰ، ظہیر کو دیکھتے ہوئے کچھ ٹھٹک سی گئی۔

(باقی آئندہ)

رخسانہ نگار عدنان

ایک تھی مثال

عدیل اور فوزیہ نسیم بیگم کے بچّے ہیں۔ بشریٰ ان کی بہو ہے اور ذکیہ بیگم کی بیٹی ہے۔ عمران بشریٰ کا بھائی ہے۔ مثال ذکیہ بیگم کی نواسی ہے اور نسیم بیگم کی پوتی ہے۔ فوزیہ اور نسیم بیگم میں روایتی ساس بہو کا تعلق ہے۔ نسیم بیگم مصلحتاً "بیٹا بہو" سے لگاوٹ دکھاتی ہیں۔ دوسری طرف ذکیہ بیگم کا کہنا ہے۔ ان کی بیٹی بشریٰ کو سسرال میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ ذکیہ بیگم اپنے بیٹے عمران کے لیے بھی لڑکیاں دیکھ رہی ہیں۔ پانچ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد بالآخر فوزیہ کا ایک جگہ نکاح طے پا جاتا ہے۔ نکاح والے روز بشریٰ دولہا ظہیر کو دیکھ کر چونک جاتی ہے۔

۲

دوسری قسط

اسے لگا اس نے ظہیر کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔ کہیں بہت قریب سے..... کہاں اسے بہت سوچنے پر بھی یاد نہیں آرہا تھا۔

نکاح ہو چکا تھا۔ اب اسٹیج پر قریبی عزیزوں کے ساتھ تصویریں بنوائی جا رہی تھیں۔ بشریٰ کی طبیعت کچھ بوجھل سی تھی شاید تھکاوٹ کی وجہ سے یا کچھ اور.....

وہ سب سے ہٹ کر ایک طرف آکر بیٹھ گئی۔

مثال سب کے درمیان خوش خوش پھر رہی تھی۔

بشریٰ اسے دیکھتے ہوئے خود بخود مسکرانے لگی۔ اس کی ساری تھکن جیسے اترنے لگی۔ اسی وقت عدیل نے بھی اسے دیکھا۔ وہ بشریٰ کو یوں بیٹھے دیکھ کر کچھ متفکر سا ہوا۔ بشریٰ ابھی تو فوزیہ کے ساتھ بیٹھی تصویر بنوا رہی تھی اور اب یوں سب سے الگ تھلگ!

وہ دوسرے ہی لمحے اس کے پاس آکر فکر مند لہجے میں اس سے پوچھنے لگا۔

"تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا بشریٰ؟"

"ہاں ٹھیک ہوں۔ آپ کیوں آگئے وہاں سے۔ امی خفا ہوں گی۔ سب کے درمیان جاکر بیٹھیں۔ اچھا نہیں لگتا ہم دونوں ہی اس طرح الگ تھلگ ہوکر بیٹھ جائیں۔" بشریٰ کو فوراً" نسیم بیگم متلاشی نظریں پریشان کرنے لگیں۔ وہ یقیناً" بشریٰ اور عدیل ہی کو تلاش کر رہی تھیں۔

"فکر نہیں کرو میں ابھی وہیں سے تو آرہا ہوں۔ تم مجھے کچھ ٹھیک نہیں لگ رہیں۔"

"ہاں! بس ایسے ہی طبیعت بوجھل سی ہو رہی تھی شاید تھکاوٹ کی وجہ سے" وہ سر دبا کر تھکے تھکے لہجے میں بولی۔

"تو تم جاکر آرام کرو۔ فنکشن تو تقریباً" ختم ہی ہوگیا ہے۔" عدیل تشویش سے بولا۔ اسے بھی بشریٰ کا رنگ کچھ زرد سا لگ رہا تھا۔

"کیسی باتیں کر رہے ہیں عدیل! امی کا پتا ہے نا آپ کو۔ ابھی ہم دونوں کو غائب دیکھیں گی تو مہمانوں کا لحاظ کیے بغیر مجھے بولنا شروع ہو جائیں گی۔ پلیز جائیں آپ وہاں بیٹھیں سب کے درمیان" بشریٰ کچھ گھبراہٹ سے بولی نسیم اب واقعی متلاشی نظروں سے دونوں کو ادھر ادھر دیکھ رہی تھیں۔

عدیل نے بھی ماں کی طرف دیکھا تو گہرا سانس لے کر کھڑا ہوگیا۔

"میں تو یہی کہہ رہا تھا امی سے کہ اچھا بھلا خرچ ہوگیا۔ اس سے تو اچھا تھا ساتھ ہی رخصتی کر دیتے۔ کیا فائدہ اتنا پیسہ لگا کر بھی شادی کی ساری رسومات اسی طرح سر پر کھڑی ہیں۔" عدیل کو واقعی کوفت ہو رہی تھی۔ نسیم بیگم نے دل کھول کر اس موقع پر خرچ کیا تھا۔ کچھ یہی حال فوزیہ کا تھا۔

بشریٰ نے عدیل کے کہنے پر اپنے لیے نئے کپڑے نہیں بنوائے تھے۔ اس بار خرچ کو کنٹرول کرنا اس کے لیے بہت مشکل ہو رہا تھا۔

"مثال سے بھی کہیں۔ اب کچھ دیر کو آرام سے بیٹھ جائے۔ مسلسل پھرے جا رہی ہے' تھک کر خدانخواستہ کہیں بیمار نہ پڑ جائے۔" عدیل کو جاتے دیکھ کر بشریٰ پیچھے سے بولی۔

عدیل کچھ جواب دیے بغیر چلا گیا۔

بشریٰ ہولے ہولے اپنی کنپٹی دبانے لگی پھر سے اس کی نظریں ظہیر کے چہرے پر رک گئیں اور دوسرے لمحے وہ چونک کر رہ گئی۔

اسے یاد آگیا تھا کہ اس نے ظہیر کو کہاں دیکھا تھا۔

نہ صرف دیکھا تھا۔ اس کے ساتھ بشریٰ کا مختصر سہی تعلق بھی رہ چکا تھا۔

وہ ایک دم سے ٹھٹک کر رہ گئی تھی مگر اب اس کو یہ سب یاد آنا بے محل اور بے فائدہ تھا۔ کاش اسے ذرا پہلے یاد آجاتا۔

وہ یک ٹک ظہیر کو دیکھے جا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

عاصمہ تینوں بچوں کو ہوم ورک کروا رہی تھی۔ چھوٹی دردہ پاس ہی پرام میں بیٹھی غوں غاں کر رہی تھی جب فاروقی صاحب عفان کے ساتھ گلے میں پھولوں کے ہار ڈالے تمتماتے چہرے کے ساتھ کچھ تحائف لیے اندر داخل ہوئے۔

عفان نے ہاتھ میں پکڑی مٹھائی اور دوسرے تحفے ایک طرف میز پہ رکھے۔

"آگئے ابا جی!" عاصمہ مسکرا کر کھڑی ہوگئی۔

"آگئے.... ایک لمبے سفر سے واپس۔" بظاہر مسکراتے ہوئے مگر مغموم سے لہجے میں فاروق صاحب نے کہا۔ چہرے پر مسکراہٹ کے باوجود ہلکی ہلکی اداسی آنکھوں میں ہلکورے لے رہی تھی۔

عفان بھی باپ کا ساتھ دینے کو ذرا سا مسکرایا۔

"تو اچھا ہے نا ابا جی! آزاد ہوگئے خوامخواہ کے آزار سے۔ اب اپنی مرضی سے اٹھیں گے۔ جی چاہا تو سوتے رہیں گے رات دیر تک اپنی پسند کے ٹاک شوز دیکھیں گے آزادی تو پھر آزادی ہوتی ہے۔" عاصمہ نے ان کو بہلانے کی کوشش کی۔

"ہاں! یہ تو ہے۔"

"مما! دادا ابو کیا حج کر کے آئے ہیں؟" منجھلی اریشہ نے دادا کے گلے میں پڑے پھولوں کے ہار دیکھ کر اشتیاق سے پوچھا۔

"ان شاء اللہ میری جان! وہ بھی کرنے جائیں گے۔ ابھی تو سمجھو دنیا کے حج سے فارغ ہوئے ہیں۔" فاروق صاحب اریشہ کو پیار کر کے بولے۔

"سب لوگ ابا جی کی تعریفیں کر رہے تھے۔ ابا جی کی ایمان داری اصول پسندی اور سب سے بڑھ کر وقت کی پابندی۔ ابا جی! آپ کو تو خوش ہونا چاہیے۔ آپ کی شاندار سروسز کا سب نہ صرف اعتراف کر رہے تھے بلکہ یہ دیکھیں جو سب نے تحائف دیے اور تعریفی اسناد بھی۔" عفان نے باپ کو فخریہ نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"دادا ابا! ان گفٹ پیکس میں کیا ہے؟" گیارہ سالہ واثق نے آگے بڑھ کر میز پر پڑے تحفوں کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"یہ دفتر کے کچھ دوستوں نے اپنے طور پر دیے ہیں اور کچھ سب نے مل کر۔" فاروق صاحب کا لہجہ اب تھکا تھکا سا تھا۔

"عاصمہ! جلدی سے چائے لے آؤ بھئی۔ ابا جی تھک گئے ہیں۔ چائے پی کر کچھ دیر آرام کرلیں گے۔"

"نہیں بیٹی! چائے رہنے دو۔ ابھی کافی کچھ کھا کر آرہے ہیں۔ میں کچھ دیر آرام کروں گا۔" فاروق صاحب اٹھ کر جانے لگے۔

"دادا ابو! میں آپ کا سر دبا دوں؟" اریبہ دادا کا ہاتھ پکڑ کر معصومیت سے بولی۔

"دادا کی جان! آپ پڑھو اگر ہمارے سر میں درد ہوا تو ہم اپنی گڑیا کو خود سے آواز دے لیں گے۔" وہ اسے جھک کر پیار کرنے لگے۔

اریبہ مسکرا کر پھر سے بیٹھ کر اپنا ہوم ورک کرنے لگی۔

"ابا جی! کھانے میں کیا لیں گے؟ آج رات کو.... کیا بنالوں؟" عاصمہ پیچھے سے بولی

"عفان سے پوچھ لو۔ مجھے تو شاید ہی بھوک لگے۔" فاروق صاحب کہہ کر باہر نکل گئے۔ دونوں کچھ دیر خاموش رہ گئے۔

"یہ اباجی کچھ زیادہ ہی اداس نہیں ہو رہے آج؟" عاصمہ آہستگی سے بولی۔

"ظاہر ہے' اتنے سالوں کی روٹین ایک دم سے ختم ہو گئی۔ اداس تو ہوں گے ہی۔ خیر ہو جائیں گے آہستہ آہستہ عادی۔ تم مجھے تو ایک کپ چائے کا بنا دو۔" عفان واثق کی کاپیاں چیک کرنے لگا۔

"عفان! اباجی کو پینشن کتنی ملا کرے گی؟" عاصمہ جاتے ہوئے رک کر پوچھنے لگی۔

عفان فوری طور پر کچھ بول نہیں سکا۔

"وہ ان کی تنخواہ سے اچھا خاصا گھر کا خرچ نکلتا تھا۔ تینوں بچوں کو اتنے اچھے سکولوں میں داخل کرا رکھا ہے ہم نے ورنہ اکیلے آپ کی تنخواہ میں کہاں گزارہ ہوگا۔" وہ اپنی تشویش کا اظہار کرتے ہوئے بولی۔

"پتا نہیں مجھے ٹھیک سے اندازہ نہیں ہے۔" عفان بتانا نہیں چاہ رہا تھا عاصمہ کو کچھ ایسا ہی لگا۔

"پھر بھی کچھ تو اندازہ ہوگا۔" وہ اصرار سے بولی۔

"یار! جاؤ تم چائے لے کر آؤ میرے لیے۔ سر میں درد ہے اب تم تحقیق شروع کر دو۔" عفان کچھ اکتا کر بولا تو عاصمہ مزید اصرار نہیں کر سکی۔

"ہاں بھئی! کیسی جا رہی ہے اسٹڈیز آپ لوگوں کی۔" عفان تینوں کی کاپیاں چیک کرنے لگا۔

"کہہ تو عاصمہ ٹھیک رہی ہے' اباجی کی نوکری ختم ہونے سے فرق تو بہت پڑے گا۔"

کاپیاں چیک کرتے ہوئے عفان رک کر سوچنے لگا۔

☆ ☆ ☆

بشریٰ کمرے میں آ کر بیٹھی ہی تھی کہ ذکیہ بھی آ گئیں۔ ابھی ابھی لڑکے والے رخصت ہو کر گئے تھے۔ فوزیہ اپنے کمرے میں کپڑے تبدیل کر رہی تھی' مثال اس کے ساتھ تھی۔ بشریٰ تھوڑی کمر ٹکانے کے خیال سے کمرے میں آ گئی۔

"لو دیکھو! یوں تو بڑی سیانی بنتی ہیں یہ نسیم بیگم اور رشتہ کہاں جوڑا بیٹی کا۔" ذکیہ بیڈ کے اوپر پیر رکھ کر ہولے ہولے اپنے پاؤں اپنے ہاتھوں سے دباتے ہوئے نخوت سے بولیں۔

بشریٰ نے چونک کر ماں کی طرف دیکھا۔

"تو امی کو بھی یاد آ گیا۔" اس نے دل میں سوچا۔

"تمہیں کچھ یاد نہیں آیا بشریٰ!" وہ بشریٰ کو خاموش بیٹھے دیکھ کر بولیں۔

"کیا امی؟" وہ انجان بنتے ہوئے سرسری لہجے میں بولی۔

ذکیہ لمحہ بھر کو خاموش ہو گئیں جیسے بولنے کے لیے الفاظ کا انتخاب کر رہی ہوں۔

"امی! ایک بات کہوں۔" بشریٰ نے ان کی خاموشی کو غنیمت جانتے ہوئے آہستہ آواز میں کہا۔

"کون سی بات؟" ذکیہ کچھ چونکیں۔

"اب تو نکاح ہو گیا ہے نا۔" بشریٰ ہولے سے بولی۔ "اچھا نہیں لگے گا اگر یہ سب۔ میرا مطلب ہے عدیل کی امی یا فوزیہ کو پتا چلے گا' یوں بھی وہ تو ایک سرسری معاملہ تھا' کون سا کوئی ایسا رشتہ جڑا تھا ہمارا۔۔۔ پھر شاید عدیل کو بھی یہ بات اچھی نہ لگے۔" بشریٰ رک رک کر یوں بولی جیسے خود کو بھی سمجھا رہی ہو۔

"اتنے سال گزر گئے۔ میں تو یہ حیران ہوں ظہیر۔ اس وقت بھی اس کی عمر کوئی ایسی کم تو نہ تھی۔ کون سا بیس بائیس کا تھا اس وقت بھی تیس پینتیس کا تو ہوگا اب تو۔" سوچتے ہوئے ذکیہ اپنی انگلیوں پر گننے لگیں۔

بشریٰ نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ جانتی تھی۔ ماں کو اب روکنا یا خاموش کرانا آسان نہیں ہوگا۔

"لو آٹھ سالوں میں تیس کا بھی رہا ہو کم سے کم تو اب اڑتیس' انتالیس کا سمجھو۔ یوں تو یہ فوزیہ بی بی بھی کم سن نہیں۔ کب سے نسیم بیگم اس کا رشتہ تلاش رہی تھیں اور دیکھو جوڑ کا ملا بھی تو کون؟" وہ ٹھٹھا سا لگا کر ہنسیں۔

بشریٰ نے ناگواری سے ماں کو دیکھا مگر ذکیہ کا دھیان تو اس کی طرف تھا ہی نہیں۔

"جب تمہارے لیے یہ ظہیر کی ماں ہماری دہلیز اپنی جوتیوں سے گھس رہی تھی' اس وقت بھی مجھے یہ لوگ کچھ اتنا بھائے نہیں تھے پھر بھی اچھا گھر بار اور خاندان دیکھ کر میں نے ہامی بھر لی تھی مگر چند ہی دنوں میں جو انہوں نے پر پرزے نکالے' یاد ہے تمہیں وہ سب بشریٰ۔"

ذکیہ جیسے صورت حال کا پورا تجزیہ کرنے پر تلی ہوئی تھیں مزا سا لے کر بولیں۔

"امی! خدا کے لیے چپ کر جائیں۔ گھر میں اس وقت مہمان اکٹھے ہیں جو کسی نے کچھ سن لیا تو۔" بشریٰ دہل کر بولی۔

"تو سن لے ایسا کون سا میں کوئی من گھڑت افسانہ سنا رہی ہوں۔" ذکیہ نڈر ہو کر بولیں۔

بشریٰ تلملا کر رہ گئی۔

"آج امی کوئی نہ کوئی تماشا کروا کے جائیں گی۔" وہ بول بھی نہ سکی۔

"آئے دن ان کا فرمائشی پروگرام چلنے لگا تھا اور دیکھو مزے کی بات ظہیر کی ماں یوں تو خاصی بھولی بھالی خود کو ظاہر کر رہی تھی نسیم بہن کے سامنے' مگر مجھے دیکھتے ہی جیسے اس پر پانی سا پڑ گیا۔ دائیں بائیں دیکھنے لگی جیسے بھاگنے کو راستہ ڈھونڈ رہی ہو۔" خود ہی ہنسنے لگیں۔

"اور بشریٰ! میں جو نسیم سے کچھ بول دیتی۔"

"امی! بس کر دیں خدا کے لیے۔ یوں بھی یہاں صرف رشتہ جڑنے والا سرسری معاملہ نہیں۔ باقاعدہ نکاح ہوا ہے اب اگر اس بات کی بھنک امی کو یا عدیل کو ہو گئی یا فوزیہ کو پتا چل گیا۔ ظہیر اس کی فیملی کو تو کیا کسی نے برا سمجھنا۔ الٹا میری شامت آ جائے گی کہ میری پہلے بھی کہیں منگنی ہوئی تھی اور ہم نے چھپایا۔" بشریٰ نے ماں کو سنگین حالات کا احساس دلانا چاہا۔

"اے لو! منگنی کہاں تھی وہ۔ خالی منہ زبانی کی بات تھی اور بس۔ میں پہلے ہی ان کی بدنیتی کو جان گئی تھی تو۔۔۔"

"امی! چائے پئیں گی آپ؟" بشریٰ کنپٹی دباتی کھڑی ہو گئی یوں تو ذکیہ بیگم کو چپ کرانا مشکل تھا۔ بشریٰ نے اٹھ کر چلے جانے میں ہی عافیت سمجھی۔

"تم لیٹی رہو۔ تمہاری طبیعت کون سی اچھی ہے بلکہ میں تو کہتی ہوں عدیل کے ساتھ جا کر ڈاکٹر کو دکھا آؤ یا میں چلتی ہوں تمہارے ساتھ۔"

"نہیں! ٹھیک ہوں میں۔ یوں بھی ابھی گھر میں مہمان ہیں۔ امی بولیں گی کہ کیسے کمرے میں گھس کر بیٹھ گئی' میں دیکھوں ذرا باہر جا کر۔"

"بشریٰ دیکھنے بھالنے کا۔۔۔ نوکرانی تو نہیں ہو تم ان کی۔" ذکیہ پھر اپنی ناگواری چھپا نہ سکیں تو بولنے لگیں۔

"امی! اپنے گھر میں کام کرنے سے کوئی نوکر نہیں بن جاتا۔" بشریٰ کو ماں کی بات اچھی نہیں لگی تو فوراً بول اٹھی۔

"پھر عدیل میرے ساتھ اتنے اچھے ہیں۔ میرا اتنا خیال رکھتے ہیں، کبھی انہوں نے میری کسی خواہش کو رد نہیں کیا تو اگر میں ان کی ماں بہن کا خیال رکھتی ہوں یا گھر کے کام کر لیتی ہوں تو کیا فرق پڑتا ہے امی!" بشریٰ تحمل سے ماں کو سمجھانے والے انداز میں بولی اگرچہ جانتی تھی ذکیہ سے اس موضوع پر بات کرنا فضول ہے۔

"تمہاری الٹی منطق۔ وہ ماں بیٹی تمہیں جوتی پر رکھیں اور تم ان کی دلداری کرتی رہو۔" وہ اسے اور اشتعال دلاتے بولیں۔

بشریٰ تاسف سے ماں کو دیکھتی باہر جانے لگی۔

"ہاں امی! وہ جو لڑکی آپ کو پسند آئی تھی۔ شام میں مجھے دکھا رہی تھیں عمران کے لیے۔ کچھ اتا پتا لیا آپ نے اس کا۔" بشریٰ کو جاتے جاتے یاد آیا تو رک کر پوچھنے لگی۔

"اونہوں دفع کرو امی! سرو ہیے ظہیر کی خالہ زاد ہے بھئی۔ میں نے تو اس دو نمبر خاندان میں کوئی رشتہ نہیں جوڑنا۔ لڑکی تو خاصی تیز طرار تھی میرے اتا پتا پوچھنے پر ہی جھٹ سے سمجھ گئی۔ شرما شرما کر ادائیں دکھانے لگی۔ میں تو اٹھ کر آ گئی۔" ذکیہ نے تفصیلاً جواب دیا تو بشریٰ گہرا سانس لے کر رہ گئی۔

"اس طرح تو امی! عمران کا رشتہ ڈھونڈنا اور بھی مشکل ہوتا جائے گا۔ آخر کوئی نہ کوئی تو پسند کرنا ہو گی نا!"

"کوئی نہ کوئی کا یہ مطلب تھوڑی ہے کہ کسی کو بھی بہو بنا کر لے آؤں جو دل کو، آنکھوں کو بھائے گی، اس کے بارے میں سوچیں گے تم ذرا فارغ ہو لو تو میرے ساتھ چلنا۔ اس بار بوا نے جس لڑکی کا بتایا ہے وہ اچھے لوگ لگ رہے ہیں لڑکی بھی بہت خوب صورت ہے۔"

"آپ نے دیکھ لی لڑکی؟" بشریٰ نے کچھ اچنبھے سے پوچھا۔

"نہیں! تمہارے بغیر تو نہیں دیکھ سکتی تھی نا۔ تصویر دکھائی تھی بوا نے۔ اچھی خاصی خوش شکل لڑکی ہے اور تو اور عمران کا بھی دل ٹک سا گیا تصویر دیکھ کر۔" وہ خوش ہو کر بولیں۔

"چلیں، یہ تو اچھا ہو گیا میں فارغ ہوتی ہوں تو پھر چکر لگا آئیں گے اور ان لوگوں سے کہیے گا کہ زیادہ اہتمام نہ کریں۔ اچھا نہیں لگتا کہ صرف جا کر دیکھنا ہوتا ہے لڑکی کو اور اتنی مدارت کرائیں۔"

"لو یہ تو دنیا کا دستور ہے وہ الگ کرتے ہیں یاد نہیں تمہاری بار مجھے بھی ہر بار یونہی میز بھر کر سجانا پڑتی تھی میں نے تو کبھی ناک منہ نہ چڑھایا اور نہ کسی لڑکے والے نے منع کیا تو پھر ہم کیوں کریں ایسا۔"

بشریٰ تاسف بھری نظروں سے ماں کو دیکھ کر خاموشی سے باہر نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

فاروق صاحب ٹیرس پر بیٹھے کوئی کتاب پڑھ رہے تھے۔ ان کے کمرے میں کتاب کی بڑی بڑی دو الماریاں تھیں گورنمنٹ سروس میں رہنے کے باوجود انہیں کتاب بینی کا خصوصی شوق تھا۔

"ابا جی! کھانا تو کھا لیں آکر۔ کافی ٹائم ہو گیا ہے اب تو۔" عاصمہ اندر آکر نرمی سے مسکرا کر بولی۔

انہوں نے مسکرا کر کتاب بند کرتے ہوئے عینک اتاری۔

"آج تو جیسے ہر ذمہ داری سے آزاد ہو کر ہلکا پھلکا ہو گیا ہوں میں اور دل چاہ رہا ہے کسی بھی روٹین کی پابندی نہ کی جائے۔" وہ خوشی بھرے لہجے میں بولے۔

"ابا جی! کھانا تو آپ کو کھانا ہی پڑے گا کیونکہ عفان کو آپ جانتے ہیں وہ آپ کے بغیر ایک لقمہ نہیں لیں گے اور بچے بھی انتظار میں بیٹھے ہیں کب آپ آ ہی جائیں۔" عاصمہ ان کے ہاتھ سے کتاب لے کر الماری میں رکھتے

ہوئے بولی۔

"عاصمہ بیٹی! اسے الماری میں نہیں رکھو۔ میرے بیڈ کے سرہانے رکھو، بہت دلچسپ کتاب ہے، رات میں یہی پڑھوں گا۔" وہ اسے ٹوک کر بولے۔

"میں سوچ رہا تھا۔ گاؤں کا ایک چکر لگا آؤں۔"

"وہ کس لیے۔ ابھی تو موسم خاصا سرد ہے۔" عاصمہ بولی۔

وہ جیسے وجہ بتانے کے لیے کچھ سوچنے لگے۔

"مجھے اسلم بھائی کا فون آیا تھا۔ ہماری زرعی زمین پچھلے دو سالوں سے سیم تھور کا شکار ہو کر رہ گئی ہے بلکہ بے کار ہی سمجھو۔ وہ چاہ رہا تھا میں ایک چکر لگا لوں گاؤں کا، سڑک کے نزدیک ہونے کی وجہ سے اس زمین کے اچھے دام مل سکتے ہیں۔" وہ سوچ سوچ کر بولے۔

"تو آپ زمین بیچ دیں گے؟" عاصمہ کچھ حیرانی سے بولی۔ فاروق صاحب کو اپنی اس آبائی زمین سے بہت پیار تھا۔

"بیٹا! گورنمنٹ سروس میں رہتے ہوئے کوشش کے باوجود میں تم لوگوں کے لیے اپنا گھر نہیں بنا سکا۔ اب عفان کی جاب بھی کچھ اتنی شان دار نہیں کہ وہ یہ کام کر لے پھر ماشاءاللہ سے بچوں کے اخراجات ہیں اور مہنگائی دن بدن کم ہونے کے بجائے بڑھتی جا رہی ہے۔ ایسے میں گھر کہاں چلے گا اور یہ کرائے کا گھر جیسے یکم تاریخ بھاگی چلی آتی ہے۔"

وہ رک رک کر گہری آواز میں بول رہے تھے۔

عاصمہ کو شک ہوا جیسے انہوں نے عاصمہ اور عفان کی پینشن والی بات سن لی ہو۔

"یوں بھی وہ بنجر زمین تین چار سالوں سے ہمیں کچھ نہیں دے رہی بلکہ مجھے اسلم بھائی کہہ رہے تھے کہ کوئی خانہ بدوش کنبہ اس پر خیمے گاڑے پچھلے دو ماہ سے بیٹھا ہے، یہ نہ ہو کہ قبضہ ہی ہو جائے۔" وہ اٹھتے ہوئے بولے۔

اپنے گھر کی حسرت تو کوئی عاصمہ کے دل سے پوچھتا۔

عفان تو اتنے سالوں سے اسے سوائے اگلے سال، اگلے سال کے دلاسے کے اور کچھ نہیں دے سکا تھا مگر ابا جی جتنے مزاج اور طبیعت کے اچھے تھے۔ دل کے بھی اتنے ہی اچھے تھے بلکہ عاصمہ کے مزاج اور خواہش کو جتنا وہ سمجھتے تھے اتنا تو عفان بھی نہ سمجھ سکا تھا۔

"پھر تو ابا جی! آپ کو وہ زمین نکال ہی دینی چاہیے یہ نہ ہو کوئی قبضہ گروپ قابض ہو کر بیٹھ جائے تو پھر مسئلہ ہو جائے۔" وہ خوش ہو کر بولی۔

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔" وہ سر ہلا کر بولے۔

"اور ادھر بھی کسی ڈیلر سے کہہ چھوڑیں۔ کوئی اچھا سا گھر مناسب دام میں نظر میں رکھے۔" عاصمہ زیادہ دیر اپنے دل کی بے چینی کو چھپا نہیں سکی تھی بول پڑی۔

"جانتا ہوں۔ میری بچی کو اپنے گھر کی کتنی خواہش ہے بلکہ مجھے تو دکھ ہوتا ہے کہ ہم تمہیں اپنی چھت بھی نہ دے سکے۔ ہر لڑکی کے دل کی خوشی ہوتی ہے اور تم اتنے سالوں میں بھی اس سے محروم رہی ہو۔"

"اونہوں ابا جی! میں خوش ہوں بہت۔ آپ بہت اچھے ہیں، عفان اتنا خیال رکھتے ہیں۔ اللہ نے اتنے پیارے پیارے بچے دیے ہیں اور ایک آدھ کمی تو ہر ایک کی زندگی میں ہوتی ہی ہے نا۔ ان شاءاللہ وہ بھی دور ہو جائے گی آپ پریشان نہیں ہوں۔" وہ باپ جیسی شفقت رکھنے والے فاروق صاحب کو دیکھتے ہوئے نرمی سے بولی۔

"اللہ تمہیں خوش رکھے میری بچی! میں دو تین دن میں گاؤں جا رہا ہوں وہاں جو بھی صورت حال ہو گی، دیکھ کر

عفان کو بلا لوں گا اگر زمین کے اچھے دام مل رہے ہوئے تو پھر ہم دیر نہیں کریں گے اور واپس آتے ہی ان شاء اللہ گھر لے لیں گے صبح ہی الیاس ایجنٹ سے گھر کے لیے بھی بولتا ہوں۔" وہ جلدی جلدی بولے جیسے انہیں یہ سب کہنے کے لیے اپنی ریٹائرمنٹ کے دن کا ہی انتظار تھا۔ عاصمہ کا دل لحہ بھر کو خوف زدہ سا ہوا۔

"ابا جی یہ سب کچھ اتنی جلدی جلدی کرنا چاہ رہے ہیں۔ کہیں خدانخواستہ وہ ہم سے بچھڑنے والے تو نہیں۔۔۔ اللہ نہ کرے۔" وہ خود ہی دہلتی باہر نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

"امی! مجھے تو حنا بہت پسند آئی ہے۔ اور عمران کے ساتھ جچے گی بھی خوب۔" بشریٰ عمران کو دیکھتے ہوئے مسکرا کر بولی۔

ذکیہ تیز نظروں سے بشریٰ کو دیکھنے لگیں۔

"کیا ہوا امی ایسے کیوں دیکھ رہی ہیں؟" بشریٰ کچھ ڈر کر بولی۔

"عمران تم سے کتنی محبت کرتا ہے۔ جانتی ہو ناں بشریٰ؟"

"امی!" بشریٰ پریشان ہو گئی۔

"قد دیکھا تھا تم نے اس حنا بیگم کا۔"

"امی! اتنا بھی چھوٹا نہیں تھا۔" بشریٰ دبے لہجے میں بولی جبکہ عمران کا یہ سنتے ہی موڈ آف سا ہو گیا تھا۔ اس نے ناگواری سے منہ ٹی وی کی طرف پھیر لیا تھا۔

"دیکھو بشریٰ! اب تم ڈنڈی مار رہی ہو۔ وہ ناٹی سی چھوٹی سی لڑکی بھلا کیا جچے گی اپنے عمران کے ساتھ۔ کہاں میرا گبھرو عمران اور کہاں وہ۔ بس رہنے دو۔ یوں تعریفیں کر کے میرا جی نہیں جلاؤ۔"

ذکیہ بیگم نے گویا بات ہی ختم کر دی۔

بشریٰ کو ایک دم سے ڈھیر سارا غصہ آ گیا۔

"اب ایسی بھی کیا خود غرضی اگر ان کی اپنی بیٹی کا اللہ نے اچھی جگہ رشتہ کر دیا ہے تو وہ کسی اور کی بیٹی کا ہونے ہی نہیں دیں گی۔"

"امی! اگر آپ اس طرح لڑکیاں ریجیکٹ کرتی رہیں پھر تو خدانخواستہ عمران کی شادی کیسے ہو گی۔ میرا مطلب ہے۔"

"تمہارے کہنے کا مطلب ہے کہ میں اپنے بچے کا گھر نہیں بسانا چاہتی۔" وہ فوراً بولیں۔

"خدا کے لیے امی! اب میری بات کا الٹا سیدھا مطلب مت نکالیے گا دو تین سال سے ہم لڑکیاں دیکھ رہے ہیں اور سچی بات ہے مجھے تو اب آئے روز گھر گھر جا کر یوں لڑکیاں دیکھنا بہت برا لگ رہا ہے۔"

"تو ٹھیک ہے تم اگلی بار مت جانا۔ یہ بڑھیا جو ہے خوار ہونے کے لیے۔ گھٹنے گھسانے کے لیے۔" ذکیہ برا مان کر بولیں۔

بشریٰ بے بسی سے عمران کو دیکھ کر رہ گئی۔

"عمران! میں تمہارے لیے چائے لاؤں۔" وہ اٹھ کر جانے لگی تو اسے بے اختیار چکر سا آ گیا۔ اس نے سنبھلنے کے لیے دیوار کا سہارا لیا۔

"کیا بات ہے بشریٰ! ٹھیک تو ہو ناں تم؟" ذکیہ دیکھ رہی تھیں۔ فوراً" سے بولیں۔

"ٹھیک ہوں امی! ویسے ہی چکر سا آ گیا تھا آپ پئیں گی چائے؟"

"تم رہنے دو میں آواز دیتی ہوں پروین کو وہ بنا دے گی۔" ذکیہ نے اسے بیٹھنے کو کہا۔

"اور تم گئیں نہیں ڈاکٹر کو دکھانے۔ میں نے تمہیں اس روز بھی کہا تھا۔"

"امی! میں ٹھیک ہوں۔ یونہی ویک نیس ہے اور یہ مثال کہاں ہے عمران؟"

"کمرے میں گیم کھیل رہی تھی کمپیوٹر میں۔"

"میں پروین کو چائے کا کہہ کر آتی ہوں۔ خود سے تو اس پروین کو ہوش نہیں کہ آ کر چائے پانی کا پوچھ لے کسی سے۔" ذکیہ بولتی ہوئی باہر نکل گئیں۔

بشریٰ عمران کو دیکھنے لگی۔

"عمران! تم امی کو سمجھاؤ نا۔" عمران کے متوجہ نہ ہونے پر اسے کہنا پڑا۔

"کیا... کیا سمجھاؤں؟" عمران چونک کر بولا۔

"اچھی بھلی تھی لڑکی جو ہم ابھی دیکھ کر آئے ہیں۔ پتا نہیں امی کسی ایک ذرا سی بات پر بھی کمپرومائز نہیں کر رہیں ایسے تو نہیں ہوتا نا کہ آدمی کو سب کچھ ہی مکمل اور بے عیب ملے۔" بشریٰ سمجھانے والے انداز میں بولی۔

"مگر آپی! اب امی بھی تو غلط نہیں ہیں نا!" عمران کچھ ناگواری سے بولا۔

"کیا مطلب؟"

"آپ ساتھ گئی تھیں۔ معلوم تو ہے آپ کو کہ لڑکی کا قد چھوٹا ہے تو پھر بھی۔" وہ جتا کر بولا تو بشریٰ کو بہت برا لگا اور وہ فوراً" کہہ بھی نہ سکی کہ اگر یہ سب مین میخ تمہاری بہن میں نکالی جاتی تو۔

"ایسا چھوٹا قد نہیں تھا حنا کا۔" وہ ذرا دیر بعد پھر سے ہمت نہ ہارتے ہوئے بولی۔

"آپی! میں سب کچھ برداشت کر سکتا ہوں مگر مجھ سے ٹھگنی لڑکیاں نہیں برداشت ہوتیں۔ رئیلی یوں جیسے زمین پر کچھ تلاش کر رہی ہوں ابھی جھک کر ڈھونڈنے لگیں اور پھر میرے ساتھ۔ آپ نے میری ہائیٹ کو دیکھا ہے نا۔۔۔ سوری امی کا ابزیکشن صحیح سا ہے۔"

عمران نے صفحہ ہی لپیٹ دیا۔ بشریٰ اپنے غصے کو دبا کر بیٹھ گئی۔

"مثال کو بلاؤ اور مجھے گھر چھوڑ آؤ۔" وہ کچھ دیر بعد بیزاری سے بولی۔

"رات کو چلی جایئے گا نا کھانا کھا کر۔" وہ بے نیازی سے بولا۔

"نہیں! میں گھر میں کہہ کر آئی تھی۔ شام میں آ جاؤں گی۔ خواہ مخواہ امی ناراض ہوں گی۔ میں دیکھتی ہوں مثال کو۔" وہ اٹھ کر چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

"عفان! مجھے یقین نہیں آ رہا قسم سے۔" عاصمہ خوشی سے بے قابو ہوتے لہجے میں بولی۔

"بھئی ابھی تم اتنی خوش نہیں ہو ابھی تو مجھے گاؤں جانے دو پھر وہاں جا کر پتا چلے گا کہ کتنے میں بھاؤ طے ہوا ہے زمین کا۔ کہیں ابا جی یوں ہی کوڑیوں کے مول تو نہیں پھینک رہے سب کچھ جبکہ وہ زمین سڑک کے کنارے ہے اب تو۔" عفان اپنا ضروری سامان سوٹ کیس میں رکھتے ہوئے بولا۔

"نہیں، ابا جی ایسے ناتجربہ کار تو نہیں اور پھر زمین داری کا جتنا تجربہ انہیں ہے۔ اتنا تو آپ کو بھی نہیں۔" عاصمہ وثوق سے بولی۔

"چلو دیکھتے ہیں کیا ہوتا ہے۔" عفان موضوع سمیٹتے ہوئے بولا۔

"ویسے بائی داوے ہماری بیگم صاحبہ اتنی خوش کیوں ہیں اس زمین کے بکنے پر۔ پوچھ سکتا ہوں۔" عفان اسے

شوخ نظروں سے دیکھ کر بولا۔

"خیر' یہ تو آپ جانتے ہیں۔ انجان بن رہے ہیں تو الگ بات ہے۔" وہ بھی کچھ شوخی سے بولی۔

"عاصمہ! میں بہت شرمندہ ہوں تم سے۔" عفان ایک دم سنجیدہ ہو کر بولا۔ عاصمہ کچھ پریشان سی ہو گئی۔

"کیا ہو گیا ہے عفان! سفر پر جاتے ہوئے ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں اور خدانخواستہ آپ مجھ سے کیوں شرمندہ ہونے لگے۔" وہ عفان کا ہاتھ تھام کر فکر مندی سے بولی۔ دونوں میں شادی کے اتنے سالوں بعد پیار' محبت کوئی جتانے والی چیز نہیں رہ گئی تھی مگر پھر بھی دونوں کے دل ایک ہی انداز میں سوچتے' ایک ہی انداز میں دھڑکتے تھے اور دونوں کو اس کی خبر بھی تھی۔

"تمہیں شادی کے بارہ سالوں میں بھی اپنی چھت نہیں لے کر دے سکا۔" عفان گہری آواز میں بولا۔

"عفان پلیز۔ ایسی باتیں نہیں کریں۔ گھر تو وہ ہوتا ہے جس میں لوگ محبت سے پیار سے رہیں خواہ وہ اپنا ہو یا کرائے کا۔ اتنے سالوں میں آپ نے' اباجی نے مجھے جتنی محبت' پیار' توجہ دی یقین جانیں۔ اس دوران تین بار گھر بدلے مجھے کبھی اس محرومی کا احساس نہیں ہوا۔ ہم سب اکٹھے ہیں ایک دوسرے کے ساتھ ہیں۔ ایک دوسرے کے احساسات کو سمجھتے ہیں۔ اس سے بڑھ کر گھر کو جوڑنے والے اور کیا جذبات ہوتے ہیں۔" وہ جذباتی لہجے میں بولی۔ عفان اسے تشکر بھری نظروں سے دیکھ کر رہ گیا۔

"آپ نے ڈیلر سے گھر دیکھ رکھنے کے لیے کہہ دیا ہے نا؟" اسے پھر سے یاد آیا تو مشتاق لہجے میں پوچھنے لگی۔

"پگلی! پہلے کچھ رقم ہاتھ میں تو آجائے پھر گھر بھی دیکھ لیں گے۔ پیسے جیب میں ہوں گے تو گھر تو ہم مہینہ بھر میں خرید لیں گے ان شاء اللہ!" عفان اسے پیار بھری نظروں سے دیکھ کر بولا۔

"پتا ہے عفان مجھے پرانے گھر' پرانی کوٹھیاں جن کے برآمدوں کے باہر بیلیں ہوں یا اونچے اونچے درخت بہت اچھے لگتے ہیں۔" وہ کھوئے ہوئے لہجے میں بولی۔

"پرانے گھر..... ہم کیا پرانا گھر خریدیں گے..... اور بھئی عورتوں کو تو چمکتی ٹائلوں اور پھسلتے پتھروں والے نئے گھر اچھے لگتے ہیں تمہاری الٹی منطق ہے۔" وہ ہنس کر بولا۔

"پتا ہے عفان! پرانے گھر دیکھ کر پتا چلتا ہے' اس گھر کے مکین اس سے کتنی محبت کرتے ہیں کہ وہ اسے بیچنے کا ارادہ نہیں رکھتے اور ان کے گھر کے پتے بھی بار بار نہیں بدلتے۔" وہ آنکھوں میں آئی نمی کو صاف چھپا کر بولی۔

عفان اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"اور ابھی تم کہہ رہی تھیں کہ کرائے کے گھر بدلنے سے تمہیں کچھ فرق نہیں پڑتا۔" وہ اس کے کندھوں پر ہاتھ جما کر بولا۔

"آپ کو دیر نہیں ہو رہی' اباجی انتظار کر رہے ہوں گے۔" وہ کچھ جھینپ کر بولی۔ وہ اسے محبت بھری نظروں سے دیکھتا رہا۔

"بچوں کا بہت خیال رکھنا عاصمہ!" وہ اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"آپ صرف تین دن کے لیے جا رہے ہیں' خدانخواستہ سال بھر کے لیے تو نہیں۔" وہ جتا کر بولی۔

"کیوں تمہیں اچھا نہیں لگ رہا کہ ہم اتنے عرصے کے بعد یوں فرصت سے ایک دوسرے کے اتنے پاس کھڑے ہیں۔" وہ اسی طرح بہت مشتاق نظروں سے اسے دیکھے جا رہا تھا۔

"ماشاء اللہ کیا فرصت ہے جناب کو سفر پر روانہ ہونا ہے۔ بھول رہے ہیں۔" عاصمہ چھیڑ کر بولی۔

"ہاں یار! نکلتا ہوں اب ورنہ راستے میں رات ہو جائے گی کافی۔ اباجی نے تاکید سے کہا تھا کہ دن کی روشنی میں گاؤں آجاؤں تو اچھا ہے۔" عفان کو بھی دیر ہو جانے کا احساس ہوا تو گہرا سانس لے کر سوٹ کیس اٹھا کر باہر کی

طرف چل پڑا۔

عاصمہ بھی اس کے ساتھ باہر کی طرف بڑھ گئی۔ دونوں باتیں کرتے ہوئے جا رہے تھے۔ عاصمہ دروازے سے باہر دور تک انہیں جاتا دیکھتی رہی۔

☼ ☼ ☼

"فوزیہ! ایسے کیوں پڑی ہو اور یہ تصویریں یوں کیوں پھینک رکھی ہیں سنبھال کر انہیں البم میں لگا دینا تھا نا۔" نسیم کمرے میں آئیں تو فوزیہ کو بیڈ پر آڑے ترچھے لیٹے دیکھ کر کچھ خفگی سے بولیں۔

نکاح کی تصویریں بستر پر ادھر ادھر بکھری ہوئی تھیں۔ وہ ایک ایک کر کے تصویریں اکٹھا کرنے لگیں۔

فوزیہ اسی طرح بے حس پڑی رہی۔

"کیا ہوا ایسے کیوں لیٹی ہو؟" نسیم کچھ تشویش سے بولیں۔

"یونہی!" فوزیہ بے دلی سے بولی۔

نسیم کچھ جانچتی نظروں سے بیٹی کو دیکھنے لگیں اور پھر تصویریں ایک ایک کر کے دیکھنے لگیں۔

"میری بیٹی حور لگ رہی ہے۔" وہ پیار سے تصویریں دیکھ کر بولیں۔

"حور کی بغل میں لنگور۔" فوزیہ اونچی آواز میں بڑبڑائی۔

نسیم بیگم بری طرح سے چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔

"کیا ہو گیا ہے تمہیں۔ ایسے کیوں بول رہی ہو۔" وہ کچھ ناراضی سے بولیں "اچھی بھلی تو ہیں۔ ماشاء اللہ ظہیر اچھا تو لگ رہا ہے اتنا۔"

"انکل ظہیر بولیں تو زیادہ صحیح رہے گا۔" فوزیہ بھرآئے ہوئے لہجے میں جیسے پھٹ کر بولی۔

نسیم بیگم جیسے بری طرح سے چونکیں۔

"کیا بک رہی ہو۔" غصے میں یہی نکل سکا منہ سے۔

"میں نہیں۔ وہ ارم کہہ کر گئی ہے۔ خوب میرا ریکارڈ لگا رہی تھی اور مذاق بھی۔"

"دماغ خراب ہو گیا ہے اس ارم کی بچی کا۔ خود کا تین جگہ رشتہ ٹوٹ چکا ہے ہونہہ..... ایسی حور تھی تو اس کے نصیب میں تو یہ ماڈل بھی نہ ہوا..... اے فوزیہ تو ایسے کچے کانوں کی کب سے ہونے لگی؟ جو جس نے کہا مان کر دل برا کر کے بیٹھ گئی۔ پاگل ہوئی ہے کیا۔ میری طرف دیکھ ذرا۔" نسیم اس کی دلجوئی کرنے کو آخر میں ذرا نرم لہجے میں بولیں۔

"امی! اس وقت مجھے کوئی بات نہیں کرنی۔ بس آپ جائیں۔" فوزیہ ماں کا ہاتھ جھٹک کر بولی۔

نسیم کا جی تو چاہا کھینچ کر اسے ایک تھپڑ لگائیں۔ خدا خدا کر کے تو بیٹی کو رخصت کرنے کی کوئی صورت بنی تھی اور یہ ناشکری؟

"پاگل ہو گئی ہے کیا اور تو اتنا بھی نہیں سمجھتی کمبخت! وہ جلتی ہے تجھ سے' اور وہ رشتے والی نسرین بتا رہی تھی مجھے کہ اس نے تو ارم کی ماں کو صاف جواب دے دیا ہے کہ اب وہ ارم کے لیے کوئی رشتہ نہیں لائے گی۔ سارے میں تو مشہور ہو گئی ہے۔ اس کی تین بار منگنی ٹوٹ چکی ہے اب وہ دل کے پھپھولے یہ تصویریں دیکھ کر نہیں پھوڑے گی تو اور کیا کرے گی اور تو اس کی باتوں میں آگئی ہے۔" نسیم بولتے ہی بیٹی کو بہلانے لگیں فوزیہ اس بار کچھ نہ بولی۔ یوں جیسے ماں کی بات اس کے دل کو لگی ہو۔

اس نے سیدھے ہو کر ماں کو دیکھا۔

تصویریں اس کے آگے کرتے پھر سے دکھاتے ہوئے نسیم کی آنکھوں میں فخر سا تھا۔

"دیکھ تو کیسے چاند سورج کی جوڑی ہے۔ جو دیکھے گا کمبخت حسد حریص سے جل مرے گا بڑی ہی ناشکری ہے فوزیہ تو۔" نسیم بیٹی کو سمجھاتے ہوئے اس کے جذباتی پن کو نشانہ بنا رہی تھیں۔

کن اکھیوں سے تصویروں کو دیکھتی فوزیہ کو بھی ظہیر اتنی عمر کا تو نہیں لگا جتنا کمبخت یہ ارم بول رہی تھی۔

"انہیں ترتیب سے البم میں رکھ اور اب کوئی ضرورت نہیں ان حسد کی ماری سہیلیوں کو دکھانے کی۔ ایسا مہنگا جوڑا۔ اتنا اچھا سونے کا بھاری سیٹ نکاح میں اتنا کچھ لے آئے سسرال والے تو کیا شادی میں کم کریں گے اب نہ کوئی الٹی سیدھی بات سوچنا۔ میں دیکھوں جا کر کچن میں بشریٰ نے کھانا بنا لیا یا نواب زادی پلنگ توڑ رہی ہے۔" وہ کہتے ہوئے باہر نکل گئیں فوزیہ بڑے پیار سے تصویریں البم میں لگانے لگی اور رک رک کر بار بار ظہیر کی تصویروں کی طرف بھی دیکھتی جاتی تھی خود بخود اس کے دل میں انوکھے جذبے بیدار ہونے لگے تھے۔

☼ ☼ ☼
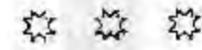
"ارے صحیح کہہ رہے ہیں آپ!" بشریٰ بے یقینی سے عدیل کی طرف دیکھنے لگی۔

"تو اب اس میں جھوٹ کیا ہوگا بھلا۔" وہ دل نشیں مسکراہٹ سے بولا۔

"کتنے دنوں کے لیے جائیں گے؟" بشریٰ خوش ہو کر بولی۔

"ایک ہفتے کے لیے۔" عدیل مسکرا کر بولا۔

"ریئلی! مجھے ابھی بھی یقین نہیں آ رہا عدیل!" وہ بے تحاشا خوش تھی۔

"یار! لگی بندھی روٹین سے دل بیزار ہو گیا تھا۔ بس کافی دنوں سے دل چاہ رہا تھا کہ کہیں آؤٹنگ پر چلا جائے۔ مثال کے ایگزام بھی ہو گئے ہیں فوزیہ کا مسئلہ بھی حل سمجھو دو تین ماہ میں اس کی شادی ہو جائے گی تو پھر ہمارا نکلنا بہت مشکل ہو جائے گا گھر سے۔"

"آپ کتنے اچھے ہیں عدیل!" وہ بہت خوش تھی۔ اتنے عرصے کے بعد وہ دونوں اکٹھے کہیں آؤٹ اسٹیشن جا رہے تھے۔

"امی مان جائیں گی؟" اسے وسوسہ ستایا۔

"میں نے ان سے بات کر لی ہے۔"

"کیا..... واقعی؟" عدیل تو اسے آج حیران ہی کیے جا رہا تھا۔

"ہاں یار! میں نے یہی سوچا تھا کہ میں تمہیں سرپرائز بعد میں دوں گا اور اس سرپرائز کا مزہ بھی تب ہی آتا جب امی سے میں اجازت لے چکا ہوتا ورنہ ان کے انکار پر تو کوئی فائدہ نہیں تھا تمہیں بتانے کا۔ خوامخواہ ہم دونوں میں جھگڑا ہو جاتا۔" عدیل اسے تفصیل بتانے لگا۔

"ارے واہ! آپ تو بہت عقل مند ہو گئے ہیں۔" وہ خوش ہو کر بولی۔

"دیکھ لو پھر بھی تم کہتی ہو کہ مجھے تمہارا خیال نہیں۔"

"عدیل! کبھی کبھی مجھے ڈر لگتا ہے۔" وہ رک کر بولی۔

"اب کس بات سے ڈر لگتا ہے میں تو سمجھ رہا تھا آج کل تم سے زیادہ خوش اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔"

"کیا مطلب..... وہ کس لیے؟" بشریٰ ناسمجھی سے بولی۔

"بھئی فوزیہ کا رشتہ ہو جانے سے تم جتنی خوش ہو اتنی تو شاید فوزیہ بھی نہیں ہوگی۔" وہ اسے چھیڑ کر بولا۔

"آپ جو مرضی آج بول لیں میرا لڑنے کا کوئی موڈ نہیں ہے۔" عدیل اس کی بات پر ہنس پڑا۔

بشریٰ محبت پاش نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ اتنے دنوں بعد دونوں اتنے خوشگوار موڈ میں یوں بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔

درمیان میں سوئی مثال نے باپ کے قہقہے کی آواز پر ذرا سی آنکھیں کھول کر دونوں کو دیکھا۔ انہیں خوش دیکھ کر پھر سے آنکھیں موندتے ہوئے عدیل کی کمر کے گرد اپنے بازو لپیٹ دیے۔

وہ بھی اسے جھک کر پیار کرنے لگا۔

"اور مثال کتنا خوش ہوگی جب صبح صبح اسے پتا چلے گا کہ ہم اسلام آباد اور مری جا رہے ہیں۔" بشریٰ بیٹی کو دیکھ کر بولی۔

"اور تم مجھ سے شرط لگا لو یہ دادی اماں ابھی بھی جاگ رہی ہے۔"

"جی نہیں! مثال سو رہی ہے۔" بشریٰ اسے سوتے دیکھ کر بولی۔

"مثال جاگ رہی ہے جانو! آپ جاگ رہی ہو نا!"

"نہیں بابا..... میں سو رہی ہوں۔" وہ اسی طرح آنکھیں بند کیے بولی تو دونوں ہنس پڑے۔

"اور پلیز! تم کل تک ساری پیکنگ کر لینا پرسوں ارلی مارننگ ہمیں نکلنا ہے مطلب رات کو جلدی سونا ہے۔" عدیل اسے تاکید کرتے بولا۔

"عدیل! مجھے اپنی اور مثال کی تھوڑی بہت شاپنگ تو کرنا ہوگی۔ ادھر تو آج کل سنو فال ہو رہی ہے نا۔"

"میں شام میں آؤں گا آفس سے تو لے چلوں گا شاپنگ کے لیے۔ تم باقی کی پیکنگ کر لینا۔"

"ہاں! وہ میں کر لوں گی اس کی آپ فکر نہ کریں۔"

"بشریٰ! وہ عمران کے رشتے کا کیا بنا بھئی۔ تم تو لڑکی کو پسند کر آئی تھیں نا۔"

"ہوں کچھ بھی نہیں امی اور عمران کو لڑکی کا قد چھوٹا لگا۔" بشریٰ کچھ افسردگی سے بولی۔

"اور مجھے بالکل اچھا نہیں لگا۔ پتا نہیں کیوں پہلے لوگ مجھے ریجیکٹ کرتے تھے تو امی بہت دکھی ہوتی تھیں مگر اب بیٹے کے لیے وہ دوہرا معیار اپنائے ہوئے ہیں۔ بہت دل برا ہوا میرا اس بار شاید اس لیے کہ میں خود ایک بیٹی کی ماں ہوں۔" وہ مثال کو پیار کرتے ہوئے افسردگی سے بولی۔

"ہماری مثال کی قسمت تو ان شاء اللہ اتنی خوب صورت ہوگی کہ لوگ مثال دیں گے کہ ان کی بیٹیوں کی قسمت بھی مثال جیسی ہو۔" عدیل فخر سے بولا تو بشریٰ نے آہستگی سے آمین کہتے ہوئے ایک بار پھر گہری نیند سوئی مثال کو پیار کیا۔

دونوں اس کی نیند خراب نہ ہونے کے خیال سے آہستہ آواز میں باتیں کرنے لگے۔

☼ ☼ ☼

"مبارک ہو عاصمہ! زمین کا سودا ہو گیا ہے اور ہمیں کل پیمنٹ ہو جائے گی۔" عفان نے فون پر عاصمہ کو خوش خبری سنائی تو اسے جیسے اپنے کانوں پر یقین ہی نہیں آیا۔

"آپ سچ کہہ رہے ہیں عفان؟"

"لو اباجی سے خود بات کر لو۔ تمہیں یقین آ جائے گا پھر تو۔"

عفان نے فون اباجی کو تھما دیا۔

اور عاصمہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ مارے خوشی کے اس سے کچھ بولا ہی نہ گیا۔

اباجی نے خود ہی اسے سب کچھ بتا کر فون بند کر دیا۔

اور وہ کتنی دیر تک اپنے جذبات پر قابو پانے کی کوشش کرتی رہی۔

"اب ہمارا اپنا ایک ذاتی گھر ہوگا۔ میرا اپنا گھر۔ میرے بچوں کا گھر۔۔۔ گھر کے باہر میں خوب صورت سی نیم پلیٹ لگواؤں گی جس پر اباجی کا اور عفان کا نام لکھا ہوگا اور نیچے چھوٹا سا واثق بھی لکھا ہوگا۔"

سوچتے ہوئے اس کی آنکھوں میں خوامخواہ آنسو آئے چلے جارہے تھے۔ وہ بار بار آنکھیں صاف کررہی تھی۔

"مما! کیوں رو رہی ہیں آپ؟" واثق ابھی کرکٹ کھیل کر آیا تھا' ماں کو روتے دیکھ کر پریشان سا ہوگیا۔

"میری جان! یہ تو خوشی کے آنسو ہیں۔" وہ بے اختیار واثق کو ساتھ لپٹا کر بولی۔

"کیا مطلب؟" وہ کچھ بھی نہ سمجھ سکا۔

"تمہارے دادا کی زمین تھی نا۔ اس کا سودا ہوگیا ہے۔" وہ خوشی سے کانپتی آواز میں بولی۔

"تو پھر۔۔۔ کیا ملا؟" وہ ابھی بھی کچھ نہیں سمجھ سکا تھا۔

"میری جان! اب ہم اپنا گھر لیں گے۔ اپنا خوب صورت سا گھر جس میں تم لوگوں کا الگ سے کمرہ ہوگا اور کھیلنے کے لیے کھلا صحن اور۔۔۔ اور بہت سے پھول پودے اور درخت ہم مل کر لگائیں گے۔" وہ پھر سے رونے لگی تھی۔

"تو مما! آپ رو کیوں رہی ہیں؟" واثق ابھی بھی پریشان تھا۔

"بالکل بھی نہیں۔ میں تو ہنس رہی ہوں۔" وہ روتے ہوئے ہنسنے لگی۔

☼ ☼ ☼

"امی میں عدیل کے ساتھ ذرا شاپنگ کے لیے جارہی تھی۔" بشریٰ تیار حلیے میں بولتی ہوئی لاؤنج میں داخل ہوئی اور بے اختیار ٹھٹک کر رک گئی۔

سامنے فوزیہ کی ساس زاہدہ بہت بے تکلف انداز میں صوفے پہ آلتی پالتی مارے بیٹھی تھیں اور نسیم بیگم سے خوش گوار موڈ میں باتیں کررہی تھیں۔

بشریٰ کو اس لمحے شاپنگ پر جانے کا معاملہ کھٹائی میں پڑتا نظر آنے لگا۔ اس نے ست لہجے میں سلام کیا اور صوفے کے کنارے ٹک کر بیٹھ گئی۔ زاہدہ اس کا خوب تنقیدی نظروں سے جائزہ لے رہی تھیں جن میں طنز اور تضحیک کا عنصر زیادہ نمایاں تھا۔ بشریٰ کو خوامخواہ اپنی ہتک کا احساس ہونے لگا۔

"کچھ چائے وغیرہ لے آؤ پہلے زاہدہ بہن کے لیے پھر چلی جانا۔" نسیم بیگم نے حتی الامکان لہجے کو میٹھا بنانے کی کوشش میں کامیاب رہیں۔

"کسی خاص شاپنگ کے لیے جارہی ہے بہن! آپ کی بہو؟" زاہدہ نے بطور خاص بہن پر زور دے کر پوچھا۔

"ہاں وہ صبح عدیل اور بشریٰ اسلام آباد اور مری جارہے ہیں نا عدیل کو اسلام آباد میں آفس کا کوئی کام تھا تو سوچا بیوی بچوں کو ساتھ لے جائے۔"

نسیم نے وضاحت سے جواب دیا اگرچہ بشریٰ کو یہ اچھا نہیں لگا کہ اتنی تفصیل سے محترمہ کو آگاہ کیا جائے۔

"بچوں کو۔۔۔ کتنے بچے ہیں خیر سے عدیل میاں کے؟" زاہدہ ہونٹوں کو گول کرکے بولیں۔

"کتنی فسادی عورت ہے؟" بشریٰ دل میں تلملائی۔

"کہاں بہن! ایک بچی ہے۔ آٹھ سالوں میں بہو بیگم نے ایک پوتی دے کر ہری جھنڈی دکھا دی ہے۔" نسیم بیگم کی دکھتی رگ پر اس عورت نے کس ہوشیاری سے ہاتھ رکھا تھا۔

"کیوں خدانخواستہ کوئی مسئلہ ہے؟" وہ بھولپن سے پوچھنے لگیں۔

"اللہ جانے۔ علاج تو بہت کرائے مگر ڈاکٹرز کہتے ہیں دونوں ٹھیک ہیں۔ بس اللہ کی طرف سے دیر ہے۔" نسیم

بیگم نے سرد آہ بھر کر نظریں بشریٰ پر جمائیں۔

"چچ چچ۔ پھر تو صاف جادو ٹونے کا معاملہ لگتا ہے۔" زاہدہ لہجے میں مقدور بھر ہمدردی سمو کر بولیں۔

"اللہ ہی بہتر جانتا ہے۔ ہم تو سمجھیں ناامید ہو چلے اب تو۔" نسیم بیگم کچھ بے زاری سے بولی تھیں۔ بشریٰ کو بہت برا لگا۔

"میں جاؤں پھر امی؟" وہ اور نہیں بیٹھ سکی۔

"کہا ناں کچھ کھانے پینے کو تو لے آؤ پھر چلی جانا۔ واپسی تو تم لوگوں کی یوں بھی رات سے پہلے کہاں ہوگی؟" نسیم اب کے لحاظ مروت ہٹا کر بولیں۔

"جی میں لاتی ہوں۔" وہ مرے ہوئے لہجے میں کہہ کر جانے لگی۔

"بیٹی! برا نہیں ماننا۔ ساس بھی ماں کے برابر ہوتی ہے۔ اس کا کہا تو یوں بھی حق جانو کہ وہ تمہارے شوہر کی ماں ہوتی ہے۔ شوہر جسے خدا نے بھی مجازی خدا کہا ہے۔ خدا کے بعد اگر جسے سجدے کا حکم دیا جاسکتا تھا۔ اس عورت کی اطاعت اور فرماں برداری میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھنی چاہیے۔

بہن! میں ذرا پرانے خیالات کی ہوں۔ جی توڑ کر میں نے اپنی ساس کی خدمت کی تھی۔ بستر پر لٹا کر اسے چھ سال 'چھو' ہاتھوں پر اٹھائے رکھا تھا۔ میں نے تو خوامخواہ آج کل کی لڑکیوں کو ساس سے ایسے اکھڑے لہجے میں بات کرتے دیکھتی ہوں تو بہت دل دکھ سا جاتا ہے۔" وہ بولے بغیر رہ نہیں سکی تھیں۔

بشریٰ کا جی چاہا اس فراڈ عورت کو یہیں کھڑے کھڑے چھ آٹھ اچھی اچھی سنائے جو کس صفائی سے دوسروں کو بے وقوف بنا رہی تھی۔

"نہیں بہن! آپ کچھ غلط نہیں۔ اصل میں تو آج کل ماؤں کی تربیت ہی کچھ ایسی ہے۔ بیٹیوں کو اگلے گھروں کے بارے میں تو کچھ بتاتی نہیں' صرف ادب تمیز اپنے ماں باپ کے لیے ہوتی ہے ان لڑکیوں کی نظر میں۔ خیر ہمیں تو عادت ہوگئی ہے اب سب کچھ برداشت کرنے کی۔"

نسیم بیگم یوں ٹھنڈی سانس بھر کر بولیں جیسے پتا نہیں بہو کے ہاتھوں کتنے جبر سہہ چکی ہیں۔

"میری فوزیہ کی گھٹی میں اللہ کے فضل سے ایسا ادب تمیز لحاظ بھرا ہے۔ میں تو میں محلے کی کوئی خالہ جان بھی آجائے تو اس کے آگے بھی ایسے بچھی جاتی ہے۔ بہت ہی عاجزی ہے میری فوزیہ کی طبیعت میں۔"

اب بشریٰ سے مزید رکنا محال ہوگیا۔ وہ کچھ بھی کہے بغیر خاموشی سے باہر نکل آئی۔

"ویسے بہن! برا نہیں ماننا۔ شادی کے آٹھ سال بعد بھلا کیا تک بنتی ہے ہنی مون پہ جانے کی۔" بشریٰ کے قدم اس عورت کی بات پر وہیں رک گئے۔

"ہنی مون؟" بے چاری نسیم بشریٰ کی نظر میں کتنی بھی تیز طرار تھیں' مگر زاہدہ کے آگے اس وقت وہ بھی پانی بھرتی نظر آئیں۔

"اور نہیں تو کیا؟"

"میں سمجھی نہیں۔۔۔ وہ تو عدیل کو دفتر کا کام تھا تو۔۔۔" نسیم بیگم نے پھر سے وہ سبق دہرانا چاہا۔

"اے بہن! بہت ہی سادہ ہیں آپ تو' سچ جھوٹ کو نہیں پرکھ سکیں۔"

نسیم بیگم کچھ بول ہی نہ سکیں۔

"سب ڈراما ہے دفتر کے کام کا' مجھ سے لکھوا لو۔ دونوں نے مل کر گھومنے پھرنے کا پروگرام پہلے سے بنا رکھا تھا۔ دفتری کام کا بہانہ بنا کر تمہیں بس بے وقوف بنا رہے ہو اور کچھ بھی نہیں۔"

"ابھی جمعہ جمعہ آٹھ دن نہیں ہوئے اس رشتے داری کو قائم ہوئے اور۔۔۔ فسادی عورت۔۔۔ فوزیہ بی بی! تم اپنی

خیر مناؤ۔" بشریٰ مڑ کر جانے لگی۔

"اور دیکھو بہن! کل کو تم نے بیٹی بیاہنی ہے پھر اس کے لیے کتنے اخراجات ہوتے ہیں' بہو بیٹیاں یوں سیر سپاٹوں پر رقمیں اڑاتے رہے تو آخر میں تمہیں ہی پریشان ہونا پڑے گا۔" وہ تو جیسے آج بشریٰ اور عدیل کا سیر سپاٹا منسوخ کرا کے ہی جانے والی تھیں۔

"اور صاف کہوں بہن!" تم نے اپنی بہو اور بیٹے کو بہت چھوٹ دے رکھی ہے۔ تمہارا عدیل تو اس بشریٰ کی مٹھی میں ہے' کل کو فوزیہ بیٹی اپنے گھر چلی جائے گی تو سوچو' یہ بشریٰ کیا تمہیں عزت دے گی اس گھر میں؟"

"ہاں! یہ تو میں بھی جب سوچتی ہوں تو کلیجہ منہ کو آنے لگتا ہے۔ کیا کروں آخر میں تو اپنا راج پاٹ گھر بار سب کچھ ان غیر لڑکیوں کو سونپنا ہی پڑتا ہے۔" نسیم بیگم گلوگیر آواز میں بولیں۔

"طریقے اور ہوشیاری سے چلو تو بہت کچھ اپنے پاس رکھ کر انہیں قابو میں رکھا جا سکتا ہے۔"

"کیسے زاہدہ بہن!" نسیم بیگم ہوشیار ہو کر بولیں۔

"بہت سادہ ہیں نسیم بہن آپ۔ سنیے۔" وہ آہستہ آواز میں نسیم بیگم سے کچھ کہنے لگیں تو بشریٰ غصے میں پیر پٹختی وہاں سے چلی گئی۔

فوزیہ کو اپنی ساس کو چائے دینے کا کہہ کر وہ عدیل کے ساتھ خود ہی گھر سے نکل آئی۔

☼ ☼ ☼

"بھاڑ میں جائے منحوس عورت۔ میں کیوں اس کی خاطر مدارت کروں۔ ایسی مکار عورتیں کسی عزت کے لائق نہیں ہوتیں۔" وہ گاڑی میں بیٹھ کر بھی کڑھتی رہی۔

"مما! آپ کو غصہ آرہا ہے۔" مشال پیچھے سے اس پر جھک کر بولی۔ بشریٰ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"بھئی سوری! میں تو ٹائم پر نکل آیا تھا آفس سے مگر رستے میں اتنا رش تھا اور تمہارے سامنے میں تو اندر ہی نہیں آیا کہ مزید لیٹ نہ ہو جائیں' پھر بھی تمہارا موڈ آف ہے۔" وہ صفائی دیتے ہوئے بولا۔

"نہیں! موڈ کب آف ہے۔ وہ فوزیہ کی ساس آگئی تھیں۔" اسے بتانا ہی پڑا۔

"کیا۔۔۔ اور تم نے مجھے بتایا بھی نہیں۔" عدیل ایک دم پریشان سا ہو گیا۔ "امی ناراض ہوں گی کہ میں ان سے ملے بغیر باہر ہی سے تمہیں لے کر چلا آیا۔"

"نہیں ہوں گی۔ امی کو بتا آئی تھی۔" بشریٰ جلدی سے بولی کہ کہیں عدیل واپسی کے لیے گاڑی نہ موڑ لے۔

"اور یوں بھی وہ تھوڑی دیر کے لیے آئی تھیں۔ زیادہ بیٹھیں گی نہیں۔" بشریٰ عدیل کے سنجیدہ چہرے کو دیکھ کر پھر سے بولی۔

"یار! تمہیں مجھے اندر تو آنے دینا تھا۔ کوئی مسئلہ نہ ہو جائے۔" عدیل کو نئی فکر ستانے لگی۔

"کچھ نہیں ہوتا نا' میں مل تو آئی تھی ان سے اور انہیں بتا بھی آئی تھی کہ ہم جا رہے ہیں اور ہمیں دیر بھی ہو چکی ہے۔" بشریٰ دل میں پچھتا رہی تھی کہ عدیل کو کیوں بتایا۔

"عدیل! صبح ہم کتنے بجے نکلیں' جانے کے لیے۔" اس نے عدیل کا دھیان بٹانا چاہا۔ وہ کچھ دیر بول ہی نہیں سکا۔

"یوں کریں لعنت بھیجیں شاپنگ پر' گھر واپس چلتے ہیں۔ پہلے آپ اچھی طرح ان خاتون سے مل لیں۔ کورنش بجا لائیں۔ پھر اگر ٹائم بچا تو شاپنگ کے لیے نکل چلیں گے۔ یوں بھی شاپنگ کچھ اتنی ضروری نہیں ہے۔ چلیں واپس۔" بشریٰ کو بھی ایک دم سے غصہ آگیا۔

"ہم واپس جا رہے ہیں گھر ماما؟" مشال فوراً" بے چین ہو کر بولی۔

"تم چپ کر کے بیٹھو۔" بشریٰ نے اسے بھی جھڑک دیا۔

وہ سہم کر آرام سے بیٹھ گئی۔

"اس کو خوامخواہ کیوں جھڑک رہی ہو۔" عدیل خفگی سے بولا۔

"آپ واپس چلیں بس۔" وہ ہٹیلے پن سے بولی۔ پہلے اس عورت نے بکواس کر کے موڈ خراب کیا اور اب یہ عدیل۔ اسے جیسے رونا ہی آنے لگا تھا۔

"اچھا خوامخواہ موڈ خراب کرنے کی ضرورت نہیں۔ کوئی نہیں واپس جا رہا۔ میں گھر جا کر امی سے بات کر لوں گا۔ یوں بھی ہم نے کون سی لمبی چوڑی شاپنگ کرنی ہے۔ وقت پر گھر پہنچ جائیں گے۔ موڈ ٹھیک کرو اپنا پلیز۔" عدیل اس کے پھولے ہوئے چہرے کو دیکھ کر قدرے نرمی سے بولا۔

"ٹھیک ہے میرا موڈ مگر عدیل! بہتر ہے ہم گھر واپس چلیں۔"

وہ پھر بولی۔ عدیل نے کوئی جواب نہیں دیا۔ خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا۔

☼ ☼ ☼

"امی! یوں سمجھیں ہماری کوئی نیکی کام آگئی' جو اللہ نے ہمیں ظہیر اور اس کی ماں سے بچا لیا۔"

واپسی پر عدیل کے نہ ماننے کے باوجود بشریٰ اصرار کر کے ذکیہ سے ملنے کے لیے آگئی تھی۔

"عدیل سفر پر جانے سے پہلے میں کم از کم امی سے کھڑے کھڑے تو مل لوں۔ یقین کریں زیادہ ٹائم نہیں لگاؤں گی۔" اس نے بدوقت عدیل کو منا ہی لیا تھا اور یہ عدیل کی خوبی تھی۔ بشریٰ کی کوئی بات ٹالتا نہیں تھا۔

"ہاں اور نہیں تو کیا۔ میں نے تو جب اِدھر اُدھر سے کچھ ایسی ویسی باتیں ان ماں بیٹے کے بارے میں سنیں' تب ہی میں کھٹک گئی تھی۔ اگرچہ تین مہینے کچا پکا ہی سہی رشتہ قائم رہا تھا تمہارا اور ظہیر کا۔" ذکیہ سر ہلا کر بولیں۔

"اور کمال دیکھیں۔ میں ظہیر کو اور اس کی ماں کو فوزیہ کے رشتے کے دوران پہچان ہی نہیں سکی۔"

"اور امی! یہ زاہدہ آنٹی بہت تیز ہیں۔ انہیں سب یاد آچکا ہے۔" صاف لگ رہا ہے اس وقت رشتہ نہ ہو سکنے کا بدلہ لے رہی ہیں امی کے کان بھر بھر کر۔"

"بھر لے جتنے مرضی' آخر کو کیا ہاتھ آئے گا۔ وہ اگر سیر ہیں محترمہ تو ان کی ہونے والی بہو سوا سیر ہے۔ دیکھنا کہ کیا کیا تماشے نہیں ہوں گے۔ ذرا فوزیہ کو اس کے گھر پہنچ تو لینے دو۔" ذکیہ ٹھٹھا لگا کر بولیں۔

"ہاں امی! یہ منظر تو واقعی دیکھنے والا ہو گا' اور وہ جو شام کو امی کے کان بھر رہی تھیں کہ تمہارا بیٹا تو اس چلتر بشریٰ کی مٹھی میں ہے۔ دیکھوں گی شادی کے بعد اپنے بیٹے کو کیسے قابو میں رکھیں گی خاتون۔" بشریٰ بھی مزا لے کر بولی۔ اسی وقت عدیل دیر ہو جانے کے خیال سے اسے بلانے کے لیے چلا آیا۔

"عدیل کو تو پتا نہیں چلا کہ تمہارا اور ظہیر کا پہلے رشتہ طے ہو گیا تھا؟" ذکیہ بیگم کو کچھ یاد آیا تو پوچھنے لگیں۔

"توبہ کریں امی! میں نے اپنی شامت لانی ہے۔ لاکھ عدیل مجھ پر جان چھڑکتے ہوں مگر اس طرح کی بات اگر انہیں پتا چل جائے۔۔۔ یہ مرد بہت شکی مزاج ہوتے ہیں باقی کی خالی تصویر کے خاکے میں خود سے رنگ بھر لیتے ہیں۔ میں تو۔۔۔" وہ بولتے ہوئے مڑی اور پھر ٹھٹک کر رہ گئی۔ اس کے سامنے عدیل کھڑا اسے عجیب سی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

بشریٰ عجلت میں ماں کو خدا حافظ کیے بغیر ہی گھر سے نکل گئی۔

☼ ☼ ☼
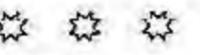
"لیکن عفان! آپ تو کہہ رہے تھے کل آجائیں گے۔ آج کا بھی سارا دن گزر گیا۔ آپ کا انتظار کرتے۔ اب تو رات ہو گئی ہے۔" عاصمہ متفکر سی فون پر عفان سے بات کر رہی تھی۔

"ہاں کہا تو تھا مگر دیکھو! ان کاموں میں دیر سویر تو ہو ہی جاتی ہے۔ ابھی تو شاید کل کا دن بھی لگ جائے۔" عفان نے جواب دیا۔

"یہ نہ کہیں خدا کے لیے! میں اکیلی تھک گئی ہوں۔ گھر بچوں کو سنبھالتے سنبھالتے۔" عاصمہ بے حد تھکے ہوئے لہجے میں بولی۔

"مگر یہ بھی تو دیکھو نا زندگی بھر کا آرام بھی تو تمہیں ہی ملنے والا ہے۔ دو تین ملازم بھی رکھ لینا۔ شان دار سا گھر، گاڑی۔" عفان اسے لالچ دینے کو بولا۔

"خیر اب ایسا بھی نہیں، زندگی بھر خود ہی کام کیا ہے اپنے گھر اور بچوں کا۔ کام کرنا تو مجھے کبھی بھی نہیں دکھا مگر عفان! یوں اکیلا رہنا بہت تکلیف دہ ہے۔ آپ اور ابا جی کے بغیر رہنا۔" عاصمہ افسردگی سے بولی۔

"یوں لگتا ہے جیسے سارا گھر خالی ہو۔ بچے بھی اتنے چپ ہیں نہ شرارتیں نہ ضدیں۔ وہ آپ دونوں کے سامنے ہی تنگ کرتے تھے مجھے۔"

"پھر تو اچھی بات ہے۔ تم مزے میں ہو۔ نہ ہماری ٹینشن نہ بچوں کی پریشانی یار! مزے کرو۔" وہ اسے چھیڑ کر بولا۔

"خدا کے لیے عفان! میں اب رو پڑوں گی۔" وہ روہانسی ہو کر بولی۔

"اچھا بابا! کل آجائیں گے ہم۔ شام سے پہلے گھر ہوں گے۔ تم پریشان نہیں ہو اور سنو! رات میں گھر کے لاک، دروازے اچھی طرح بند کر کے سویا کرو۔" عفان نے تاکیداً کہا۔

"کرتی ہوں۔ ہر بار یہ ہی نصیحت کرتے ہیں۔ آپ سے زیادہ مجھے اس بات کا خیال رہتا ہے پھر بچے بھی تو ہیں مما! وہ دروازہ بند کریں۔ مما چھت کا دروازہ لاک کیا۔ باہر کی کھڑکیاں بند کریں۔ تینوں کی طبیعت آپ پہ گئی ہے۔ احتیاط ہی احتیاط۔" وہ چڑ کر بولی۔

"تو یار! اچھی بات ہے نا احتیاط تو۔"

"عفان! وہ ایجنٹ ہے نا جسے آپ گھر دیکھ رکھنے کا کہہ گئے تھے، وہ آج آیا تھا۔ کہہ رہا تھا اس نے بہت زبردست تین گھر دیکھے ہیں ہمارے لیے۔" وہ ذرا پرجوش ہو کر بتانے لگی۔

"یار! یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ بس ہم آتے ہیں تو ان شاء اللہ پہلا کام یہ ہی کریں گے۔ تم بھی بس تیاری رکھو۔ موٹی موٹی پیکنگ شروع کر دو ہم نے تو بنا بنایا گھر لینا ہے۔ ٹرک کروا کے، سامان لدوایا اور بس شفٹ ہو گئے۔"

"ان شاء اللہ میں جتنی بے چینی سے اس گھڑی کا انتظار کر رہی ہوں، کوئی میرے دل سے پوچھے۔ بچے بھی بار بار پوچھتے ہیں۔ مما! نئے گھر میں کب جائیں گے۔" وہ اشتیاق سے بتانے لگی۔

"ان شاء اللہ بہت جلد۔ اب تم آرام کرو کل ہم نکلنے سے پہلے تمہیں فون کر دیں گے۔" عفان نے فون بند کرنا چاہا۔

"عفان! ابا جی سے تو آپ نے بات کرائی نہیں میری۔"

"وہ سو گئے ہیں۔ تھک جاتے ہیں۔ دن بھر نہ جانے کہاں کہاں سے بچپن کے یار دوست ان سے ملنے آتے ہیں تو انہیں آرام کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔"

"وہ اپنی میڈیسن تو لے رہے ہیں نا باقاعدگی سے۔" وہ فکر مندی سے پوچھنے لگی۔ "ابا جی دوا لینے کے معاملے میں بہت لاپروا ہیں آپ تو خیال کرتے ہیں نا!"

"ڈاکٹر صاحب! بالکل خیال کرتا ہوں اور پابندی سے انہیں ٹائم پر دے رہا ہوں۔ تم فکر نہیں کرو۔" عفان نے اسے تسلی دی۔ "اب تم سو جاؤ۔ صبح بچوں کو اسکول بھجوانا ہو گا تم نے۔" عفان نے اسے یاد دلایا۔ "میں بھی کافی تھک گیا ہوں۔ آرام کروں گا۔ یہاں تو یوں بھی صبح منہ اندھیرے ہی ہو جاتی ہے سب اٹھ جاتے ہیں۔"

"چلیں پھر آپ اپنا خیال رکھیے گا اور پلیز کل ضرور آجائیں۔ بہت اداس ہو گئی ہوں میں آپ کے بغیر کبھی اتنے دن اکیلے رہی بھی نہیں۔" عاصمہ پھر بے قراری سے بولی۔

"میں کب ــ رہا ہوں تمہارے بغیر۔ بہت عجیب سا لگ رہا ہے جیسے خالی خالی سا ہو گیا ہوں۔" عفان نے آہستگی سے کہا تو عاصمہ کو بہت خوشی سی محسوس ہوئی جدائی کا دکھ ان کا دل بھی تو سہہ رہا ہے۔ اس کڑی دھوپ میں صرف میں تو نہیں جل رہی۔ اس کی ساری اداسی ساری تھکن جیسے غائب ہو گئی اس نے مسکراتے ہوئے فون بند کرتے ہی وردہ کو گود میں اٹھا لیا اور عفان کو سوچ کر مسکرانے لگی۔

☆ ☆ ☆

"ظہیر کے ساتھ ــــ تمہارا کیا تعلق تھا؟"

بشریٰ کو قطعاً توقع نہیں تھی کہ عدیل کے خراب موڈ کا نتیجہ گھر جاتے ہی یہ جملہ نکلے گا۔

فوری طور پر تو وہ کچھ سمجھ ہی نہ سکی، بس یوں ہی خالی خالی نظروں سے اسے دیکھے گئی۔ اس نے تو گھر آ کر نسیم بیگم کے طعنوں تشنوں کی بھی پروا نہیں کی تھی، جو ان کے گھر آتے ہی بولنا شروع ہو گئی تھیں۔

اور یہ پہلی بار تھا کہ عدیل ماں سے کوئی بھی بات کیے بغیر، فوزیہ کے خراب موڈ کا سبب جانے بغیر خاموشی سے اپنے بیڈ روم میں چلا آیا تھا۔

"بیوی نے اپنا دم چھلا بنا لیا ہے امی! جتنا مرضی آپ چیختی چلاتی رہیں، وہ حضرت کب سن رہے ہیں۔ ان کے کانوں میں آپ کی کوئی آواز نہیں پڑ رہی۔"

فوزیہ نے دونوں کو آگے پیچھے کمرے میں جاتے دیکھ کر جلتی پر تیل کا کام کیا تھا۔ نسیم بیگم کے بولنے میں اور بھی تیزی آ گئی۔ مگر اب وہاں سننے کے لیے کوئی نہیں تھا۔ بشریٰ نے فق چہرے کے ساتھ کچھ بولنے کی کوشش کی۔

"خبردار! ایک لفظ جھوٹ تمہارے منہ سے نہیں نکلنا چاہیے بشریٰ! ورنہ میں بھول جاؤں گا کہ تم میری کون ہو اور ــــ میں تمہارا کون؟"

اتنا سخت رویہ ــــ ایسے ظالم ردعمل کی توقع کم از کم بشریٰ کو عدیل سے نہیں تھی۔ اس کا حلق جیسے کانٹوں سے بھر گیا۔ وہ کوشش کے باوجود کچھ بول نہیں پائی۔ آنکھوں میں ایک دم ہی ڈھیر سارا پانی اکٹھا ہو گیا۔

"میرے سامنے کوئی ڈراما کرنے کی ضرورت نہیں۔ تمہارے یہ آنسو اس وقت ــــ اس وقت مجھ پر کچھ اثر نہیں کریں گے انڈر اسٹینڈ!" وہ پھر سے گرج کر بولا تو بشریٰ نے تیزی سے آنسو صاف کر کے خود کو سنبھالنے کی کوشش کی مگر زبان تو اس کی جیسے جکڑی گئی تھی۔

"کیا تعلق تھا تمہارا اور ظہیر کا؟" اس نے اپنا سوال دہرایا۔

"کوئی تعلق ــــ کوئی تعلق نہیں تھا ــــ ہمارا اور خدانخواستہ کیوں ہونے لگا۔" اس نے گلے میں پھنسی ہوئی آواز نکالی مگر پھر بھی جسم ہلکا ہلکا کانپ رہا تھا اور آواز کی کپکپاہٹ تو اور بھی نمایاں تھی۔

"کیوں اتنا برا شخص ہے وہ کہ تمہیں اس سے تعلق رکھنے پر بھی شرم آنے لگی؟" عدیل طنز سے بولا اور ان آٹھ سالوں میں وہ پہلی بار نسیم بیگم کا بیٹا لگا تھا۔ وہ اس سے ڈری بھی پہلی بار ہی تھی اس طرح۔

"عدیل! جس طرح آپ کا پرپوزل آیا تھا میرے لیے' اسی طرح آپ سے پہلے ظہیر کا بھی آیا تھا اور کچھ دن بات کچی پکی چلتی رہی تھی۔" اسے احساس ہوا کہ اب اگر اس نے سنبھل کر ٹھیک ٹھیک جواب نہ دیے تو پھر عمر بھر خود کو کوستی رہے گی' اس لیے اب کے قدرے مضبوط لہجے میں بولی۔

"کچی پکی۔۔۔ یا پکی۔" وہ جتا کر بولا۔

"ایسا کچھ ہوتا تو ہم کیوں آپ سے کچھ چھپاتے۔" وہ بھی ڈٹ کر بولی۔

"ہم۔۔۔" وہ زور دے کر بولا۔

"تم جب یہ سب جانتی تھیں تو جب فوزیہ کے لیے ظہیر کا رشتہ آیا' اس وقت تم نے یہ بات کیوں نہیں کی۔"

"عدیل!" وہ تڑپ کر رہ گئی۔

"تمہارے دل میں چور تھا نا۔"

"عدیل!" اسے خود بھی پتا نہیں چلا کہ اس کی آواز باہر تک گئی۔

"سچی بات پر اتنا واویلا؟" وہ بھی مزے سے بولا۔

وہ جیسے ایک دم نڈھال سی ہو گئی۔

"ذرا سی معمولی بات کو آپ نے کیا رنگ دے ڈالا ہے۔" وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولی۔

"مجھ پر تو شاید آپ کو یقین نہیں۔ مگر اللہ کی قسم پہ تو آپ کو یقین آئے گا نا۔ میں کبھی قسم نہیں کھاتی۔۔۔ مگر آج اللہ کی قسم کھا کر کہہ رہی ہوں اور عدیل! آپ کو یقین کرنا پڑے گا۔ مجھے بالکل بھی ظہیر یاد نہیں تھا۔ اس کا چہرہ نہ پرپوزل والی بات عین نکاح والے دن مجھے احساس ہوا کہ میں ظہیر سے پہلے بھی مل چکی ہوں۔ مطلب دیکھ چکی ہوں۔" وہ جلدی سے بولی۔

"تم لوگوں نے یہ رشتہ کیوں چھوڑا تھا۔" بہت دیر کی خاموشی کے بعد وہ اس پر نظر جما کر بولا۔ بشریٰ فوری طور پر کوئی جواب نہ دے سکی۔

"تم لوگوں نے رشتہ چھوڑا تھا یا انہوں نے جواب دیا تھا؟" وہ پھر سے بولا۔

"ہم۔۔۔ ہم نے جواب دیا تھا۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"کیوں؟" وہ پھر سے دہرا کر بولا۔

"ہمیں پتا چلا تھا کہ وہ۔۔۔ یہ اچھے لوگ نہیں ہیں۔" وہ سر جھکا اعتراف کر کے بولی۔ عدیل اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھتا رہا۔

"میری بہن نے کبھی تمہارے ساتھ اتنا برا تو نہیں کیا کہ تم اس طرح بدلہ لیتیں۔" وہ سخت آواز میں بولا۔

"نہیں۔۔۔ خدا کے لیے میں بتا چکی ہوں۔ مجھے یاد نہیں تھا۔"

"تو اپنی اماں جان سے پوچھ لیتیں۔ انہیں تو اس صدی کے شروع میں ہونے والے چھوٹے بڑے سب واقعے یاد ہوتے ہیں۔" وہ طنز سے بولا۔ وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

وہ جیسے نڈھال ہو کر سر تھام کر بیٹھ گیا۔ وہ بھی اس کے پاس بیٹھ گئی اور آہستگی سے اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر کچھ بولنے لگی تھی کہ اس نے زور سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

"عدیل پلیز۔۔۔ یہ تو قسمت کے کھیل ہوتے ہیں۔ اس وقت یہ رشتہ میرے نصیب میں نہیں تھا۔ خدا گواہ ہے۔ اگر مجھے یاد آ جاتا تو میں ضرور آپ کو بتاتی اور فوزیہ سے مجھے خدانخواستہ کوئی دشمنی کیوں ہونے لگی۔ میری کوئی بہن نہیں میں نے ہمیشہ اپنی بہن۔۔۔"

"بس کرو یہ جھوٹ سچ ملانا۔ سو جاؤ۔ میرے سر میں پہلے ہی بہت درد ہو رہا ہے۔" وہ اس کا ہاتھ جھٹک کر تکیہ

سیدھا کر کے لیٹ گیا۔ بشریٰ بے بس نظروں سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

وہ کچھ دیر یوں ہی بیٹھی رہی۔

ان کی شاپنگ بھی یوں ہی پڑی تھی کچھ مثال کے کپڑے بھی رکھنے والے تھے۔ اب پتا نہیں صبح انہوں نے جانا تھا یا نہیں۔۔۔ وہ بیٹھی لب چباتی رہی۔ اتنی ہمت ہی نہیں ہو سکی کہ وہ جو آنکھوں پر بازو رکھے یوں اجنبی بنا لیتا ہے اس سے پوچھ ہی لے۔

"سو جاؤ کیوں میرے سر پر سوار ہو کر کیا بیٹھ گئی ہو۔ نہیں نیند آ رہی تو باہر چلی جاؤ اور لائٹ آف کر دو۔" وہ کروٹ لیتے ہوئے کر ختگی سے بولا تو وہ آہستگی سے اٹھی اور لائٹ آف کر کے اس کے برابر آ کر لیٹ گئی۔

کتنی دیر تک اسے نیند نہیں آئی کہ اس جرم کی سزا جو نہ اس سے سرزد ہوا نہ جس کے وقوع ہونے میں، ہی اس کا کوئی ہاتھ تھا۔ اس کے سر لگا دیا گیا تھا۔

وہ آنکھوں میں آئی نمی کو مسل کر سونے کی کوشش کرنے لگی۔

☼ ☼ ☼

"ارے مگر آپ نے تو بتایا ہی نہیں کہ آپ اتنی جلدی آ جائیں گے۔ ابا جی کہاں ہیں۔ اکیلے آئے ہیں کیا؟" عاصمہ دروازہ کھول کر کچھ پریشان سی عفان کے ساتھ آتے ہوئے بولی۔

"بہت ایمرجنسی میں آیا ہوں۔ سب کچھ ریڈی تھا صرف ابا جی کے اور دوسری پارٹی کے سائن تھے۔ وکیل پٹواری گواہ سب موجود اور ابا جی کے اوریجنل ڈاکومنٹس ندارد۔" عفان جھلاتے ہوئے انداز میں کہتا سیدھا ابا جی کے کمرے میں بنی الماری کی طرف بڑھا۔

"اُفوہ! سانس تو لے لیں۔ میں پانی لے کر آتی ہوں آپ کے لیے۔ سفر سے آئے ہیں بیٹھ تو جائیں۔" عاصمہ جلدی سے پانی لاتے ہوئے بولی۔

"ایمان سے ایک ہفتہ غارت ہو گیا۔ اب تمہیں پتا ہے مزید چھٹی بھی نہیں مل سکتی اور کل میری آخری چھٹی ہے۔ ابا جی بھی حد کرتے ہیں سب سے ضروری کاغذ ہی لے جانا بھول گئے۔ اب گاؤں کوئی ساتھ کی گلی میں تو ہے نہیں۔" عفان پانی کا پورا گلاس چڑھا کر جھلائے ہوئے انداز میں بولا۔

"اچھا چلیں ہو جاتا ہے ایسا۔ اب ان کی عمر ایسی ہے۔ کہاں سب کچھ یاد رہتا ہے۔ آپ تسلی سے کاغذ نکالیں۔ میں کھانا بنا رہی ہوں کھا کر جائیں گے اب آپ۔" وہ کچن کی طرف جاتے ہوئے بولی۔

"نہیں یار! بہت دیر ہو جائے گی۔" عفان الماری سے مختلف فائلیں نکالتے ہوئے بولا۔

"کوئی دیر نہیں ہوتی ذرا دیر میں بچے بھی آنے والے ہیں۔ اتنے اداس ہو رہے ہیں آپ کے بغیر مل کر جائیے گا۔"

"لو مل گئے۔ یہ پیپرز تھے۔ ذرا سے کام کے لیے اتنی دور آنا پڑا۔" وہ فائل میں سے پیپرز نکالتے ہوئے باقی کی چیزیں احتیاط سے الماری میں رکھنے لگا۔

"کیا پکا رہی ہو آج عاصمہ؟" وہ فارغ ہو کر کچن ہی میں آ گیا۔

"گوبھی گوشت ہے آپ کی پسند کا۔ میں نے سوچا آج تو آپ نے آ جانا ہے تو۔" عاصمہ پھیکی سی مسکراہٹ سے بولی۔

"ہاں دیکھو ابھی نکلوں گا تو واپسی ظاہر ہے۔۔۔ ادھر بھی ساری قانونی کارروائی میں وقت تو لگے گا۔ مجھے تو لگتا ہے آج بھی واپسی مشکل ہے۔" وہ وہیں کرسی پر بیٹھ گیا۔ عاصمہ جلدی جلدی سالن بھوننے لگی۔ فریج سے آٹا نکال

کر رکھا اور دوسری طرف توا چولہے پر رکھا۔

"آپ کوشش تو کیجیے گا واپسی کی۔"

"یار! میں تو خود تنگ آگیا ہوں۔ ابا جی بھی بے زار ہوئے پڑے ہیں۔ اب ایک اور دن کی مشکل تو ہے۔" عفان سلاد کاٹنے لگا۔

"عفان! کتنے میں سودا ہوا ہے۔ یہ تو آپ نے بتایا ہی نہیں۔" بہت دنوں سے دل میں مچلتا سوال آخر اس کے لبوں پر آ ہی گیا۔

"اچھا میں نے تمہیں نہیں بتایا۔" وہ کچھ حیران سا ہوا۔

"کب؟ میں تو منتظر ہوں کہ آپ بتائیں گے۔" وہ جتا کر بولی۔

"تمہارے خوابوں میں سمجھو سارے رنگ بھرنے والے ہیں۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"اب بتا بھی دیں مجھ سے اور صبر نہیں ہوتا۔" وہ بے صبری سے بولی۔

"اچھا تو گیس کرو! کتنے میں زمین نکلی ہوگی۔"

"عفان ــــ میں نے کبھی کسی چیز کا بھی سودا نہیں کیا۔ یقین کریں مجھے بالکل آئیڈیا نہیں ــــ اب خود سے بتا دیں نا!" وہ بہت منت سے بولی۔

"بہت بھولی ہیں بھئی ہماری بیگم۔" وہ مسکرا کر بولا "ڈیڑھ کروڑ میں ڈن ہوا ہے اور پتا ہے؟ اچھی کہہ لو یا بری بات یہ ہے کہ وہ لوگ پیمنٹ کیش کی شکل میں کر رہے ہیں، حالانکہ میں اس چیز کے حق میں نہیں تھا۔ وہ چیک بنا دیتے یا ڈرافٹ مگر ابا جی نہیں مانے کہ اس میں فراڈ کا چانس ہو سکتا ہے مگر اس میں رسک بھی بہت ہے اور فائدہ بھی کہ آتے ہی گھر کا سودا کرلیں گے۔"

"یہ تو اچھی بات ہے۔ آپ کے پاس اگر ٹائم ہوتا تو آپ ظفر بھائی کے ساتھ جا کر ایک دو گھر ہی دیکھ آتے۔" اس نے پھرتی سے روٹی توے سے اتار کر عفان کے آگے کھانا لگا دیا۔

"نہیں یار ــــــــ بالکل بھی ٹائم نہیں۔ اب جو بھی ہوگا واپسی پر ان شاء اللہ۔" وہ جلدی جلدی کھانا کھانے لگا۔

عاصمہ روٹیاں پکا کر اس کے پاس ہی بیٹھ گئی اور اس سے باتیں کرنے لگی۔

☆ ☆ ☆

"اب کیا باقی کا رستہ اسی طرح کٹے گا؟" عدیل کو سنجیدگی سے گاڑی چلاتے دیکھ کر بشریٰ بول ہی پڑی مثال دونوں کو وقتاً "فوقتاً" دیکھ رہی تھی۔

مما پاپا کی لڑائی ہوئی ہے۔ وہ قیاس تو کر چکی تھی مگر دونوں کے خراب موڈ کو دیکھ کر پوچھنے کا حوصلہ نہیں ہوا تھا۔

"کیوں کیا ہوا ہے؟" عدیل اسی سنجیدگی سے بولا۔

بشریٰ شکر کر رہی تھی کہ صبح اٹھ کر عدیل نے پروگرام ملتوی نہیں کیا۔ صرف اتنا ہوا کہ وہ لوگ پروگرام سے ایک گھنٹہ لیٹ گھر سے نکلے۔ نسیم بیگم اور فوزیہ کے موڈ اسی طرح برہم تھے۔

عدیل کچھ دیر کے لیے ماں کے کمرے میں گیا تھا۔ انہیں دفتر کے کام کی مجبوری کا کہہ کر شاید ان کا موڈ کچھ نارمل کر آیا تھا کیونکہ بشریٰ جب مثال کو لے کر ملنے گئی تو نسیم بیگم نے کچھ خاص سخت رویہ اختیار نہیں کیا۔ اگرچہ فوزیہ نے اس کے سلام کا جواب دیا نہ مثال کے گلے لگنے پر اسے پیار کیا۔

وہ مثال کو لے کر خاموشی سے نکل آئی۔

"آپ کوئی بات نہیں کریں گے؟" وہ پھر سے بولی۔

"تم کرو میں سن رہا ہوں۔" وہ پھر سے اسی لہجے میں بولا۔

"عدیل! اس سارے قصے میں میرا کیا قصور ہے؟ میری تو سمجھ میں نہیں آرہا۔"

"بشریٰ! وہ چیپٹر میں نے کلوز کر دیا ہے۔ اب اس پر کوئی بات نہیں ہوگی اور ہاں!" وہ رک کر مثال کو دیکھنے لگا جو اپنی گڑیا سے باتیں کر رہی تھی۔

"تم امی یا فوزیہ سے بھی کوئی ذکر نہیں کرو گی کہ پہلے تمہارا ــــ"

"میں جانتی ہوں عدیل! لیکن وہ زاہدہ آنٹی۔ اگر انہوں نے خود سے کچھ بتا دیا۔ کل بھی وہ امی سے ایسی باتیں کر رہی تھیں جس سے امی کا دل میری طرف سے کھٹا کر سکیں، بہت غلط غلط باتیں کیں انہوں نے لیکن میں خاموش رہی۔"

"تمہیں آئندہ بھی خاموش رہنا ہوگا تمہارا تو کچا پکا معاملہ تھا۔ ٹوٹا اور بات آئی گئی ہوگئی۔" وہ جتا کر بولا۔

"لیکن میری بہن کا نکاح ہوا ہے۔ تم سمجھ رہی ہو نا اس بات کو؟"

"میں جانتی ہوں عدیل! اور خدا نہ کرے کہ اب کچھ ایسا ہو جو اس رشتے کو خراب کرے۔ آپ فکر نہیں کریں، میں پوری کوشش کروں گی کہ کم از کم میری طرف سے کچھ نہ ہو۔ آپ ٹینشن نہیں لیں۔ مجھے یقین ہے زاہدہ آنٹی بھی اس معاملے کو بگاڑنا نہیں چاہیں گی۔" وہ اسے تسلی دیتے ہوئے بولی۔

"ہوں! ایسا ہی ہو اللہ کرے۔" وہ گہرا سانس لے کر بولا۔

"مما! اگر آپ دونوں کی صلح ہوگئی تو پلیز کوئی اور اچھی بات کرلیں۔" مثال آگے کو جھک کر بولی تو دونوں ہنس پڑے۔

☆ ☆ ☆

انہیں اسلام آباد میں بہت اچھا ہوٹل ملا تھا۔ انہیں تین دن یہاں ٹھہرنا اور تین دن مری میں۔ پہلا دن تو یوں ہی گھومتے ہوئے گزر گیا۔ بشریٰ کی خوشی کا کوئی ٹھکانا نہیں تھا۔ اتنے سالوں بعد دونوں کو یوں اکٹھے ساتھ رہنے اور گھومنے پھرنے کا موقع ملا تھا۔

عدیل کا موڈ بھی بہت خوش گوار تھا۔ وہ اس رات والی تلخی کو قطعاً "بھلا چکا تھا اور بشریٰ کا بھی اسے یاد کرانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

"عدیل! آج تھوڑی شاپنگ کرلیں امی اور فوزیہ کے لیے۔ میں چاہ رہی ہوں کہ ہم فوزیہ کے جہیز کے لیے کچھ زبردست سے آئٹم خرید لیں۔ جو اس کو بہت پسند آئیں۔" وہ شوہر کی دل جوئی کو بولی اور یہ سچ بھی تھا کہ اسے بہرحال فوزیہ کی شادی کی خوشی تھی۔

دونوں کے تعلقات شادی کے بعد سے اب تک کچھ اتنے خوش گوار بھی نہیں رہے تھے۔ فوزیہ، بشریٰ کو کچھ خاص پسند نہیں کرتی تھی۔ وہی نند، بھاوج والی چپقلش پہلے دن سے جاری تھی۔ جس میں کبھی کمی آجاتی اور کبھی شدت۔ فوزیہ اگر اچھی نند نہیں تھی تو بشریٰ بھی ذرا الگ تھلگ سی رہتی تھی۔ پھر بھی دونوں میں روبرو لڑائی والی بات کبھی نہیں ہوئی تھی۔

بشریٰ دل میں خوش تھی کہ کم از کم فوزیہ کی رخصتی کا امکان پیدا ہو ہی چکا تھا تو وہ خوش خوش اپنے گھر جائے۔

"یہ تو اچھی بات ہے۔ امی نے بھی مجھ سے کہا تھا۔ لیکن میں نے کہا تھا کہ ہم اتنی زیادہ شاپنگ نہیں کر سکتے۔

ظاہر ہے گاڑی میں سب کچھ کہاں آسکتا ہے۔" عدیل بولا۔

"رکھ لیں کے پیچھے ڈگی بھی تو ہے۔" بشریٰ مصر رہی۔

اور اس نے واقعی فوزیہ کے جہیز کے لیے بہت زبردست کراکری اور کچھ قیمتی کپڑے بھی خرید لیے۔ مثال کی پسند کے کھلونے اور کچھ دوسری چیزیں خریدیں، کل ان کا مری جانے کا ارادہ تھا۔

جیسے ہی وہ ہوٹل کے کمرے میں داخل ہوئے۔ بشریٰ سنبھلتے سنبھلتے بھی بری طرح سے چکرا کر بیڈ پر گری۔ عدیل اور مثال اسے پکارتے رہ گئے۔ وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

"مما! پاپا اور دادا کل آجائیں گے نا؟" اریبہ اور واثق اس کے ساتھ مل کر دھلے ہوئے کپڑے رسی سے اتار کر اندر لائے تھے۔ وہ انہیں بیٹھ کرتہ کرنے لگی۔

"ان شاءاللہ بیٹا! ابھی پاپا کا فون آیا تھا۔ سب کام ہو گئے۔ امید ہے وہ کل صبح ہی نکل پڑیں گے۔ تم بس دعا کرنا وہ ساتھ خیریت کے گھر آجائیں۔"

عاصمہ بہت خوش تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے تو عفان کا فون آیا تھا کہ ساری ڈیل بخیریت ہو گئی ہے۔ رقم انہیں مل گئی ہے۔

ابا جی نے بھی عاصمہ سے بات کرتے ہوئے اسے دل سے مبارک باد دی تھی۔ ان کی آواز سے کچھ کمزور لگی تھی مگر خوش وہ بہت تھے۔

عاصمہ ان سے زیادہ خوش تھی کہ انہوں نے جاتے ہوئے اس سے جو وعدہ کیا تھا، وہ پورا کیا تھا۔

وہ اسے اس کی چھت دلانے جا رہے تھے۔

اس نے جب رندھی آواز میں ابا جی کا شکریہ ادا کیا تو وہ برا مان گئے۔

"نہیں شکریہ تو ہمیں تمہارا ادا کرنا چاہیے۔ اتنے سال تم نے زبان پر کوئی گلہ، شکوہ لائے بغیر گزار دیا۔ اب ہماری باری ہے تمہارا اور بچوں کا حق ادا کرنے کی۔"

وہ کچھ بول ہی نہ سکی۔

"مما! میری فرینڈ ہے رملہ! اس نے اپنا گھر لیا ہے۔ اتنا شاندار ہے، اس کے گھر میں لان بھی ہے اور سوئمنگ پول بھی۔" اریبہ اسے بتانے لگی۔

"اب ہم اتنا ہی بڑا گھر نہیں لیں گے۔ سارے پیسے گھر لینے میں تو نہیں لگا دینے نا۔ ہے نا مما!" واثق عقل مندی سے بولا۔

"جی مما کی جان! اب دیکھو یہ فیصلہ تو تمہارے پاپا اور دادا ہی کریں گے کہ ہمیں کتنے میں گھر لینا ہے اور باقی رقم کا کیا کرنا ہے۔" یہ بات تو اس نے سوچی بھی نہیں تھی۔ نہ عفان سے پوچھی تھی۔

اسے بے اختیار اپنے کم سن بیٹے پر پیار آیا۔ دور کی کوڑی لایا تھا۔

"اچھا مگر گھر میں لان تو ہونا چاہیے نا اور درخت بھی جس پر جھولا لگائیں گے۔" اریبہ ٹھنک کر بولی۔

"ان شاءاللہ ضرور چھوٹے موٹے لان والا گھر ہی لیں گے۔" عاصمہ اسے پیار کر کے بولی۔

☼ ☼ ☼

"مبارک ہو عدیل صاحب! آپ کی مسز ایکس پیکٹڈ ہیں۔" ڈاکٹر بشریٰ کو چیک کرنے کے بعد یقینی لہجے میں مسکراتے ہوئے بولی تو دونوں بے یقینی سے اسے دیکھنے لگے۔

"ویسے کیا دیکھ رہے ہیں آپ... کیا آپ کو یقین نہیں آرہا؟" ڈاکٹر بھی دونوں کے تاثرات دیکھ کر مسکرائی۔

"ڈاکٹر صاحبہ... ہم تو... بالکل ناامید ہو چکے تھے۔" عدیل کپکپاتی آواز میں بولا۔

"اونہوں... ناامیدی تو کفر ہے عدیل صاحب اور آپ کی تو ماشاءاللہ سے ایک بیٹی بھی ہے پہلے سے۔ اکثر کیسز میں دیر ہو جاتی ہے۔ باقی تو اللہ کے کام ہیں۔ بہرحال آپ کو مبارک ہو۔ ابھی انہیں کسی میڈیسن کی ضرورت نہیں، انہیں کمزوری ہے۔ پھل، دودھ اور جوس دیں۔ پندرہ دن بعد دوبارہ چیک کرائیں تو انہیں کچھ میڈیسن اسٹارٹ کرائی جائیں گی۔" وہ انہیں دیکھ کر بولی۔

"مگر ڈاکٹر صاحبہ کل تو ہم مری جا رہے تھے۔" بشریٰ کو یاد آیا۔

"اب آپ کو گھر جا کر کچھ دن صرف ریسٹ کرنا ہے۔ کیونکہ آپ کافی عرصہ بعد دوبارہ پریگننٹ ہوئی ہیں اس لیے احتیاط ضروری ہے۔" ڈاکٹر نے فوراً کہا تو دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔

"لیکن ہمیں گھر جانے کے لیے بھی تو سفر کرنا پڑے گا ڈاکٹر صاحبہ!" عدیل نے توقف سے کہا۔

"وہ آپ کریں مگر احتیاط سے۔ جو باتیں میں نے کہی ہیں ان پر عمل کریں۔ انہیں ہر قسم کی ٹینشن سے دور رکھیں۔ خوش رہیں اور اچھی صحت مند خوراک دیں اور کچھ دن بیڈ ریسٹ، اوکے!"

"جی ڈاکٹر صاحبہ! بہت شکریہ۔" دونوں خوش خوش باہر آگئے۔

"مجھے یقین نہیں آرہا عدیل!" بشریٰ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"تو مجھے کون سا یقین آرہا ہے۔ بشریٰ! اتنے سالوں بعد... اتنے علاج کرائے ہم نے اور اب دیکھو بغیر کسی گمان خیال کے...."

"اللہ بہت مہربان ہے۔" بشریٰ رندھے گلے سے بولی۔

"بہت مہربان۔ بہت زیادہ۔ ہم ہی اسے بھول جاتے ہیں۔ مثال کو بتا دیں ہوٹل جا کر؟" وہ شرارت سے بولا۔

"اونہوں... بالکل نہیں، ابھی اسے ان باتوں کی کیا سمجھ۔" اس نے گھورا۔

"اچھا بھئی۔ امی کو تو جلدی سے فون کر کے یہ خوش خبری سناؤں۔" وہ موبائل پر نمبر ملانے لگا۔

بشریٰ مسرور سی اسے دیکھنے لگی۔ اسے فوزیہ کی ساس کے طعنے یاد آنے لگے تو اس نے سر جھٹک دیا۔

☼ ☼ ☼

رات بہت اندھیری تھی۔ ایک تو بار بار لائٹ جا رہی تھی۔ دوسرے سردی بھی بہت تھی۔ آدھی رات کے بعد جو لائٹ گئی تو پھر آنا ہی بھول گئی۔

عاصمہ کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ اس نے اٹھ کر بچوں کے کمرے میں ایمرجنسی لائٹ جلائی اور پھر صحن کی طرف آ گئی۔

آسمان کا رنگ عجیب مٹیالا سا ہو رہا تھا۔ جیسے کوئی آندھی رکی ہوئی ہو۔

"بھلا اس موسم میں کب آندھیاں آتی ہیں۔"

وہ خود ہی دل میں ہنسی، مگر اس ہنسی میں عجیب سی بے چینی تھی۔

"شاید میں کبھی اتنے دن اکیلی جو نہیں رہی، اس لیے دل گھبرا رہا ہے۔" وہ خود ہی تاویل گھڑنے لگی۔

زور، زور سے سائیں سائیں ہوا چلنے لگی۔ ہمسائے کے گھر میں لگے اونچے درخت کے پتے زور، زور سے شور مچانے لگے۔

سردی بہت بڑھ گئی تھی۔ اس نے شال اپنے کندھوں کے گرد لپیٹی۔

"پتا نہیں گاؤں میں موسم کیسا ہو گا۔ عفان تو کہہ رہے تھے وہ صبح نماز پڑھنے کے بعد نکل آئیں گے۔ اگر بارش ہو گئی تو کہیں انہیں دیر سے نکلنا نہ پڑے۔ یا اللہ! موسم بالکل ٹھیک رہے۔ کچھ بھی نہ ہو اب تو۔ وہ دونوں صبح جلدی آ جائیں تو میرا جی ٹھہرے۔ کیسی فضا میں اداسی سی ہے۔ بچوں نے کھانا ٹھیک سے کھایا، نہ میں نے، دل ہی نہیں کر رہا تھا۔"

وہ انگلیوں پر ان کے جانے کے دن گننے لگی۔

"کل جب آئیں گے تو بس شام میں ہی گھر دیکھنے چلیں گے۔ یہ کرائے کا ٹوٹا پھوٹا گھر، جس پر مالک مکان ایک روپیہ مرمت کے نام پر لگانے کو تیار نہیں۔ اب یہاں اور رہنے کو جی نہیں کرتا۔ اللہ کرے ہمارا بھی نیا لش پش کرتی ٹائلوں والا گھر ہو، جسے میں سجاؤں، سنواروں اور خوب صاف ستھرا رکھوں۔"

وہ دل میں بہت سارے منصوبے بنانے لگی۔

"اور وہ جو میں نے چھوٹی کمیٹی ڈال رکھی ہے اس سے اپنے بیڈ روم کا نیا فرنیچر لاؤں گی اور ساتھ میں میچنگ پردے بھی اور....."

یہاں تک ہی سوچ پائی تھی کہ پھر گھبرا کر بے کل سی اٹھ کھڑی ہوئی اور اندر بچوں کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ ذرا دیر میں بارش ہونے لگی۔

عاصمہ کو جانے کب آڑے ترچھے ہو کر بیٹھے بیٹھے نیند سی آ گئی۔ وہ گہری نیند سو گئی۔ صبح آنکھ بھی دیر سے کھلی۔ سٹم پیشتر بچوں کو تیار کر کے اسکول بھیجا تھا۔ پھر موبائل پر فون کیا مگر فون بند تھا۔

"سرپرائز دینا چاہتے ہوں گے۔" وہ مسکرا کر جلدی جلدی صفائی میں جت گئی۔ کچھ دیر میں فون کی گھنٹی بجی۔ اس نے تیزی سے کال ریسیو کی اور کال ریسیو کرنے کے بعد اسے لگا گردشِ وقت اور دنیا سب کچھ تھم کر رہ گیا۔

کاش اس نے یہ کال کبھی ریسیو نہ کی ہوتی۔

وہ کسی پتھر کے بت کی طرح ساکت تھی۔ سیل فون اس کے ہاتھ سے پھسل کر کب زمین پر گرا۔ سیل کی بیٹری، سم سب نکل کر فرش پر بکھر گئے۔ مگر وہ تو جیسے ہوش و خرد سے بے گانہ ہو چکی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

رخسانہ نگار عدنان

ایک تھی مثال

عدیل اور فوزیہ نسیم بیگم کے بچے ہیں۔ بشریٰ ان کی بہو ہے اور ذکیہ بیگم کی بیٹی عمران بشریٰ کا بھائی ہے۔ مثال ذکیہ بیگم کی نواسی اور نسیم بیگم کی پوتی ہے۔ بشریٰ اور نسیم بیگم میں روایتی ساس بہو کا تعلق ہے۔ نسیم بیگم مصلحتاً "بیٹا بہو" لگاوٹ دکھاتی ہیں۔ دوسری طرف ذکیہ بیگم کا کہنا ہے۔ ان کی بیٹی بشریٰ کو سسرال میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ ذکیہ بیگم اپنے بیٹے عمران کے لیے بھی لڑکیاں دیکھ رہی ہیں۔ پانچ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد بشریٰ کی نند فوزیہ کا پلا ہر ایک جگہ رشتہ طے پا جاتا ہے۔ نکاح والے روز بشریٰ دولہا ظہیر کو دیکھ کر چونک جاتی ہے۔

عدیل سے شادی سے قبل ظہیر کا بشریٰ کے لیے بھی رشتہ آیا تھا مگر بات نہ بن سکی تھی۔ نکاح والے دن زاہدہ اور ذکیہ بیگم بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔ بشریٰ اپنی ماں سے یہ بات چھپانے کے لیے کہتی ہے مگر عدیل کو پتا چل جاتا ہے۔ وہ ناراض ہوتا ہے مگر فوزیہ اور نسیم بیگم کو بتانے سے منع کرتا ہے۔ بشریٰ اور عدیل ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جاتے ہیں۔ وہاں انہیں پتا چلتا ہے کہ بشریٰ کے ہاں سات سال بعد پھر خوش خبری ہے۔

عفان اور عاصمہ اپنے تین بچوں اور والد کے ساتھ کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔ عفان کے والد فاروق صاحب سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ گریجویٹی اور گاؤں کی زمین فروخت کر کے وہ اپنا گھر خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ڈیڑھ کروڑ میں زمین کا سودا کر کے وہ عفان کے ساتھ خوشی خوشی شہر آ رہے ہیں۔ عاصمہ کو فون کے ذریعے کوئی اطلاع ملتی ہے جسے سن کر وہ بے ہوش ہو جاتی ہے۔

تیسری قسط

www.paksociety.com

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں زاہدہ بہن!" نسیم بیگم کے تو جیسے ہاتھوں کے طوطے ہی اڑ گئے۔
کتنی دیر تو وہ کچھ بول ہی نہیں سکی تھیں حواس جیسے گم سے ہو کر رہ گئے تھے۔
یہ جملہ تو بہ وقت ان کے منہ سے اس وقت نکلا جب زبیدہ نے پھر سے اپنی بات دہرائی تھی۔
نسیم بیگم کو خود بھی اپنی آواز کی کپکپاہٹ واضح طور پر محسوس ہوئی تھی۔
دوسری طرف سجے سنورے حلیے میں ہلکا سا میک اپ کیے موو کلر کا سوٹ پہنے فوزیہ چائے کے ساتھ ڈھیروں لوازمات کی ٹرالی لیے چلی آ رہی تھی۔ ماں کی کانپتی آواز سن کر جیسے وہیں گر سی گئی۔
"نسیم بہن! اتنی پریشان کیوں ہو رہی ہیں آپ۔ خدانخواستہ میں نے کچھ ایسی غلط بات تو نہیں بول دی۔" زبیدہ نے نسیم کی اڑی رنگت دیکھی تو گویا انہیں دلاسا دینے کو کہا۔
ان کا کہنے کا انداز ایسا تھا جیسے وہ اس طرح کی معمولی اور عام باتیں عموماً کرتی ہی رہتی ہیں۔
"میں اصل میں۔۔۔ میں سمجھ نہیں سکی کہ آپ کس لیے مطلب۔۔۔ کیوں یہ بات کر رہی ہیں۔" نسیم بیگم پسینے میں بھیگتی ہتھیلیاں آپس میں جکڑ کر بے ربطگی سے بولیں۔ ایسا جملہ جس کا کوئی بھی مطلب نہیں تھا۔
"کیوں۔۔۔ بھئی ظاہر ہے اب ہم رشتہ دار ہیں۔ دکھ کی سکھ کی ہر بات تو ہم ایک دوسرے سے ہی کریں گے نا۔ اب خدانخواستہ یہ بات میں جا کر اپنے محلے داروں سے یا تمہارے رشتہ داروں سے تو نہیں کر سکتی۔" زاہدہ بیگم نے اپنائیت کا فلسفہ پیش کر دیا۔
اور نسیم بیگم نے کچھ ایسی بے چارگی سے انہیں دیکھا جیسے کٹنے کو تیار بکری قصائی کی چھری کے نیچے پڑی ہو اور وہ قصائی اس سے پیار جتانے والی اپنائیت کی کوئی بات کرے۔
"مجھ سے تو ظہیر نے کہا تھا۔ امی جا کر کرنے والی تو بات ہی نہیں۔ آپ خالہ جان کو بس فون کر دیں۔ عدیل بھائی کے ہاتھوں خود ہی رقم بھجوا دیں گی۔" زاہدہ نے گویا ایک پھلجڑی چھوڑی۔
اب کے نسیم بیگم کو بے چارگی اور بے بسی کے بجائے شدید غصہ کسی ابال کی طرح اپنی شریانوں میں دوڑتا محسوس ہوا۔
"فون کی بھی کیا ضرورت تھی بہن؟ کسی راہ چلتے ہرکارے سے کہلوا بھیجتیں۔ ہم تو گویا رقم ہتھیلی پر لیے دروازے میں کھڑے تھے اسی کے ہاتھ روانہ کر دیتے۔" وہ زیادہ دیر تک خوف، مروت اور لحاظ کا بوجھ اٹھا نہیں سکیں۔ تڑخ کر بول ہی اٹھیں۔
زاہدہ نے نسیم کے بدلے انداز پر ذرا سا ٹھٹک کر انہیں دیکھا۔
"ہاں تو اپنے ہی اپنوں کے کام آتے ہیں۔ ایسا ہی تو ہوتا ہے۔" وہ پھر بھی ڈھٹائی سے بولیں۔
اور نسیم بیگم کا جی چاہا اس عورت کو کرسی سمیت اٹھا کر گلی کیا بلکہ مین روڈ پر ڈال آئیں۔ زمانے بھر کی ٹریفک اس عورت کا قیمہ بنا جاتی تو بھی انہیں ٹھنڈ نہ پڑتی۔
"ایسا نہیں ہوتا بہن، معاف کرنا۔" اب کے انہوں نے لحاظ، مروت، خوش اخلاقی سب کو اٹھا کر طاق پر رکھا اور بے لحاظ لہجے میں بولیں۔ زاہدہ تو لحہ بھر کو کچھ بول نہ سکیں بس نسیم کے چہرے کی طرف دیکھ کر رہ گئیں۔
"میں سمجھی نہیں آپ کیا کہنا چاہتی ہو نسیم بہن؟" اب کے لہجے میں زمانے بھر کی معصومیت اور شرافت سمو کر نرمی سے بولیں مگر نسیم بیگم دوٹوک بات کرنے کا فیصلہ کر چکی تھیں۔
"ایسی کوئی مشکل بات نہیں بولی میں نے آپ کی طرح۔" وہی کٹھور لہجہ اور بدلی ہوئی نظریں۔
"یعنی میں کیا سمجھوں۔۔۔ اس بات کا مطلب؟" زاہدہ کے لہجے میں اب کے کچھ دھمکی سی تھی۔
نسیم بیگم کی نظریں ایک دم سامنے دروازے کے باہر تیار حلیے میں کھڑی فوزیہ پر پڑیں جو ٹرالی کے ساتھ یوں بے بسی کی تصویر بن کھڑی تھی کہ نسیم بیگم اگلا جملہ ہی بولنا بھول گئیں۔
ان کی نظروں کے سامنے وہ منظر آ گیا جب فوزیہ، ظہیر کی دلہن بنی نکاح نامے پر دستخط کر رہی تھی۔
بے اختیار ان کا جی چاہا، دھاڑیں مار کر رونے لگیں یا کہیں سے گزرے وقت کی لگامیں ان کے ہاتھ آ جائیں تو وہ اس ظالم وقت کو واپس لے آئیں۔۔۔ مگر اب جیسے ان کے ہاتھوں میں کچھ تھا ہی نہیں۔ نہ گزرے وقت کی لگامیں نہ آنے والے وقت کی شقاوت۔
انہیں بہت بڑا اور صاف صاف نظر آنے لگا تھا۔
"اتنی بڑی رقم۔۔۔ بیس لاکھ کم تو نہیں ہوتے۔ بہن اور ہم تو سفید پوش لوگ ہیں، جن کا اللہ نے بھرم رکھا ہوا ہے۔ میں بیوہ عورت، جو کچھ بھی ہے میرا بیٹا۔۔۔ اللہ اس کی لمبی عمر کرے، بال بچے دار ہے۔ ہم ماں بیٹی کا بوجھ بھی اسی نے اٹھا رکھا ہے تو ایسے میں یہ رقم۔ ہم۔ میں تو بالکل بھی انتظام نہیں کر سکتی۔"
نسیم بیگم کو پتا بھی نہیں چلا۔ کب ان کی آواز آنسوؤں میں بھیگتی چلی گئی۔ لاکھ ضبط کرنے کی کوشش کی کہ خود کو کمزور ظاہر نہیں کرنا مگر بے بسی، بے کسی کی انتہا تھی۔ آنسو بہنے لگے۔
زاہدہ بیگم نے ایک ملامتی نظر اس آنسو بہاتی ماں پر ڈالی۔
"سنا ہے، بہن! بلکہ بیتی ہے یہ جگ بیتی نہیں آپ بیتی ہے کہ ہمارے معاشرے میں بیٹیوں کی مائیں ان کے پیدا ہوتے ہی جوڑ توڑ شروع کر دیتی ہیں۔ جوڑا، کپڑا، بستر، برتن، روپیہ پیسہ، سونا چاندی جو جڑ سکے۔ خود میں نے تین بیٹیاں ایسے ہی بیاہی ہیں۔" زاہدہ تو جیسے بجلی کے ریڈیو کی طرح چل پڑیں۔
"وہ بات ٹھیک ہے مگر اتنی رقم۔۔۔" نسیم بیگم نے جب اپنے آنسو بے اثر دیکھے تو زور سے آنکھیں رگڑ کر دلیل سے بات کرنے کی کوشش کی۔
"خود میں نے۔۔۔ تیسری والی بیٹی بیاہی۔۔۔ بیاہی کیا، بات ہی طے کی تھی کہ داماد بے روزگار بیٹھ گیا گھر میں۔۔۔ اپنا زیور بیچ کر پہلے اسے کاروبار کرایا جب اس کا کاروبار جم گیا تو پھر بیٹی کو اس کے گھر رخصت کیا اور یہ نہیں کہ نوید کو گھر والوں سے توڑ لیا۔ خیر سے ابھی تک میری تینوں بیٹیاں اپنی ساس نندوں کے ساتھ رہ رہی ہیں۔ بہن! میری تربیت ایسی نہیں کہ بچیاں جاتے ہی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مسجد الگ سے بنا کر بیٹھنے لگیں۔" وہ تو جیسے جلال میں آ گئیں
فوزیہ وہ تو جیسے کھڑے کھڑے تھک گئی۔
اندر آ کر آہستگی سے سلام کر کے چائے کی ٹرالی ان کے آگے کھسکا کر ماں کی طرف دیکھنے لگی۔ ماں نے بھی آنکھوں سے فی الحال ٹلنے کا اشارہ دیا۔
"چولہے پر دودھ رکھا ہے ابلنے کو، دیکھ کر آتی ہوں۔" کہہ کر وہ تیزی سے باہر نکل گئی۔ اگرچہ زاہدہ کو یہ بات بھی بری لگی تھی مگر فی الحال وہ اس سے بڑی اور اہم بات سے دو دو ہاتھ کر رہی تھی سو جانے دیا۔
"آپ کی سب باتیں ٹھیک سولہ آنے بہن۔۔۔ مگر میں۔ ہم۔ اتنی بڑی رقم یہ تو ہمارے لیے ناممکن ہے۔" رک رک کر نسیم بیگم نے دوٹوک انداز میں نہ سہی، معذرت خواہانہ انداز میں کہہ ہی ڈالا کیونکہ وہ جانتی تھیں عدیل تو یہ سن کر ہی بھڑک اٹھے گا۔
زاہدہ کو جیسے کسی نے کھینچ کر پتھر مار دیا ہو۔
تڑپ کر نسیم کی طرف دیکھا۔
"آپ جانتی ہو نسیم بہن! جو کہہ رہی ہو آپ؟" وہ صاف دھمکانے والے انداز میں بولیں۔
"میں نے سوچ سمجھ کر ہی آپ سے یہ بات کی ہے، بہن!" نسیم نرمی سے بولیں۔
"اور میں نے تو جیسے یوں ہی بول دیا سب۔" وہ تپ کر بولیں۔

[illegible]

[illegible]

تھیں۔

اور نسیم بیگم کو ان کی سدا سہاگن' والی دعا ایک خوفناک دھمکی لگ رہی تھی مگر وہ کچھ بول نہیں پا رہی تھیں جیسے ان کی زبان پتھرا گئی ہو۔

☼ ☼ ☼

"کیا بات ہے عدیل! آگے کس بات کا رش ہے؟ سڑک بلاک ہے کیا؟" بشریٰ نے آکر ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھتے عدیل سے بے چینی اور تھکن بھرے لہجے میں پوچھا۔ وہ لوگ مین روڈ پر تھے اور آگے لوگوں کا ہجوم ہی ہجوم تھا۔ گاڑی آگے نہیں جا سکتی تھی۔

عدیل نے کچھ دیر انتظار کیا پھر آگے جا کر پتا کر کے آیا تھا۔

"بہت ظلم ہو رہا ہے اس دنیا میں۔ بہت ظلم۔" عدیل کے چہرے پہ خوف دکھ اور وحشت سی تھی۔

"کیا ہوا۔۔۔ خیریت تو ہے نا!" بشریٰ گھبرا کر بولی۔

"راستہ فی الحال بلاک ہے۔ یہ دائیں طرف سے ایک چھوٹی ذیلی سڑک جاتی ہے۔ ہمیں وہاں سے جانا پڑے گا آگے۔" عدیل کے چہرے پہ بہت سنجیدگی تھی جیسے وہ مزید بات کرنا نہیں چاہتا۔

"عدیل پلیز۔ بتایئے نا! میرا دل گھبرا رہا ہے۔" وہ اس کی مسلسل چپ پر بولی۔ اسے واقعی گھبراہٹ سی ہونے لگی تھی۔ عدیل ایسے کبھی چپ نہیں ہوا تھا دونوں جب ساتھ ہوتے تھے تو ان سے خاموش رہا ہی نہیں جاتا تھا۔

"قتل۔۔۔ دو قتل ہوئے ہیں۔" وہ بہت مشکل سے بولا تھا۔

"کیا؟" بشریٰ کا دل جیسے بند ہونے لگا' وہ مڑ کر خوف زدہ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"اسی لیے میں تمہیں نہیں بتا رہا تھا۔ تم پلیز پریشان نہیں ہو۔" عدیل اس کی اڑی رنگت دیکھ کر بولا۔

"کک۔۔۔ کیسے ہوئے قتل؟" اس کی رنگت زرد ہوتی جا رہی تھی۔

"ڈکیتی کا معاملہ ہے۔ دونوں شاید باپ بیٹے تھے۔ رقم تھی کافی بڑی ان کے پاس اس کے لیے۔ رقم بھی لے گئے اور دونوں کو۔"

وہ بولتے ہوئے چپ ہو گیا۔ مزید اس سے بولا ہی نہیں جا رہا تھا۔

"ابھی تو پولیس آئی ہے پوسٹ مارٹم ہو گا۔ پتا نہیں ان کے گھر والوں کو کسی نے اطلاع دی یا نہیں۔ کیا بیتے گی ان پر جب اچانک خبر۔۔۔ کتنے ظالم ہوتے ہیں یہ لوگ۔" عدیل کی آواز بھرا گئی اور بشریٰ تو جیسے ساکت سی ہو گئی تھی۔

☼ ☼ ☼

دل کبھی جھوٹی گواہی نہیں دیتے۔

اور عاصمہ کا دل۔۔۔ جس بے ربطگی سے ان چھتیس گھنٹوں میں دھڑکا تھا جب عفان اس سے دل کر دور جا رہا تھا اور اس کی آخری اطلاع آنے تک وہ جس بے کلی کا شکار رہی تھی' چاہتی بھی تو اسے لفظوں میں بیان نہیں کر سکتی تھی۔

زندگی میں پہلی بار دل کی معتبر گواہی۔۔۔ حوادث کے آخری پہر جب وہ تن تنہا سرخ آندھی کے بیچ صحن میں بیٹھی تھی۔۔۔ کاش وہ گواہی جھوٹی ہوتی۔

اس کے گرد بیٹھی عورتیں رو رہی تھیں۔

مگر عاصمہ تو جیسے ہوش و خرد سے بیگانہ تھی۔
اس کے دل و دماغ میں وہ رات کا آخری پہر ٹھہر سا گیا تھا۔
فاروق اور عفان کے آنے میں کتنے گھنٹے ہیں' وہ بار بار وقفے وقفے سے انگلیوں کی پوروں پر گننے لگتی۔
"ممانے۔ مما دیکھیں نا۔ باپ اور دادا سب کہہ رہے ہیں' وہ ہمیں ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔" واثق جوان کا سب سے سمجھ دار بیٹا تھا اس وقت جیسے کچھ بھی نہیں سمجھ پا رہا تھا۔ کبھی پتھر کا بت بنا ماں کی طرف دیکھتا اور کبھی روتے دھوتے ہجوم کی طرف۔
اور اس کی نگاہیں ان دو مردہ جسموں پر آکر پتھرا جاتیں' جو کل تک ان کا سب کچھ تھے۔ ان کی آس۔ ان کی امید' ان کا انتظار۔
اردگرد کے ہمسائیوں اور کچھ دور پرے کے رشتہ داروں نے رسمی انداز میں پولیس کی کارروائی نپٹائی اور دونوں کو آخری سفر پر روانہ کرنے کی تیاریاں شروع کردیں۔
عاصمہ کی بیگانگی ہنوز قائم تھی۔
"اسے رونا چاہیے۔۔۔۔ ان دونوں کے ہمیشہ کے لیے چلے جانے کی خبر اسے ہونا چاہیے' ہاجرہ خالہ اسے رلائیں۔" مالک مکان کا بیٹا ہمدردانہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا جو چارپائی کی پٹی سے گال ٹکائے بے سدھ تھی۔
چھوٹی وردہ تو ساتھ والی ہمسائی کی گود میں تھی۔
تینوں بڑے بچے ماں کے ساتھ لگے بیٹھے تھے۔
آخری وقت آگیا۔ عاصمہ کی آنکھوں میں آنسو نہیں آسکے۔
کچھ دیر کے لیے عاصمہ کے آگے دونوں کے چہروں سے کفن ہٹا کر دکھائے گئے کہ شاید اس پر کچھ اثر ہو سکے مگر وہ اسی طرح بے حس حرکت بیٹھی رہی۔
جیسے ہی دونوں کو کلمہ پڑھتے ہوئے لے جایا جانے لگا تو ساتھ کی ہمسائی نے زور زور سے عاصمہ کو جھنجھوڑ ڈالا۔
"عفان بھائی جارہے ہیں۔ خالو جی کے ساتھ عاصمہ۔۔۔! تمہیں اور بچوں کو اکیلا چھوڑ کر۔۔۔ عاصمہ! دیکھو ان دونوں کی سنگ دلی۔۔۔ انہوں نے تمہارا اور بچوں کا ذرا خیال نہیں کیا۔"
اور عاصمہ کو جیسے کسی نے پتھر کھینچ مارا۔
وہ دھاڑیں مار کر ان کے مردہ جسموں سے لپٹ کر ایسے روئی کہ پتھروں کے بھی آنسو نکل پڑے۔ کم از کم اس نے یہ نہیں سوچا تھا۔
وہ تو بڑی صابر شاکر بہت مطمئن رہنے والی روح تھی۔
اس سے یہ کڑا امتحان کیوں لیا گیا۔
عفان اور فاروق کو لے گئے اور عاصمہ کی زندگی ان چار بچوں کے ہوتے ہوئے بھی جیسے بالکل خالی ہو گئی۔
چٹیل ویران صحرا کی طرح۔

☆ ☆ ☆

"یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ امی؟ دماغ تو نہیں خراب ہو گیا ان لوگوں کا۔" عدیل تو سنتے ہی جیسے ہتھے سے اکھڑ گیا۔
نسیم بیگم تو ان چند گھنٹوں میں نچڑ کر رہ گئی تھیں۔
نم آنکھوں میں زمانے بھر کی لاچاری سمو کر بیٹے کو دیکھنے لگیں۔
وہ زبان جو ہر وقت کسی نہ کسی بات پہ کوئی نہ کوئی تبصرہ ضرور کرتی تھی اب جیسے گنگ ہو کر رہ گئی تھی۔

بولے جارہا تھا۔

اس کا غصہ لمحہ بہ لمحہ بڑھتا جارہا تھا۔

بشریٰ خود پریشان نظروں سے ساس اور شوہر کو دیکھتے ہوئے اپنے ڈوبتے دل کو جیسے سنبھال رہی تھی۔

ابھی تو سفر کی تھکان نہیں اتری تھی کہ یہ افتاد؟

پھر اسے تو امید تھی کہ گھر جاتے ہی شاندار استقبال ہوگا۔ اتنی اچھی خبر سننے کے بعد فوزیہ اور امی کا موڈ بہت اچھا ہوگا۔

"مگر یہاں تو جیسے کسی کو وہ "بریکنگ نیوز" یاد بھی نہیں رہی تھی۔ فوزیہ کونے میں بکھرے بالوں کے ساتھ گم صم بیٹھی تھی۔

"آپ کو ان سے بات کرنی چاہیے تھی۔ صاف منع کردینا چاہیے تھا۔ منہ پر انکار کردیتیں بلکہ انہیں سناتیں کہ انہوں نے ایسی بات کی بھی کیسے۔ حد ہوگئی ڈھٹائی کی اور بے شرمی کی۔" وہ اب مٹھیاں بھینچے کمرے میں بے چین سا ٹہلنے لگا تھا۔

"پاپا! میری ڈول نہیں مل رہی جو آپ نے مجھے اسلام آباد سے لے کردی تھی۔" مشال اپنی پریشانی شیئر کرنے کو آنکھوں میں آنسو لیے باپ کے پاس آئی۔

"جاؤ یہاں سے' وہیں ہوگی دیکھو جاکر۔" عدیل زور سے اس کا ہاتھ جھٹک کر غصے سے بولا۔

بشریٰ کے دل پر جیسے ہاتھ سا پڑا۔

"پاپا!" مشال آنکھوں میں آنسو لے آئی۔

"بیٹا! وہیں ہوگی گاڑی میں یا پھر سامان میں جاکر دیکھو۔ بشریٰ تم جاؤ' جاکر اسے ڈول ڈھونڈ دو۔" اسے مڑ کر کہتے ہوئے عدیل کی نظر بشریٰ کے جھکے ہوئے چہرے پر پڑی تو اسے کچھ بھولا ہوا یاد آیا۔

"اور تم جاکر اندر کمرے میں آرام کرو۔ اتنے لمبے سفر سے تھک کر آئی ہو۔" عدیل فکر مندی سے بولا۔

"فوزیہ! تم بشریٰ کو جوس دو' یہ پی لے تو تھوڑا ریسٹ کرلے۔" وہ مڑ کر تحکم سے بولا تو فوزیہ جیسے ششدر سی رہ گئی۔

اس غم کی گھڑی میں جب فوزیہ کی زندگی داؤ پر لگی تھی۔ بھائی اسے ایسی خدمت گاری کا حکم دے سکتا ہے فوزیہ نے کبھی سوچا نہیں تھا۔ تڑپ کے رہ گئی۔

کچھ ایسی ہی کیفیت نسیم کی بھی تھی۔

مگر بے بسی ایسی تھی کہ پلٹ کر نہ تو جواب دے سکتی تھی نہ غصے کا اظہار کرسکتی تھیں۔

"ہاں فوزیہ! جاؤ بیٹا! بشریٰ کو آرام کرنا چاہیے تم اسے جوس بنادو یا جو یہ کھانے کے لیے کہے اگر بھوک لگی ہو تو کھانا گرم کردو۔ مشال سے بھی پوچھ لینا۔"

بجائے ماں فوزیہ کی دل جوئی کرتی۔ اسے اس آفت سے نکل جانے کا کوئی مژدہ سنایا جاتا الٹے جاکر آرام کرنے کو کہا جاتا' یہاں بھائی صاحب کی خدمت کے مشورے دیے جارہے تھے۔

وہ پیر پٹختی اٹھ کر چلی گئی۔

"مما! چلیں نا۔ میری گڑیا مجھے تلاش کرکے دیں۔" مشال ماں کو یونہی بیٹھے دیکھ کر مچل کر بولی۔

"بشریٰ! جاؤ لے جاؤ اسے تاکہ چپ ہو سکے۔" عدیل جیسے زچ آکر بولا تو بشریٰ مشال کا ہاتھ پکڑ کر اسے اندر لے گئی۔

"پھر اب؟" نسیم بیگم نے بیٹے کے چہرے پر یوں نظریں گاڑ کر پوچھا جیسے اس کے پاس جادو کا چراغ ہے جس کے

ظالموں نے صرف ان کی جانیں نہیں لی تھیں۔ ان کی عمر بھر کی کمائی ان کے خواب، ان کی خواہشیں، ان کے بچوں کے مستقبل، ان کی چھت سب کچھ چھین لیا تھا۔ وہ روتی، فریاد کرتی، چیختی چلاتی اب کچھ بھی واپس نہیں آ سکتا تھا۔

عاصمہ کی آنکھیں رو رو کر سوکھ چکی تھیں۔

وہ تو جیسے خود میں گم ہو کر رہ گئی تھی۔ ایک بھائی تھا بیوی بچوں سمیت ملک سے باہر۔ اتنے سالوں میں اس نے کبھی پلٹ کر خبر نہ لی، اب بھی اس کو کسی نے اطلاع بھیجی یا نہیں۔ اسے کچھ پتا نہیں تھا۔

وہ تو اب بھری دنیا میں اکیلی ہی تھی۔

دن میں ہمسائیاں آتی جاتی رہتیں۔ بچوں کو اور اس کو زبردستی کچھ کھلا پلا جاتیں مگر رات۔۔۔ کالی لمبی سیاہ رات کسی سیاہ ناگ کی طرح پھن پھیلائے یوں اس کی طرف دیکھتی کہ وہ دیواروں میں سمٹتی جاتی۔

"مما! بھوک لگی ہے۔" چھوٹی اریشہ جانے کس وقت آ کر اس کے گھٹنے سے چمٹی تھی۔

عاصمہ نے چونک کر خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا۔

وہ تو بالکل فراموش کر چکی تھی کہ اس کے ساتھ جڑی چار جانیں اور بھی تو ہیں۔ اس کی طرح برباد ہوئی ہیں۔ ان کی زندگی اپنے سب سے قیمتی اور پیارے رشتوں سے محروم ہو چکی ہے۔

"مما! مجھے بھی بھوک لگی ہے۔" اریبہ بھی دوسری طرف آ کر بیٹھ گئی۔

واثق ان سے پرے بالکل خاموش کسی سمجھ دار بچے کی طرح بیٹھا تھا مگر اس کے چہرے سے لگ رہا تھا۔ اسے بھی بھوک لگی ہے لیکن اسے اپنی خواہش پہ بند باندھنا آ گیا ہے۔

"ابھی سے۔ نہیں نہیں۔ ابھی میرے بچے کی عمر ہی کیا ہے۔ فقط گیارہ سال پانچ ماہ سترہ دن۔ اتنی عمر میں اسے غم کی بھٹی میں جھونک دوں۔ ضبط اور صبر کے امتحان میں ڈال دوں۔ نہیں نہیں۔"

وہ تڑپ کر اٹھی تھی۔ اسے اریبہ اور اریشہ کی بھوک نے نہیں تڑپایا تھا واثق کی چپ نے جیسے کرنٹ سا لگا دیا تھا۔

"واثق میری جان! ایسے کیوں بیٹھے ہو؟" وہ بے اختیار اسے ساتھ لپٹا کر تڑپ کر بولی۔

"تمہیں بھوک نہیں لگی؟" وہ اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر بولی۔

"نہیں مما۔۔۔ مجھے بھوک نہیں۔ میں ان دونوں کے لیے کچن سے کچھ لے کر آتا ہوں۔ آپ پریشان نہیں ہوں۔" وہ یکدم جیسے جوان ہو گیا۔ گیارہ سال کے بچے سے بیس سال کے جوان کی طرح۔

"واثق!" وہ اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"مما!" وہ ماں کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے بولا۔

اور وہ جیسے کسی فرد کے سہارے کی تلاش میں تھی، اس کی ٹانگوں سے لپٹ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"مما! دیکھیں یہ دونوں بھی رونے لگی ہیں۔ آپ کو اب حوصلہ کرنا ہو گا۔۔۔ آپ کو سب کچھ سنبھالنا ہو گا مما!"

وہ واقعی بہت بڑا ہو گیا تھا۔

اس حادثے نے واثق کے بچپن کو نگل لیا تھا اور عاصمہ جیسی مضبوط عورت کو کمزور اور ڈرپوک بنا دیا تھا۔

"واثق! میں بہت کمزور ہو گئی ہوں۔۔۔ تمہارے پاپا اور دادا نے بے وفائی کی ہمارے ساتھ۔ ہمیں اکیلا چھوڑ گئے۔۔۔ میں کیا کروں میں کچھ نہیں کر سکتی۔"

وہ یوں بلک بلک کر رو رہی تھی جیسے واثق کوئی دانا بزرگ ہو۔

واثق ماں کے پاس ہی زمین پر بیٹھ گیا۔

"مما! یہ سب تو اللہ کے حکم سے ہوتا ہے۔ آپ خود ہمیں سمجھایا کرتی تھیں نا کہ کچھ بھی خود بخود نہیں ہوتا۔ سب کچھ اللہ کے حکم پر ہوتا ہے۔"

"واثق!" وہ رونا دھونا بھول کر ایک چھوٹے سے بچے کے منہ سے اتنی بڑی بات، اتنی سامنے کی بات جو خود اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھی، سن کر حق دق سی رہ گئی۔

اس سے جیسے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔ اسے پتا بھی نہیں چلا کب وہ آہستگی سے اپنے آنسو خود اپنے ہاتھوں سے صاف کرنے لگی۔

"مما۔۔۔ مجھے اچھا نہیں لگتا۔ ہم ہر روز دوسروں کے گھروں سے پک کر آنے والا کھانا کھائیں۔" واثق نے اسے دوسرا جھٹکا لگایا تھا۔

"واثق!" وہ اسے بس دیکھے جا رہی تھی۔

"مما! آج چوتھا دن ہے اور کتنے دن ہم دوسروں کے اوپر بوجھ بنے رہیں گے؟" وہ اب بہت نرمی سے ماں کے بال سلجھا رہا تھا۔

"مما! مجھے شرم آتی ہے جب ساتھ والی آنٹی ہمیں اپنے گھر سے تھوڑا تھوڑا کھانا لا کر دیتی ہیں۔"

"میں نے تو آج صرف آدھی روٹی کھائی۔" اریبہ آگے آ کر بولی۔

"میں نے بھی۔" اریشہ بھی ساتھ آ بیٹھی۔

"اور میں۔۔۔ مما! صبح سے کچھ نہیں کھایا۔۔۔ مجھ سے کھایا جاتا ہی نہیں۔ مما! اچھا نہیں لگتا۔ نوالے حلق میں پھنستے ہیں۔"

واثق اسے حیران کیے جا رہا تھا۔

یقیناً اس نے بہت دھیان سے بچوں کی پرورش کی تھی۔

مکان کی بنیادیں بہت دھیان سے اٹھائی جاتی ہیں۔ اس میں روڑے، پتھر، اینٹیں، سیمنٹ گارا سب کچھ ڈالا جاتا ہے۔ کچھ ٹھیک سے اندازہ نہیں ہوتا کہ مکان کیسا بنے گا لیکن اگر بنیاد مضبوط ہو تو۔۔۔ پھر مکان جیسا بھی ہو، اسے کوئی آسانی سے گرا نہیں سکتا اور عاصمہ کو بھی آج اندازہ ہوا، عفان اور فاروق صاحب اسے اکیلا چھوڑ کر نہیں گئے تھے۔

وہ واثق کی بنیادوں میں اپنی مضبوطی، اپنی غیرت اور خودداری چھوڑ گئے تھے تو پھر وہ اکیلی کیسے تھی۔

"تم نے مجھے بتایا کیوں نہیں کہ تم نے کچھ نہیں کھایا صبح سے۔" وہ بولی تو بالکل پہلے جیسی عاصمہ تھی۔ صرف بچوں کی فکر کرنے والی۔ اپنی ذمہ داریاں پوری تن دہی سے ادا کرنے والی۔

وہ ایک دم سے کھڑی ہو گئی۔

"اچھا کیا کھاؤ گے تم لوگ۔ کیا بناؤں میں تمہارے لیے؟" وہ پہلے کی طرح بالکل نارمل انداز میں بہت فکر مندی سے پوچھ رہی تھی۔

واثق نے دونوں بہنوں کی طرف دیکھا۔

"مما! مجھے بریانی کھانی ہے۔" اریبہ لاڈ سے بولی۔

"اور مجھے چکن فرائی کیا ہوا۔" اریشہ بولی۔

"ٹھیک ہے اور واثق! تم کیا کھاؤ گے؟"

واثق کچھ نہیں بولا اور اٹھ کر ماں کے ساتھ کھڑا ہو گیا۔

"اریبہ، اریشہ! اس وقت رات کافی ہو گئی ہے۔ میرے خیال میں صرف چائے یا دودھ کے ساتھ سلائس لے

میں ہوں [illegible] ابھی زیادہ تاہم نہیں ہوا۔ [illegible] میں ایک [illegible] سے جا ہی سکی

جانے سے ٹوک کر بولی اور کچن کی طرف بڑھ گئی۔

عادت سے گھر کا نقشہ ہی بدلا ہوا تھا۔

سامان سمیٹ کر ایک کمرے میں [illegible] کہ [illegible] لوگوں کے بیٹھنے کی جگہ بن سکے۔

پھر سے وہ [illegible] اس کے [illegible]

[illegible] پھر سے گر گئی۔

اس کے [illegible] عورتوں کے [illegible] ایک قدم بھی

تھی۔

[illegible]

بچیاں سہم کر پیچھے ہو گئیں۔

[illegible] بولی۔

"عدیل تو اتنے ٹینس ہیں کہ سمجھ میں نہیں آرہا کیا کریں۔"

"ہم دونوں کو ٹینشن لینے کی کیا ضرورت ہے۔ یہ ان ماں بیٹی کا مسئلہ ہے۔ وہ جانیں۔" وہ کٹھور پن سے بولیں۔

بس بشریٰ کو ان سے توقع نہیں تھی۔

"نہیں امی۔۔۔ ہم دونوں ان سے الگ تو نہیں ہیں۔"

"پاگل ہوئی ہو بشریٰ! اب خدا نے اپنی رحمت کی ہے تو تم خوامخواہ کی پریشانیاں گلے ڈال کر ناشکرا پن کر رہی ہو۔" وہ ڈانٹ کر بولیں۔

"امی! اب میں ان کے گھر میں رہتی ہوں۔ ان کے مسائل سے کٹ تو نہیں سکتی نا۔" بشریٰ عاجزی سے بولی۔

"بھاڑ میں جائیں ان کے مسائل۔ تم یہ دیکھو خدا نے کتنے سالوں بعد اپنا فضل کیا ہے تم پر۔۔۔ بشریٰ! میری مانو تو جب تک یہ مسئلہ حل نہیں ہو جاتا، میری بچی تم ادھر ہی رہو۔" وہ پیار سے بولیں۔

"نہیں امی!" وہ ایک دم گھبرا گئی۔

"میں خود عدیل سے بات کرتی ہوں۔" وہ پختہ ارادے سے بولیں۔

"اور مجھے پتا ہے عدیل انکار نہیں کرے گا۔ اسے خود دوسرے بچے کی کتنی چاہ تھی، میں جانتی ہوں۔ وہ اپنے بچے کے لیے اتنا تو کر ہی سکتا ہے نا۔"

"امی! عدیل تو خود مجھ سے کہہ رہے تھے کہ میں آپ کی طرف آکر رہنے لگوں مگر۔"

"مگر کیا۔۔۔ بشریٰ! ابھی شروع کے دن ہیں۔ خدانخواستہ ذرا اونچ نیچ ہو گئی تو کہیں عمر بھر کے پچھتاوے نہ رہ جائیں۔ سوچ لو۔۔۔ اور پھر کل کو باتیں کرنے کو تمہاری یہی ساس اور نند آگے آگے ہوں گی۔ لکھ لو میری بات۔" وہ زور دے کر بولیں تو بشریٰ گم صم سی ہو کر رہ گئی۔

"امی!" بشریٰ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ماں کی اس دلیل کا کیا جواب دے کہ بات میں واقعی وزن تھا۔ اس بچے کے ہونے سے پہلے ان سات سالوں میں جس طرح ان دونوں نے اسے طعنے دے دے کر ناک میں دم کیا تھا۔ اگر واقعی ایسا ویسا کچھ ہو گیا تو وہی دونوں سارا الزام بشریٰ پہ رکھ دیں گی۔

"دیکھ میری بچی! میں جانتی ہوں تیرا دل کتنا حساس ہے۔ ہونا بھی چاہیے۔ جیسی بھی بری بھلی ہیں تو وہ عدیل کی ماں بہن ہیں۔ تم بھلے عدیل کی خاطر ہر طرح سے ان کا ساتھ دو مگر اس وقت تمہیں تھوڑی سی خود غرضی دکھانا ہوگی اپنے لیے، اپنے بچے کے لیے۔ اپنے آنے والے کل کے لیے۔" وہ اس کو دیکھتی جا رہی تھیں۔

"دیکھو! یہ فوزیہ والا مسئلہ کسی نہ کسی طرح حل ہو جائے گا۔ نہ بھی حل ہوا تو بھی اس کا کچھ حل تو موجود ہے نا۔ ایک دو سال، پانچ سال میں فوزیہ کا گھر کسی نہ کسی طرح بس ہی جائے گا لیکن اللہ نہ کرے تمہارے ساتھ کچھ گڑبڑ ہوئی تو بیٹا! پھر بہت مشکل ہو جائے گی۔"

وہ بے بس سی ماں کی نیت پہ شک کیے بغیر کچھ سوچنے پر مجبور ہو گئی تھی۔

"ان سات سالوں میں تم نے کون سا علاج، کون سا دوا دارو نہیں کیا۔ حتیٰ کہ میں ایک دو اللہ والے بندوں کے پاس بھی تمہیں دم درود کے لیے لے کر گئی مگر کچھ بھی نہیں ہو سکا۔"

"امی! آپ ٹھیک ہیں مگر میری ساس کو آپ بھی جانتی ہیں۔ اس وقت یوں میں الگ ہو کر بیٹھ گئی تو مجھے ساری زندگی معاف نہیں کریں گی۔"

"معاف تو وہ تمہیں خدانہ کرے بچے کو کچھ ہو گیا تو بھی نہیں کریں گی۔ یہ میری بات تم لکھ لو۔" وہ ہاتھ پر ہاتھ

مار کر بولیں۔

"تو پھر کیا کروں آپ ہی بتائیں۔" بشریٰ نے ہتھیار ڈال دیے۔

"بتا تو چکی ہوں۔ ہفتے دس دن طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر کے یہاں بیٹھو ہو سکتا ہے اس دوران یہ مسئلہ حل ہی جائے۔"

وہ ترکیبیں بتانے میں تو یوں بھی ماہر تھیں۔ جھٹ بولیں۔

"اگر حل نہ ہوا تو۔"

"ڈاکٹر نے اسے بیڈ ریسٹ کا کہا ہے بھئی! میرا اپنا کوئی لالچ نہیں نسیم بہن! تمہاری نسل کی حفاظت کی فکر مجھے تو' ورنہ تم سو بار رکھوانی بہو کو اپنے گھر۔۔۔ کہہ دوں گی خود جا کر۔" ذکیہ جھٹ سے بول اٹھیں۔

بشریٰ گم صم سی سوچنے لگی۔

"جتنا سوچو گی اتنا پریشان ہو گی۔ یوں بھی ان دنوں تمہیں خود کو ہر طرح کی فضول سوچوں سے بچانا ہے۔"

"امی! عدیل کا کچھ پتا نہیں چلتا۔ گھڑی میں تولہ گھڑی میں ماشہ ہو جاتے ہیں۔" اسے ایک اور خیال ستایا۔ وہ تو وہ ظہیر سے شناسائی والی بات ماں سے شیئر نہیں کر سکی تھی۔

اس رات عدیل کا جو اتنا مختلف رویہ اس کے ساتھ تھا۔ اس کو تو وہیں سے ڈر سا لگ گیا تھا۔ کتنا بھی چاہنے والا شوہر کیوں نہ ہو اس کے دماغ میں بیوی کی کوئی کمزوری آجائے تو پھر وہ سارا پیار' محبت بھول جاتا ہے۔

وہ ایسا دوسرا موقع عدیل کو دینا نہیں چاہتی تھی۔

"ٹھیک ہے۔ تم رہ لو دو چار دن آنٹی کی طرف۔ میں ان سے خود بات کر لوں گا۔ یوں بھی گھر میں تو اس وقت صرف پریشانی چل رہی ہے۔ تم آکر کون سا کوئی مسئلہ حل کر دو گی۔"

وہ اتنی آسانی سے مان جائے گا' بشریٰ کو یہ بھی اندازہ نہیں تھا۔ اس نے ذکیہ کے کہنے پر ڈرتے ڈرتے عدیل کو فون کیا تھا اور ماں کے خدشے نرم زبان میں بیان کیے تھے۔

اسے تو ویسے بھی اس ماحول میں بشریٰ کا رہنا کھٹک رہا تھا کہ کہیں کوئی اونچ نیچ نہ ہو جائے۔ بشریٰ کے بات کرتے ہی وہ راضی ہو گیا۔ یوں بھی آج کل نسیم بیگم کا دم خم ختم ہوا پڑا تھا۔ بجھے ہوئے کوئلے کی طرح ہو رہی تھیں وہ۔ عدیل کو پتا تھا وہ اعتراض نہیں کریں گی۔ مگر عدیل کی دردسری تو موجود تھی کہ زاہدہ بیگم اور ظہیر اپنے مطالبے سے ایک انچ پیچھے ہٹنے کو تیار نہیں تھے۔ عدیل نسیم بیگم کے مجبور کرنے پر ان کے گھر گیا تھا ملنے مگر ان کی وہی ایک رٹ رہی کہ بیس لاکھ ملیں گے تو ہی ظہیر کی زندگی سیٹ ہو گی اور اس کی وجہ سے فوزیہ عیش و آرام سے رہ سکے گی جبکہ وہ دونوں ماں بیٹا بار بار فوزیہ کے ایسے کسی بھی مطالبے کی نفی کر رہے تھے مگر زاہدہ بیٹے کے ساتھ یوں ثابت قدم تھیں جیسے ان کی ڈیمانڈ پوری نہیں ہوئی تو وہ کسی بھی انتہا پر جا سکتے ہیں۔ عدیل نے تھکے ہوئے انداز میں فائل بند کر کے بے دلی سے آفس کا کام کرنا شروع کر دیا۔ اگرچہ ٹائم ختم ہو چکا تھا لیکن اس کا گھر جانے کو بھی جی نہیں چاہ رہا تھا۔

یوں ہی بیٹھا پریشان سوچوں میں الجھتا رہا۔

☆ ☆ ☆

وہ بار بار گنتی جا رہی تھی اور رقم جیسے سکڑتی جا رہی تھی۔

واثق اسی مدبرانہ انداز میں اس کے پاس بیٹھا تھا۔

"مما آپ کتنی بار گنیں گی ان پیسوں کو۔۔۔ بس کریں نا!" وہ نرمی سے بولا تو عاصمہ تھکن بھرے انداز میں بولیں

[illegible] چھوڑ کر بیٹھ گئی۔

"واثق! ہمارا گزارہ کیسے ہو گا۔ ہم کیا کریں گے بیٹا؟" وہ پھر سے رونے لگی تھی۔

"ممما! انکل زبیر آرہے نا شام میں آج۔ انہوں نے بابا کے آفس میں بات کی ہو گی تو کچھ نہ کچھ تو وہاں سے ملے گا۔" وہ اب ہر معاملے میں ماں کے ساتھ ساتھ تھا۔

"کتنا ہو گا۔ مستقل تو کچھ بھی نہیں نا۔" وہ بہت پریشان تھی۔ اس کی راتوں کی نیند غارت ہو چکی تھی۔ ا[illegible] کا خواب بھی بکھر چکا تھا۔ اب روز مرہ کے اخراجات کیسے پورے ہوں گے۔ بچوں کے اسکول کے ڈیوز گھر [illegible] اور دوسری ضروریات۔ سوچ سوچ کر اس کا دماغ شل ہوا جا رہا تھا۔ پھر کچھ خیال آنے پر اس نے اپنا جیولری [illegible] نکالا۔

زیور کے نام پر ایک سیٹ اور چار چوڑیاں ہی تو تھیں۔ اس کے علاوہ واثق کی چھوٹی سی انگوٹھی، ایک عن[illegible] انگوٹھی اور اریبہ کی چھوٹی سی چین۔ وہ ایک ایک چیز کو جیسے تول رہی تھی۔

"فی الحال یہ جو رقم ہے۔ اس سے کچن کا کچھ ضروری سامان منگوا لیں۔ باقی چیزیں بعد میں دیکھ لیں گے۔" وا[illegible] نے ماں کے ہاتھ میں پکڑے سترہ ہزار کی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں تمہارے دادا کے گریجویٹی فنڈ میں سے دیکھو ہمیں کیا کچھ ملتا ہے۔ ویسے اب وہ لوگ کسی قسم کی کو[illegible] نہیں کریں گے لیکن پھر بھی وقت تو جیسے کوئی انتقام لینے کھڑا ہے۔" وہ بہت تھک سی گئی تھی۔ چند دنوں میں وہ جیسے کئی سال آگے چلی گئی تھی۔ اس کا چند دن کا اکیلے رہنے کا تجربہ آئندہ کی پوری زندگی کے لیے تقدیر بن گیا تھا۔

اب واثق کی یاد دہانی کے بغیر بھی وہ رات کو سونے سے پہلے سارے گھر کی کھڑکیاں دروازے سب چیک کرتی۔ رات کو اٹھ کر بچوں کو دیکھتی۔ سیڑھیاں چڑھ کر چھت کا دروازہ دیکھتی۔ دن بھر بچوں کو گھر سے باہر نہ نکلنے دیتی۔ اگر وہ کہیں دور نکل گئے تو کون ان کو ڈھونڈنے جائے گا۔

سعودی عرب سے اس کے بھائی کا فون آگیا تھا۔ اسے عاصمہ کے ساتھ بیت جانے والے سانحے کا بے حد دکھ تھا۔ مگر وہ ابھی آنہیں سکتا تھا۔ دو تین مہینوں بعد چکر لگانے کا کہہ رہا تھا۔ عاصمہ کیا کہتی۔ اب تو اس کا جیسے بالکل زور ہی نہیں رہا تھا۔ اس نے اللہ حافظ کہہ کر فون رکھ دیا۔

مالک مکان نے یکم تاریخ آجانے کے باوجود ابھی کرایہ نہیں مانگا تھا لیکن ظاہر ہے وہ ہمیشہ تو خاموش نہیں رہے گا۔

چند دن پہلے یہ سب کچھ کتنا مختلف تھا۔ پہلے تو صرف دونوں کی تنخواہوں میں مہینے بھر کے اخراجات پورے کرنے کی فکر ہوتی تھی اور اب یہ پریشانی ہے کہ آمدنی کے نام پر کہیں سے بھی کیا آئے گا کیسے آئے گا اور ا[illegible] چھت۔ اکیلی عورت اتنے چھوٹے بچوں کے ساتھ اس معاشرے میں کیسے رہتی ہے۔ عاصمہ کو اندازہ ہی نہیں تھا۔

بڑے بڑے سوال جیسے بھوت بن کر اسے ڈرانے لگے تھے۔

وہ اندر ہی اندر سہمتی جا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"امی! یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ۔" عدیل نے ابھی آفس کا بیگ کندھے سے اتار کر رکھا بھی نہیں تھا کہ [illegible] بیگم کی بات سن کر وہ بیٹھتے بیٹھتے پھر کھڑا ہو گیا تھا۔

نسیم بیگم نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔ فوزیہ پچھلے صوفے پر منہ دوسری طرف کیے بیٹھی تھی۔ [illegible]

[illegible]

تماشا نہ بنتی۔ اپنی ہی نظروں میں یوں نہ گرتی۔ کوئی نہیں ہے میرا۔ نہ ماں نہ باپ نہ بھائی۔ آپ کی بہو چاہتی تھی نا کہ میں عمر بھر یونہی بن بیاہی یہیں بیٹھی رہوں تو جا کر اسے مبارک باد دیجیے گا، اس کی ساری حسرتیں پوری ہو گئیں۔ گھر بیٹھے طلاقن کا ایوارڈ مل جائے گا مجھے 'خوش ہو جائے وہ۔"

وہ روتے ہوئے پھٹی آواز میں بولتی چیزوں سے ٹکراتی عدیل کے بڑھے ہوئے ہاتھوں کو جھٹکتی باہر نکل گئی۔

اس نے جس زور سے جا کر اپنے کمرے کا دروازہ بند کیا تھا، عدیل کو یقین ہو گیا اب وہ کل سے پہلے تو یہ نہیں کھولے گی۔ عدیل بے چارگی سے ماں کو دیکھنے لگا۔

"آہ!" وہ پھر سے نڈھال ہو کر بیٹھ گیا۔

نسیم بیگم نے زور سے اس کا ہاتھ پرے ہٹایا تو وہ اور جھنجلا گیا۔

"بتا میں کہاں سے کروں میں اتنی بڑی رقم کا بندوبست۔ جمع جتھا نکالوں۔ اِدھر اُدھر سے ادھار بھی لوں تو بھی پانچ لاکھ سے اوپر نہیں کر سکتا۔ آپ انہیں بتاتی کیوں نہیں اپنی مجبوریاں؟"

"تمہارا کیا خیال ہے۔ میں جان بوجھ کر تمہیں پریشان کر رہی ہوں۔ ماں ہوں۔ مجھے تمہاری پریشانی کا احساس نہیں ہے کیا؟" وہ تڑخ کر بولیں۔

"نہیں امی! مجھے پتا ہے لیکن انہیں کہیں اگر میں پانچ لاکھ دے دوں تو۔۔۔"

"بات کی تھی میں نے۔ تم پانچ پر آنے کی بات کرتے ہو وہ بیس لاکھ سے انیس پر بھی نہیں آ رہی ہیں۔ بتاؤ اب میں کیا کروں؟" نسیم بیگم نے جس طرح کہا۔ عدیل سے مزید کچھ بولا ہی نہیں گیا۔ دونوں یوں چپ ہوئے جیسے اب کبھی نہیں بولیں گے۔

"آئیں نہیں بشریٰ بیگم تمہارے ساتھ؟" بہت دیر بعد وہ طنز سے بولیں۔

"اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ میں بھی بہت تھک سا گیا تھا، خود ہی آ جائے گی ایک دو دن میں عمران کے ساتھ۔" وہ لہجے میں بے زاری سمو کر بولا کہ کہیں ماں کو یہ شک نہ ہو جائے کہ وہ خود اسے وہیں رہنے کا کہہ آیا ہے۔

"ہاں! معلوم تھا مجھے۔ اسے ہمارے دکھ درد اور پریشانی کا کیا احساس ہو گا۔ اس کی ماں تو خوشی سے بغلیں بجا رہی ہو گی۔ جانتی ہوں میں اس عورت کی فطرت کو۔" وہ زہر بھرے لہجے میں بولیں۔

"امی! میرے واقعی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا کروں۔ بہت سوں سے قرضے کی بات کی ہے مگر آج کل کے دور میں جب لوگوں کے روز مرہ کے اخراجات پورے نہیں ہوتے، لمبی چوڑی بچت کس کے پاس ہوتی ہے۔ بیس تیس ہزار سے اوپر کوئی بھی دینے پر راضی نہیں۔" وہ بے چارگی سے بولا۔

"ایک طریقہ ہے جس سے تم بغیر قرض لیے آدھی رقم کا تو بندوبست کر ہی سکتے ہو۔" نسیم نے جتانے والے انداز میں کہا تو وہ ماں کو دیکھنے لگا۔

☼ ☼ ☼

عاصمہ چادر میں منہ چھپائے صوفے پر سمٹ کر بیٹھی تھی۔ واثق بڑے چوکنا انداز میں جیسے بہت کچھ جاننا چاہتا ہو، ماں کے دوسری طرف انکل زبیر کے بالمقابل بیٹھا تھا۔

زبیر عفان کا قریبی دوست بھی تھا اور دونوں گھروں میں آنا جانا بھی تھا۔ زبیر کو اگلے ماہ اپنے آبائی شہر چلے جانا تھا۔ اس کی فیملی کے کچھ مسائل چل رہے تھے۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ یہ سب کچھ زبیر کے سامنے ہوا اور دفتری کام اس کی وجہ سے بلا کسی تعطل یا تاخیر کے ہو گئے تھے۔ وہ فاروق صاحب کے آفس کے معاملات بھی نپٹا کر آیا تھا۔

"بھابھی! یہ تین لاکھ کا چیک ہے، جو دس تاریخ کو کیش ہو سکے گا۔ عفان کے ڈھائی لاکھ کے ڈیوز تھے۔ باقی کے پچاس ہزار آفس نے خود ہی ایڈ کر دیے ہیں۔ واثق بیٹا میٹرک کر چکا ہوتا تو یقیناً" وہ اس کی کسی نہ کسی طرح آفس میں جگہ بنا دیتے مگر ابھی۔۔۔"

واثق نے یوں شرمندگی سے سر جھکایا جیسے اس میں اس کا قصور ہو۔ کمرے میں کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔ ذرا دیر بعد زبیر نے دوسری فائل کھولی۔ کچھ دیر کچھ ورق الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔

"آفس کے گریجویٹی فنڈ سے دس لاکھ تو وہ عفان کے چھوٹے بھائی جمشید کے علاج کے لیے پہلے ہی نکلوا چکے تھے۔ آپ کو یاد ہے نا؟" عاصمہ نے آہستگی سے اثبات میں سر ہلایا۔ اب وقت کی اس ستم ظریفی کو کیا کہیے کہ پانچ سال پہلے جمشید کو اچانک کینسر تشخیص ہوا اور فاروق صاحب نے اس کے علاج پر پانی کی طرح پیسہ بہایا۔ مگر اس کی زندگی نے وفا نہیں کی۔ اب وہ دس لاکھ کا خسارہ بھی ان کی تقدیر پہ ثبت ہو گیا۔

"اب یہ سات لاکھ ہیں۔ پندرہ تاریخ کو آپ کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر ہو جائیں گے۔ باقی جو کچھ بھی ان فائلوں میں لکھا ہے، آپ فارغ ٹائم میں دیکھ لیجیے گا۔" وہ جیسے سب کچھ بول کر ایک دم سے خاموش ہو گیا۔ کمرے میں پھر جامد خاموشی تھی۔

"آپ نے آگے کیا سوچا ہے بھابھی؟" وہ بہت دیر بعد بولا۔

"ابھی تو کچھ بھی نہیں۔ کچھ سمجھ میں ہی نہیں آ رہا زبیر بھائی۔"

"کاش! وہ گاؤں جاتے ہی نہیں۔ منحوس زمین بکتی نہیں اور اس رقم کی وجہ سے انسانی جانیں نہ جاتیں۔ آہ!" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی سسک اٹھی۔

"میں آپ کی پریشانی سمجھ سکتا ہوں۔" وہ گہرا سانس لے کر بولا۔ "مستقل آمدنی کے لیے یہی ہو سکتا ہے کہ آپ یہ ساری رقم بینک میں جمع کروا دیں اس کے پرافٹ پر گزارہ کریں۔" وہ ذرا دیر بعد بولا۔

"ابا جی! آپ کو جو گریجویٹی کی رقم ملے گی، اسے بینک میں پڑا رہنے دیجیے گا۔ اچھی بھلی ماہانہ آمدنی آنے لگے گی پرافٹ کی شکل میں۔" وہ ابا جی کے جمعہ کے لیے سفید کپڑے کلف لگا کر استری کر رہی تھی، جب اس نے فاروق صاحب کو مشورہ دیا تھا۔

"نہ بیٹا! عمر بھر بری بھلی ہمیشہ کوشش کی کہ حلال کھاؤں اور بچوں کو بھی حلال کھلاؤں۔ اب اس عمر میں آ کر حرام کھلا دوں؟ سب کچھ غارت کر دوں؟" وہ نفی میں سر ہلا کر بولے۔

"کیا مطلب ابا جی؟" وہ جزبز سا ہوئی تھی۔

"بیٹا! سود ہمارے مذہب میں حرام ہے اور یہ پرافٹ سود کے زمرے میں آتا ہے۔ ایسا آئندہ کبھی سوچنا بھی نہیں۔" وہ اسے تنبیہہ کرتے ہوئے بولے تو عاصمہ سر ہلا کر ان سے متفق ہو گئی۔ وہ تو یوں بھی ان کی ہر بات پر راضی ہو جایا کرتی تھی۔ یہ بات تو بہت بڑی تھی۔ وہ کیسے بھول جاتی۔

"بہت شکریہ زبیر بھائی! میں یہ دیکھ لوں گی۔" وہ آہستگی سے دونوں فائلیں اپنے آگے کرتے ہوئے بولی۔

"تو ٹھیک ہے بھابھی! میں ابھی دس دن ادھر ہی ہوں۔ آپ کی رقم ٹرانسفر ہو جائے گی تو بس پھر میں جاؤں گا۔ آپ کو جو بھی مسئلہ ہو مجھ سے کہہ دیجیے گا۔" وہ فوراً ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"ضرور۔" وہ سر ہلا کر بولی۔

واثق بھی ساتھ کھڑا ہو گیا اور زبیر انکل کے ساتھ چلتے ہوئے باہر نکل گیا۔

عاصمہ دونوں فائلوں کو خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگی۔ اسے اب جو کچھ بھی سوچنا تھا، ان دس لاکھ روپوں سے سوچنا تھا کہ زندگی بار بار اس کو ایسے مواقع نہیں دے گی۔

"کچھ ایسا کروں کہ یہ رقم ضائع بھی نہیں ہو اور محفوظ بھی ہو جائے۔" اس کا ذہن اب تیزی سے کام کر رہا تھا۔
"یوں تو ہر مہینے ایک لگی بندھی رقم چاہیے ہوگی۔ اگر اس مد میں ان دس لاکھ روپوں کو وہ خرچ کرے گی تو ڈیڑھ سال میں ختم ہو جائیں گے اور اس کے بعد...." اس کے بعد کا خوفناک سوالیہ نشان اسے دہلا گیا۔
"کیا ہونا چاہیے اس رقم کا مصرف۔" وہ رات کا کھانا بناتے ہوئے مسلسل سوچے جا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں عدیل؟" بشریٰ کے سر پر جیسے کسی نے بم پھوڑ دیا تھا۔ وہ ششدر سی ہونٹ بھینچے عدیل کو دیکھتے ہوئے برافروختہ ہو کر بولی۔
عدیل نے کڑی نظروں سے بشریٰ کو دیکھا مگر کوئی جواب نہیں دیا تھا۔
"عدیل! آپ نے خود ہی تو کہا تھا کہ مجھے ابھی امی کی طرف رہنا چاہیے کم از کم اس مسئلے کے حل ہو جانے تک۔" وہ پھر سے پہلی بات کو نظر انداز کر کے بولی۔ شاید وہ بات عدیل کے منہ سے غلطی سے نکل گئی ہوگی۔
"اور اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے بھی تو کچھ کرنا ہوگا اور تم جانتی ہو اسے صرف میں ہی حل کر سکتا ہوں۔" وہ ترشی سے بولا۔
"میں سمجھی نہیں آپ کی بات۔"
"میں ہی کمانے والا ہوں نا اس گھر کا۔ تو مجھے ہی اسے ہینڈل کرنا ہوگا۔"
"لیکن عدیل! یہ تو غلط بات ہے نا کہ ان لوگوں کی ایسی بے جا ڈیمانڈ پوری کی جائے۔" وہ تیزی سے بولی۔ اس کے لیے تو یہ بات ہی بہت حیران کن تھی کہ عدیل ان لوگوں کو رقم دینے کے لیے راضی ہو گیا۔
اور یہ یقیناً "فوزیہ اور نسیم بیگم کے واویلا کی بدولت ممکن ہوا ہوگا" ورنہ پہلے تو عدیل اس معاملے میں کوئی بات نہیں سننا چاہتا تھا۔ اسے گھر سے جانا ہی نہیں چاہیے تھا۔ مگر اب پچھتانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔
"تو تم کیا چاہتی ہو میں اپنی بہن کو طلاق دلوا کر ہمیشہ کے لیے گھر بٹھا لوں؟" وہ یوں اجنبی لہجے میں بولا جیسے بشریٰ کو اس سے کوئی مطلب نہ ہو۔
"عدیل مگر۔" وہ بوکھلا کر رہ گئی۔ اس رات والا عدیل پھر اس کے سامنے بیٹھا تھا۔
"بشریٰ! ان لوگوں کا مطالبہ غلط یا صحیح' ہمارے پاس اس کو مان لینے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔"
"واٹ... آپ کہاں سے کریں گے بیس لاکھ کا انتظام... سوچا ہے آپ نے؟" وہ تو بھڑک اٹھی۔ عدیل نے ایک گہری نظر اس پر ڈالی اور لمحہ بھر خاموش رہا۔
"عدیل! میں کیا کہہ رہی ہوں۔"
"سوچ لیا ہے میں نے سب کچھ تو تم کیوں چیخ رہی ہو۔" وہ اسی اجنبی لہجے میں کٹھور پن سے بولا۔ بشریٰ اسے دیکھتی رہ گئی۔
"میں رات میں تمہیں واپس آنٹی کی طرف چھوڑ جاؤں گا۔"
"کیا مطلب؟"
"ہے تو بہت گھٹیا سی بات مگر مجبوری ہے۔ تم آنٹی سے دو تین لاکھ روپے ادھار کے طور پر لوگی۔" وہ بے لچک لہجے میں بولا۔
"عدیل!" یہ دھماکا پہلے سے بھی زیادہ زوردار تھا۔
"پانچ لاکھ کا انتظام میں کسی طرح کر لوں گا۔ تین لاکھ کا عمران اور آنٹی کر دیں گی۔ سات آٹھ لاکھ کا تمہارا زیور

بک جائے گا اور دو تین لاکھ کا امی کا۔ اس طرح مل ملا کر بیس لاکھ کے قریب ہو ہی جائے گا۔ کم از کم میری بہن کی زندگی اجڑنے سے بچ جائے گی تو یہ رقم بہت بڑی نہیں۔"
اور بشریٰ کسی بت کی طرح اسے دیکھے جا رہی تھی جو اپنی دھن میں بار بار دہراتے ہوئے گویا خود کو تسلی دیے جا رہا تھا۔
"اور اگر میں انکار کر دوں؟" بشریٰ بہت دیر بعد سرد لہجے میں بولی تھی۔
گاڑی کے ٹائر زور سے چرچرائے تھے۔ عدیل کے لیے یہ بات بالکل غیر متوقع تھی۔
اس نے گاڑی ایک طرف روکی اور تیز نظروں سے بشریٰ کو دیکھنے لگا۔
"تم کہنا چاہتی ہو کہ تمہیں اپنا زیور اور اپنی ماں سے لیا جانے والا قرض میری عزت سے زیادہ پیارا ہے۔" وہ رک رک کر یوں بول رہا تھا جیسے لفظوں کو تول رہا ہو۔
"بات آپ کی عزت کی ہے عدیل! تو میں بھی آپ کی عزت ہوں۔ وہ زیور آدھا آپ لوگوں کی طرف سے تھا بے شک' مگر عدیل صاحب تحفہ کسی کو دینے کے بعد اس سے چھینا جائے تو اسے کیا کہتے ہیں؟" وہ طنز سے بولی اور عدیل کا چہرہ لمحہ بھر میں جیسے لال بھبھوکا ہو گیا۔
اس نے بغیر کچھ کہے گاڑی اسٹارٹ کی اور اندھا دھند دوڑانا شروع کر دی۔ گاڑی جس رفتار سے جا رہی تھی' لگتا تھا آج وہ دونوں زندہ سلامت گھر نہیں پہنچ سکیں گے میری مثال... بشریٰ کو آنکھیں بند کر کے بس آخری یہی خیال آیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"بیٹا! پوچھ کر بلاتے ہیں کسی کو۔ یونہی اٹھا کر تم کسی کو بھی لے آؤ اور ڈرائنگ روم میں بٹھا دو۔ اچھی بات نہیں۔ مجھے بتاتے تو۔" وہ واثق سے تختی سے بولتی اس کے ساتھ ڈرائنگ روم کی طرف آئی۔
"سوری مما! وہ انکل کہنے لگے کہ آپ کی مما انہیں جانتی ہیں بلکہ دادا ابو بھی جانتے تھے تو میں نے انہیں بٹھا دیا۔" عاصمہ ڈرائنگ کے دروازے پر ٹھٹک کر کھڑی ہو گئی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

رُخسانہ نگار عدنان

عدیل اور فوزیہ نسیم بیگم کے بچے ہیں۔ بشریٰ ان کی بہو ہے اور ذکیہ بیگم کی بیٹی عمران بشریٰ کا بھائی ہے۔ مثال ذکیہ بیگم کی نواسی اور نسیم بیگم کی پوتی ہے۔ بشریٰ اور نسیم بیگم میں روایتی ساس بہو کا تعلق ہے۔ نسیم بیگم مصلحتاً "بیٹا بہو" لگاوٹ دکھاتی ہیں۔ دوسری طرف ذکیہ بیگم کا کہنا ہے۔ ان کی بیٹی بشریٰ کو سسرال میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ ذکیہ بیگم اپنے بیٹے عمران کے لیے بھی لڑکیاں دیکھ رہی ہیں۔ پانچ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد بشریٰ کی نند فوزیہ کا بالآخر ایک جگہ رشتہ طے پاجاتا ہے۔ نکاح والے روز بشریٰ دولہا ظہیر کو دیکھ کر چونک جاتی ہے۔

عدیل سے شادی سے قبل ظہیر کا بشریٰ کے لیے بھی رشتہ آیا تھا مگر بات نہ بن سکی تھی۔ نکاح والے دن زاہدہ اور ذکیہ بیگم بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔ بشریٰ اپنی ماں سے یہ بات چھپانے کے لیے کہتی ہے مگر عدیل کو پتا چل جاتا ہے۔ وہ ناراض ہوتا ہے مگر فوزیہ اور نسیم بیگم کو بتانے سے منع کردیتا ہے۔ بشریٰ اور عدیل ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جاتے ہیں۔ وہاں انہیں پتا چلتا ہے کہ بشریٰ کے ہاں سات سال بعد پھر خوش خبری ہے۔

عفان اور عاصمہ اپنے تین بچوں اور والد کے ساتھ کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔ عفان کے والد فاروق صاحب سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ گریجویٹی اور گاؤں کی زمین فروخت کرکے وہ اپنا گھر خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ڈیڑھ کروڑ میں زمین کا سودا کرکے وہ عفان کے ساتھ خوشی خوشی شہر آرہے ہیں۔ عاصمہ کو فون کے ذریعے کوئی اطلاع ملتی ہے، جسے سن کر وہ بے ہوش ہوجاتی ہے۔

فون پر پتا چلتا ہے کہ شہر آتے ہوئے عفان اور فاروق صاحب ڈکیتی کی واردات میں قتل ہوگئے۔ عفان کے قریبی دوست زبیر کی مدد سے عاصمہ عفان کے آفس سے تین لاکھ روپے اور فاروق صاحب کی گریجویٹی سے سات لاکھ روپے وصول کرپائی ہے۔ زبیر گھر خریدنے میں بھی عاصمہ کی مدد کررہا ہے۔

اسلم چچا نے کیا جواب دیا تھا' وہ اپنے ساتھ ہونے والی خود کلامی میں سن ہی نہ سکی۔

"یہ لو بیٹا تمہاری امانت۔" وہ ان کی آواز پر بری طرح سے چونکی۔ انہوں نے سفید رنگ کا لفافہ اس کے آگے کھسکا دیا تھا جو خاصا پھولا ہوا تھا۔

عاصمہ لفافے کو ہاتھ لگائے بغیر سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

"شاید اللہ کو یہ سب کچھ ایسے ہی ہونا منظور تھا۔" وہ گہرا سانس لے کر بولے۔ عاصمہ ان کی بات کا مطلب سمجھ کر کچھ بول ہی نہ سکی۔ ابھی تو زخم اتنا کچا تھا کہ بغیر ٹھیس کے بھی اس میں سے ٹیسیں اٹھتی ہی رہتی تھیں۔

"میری بیٹی کی شادی تھی۔ میں نے فاروق سے یونہی ذکر کیا کہ اس بار فصل ٹھیک نہیں ہوئی۔ سائرہ کی شادی کا ارادہ اگلے سال کے لیے اٹھا دیا تھا کہ لڑکے والوں نے ایک دم سے اصرار شروع کر دیا۔ وہ بھی کچھ ایسے کہ شادی کیے بغیر چارہ نہیں۔

میں نے فاروق سے نہ کوئی سوال کیا تھا نہ جی کا حال سنایا تھا پھر بھی ایسا محبت کرنے والا اچھی نیک طبیعت کا انسان تھا جیسے ہی زمین کا سودا ہوا اس نے رات میں مجھے خاموشی سے یہ چار لاکھ روپے لا کر دے دیے۔

اسلم چچا بے خوف ہو کر سائرہ کی شادی کے دن رکھیں۔" میں نے لینے سے صاف انکار کر دیا تو کہنے لگا۔ "چلیں اسے ادھار سمجھ کر رکھ لیں جب بھی سہولت ہو' لوٹا دیجیے گا۔" وہ رک کر اپنے ڈگمگاتے لہجے کو سنبھالنے لگے آنکھوں کے سامنے رشتے کے بھتیجے کی تصویر بجی تھی جیسے وہ ابھی تک ان کے سامنے بیٹھا محبت بھری باتیں کر رہا تھا۔

"اور یہ خوفناک واقعہ ہو گیا۔ تمہیں تو شاید اس رقم کا علم بھی نہیں ہو گا بیٹی!" وہ اس طرح چپ بیٹھی رہی۔

"سائرہ کے بھائی نے بحرین سے دو لاکھ روپے بھیج دیے۔ اتنی رقم میں میں اپنی بچی کی عزت سے رخصتی کر سکتا ہوں تو میرے ضمیر نے گوارا نہیں کیا کہ میں یہ چار لاکھ استعمال میں لے آؤں جبکہ ان روپوں کی جتنی ضرورت تمہیں اور تمہارے بچوں کو ہے کسی کو بھی نہیں ہو گی۔ اگر وہ ظالم رقم لے جاتے اُن دونوں کی جان بخش جاتے تو بھی میں شاید اتنی جلدی رقم نہیں لوٹا تا مگر اب بیٹی! تم یہ رکھ لو۔ میرے سینے پر بہت بوجھ ہے۔ کئی راتوں سے اس کی وجہ سے سو نہیں پایا۔ رب نے بشر کے ساتھ ابلیس کو یونہی نہیں لگایا۔ وہ لحہ' موقع کی تاک میں رہتا ہے۔ اب جانے کب میری نیت میں فتور آجائے اور میں مکر ہی جاؤں تم یہ رکھ لو بیٹی۔"

انہوں نے یوں ڈرے ہوئے انداز میں لفافہ مزید عاصمہ کے آگے کھسکایا جیسے وہ اٹھائے گی نہیں تو وہ مکر ہی جائیں گے۔

"اگر آپ کو ضرورت ہے چچا! تو آپ بے شک رکھ لیں۔ ابا جی نے آپ کو دی تھی یہ رقم تو۔" اسے ایک بار تو مروتاً کہنا ہی تھا اور یہ بھی کہ معلوم تھا کہ انہیں رقم کی واقعی ضرورت ہے۔ وہ دو لاکھ کا انتظام ہو جانے کی بات خود سے بنا کر لائے ہوں۔

"نہیں میری بچی! اللہ تیری مشکلیں کم کرے۔ تیری ضرورتوں کے آگے تو میری ہر ضرورت چھوٹی اور جھوٹی ہے۔ تیرے گھر کے چھپر چھاؤں چلے گئے۔ تجھے اپنی ہمت' اپنی طاقت سے اب اپنے بچوں کے لیے چھپر بھی ڈالنا ہے اور ان کی چھاؤں بھی بننا ہے۔" وہ گلوگیر آواز میں بولے اور عاصمہ کی آنکھوں سے ضبط کرتے کرتے بھی آنسو پھوٹ نکلے۔

"بہت مان سے کہہ رہا تھا فاروق مجھ سے چچا! اب اپنا بہت اچھا سا گھر لینا ہے۔ ان پیسوں سے جا کر پھر میں گاؤں سے آپ سب کو بلواؤں گا اور شاندار سی دعوت ہو گی۔ اپنے گھر کی کیا بات ہے۔ اس کا اندازہ تو وہی کر سکتا ہے جو کچھ عرصے پرائے گھروں میں رہ چکا ہو۔ میری بہو کی بڑی خواہش ہے اپنے گھر کی اللہ کا شکر ہے کہ میں بچوں کو اپنی چار دیواری دے کر جاؤں گا۔ اور دیکھو اس کی یہ حسرت۔۔۔ حسرت ہی رہ گئی۔" وہ آہ سی بھر کر بولے۔

"یہ بڑا بچہ ہے تمہارا؟" وہ واثق کو دیکھ کر بولے۔

"جی!"

"اور کتنے بچے ہیں؟"

"تین چھوٹی بیٹیاں ہیں۔ واثق بڑا ہے ان تینوں سے۔"

"ظالموں کو اللہ دنیا اور آخرت میں رسوا اور برباد کرے جنہوں نے تھوڑے سے پیسوں کی خاطر اپنی گور کالی کی۔ ان معصوموں کے سر سے باپ دادا کا سایہ چھینا۔"

عاصمہ نے آہستگی سے اپنا چہرہ صاف کیا۔ اب تو اس کا دل ان کو بددعائیں دینے پر بھی راضی نہیں تھا۔ اس نے اپنا معاملہ اللہ پر چھوڑ دیا تھا یقیناً "اللہ سے بڑھ کر کوئی انصاف کرنے والا نہیں۔

"پولیس کو کچھ پتا نہیں چلا ان کا؟"

عاصمہ نے نفی میں سر ہلا دیا تو وہ اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

"چچا! کھانا کھا کر جائیے گا نا۔ کھانا تیار ہے۔" عاصمہ اصرار سے بولی۔

"اللہ تمہارے گھر کا چولہا ہمیشہ جلتا رکھے۔ آباد رہو۔ اپنے بچوں کے سر پر سلامت رہو۔ ہر مشکل میں اللہ تمہاری رہنمائی کرے بیٹی! یہ میرا فون نمبر ہے۔ گھر کا نمبر ہے' جب بھی جو بھی پریشانی یا مسئلہ ہو' بلا جھجک مجھے فون کر لینا۔ میں تمہارے لیے فاروق کی طرح ہی تو ہوں بیٹی! باپ سمجھ کر اپنی پریشانی کہہ دینا۔"

"ضرور چچا! لیکن آپ بیٹھیے تو کھانا کھا کر جائیں سب تیار ہے۔"

"خوش رہو آباد رہو۔ میرا فون نمبر سنبھال کر رکھنا۔ اللہ حافظ!"

وہ شفقت سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیر کر چلے گئے۔

واثق اس لفافے سے رقم نکال کر ماں کو دکھاتے ہوئے گننے لگا۔

"ابا جی! میں آپ کو کہاں کہاں یاد کروں۔ ابھی تک جتنی رقم کا انتظام ہو سکا۔ وہ سب آپ کی وجہ سے۔۔۔ مگر یہ اکیلاپن۔۔۔ میں کیسے آپ دونوں کے بغیر رہنا سیکھوں گی۔"

"مما! کاؤنٹ کریں نا کتنی رقم ہے۔ کتنی کہہ رہے تھے انکل؟" واثق نے ہاتھ ہلا کر اسے متوجہ کیا۔ شاید نوٹوں کی تعداد دیکھ کر اس سے گننا مشکل ہو رہا تھا۔

"واثق! شاید اب ہم اپنا گھر لے ہی سکیں۔"

"کیا واقعی مما! ایسا ہو سکتا ہے' اتنے پیسوں میں گھر لے سکتے ہیں ہم۔"

"دعا کرو ایسا ہو جائے۔" وہ رقم گنتے ہوئے بولی۔

☼ ☼ ☼
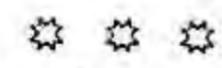
بشریٰ حسرت بھرے انداز میں اپنے آگے پڑے زیورات کے خالی ڈبے دیکھ رہی تھی۔

ایک انگوٹھی تک عدیل نے اس کے پاس نہیں چھوڑی تھی۔ صرف اس کے گلے کی چین تھی جو بشریٰ کی رونمائی کا تحفہ تھی۔ جسے نہ بشریٰ دینے کے لیے مانی' نہ عدیل نے ہی اصرار کیا۔

"باقی سب تو چلا گیا نا!" اس کی آنکھوں میں بار بار آنسو آئے جا رہے تھے۔

"مما! آپ کی جیولری کہاں گئی۔ آپ نے یہ سارے باکس خالی کیوں کر دیے۔ کیا نانو کے گھر لے کر جائیں گی۔" مثال اپنی اسکول کی کتاب لیے بشریٰ سے کچھ پوچھنے کے لیے آئی تھی کہ بیڈ پر بکھرے ان سرخ جاذب مخملیں ڈبوں کو دیکھ کر متجسس انداز میں کھول کر دیکھنے لگی۔ ایک کے بعد ایک سارے ڈبے خالی تھے تو وہ ماں سے پوچھنے لگی۔

"اٹھا کر رکھ دو انہیں ایک طرف۔" وہ چڑچڑے انداز میں بولی۔

مثال نے بمشکل تمام ڈبے اٹھا کر ایک طرف رکھ دیے۔

"مما! آپ رو رہی ہیں؟" وہ ماں کا ہاتھ پکڑ کر ہمدردی سے بولی۔

"نہیں میری جان! میں کیوں روؤں گی۔" بشریٰ آنکھیں رگڑ کر بولی۔ وہ ماں کو غور سے دیکھنے لگی۔

"پھپھو اور دادو بھی رو رہی تھیں۔ میں ان کے پاس جاتی ہوں تو وہ مجھے ڈانٹنے لگتی ہیں۔"

"تو جان! آپ ان کے پاس مت جاؤ۔ اپنے روم میں رہو بس۔" بشریٰ اسے ساتھ لگا کر بولی۔

"بابا بھی اب مجھے پیار نہیں کرتے۔ سب پیسوں کی بات کرتے ہیں مما! اگر بابا کو پیسے چاہئیں تو میرے بینک میں اتنے سارے پیسے ہیں۔ میں نے جمع کر رکھے ہیں۔ میں وہ بابا کو دے دوں پھر تو وہ خوش ہو جائیں گے؟" مثال ماں کی طرف دیکھ کر معصومیت سے بولی۔

"میری جان کتنی حساس ہے۔ بیٹا! بابا پریشان ہیں۔ آپ بس اللہ میاں سے دعا کرو کہ ان کی پریشانی دور ہو جائے۔"

"میں دعا کروں گی اور نانو نے کہا تھا ڈھیر ساری دعا اپنے بھائی کے لیے بھی مانگنا۔ تمہارا بھائی آنے والا ہے۔ مما نانو ٹھیک کہہ رہی ہیں؟"

وہ ماں کا چہرہ اپنے چھوٹے چھوٹے ہاتھوں میں لے کر اشتیاق بھری خوشی سے پوچھنے لگی۔

"ہاں جان! نانو ٹھیک کہتی ہیں۔ آپ بس اللہ تعالیٰ سے ڈھیر ساری دعا کرو کہ پیارا سا بھائی آپ کو مل جائے اور بابا کی ساری پریشانیاں بھی دور ہو جائیں۔" بات کرتے ہوئے وہ کھو سی گئی۔

"اگر سارا زیور بیچ کر بھی مطلوبہ رقم نہ مل سکی تو۔۔۔

عدیل نے اب تک کی گئی ساری بچت بھی اس جوئے میں جھونک دی ہے۔ انہوں نے تو نہ کچھ ہمارے بارے میں سوچا ہے نہ آنے والے بچے کے بارے میں۔ سب کچھ تو ان چڑیلوں نے داؤ پر لگوا دیا ہے۔ اتنا سارا زیور دوبارہ کبھی بھی نہیں بن سکتا۔ میری مثال کے لیے تو ایک چھلا نہیں بچا۔" وہ چاہتے ہوئے بھی اس تکلیف دہ احساس سے باہر نہیں نکل پا رہی تھی، حالانکہ عدیل نے اس سے بہت دعوے کیے تھے کہ وہ اس سال کے آخر تک لازمی اسے دو چوڑیاں اور ایک لاکٹ سیٹ بنوا دے گا مگر اس کے بے قرار دل کو قرار مل ہی نہیں رہا تھا۔

اس کا سیل فون کافی دیر سے بج رہا تھا۔

"مما! نانو کا فون ہے۔ آپ سن کیوں نہیں رہیں۔" مثال ہوم ورک کرتے ہوئے اپنے کمرے سے اٹھ کر آئی اور ایک طرف پڑا فون اٹھا کر اسے دیا۔ بشریٰ گہرا سانس لے کر فون سننے لگی۔

"یہ کیا کہہ رہی ہیں امی آپ!" بشریٰ ان کی بات سن کر ایک دم سے پریشان ہو گئی۔

"بیٹا! میں نے اور عمران نے تو بہتیری کوشش کی۔ صرف ستر ہزار روپے ہیں میرے پاس بینک میں۔ وہ بھی میں نے عمران کی شادی کے لیے اٹھا رکھے ہیں۔ اصل میں عمران نے جس شخص کو ڈھائی لاکھ ادھار دے رکھا تھا۔ یقین کرو میرا بچہ آدھی رات تک اس کمینے کے گھر بیٹھا رہا۔ اس نے اگلے مہینے کا کہہ کر ٹال دیا۔ اب بتاؤ کیا کریں

بھابھی! ایک دم سے تین لاکھ کا انتظام نہیں ہو سکتا نا۔"

انہوں نے زمانے بھر کی مظلومیت سمو کر بولیں۔ بشریٰ سے تو کچھ دیر بولا ہی نہیں گیا۔

"میرا زیور بکنا تو بے کار جائے گا۔ اگر امی کی طرف سے تین لاکھ کا انتظام نہیں ہو گا اور عدیل نے زیور تو بیچ بھی دیا ہو گا شاید ابھی نہ بیچا ہو میں جلدی سے انہیں فون کر کے بتا دیتی ہوں کہ امی نے انکار کر دیا ہے۔"

اس نے جلدی سے ذکیہ کی کال کاٹ کر عدیل کا نمبر ملایا۔

تین بار کال کرنے کے باوجود عدیل نے فون نہیں اٹھایا۔

"شاید میری قسمت ہی خراب ہے، زیور بک کر ہی رہے گا۔" اس نے تھک کر فون ایک طرف ڈال دیا۔

خواہ مخواہ ہی جی بھر بھر آ رہا تھا۔

اس کی ساس نند نے کبھی اس سے محبت بھرا سلوک نہیں کیا۔ کبھی بشریٰ کو دل سے قبول نہیں کیا۔ اگرچہ وہ خود اسے عدیل کے لیے بیاہ کر لے کر لائی تھیں مگر پھر بھی آج بشریٰ کو ان دونوں کی وجہ سے اتنی بڑی قربانی دینا پڑی۔

"وہ ایسی بد لحاظ ہیں ان کے سامنے عدیل سارا زیور سمیٹ کر لے گیا پھر بھی کسی سے توفیق نہیں ہو سکی کہ آکر میری دل جوئی ہی کر دیں۔ اللہ ان ظالموں کو دکھا بھی رہا ہے۔ ان کے کرتوتوں کی سزا دے بھی رہا ہے پھر بھی یہ نہیں سمجھتیں۔"

وہ جلے دل کے ساتھ بہت برا سوچتی چلی گئی۔

✡ ✡ ✡

"زبیر بھائی! کیا یہ ممکن ہے؟" عاصمہ کو اپنی ہی آواز کانپتی ہوئی محسوس ہوئی تھی۔

واثق بھی زبیر کے کچھ اور قریب ہو کر بیٹھ گیا۔

"بھابھی! اس دنیا میں سب ہی کچھ ممکن ہے۔ بس جیب میں پیسہ ہونا چاہیے، ہر چیز مل سکتی ہے۔" زبیر متانت سے بولا۔

"زبیر بھائی! صرف پندرہ سولہ لاکھ میں گھر۔۔۔ وہ بھی اپنا۔ مجھے یقین نہیں آ رہا۔ آپ سچ کہہ رہے ہیں نا؟" وہ بہت بے یقین سی ہو رہی تھی۔

"اصل میں بھابھی! وہ شخص گھر جلدی میں بیچ کر ملک سے باہر سیٹل ہو رہا ہے۔ اسے منہ مانگے سے جتنے بھی کم "نزول" ملیں گے وہ لے لے گا۔ یوں بھی گھر کوئی زیادہ بڑا نہیں۔ دو کمرے نیچے دو اوپر ہیں۔ ایک برآمدہ کچن اور کن۔۔۔ کچھ اتنا نیا بھی نہیں بنا ہوا علاقہ بھی بس گزارہ سمجھیں۔ مگر ان سب کا پلس پوائنٹ یہی ہے کہ آپ کو اپنی چھت مل جائے گی۔ بچوں کو ایک جگہ لے کر بیٹھ جائیں گی۔"

زبیر آہستہ آہستہ نرمی سے سب بتانے لگا تو عاصمہ کی آنکھوں میں رکے ہوئے آنسو بہہ نکلے۔

"مما پلیز۔" واثق تو اب ہر لمحہ ماں کے چہرے پر نظریں جمائے رکھتا تھا۔ اسے روتے دیکھ کر آہستگی سے ماں سے بولا تو وہ جلدی سے سنبھل گئی۔

"لیکن بھابھی! ایک مسئلہ ہے؟" زبیر کچھ دیر بعد بولا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"کیا وہ گھر ہمیں نہیں مل سکتا؟" پاس آتی خوشی ایک دم سے جیسے ہاتھ چھڑا کر دور جا کھڑی ہوئی تھی۔

عاصمہ کو ایسا ہی لگا۔ قسمت آج کل اس کے ساتھ یہی کھیل تو کھیل رہی تھی۔ ادھر خوشی محسوس کرتے وہ تیاری کر رہی ہوتی کہ ایک خوفناک غم۔۔۔

"اللہ نہ کرے۔" اس نے دہل کر اپنی اذیت ناک سوچ سے ہاتھ چھڑایا۔
"اگر آپ ساری رقم میں گھر خرید لیں گی تو پھر بعد میں کیا کریں گی۔ میرا مطلب ہے 'روزمرہ کے اخراجات' بچوں کا اسکول' ان کی تعلیم' دوسرے بے شمار اخراجات کیسے پورے ہوں گے۔"
زبیر رک رک کر بولا جیسے وہ خود ان مسئلوں پر بہت دنوں سے سوچ رہا ہو۔
"اللہ بڑا کرم کرنے والا ہے زبیر بھائی! اس نے اتنی بڑی مشکل میں ڈالا ہے تو وہی ہمیں اس آزمائش سے نکالے گا۔" اسے خود بھی پتا نہیں چلا کب وہ اتنے مضبوط لہجے میں بات کرنے کے قابل ہوئی تھی اور بہت دنوں بعد ایسا ہو سکا تھا کہ ایک مکمل جملہ بولتے ہوئے نہ تو آنسو اس کے لہجے میں گھلے نہ آنکھ سے نکلے۔
"پھر بھی بھابھی!" وہ متذبذب سا تھا۔
"آپ کے ذہن میں کچھ ہے ایسا زبیر بھائی؟" وہ الٹا اس سے پوچھنے لگی۔
"آپ کی کوالیفکیشن کتنی ہے؟" وہ سوچ کر بولا۔
عاصمہ لمحہ بھر کو کچھ بول نہیں سکی۔

"انٹر!" وہ آہستگی سے یوں بولی جیسے اپنی کم تعلیم کو کوتاہی سمجھ کر چھپانا چاہ رہی ہو۔
"چھوٹے بچوں کو تو پڑھا ہی سکتی ہیں نا؟"
عاصمہ فوری طور پر کچھ نہیں بول سکی۔
"ظاہر ہے اپنے بچوں کو بھی تو آپ خود ہی پڑھاتی ہوں گی۔" وہ پھر سے بولا تو عاصمہ سرہلا کر رہ گئی۔
"میتھس اور انگلش انہیں عفان پڑھا دیا کرتے تھے۔ باقی سبجیکٹس میں دیکھ لیتی تھی۔" وہ افسردگی سے بولی۔
"چلیں پھر تو کچھ ہو سکتا ہے۔ میرے ایک جاننے والے کا چھوٹا سا اسکول ہے۔ میں وہاں آپ کے لیے بات کر سکتا ہوں۔" وہ رک کر بولا۔
"یہ تو بڑی اچھی بات ہو جائے گی ۔۔۔ مگر نہیں زبیر بھائی! ورہ ابھی بہت چھوٹی ہے اسے چھوڑ کر ۔۔۔" وہ اگلی سوچ سے پریشان ہو کر بولی۔
"وہ بھی دیکھ لیں گے۔ آپ ارادہ تو باندھیں۔ میں بات کر لیتا ہوں اپنے دوست سے تو آپ عدت کے بعد وہاں جوائن کر لیں۔"
"اور گھر کا۔"
"ہاں ایسا ہے کہ آپ آج ۔۔۔ مگر آپ کیسے جائیں گی عدت کی وجہ سے ۔۔۔ آپ گھر دیکھیں گی تو ہی معاملہ آگے بڑھے گا۔" وہ پریشان ہو کر بولا۔
یہ بات تو عاصمہ نے بھی نہیں سوچی تھی۔
"چلیں میں پھر کسی عالم دین سے اس کی کوئی گنجائش پوچھتا ہوں کیونکہ وہ شخص گھر جلد سے جلد بیچنا چاہتا ہے۔ یہ نہ ہو کہ ہم ذرا دیر کریں اور اتنا اچھا موقع ہاتھ سے نکل جائے۔"
وہ کچھ دیر سوچنے کے بعد کھڑے ہو کر بولا۔
"اور اس گھر کا ایک اور فائدہ یہ ہے کہ اس کے اوپر والے پورشن کی سیڑھیاں بیرونی گیٹ سے ہیں یعنی اوپر والا پورشن آسانی سے کرائے پر دیا جا سکتا ہے۔ آپ کی آمدنی کا ذریعہ بھی بن جائے گا۔ میں اس لیے بھی یہ گھر ہاتھ سے نکلنے نہیں دینا چاہتا۔"

عاصمہ اس شخص کے خلوص پر شکریہ بھی نہیں بول سکی۔ وہ جتنا بے لوث ہو کر اس کے کام آرہا تھا' صرف شکریے سے اس کے احسانوں کا بدلہ نہیں چکایا جا سکتا تھا۔
"ویسے بھابھی! میں ان شاء اللہ کل آؤں گا تو پھر جو بھی صورت ہو گی اس کے مطابق دیکھ لیں گے۔" وہ جاتے ہوئے بولا۔
"زبیر بھائی! مجھے آپ پر پورا اعتماد ہے۔ اگر میں گھر دیکھنے نہ جا سکی تو واثق آپ کے ساتھ چلا جائے گا۔ اگر اسے گھر پسند آجاتا ہے تو آپ بے شک سودا کر لیجیے گا۔" وہ اس کام میں مزید تاخیر نہیں کرنا چاہتی تھی۔
"واثق!" زبیر نے کچھ حیرانی سے اسے دیکھا اور پھر ہنس پڑا۔
"ہاں بھئی۔ اب یہی تو اس گھر کا جوان ہے۔ اچھی بات ہے آپ ابھی سے اسے اتنا اعتماد دے رہی ہیں گڈ!" وہ دائش سے واثق کے سر پر ہاتھ پھیر کر اس کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے باہر نکل گیا۔
عاصمہ دونوں کو جاتا دیکھ کر بے اختیار عفان کو سوچنے لگی۔
وہ بھی بالکل اسی طرح واثق کو ساتھ لگا کر باتیں کرتے ہوئے باہر لے کر جاتا تھا۔
"دیکھو تو بھئی عاصمہ! واثق کا قد میرے کندھوں کے برابر آرہا ہے۔ مجھے تو لگتا ہے میرا بیٹا مجھ سے بھی اچھا قد نکالے گا۔ میں اس دن کتنا خوش ہوں گا جب واثق مجھ سے اونچا ہو جائے گا۔ تم اندازہ نہیں لگا سکتیں۔"
"ہاں عفان! اب تو میں بالکل بھی اندازہ نہیں لگا سکتی۔ میں نے مستقبل کے لیے بھی اندازے لگانے چھوڑ دیے ہیں۔ ہمارے اندازے' ہمارے ارادے' ہماری خواہش' ہمارے خواب کتنے بودے کتنے کمزور ہوتے ہیں۔ اس بات کا اندازہ مجھ سے بڑھ کر اور کون لگا سکتا ہے۔" وہ افسردہ ہو گئی۔
"آج سترہ تاریخ ہے۔" اسے ایک دم سے خیال آیا۔ "زبیر بھائی تو کہہ رہے تھے کہ وہ دس تاریخ کو جا رہے ہیں انہیں گیارہ کو اپنے شہر میں جا کر آفس میں جوائننگ دینی ہے تو پھر ۔۔۔ اتنے دن اوپر ہو گئے مجھے بھی خیال نہیں آیا نہ میں نے پوچھا۔ شاید بے چارے ہماری وجہ سے رک گئے ہیں۔ اللہ کرے وہ ابھی نہ جائیں۔ ہمیں گھر دلا کر ہی جائیں۔ ورنہ میں اکیلی عورت کیا کر سکوں گی۔ میرا تو ان کے سوا کوئی سہارا بھی نہیں۔" بے خیالی میں وہ بہت غلط بات سوچ گئی تھی جس کا اندازہ اسے خود بھی نہ ہو سکا تھا ورنہ وہ کم از کم توبہ تو کر لیتی کہ اس نے کتنی بڑی بات سوچی ہے۔
وہ اٹھ کر کچن میں چلی گئی۔ ابھی رات کے لیے کھانا بھی بنانا تھا۔

☼ ☼ ☼
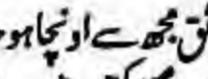
"یہ سارا کیا دھرا تمہاری ساس کا ہے۔ وہ چاہتی ہی نہیں کہ میری بچی کا سلسلہ کسی اچھی جگہ ہو جائے۔" نسیم بیگم تڑپ کر غصے میں چلائیں۔
بشریٰ نے طیش کی اٹھتی لہر بمشکل دبائی تھی۔
"جتنی اچھی جگہ آپ کر رہی ہیں فوزیہ کا اس سے تو میرے خیال میں کوئی احمق ہی جلے گا۔" عدیل' بشریٰ کے غصے سے تو بے خبر تھا مگر اس کے غصے کی ترجمانی ضرور کر گیا۔
"اور میں تو اس دن کو رو رہا ہوں جب ہم ان لالچی حریص کتوں میں پھنسے جنہیں صرف ہڈی نہیں' پورا بکرا ثابت سالم۔ سارے گھر کا زیور امی! شرم سے ڈوب مرنے کا مقام ہے کہ میں نے کبھی آپ کے' بشریٰ کے زیور کی طرف آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھا اور آج ان ذلیل لوگوں کے لیے مجھے جا کر سارا زیور بیچنا پڑا اور معلوم ہے آپ کو کیا

مل رہا ہے' سارے زیورات کا؟" عدیل بہت غصے میں تھا۔ آج اسے فوزیہ کی روتی صورت پر ترس آرہا تھا نہ ماں کے واویلے پہ۔

عدیل کے اتنا اونچا بولنے پر نسیم بیگم ایک دم سے چہرے پہ ڈھیر ساری مظلومیت لیے یوں بیٹھ گئیں جیسے ہمیشہ سے بیٹے کا غصہ سہتی آئی ہیں۔

ساڑھے بارہ لاکھ۔۔۔ تین لاکھ ادھر ادھر سے مانگ تانگ کر کیا ہے۔ اب بتائیں۔۔۔ باقی کے ساڑھے چار لاکھ کہاں سے پورے کروں۔" عدیل کا غصہ' کوفت' جھنجلاہٹ سب عروج پہ تھے۔

"کس ٹھگ سنار کے پاس چلے گئے تھے تم؟" نسیم بیگم اپنی فطرت سے مجبور تھیں بولنے سے رہ نہ سکیں۔ عدیل نے تیز نظروں سے ماں کو دیکھا۔

"وہی تو میں کہہ رہی ہوں اگر ذکیہ بہن کسی طرح تین چار لاکھ کا انتظام کر دیتیں تو ہمیں اتنی پریشانی تو نہ اٹھانی پڑتی۔" وہ ایک دم یوں نرم اور التجائیہ لہجے میں بولیں جیسے بہت اچھے مراسم ہوں ان کے ذکیہ بہن کے ساتھ۔

"امی! خدانخواستہ اگر ذکیہ آنٹی پر ایسا وقت آیا تو کیا آپ دے دیتیں انہیں چار لاکھ۔۔۔ آسانی سے۔" عدیل کا غصہ ٹھنڈا ہونے میں نہیں آرہا تھا۔

"عدیل! اس وقت فضول مثالوں اور مفروضوں سے کچھ نہیں ہونے والا۔ تم خود بھی پریشان ہو رہے ہو اور مجھے بھی کر رہے ہو۔" نسیم بیگم نے فضول کے مفروضے پر یوں ہاتھ ہلایا جیسے مکھی کان سے ہٹائی ہو۔

"ہاں مجھے تو کالے کتے نے کاٹا ہے نا' جو خوامخواہ پریشان ہو رہا ہوں۔" وہ بھی آج کوئی ادھار رکھنے پر تیار نہیں تھا۔

"اب کرنا کیا ہے؟" نسیم بیگم اسے پٹڑی پہ لانے کے لیے آج ہر ممکن جتن کرنے پر تیار تھیں۔

"یہ بھی آپ مجھ سے پوچھ رہی ہیں کہ کرنا کیا ہے۔" وہ کٹیلے لہجے میں بولا۔

دونوں کے مباحثے کے درمیان فوزیہ کونے میں یوں سمٹی بیٹھی تھی جیسے اسے اس مناظرے میں جج مقرر کیا گیا ہو۔ آخری فیصلہ بہرحال اسے ہی سنانا ہو گا۔ یا قسمت اسے سنائے۔ آنکھیں بھر بھر آرہی تھیں جنہیں وہ بار بار مسل رہی تھی۔ آج کل سارا طمطراق' چالاکی' ہوشیاری' فتنہ پروری سب اڑن چھو ہو چکے تھے۔ بس ایک خوف کا عالم تھا۔ ایک تلوار سی سر پر لٹکی تھی دن رات کہ اب سر پر گری کہ تب۔ اسے زندگی میں پہلی بار پتا چلا تھا کہ آنکھوں میں رات کاٹنا کسے کہتے ہیں۔ دکھ' کرب' ذلت' رسوائی' جگ ہنسائی کون سا تکلیف دہ احساس نہیں تھا جو اسے رات بھر کروٹیں لینے پہ مجبور نہیں کرتا تھا۔

ان درد بھرے لمحوں میں بھی اسے خیال تھا تو صرف اپنا' اپنی ذلت رسوائی اور خدانخواستہ گھر بیٹھ جانے کا خوف۔۔۔ بھائی کی ذہنی تکلیف اور پریشانی کا اسے ایک بار بھی بھولے سے خیال نہیں آیا تھا۔ ہاں یہ احساس وقت گزارنے کے ساتھ ساتھ غصے میں بدلتا جا رہا تھا کہ بھائی جان بوجھ کر رقم اکٹھی کرنے میں دیر کر رہا ہے اور یہ سب بشریٰ کی سازش ہے۔

"ان لوگوں کو صاف بتا دیں کہ ہم پندرہ لاکھ سے زیادہ کا انتظام نہیں کر سکے۔ دیٹس آل۔" عدیل بے لچک لہجے میں ماں سے بولا۔

"پندرہ لاکھ۔" نسیم کی آواز گلے میں ہی گھٹ گئی۔

"امی! کیا! ہم ان کے قرض دار ہیں؟ بس بہت ہو گیا۔ اتنا ڈر خوف جیسے وہ ہمیں پھاڑ کھائیں گے۔۔۔ میں انہیں فون کرتا ہوں کہ اس سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ پھر جو ہو گا دیکھا جائے گا۔ میں آپ کو صاف بتا رہا ہوں۔ میں کسی کے آگے جھولی نہیں پھیلاؤں گا۔"

غصے میں بولتے ہوئے وہ سیل پر زاہدہ کا نمبر ملانے لگا۔

"تم ٹھہر جاؤ۔ رکو! میں خود بات کرتی ہوں۔ آرام تحمل سے۔ جب اتنی تکلیف اٹھالی تو پھر یوں عجلت میں بات بگاڑنے کا فائدہ۔ تم نہا دھو کر' تازہ دم ہو۔ میں اتنے میں فون کر لیتی ہوں۔ تم ٹھیک کہتے ہو' اب تو انہیں ہٹ دھرمی نہیں دکھانی چاہیے۔ جاؤ میرا بیٹا شاباش۔۔۔ فوزیہ! اٹھ بھائی کے لیے چائے بنا کر لا۔" نسیم عدیل کو پیار سے پچکارتے ہوئے بولیں تو اس نے بھی مزید اصرار نہیں کیا۔ یوں بھی وہ زاہدہ جیسی لالچی حریص اور گھٹیا عورت سے بات کرنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

اتنی رقم کا انتظام ہو جانے کے بعد بھی اس کا دل ان لوگوں کی طرف سے بہت کھٹا ہو گیا تھا۔

"یہ رشتہ دار تو نہ ہوئے' یہ تو قصائی ہوئے چھری پھیرنے والے۔" وہ جھنجلا کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔

نسیم نے سوچ سوچ کر زاہدہ کا نمبر ملا ہی لیا۔

"اللہ اس عورت کے دل میں رحم ڈال دے۔" وہ فون کان سے لگائے دعا مانگنے لگیں جس کے قبول ہونے کی امید انہیں بھی کم ہی تھی۔

☆ ☆ ☆

شام کے پانچ بج رہے تھے' جب وہ تھکا ہارا کمرے میں داخل ہوا۔ کیلنڈر پر سولہ تاریخ سرخ رنگ میں مسکرا رہی تھی۔

اس کی ساری تھکن جیسے اڑن چھو ہو گئی۔

اس نے جوتے بھی نہیں اتارے اور تیزی سے آگے بڑھ کر کھڑکی کھول دی اور جیسے ساری کائنات کی گردش ایک دم سے تھم گئی۔

وہ سامنے ہی تو بیٹھی تھی۔

سرمئی لباس میں سرمئی اڑتے بادلوں کے ٹکڑوں کے درمیان اسی منظر کا کوئی حصہ بنے اردگرد سے بے خبر' کسی گہری سوچ میں گم اس کے سیاہ بالوں کی آوارہ لٹیں ادھر ادھر ہوا سے سرگوشیاں کر رہی تھیں مگر وہ تو کسی پتھر کے مجسمے کی طرح یوں ساکت بیٹھی تھی جیسے اب صدیوں تک ہل نہیں سکے گی۔

لیکن نہیں۔۔۔ وہ جانتا تھا وہ یہاں صرف سترہ منٹ کے لیے بیٹھی تھی۔

اگر وہ چلی گئی تو۔۔۔

اس احساس نے اس کے اندر بجلی سی بھر دی۔

اس نے جلدی سے اپنے ٹیبل سے اسکیچ پیپر اور پنسل اٹھائی اور پورے انہماک سے اس منظر میں کھوئی اس انجان لڑکی کا اسکیچ بنانے لگا۔

سرمئی بادل اور گہرے ہوتے جا رہے تھے۔

اس کا حسین چہرہ کچھ دھندلاتا جا رہا تھا۔ وہ تیزی سے ہاتھ چلانے میں مگن تھا۔

اس نے سر اٹھایا اور سناٹے میں رہ گیا۔

وہ خوب صورت شام ایک دم سے ویران ہو گئی تھی۔ اس کی وینس جا چکی تھی۔ ہمیشہ ایسے ہی ہوتا تھا۔ وہ اسکیچ بنانے میں مگن ہوتا تھا۔ اسے پتا بھی نہیں چلتا تھا کب وہ خاموشی سے اٹھ کر چلی جاتی تھی۔

وہ خوب صورت شام' سرمئی امڈے بادلوں کے ٹکڑے اور مست ہوا کے جھونکے سب بے معنی سے ہو کر رہ گئے۔

اس کے ہاتھ یوں ست پڑے کہ بالآخر اس نے پنسل اسکیچ پر ہی رکھ دی۔

"یہ کیا ہے؟" وہ ہر بار اپنی اس دیوانگی کے بارے میں سوال ضرور کرتا تھا اور ہر بار اسے کوئی جواب نہیں ملتا تھا۔

"مجھے اس سے ملنا چاہیے۔" اس کے دل نے مچل کر کہا۔

"کیا کروں گا مل کر۔۔۔ وہ میرے پاس ہی ہے۔ اتنے پاس کہ۔۔۔" وہ مسکرا کر گود میں پڑے اس کے اسکیچ کو دیکھنے لگا۔ سیاہ بالوں کی لٹوں میں چھپا چاند سا چہرہ۔

اس کی ساری تھکاوٹ ختم ہو چکی تھی۔ وہ بے خود سا کسی اور ہی دنیا میں تھا۔

☼ ☼ ☼

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں خالہ جان!" عاصمہ حیران سی انہیں دیکھے گئی۔

"بیٹا! تم سمجھ دار ہو پھر بہت اچھے خاندان کی۔ فاروق بھائی کی شرافت اور نیکی کی تو لوگ مثالیں دیتے ہیں۔ ان کا بیٹا عفان سمجھو ہماری گودوں میں کھیل کر بڑا ہوا۔ اتنا شریف، نیک، محبت کرنے والا، ہمدرد انسان میرا جی نہیں چاہا کہ ادھر ادھر سے تم کوئی الٹی سیدھی بات سنو۔ تمہارا دل تو یوں بھی آج کل درد کا پھپھولا بنا ہو گا۔ ذرا سی بات پر پھوٹ پڑے گا۔" وہ زمانے بھر کی ہمدردی اور احساس اپنے منتخب کردہ جملوں میں سمو کر بول رہی تھیں۔

مگر عاصمہ کو ان کا ایک ایک جملہ جیسے چبھ رہا تھا۔ وہ بس یک ٹک انہیں دیکھتی جا رہی تھی جیسے فاروق اور عفان کی شرارت و نیکی کی مثال دے کر اسے بہت کچھ سمجھا جا رہا ہے کہ وہ ان کی اتنی قریبی ہوتے ہوئے بھی ان دونوں جیسی نہیں۔

عاصمہ کے اندر جیسے ابال سے اٹھنے لگے۔

"تم عدت میں ہو، پھر خیر سے جوان ہو، کون سی کوئی بوڑھی یا عمر رسیدہ ہو۔ ایسے میں تو ارد گرد والے، محلے والے اور بھی آنکھیں، کان کھلے رکھتے ہیں۔" وہ اب اس بات کی طرف آ رہی تھیں مگر عاصمہ کے صبر کا پیمانہ جیسے لبریز ہو چلا تھا۔

"آپ بتائیں گی خالہ! آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟" وہ ضبط کر کے بول ہی اٹھی۔

"میری بیٹی کی طرح ہو تم، پھر برسوں کا ساتھ ہے۔ تم پہ کوئی انگلی اٹھائے یا کچھ ایسا ویسا کہے تو مجھے اچھا تو نہیں لگے گا؟" وہ پھر بھی تمہید باندھے جا رہی تھیں۔

"لوگ کیا باتیں کر رہے ہیں خالہ جان!" وہ تحمل سے بولی کیونکہ وہ جانتی تھی اب آئندہ کی زندگی میں اس کا یہ تحمل اور لوگوں کی باتیں ساتھ ساتھ چلیں گی۔

"وہ آدمی لاکھ عفان کے ساتھ دفتر میں کام کرنے والا ہو، لاکھ وہ تمہارے مرحوم شوہر اور سسر کے دفتری معاملات کو دیکھنے والا ہو مگر میری بچی! وہ جوان جہان ہے۔ اس کا تمہارے گھر یوں بار بار آنا اور گھنٹوں بیٹھے رہنا۔ اب تو یوں سمجھو کم از کم عدت تک سب کی نظریں تمہاری چوکھٹ سے لگی ہیں۔ کچھ تو اس خیال سے نہ جانے تم کب، کس ضرورت کے تحت کسی کو آواز دے لو اور کچھ کی اس نیت سے دیکھیں تو مرحوم عفان کی بیوہ خود کو کیسے سنبھالتی ہے۔" وہ رک رک کر اسے صاف لفظوں میں بہت کچھ سمجھا گئیں۔

"سمجھ رہی ہو ناں عاصمہ بیٹی! میری بات؟" وہ اس کے کندھے پر نرمی سے ہاتھ رکھ کر پوچھنے لگیں۔

"تو کون کرے یہ سارے کام خالہ! مجھے اتنا بھی سمجھا دیں۔"

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی لہجے کو تلخ ہونے سے نہ بچا سکی۔

"پہلے وہ کرے مگر اسے دروازے کے باہر تک رکھو یا زیادہ سے زیادہ صحن میں بٹھا لو۔ پھر یوں بھی تم کرائے کے گھر میں رہتی ہو۔ نظر رکھنے کو مالک مکان ہی بہت ہے۔" وہ پھر سے اسے جتا گئیں۔

"میں ایسا کچھ غلط نہیں کر رہی اور میں جو کچھ کر رہی ہوں۔ مجھے اس کا احساس بھی ہے اور خیال بھی کہ مجھے کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں۔" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی تلخ سی ہو گئی۔

"میرا مقصد تمہارا جی دکھانا نہیں تھا۔" وہ اس کی تلخی پر بولیں۔ "آگے تم خود سمجھ دار ہو بال بچے والی ہو۔ ابھی کسی کو موقع نہیں دو گی تو کسی کی جرأت نہیں ہو سکے گی کہ خوامخواہ تم پر انگلی اٹھا سکے۔" وہ جانے اسے کیا سمجھانا چاہ رہی تھیں۔

"خالہ جان! میں اکیلی نہیں ہوتی۔ میرا بیٹا میرے ساتھ ہوتا ہے۔" حمیدہ کو شاید اس کے منہ سے ایسی بچکانہ بات کی توقع نہیں تھی پھر بھی انہوں نے جتایا نہیں۔

"اللہ اسے تمہارے ساتھ رکھے۔ تمہارا سہارا بنائے۔ بہرحال میں تمہیں سمجھانے آئی تھی۔ اگر وہ عفان کا دوست بھی ہے تو ظاہر ہے شادی شدہ بال بچے والا بھی ہو گا۔ اپنی بیوی کو ساتھ لے کر آیا کرے اتنا ضروری کام ہوتا ہے تو پھر بھلا کون بات کرے گا۔ تم سمجھ رہی ہو ناں؟"

وہ سر بھی نہ ہلا سکی۔ اب وہ یہ بات زبیر سے تو نہیں کہہ سکتی تھی۔

☼ ☼ ☼
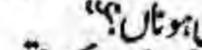
"امی! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔" بشریٰ کچھ بوکھلا سی گئی۔ نسیم بیگم جواب میں ایک دم سے رونے لگیں۔ بشریٰ پریشان ہو کر ساس کو دیکھنے لگی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ انہیں کیسے چپ کرائے۔

"امی! پلیز یوں نہیں روئیں۔ کیا ہوا ہے۔ مجھے بتائیں۔" وہ نرمی سے انہیں اپنے ساتھ لگا کر بولی۔

نسیم بیگم نے ایک دم سے بشریٰ کے آگے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ وہ ششدر رہ گئی۔ ایسا تو اس نے کبھی سوچا تھا، نہ چاہا تھا۔

"امی پلیز یوں مجھے گناہ گار تو نہیں کریں۔ پلیز آپ خود کو سنبھالیں۔" اس نے اٹھ کر انہیں پانی کا گلاس تھمایا۔ دو گھونٹ پانی پی کر نسیم بیگم کا جی کچھ سنبھلا۔

"تم اپنی ماں کی منت کرو۔ کسی بھی طرح سے وہ تین لاکھ کا انتظام کر دیں۔ دو لاکھ میں خود کر لوں گی۔ ان کا یہ احسان میں زندگی بھر نہیں بھولوں گی۔ تم بات کرو اپنی ماں سے عمران بیٹے سے۔" وہ ملتجی لہجے میں کہہ رہی تھیں جس میں کچھ بھی بناوٹ، ڈراما یا دوغلا پن نہیں تھا۔ صرف ایک ماں کی التجا، اس کی پریشانی تھی کہ کسی طرح ادھ بیاہی بیٹی بیاہ کر اپنے گھر چلی جائے نہ کہ گھر بیٹھے اسے کسی طرح کا داغ لگ جائے۔ بشریٰ کو ان پر بہت ترس آیا۔

"اچھا! آپ پریشان نہیں ہوں۔ میں ابھی امی سے بات کرتی ہوں۔ خود عمران کی منت کروں گی۔ وہ کہیں سے بھی کچھ مہینوں کے ادھار پہ رقم لا دے۔ آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی مت روئیں اس طرح۔ میں بات کرتی ہوں۔" بشریٰ کو پہلی بار نسیم بیگم اپنی ماں کی طرح لگی تھیں۔ ایک دکھی ماں جو اس کے آگے رو رہی تھی۔ بشریٰ کا دل پسیج گیا۔

"اس گھٹیا عورت نے صاف انکار کر دیا ہے کہ وہ پندرہ لاکھ نہیں لیں گے۔ اب بتاؤ میں عدیل سے یہ بات کر سکتی ہوں۔ تب ہی تو عدیل سے بہانہ کر دیا کہ وہ گھر پر نہیں تھی تو میری بات نہیں ہو سکی مگر ظاہر ہے میں اسے چھپا تو نہیں سکتی۔" وہ اپنی پریشانی کی وجہ بتانے لگیں۔

"لیکن امی! اگر وہ لوگ ایسے ضدی ہیں تو۔۔۔"

"سب سمجھ رہی ہوں بیٹی! یہ بہت بڑا جوا ہے۔ اندھا کنواں ہے۔ جس میں فوزیہ کو دھکا دینے جارہی ہوں مگر دل پر ہاتھ رکھ کر کہو اگر اللہ نہ کرے میری بچی پر گھر بیٹھے طلاق کا ٹیکہ لگ گیا تو کیا ہوگا۔ بس یہی خیال مجھے گر کیے دے رہا ہے ورنہ میں ایسے لوگوں کے سامنے جھکتی منت کرتی ؟ کبھی نہیں۔۔۔ یہ تو میری مجبوری مجھے یہاں تک لے آئی کہ اب پیچھے کنواں ہے اور آگے کھائی۔"

"اب تو صرف اللہ عزت رکھنے والا ہے۔" بشریٰ انہیں دیکھتی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

"بھابھی! میں شام میں آؤں گا۔ میری ایک مفتی صاحب سے بات ہوگئی تھی عدت میں گھر سے نکلنے کے سلسلے میں۔" وہ پریشان سی بیٹھی تھی۔ خالہ حمیدہ کی باتوں پر اسے یوں لگ رہا تھا جیسے سب کی نظریں اس پر جمی ہیں۔ وہ آج سارا دن دروازے میں بھی نہیں گئی تھی مگر پھر بھی عجیب سا احساس تھا۔ اس نے دن بھر چادریوں لپیٹے رکھی جیسے بازار جارہی ہو۔

"جی!" وہ آہستگی سے بولی۔

"آپ انتہائی ضروری کام سے اچھی طرح پردہ کرکے نکل سکتی ہیں۔" وہ رک کر بولا۔

"ایکچوئیلی گھر بہت اچھا ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ ہاتھ سے نکل جائے۔ آپ ایک نظر دیکھ لیں گی تو پھر باقی کے کام میں خود ہی نپٹالوں گا۔" اس کے لہجے میں کچھ بھی ایسا نہیں تھا جسے عاصمہ پکڑتی یا وہ اسے بدنیت لگتا۔

"سب حمیدہ خالہ کے ذہن کا فتور ہے۔ خود تو چسکے لینے کے لیے گھر گھر پھرتی رہتی تھیں۔ دوسروں پر انگلی اٹھانا ان کا مشغلہ ہے۔" اسے حمیدہ خالہ پر جی بھر کر غصہ آیا۔

"میں شام میں گاڑی لے آؤں گا۔ آپ واثق کو بھی تیار رکھیے گا۔ ہمارے ساتھ جائے گا۔ بہت سمجھ دار بیٹا ہے آپ کا۔" اس کے دل میں کوئی کھوٹ ہوتا تو وہ ایسا کیوں کہتا۔

"بھائی۔۔۔ بھابھی کو بھی لے آئیے گا آپ۔ وہ بھی گھر دیکھ لیں گی تو دو رائے ہوجائیں گی۔" اس نے کچھ جھجک کر اصل بات کہہ ہی دی۔

وہ سب تو پچھلے مہینے جاچکے ہیں گھر۔ میں صرف آپ کے کاموں کی وجہ سے رکا ہوا تھا۔ آفس سے بھی میں نے آف لے لی ہے۔ بس یہ گھر والا معاملہ نبٹ جائے پھر میں چلا جاؤں گا۔" وہ بتا رہا تھا اور عاصمہ جی میں خوب شرمندہ ہورہی تھی۔ کیسے اچھے انسان پر وہ شک کرنے جارہی تھی۔ اس نے خود کو لتاڑا۔

"اوکے بھابھی! میں شام میں آؤں گا۔ آپ کو کچھ منگوانا تو نہیں۔"

"نہیں بھائی! ایسا کچھ نہیں منگوانا۔ آپ کا بہت شکریہ۔" اس نے نرمی سے کہہ کر فون بند کردیا۔

واثق اسکول سے آیا تو تیز بخار میں پھنک رہا تھا۔ عاصمہ کے تو ہاتھ پیر پھول گئے۔ اسے جلدی سے یونیفارم تبدیل کرواکے تھوڑا سا دودھ دیا اور بخار کی دوائی دے کر سلا دیا۔

"اگر شام کو اسے ڈاکٹر کے پاس لے جانا پڑ گیا تو؟" وہ اسے سلاتے ہوئے سوچنے لگی۔

یوں بھی شام تو ہوہی چلی تھی۔ چھ بجنے کو تھے۔ زبیر نے چھ سات کے درمیان آنا تھا۔

"واثق کیسے جائے گا میرے ساتھ۔" وہ بے چین سی ہوگئی۔

جلدی سے اریبہ کو خالہ حمیدہ کو بلانے بھیج دیا۔

"ان ہی کو ساتھ لے جاؤں گی۔ یہ ٹھیک رہے گا۔" وہ سادہ سے کپڑے پہنے بڑی سی چادر اوڑھے جانے کے لیے تیار تھی۔

"ممّا! وہ آنٹی کہہ رہی ہیں۔ خالہ اپنی بیٹی کی طرف گئی ہیں۔ کل آئیں گی۔" اریبہ نے آکر بتایا تو وہ حقیقتاً پریشان ہو گئی۔

"اب کیا کروں گی۔ رات ہونے کو ہے۔ اکیلی میں نہیں جاؤں گی مگر واثق کو بھی نہیں لے جا سکتی۔" وہ بے چین سی ادھر ادھر ٹہلنے جا رہی تھی۔

ساڑھے سات ہونے والے تھے۔

ہو سکتا ہے زبیر بھائی کا ارادہ بدل گیا ہو۔" وہ خود ہی کچھ مطمئن سی ہو گئی۔ "اگر آ بھی گئے تو میں فی الحال منع کر دوں گی۔ کل چلی جاؤں گی واثق اور حمیدہ خالہ کو لے کر۔"

وہ سوچ رہی تھی کہ باہر گاڑی کا ہارن بجا۔

وہ وہیں ٹھٹک کر رک گئی۔ "اب کیا بہانہ کروں؟"

"بھابھی! آپ اریبہ کو لے چلیں ساتھ پلیز تھوڑی دیر کا کام ہے۔ آپ نے گھر ہی دیکھنا ہے۔ میں بھی دو تین ضروری کاموں میں پھنس گیا نکلتے نکلتے اتنا ٹائم ہو گیا۔ دیکھیں! اب پلیز اس کام کو اور ڈیلے نہیں کریں۔ میں آفس سے مزید چھٹی نہیں لے سکتا۔"

ساتھ والی ہمسائی کو بچوں کا خیال رکھنے کا کہہ کر وہ اریبہ کا ہاتھ پکڑ کر پچھلی سیٹ پر جا کر بیٹھ گئی۔ گاڑی روانہ ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

"امی! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" بشریٰ کو دھچکا سا لگا۔

"جو میں تم سے کہہ رہی ہوں، تم صرف وہ کرو۔" وہ اس کی حیرانی کی پروا کیے بغیر بولیں۔

"امی! آپ جانتی ہیں اس وقت میرے گھر میں کیا چل رہا ہے۔" وہ احساس دلانے کو بولی۔

"کون سی نئی بات ہے۔ کان پک گئے ہیں یہ سن سن کر اور تم سے میں نے کہا بھی تھا کہ مثال کو لے کر میری طرف آجاؤ۔ وہاں تم صرف ٹینشن کھاؤ گی۔ جو تمہارے لیے بھی نقصان دہ ہے اور تمہارے ہونے والے بچے کے لیے بھی۔ تمہیں یہ بات کیوں سمجھ میں نہیں آ رہی۔"

"اچھا امی! آپ صرف مجھے یہ بتائیں آپ مجھے رقم کا بندوبست کر کے دے رہی ہیں یا نہیں؟" وہ ماں کی تکرار سے زچ آکر بولی۔

"نہیں۔ کیونکہ میں تمہاری طرح بے وقوف نہیں ہوں۔" ذکیہ دو ٹوک لہجے میں بولیں تو بشریٰ کچھ دیر بول ہی نہ سکی۔

"میری گارنٹی پر بھی نہیں جبکہ میں جانتی ہوں آپ کے پاس۔" بشریٰ نرم لہجے میں ماں سے کہنے لگی۔

"تم جو بھی کہو۔ نہ میرے پاس اتنی رقم ہے نہ میں تمہیں دوں گی۔ بہتر ہے تم خود بھی جتنا بے وقوف بن چکی، اپنا سارا زیور لٹا کر اس کو کافی سمجھو اور ہاں! میری یہ بات لکھ لو، جس چکر میں یہ ماں بیٹا سب کچھ داؤ پر لگا رہے ہیں، وہ کام پھر بھی نہیں ہونا۔" ذکیہ باوثوق لہجے میں بولیں۔ بشریٰ نے اکتا کر فون بند کر دیا۔

اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے ماں کے مشورے پہ کان دھرے یا ساس کی التجاؤں پہ۔

اس نے کچھ سوچ کر عمران کو فون کیا۔ شاید ذکیہ اور عمران میں پہلے ہی اس سلسلے میں ساری بات چیت ہو گئی تھی۔ تب ہی اس نے صاف کہہ دیا کہ اس نے کسی دوست کو ادھار دیے تھے۔ وہ اب ملک سے باہر چلا گیا ہے۔

اس نے تھک کر پھر فون بند کر دیا۔

"اگر امی کی بات درست نکلی۔ یہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی وہ لوگ فوزیہ کو رخصت کرانے پر آمادہ نہ ہوئے تو؟" وہ بھی سوچ میں پڑ گئی۔

"یہ عدیل کہاں ہیں۔" اسے بہت دیر بعد خیال آیا تو فون کرنے لگی۔

"میں گھر ہی آ رہا ہوں۔ آکر بات کرتا ہوں۔" عدیل نے کہہ کر فون بند کر لیا۔

"پتا نہیں اب یہ کیا بات کریں گے مجھ سے۔" وہ پریشان ہو گئی۔

☼ ☼ ☼

"نہیں امی! وہ لوگ نہیں مان رہے۔ ایک ہی رٹ لگا رکھی ہے ماں بیٹے نے کہ بیس لاکھ ملیں گے تو ہی ان کا کام ہو گا۔ میں نے جب زیادہ کہا تو کہنے لگے۔ پھر دو ماہ بعد کے لیے پانچ لاکھ کا چیک لکھ دوں۔ دو ماہ بعد وہ کیش ہو جائے گا تو وہ شادی کی تاریخ رکھ دیں گے۔ عجیب کاروباری سا انداز تھا ان کا۔ سچ امی! ہم فوزیہ کو بہت غلط جگہ بھیج رہے ہیں۔ یہ بات لکھ لیں آپ۔" وہ سخت اکتاہٹ کا شکار تھا۔ تھکن اس کے چہرے سے جھلک رہی تھی۔

"پھر کیا کہہ کر آئے ہو تم ان سے؟" نسیم بیگم بھی کچھ مایوس سی ہو گئی تھیں۔ بہت دیر بعد بولیں۔

"یہی کہ ہمارے پاس صرف یہ پندرہ لاکھ ہیں، اس سے اوپر ایک پائی نہیں۔ آگے ان سے جو ہوتا ہے کر لیں۔"

"عدیل!" نسیم تشویش سے بولیں۔

"امی! آپ فکر نہیں کریں دیکھیے گا۔ یہی پندرہ لاکھ لینے کیسے آئیں گے کل صبح سے پہلے یہ لالچی لوگ۔ میں اب کچھ دیر آرام کروں گا۔ بہت تھک گیا ہوں۔" وہ اٹھ کر جانے لگا۔

"تم کہو تو میں بات کروں زاہدہ سے۔" نسیم بیگم آخری امید کے طور پر بولیں۔

"خبردار امی! آپ نے اب ادھر ذرا بھی فون کیا۔ ان کا دماغ تو پہلے ہی بہت خراب ہے اور سر پہ چڑھتے چلے جا رہے ہیں۔ اب جو ہو گا دیکھا جائے گا۔" وہ جاتے ہوئے سخت لہجے میں ماں کو تاکید کر گیا۔

نسیم بیگم جواب میں کچھ بول ہی نہ سکیں۔ آج تو فوزیہ بھی بہت مایوس بہت مرجھائی ہوئی لگ رہی تھی۔

دونوں پاس بیٹھی تھیں اور چپ تھیں کوئی تیسرا دیکھتا تو یقین نہ کرتا مگر کیا کیا جائے کہ وقت سدا ایک سا نہیں رہتا۔ اس وقت نسیم بیگم پر بھی بڑا بھاری وقت پڑا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

[illegible] ہاتھ چھوڑ کر بیٹھ گئی۔

"واثق! ہمارا گزارہ کیسے ہو گا۔ ہم کیا کریں گے بیٹا؟" وہ پھر سے رونے لگی تھی۔

"ممّا! انکل زبیر آ رہے ناشام میں آج۔ انہوں نے بابا کے آفس میں بات کی ہو گی تو کچھ نہ کچھ تو وہاں سے ملے گا۔" وہ اب ہر معاملے میں ماں کے ساتھ ساتھ تھا۔

"کتنا ہو گا۔ مستقل تو کچھ بھی نہیں نا۔" وہ بہت پریشان تھی۔ اس کی راتوں کی نیند غارت ہو چکی تھی۔ اس کا خواب بھی بکھر چکا تھا۔ اب روز مرہ کے اخراجات کیسے پورے ہوں گے۔ بچوں کے اسکول کے ڈیوز گھر اور دوسری ضروریات۔ سوچ سوچ کر اس کا دماغ شل ہوا جا رہا تھا۔ پھر کچھ خیال آنے پر اس نے اپنا جیولری باکس نکالا۔

زیور کے نام پر ایک سیٹ اور چار چوڑیاں ہی تو تھیں۔ اس کے علاوہ واثق کی چھوٹی سی انگوٹھی، ایک عنایہ کی انگوٹھی اور اریبہ کی چھوٹی سی چین۔ وہ ایک ایک چیز کو جیسے تول رہی تھی۔

"فی الحال یہ جو رقم ہے۔ اس سے کچن کا کچھ ضروری سامان منگوالیں۔ باقی چیزیں بعد میں دیکھ لیں گے۔" واثق نے ماں کے ہاتھ میں پکڑے سترہ ہزار کی طرف اشارہ کیا۔

"ہاں تمہارے دادا کے گریجویٹی فنڈ میں سے دیکھو ہمیں کیا کچھ ملتا ہے۔ ویسے اب وہ لوگ کسی قسم کی کوئی بات نہیں کریں گے لیکن پھر بھی وقت تو جیسے کوئی انتقام لینے کھڑا ہے۔" وہ بہت تھک سی گئی تھی۔ چند دنوں میں وہ جیسے کئی سال آگے چلی گئی تھی۔ اس کا چند دن کا اکیلے رہنے کا تجربہ آئندہ کی پوری زندگی کے لیے تقدیر بن گیا تھا۔

اب واثق کی یاددہانی کے بغیر بھی وہ رات کو سونے سے پہلے سارے گھر کی کھڑکیاں دروازے سب چیک کرتی۔ رات کو اٹھ کر بچوں کو دیکھتی۔ سیڑھیاں چڑھ کر چھت کا دروازہ دیکھتی۔ دن بھر بچوں کو گھر سے باہر نہ نکلنے دیتی۔ اگر وہ کہیں دور نکل گئے تو کون ان کو ڈھونڈنے جائے گا۔

سعودی عرب سے اس کے بھائی کا فون آگیا تھا۔ اسے عاصمہ کے ساتھ بیت جانے والے سانحے کا بے حد دکھ تھا۔ مگر وہ ابھی آ نہیں سکتا تھا۔ دو تین مہینوں بعد چکر لگانے کا کہہ رہا تھا۔ عاصمہ کیا کہتی۔ اب تو اس کا جیسے بالکل زور ہی نہیں رہا تھا۔ اس نے اللہ حافظ کہہ کر فون رکھ دیا۔

مالک مکان نے یکم تاریخ آجانے کے باوجود ابھی کرایہ نہیں مانگا تھا لیکن ظاہر ہے وہ ہمیشہ تو خاموش نہیں رہے گا۔

چند دن پہلے یہ سب کچھ کتنا مختلف تھا۔ پہلے تو صرف دونوں کی تنخواہوں میں مہینے بھر کے اخراجات پورے کرنے کی فکر ہوتی تھی اور اب یہ پریشانی ہے کہ آمدنی کے نام پر کہیں سے بھی کیا آئے گا کیسے آئے گا اور اپنی چھت۔ اکیلی عورت اتنے چھوٹے بچوں کے ساتھ اس معاشرے میں کیسے رہتی ہے۔ عاصمہ کو اندازہ ہی نہیں تھا۔

بڑے بڑے سوال جیسے بھوت بن کر اسے ڈرانے لگے تھے۔

وہ اندر ہی اندر سہمتی جا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

"امی! یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ۔" عدیل نے ابھی آفس کا بیگ کندھے سے اتار کر رکھا بھی نہیں تھا کہ نسیم بیگم کی بات سن کر وہ بیٹھتے بیٹھتے پھر کھڑا ہو گیا تھا۔

نسیم بیگم نے پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔ فوزیہ پچھلے صوفے پر منہ دوسری طرف کیے بیٹھی تھی۔ [illegible]

تماشا نہ بنتی۔۔ اپنی ہی نظروں میں یوں نہ گرتی۔ کوئی نہیں ہے میرا۔۔ نہ ماں نہ باپ نہ بھائی۔۔ آپ کی بہو چاہتی تھی نا کہ میں عمر بھر یونہی بن بیاہی یہیں بیٹھی رہوں تو جا کر اسے مبارک باد دیجیے گا' اس کی ساری حسرتیں پوری ہو گئیں۔۔ گھر بیٹھے طلاقن کا ایوارڈ مل جائے گا مجھے' خوش ہو جائے گی وہ۔"

وہ روتے ہوئے پھٹی آواز میں بولتی چیزوں سے ٹکراتی عدیل کے بڑھے ہوئے ہاتھوں کو جھٹکتی باہر نکل گئی۔

اس نے جس زور سے جا کر اپنے کمرے کا دروازہ بند کیا تھا' عدیل کو یقین ہو گیا' اب وہ کل سے پہلے تو یہ نہیں کھولے گی۔ عدیل بے چارگی سے ماں کو دیکھنے لگا۔

"آہ!" وہ پھر سے نڈھال ہو کر بیٹھ گیا۔

نسیم بیگم نے زور سے اس کا ہاتھ پرے ہٹایا تو وہ اور جھنجلا گیا۔

"بتائیں کہاں سے کروں میں اتنی بڑی رقم کا بندوبست۔۔ جمع جتھا نکالوں۔ اِدھر اُدھر سے ادھار بھی لوں تو بھی پانچ لاکھ سے اوپر نہیں کر سکتا۔ آپ انہیں بتاتی کیوں نہیں اپنی مجبوریاں؟"

"تمہارا کیا خیال ہے۔ میں جان بوجھ کر تمہیں پریشان کر رہی ہوں۔ ماں ہوں۔ مجھے تمہاری پریشانی کا احساس نہیں ہے کیا؟" وہ تڑخ کر بولیں۔

"نہیں امی! مجھے پتا ہے لیکن انہیں کہیں اگر میں پانچ لاکھ دے دوں تو۔۔"

"بات کی تھی میں نے۔ تم پانچ پر آنے کی بات کرتے ہو' وہ بیس لاکھ سے انیس پر بھی نہیں آ رہی ہیں۔ بتاؤ اب میں کیا کروں؟" نسیم بیگم نے جس طرح کہا۔ عدیل سے مزید کچھ بولا ہی نہیں گیا۔ دونوں یوں چپ ہوئے جیسے اب کبھی نہیں بولیں گے۔

"آئیں نہیں بشریٰ بیگم تمہارے ساتھ؟" بہت دیر بعد وہ طنز سے بولیں۔

"اس کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ میں بھی بہت تھک سا گیا تھا' خود ہی آجائے گی ایک دو دن میں عمران کے ساتھ۔" وہ لہجے میں بے زاری سمو کر بولا کہ کہیں ماں کو یہ شک نہ ہو جائے کہ وہ خود اسے وہیں رہنے کا کہہ آیا ہے۔

"ہاں' معلوم تھا مجھے۔ اسے ہمارے دکھ درد اور پریشانی کا کیا احساس ہو گا۔ اس کی ماں تو خوشی سے بغلیں بجا رہی ہو گی۔ جانتی ہوں میں اس عورت کی فطرت کو۔" وہ زہر بھرے لہجے میں بولیں۔

"امی! میرے واقعی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ کیا کروں۔ بہت سوں سے قرضے کی بات کی ہے مگر آج کل کے دور میں جب لوگوں کے روز مرہ کے اخراجات پورے نہیں ہوتے' بلکہ چوڑی بچت کس کے پاس ہوتی ہے۔ بیس تیس ہزار سے اوپر کوئی بھی دینے پر راضی نہیں۔" وہ بے چارگی سے بولا۔

"ایک طریقہ ہے جس سے تم بغیر قرض لیے آدھی رقم کا تو بندوبست کر ہی سکتے ہو۔" نسیم نے جتانے والے انداز میں کہا تو وہ ماں کو دیکھنے لگا۔

☼ ☼ ☼

عاصمہ چادر میں منہ چھپائے صوفے پر سمٹ کر بیٹھی تھی۔ واثق بڑے چوکنا انداز میں جیسے بہت کچھ جاننا چاہتا ہو' ماں کے دوسری طرف انکل زبیر کے بالمقابل بیٹھا تھا۔

زبیر عفان کا قریبی دوست بھی تھا اور دونوں گھروں میں آنا جانا بھی تھا۔ زبیر کو اگلے ماہ اپنے آبائی شہر چلے جانا تھا' اس کی فیملی کے کچھ مسائل چل رہے تھے۔ یہ بھی غنیمت تھا کہ یہ سب کچھ زبیر کے سامنے ہوا اور دفتری کام اس کی وجہ سے بلا کسی تعطل یا تاخیر کے ہو گئے تھے۔ وہ فاروق صاحب کے آفس کے معاملات بھی نپٹا کر آیا تھا۔

"بھابھی! یہ تین لاکھ کا چیک ہے' جو دس تاریخ کو کیش ہو سکے گا۔ عفان کے ڈھائی لاکھ کے ڈیوز تھے۔ باقی کے پچاس ہزار آفس نے خود ہی ایڈ کر دیے ہیں۔ واثق بیٹا میٹرک کر چکا ہوتا تو یقیناً وہ اس کی کسی نہ کسی طرح آفس میں جگہ بنا دیتے' مگر ابھی۔"

واثق نے یوں شرمندگی سے سر جھکایا جیسے اس میں اس کا قصور ہو۔ کمرے میں کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔ ذرا دیر بعد زبیر نے دوسری فائل کھولی۔ کچھ دیر کچھ ورق الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔

"آفس کے گریجویٹی فنڈ سے دس لاکھ تو وہ عفان کے چھوٹے بھائی جمشید کے علاج کے لیے پہلے ہی نکلوا چکے تھے۔ آپ کو یاد ہے نا؟" عاصمہ نے آہستگی سے اثبات میں سر ہلایا۔ اب وقت کی اس ستم ظریفی کو کیا کہے کہ پانچ سال پہلے جمشید کو اچانک کینسر تشخیص ہوا اور فاروق صاحب نے اس کے علاج پر پانی کی طرح پیسہ بہایا۔ مگر اس کی زندگی نے وفا نہیں کی۔ اب وہ دس لاکھ کا خسارہ بھی ان کی تقدیر پہ ثبت ہو گیا۔

"اب یہ سات لاکھ ہیں۔ پندرہ تاریخ کو آپ کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر ہو جائیں گے۔ باقی جو کچھ بھی ان فائلوں میں لکھا ہے' آپ فارغ ٹائم میں دیکھ لیجیے گا۔" وہ جیسے سب کچھ بول کر ایک دم سے خاموش ہو گیا۔ کمرے میں پھر جامد خاموشی تھی۔

"آپ نے آگے کیا سوچا ہے بھابھی؟" وہ بہت دیر بعد بولا۔

"ابھی تو کچھ بھی نہیں۔۔ کچھ سمجھ میں ہی نہیں آ رہا زبیر بھائی۔۔"

"کاش! وہ گاؤں جاتے ہی نہیں۔۔ منحوس زمین بکتی نہیں اور اس رقم کی وجہ سے انسانی جانیں نہ جاتیں۔۔ آہ!" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی سسک اٹھی۔

"میں آپ کی پریشانی سمجھ سکتا ہوں۔" وہ گہرا سانس لے کر بولا۔ "مستقل آمدنی کے لیے یہی ہو سکتا ہے کہ آپ یہ ساری رقم بینک میں جمع کروا دیں اس کے پرافٹ پر گزارہ کر لیں۔" وہ ذرا دیر بعد بولا۔

"اباجی! آپ کو جو گریجویٹی کی رقم ملے گی' اسے بینک میں پڑا رہنے دیجیے گا۔ اچھی بھلی ماہانہ آمدنی آنے لگے گی پرافٹ کی شکل میں۔" وہ اباجی کے جمعہ کے لیے سفید کپڑے کلف لگا کر استری کر رہی تھی' جب اس نے فاروق صاحب کو مشورہ دیا تھا۔

"نہ بیٹا! عمر بھر بری بھلی ہمیشہ کوشش کی کہ حلال کھاؤں اور بچوں کو بھی حلال کھلاؤں۔ اب اس عمر میں آکر حرام کھلا دوں؟ سب کچھ غارت کر دوں؟" وہ نفی میں سر ہلا کر بولے۔

"کیا مطلب اباجی؟" وہ جزبز سا ہوئی تھی۔

"بیٹا! سود ہمارے مذہب میں حرام ہے اور یہ پرافٹ سود کے زمرے میں آتا ہے۔ ایسا آئندہ کبھی سوچنا بھی نہیں۔" وہ اسے تنبیہہ کرتے ہوئے بولے تو عاصمہ سر ہلا کر ان سے متفق ہو گئی۔ وہ تو یوں بھی ان کی ہر بات پر راضی ہو جایا کرتی تھی۔ یہ بات تو بہت بڑی تھی۔ وہ کیسے بھول جاتی۔

"بہت شکریہ زبیر بھائی! میں یہ دیکھ لوں گی۔" وہ آہستگی سے دونوں فائلیں اپنے آگے کرتے ہوئے بولی۔

"تو ٹھیک ہے بھابھی! میں ابھی دس دن ادھر ہی ہوں' آپ کی رقم ٹرانسفر ہو جائے گی تو بس پھر میں جاؤں گا' آپ کو جو بھی مسئلہ ہو مجھ سے کہہ دیجیے گا۔" وہ فوراً" ہی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"ضرور۔" وہ سر ہلا کر بولی۔

واثق بھی ساتھ کھڑا ہو گیا اور زبیر انکل کے ساتھ چلتے ہوئے باہر نکل گیا۔

عاصمہ دونوں فائلوں کو خالی خالی نظروں سے دیکھنے لگی۔ اسے اب جو کچھ بھی سوچنا تھا' ان دس لاکھ روپوں سے سوچنا تھا کہ زندگی بار بار اس کو ایسے مواقع نہیں دے گی۔

"کچھ ایسا کروں کہ یہ رقم ضائع بھی نہیں ہو اور محفوظ بھی ہو جائے۔" اس کا ذہن اب تیزی سے کام کر رہا تھا۔
"یوں تو ہر مہینے ایک لگی بندھی رقم چاہیے ہوگی۔ اگر اس مد میں ان دس لاکھ روپوں کو وہ خرچ کرے گی تو سال ڈیڑھ سال میں ختم ہو جائیں گے اور اس کے بعد۔۔۔" اس کے بعد کا خوفناک سوالیہ نشان اسے دہلا گیا۔
"کیا ہونا چاہیے اس رقم کا مصرف۔" وہ رات کا کھانا بناتے ہوئے مسلسل سوچے جا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں عدیل؟" بشریٰ کے سر پر جیسے کسی نے بم پھوڑ دیا تھا۔ وہ ششدر سی ہونٹ بھینچے عدیل کو دیکھتے ہوئے برافروختہ ہو کر بولی۔
عدیل نے کڑی نظروں سے بشریٰ کو دیکھا مگر کوئی جواب نہیں دیا تھا۔
"عدیل! آپ نے خود ہی تو کہا تھا کہ مجھے ابھی امی کی طرف رہنا چاہیے کم از کم اس مسئلے کے حل ہو جانے تک۔" وہ پھر سے پہلی بات کو نظر انداز کر کے بولی۔ شاید وہ بات عدیل کے منہ سے غلطی سے نکل گئی ہوگی۔
"اور اس مسئلے کو حل کرنے کے لیے بھی تو کچھ کرنا ہوگا اور تم جانتی ہو اسے صرف میں ہی حل کر سکتا ہوں۔" وہ ترشی سے بولا۔
"میں سمجھی نہیں آپ کی بات۔"
"میں ہی کمانے والا ہوں نا اس گھر کا۔ تو مجھے ہی اسے ہینڈل کرنا ہوگا۔"
"لیکن عدیل! یہ تو غلط بات ہے نا کہ ان لوگوں کی ایسی بے جا ڈیمانڈ پوری کی جائے۔" وہ تیزی سے بولی۔ اس کے لیے تو یہ بات ہی بہت حیران کن تھی کہ عدیل ان لوگوں کو رقم دینے کے لیے راضی ہو گیا۔
اور یہ یقیناً "فوزیہ اور نسیم بیگم کے واویلا کی بدولت ممکن ہوا ہوگا" ورنہ پہلے تو عدیل اس معاملے میں کوئی بات نہیں سننا چاہتا تھا۔ اسے گھر سے جانا ہی نہیں چاہیے تھا۔ مگر اب پچھتانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔
"تو تم کیا چاہتی ہو میں اپنی بہن کو طلاق دلوا کر ہمیشہ کے لیے گھر بٹھالوں؟" وہ یوں اجنبی لہجے میں بولا جیسے بشریٰ کو اس سے کوئی مطلب نہ ہو۔
"عدیل مگر۔" وہ بوکھلا کر رہ گئی۔ اس رات والا عدیل پھر اس کے سامنے بیٹھا تھا۔
"بشریٰ! ان لوگوں کا مطالبہ غلط یا صحیح ہمارے پاس اس کو مان لینے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں۔"
"واٹ۔۔۔ آپ کہاں سے کریں گے بیس لاکھ کا انتظام۔۔۔ سوچا ہے آپ نے؟" وہ تو بھڑک اٹھی۔ عدیل نے ایک گہری نظر اس پر ڈالی اور لحہ بھر خاموش رہا۔
"عدیل! میں کیا کہہ رہی ہوں۔"
"سوچ لیا ہے میں نے سب کچھ تو تم کیوں چیخ رہی ہو۔" وہ اسی اجنبی لہجے میں کٹھورپن سے بولا۔ بشریٰ اسے دیکھتی رہ گئی۔
"میں رات میں تمہیں واپس آنٹی کی طرف چھوڑ جاؤں گا۔"
"کیا مطلب؟"
"ہے تو بہت گھٹیا سی بات مگر مجبوری ہے۔ تم آنٹی سے دو تین لاکھ روپے ادھار کے طور پر لوگی۔" وہ بے لچک لہجے میں بولا۔
"عدیل!" یہ دھماکا پہلے سے بھی زیادہ زوردار تھا۔
"پانچ لاکھ کا انتظام میں کسی طرح کرلوں گا۔ تین لاکھ کا عمران اور آنٹی کردیں گی۔ سات آٹھ لاکھ کا تمہارا زیور بک جائے گا اور دو تین لاکھ کا امی کا۔۔۔ اس طرح مل ملا کر بیس لاکھ کے قریب ہو ہی جائے گا۔ کم از کم میری بہن کی زندگی اجڑنے سے بچ جائے گی تو یہ رقم بہت بڑی نہیں۔"

اور بشریٰ کسی بت کی طرح اسے دیکھے جا رہی تھی جو اپنی دھن میں بار بار دہراتے ہوئے گویا خود کو تسلی دیے جا رہا تھا۔
"اور اگر میں انکار کردوں؟" بشریٰ بہت دیر بعد سرد لہجے میں بولی تھی۔
گاڑی کے ٹائر زور سے چرچرائے تھے۔ عدیل کے لیے یہ بات بالکل غیر متوقع تھی۔
اس نے گاڑی ایک طرف روکی اور تیز نظروں سے بشریٰ کو دیکھنے لگا۔
"تم کہنا چاہتی ہو کہ تمہیں اپنا زیور اور اپنی ماں سے لیا جانے والا قرض میری عزت سے زیادہ پیارا ہے۔" وہ رک رک کر یوں بول رہا تھا جیسے لفظوں کو تول رہا ہو۔
"بات آپ کی عزت کی ہے عدیل! تو میں بھی آپ کی عزت ہوں۔ وہ زیور آدھا آپ لوگوں کی طرف سے تھا بے شک مگر عدیل صاحب تحفہ کسی کو دینے کے بعد اس سے چھینا جائے تو اسے کیا کہتے ہیں؟" وہ طنز سے بولی اور عدیل کا چہرہ لحہ بھر میں جیسے لال بھبھوکا ہو گیا۔
اس نے بغیر کچھ کہے گاڑی اسٹارٹ کی اور اندھا دھند دوڑانا شروع کردی۔ گاڑی جس رفتار سے جا رہی تھی' لگتا تھا آج وہ دونوں زندہ سلامت گھر نہیں پہنچ سکیں گے میری مثال۔۔۔ بشریٰ کو آنکھیں بند کرکے بس آخری یہی خیال آیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"بیٹا! پوچھ کر بلاتے ہیں کسی کو۔ یونہی اٹھا کر تم کسی کو بھی لے آؤ اور ڈرائنگ روم میں بٹھادو۔ اچھی بات نہیں۔ مجھے بتاتے تو۔" وہ واثق سے سختی سے بولتی اس کے ساتھ ڈرائنگ روم کی طرف آئی۔
"سوری مما! وہ انکل کہنے لگے کہ آپ کی مما انہیں جانتی ہیں بلکہ دادا ابو بھی جانتے تھے تو میں نے انہیں بٹھا دیا۔" عاصمہ ڈرائنگ کے دروازے پر ٹھٹک کر کھڑی ہو گئی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

رُخسانہ نگار عدنان

عدیل اور فوزیہ نسیم بیگم کے بچے ہیں۔ بشریٰ ان کی بہو ہے اور ذکیہ بیگم کی بیٹی۔ عمران بشریٰ کا بھائی ہے۔ مثال ذکیہ بیگم کی نواسی اور نسیم بیگم کی پوتی ہے۔ بشریٰ اور نسیم بیگم میں روایتی ساس بہو کا تعلق ہے۔ نسیم بیگم مصلحتاً "بیٹا بہو سے لگاوٹ دکھاتی ہیں۔ دوسری طرف ذکیہ بیگم کا کہنا ہے۔ ان کی بیٹی بشریٰ کو سسرال میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ ذکیہ بیگم اپنے بیٹے عمران کے لیے بھی لڑکیاں دیکھ رہی ہیں۔ پانچ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد بشریٰ کی نند فوزیہ کا بالآخر ایک جگہ رشتہ طے پا جاتا ہے۔ نکاح والے روز بشریٰ دولہا ظہیر کو دیکھ کر چونک جاتی ہے۔

عدیل سے شادی سے قبل ظہیر کا بشریٰ کے لیے بھی رشتہ آیا تھا مگر بات نہ بن سکی تھی۔ نکاح والے دن زاہدہ اور ذکیہ بیگم بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔ بشریٰ اپنی ماں سے یہ بات چھپانے کے لیے کہتی ہے مگر عدیل کو پتا چل جاتا ہے۔ وہ ناراض ہوتا ہے مگر فوزیہ اور نسیم بیگم کو بتانے سے منع کر دیتا ہے۔ بشریٰ اور عدیل ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جاتے ہیں۔ وہاں انہیں پتا چلتا ہے کہ بشریٰ کے ہاں سات سال بعد پھر خوش خبری ہے۔

عفان اور عاصمہ اپنے تین بچوں اور والد کے ساتھ کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔ عفان کے والد فاروق صاحب سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ گریجویٹی اور گاؤں کی زمین فروخت کر کے وہ اپنا گھر خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ڈیڑھ کروڑ میں زمین کا سودا کر کے وہ عفان کے ساتھ خوشی خوشی شہر آ رہے ہیں۔ عاصمہ کو فون کے ذریعے کوئی اطلاع ملتی ہے جسے سن کر وہ بے ہوش ہو جاتی ہے۔

فون پر پتا چلتا ہے کہ شہر آتے ہوئے عفان اور فاروق صاحب ڈکیتی کی واردات میں قتل ہو گئے۔ عفان کے قریبی دوست زبیر کی مدد سے عاصمہ عفان کے آفس سے تین لاکھ روپے اور فاروق صاحب کی گریجویٹی سے سات لاکھ روپے وصول کرپاتی ہے۔ زبیر گھر خریدنے میں بھی عاصمہ کی مدد کر رہا ہے۔

اسلام آباد سے واپسی پر عدیل دونوں متقولین کو دیکھتا ہے۔ زاہدہ، نسیم بیگم سے بیس لاکھ روپے سے مشروط نو رخصتی کی بات کرتی ہیں۔ وہ سب پریشان ہو جاتے ہیں۔ عدیل بشریٰ سے ذکیہ بیگم سے تین لاکھ روپے لانے کو کہتا ہے۔ حمیدہ خالہ، عاصمہ کو سمجھاتی ہیں کہ عدت میں زبیر کا اکیلے اس کے گھر آنا مناسب نہیں ہے۔ لوگ باتیں بنا رہے ہیں جبکہ عاصمہ مجبور ہے کہ گھر میں کوئی مرد نہیں اس کا بیٹا ابھی چھوٹا ہے اور سارے کام اس نے خود کرنے ہیں۔ وہ جلد از جلد اپنا گھر خریدنا چاہتی ہے۔ عاصمہ کے کہنے پر زبیر کسی مفتی سے فتویٰ لے کر آجاتا ہے کہ وہ انتہائی ضرورت کے تحت گھر سے نکل سکتی ہے بشرطیکہ مغرب سے پہلے واپس گھر آجائے سو وہ عاصمہ کو مکان دکھانے لے جاتا ہے۔

۵
پانچویں قسط

گھر میں ایک جامد سناٹا تھا' ایک خوفناک خاموشی۔

بشریٰ یوں ہی نیم دراز سی جانے کس وقت صوفے پر پڑے پڑے گہری نیند سوگئی تھی۔

اس کی کی آنکھ اس خوفناک سناٹے کی وجہ سے کھلی تھی۔

کمرے میں دھندلا سا اندھیرا تھا اور سائیں سائیں کرتی چپ۔

وہ ڈر سی گئی۔ اس نے جیسے خوف سے اپنے پیر سمیٹ لیے۔

"مثال!" کمرے میں ادھر ادھر دیکھتے ہوئے اس نے آہستگی سے پکارا۔ اس کی پکار کسی سرگوشی کی مانند تھی جیسے اس کے لبوں سے نکلی ہی نہ ہو۔

"سب لوگ کہاں ہیں؟ ابھی کچھ دیر پہلے تو کتنا ہنگامہ شور اور بدمزگی سی تھی سارے گھر میں اور اب عدیل۔۔۔ عدیل کہاں ہیں۔" اسے یاد آیا۔

وہ تینوں لاؤنج میں بیٹھے تھے۔ جب بشریٰ ان کی لاحاصل بحث سے اکتا کر اپنے بیڈ روم میں آگئی تھی۔ مثال صوفے کے قریب اپنے کھلونے لیے کھیل رہی تھی۔ بشریٰ اکتائی ہوئی سی اس کے پاس بیٹھ گئی۔ مثال اس سے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگی۔ بشریٰ غائب دماغ سی بنی سنے گئی۔

اور جانے کب مثال سے باتیں کرتے کرتے وہ صوفے کے ہتھے پر سر ٹکائے گہری نیند سوگئی۔

کسی برے خیال کے آتے ہی وہ تیزی سے اٹھ کر باہر جانے لگی۔ صوفے کے پاس زمین پر پڑے مثال کے کھلونے اس کے پاؤں سے ٹکرا کر ایک ناخوشگوار شور کے ساتھ ادھر ادھر بکھر سے گئے۔

اسی وقت باہر ڈور بیل بجی۔

اور پھر بجتی ہی چلی گئی۔ بشریٰ تیزی سے باہر نکلی۔ صوفے پر پڑا اس کا سیل فون بجنے لگا۔

وہ لمحہ بھر متذبذب سی کھڑی رہی۔ پھر مڑ کر سیل اٹھایا تو وہ اتنی دیر میں بند ہو چکا تھا۔ اس نے نمبر دیکھا تو کوئی اجنبی نمبر تھا۔

اس نے سیل مٹھی میں دبایا اور باہر جانے لگی کہ فوزیہ کی دلدوز چیخ نے جیسے اس کے قدم جکڑ لیے۔

"یا اللہ! خیر۔۔۔ آنٹی ٹھیک ہوں۔ فوزیہ ایسے کیوں چیخی۔" وہ سینے پر ہاتھ رکھے گویا دل کو سنبھالتی کمرے سے نکل آئی۔

دونوں ماں بیٹی لاؤنج ہی میں تھیں۔

فوزیہ کارپٹ پر بیٹھی تھی اور اس کے ہاتھ میں کوئی ادھ کھلا کاغذ تھا۔ فوزیہ کسی بت کی طرح ساکت سی بیٹھی تھی۔

نسیم پھٹی پھٹی آنکھوں سے فوزیہ کو دیکھے جا رہی تھیں۔

بشریٰ کچھ اور خوفزدہ سی ہو گئی۔ "کہیں وہ انہونی تو نہیں ہو گئی۔ جس کے خوف نے ہمارے گھر کا چین، سکون اتنے مہینوں سے غارت کر رکھا تھا۔" اس نے سہم کر سوچا۔

"امی! کیا ہوا؟" فوزیہ ایسے کیوں چیخی تھی؟" اس نے ڈرے ہوئے لہجے میں آگے بڑھ کر پوچھا۔

دونوں ہی اس کی طرف متوجہ نہیں ہوئیں۔ اس طرح بے جان سی بتوں کی طرح بیٹھی رہیں۔

"فوزیہ! سب ٹھیک ہے نا؟" وہ فوزیہ کے پاس آکر دھیرے سے بولی۔

فوزیہ کے ہاتھ سے کاغذ چھوٹ کر نیچے گر گیا۔

بشریٰ ساکت سی اسے دیکھ کر رہ گئی۔ "تو میرا وہم ٹھیک ہے۔"

اس نے ذرا سی نظریں ترچھی کر کے پتھر کا بت بنی نسیم بیگم کو دیکھا اور پھر ڈرتے ڈرتے فوزیہ کے پاس گرا کاغذ اٹھا لیا۔

"طلاق نامہ۔" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا اور نسیم بیگم جیسے خود پر ضبط کھو بیٹھیں۔ ان کے منہ سے ایک دلخراش چیخ سی نکلی اور وہ صوفے کے ایک طرف گر کر بے ہوش ہو گئیں۔ فوزیہ اسی طرح بت بنی بیٹھی رہ گئی۔

"امی۔۔۔ امی! اٹھیں۔ ہوش کریں امی!" بشریٰ گھبرا کر نسیم بیگم کو بٹھانے کی کوشش کرنے لگی۔

"یہ تو بے ہوش ہو گئی ہیں۔۔۔۔ فوزیہ! دیکھو امی کو کچھ ہو نہ جائے۔ پلیز! کسی ڈاکٹر کو۔ عدیل کو فون کرو۔ کہاں ہے عدیل؟" وہ بے ربط سا بولے جا رہی تھی۔ فوزیہ اس طرح ساکت بیٹھی تھی۔

وہ جلدی سے عدیل کا نمبر ملانے لگی۔ عدیل کا فون وہیں صوفے کے نیچے کہیں گرا ہوا تھا۔ وہاں سے آتی بپ کی آواز بشریٰ کو پریشان کر گئی۔

عدیل جانے کس پریشانی میں گھر سے نکل کر گئے ہوں گے کہ وہ اپنا سیل بھی یہیں بھول گئے۔ وہ تاسف سے سوچ کر رہ گئی۔ نسیم بیگم ابھی تک بے ہوش تھیں۔

بشریٰ نے جلدی سے عمران کا نمبر ملایا اور اسے صورت حال بتا کر جلدی پہنچنے کی تاکید کی اور پھر فکر مندی سے اسی طرح بے حس بیٹھی فوزیہ کو دیکھتی رہی۔

☼ ☼ ☼

باہر اندھیرا گہرا ہوتا چلا جا رہا تھا۔

جوں جوں گاڑی آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ عاصمہ کا دل جیسے بیٹھا جا رہا تھا۔ جانے کیوں اسے کسی ان دیکھے انجانے خطرے کا احساس ہو رہا تھا۔

اس کے ہاتھوں میں ٹھنڈے پسینے آرہے تھے۔ اس نے سہارے کے لیے ساتھ جڑ کر بیٹھی اریبہ کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں لینے چاہے اور دوسرے لمحے چونک سی گئی۔

اریبہ ایک طرف لڑھکی گہری نیند سو چکی تھی۔

"اریبہ بیٹا! سو کیوں گئیں؟" وہ اس پر جھکی متفکر سی آہستگی سے بولی۔

اریبہ ماں کی پریشانی سے بے خبر گہری نیند سو چکی تھی۔

"زبیر بھائی! یہ تو سو گئی۔" اس نے زبیر کی بہت گہری معنی خیز خاموشی سے توجہ ہٹا کر بظاہر نارمل انداز میں مخاطب کیا۔ ورنہ زبیر کی مسلسل چپ اسے اندر ہی اندر ڈرا بھی رہی تھی۔

"سونے دیں۔ اسکول سے آکر سوئی جو نہیں ہوگی۔" وہ لاپروائی سے بولا۔

"نہیں! اسکول سے آکر تو یہ کافی سوئی تھی۔ پھر اب کیوں سو گئی۔ اریبہ میری جان! اٹھو نا۔ نیا گھر نہیں دیکھ

اس نے ایک بار پھر اریبہ کو اٹھانے کی کوشش کی۔ مگر وہ بہت بے سدھ سو رہی تھی۔

"اس طرح تو یہ کبھی نہیں سوئی۔" وہ پریشان سی ہو گئی۔

"سونے دو نا! کیوں اسے ڈسٹرب کر رہی ہو؟" زبیر کا بے تکلفانہ انداز سے چونکا سا گیا۔

بے اختیار اس نے چادر کے کونے کو چہرے کے ارد گرد کرلیا اور یوں ہی پریشان بھٹکتی نظر جیسے ہی بیک ویو پڑی تو اس کی جان ہی نکل گئی۔

زبیر کی آنکھوں میں انوکھی سی چمک تھی اور عاصمہ کے وجود پر جمی نظریں۔ کیا نہیں تھا ان نظروں میں۔ عاصمہ جیسی محتاط عورت جس نے اپنی زندگی میں پہلے باپ بھائی اور پھر شوہر مسر کے سوا کسی مرد کو قریب سے نہیں دیکھا تھا۔ مگر پھر بھی وہ ان نظروں کو بہت اچھی طرح پہچان سکتی تھی کہ یہ کسی مرد کی بری نظر تھی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس کی گیلی ہتھیلیوں نے اریبہ کے ننھے ہاتھوں پر اپنی گرفت اور بھی مضبوط کرلی۔ وہ کچھ اور بھی سمٹ کر رہ گئی۔ لیکن وہ نظریں۔۔۔

"زبیر بھائی!" اس نے بے اختیار بھنچی ہوئی آواز میں اسے پکارا۔

"میں گھر واپس جانا چاہتی ہوں۔ مجھے لگ رہا ہے کہ میری طبیعت بہت خراب ہو رہی ہے۔ میرا بی پی۔۔۔ بی پی لو ہو رہا ہے۔ پہلے بھی ایسا ہو چکا ہے۔ تو آپ پلیز مجھے گھر۔" وہ بہت مشکل سے بول پا رہی تھی گلے میں جیسے بہت سے پھندے تھے۔

"گھر تو آگیا ہے۔ بس دو منٹ کی ڈرائیو اور ہے۔ پھر آپ کو پتا ہے' آپ بار بار تو نکل نہیں سکیں گی۔ بس تھوڑی دیر اور۔" زبیر نے ان ہی نظروں سے اسے دیکھا اور گاڑی کی رفتار بڑھادی۔ عاصمہ بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔

اپنے ساتھ سوئے اس ننھے سہارے کو دیکھا۔ وہ ہوش و خرد سے بے نیاز گہری نیند سو رہی تھی۔

عاصمہ کے دماغ میں جھماکا سا ہوا۔

جب وہ گاڑی میں بیٹھنے کے لیے باہر آئی تھی تو اریبہ زبیر کی دی ہوئی چاکلیٹ مزے سے کھا رہی تھی۔

"تو کہیں اس چاکلیٹ میں کچھ۔۔۔ اریبہ دوپہر میں اسکول سے آکر تین چار گھنٹے سوئی تھی۔ اب دوبارہ اتنی جلدی تو اسے نہیں سونا چاہیے تھا۔" وہ اریبہ کی مدہوشی کو دیکھتے ہوئے جیسے اس کی نیند کی وجہ جاننے کی کوشش کرنے لگی۔

گاڑی اب ایک ویران اندھیری سڑک پر تھی۔ یہ کوئی نئی بستی تھی۔ ارد گرد آبادی بہت کم تھی۔ اگر کچھ مکان بنے بھی تھے تو ان میں زندگی کے آثار نہیں تھے۔

"میرے خیال میں آپ کچھ گھبرا رہی ہیں۔۔۔ ہے نا؟" زبیر کے عجیب سے لہجے نے اس گمبھیر سناٹے کو توڑا تھا۔ عاصمہ نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

"میرے خیال میں گھر کتنا بھی اچھا کیوں نہ ہو۔ مجھے پسند نہیں آئے گا۔ اس لیے پلیز! آپ مجھے واپس گھر چھوڑ دیں یا یہیں ایسے ہی اتار دیں۔" اس نے اریبہ کو اب اپنی گود میں سمیٹ لیا تھا۔ جیسے وہ ابھی واقعی ہی گاڑی روکے گا اور وہ نکل بھاگے گی۔

اگر ایسا ہو بھی جاتا تو بھی اس ویرانے میں اسے کنوینس کہاں سے ملتی۔

لیکن اس وقت وہ ہر طرح کا رسک لینے کے لیے تیار تھی۔ بس اس گاڑی سے اتر جاتی ایک بار۔

"یہاں۔۔۔؟" وہ لیجے سے بولا۔ اس کی نظریں صاف عاصمہ کو مذاق اڑاتی محسوس ہوئی تھیں۔

"کیا کریں گی یہاں اتر کر آپ؟" وہ واقعی اس کی گھبراہٹ سے محظوظ ہو رہا تھا۔

"پلیز! مجھے آپ یہیں ڈراپ کردیں۔" نہ چاہتے ہوئے بھی بے بسی کے گہرے احساس نے اس کی آنکھیں دھندلا دیں آواز میں نمی سی اتر آئی۔

"ڈراپ تو نہیں کر سکتا اب۔" وہ یقیناً "زیر لب" ہی بولا تھا۔ آواز بہت نیچی تھی۔ مگر عاصمہ سن چکی تھی۔

"اگر آپ گاڑی نہیں روکیں گے۔ میں اس طرح اتر جاؤں گی۔" اس نے بے اختیار دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا۔

"آٹومیٹک لاک ہیں اس کے اور عاصمہ بھابھی آپ کیوں گھبرا رہی ہیں؟ علاقہ تھوڑا کم آباد ضرور ہے۔ لیکن یقین کریں۔ یہاں سارے پلاٹس بک ہو چکے ہیں۔ بلکہ آدھے سے زیادہ تو بن بھی چکے ہیں اور لوگ یہاں آکر رہنے لگے ہیں اس لیے تو آپ کو اتنی کم قیمت میں گھر مل رہا ہے بس یہ دیکھیں۔ آگیا گھر۔ وہ وائٹ گیٹ نظر آرہا ہے نا اس سرمئی اور نیلے گیٹ سے آگے۔ وہی تو ہماری منزل ہے۔ بس وہیں تک جانا ہے ہمیں۔"

اس کا لہجہ اور انداز ایک بار پھر بدل چکے تھے۔

عاصمہ نے الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔ جیسے فیصلہ نہ کر پا رہی ہو۔ گاڑی اب جیسے ٹوٹی پھوٹی پگڈنڈی سے گزر رہی تھی۔ کیونکہ سڑک تو اب وہاں کوئی نہیں تھی۔

"اس ویرانے میں۔۔۔ میں بچوں کے ساتھ یہاں نہیں رہ سکتی۔ میرے بچے گھر میں اکیلے ہیں اور یہ شخص۔۔۔ اس کی نیت مجھے ٹھیک نہیں لگتی۔ یا اللہ! مجھ پر رحم فرما۔ میں تو پہلے ہی بڑی کڑی آزمائش میں کھڑی ہوں۔ مجھے خیر و عافیت کے ساتھ میرے بچوں کے درمیان واپس پہنچا۔ میں تجھ سے توبہ کرتی ہوں۔ میں نے تیرے سوا کسی اور کو سہارا جانا۔ برا کیا۔ اے اللہ! مجھے معاف کردے۔ مجھے اور میری بچی کو بچالے۔ اس کی نیت کو پھیر دے۔ اے دلوں کو پھیرنے والے اس شخص کو میرے لیے بے ضرر بنادے۔ میرے اللہ! ایک بار مجھ پر رحم فرما۔ میں آئندہ تیری حدود نہیں توڑوں گی۔ مجھ پر رحم فرما!" گرم گرم آنسو اس کی آنکھوں سے بہتے چلے گئے۔

گاڑی اس سنسان سے گھر کے سفید گیٹ کے آگے رک چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

نسیم بیگم آئی سی یو میں تھیں۔

انہیں ہارٹ اٹیک ہوا تھا۔ ابھی ڈاکٹرز ان کے بچ جانے کے بارے میں پرامید نہیں تھے۔

بشریٰ اور عمران بے چینی سے آئی سی یو کے باہر بیٹھے تھے۔

"عدیل بھائی کے کسی ایسے قریبی دوست کا نمبر جہاں وہ جا سکتے ہوں۔ آپی! تمہیں کچھ تو پتا ہوگا۔" عمران کچھ جھنجلا کر بولا۔

ڈیڑھ گھنٹہ ہونے لگا تھا اور عدیل سے کوشش کے باوجود رابطہ نہیں ہو پا رہا تھا۔ بشریٰ بہت فکر مند تھی۔

عدیل ایک ذمہ دار شخص تھا۔ وہ یوں گھر میں اتنی بڑی پریشانی کے ہوتے دامن چھڑا کر یاروں دوستوں میں جاکر بیٹھنے والوں میں سے نہیں تھا۔ اتنا اسے پتا تھا۔

"جو دو ایک دوست تھے ان سے میں اسپتال آنے سے پہلے بات کرچکی ہوں۔ بلکہ پیغام بھی دے آئی تھی کہ جیسے ہی ان کا عدیل سے رابطہ ہو' وہ انہیں امی کے بارے میں بتادیں۔" وہ گہرا سانس لے کر فکر مندی سے بولی۔

عمران تھوڑی دیر بعد ٹھہر کر بولا۔

"امی کا پھر فون آ رہا ہے۔ پھر انہیں یہی کہنا ہو گا کہ بشریٰ سے کہو گھر چلی جائے۔ آپی میں ہوں نا یہاں۔ تم پھر کیوں نہیں جاتیں؟"

عمران جھنجلا کر بولا۔ ذکیہ کی کال اس نے ڈراپ کر دی تھی۔

"فوزیہ کی حالت بھی اچھی نہیں۔ میں بھی گھر جا کر بیٹھ گئی اور خدانخواستہ امی کو کچھ ہو گیا تو تم عدیل کو نہیں جانتے۔ میں ٹھیک ہوں۔ تم کہہ دو امی سے۔" بشریٰ آئی سی یو کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

"یہ خوب رہی! بھئی دونوں بہن بھائی غائب ہیں۔ آپ کی ساس صاحبہ جن کی والدہ ہیں۔ انہیں تو کچھ پریشانی نہیں۔ آپ اس حالت میں سب دکھ جھیلنے 'نیک' خدمت گار بنی بیٹھی ہیں۔" عمران اب چڑ گیا تھا کہ تین گھنٹے سے اس فضول کی بے گار میں پھنسے پڑے ہیں کہ جس خدمت خلق کا اسے کچھ حاصل وصول بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔

"امی سے پوچھو مثال نے کچھ کھایا ہے۔" بشریٰ کو خیال آیا۔

"کھا لیا ہو گا۔ اب اتنی سی بات کے لیے فون کروں۔ میرے خیال میں میں ڈاکٹرز سے پوچھ کر آتا ہوں۔ نسیم آنٹی کی اب کیا کنڈیشن ہے۔" عمران کی طبیعت میں نچلا بیٹھنا محال تھا۔ یوں بھی وہ کسی بھی انتظار کی کیفیت کو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ جلد بازی اس کی فطرت کا محور تھی۔ وہ کسی بھی چیز سے کچھ ہی دیر میں اکتا جاتا۔ اب وہ اسپتال سے کھسکنے کے چکر میں تھا۔ بشریٰ جانتی تھی مگر عدیل کے آنے تک عمران کی سب باتیں برداشت کرنا اس کی مجبوری تھا۔

☼ ☼ ☼

"میں تو حیران ہوں۔ تین سال ہو گئے ہیں اور اس علاقے کا ابھی بھی وہی حال ہے۔ جو تین سال پہلے تھا۔ اکا دکا گھر بنے ہیں۔ وہ بھی ابھی تک بے آباد۔" عدیل نے ساتھ بیٹھے محسن سے کہا۔

"ہاں! شہر کی آبادیوں سے یہ سوسائٹی کافی ہٹ کر ہے۔ بلکہ جنہوں نے گھر بنائے ہیں وہ بھی انہیں بیچنے کے چکروں میں ہیں۔ لیکن مسئلہ یہ ہے کہ قیمت وہ بڑھی ہوئی چاہتے ہیں جو کہ مل نہیں پا رہی۔ سو اکثر گھر بند کر کے شہر کے آس پاس یا کسی اور پر رونق سوسائٹی میں پسند کا پلاٹ لے کر گھر بنا چکے ہیں۔" محسن نے تفصیل سے بتایا۔ باہر گہری رات ہو چلی تھی۔

"چلو! پھر تو میرا فیصلہ ٹھیک ہی ہے۔ اگرچہ میں نے بہت سوچ کر بلکہ یوں سمجھو نیم دلی سے اسے بیچنے کا فیصلہ کیا تھا۔ اگر مجھے اتنی ایمرجنسی میں ضرورت نہ آ پڑتی تو چند سال اور اسے پڑا رہنے دیتا۔"

"کبھی ایسا نہیں ہوا کہ میرا سیل گھر ہی میں رہ گیا ہو۔ بہت الجھن سی ہو رہی ہے۔ میں کسی کو بتا کر بھی نہیں آیا کہ کہاں جا رہا ہوں۔" عدیل کو عجیب سی فکر ہو رہی تھی۔ وہ نسیم بیگم اور فوزیہ اس پریشانی میں کوئی بھی آس دلائے بغیر چلا آیا تھا۔ وہ یقیناً "بہت پریشان ہوں گی۔

"فکر نہیں کرو۔ ہمیں زیادہ ٹائم نہیں لگے گا۔ وحید صاحب کاروباری آدمی ہیں اور لین دین میں بڑے صاف ستھرے ہیں اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ وہ آدھی سے زیادہ رقم فوراً" دے رہے ہیں۔ یہ کم ہے کیا؟"

"ہوں! یہ تو ہے۔" گاڑی اب پلاٹ کے پاس پہنچ چکی تھی۔ ہر طرف ہو کا عالم سا تھا۔ دور دور تک آبادی کے آثار نہیں تھے۔

"میں نے تو یہ پلاٹ تین سال پہلے بشریٰ کو سرپرائز دینے کے لیے خریدا تھا۔ اچھا ہوا اس نے یہاں آ کر نہیں دیکھا ورنہ وہ فوراً" اسے بیچنے کا مشورہ دیتی۔" ہر طرف پھیلے گھنگھور اندھیرے اور سناٹے کو دیکھ کر عدیل نے دل

میں سوچا۔ اس نے بہت سوچنے کے بعد اپنے لیے خریدے ہوئے اس پلاٹ کو بیچنے کا فیصلہ کیا تھا کہ کسی طرح فوزیہ اور ظہیر کا رشتہ بچ جائے۔ اس کی بہن کا گھر کسی طرح بن ہی جائے۔ اتنی مشکلوں سے ہوا تھا یہ رشتہ۔

"جی! ایسا کہہ رہے ہیں حاجی صاحب۔۔۔ ! جی۔۔۔ جی! وہ تو میں آپ کی بات سمجھ رہا ہوں۔ جی بالکل! میں جانتا ہوں۔ تو چلیں! ٹھیک ہے 'پھر کل پر رکھ لیتے ہیں۔" اس نے کچھ مایوس سا ہو کر فون بند کر دیا۔

"کیا ہوا؟" عدیل نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"اچانک انہیں ایک ایمرجنسی کے سلسلے میں شہر سے باہر جانا پڑ گیا ہے۔ ان کے بہنوئی کا اچانک ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ جس کی وجہ سے وہ نہیں آ سکتے۔" محسن نے فون بند کرتے ہوئے عدیل کو بتایا۔

عدیل کو امید تھی وہ کچھ نہ کچھ پیمنٹ کا انتظام کر کے ہی گھر جائے گا مگر۔۔۔ شاید قدرت کو یہ منظور ہی نہیں تھا۔

"چلو! ٹھیک ہے تو پھر چلیں۔" وہ بے دلی سے بولا۔

"ایسا ہے کہ تم مجھے یہاں سے تیسرے بلاک میں اے زیڈ کے آفس ڈراپ کر دو۔ مجھے اس سے کچھ کام ہے۔ اس کے ساتھ واپس چلا جاؤں گا۔" محسن نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

عدیل نے غائب دماغی کی سی کیفیت میں محسن کو اس کے اسٹیٹ ایجنٹ دوست کے آفس ڈراپ کیا اور پھر ان لوگوں کے روکنے کے باوجود چائے پیے بغیر واپسی کے لیے نکل کھڑا ہوا۔ جانے اسے کیوں محسوس ہو رہا تھا کہ اس کی غیر موجودگی میں کچھ ایسا ویسا ہو گیا ہے۔ وہ جلد سے جلد اس علاقے سے نکل جانا چاہتا تھا۔ عجیب وحشت سی اسے گھیرے ہوئے تھی۔ وہ گاڑی تیزی سے چلانے لگا۔

☼ ☼ ☼

وہ بیرونی لائٹ جلا کے گھر کا گیٹ کھول چکا تھا اور اب اس کے گاڑی سے اتر کر آنے کا منتظر تھا۔

عاصمہ متذبذب تھی۔ گود میں سوئی اریبہ کو لیے ہوئے وہ فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی کہ گاڑی سے اترے یا پھر دروازہ کھول کر دور تک بھاگتی چلی جائے۔ لیکن کتنی دور تک؟ اگر وہ بدنیت ہو چکا ہے تو پھر وہ زیادہ دور نہیں بھاگ سکتی۔۔۔ لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ سب اس کا وہم ہو۔ ایسا کچھ بھی نہ ہو۔

اس نے اپنے وسوسوں کو جھٹلانے کی کمزور سی کوشش کی۔ ورنہ تو اس کا اندر چیخ چیخ کر کہہ رہا تھا۔ یہ سب اس کا وہم نہیں ہے۔

دوسرے لمحے وہ پھر سے ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا تھا۔

عاصمہ نے الجھی ہوئی نظروں سے کھلے گیٹ کو دیکھا اور پھر گاڑی اسٹارٹ کرتے زبیر کو۔

"ہم واپس جا رہے ہیں کیا؟" عاصمہ اپنے لہجے کی لرزاہٹ کو چھپا نہیں سکی تھی۔ وہ کچھ نہیں بولا۔ بہت مشاقی سے پہلے گاڑی تھوڑی پیچھے کی اور پھر بہت تیزی سے کھلے گیٹ کے اندر لے گیا۔

"یہ 'یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟ ہمیں واپس جانا ہے ابھی۔ پلیز! گاڑی باہر نکالیں۔۔۔ مجھے گھر جانا ہے ابھی۔۔۔ میں اور نہیں رک سکتی۔" وہ بے قابو ہو کر چیخ ہی پڑی۔

"اریبہ 'اریبہ! اٹھو بیٹا! آنکھیں کھولو' کھولو! میں آپ کی ماما۔۔۔" وہ زور زور سے اریبہ کے گال تھپتھپانے لگی۔

اگرچہ اس کا کچھ فائدہ نہیں تھا۔ اریبہ بے سدھ تھی۔

گاڑی گھر کے اندر آ چکی تھی۔

زبیر نے تیزی سے باہر نکل کر گھر کا بیرونی گیٹ بند کر دیا۔

اور عاصمہ کو یوں لگا۔ اس پر باہر جانے کا ہر راستہ بند ہو گیا ہے۔ وہ جیسے پتھرا سی گئی۔

"آ جائیں۔۔۔ اریبہ کو یہیں رہنے دیں۔ ہم ذرا سی دیر میں گھر دیکھ کر واپس چلتے ہیں۔ یہ کافی گہری نیند سو رہی ہے۔" زبیر دروازہ کھولے اس سے کہہ رہا تھا۔

"میں اب گھر نہیں دیکھنا چاہتی۔" اس نے لہجے کو مضبوط کرنا چاہا۔ "کیونکہ مجھے یہ گھر نہیں لینا۔ آپ پلیز مجھے واپس لے چلیں۔ آپ کی بہت مہربانی ہوگی۔" اس نے اگلی سیٹ کی پشت کو بہت مضبوطی سے یوں تھام لیا جیسے اس سے بڑا اور مضبوط سہارا اور کوئی بھی نہیں۔

"دو منٹ لگیں گے بھابھی! اب اتنی دور آئے ہیں تو بس ایک نظر دیکھ لیں۔۔۔ چاہے نہ خریدیں۔۔۔ اور میرا بھی یہی خیال ہے کہ چھوٹے بچوں کے ساتھ اتنی دور گھر لینا مناسب نہیں ہوگا۔" اس کے لہجے میں کہیں جھول نہیں تھا۔

"تو پھر واپس چلتے ہیں۔ کیا ضرورت ہے دیکھنے کی؟" وہ اور رکھائی سے بولی۔ "آپ پلیز! واپس چلیں۔"

"آ جائیں نا! میں کہہ رہا ہوں آپ سے 'دو منٹ' لگیں گے بس۔ ہو سکتا ہے گھر واقعی آپ کو پسند آ جائے۔ آپ یوں ہی ضد لگا کر بیٹھی رہیں گی تو ہم لیٹ ہوتے رہیں گے۔ بہتر ہے مزید ٹائم ضائع نہ کریں۔ مجھے ایک ضروری کام سے بھی جانا ہے۔ آپ کی وجہ سے پہلے ہی خاصا لیٹ ہو چکا ہوں میں۔" اس نے لہجے میں سارے احسانوں کو جتانے والا انداز سمویا تو عاصمہ جیسے ٹھٹک کر رہ گئی۔

"آئندہ زندگی بھر کے لیے سبق ملا ہے۔ کبھی ایسا رسک نہیں لینا۔ یوں اکیلے کسی غیر آدمی کے ساتھ نہ نکلنا چاہے کتنا ہی ضروری کام کیوں نہ ہو۔۔۔ کبھی نہیں۔" وہ خود کو ڈپٹتی 'جھڑکتی بظاہر محتاط سی گھر کے اندر داخل ہوئی۔ پہلا کمرا شاید لاؤنج تھا۔ خوب صورت ٹائلوں اور لکڑی کے کام سے مزین۔ مگر اس لمحے عاصمہ کے دل کو کچھ بھی نہیں بھا رہا تھا۔ اپنے گھر کی خواہش جیسے کہیں مر سی گئی تھی۔

"کیسا ہے؟" وہ اس کے قریب پہنچا تھا۔

اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتی' ایک دم سے کمرے میں۔۔۔ بلکہ سب طرف اندھیرا ہو گیا۔ دروازہ ایک زوردار دھماکے کے ساتھ بند ہو گیا۔

روشنی کا آخری راستہ بھی۔

عاصمہ کے منہ سے ایک زوردار چیخ نکلی۔

لیکن ایک مضبوط ہاتھ نے اس کی آدھی چیخ کا گلا وہیں گھونٹ دیا۔ وہ ایک بہت مضبوط گرفت میں آ چکی تھی۔ مچھلی کی طرح تڑپتے ہوئے اس نے خود کو اس گرفت سے چھڑانے کی کوشش کی۔ مگر۔۔۔ اتنے اندھیرے میں' اس ویرانے میں اکیلے پن کا اور اپنی عزت کے لٹ جانے کا بھیانک احساس پورا زور لگا کر بھی وہ اسے ایک انچ پرے نہ دھکیل سکی۔ اس کی آنکھیں گہری تاریکی میں روشنی تلاشتے جیسے پھٹ سی گئیں۔ وہ کسی بے جان شے کی طرح دیوار کے ساتھ زمین پہ گرتی چلی گئی اور شیطان کا کام آسان ہو گیا۔

آخری خیال جو اس کے دماغ میں آیا تھا کہ اریبہ گاڑی میں ہے اور اس کے بچے پرائے گھر میں اکیلے۔۔۔ اس کے مرنے کے بعد ان چاروں کا کیا بنے گا۔

اسے لگا موت بالکل اس کے پہلو میں اس کے ساتھ جڑ کر بیٹھ گئی ہے اور اس گھور اندھیرے میں اسے دعوت دینے لگی ہے۔

"تم بھی تو اتنے دن عفان کے بغیر جی لیں۔۔۔ بچے بھی کسی نہ کسی طرح جی لیں گے۔ تم بس اب کچھ نہیں سوچو۔ صرف میرے بارے میں سوچو۔ اپنی موت کے بارے میں۔"

اس کا ذہن تاریکی میں ڈوب گیا۔

☼ ☼ ☼

وہ اندھیرے میں اکیلی بیٹھی تھی۔ باہر خنک ہوا چل رہی تھی۔

سردی تو یوں بھی کچھ دنوں سے بہت بڑھ گئی تھی اور اس بار بھی اسے موسم کے بدل جانے کا احساس بہت دنوں بعد ہوا تھا۔

جب یہ سرد ہوا اس کے جسم کو کاٹنے لگی تھی۔

اس کے جسم پر کاٹن کا گھسا ہوا پنک کلر کا سوٹ تھا۔ بہت سوچنے پر بھی اسے یاد نہیں آیا تھا کہ یہ سوٹ کس نے مسترد کیا تھا اور اسے دے دیا گیا تھا۔ اسے یہ تب یاد رہتا' جب یہ اس کے ساتھ پہلی بار ہوتا۔ اتنے سالوں میں ہمیشہ ایسے ہی تو ہوتا آیا تھا کہ اسے مسترد کی ہوئی چیزیں بڑا احسان جتلا کر دے دی جاتی تھیں۔ کئی بار تو دوسروں کی اترن بھی۔

موسم ایک بار پھر اسے دھوکا دے گیا تھا۔ وہ اپنے کپڑوں میں گرم کپڑے۔۔۔ اگر اس کے پاس کچھ تھے تو وہ ساتھ رکھنا بھول گئی تھی اور اب اس کاٹن کے گھسے ہوئے سوٹ میں اس کے دانت بجنے لگے تھے۔ اسے معلوم تھا کہ آسمان جو لمحہ بہ لمحہ تاریک ہوتا چلا جا رہا ہے۔ آج صبح ہونے سے پہلے ضرور برسے گا اور وہ سردی کتنی تکلیف دہ ہوگی۔

کتنے دنوں تک تو کسی کو نظر ہی نہیں آئے گا کہ اس کے جسم پر کوئی گرم کپڑا نہیں ہے اور جب نظر آئے گا تو بھی بہت سے دن نظریں چرانے میں گزر جائیں گے اور پھر وہی سولہ تاریخ آ جائے گی۔

ایک اور منحوس سولہ تاریخ۔

وہ ایک دم سے اٹھی اور بھاگتی ہوئی کھلے گیٹ سے باہر نکل گئی۔ سمت کا تعین کیے بغیر اندھادھند' وہ اندھیرے میں بھاگتی چلی جا رہی تھی۔

وہ جانتی تھی کہ ایک لڑکی کا یوں اندھیرے میں' رات کے اس حصے میں اکیلے بھاگنا اور بھاگتے چلے جانا کیسا ہے۔ مگر اس وقت وہ کچھ نہیں سوچ رہی تھی۔ صرف بھاگ رہی تھی۔

بھاگتے بھاگتے اس کے قدم بے اختیار رک گئے۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر اسے دیکھنے لگی۔

☼ ☼ ☼
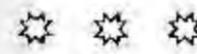
اس کا جسم زخمی نہیں تھا۔ لیکن جیسے جوڑ جوڑ میں درد' تکلیف اور اذیت کی شدت اتر آئی تھی۔

نہ جانے کتنے گھنٹے' کتنے منٹ' لمحے یا شاید پوری رات گزر چکی تھی۔ اسے یوں اکڑی ہوئی دیوار کے ساتھ اکڑ کر بیٹھے۔

باہر گہرا سناٹا اور گمبیر خاموشی تھی کہ دور کہیں کتا زور سے بھونکا اور اس کے ذرا دیر بعد کوئی گیدڑ بری طرح سے رویا تھا۔ اس کے رونے کی آوازیں تھیں جیسے کوئی نوحہ کر رہا ہو۔

بے اختیار اس نے اپنے کندھے کو چھوا۔ جہاں سے قمیص نیچے تک پھٹ چکی تھی اور دکھن کا احساس۔۔۔ اس کے منہ سے بے اختیار کراہ نکلی۔

"میرا دوپٹا۔۔۔ چادر۔۔۔ کہاں ہے؟" اس نے گھٹاٹوپ اندھیرے میں آنکھیں پھاڑ کر دیکھنے کی کوشش کی۔ کہیں کچھ نہیں تھا۔ سردی سے اس کا پورا دکھتا ہوا بدن اکڑا ہوا تھا۔ نم ماربل کے فرش سے خنکی پھوٹ رہی تھی۔

"اریبہ۔ اریبہ!" ایک دم سے اس کے ذہن میں کوندا سا لپکا۔

"اریبہ۔۔۔ میری بچی۔۔۔ کہیں وہ اسے تو ساتھ نہیں لے گیا۔۔۔ نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ میں مرجاؤں گی۔۔۔ میری گڑیا۔" وہ دیوانہ وار اٹھی اور زور سے کسی چیز سے الجھ کر گر گئی تھی۔ اس کے ماتھے پر بری طرح سے چوٹ لگی۔ اس کی چادر اس کے پیروں میں الجھی تھی۔ وہ چادر یوں ہی ہاتھوں میں پکڑے اندازے سے دروازے کی طرف بڑھی۔

وہ بند کھڑکی تھی۔ وہ دیواروں کو ٹٹولتے ہوئے آنکھیں پھاڑے اندھیرے میں دروازہ ڈھونڈ رہی تھی۔

اس کا ہاتھ دروازے کے ہینڈل پر پڑا۔ اس نے زور زور سے اسے گھمایا۔ دروازہ کھل گیا۔

یخ ہوا کا جھونکا دروازہ کھلتے ہی اندر آیا تھا۔ باہر دھیمی دھیمی روشنی تھی جو کہیں دور سے آرہی تھی۔

گیٹ کے پاس جو گاڑی کھڑی کرنے کی جگہ تھی جہاں اس شیطان نے گاڑی کھڑی کی تھی وہ خالی تھی۔

وہ دھک سے کھڑی دیکھتی رہ گئی۔

"میری اریبہ۔۔۔ میری بچی۔" وہ سینے پر ہاتھ رکھے اس خالی جگہ کو یک ٹک دیکھے جارہی تھی۔

"اریبہ۔ اریبہ!" اس کے منہ سے چیخوں کے ساتھ نکلا اور وہ پاگلوں کی طرح بند گیٹ کی طرف بڑھی اور دوسری بار ٹھوکر کھا کر گر گئی۔

دروازے کے آگے پلو کے پاس اریبہ اوندھی فرش پر پڑی تھی۔ وہ دھک سے رہ گئی اور اس کے پاس وہیں فرش پہ بیٹھ گئی۔

ڈرتے ڈرتے بچی کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اس کی دھڑکن کو محسوس کرنے لگی۔ بہت خفیف سی دھڑکن چل رہی تھی۔ وہ ابھی تک بے سدھ تھی یا بے ہوش۔ جانے اس نے کیسا نشہ آور چاکلیٹ اسے کھلایا تھا۔

اس نے بے اختیار اریبہ کو اٹھا کر اپنی چھاتی کے ساتھ بھینچ لیا۔ جیسے کوئی برف کی اکڑی ہوئی سل اس نے سینے سے لگالی ہو۔

اریبہ کا لمحہ بہ لحمہ سرد پڑتا وجود اسے ہراساں کیے دے رہا تھا۔ "مگر یہاں سے کونیں پتا نہیں ملتی بھی ہے یا نہیں یا کتنی دور۔۔۔ تو کیا میں اس طرح ننگے پاؤں جاؤں گی؟" وہ متذبذب کھڑی تھی۔

دور کہیں وہی گیدڑ پھر رو رہا تھا۔ عاصمہ کا دل جیسے بیٹھ سا گیا۔ اس نے گیٹ کھولنے کے لیے ہاتھ بڑھا دیا۔

☼ ☼ ☼

تھکاوٹ اس کی رگ رگ میں دوڑ رہی تھی کہ اب اس سے ایک قدم بھی اٹھانا محال ہو رہا تھا۔ بس دل چاہ رہا تھا۔ یہیں سڑک پر آلتی پالتی مار کر بیٹھ جائے۔ کسی پتھر سے کمر ٹکا کر ہمیشہ کے لیے گہری نیند سو جائے۔

"یا اللہ تو نے آدم کی زندگی کو اتنا مشکل کیوں بنایا؟" شکوہ کرنا اس کی عادت نہیں تھا۔ مگر آج جیسے اس کا دل بھر سا آیا تھا۔

دن بھر کی لاحاصل جدوجہد۔۔۔ سینے سے لگا بے کار کاغذوں کا پلندہ۔۔۔ یہ ذرا سا بوجھ اسے اٹھا کر چلنا محال ہو رہا تھا۔

بس جی یہ ہی چاہ رہا تھا کہ ان کاغذوں کو کسی بھی گندے نالے میں پھینک دے یا جلا ڈالے۔

اسے پتا تھا، ابھی تو وہ یہ تھکن اکیلا ہی جھیل رہا ہے۔ جب گھر پہنچے گا تو اس کی منتظر آنکھوں میں بھی تھکن اتر جائے گی۔ وہ منتظر آنکھیں بن کہے اس کے دل کا سارا احوال پڑھ لیں گی۔

"آخر ایسا کب تک ہوتا رہے گا۔۔۔ کب تک؟"

قدم جیسے من من بھر کے ہو رہے تھے۔ چلنا محال اور رکنا اس سے بھی مشکل۔

گردسے اٹے جوتوں کو دیکھتے وہ بے اختیار کسی سے ٹکرایا اور لحمہ بھر کو لڑکھڑا کر رہ گیا۔

وہ بھی کسی خوف زدہ ہرن کی طرح آنکھیں پھاڑے اس کی بانہوں کے سہارے سنبھلی اس کے سینے سے لگی کھڑی تھی۔

اور وہ تو جیسے حیرت اور خوشی سے پتھر کا ہو کر رہ گیا تھا۔

اس قابل نفرت تھکے ہوئے دن کے اختتام پر ایسی انوکھی خوشی اسے مل سکتی ہے۔ یہ تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا۔

اس کے خواب یوں مجسم ہو کر اس کے اتنے قریب بھی آسکتے ہیں۔ وہ اسے محض ایک خیال ایک خواب ہی تو سمجھتا تھا۔ مگر۔۔۔ اس کے ریشمی بال ہوا سے سرسراتے اس کے گالوں کو چھونے لگے تھے۔ اس کی آنکھیں جیسے مخمور ہونے لگیں۔

دوسرے لمحے اسے زور کا جھٹکا لگا۔

وہ تیزی سے اسے پرے دھکا دے کر جس اندھیری سمیت سے آئی تھی اسی میں کہیں گم ہو کر اندھیرے کا حصہ بن گئی۔

اور وہ تو جیسے وہاں سے ہلنا بھی بھول گیا کہ بت کی طرح ساکت، بے حس کھڑا تھا۔ ہلکی ہلکی سی اس کے بدن اور لباس کی باس ابھی تک اس کے کہیں آس پاس ہی تو تھی۔

اس نے آنکھیں بند کر کے اپنے ہاتھوں کو آنکھوں سے چھوا۔ اس کے ہاتھوں میں اس کا ایک ریشمی سیاہ بال رہ گیا تھا۔ اسے لگا جیسے اسے ساری دنیا کے خزانے مل گئے ہوں۔ اس بال کو دیکھتے ہوئے سرشار سا وہ کہیں اور ہی پرواز کر رہا تھا۔ اس کی تھکن ان چند خواب آگیں لمحوں نے چھین لی تھی۔

☼ ☼ ☼

ایسا تو اس کے ساتھ زندگی میں کبھی بھی نہیں ہوا تھا کہ وہ راستہ بھول جائے۔ ایسا نادان بھی نہیں تھا، بے عقل بھی نہیں اور بھلکڑ تو بالکل بھی نہیں۔ اس کے حافظے کا تو یہ حال تھا کہ جس سڑک، گلی سے ایک بار گزر جاتا، دوبارہ اسے کبھی نہیں بھولتی تھی۔

اور آج عدیل اس سوسائٹی میں داخل ہوتے ہوئے جانے کیسے یہاں سے باہر نکلنے کا واپسی کا راستہ بھول گیا اور اس پر مستزاد کہ اس کے پاس سیل فون بھی نہیں تھا۔

کتنے راستے، سڑکیں، گلیاں بدلیں اور پھر سے انہیں رہ گزاروں پر آجاتا۔ جہاں سے کچھ دیر پہلے گزر کر گیا تھا۔ فیول انڈیکیٹر بھی خطرے کا نشان بنا ہوا تھا۔ مگر رستہ۔۔۔ وہ اب تھک بھی چکا تھا اور ذہنی طور پر کوفت کا شکار بھی۔ اس کی گاڑی کے آگے سیاہ چادر میں لپٹا کوئی خوب ابھرا ہوا وجود آن کھڑا ہوا۔ اگر وہ جمائی لیتے ہوئے بے اختیار چونک کر بریک نہ لگاتا تو شاید اب تک وہ اس وجود کو کچل بھی چکا ہوتا۔ اس نے سخت غصہ میں بریک لگائے۔

وہ کوئی عورت تھی۔ جس نے آدھے سے زیادہ جسم اپنی بڑی سی سیاہ چادر میں چھپا رکھا تھا۔ اس نے گود میں کوئی بچہ اٹھا رکھا تھا شاید۔

رات کے اس پہر۔۔۔ گیارہ بج چکے تھے۔ یہاں اس ویرانے میں تو سمجھو رات کا تیسرا پہر لگا تھا۔ وہ ڈر سا گیا۔

"بی بی! کیا مرنے کا شوق چرالیا ہے؟ وہ بھی اس ویرانے میں؟" وہ بظاہر سخت لہجے میں بولا۔

وہ کسی بت کی طرح خاموش تھی۔ سیاہ چادر میں اس کی آنکھیں اور کھڑی ناک کا اندازہ ہو رہا تھا۔

"ہٹیں راستے سے۔ کہیں اور جا کر خودکشی کریں۔" وہ کچھ خائف سے لہجے میں کہہ کر گاڑی اسٹارٹ کر کے جانے لگا۔

عاصمہ نے خوف زدہ نظروں سے دور تک پھیلے گھنگھور اندھیرے، سردی اور اس ویرانے کو دیکھا۔ وہ رات بھر بھی چلتی رہتی تو بھی گھر تک نہ پہنچ پاتی۔ اتنا اندازہ تو اسے ہو ہی گیا تھا۔

"پلیز۔۔۔ پلیز۔۔۔ مجھے صرف۔۔۔ مین روڈ تک چھوڑ دیں۔ مم۔۔۔ میری بچی بیمار ہے۔ اسے ڈاکٹر۔۔۔ اسپتال لے کر جانا ہے اور کوئی کنوینس نہیں۔ مجبوراً "مجھے۔۔۔ پلیز۔" وہ بے اختیار اس کی طرف کی کھڑکی میں جھانک کر گڑگڑاتے ہوئے بولی۔

"تو آپ کے گھر والے کہاں ہیں۔ جو آپ یوں اکیلی اس ویرانے میں بچی کو ساتھ لے کر نکل پڑی ہیں۔" عدیل کا دماغ ابھی بھی ففٹی ففٹی تھا اس عورت کے بارے میں۔۔۔ اماں کہتی ہی ایسے ویرانوں میں راتوں کو چھل پیریاں نکلا کرتی ہیں اور اس نے کون سی چھل پیری دیکھ رکھی تھی۔ یقیناً "کچھ ایسی شکل و صورت اور حلیے کی ہوتی ہوگی۔

"سوری، میں خود لیٹ ہو چکا ہوں، آپ کوئی اور۔۔۔" وہ رسک نہیں لے سکتا۔ رکھائی سے کہہ کر گاڑی لے جانے لگا۔

"آپ کو خدا۔۔۔ خدا کا واسطہ۔۔۔ آپ کو اپنی ماں، بہن، بیوی اگر آپ کی کوئی بیٹی ہے تو اس کے صدقے پلیز۔ میں یہاں اکیلی ہوں، میرے شوہر کا کچھ دن پہلے انتقال ہوا ہے ورنہ۔۔۔" اس کے گلے میں پھندا سا پڑ گیا۔

"تو یہاں کیا کر رہی ہیں آپ؟" وہ جھنجلا کر بولا۔

"سمجھیں میری بدنصیبی مجھے یہاں گھیر کر لے آئی۔" اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے۔

"کیا مطلب۔۔۔ آپ یہاں کسی سے ملنے آئی تھیں؟" وہ اسے بغور دیکھ کر بولا۔ ہو سکتا ہے یہ عورت کسی گینگ کی رکن ہو اور اس کے ساتھی یہیں کہیں ویرانے میں۔۔۔ اس نے خوب ہوشیار نظروں سے ادھر ادھر دیکھا۔

فی الحال تو ان دونوں کے سوا وہاں اور کوئی ذی روح نہیں تھا۔

"میں آپ کو راستے میں ہی بتا دوں گی، میری بچی ٹھیک نہیں۔ اسے مجھے ڈاکٹر کو دکھانا ہے۔ پلیز۔۔۔ چلیں آپ مجھے مین روڈ پر اتار دیجیے گا۔ میں کوئی کنوینس لے لوں گی۔" وہ مجبوری اور بے چارگی کی انتہا پر تھی۔ ورنہ جانتی تھی۔ اس کا شولڈر بیگ جس میں چند سو روپے تھے۔ اسی منحوس گھر میں کہیں رہ گیا۔ وہ کنوینس کہاں لے سکتی تھی۔

عدیل نے لمحہ بھر کچھ سوچا اور پھر پچھلا دروازہ کھول دیا۔

وہ تیزی سے اریبہ کو گود میں سمیٹے گاڑی میں بیٹھ گئی۔

اور صد شکر کہ وہاں مکمل اندھیرا تھا۔ اگر وہ اس کو ننگے پاؤں دیکھ لیتا تو یقیناً "اسے کوئی چڑیل ہی سمجھتا۔

اس نے اپنے یخ بستہ اور جگہ جگہ کانٹوں، پتھروں سے زخمی پیروں کو گاڑی کی سیٹس پر جوڑ کر رکھ لیا۔

عدیل نے گاڑی چلا دی اور دل میں دعا مانگنے لگا کہ اب اسے صحیح راستہ مل جائے۔ اتنی دیر سے تو وہ ایکڑوں پھیلی سوسائٹی میں بھٹک رہا تھا۔ اب بھی اگر راستہ نہ مل سکا تو یہ عورت جانے کیا سمجھے گی۔

"آپ نے بتایا نہیں، آپ یہاں کیا کرنے آئی تھیں؟" وہ اپنی کمزوری کو چھپاتے ہوئے بیک ویو مرر میں عاصمہ کو دیکھتے ہوئے بولا، جو کونے میں دبکتے ہوئے خود کو سمیٹے جا رہی تھی۔ کچھ غیر معمولی ہی تھا اس کا یوں خود کو چھپانے میں۔ عدیل کو پہلی بار کچھ عجیب سا احساس ہوا۔

"بس یہاں کسی نے گھر کا بتایا تھا کہ سستا اور اچھا مل رہا ہے۔ میں اکیلی آئی تھی۔ واپسی پر رستہ بھول گئی۔" وہ نظریں جھکائے کانپتی آواز میں بے حد آہستگی سے بولی۔ اور عدیل ایک دم سے شاکڈ سا ہو گیا۔

بالکل سامنے مین روڈ کے سائن بورڈز چمک رہے تھے۔

اس نے خدا کا شکر ادا کرنے کے ساتھ دل میں اس عورت کا بھی شکریہ ادا کیا۔ شاید اس کی مدد کرنے کی وجہ سے اسے کھویا ہوا رستہ مل گیا تھا۔ وہ عورت اب بچی کے اوپر چہرہ جھکائے بے حس بیٹھی تھی۔

"آپ کی بچی کو کیا ہوا ہے؟" اسے خیال آیا تو پوچھ بیٹھا۔

"بہت گہری نیند میں ہے۔ میرے ہلانے پر بھی نہیں اٹھ رہی۔" وہ رندھے گلے سے بولی تو عدیل کو اندازہ ہوا وہ رو رہی تھی۔

عدیل الجھن بھری نظروں سے دیکھنے لگا کہ آخر اس عورت کے ساتھ کیا مسئلہ ہے۔

"یہاں قریب ہی میں ایک ڈاکٹر کا کلینک ہے۔ شاید کھلا ہو، اگر آپ کہتی ہیں تو پہلے یہیں چیک کرا لیتے ہیں بچی کو۔" وہ ہمدردی سے بولا۔ دل میں ہی احساس تشکر تھا کہ اس عورت کی وجہ سے ہی وہ اس سوسائٹی سے باہر تو نکل سکا۔

"نہیں شکریہ۔۔۔ میرے خیال میں یہ یوں ہی سو رہی ہے اور کوئی وجہ نہیں۔ گھر جا کر اٹھاؤں گی تو اٹھ جائے گی۔ آپ پلیز مجھے کسی اسٹاپ پر اتار دیں، آپ کی اتنی مدد کا بہت شکریہ۔"

سڑکوں پر اکادکا دوڑتی گاڑیوں اور لوگوں کو دیکھ کر اسے کچھ اطمینان سا ہوا تھا کہ وہ اب گھر پہنچ سکتی ہے۔

"کوئی بات نہیں، میں آپ کو آپ کے گھر ڈراپ کر دیتا ہوں۔ آپ مجھے ایڈریس سمجھا دیں۔" وہ مروت سے بولا۔

"آپ کو تکلیف ہوگی۔ میں یہاں سے کوئی رکشا لے لوں گی۔" وہ بار بار اپنے چہرے کو چھپا رہی تھی۔

"ایسا کچھ نہیں، اس وقت آپ کو معلوم نہیں کوئی رکشا وغیرہ ملتا ہے یا نہیں، میں آپ کو ڈراپ کر دوں گا۔" وہ اصرار سے بولا تو عاصمہ چپ کر گئی۔

وہ بار بار غیر ارادی طور پر اپنے کندھے کو چادر سے ڈھانپتے ہوئے چھو چھو کر دیکھتی تھی۔ عدیل اسے دیکھتے ہوئے کچھ سوچنے لگا۔ وہ راستے میں اسے ایڈریس سمجھاتی رہی۔

اس کے گھر کے آگے اس نے گاڑی روکی تو وہ اسی طرح بچی کو گود میں سمیٹتے ہوئے گاڑی سے اتر گئی۔

"آپ کا بہت شکریہ۔ آپ کا یہ احسان۔۔۔ میں اس کا بدلہ نہیں دے سکتی۔ اللہ آپ کو اس کا اجر دے گا۔ اللہ حافظ۔" کہہ کر وہ عدیل کی طرف دیکھے بغیر چھوٹے سے دروازے کے پہلو میں لگی ڈور بیل دبا کر منہ دروازے کی طرف کر کے ہی کھڑی رہی۔

عدیل دروازہ کھلنے کے انتظار میں کھڑا رہا اور گاڑی ریورس کرتے ہوئے وہ بے اختیار چونک کر رہ گیا۔

وہ عورت ننگے پاؤں تھی۔ اس کی قمیص کا پچھلا دامن ایک طرف سے پھٹ کر نیچے لٹک رہا تھا۔

وہ کھڑا دیکھتا رہ گیا۔

دروازہ کھل گیا تھا۔ ایک بارہ، تیرہ سال کا لڑکا دروازے میں کھڑا تھا۔ دوسرے لمحے وہ اس عورت سے چمٹ گیا اور وہ اسے ساتھ لگائے اندر دھکیلتے ہوئے گیٹ بند کر کے اندر چلی گئی۔

عدیل کتنی دیر وہیں کھڑا رہا۔

"یقیناً "اس عورت کے ساتھ کوئی بہت ناخوشگوار واقعہ ہوا ہے۔ بہت برا اور بدترین۔"

وہ چاہتے ہوئے بھی وہ کچھ نہیں سوچنا چاہتا تھا جو اس کا دل اسے سمجھا رہا تھا۔

وہ سوسائٹی کتنی ویران ہے اور رات کے اس پہر ایں عورت کا یوں اکیلے ' ننگے پاؤں' پھٹے کپڑوں کے ساتھ۔ میرے خدایا۔۔۔ بے چاری دیکھنے میں اچھے گھر کی لگتی تھی اور وہ کہہ رہی تھی کہ اس کے شوہر کا انتقال ہو چکا ہے۔ وہاں کوئی گھر دیکھنے گئی تھی۔ یقیناً" کسی نے گھر کا جھانسا دے کر اس غریب کو لوٹ لیا ہے۔ لمحہ بھر میں پوری کہانی اس کی سمجھ میں آگئی تھی۔

مگر پھر بھی وہ یہ سب کچھ سوچنا نہیں چاہتا تھا۔ اسے بالکل اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ جانے کس درندے نے اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھایا ہوگا۔ خدا اسے غارت کرے۔ وہ افسردہ سا گاڑی تیز رفتاری سے لے گیا۔

☼ ☼ ☼

"مما پلیز۔۔۔ نکل بھی آئیں اتنی شدید سردی میں آپ کیوں نہانے جا رہی ہیں۔ آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔ بیمار ہو جائیں گی آپ۔" واثق وقفے وقفے سے باتھ روم کے دروازے پر آکر پریشان آواز میں ماں کو پکارے جا رہا تھا اور عاصمہ جیسے کچھ بھی نہیں سن رہی تھی۔

وہ یخ پانی کے شاور کے نیچے کپڑوں سمیت بھیگتے ہوئے منہ کے آگے ہاتھ رکھے اپنی چیخوں کو روکتے ہوئے روئے جا رہی تھی۔

ایک ہی کریہہ منظر بار بار اس کی نظروں کے سامنے آئے جا رہا تھا اور زور زور سے اپنا چہرہ' ہاتھ' بازو رگڑنے لگتی اور پھر جیسے بے بس سی ہو کر اور بھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتی۔

اس کی بیوگی کو عدت میں ہی داغ لگ گیا تھا اور یہ سب کچھ اس کی نادانی کی وجہ سے ہوا تھا۔ وہ خود کو کبھی معاف نہیں کر سکتی۔ اگر اس کے بچوں کو پتا چل جائے۔ اگر غلیظ انسان اسے بلیک میل کرنے لگے تو اس کے پاس کیا بچے گا۔

خود کو چھپانے' اوڑھنے کے لیے بیوگی کی چادر بھی نہیں۔ ابھی تو اس کے شوہر کا کفن بھی میلا نہیں ہوا تھا کہ اس نے اس کی ناموس کو کیچڑ میں ملا دیا۔ گھر کی ہوس میں اس نے عدت کے دوران گھر کی دہلیز سے نکلتے ہوئے کچھ بھی نہیں سوچا۔۔۔ کچھ بھی نہیں۔

وہ خود کو معاف نہیں کر سکتی۔ اسے اس گندے وجود کے ساتھ زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں۔ اس پر صاف ستھری زندگی کے دروازے بند ہو چکے تھے۔ اسے مر جانا چاہیے۔۔۔ مر جانا چاہیے۔

وہ ٹھنڈے گیلے فرش پر شاور کے نیچے بیٹھ گئی اور خود کو ختم کرنے کے طریقے سوچنے لگی۔

☼ ☼ ☼

عدیل شاکڈ سا اسپتال کے سفید بستر پر بہت سی مشینوں اور نالیوں کے ساتھ جکڑی ماں کو دیکھتا جا رہا تھا۔

فوزیہ کی طلاق اس کے لیے دوسرا بڑا دھچکا تھا مگر ماں کی یہ حالت جس کی وجہ سے ہوئی کاش وہ اتنا مہذب' اتنا سلجھا ہوا' پڑھا لکھا تحمل برداشت والا بزدل انسان نہ ہوتا تو ابھی جا کر اس ظہیر اور اس کی دکان دار ماں کے سینے میں پستول کی ساری گولیاں اتار دیتا۔

لوگ اتنے بے رحم بھی ہو سکتے ہیں' اسے آج سے پہلے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا۔

لیکن نہیں ایک بے رحمی کا بہت بھیانک منظر تو ابھی وہ دیکھ کر آ رہا تھا۔ جو ظلم اس عورت کے ساتھ ہوا وہ بھی تو کم نہیں تھا اور جو عدیل کی ماں' بہن کے ساتھ ہوا۔

اس نے بشریٰ کو گھر بھیج دیا تھا مگر خود اسے چین نہیں آیا تھا۔ فوزیہ کی حالت بھی اچھی نہیں تھی۔ ڈاکٹر نے

اسے نیند آور انجکشن لگایا تھا مگر جب وہ جاگے گی... اسے سنبھلنے میں اپنا قصور سمجھنے میں کتنے دن لگیں گے۔
”اور امی کو میں کیسے سنبھالوں گا۔ میری ساری کوششیں بے کار گئیں۔“ وہ تھکا ہوا وہیں آنکھیں موند کر بیٹھ گیا۔

اگلے روز وہ تیز بخار میں پھنک رہی تھی۔
چاروں بچے اس کے ارد گرد پریشان صورتیں لیے بیٹھے تھے اور وہ ان کی موجودگی کے خیال سے آنکھوں پر بازو رکھے بدن کی ٹیسوں کو دبائے ہوئے تھی۔
وہ آج انہیں اسکول بھی نہیں بھیج سکی تھی۔ اریبہ صبح اٹھی تو بہت ست اور نڈھال سی تھی۔ اسے ہلکا ہلکا ٹمپریچر بھی تھا۔ وہ تو خود سے بھی نظریں نہیں ملا رہی تھی۔

”نہیں... اسے اب زندہ نہیں رہنا۔ باپ کے بغیر بھی تو یہ رہ رہے ہیں نا میرے بغیر بھی رہ لیں گے۔“ وہ دل میں پکا ارادہ کر رہی تھی۔
”مما! وردہ روئے جا رہی ہے۔ اس نے فیڈر بھی نہیں پیا۔ کچھ کھایا بھی نہیں۔ بتائیں میں اسے کیسے چپ کرواؤں۔“ واثق روتی وردہ کو خاموش کرانے کی کوشش میں ہلکان ہو رہا تھا۔ عاجز سا آ کر بولا۔
”اسے دوسرے کمرے میں لے جا کر سلا دو‘ وہاں نیند کا سیرپ پڑا ہے‘ وہ ایک چمچ دے دو اسے‘ سو جائے گی۔“ وہ اسی طرح آنکھوں پر ہاتھ رکھے سرد و بے نیاز لہجے میں بولی۔
”مما! یہ صبح سے بھوکی ہے۔ نیند کے سیرپ سے اس کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔“ واثق پریشانی سے بولا۔
”مر تو نہیں جائے گی نا... یا تم مر جاؤ گے اس کو سنبھالتے ہوئے۔ نہیں سنبھلتی تو مجھے کہیں سے زہر لا دو‘ میں کھا کر سو رہوں۔ خود تو اپنی جان چھڑا کر قبر میں جا سوئے‘ سب مصیبتیں میرے لیے چھوڑ گئے۔ سیکھو اکیلا رہنا میرے بغیر بھی... میں بھی ہمیشہ تم لوگوں کا ساتھ نہیں رہوں گی۔“ وہ پتا نہیں کیسے اپنا ضبط کھو بیٹھی اور غصے میں بھری بولتی چلی گئی۔
”اگر مما واقعی ہمیں چھوڑ کر چلی گئیں تو میں ان تینوں کو اور خود کو کیسے سنبھالوں گا۔“ واثق ایک دم سے ڈر سا گیا۔
”مما! میں ڈاکٹر کو بلا کر لے آؤں۔ آپ کی طبیعت اچھی نہیں۔ وہ چیک کر لے گا۔“ وہ ڈرے ہوئے انداز میں بولا۔
”خراب بھی ہو جائے گی تو بھی اتنی جلدی مرنے والی نہیں۔ بہت سخت جاں ہوں میں... بے فکر ہو جاؤ۔ موت مجھ پر مہربان نہیں ہو گی۔“ وہ سخت اذیت پسند ہو رہی تھی۔
”اور خدا کے لیے اس وردہ کو لے جاؤ یہاں سے ورنہ میرا دماغ پھٹ جائے گا۔“ وردہ کے مسلسل رونے پر وہ زور سے بولی تو واثق اور اریشہ جلدی سے وردہ کو لے کر باہر نکل گئے۔
اریبہ سہمی ہوئی نظروں سے ماں کو دیکھنے لگی۔ عاصمہ نے پھر آنکھوں پر بازو رکھ لیا۔
اگر اریبہ ہوش میں ہوتی اور سب کچھ دیکھا ہوتا اس نے تو شاید میرے لیے مرنے کا فیصلہ کرنا اور بھی آسان ہو جاتا۔
”کیا کروں‘ کیسے مروں؟ ان چاروں کو کس کے حوالے کر کے جاؤں۔“ گرم گرم آنسو اس کی آنکھوں سے پھسلنے لگے۔
وردہ کے رونے کی آواز بند ہو گئی تھی۔ شاید واثق اسے باہر لے گیا تھا۔ وہ صبح سے بھوکی تھی۔ رو کر احتجاج کر رہی تھی اور یہ تینوں بھی تو بھوکے ہیں۔ تھوڑے سمجھ دار ہیں۔ اس لیے وردہ کی طرح رو نہیں رہے۔
”میرے اللہ میں کیا کروں۔“
اس کے آنسو اور بھی شدت سے بہنے لگے۔

☆ ☆ ☆

”بے شک میری بیٹی کی قسمت میں یہی لکھا تھا کہ وہ گھر بیٹھے طلاق کا داغ ماتھے پر لگا لے لیکن میں سمجھتی ہوں اس میں ہمارے شریکوں کا بھی بڑا ہاتھ ہے۔“ نسیم بیگم ابھی مکمل طور پر روبہ صحت نہیں ہوئی تھیں۔ ذکیہ‘ بشریٰ‘ عمران‘ عدیل‘ ان کے پاس ہی اسپتال میں بیٹھے تھے جب تکیوں سے ٹیک لگائے ہوئے وہ نقاہت زدہ لہجے میں بولے۔
”پلیز امی! بھول جائیں۔ وہ لوگ میری بہن کے لائق ہی نہیں تھے۔ وہ تو اس قابل بھی نہیں کہ ان کا ذکر بھی کیا جائے۔“ عدیل نے ماں کو سمجھانا چاہا۔
”تم بھول سکتے ہو۔ فوزیہ تمہارے جگر کا ٹکڑا نہیں۔ میں نہیں بھول سکتی‘ نہ معاف کر سکتی ہوں۔ جن کی وجہ سے میری معصوم بے گناہ بچی کو یہ کالا دن دیکھنا پڑا۔“ نسیم بیگم کے لہجے میں پہلے والی سختی در آئی تھی۔
”امی! ڈاکٹر نے آپ کو بہت بولنے اور ٹینشن لینے سے منع کیا ہے پلیز! ابھی کچھ نہیں سوچیں۔“ بشریٰ نرمی سے ان کے بال سہلا کر بولی۔
”ہاں تم تو یہ کہو گی تمہارا زیور سمجھو واپس آ گیا۔ دو چار ہفتوں میں ہی یہ عدیل تمہیں نیا زیور بنا دے گا۔ سب کے نقصان پورے ہو جائیں گے بس ایک میری فوزیہ کا نقصان۔“ وہ رندھے گلے سے بولیں۔
”امی پلیز...“ عدیل نے ماں کو دلاسا دینا چاہا۔
”مگر میں ان لوگوں کو معاف نہیں کروں گی جن کی وجہ سے میری بچی پر یہ داغ لگا۔“ وہ سیدھا ذکیہ اور عمران کی طرف دیکھتے ہوئے بے لچک لہجے میں بولیں۔
”بہن! کیوں پریشان ہو رہی ہیں۔ اللہ نے اس میں بھی فوزیہ بیٹی کے لیے کوئی بہتری رکھی ہو گی۔“ اب ذکیہ کو کچھ تو بولنا تھا۔
”طلاق میں بہتری...“ وہ جیسے تمسخر سے بولیں۔ ”پھر تو خدانخواستہ تمہاری بیٹی کو طلاق ہو جائے تو اس میں بھی اللہ کی کوئی بہتری ہو گی کیوں اب کیا کہو گی۔“
اور ذکیہ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اتنا سیدھا وار کریں گی‘ وہ سرخ چہرے کے ساتھ سمدھن کو دیکھ کر رہ گئیں۔
عدیل اور بشریٰ نے بھی ناگواری سے ان کی طرف دیکھا۔
عاصمہ پتھرائی ہوئی نظروں سے سامنے بیٹھی حمیدہ کو دیکھتی رہ گئی۔
”ہم تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے عاصمہ کہ تم ایسی نکلو گی۔ اور تم خدانخواستہ اس دنیا میں پہلی بیوہ تو نہیں ہوئی ہو یہ قیامت تو ہر چوتھے پانچویں گھر میں ٹوٹتی ہے جوان کل کی بیاہی شوہروں کے کفن کی لاج سمیٹے عمریں گزار دیتی ہیں اور تم نے چند دنوں میں ان عزت دار شریف لوگوں کی عزت کی کیسی دھجیاں اڑا دیں کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم ایسا گندہ دھندہ کرنے لگو گی۔ ایک کی گاڑی میں جاؤ گی‘ دوسرے کی گاڑی میں آدھی رات کے بعد واپس آؤ گی۔“ وہ پتھر کا بت بنی دیکھتی رہ گئی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

رُخسانہ نگار عدنان

عدیل اور فوزیہ نسیم بیگم کے بچے ہیں۔ بشریٰ ان کی بہو ہے اور ذکیہ بیگم کی بیٹی عمران بشریٰ کا بھائی ہے۔ مثال ذکیہ بیگم کی نواسی اور نسیم بیگم کی پوتی ہے۔ بشریٰ اور نسیم بیگم میں روایتی ساس بہو کا تعلق ہے۔ نسیم بیگم مصلحتاً "بیٹا بہو سے لگاوٹ دکھاتی ہیں۔ دوسری طرف ذکیہ بیگم کا کہنا ہے۔ ان کی بیٹی بشریٰ کو سسرال میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ ذکیہ بیگم اپنے بیٹے عمران کے لیے بھی لڑکیاں دیکھ رہی ہیں۔ پانچ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد بشریٰ کی نند فوزیہ کا بالآخر ایک جگہ رشتہ طے پا جاتا ہے۔ نکاح والے روز بشریٰ دولہا ظہیر کو دیکھ کر چونک جاتی ہے۔

عدیل سے شادی سے قبل ظہیر کا بشریٰ کے لیے بھی رشتہ آیا تھا مگر بات نہ بن سکی تھی۔ نکاح والے دن زاہدہ اور ذکیہ بیگم بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔ بشریٰ اپنی ماں سے یہ بات چھپانے کے لیے کہتی ہے مگر عدیل کو پتا چل جاتا ہے۔ وہ ناراض ہوتا ہے مگر فوزیہ اور نسیم بیگم کو بتانے سے منع کر دیتا ہے۔ بشریٰ اور عدیل ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جاتے ہیں۔ وہاں انہیں پتا چلتا ہے کہ بشریٰ کے ہاں سات سال بعد پھر خوش خبری ہے۔

عفان اور عاصمہ اپنے تین بچوں اور والد کے ساتھ کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔ عفان کے والد فاروق صاحب سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ گریجویٹی اور گاؤں کی زمین فروخت کرکے وہ اپنا گھر خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ڈیڑھ کروڑ میں زمین کا سودا کرکے وہ عفان کے ساتھ خوشی خوشی شہر آ رہے ہیں۔ عاصمہ کو فون کے ذریعے کوئی اطلاع ملتی ہے، جسے سن کر وہ بے ہوش ہو جاتی ہے۔

فون پر پتا چلتا ہے کہ شہر آتے ہوئے عفان اور فاروق صاحب ڈکیتی کی واردات میں قتل ہو گئے۔ عفان کے قریبی دوست زبیر کی مدد سے عاصمہ عفان کے آفس سے تین لاکھ روپے اور فاروق صاحب کی گریجویٹی سے سات لاکھ روپے وصول کر پاتی ہے۔ زبیر گھر خریدنے میں بھی عاصمہ کی مدد کر رہا ہے۔

اسلام آباد سے واپسی پر عدیل دونوں مقتولین کو دیکھتا ہے۔ زاہدہ، نسیم بیگم سے بیس لاکھ روپے سے مشروط فوزیہ کی رخصتی کی بات کرتی ہیں۔ وہ سب پریشان ہوجاتے ہیں۔ عدیل بشریٰ سے ذکیہ بیگم سے تین لاکھ روپے لانے کو کہتا ہے۔

حمیدہ خالہ، عاصمہ کو سمجھاتی ہیں کہ عدت میں زبیر کا اکیلے اس کے گھر آنا مناسب نہیں ہے۔ لوگ باتیں بنا رہے ہیں جبکہ عاصمہ مجبور ہے کہ گھر میں کوئی مرد نہیں اس کا بیٹا ابھی چھوٹا ہے اور سارے کام اس نے خود کرنے ہیں۔ وہ جلد از جلد اپنا گھر خریدنا چاہتی ہے۔ عاصمہ کے کہنے پر زبیر کسی مفتی سے فتویٰ لے کر آجاتا ہے کہ وہ انتہائی ضرورت کے پیش نظر گھر سے نکل سکتی ہے بشرطیکہ مغرب سے پہلے واپس گھر آجائے سو وہ عاصمہ کو مکان دکھانے لے جاتا ہے۔

وہاں اس کی نیت خراب ہوجاتی ہے۔ زبیر اسی مکان میں عاصمہ اور اس کی بے ہوش بیٹی اریبہ کو چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے۔ بہت دیر بعد لٹی پٹی عاصمہ، اریبہ کو اٹھائے باہر نکلتی ہے۔ وہیں اسے عدیل مل جاتا ہے۔ عدیل اچھے وقتوں میں لیے گئے پلاٹ کی فروخت کے سلسلے میں ادھر آتا ہے اور راستہ بھٹک جاتا ہے۔ عدیل ہمدردی میں عاصمہ کو اس کے گھر تک چھوڑنے جاتا ہے۔

بروقت مطلوبہ رقم نہ ملنے پر زاہدہ بیگم، فوزیہ کو طلاق بھجوا دیتی ہیں۔ نسیم بیگم کو ہارٹ اٹیک ہوجاتا ہے۔ حمیدہ خالہ، عاصمہ پر الزام لگادیتی ہیں کہ وہ شوہر کے مرنے کے بعد بے حیائی پر اتر آئی ہے۔

چھٹی قسط

”یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں حمیدہ خالہ!“ عاصمہ کے چہرے کا رنگ ایک دم سے فق ہوگیا۔ وہ بہت دیر بعد بول پائی تھی۔

”بی بی! میں خود سے جوڑ کر یہ کہانی نہیں کہہ رہی۔ سارا محلہ ہی باتیں کر رہا ہے۔ ٹھیک ہے میں جانتی ہوں تمہارا مالک مکان جانتا ہے یا دو چار اڑوس پڑوس کے گھر اور جانتے ہوں گے کہ تم جلد سے جلد اپنا گھر خرید کر اپنے لیے اور اپنے بچوں کے لیے کسی چھت کا بندوبست کرنا چاہتی ہو۔ لیکن سارا محلہ تو نہیں۔ تم کل شام میں اس زبیر کی گاڑی میں بیٹھ کر گئیں اور رات میں...... میں تو گہری نیند سو گئی تھی۔ کم بخت اس بار ڈاکٹر نصراللہ نے جو دوائی دی ہے مجھے معدے کی' اس میں نیند کی گولی بھی ڈال دی ہے اس نے۔ کھاتے ہی ہوش جاتے رہتے ہیں۔ مغرب کے بعد ہی سو گئی تھی۔ رات میں اچانک پیاس سے آنکھ کھلی تو پانی پینے باہر نکلی۔ اسی وقت تمہارے گھر کے آگے گاڑی رکنے کی آواز آئی۔ یہ ساتھ تو دیوار جڑی ہے۔ میں نے تو صرف یہی سوچ کر دروازہ کھول کر باہر جھانکا کہ پوچھوں' عاصمہ! گھر پسند آگیا۔ پر وہاں تو گاڑی چلانے والا کوئی اور ہی تھا۔ میرا تو دل دھک سے رہ گیا۔ اوپر سے وہ مالک مکان کی بیوی بھی دیکھ رہی تھی۔ سامنے والی فردوس اپنے بیمار بچے کو چپ کرانے کے لیے صحن میں ٹہلا رہی تھی۔ اب بتاؤ! کون کون چپ رہتا' میں اگر نہ بھی بولتی تو؟“ وہ نان اسٹاپ بولتے ہوئے بمشکل رکی تھیں۔

”زبیر بھائی کی گاڑی خراب ہوگئی تھی۔ زبیر جیسے شیطان کو بھائی بولتے ہوئے جیسے اس کی زبان حلق تک کڑوی ہوئی تھی' یہ صرف وہی جانتی تھی۔

انہوں نے فون کرکے اپنے کسی دوست کو بلوایا...... خود انہیں دیر ہوگئی تھی۔ پیچھے مین روڈ پر ہی اتر کر رکشہ لے کر چلے گئے تو وہ صرف مجھے گھر کے آگے......“ عاصمہ بولتے ہوئے بھی جانتی تھی کہ اس کی کہانی کتنی کمزور اور بودی ہے لیکن اسے کچھ تو کہنا تھا۔ حمیدہ خالہ اسے شک بھری نظروں سے دیکھتی رہیں۔

عاصمہ سے مزید کچھ بولا ہی نہیں گیا۔ وہ نظریں جھکا کر یونہی اپنے ناخن کھرچنے لگی۔

”بھئی! ہمارا کام تو تمہیں سمجھانا تھا۔ بلکہ سمجھو خبردار کرنا۔ خیر سے بچوں والی ہو۔ پھر اللہ بخشے تمہارے شوہر کے ساتھ تو ہمارا بہن بھائی والا رشتہ تھا۔ اسی کی لاج کھائے جاتی ہے۔ لوگ تمہاری طرف انگلیاں اٹھائیں گے تو کیا ہمیں خوشی ہوگی۔ دکھ سے رات سے سمجھو! میرا کلیجہ پھٹا جارہا ہے اور اوپر سے دن چڑھے پورے محلے میں چہ مگوئیاں۔ کوئی اور کہے تمہیں۔ میں نے سوچا خود ہی تمہیں جاکر نرم لفظوں میں سمجھاؤں۔ کہ کم از کم عدت کے دن گنتی کے ہوتے ہیں۔ وہ تو عورت پر اس کے مرے ہوئے مرد کا حق ہوتا ہے...... اور کچھ نہیں تو اس غریب کا یہ حق تو نبھادو۔ باقی پھر جو تمہارے حق میں آئے ہم کرنا۔ ہم کون ہوتے ہیں روکنے والے۔“

کہہ کر چادر ٹھیک کرکے بغیر سلام دعا کے چلی گئیں۔

عاصمہ کا جی چاہا' وہیں زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔ جہاں بیٹھی ہے' وہاں سے کبھی اٹھ ہی نہ سکے۔

یہ محلے کی وہ عورت تھی' جو جب بھی آتی' عاصمہ سے محبت و شفقت سے پیش آتی۔ جیسے عاصمہ کی ماں ہو۔ اس سے اپنے گھر کی' بہوؤں کی' بیٹیوں اور بیٹیوں کی ہر چھپانے والی اور نہ چھپانے والی بات کرجاتی اور آج اس کی نظروں میں جتنی حقارت اور ہلکا پن تھا عاصمہ کے لیے' وہ اس کے لیے ڈوب مرنے کو کافی تھا۔

پر کیا کیا جائے کہ ڈوب مرنا بھی تو آسان نہیں تھا۔ وہ تو سو بار مرنے کے طریقے سوچ چکی تھی۔ مگر پیروں میں پڑی چار زنجیریں۔

”مما! یہ حمیدہ آنٹی کو کیا مسئلہ تھا' جو اتنا اونچا اونچا آپ سے بولے جارہی تھیں اور کس طرح کی باتیں کررہی تھیں وہ۔ مجھے بالکل بھی اچھا نہیں لگا اور آپ پلیز! ان سے کہہ دیں' ہمارے گھر نہ آیا کریں۔ مجھے وہ بالکل اچھی نہیں لگتیں۔“ واثق معلوم نہیں کب سے ان کی گفتگو سن رہا تھا۔ حمیدہ خالہ کے جاتے ہی اس کے پاس آکر بولا۔

”تم کیوں چھپ کر باتیں سن رہے تھے۔ تمہیں یہ گندی عادت کہاں سے پڑ گئی؟“ وہ الٹا اس کو جھڑکنے لگی۔

واثق حیران نظروں سے ماں کو دیکھنے لگا۔

”مما! میں چھپ کر باتیں نہیں سن رہا تھا۔ وہ خود اتنا اونچا بول رہی تھیں۔ سب کو صاف سمجھ میں آرہا تھا۔ وہ اوپر والی آنٹی بھی کھڑکی میں کھڑی سن رہی تھیں۔ مجھے بالکل اچھا نہیں لگا۔“ پہلے وہ وضاحت دینے لگا۔ پھر اس نے بھی برملا اپنے جذبات کا اظہار کرڈالا۔

عاصمہ نے کن انکھیوں سے اوپر مالک مکان کے پورشن کی ادھ کھلی کھڑکی کی طرف دیکھا۔ اب وہاں کوئی موجود نہیں تھا۔ مگر کھڑکی کے کھلے ہونے کا مطلب تھا' کچھ دیر پہلے وہاں کوئی موجود تھا۔

انسان کبھی اتنا بھی مجبور ہوسکتا ہے' عاصمہ نے سوچا نہیں تھا۔ وہ دوبارہ سے واثق کو جھڑک نہیں سکی۔ یونہی بیٹھے بیٹھے خود کو اور بھی چادر میں چھپانے لگی۔

”مما! کل آپ کو وہ گھر پسند آگیا تھا' جو آپ زبیر انکل کے ساتھ دیکھنے گئی تھیں؟“ ماں کو خاموش دیکھ کر واثق کو وہ پوچھنے والی بات یاد آئی' جو وہ کل ماں کے آتے ہی پوچھنا چاہتا تھا۔ مگر عاصمہ کے عجیب و غریب رویے نے اسے کچھ پوچھنے ہی نہیں دیا تھا۔

وہ اسے خالی خالی نظروں سے دیکھ کر رہ گئی۔

”مما! آپ نے کوئی جواب نہیں دیا۔“ وہ ماں کا کندھا ہلا کر اصرار سے بولا۔ عاصمہ نے چونک کر اسے دیکھا۔

”نہیں۔“ بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔

”کیا نہیں...... آپ کو اچھا نہیں لگا وہ گھر؟“ وہ ناسمجھی سے بولا۔

”نہیں...... بالکل بھی اچھا نہیں تھا وہ گھر اور اب تم مجھ سے مزید کوئی سوال' جواب نہیں کروگے۔ جاکر اپنا ہوم

ورک کرواور دونوں بہنوں کو بھی کراؤ۔" وہ اب کے ذرا سخت لہجے میں بولی۔

"مگر مما! آج تو ہم اسکول ہی نہیں گئے۔ کل جو ہوم ورک ملا تھا' وہ ہم نے کل شام میں کر لیا تھا۔" واثق بولا۔

تو پڑھنے کو اور کچھ نہیں ہے؟ جاؤ! جاکر پڑھو کچھ۔ کرو جو دل کرتا ہے۔ مگر میرے سر پر کھڑے ہو کر یوں انکوائری نہیں کرو۔ بے وقت کچھ نہ کچھ کریدتے رہتے ہو۔ زہر لگنے لگی ہیں مجھے تمہاری یہ عادتیں۔" وہ غصے میں بولی تو بولتی ہی چلی گئی۔

واثق کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔ اس نے مزید کچھ بولنے کے لیے منہ کھولا اور بند کر لیا۔ وہ سست روی سے اٹھ کر جانے لگا۔ اسے پھر سے کوئی خیال آیا تو رک گیا۔

عاصمہ آہستگی سے چادر ہٹا کر اپنی کلائی کو دیکھ رہی تھی۔

مما! وہ انکل زبیر آئیں گے آج؟" وہ وہیں رک کر پوچھ بیٹھا۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے اور مت نام لینا' آئندہ اس شخص کا۔ ورنہ میں تمہارا وہ حشر کروں گی کہ تم یاد کرو گے۔ چلے جاؤ اب یہاں سے۔ دن بہ دن ڈھیٹ ہوتے جا رہے ہو۔ خود وہ مر گئے۔ میرے لیے یہ چار عذاب چھوڑ گئے۔ اس سے اچھا تو میں بھی ان کے ساتھ ہی چلی گئی ہوتی۔" وہ شدید غصے میں بولتی ہوئی خود ہی اٹھ کر اندر چلی گئی۔

واثق شاکڈ ساماں کو یوں غصے میں چلاتے اور پھر جاتے ہوئے دیکھتا رہ گیا۔

"مما کو کیا ہو گیا ہے انہیں اس طرح تو کبھی غصہ نہیں آیا۔ بلکہ مما کو تو کبھی بھی غصہ نہیں آتا تھا اور انہوں نے یہ کیوں کہا کہ اس انکل زبیر کا نام دوبارہ ان کے سامنے نہیں لوں؟ کیا مما کا ان سے کوئی جھگڑا ہوا ہے؟ جھگڑا مگر کیوں ہو گا اور انکل نے تو بس پاپا کے آفس کی رقم مما کے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کروائی تھی۔ شاید اسی لیے گھر والا معاملہ آگے چلا گیا ہو۔ مجھے زبیر انکل سے فون کر کے بات کرنی چاہیے۔" وہ سوچتے ہوئے خود سے کہنے لگا۔

"لیکن اگر مما کو پتا چل گیا کہ میں نے زبیر انکل سے..... اور حمیدہ خالہ بھی کچھ غلط تو نہیں کہہ رہی تھیں۔ مما رات کو کسی اور انکل کی گاڑی میں واپس آئی تھیں۔" اسے اس نئی سوچ نے پہلے سے بھی زیادہ پریشان کر دیا۔ اس کا چھوٹا سا ذہن اتنی بڑی گتھی سلجھانے سے قاصر تھا۔

☼ ☼ ☼

"آپ نے سنیں باتیں امی کی عدیل؟ حد ہوتی ہے کسی بات کی بھی۔ امی اور عمران نے کیا نہیں کیا۔ اس سے زیادہ وہ کیا کرتے اور امی سے الٹا احسان مند ہونے کے شکریہ ادا کرنے کے کیسے اتنے برے انداز میں اتنی بڑی بات کہہ ڈالی۔" بشریٰ سخت غصے میں تھی۔ عدیل مثال کو پاس لٹائے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے کسی گہری سوچ میں گم تھا۔

بشریٰ کی طرف یوں دیکھنے لگا۔ جیسے اسے بشریٰ کی بات سمجھ میں نہیں آئی۔

"اور آپ نے بھی امی سے کچھ نہیں کہا۔ عمران اور امی کتنے شرمندہ ہوئے۔ چاہتے تو فوراً" انہیں کوئی بھی سخت جواب دے دیتے۔ مگر یہ بات یوں کسی کو ذلیل کرنا ہماری فیملی کا شیوہ نہیں "آپ لوگوں کی طرح۔" وہ غصہ میں ہماری اور تمہاری کی حدود جتا گئی۔

عدیل کے ماتھے پہ بل سے پڑ گئے۔

"اچھا! اب تم مجھ سے حساب کتاب شروع کر دو۔ میرا دماغ پہلے ہی پچی ہو گیا ہے' اس ساری بک بک میں۔ اور امی اس وقت کتنی حساس ہو رہی ہیں۔ تمہیں تو کم از کم اندازہ ہونا چاہیے۔ وہ بیماری کے تکلیف دہ مرحلے

سے گزری ہیں۔ پھر فوزیہ کو ملنے والی طلاق۔"

"معاف کیجیے گا۔ اس سارے میں کم سے کم میرا یا میری ماں بھائی کا کوئی قصور نہیں۔ پھر بھی بار بار آپ کی امی صاحبہ ہمیں قصور وار ٹھہرائے چلی جا رہی ہیں۔ میں نے سارا زیور دے دیا۔ عمران نے ساٹھ ستر ہزار روپے دیے اور کیا کرتے ہم؟" وہ ماں اور بھائی کی ذلت کو ہضم نہیں کر پا رہی تھی۔

"پلیز! اب تم اس ٹاپک کو چینج کرو گی یا نہیں؟" وہ چڑ کر بولا۔ مثال ڈری ہوئی نظروں سے باری باری کبھی بشریٰ کو دیکھتی اور کبھی عدیل کو۔ اس کا ننھا سا دل دھڑکنے لگا کہ جیسے ابھی مما' پاپا میں لڑائی شروع ہو جائے گی اور اسے لڑائی جھگڑے سے بہت خوف آتا تھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"جان! لیٹ جاؤ نا۔ آپ کو نیند آ رہی ہے۔" عدیل نے اسے پکڑ کر لٹانا چاہا۔

"مما..... پلیز پاپا سے لڑائی نہیں کریں۔" اس نے نرمی سے ماں کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ بشریٰ کو تو جیسے آگ ہی لگ گئی۔

"میں کر رہی ہوں لڑائی؟ جتنی مرضی تمہارے ساتھ جان مار لوں۔ تم بچی تو باپ اور دادی کی نکلو گی۔ کتنی محبت کرتے ہیں نانی اور ماموں۔ تمہاری ہر فرمائش منہ سے نکلنے سے پہلے پوری کرتے ہیں اور تم پھر بھی ان ہی لوگوں کی سائیڈ لینا۔ ماں کو بھی برا بھلا کہنا۔" وہ غصے میں بغیر سوچے سمجھے بولتی چلی گئی۔

"تم پاگل تو نہیں ہو گئیں بشریٰ؟" عدیل کو بھی غصہ آ گیا۔

"میں پاگل ہو گئی ہوں؟ دوسروں کا قصور آپ کو نظر نہیں آتا؟ اور یہ ہماری اپنی بیٹی' کیسے جان سے پیاری ہے مجھے۔ اور مجھے کہہ رہی ہے کہ میں جھگڑا کر رہی ہوں۔ فساد ڈال رہی ہوں۔"

"سو..... سوری مما! میں نے یہ سب کچھ نہیں کہا۔ پلیز سوری۔" مثال ڈر کر رو دینے کو تھی۔

"جاؤ یہاں سے دادی اور باپ کی چچی! پہلے ان کی فیور کرتی ہو پھر میرے ساتھ ڈرامے کرتی ہو۔" بشریٰ غصے میں بالکل بے قابو ہو رہی تھی۔

"بشریٰ! تم ہوش میں تو ہو ناں۔ بچی کے ساتھ کس لہجے اور زبان میں بات کر رہی ہو۔ اس نے تم سے ایسا کیا کہہ دیا ہے۔ صرف یہی تو کہا ہے کہ جھگڑا مت کرو۔" عدیل کو بھی غصہ آ گیا وہ مثال کو اپنے ساتھ لگا کر بولا۔

"میں جھگڑتی ہوں۔ میں لڑائی کرتی ہوں۔ آپ کی ماں اور بہن کچھ نہیں کرتیں؟" وہ اور بھی غصے میں چلانے لگی۔ عدیل کو بھی شدید غصہ آ گیا۔

"چلاؤ مت۔ امی اور فوزیہ کو بیچ میں کیوں گھسیٹ رہی ہو۔ ان کا یہاں کیا ذکر..... اپنی بات کرو۔" وہ بھی بغیر سوچے سمجھے بولتا چلا گیا۔

"اپنی بات..... میری بات رہ ہی کون سی گئی ہے۔ ہر بات میں تمہاری ماں' بہن موجود ہوتی ہیں۔ انہوں نے ہمارا کچھ رہنے دیا ہی نہیں۔ ان کی خوشی سے جیو' ان کی خوشی سے مرو۔ اس کی مرضی سے سانس لو۔ ان کی اجازت سے بولو۔ سب کچھ وہی دونوں تو ہیں۔ میں ہوں کہاں۔ نہ میری مرضی نہ میری خوشی۔ میری کسی بات کی بھی پروا ہے آپ کو۔ آپ کی ماں نے اتنی بڑی بات بول دی۔ میری امی دل کی مریضہ ہیں ان پر کیا بیتے گی۔ ایک لمحے کو بھی سوچا انہوں نے ہاں ان کی بیٹی کو طلاق ہوتی ہے تو یہ اس کا نصیب۔ وہ چاہتی ہیں کہ ساری دنیا کی لڑکیوں کو طلاق ہو جائے۔"

"بند کرو اپنی بکواس۔ میں تنگ آ گیا ہوں تمہاری اس بک بک سے۔ مجھے تو یہی سمجھ میں نہیں آتا تم چاہتی کیا

ہو۔ کون سی خوشی ‘کون سی مرضی تمہاری میں نے پوری نہیں کی۔ اس کے باوجود تم اس طرح کی بات کرو تو بڑا تم سے بڑا ناشکرا انسان اور کوئی نہیں ہے۔ یہ تو میرا حوصلہ ہے جو میں تمہیں‘ تمہاری اس ضدی فطرت کو اتنے سالوں سے برداشت کر رہا ہوں۔“ عدیل کی کنپٹیاں پھڑک رہی تھیں۔

مثال اڑی رنگت اور خوف زدہ نظروں سے دونوں کو لڑتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ وہ آہستگی سے بیڈ سے بھی نیچے اتر گئی تھی اور اب بیڈ کے کونے میں چھپنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا۔ وہ دونوں چیختے ہوئے ابھی ایک دوسرے کو اور پھر مثال کو پیٹنا شروع کر دیں گے۔

”تم مجھے برداشت کر رہے ہو۔ میری ضدی طبیعت کو تم برداشت کر رہے ہو؟“ وہ جیسے پاگل ہو جانے کو تھی۔

”ہاں! تم جیسی عورت کو دنیا کا کوئی مرد برداشت نہیں کر سکتا سوائے میرے۔“ وہ بھی دوبدو بولا۔

”تو مت کرو مجھے برداشت‘ چھوڑ دو۔ دفعان کر دو مجھے اپنی زندگی سے یہی چاہتی ہے نا تمہاری ماں کہ تم مجھے چھوڑ دو۔ میں تمہاری زندگی سے اور اس جہنم جیسے گھر سے چلی جاؤں تو نکال دو مجھے‘ چھوڑ دو۔ تمہاری ماں‘ بہن کے کلیجے میں بھی ٹھنڈ پڑ جائے گی۔ مجھے طلاق ہو جائے گی تو انہیں سکون مل جائے گا۔ بلکہ تم کیوں مجھے چھوڑو۔ میں خود تم جیسے ماں کے غلام اور بہن کے اشاروں پر چلنے والے مٹی کے مادھو کو چھوڑتی ہوں اور میرے بعد اس گھر میں کوئی عورت اگر تمہارے ساتھ گزارہ کر جائے‘ تمہاری بدزبان بداخلاق ماں‘ بہن کو جھیل پائے تو میرا نام بدل دینا۔“ وہ غصے میں بولتی اپنی الماری سے کپڑے نکال کر بیڈ پہ پھینکنے لگی۔

”کیا کہا تم نے۔ کیا بکواس کی تم نے ابھی... کیا سمجھتی ہو تم خود کو... اور میں تمہیں بتا رہا ہوں تم نے میری اجازت کے بغیر اس گھر سے کیا‘ اس کمرے سے بھی قدم باہر نکالا تو خدا کی قسم میں تمہیں ہمیشہ کے لیے چھوڑ دوں گا۔ پھر تم مجھے الزام نہیں دو گی۔“ وہ بھی غصے میں پاگل ہو گیا۔ بیڈ سے اچھل کر اس کے مقابل آ کر کپڑے چھین چھین کر پھینکتے ہوئے چلانے لگا۔

”تم مجھے چھوڑو گے؟ میں خود تمہیں چھوڑ رہی ہوں اور میں تمہیں ابھی اور اسی وقت یہاں سے جا کر دکھاؤں گی۔ تم قسم کھا رہے ہو تو اپنی ماں کے ہوتے پوری کرو میں بھی دیکھتی ہوں تمہیں... کتنا دم ہے تم میں۔“ وہ ذرا نہیں ڈری۔ اسے پیچھے دھکا دے کر بیگ میں کپڑے ڈالتے ہوئے بولتی چلی گئی۔

”تم یہاں سے جاؤ گی؟“ وہ خونخوار لہجے میں بولا۔

”ہاں‘ ہاں۔ میں جا رہی ہوں ابھی اور اسی وقت... اور میں دیکھتی ہوں مجھے کون روکتا ہے۔ چلو مثال!“ اس نے الٹے سیدھے دو چار جوڑے بیگ میں رکھے۔ بیگ کی زپ بھی بند نہیں کی اور مثال کا بازو کھینچتے ہوئے لے جانے لگی۔

”مثال کو تم ہاتھ بھی نہیں لگا سکتیں۔ چھوڑو اسے۔“ وہ غصے میں مثال کو کھینچتے ہوئے بولا۔

”مثال میرے ساتھ جائے گی۔ میں اسے تمہاری پھاپھا کٹنی ماں‘ بہن کے درمیان چھوڑ کر نہیں جا سکتی۔“ وہ ہر لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے جواباً مثال کو کھینچتے ہوئے بولی۔

مثال دونوں کی کھینچا تانی سے پہلے تو ڈری پھر بے اختیار ہو کر رونے لگی‘ اسے اب دونوں کی کوئی بھی بات سمجھ نہیں آ رہی تھی۔

”مما... مما‘ پاپا... پاپا۔“ وہ روتے ہوئے بولنے لگی مگر وہ دونوں سن کب رہے تھے۔

عدیل نے ایک زوردار تھپڑ بشریٰ کے منہ پر جڑ دیا۔

”تم نے میری ماں‘ بہن کو پھاپھا کٹنی کہا۔ تمہاری ماں... وہ کیسی ہے؟ مکار‘ جادوگرنی اور تم نے اپنی ماں جیسی۔“ اس نے بھی ساری مروت‘ لحاظ درمیان میں سے اٹھا دیا۔

بشریٰ کو تو عدیل سے اس نو سالہ ازدواجی زندگی کے پہلے تھپڑ نے ہی ہلا کر رکھ دیا تھا کجا یہ خطاب۔

وہ تو جیسے گال پہ ہاتھ رکھے ہی پتھر کی ہو کر رہ گئی۔

”اور تمہارے خیال میں میں اپنی بیٹی کو تمہاری اس عیار ماں کی صحبت میں جانے دوں گا۔ کبھی نہیں۔“ اسے بشریٰ کے پتھر ہو جانے کا احساس تک نہیں ہوا تھا۔ اسی طرح چلا کر بولا۔

”اب تو میں یہاں اس گھر میں ایک لمحہ کیا‘ ایک پل بھی نہیں رکوں گی اور مثال تو میرے ساتھ جائے گی۔ میں اسے بھی یہاں تم جیسے لوگوں کے درمیان نہیں چھوڑوں گی... آؤ مثال چلو میرے ساتھ۔“ عدیل کے اس تھپڑ نے بشریٰ کے دل میں جو رہی سہی محبت کا احساس تھا‘ وہ بھی ختم ہو گیا۔

وہ بڑی مضبوطی سے آگے بڑھی اور مثال کا بازو کھینچ کر بولی۔

”میں تم سے کہہ چکا ہوں۔ تم اس کمرے سے بھی قدم باہر نہیں نکالو گی۔“ عدیل پھر سے اسے دھمکا کر بولا۔

”اور تمہارے خیال میں میں اب یہاں رکوں گی؟ میں جا رہی ہوں۔ تم سے جو ہو سکتا ہے کر لو۔“ وہ اسے سامنے سے پرے دھکیل کر دروازے کی طرف جانے لگی۔

عدیل نے یوں دھکیلے جانے پر برافروختہ ہو کر اسے دیکھا۔

بشریٰ نے عدیل کو نہیں‘ اس کی مردانگی کو دھکا دیا تھا۔ دھتکارا تھا۔ وہ پھنکارتے ہوئے پلٹا اور بشریٰ کو بالوں سے کھینچ کر زور سے بیڈ پر کسی گیند کی طرح اچھال کر پھینک دیا۔ بشریٰ کے منہ سے ایک دلدوز چیخ نکلی۔

اسے یوں لگا جیسے کسی نے اسے بیڈ پر نہیں ہزاروں فٹ کی بلندی سے اچھال کر پھینکا ہو۔ اور اس کا جسم جیسے شیشے کا بنا تھا‘ ایک ہی جھٹکے میں چکنا چور ہو کر رہ گیا۔

اس نے ایک چیخ کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری اور پھر وہ گٹھڑی بنتی ہوئی چیختی چلی گئی۔

”ارے کیا ہو گیا۔ کیا قیامت آ گئی۔ گھر کو تم لوگوں نے کیا اکھاڑہ سمجھ لیا‘ کس طرح جنگلی جانوروں کی طرح لڑ رہے ہو۔ غضب خدا کا‘ سارا محلہ تم دونوں کے چنگھاڑنے کی آوازیں سن رہا ہے۔ شرم کرو۔ کل کے بچے ہو دونوں۔“

نسیم بیگم مسلسل بولتے ہوئے دروازہ پیٹتے ہوئے بولیں جبکہ دروازہ پہلے ہی کھلا تھا۔ ایک ہی جھٹکے سے پورا کھل گیا۔

اندر کا منظر کم از کم ان کے لیے واقعی کسی قیامت سے کم نہیں تھا۔

مثال منہ کے آگے دونوں ہاتھ رکھے اپنی چیخوں کو روکتے ہوئے بھی روئے جا رہی تھی۔ عدیل کا شدید غصے میں لال بھبھوکا چہرہ اور بیڈ پر گٹھڑی بنی پیٹ کو دونوں ہاتھوں کی مٹھیوں میں جکڑی بشریٰ دنیا و مافیہا سے بے خبر آنکھیں بند کیے چیخے جا رہی تھی جیسے اسے کوئی ذبح کر رہا ہو۔

نسیم بیگم کے قدم وہیں جیسے زمین کے ساتھ جکڑے رہ گئے۔

☆ ☆ ☆

باہر رات کالی تھی اور لمبی بھی بہت تھی۔

وہ بہت دیر سے ٹکٹکی باندھے اندھیرے میں روشنی کھوجنے کی کوشش کر رہی تھی کہ شاید دن کی کرن کہیں سے

منور ہو مگر نہ رات ختم ہو رہی تھی نہ اندھیرا چھٹ رہا تھا۔

جانے رات کا کون سا پہر تھا جب اس کی اچانک آنکھ کھل گئی تھی۔ بوسیدہ کھڑکی کا پٹ رک رک کر بج رہا تھا۔

یہ اس گھر کا سب سے پرانا اور خستہ حال کمرا تھا۔ شاید کبھی اسٹور رہا تھا یا اس ٹائپ کی کوئی جگہ جہاں جب گھر کا الٹو فالتو سارا سامان اکٹھا کر کے اس کمرے میں پھینک دیا جاتا تھا۔

وہ بھی تو اس گھر کا الٹو فالتو سامان تھی۔ جب اس سامان کو استعمال کرنا ہوتا جھاڑ پونچھ کر گھر کے اندر رکھ لیا جاتا اور جب اس کی ضرورت تمام ہو جاتی اسے دوسرے کاٹھ کباڑ کے ساتھ اس بوسیدہ کمرے میں پھینک دیا جاتا۔

اس نے خود بھی اس کمرے کی حالت سنوارنے میں کبھی دلچسپی نہیں لی تھی۔ اسے تو یوں بھی اب کسی بھی چیز میں دلچسپی نہیں تھی۔ نہ چیزوں کو سنوارنے میں نہ بگاڑنے میں۔ اس زندگی میں سب کچھ پہلے ہی کچھ اس بری طرح سے بگڑ چکا تھا کہ اس میں مزید بگاڑ کی گنجائش ہی نہیں تھی۔

مگر یہ رات اتنی لمبی کالی سیاہ رات ختم کیوں نہیں ہوتی۔

وہ بیٹھے بیٹھے دیوار سے ٹیک لگائے اکڑ سی گئی تھی مگر لیٹی نہیں کیونکہ دیوار جتنی بے آرام تھی اس کا ٹوٹا پھوٹا بیڈ اور اس پہ پھٹا پرانا بستر اس سے بھی زیادہ بے آرام تھا۔

اسے دن کا انتظار اس لیے نہیں تھا کہ اس سیاہ رات کے بعد شاید ہی کوئی امید بھرا دن طلوع ہو گا۔ اسے تو بس اس کھیل میں مزا آتا تھا وہ گھنٹوں بیٹھی گھڑی کی آگے پیچھے بھاگتی دونوں سوئیوں کو دیکھتی رہتی اور بہت دیر بعد اسے احساس ہوتا کہ ٹائم تو گزر ہی نہیں رہا۔ وہیں ٹھہرا ہوا ہے۔

جیسے یہ رات!

اس بار مہینہ اکتیس کا تھا۔ یوں اسے یہاں پندرہ کی بجائے سولہ دن رکنا پڑ گیا۔

یہ اس طرح بھی کہا جا سکتا ہے کہ ایک قید خانے سے دوسرے قید خانے میں جانے کی مدت میں چوبیس گھنٹوں کی توسیع ہو گئی تھی۔ کل کا دن طلوع ہو گا اور جب شام کے بعد رات آئے گی تو اس کا سر ایک اور ایسے ہی بے آرام کمرے میں ہو گا۔

اس کمرے میں گھٹن ہے بوسیدگی ہے اور ٹھہرے ہوئے پانیوں جیسا گدلا پن ہے۔

لیکن اس کمرے میں.... اس کمرے میں ان تین چیزوں کے علاوہ ایک اور چیز بھی ہے۔ خوف! اس نے بے اختیار آنکھیں بند کر لیں۔

☆ ☆ ☆

"حمیدہ خالہ.... حمیدہ خالہ جلدی کریں۔ پلیز میرے ساتھ آئیں۔ دیکھیں پتا نہیں مما کو کیا ہو گیا ہے۔ وہ اٹھ ہی نہیں رہیں۔ میری کوئی بات بھی نہیں سن رہیں۔" واثق حمیدہ خالہ کو بازو سے پکڑے کھینچتا ہوا گھر کے اندر لاتے ہوئے حواس باختہ سا کہے جا رہا تھا۔

"اے لڑکے! دم تو لینے دے مجھے۔ چپلیں تک تو نے مجھے ٹھیک سے پیروں میں پہننے نہیں دیں۔ آ رہی ہوں ذرا رک تو سہی۔ ایسی کیا آفت آ گئی۔" حمیدہ خالہ پریشان سی گھبراہٹ زدہ اس کے ساتھ کھنچی چلی آ رہی تھیں اور کمرے تک پہنچتے ہی وہ ٹھٹک کر رک گئیں۔

کندھے سے ڈھلکتی چادر کو ٹھیک کرنا بھول کر وہیں کھڑی رہیں۔

عاصمہ کا سر تکیے سے لڑھکا ہوا تھا۔ آنکھیں بند تھیں اور دور سے نظر آ رہا تھا اس کی سانسیں بہت خفیف چل رہی ہیں۔

"آئیں نا۔ آ بھی جائیں۔ رک کیوں گئی ہیں۔" واثق انہیں یوں کھڑے دیکھ کر جھنجھوڑ کر بولا۔

"مما، مما.... انھیں کیا ہوا ہے۔ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔ آپ کو کیا ہوا ہے؟" واثق ماں کو ہلاتے ہوئے بے اختیار رونے لگا۔

ساڑھے گیارہ سال کا بچہ اس سے زیادہ ہمت نہیں دکھا سکتا تھا۔

حمیدہ خالہ گم صم آگے بڑھ کر عاصمہ کے سینے اور منہ کے آگے ہاتھ رکھ کر آتی جاتی سانسوں کو ٹٹولنے لگیں۔

"جلدی سے جا۔ میرا بیٹا بشیر گھر پر ہی ہے۔ اس کو بلا کر لا.... وہ کسی ایمبولینس کو فون کر کے بلائے گا ابھی سانسیں چل رہی ہیں۔ کیا کھا لیا اس نے.... ان معصوم جانوں کا بھی تجھے خیال نہیں آیا عاصمہ!" حمیدہ خالہ بہتے آنسوؤں کو چہرے سے رگڑ کر روتے ہوئے بولیں۔

"ایمبولینس کو فون تو میں بھی کر سکتا ہوں۔ مجھے نمبر پتا ہے اخبار میں آتا ہے' دادا نے مجھے بتا رکھا ہے۔" واثق جلدی سے کہہ کر ماں کے سرہانے پڑا سیل فون اٹھا کر نمبر ملانے لگا۔

"م.... میری امی.... بس وہ بے ہوش ہیں۔ بری کنڈیشن ہے ان کی۔ ایڈریس میں بتاتا ہوں۔ خالہ! آپ ایڈریس بتائیں انکل کو۔" اس نے کانپتے ہاتھوں سے سیل حمیدہ کو تھما دیا۔

حمیدہ خالہ خود کو سنبھالتے ہوئے بمشکل ایڈریس بتانے لگیں۔

فون بند کر کے وہ عاصمہ کو پھر سے جھنجھوڑنے لگیں۔

مگر وہ ہوش و خرد سے بیگانہ تھی۔ اب تو اس کے منہ کے کنارے سے سفید جھاگ سی بھی نکلنے لگی تھی۔

"یا اللہ خیر۔ رحم فرمانا ان معصوموں پر۔ ان یتیموں کا کیا بنے گا اگر ماں بھی چھوڑ کر چلی گئی۔ یہ تو رل جائیں گے۔ تو اس کی جان بخشی کرنا۔ اس کی حفاظت فرمانا' رحم کرنا۔" وہ گڑگڑا کر لبوں میں دعا مانگتے ہوئے پاس سہمی ہوئی کھڑی اریبہ اور اریشہ کے سروں پر ہاتھ پھیرنے لگیں۔

اسی وقت باہر ایمبولینس کے ہوٹر بجنے لگے۔

چند منٹوں میں ایمبولینس میں موجود عملے نے عاصمہ کو ایمبولینس میں منتقل کر دیا اور اس کے ساتھ ہی اسے ابتدائی طبی امداد بھی دینا شروع کر دی۔

واثق اور حمیدہ ساتھ گئے۔
تینوں بچیوں کو حمیدہ نے اپنے گھر بھجوادیا۔
عاصمہ کی پل پل بگڑتی حالت ان کے دماغ میں خطرے کی گھنٹیاں بجائے جارہی تھی۔
"ضرور کوئی بڑی بات ہوئی ہے، جو عاصمہ جیسی برداشت اور صبر والی عورت نے یہ آخری حد پار کی۔ یقیناً" کچھ ہوا ہے ایسا۔ وہ آدمی، جو عفان کا دوست تھا۔ جس کا روز کا آنا جانا تھا۔ عاصمہ نے سارے معاملات اس کے سپرد رکھے تھے۔ اب دو تین دن سے وہ غائب ہے۔ آخری بار جب شام میں یہ اس کے ساتھ گئی تھی اور رات گئے گھر اور کے ساتھ واپس آئی..... تو دروازے کی درز سے میں نے خود دیکھا تھا۔ اس کی چال میں لنگڑاہٹ سی تھی او چادر لباس مسلا ہوا۔ بال بکھرے ہوئے کہیں۔" وہ سوچتے سوچتے بے اختیار سینہ تھام کر رہ گئیں۔
اور خوف زدہ نظروں سے بے سدھ آخری منزل کو جاتی عاصمہ کو دیکھنے لگیں۔

☆ ☆ ☆

او ٹی کے باہر ٹہل ٹہل کر عدیل کی ٹانگیں شل ہو گئی تھیں۔
وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس معمولی سے جھگڑے کو ان دونوں کا غصہ اس حد تک بڑھادے گا کہ بشریٰ کی جان کے لالے پڑجائیں گے۔
نسیم بیگم ابھی اتنی بڑی بیماری سے اٹھی تھیں۔ وہ خود اس پریشانی کو جھیلنے کی حالت میں نہیں تھیں مگر ضد کر کے وہ بھی عدیل کے ساتھ آگئی تھیں اور اب صوفے پر تھکی تھکی سی سر دونوں ہاتھوں میں تھامے بیٹھی تھیں۔
ذکیہ اور عمران بھی پہنچے تھے۔
"کیا ہوا..... کیا ہو گیا بشریٰ کو؟ صبح تو میری بات ہوئی ہے' اچھی بھلی اس نے مجھ سے بات کی۔ کچھ بھی نہیں تھا اسے تو۔" ذکیہ تو سخت حواس باختہ تھیں۔
نسیم نے عدیل کی طرف دیکھا۔
"ہم نے تو بہن! گھر میں دو نوکرانیاں بھی لگا کر دے رکھی ہیں، جو ہلکے بھاری سب کام کرتی ہیں۔ بشریٰ کو تو صرف کچن میں کھانا وانا ہی دیکھنا ہوتا ہے۔ اللہ جانے باتھ روم میں ٹب میں سرف میں کون سے کپڑے بھگور کھے تھے کہ ایک دم سے پاؤں پھسلا اور....."
وہ رونے لگیں۔
ذکیہ دل تھام کر رہ گئیں۔
"وہ..... وہ ٹھیک تو ہے نا۔ کوئی زیادہ مسئلہ تو نہیں ہوا؟" وہ جانتی تھیں کچھ مسئلہ ہو چکا ہے۔ تب ہی تو دونوں ماں بیٹے کا رنگ اڑا ہوا ہے مگر پھر بھی خود کو دھوکا دینے کو پوچھنے لگیں۔ نسیم کچھ بول ہی نہ سکیں۔
"عدیل..... عدیل بیٹے! تم کہاں تھے؟ کیوں تم نے اسے غسل خانے میں ایسا کام کرنے دیا۔" وہ دہائی دے کر بولیں۔
"سنتی کہاں ہے وہ کسی کی۔ جب کوئی کام کرنے پر اتر آتی ہے تو۔" نسیم نے دھیمے سے مجرمانہ لہجے میں کہا۔
"ڈاکٹرز کیا کہہ رہے ہیں۔" عمران نے عدیل سے پوچھا۔
"ابھی کچھ نہیں بتا رہے۔" وہ نظریں چرا کر ہولے سے بولا۔
بار..... بار۔ اس کی نظروں کے سامنے وہ کربناک منظر آرہا تھا جب اس نے وحشی جانوروں کی طرح بشریٰ کو اٹھا کر بیڈ پر پٹخا تھا' جبکہ وہ اس کی کنڈیشن سے واقف بھی تھا۔

مگر پھر بھی جانے کیسے۔ شیطان نے۔ اس غصے نے اسے سب کچھ بھلا دیا۔ اس کی عقل، دل، دماغ سب کو ماؤف کر دیا۔

اسے ایک لمحے کو بھی یاد نہیں آیا کہ اس غصے کا نتیجہ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس طرح بھی وہ اس غصے کا انتقام خود اپنے آپ سے لے سکتے ہیں۔

وہ نڈھال سا صوفے پر گر گیا۔

بشریٰ کی حالت صاف بتا رہی تھی کہ ان کا ناقابل تلافی نقصان ہو چکا ہے مگر پھر بھی خود کو دھوکا دینے کو اللہ کی رحمت کی امید پر وہ دل ہی دل میں دعائیں مانگتا ہی چلا جا رہا تھا۔

"اس کا بچہ بچ جائے۔ اسے کچھ نہ ہو۔ بشریٰ ٹھیک ہو، وہ زندگی میں کبھی ایسی جہالت کا مظاہرہ نہیں کرے گا۔ ایسا پاگل غصہ کبھی نہیں کرے گا۔ غصہ اسی لیے تو حرام ہے کہ سب سے زیادہ نقصان وہ کرنے والے کا کرتا ہے، میں یہ بات کیسے بھول گیا۔" وہ پیشانی مسلے جا رہا تھا۔

"مشال گھر پر ہے؟" ذکیہ کچھ دیر بعد بولیں۔

نسیم نے اثبات میں سر ہلا دیا اور دل میں شکر بھی ادا کیا کہ مشال گھر پر ہے ورنہ اگر وہ نانی کو اصل بات بتا دیتی تو ابھی کے ابھی اسپتال کو میدان جنگ بننے سے کوئی نہیں روک سکتا تھا۔

اسی وقت باہر کے برآمدے کی طرف سے شور سا اٹھا۔

اور کچھ لوگ ایک اسٹریچر کو دھکیلتے ہوئے دوسرے برآمدے کی طرف تیزی سے بھاگنے لگے۔

اسٹریچر عین عدیل کے پاس سے گزرا اور وہ لمحے کے آخری حصے میں شاکڈ سا رہ گیا۔

اسٹریچر پر بے ہوش حالت میں وہی عورت تھی، جسے اس رات اس نے اس ویران سوسائٹی سے لفٹ دی تھی اور وہ عجیب و غریب حالت میں اپنے گھر کے آگے ننگے پاؤں اتری تھی۔

ذکیہ اسٹریچر کے پیچھے گئی تھیں۔ چند لمحوں بعد واپس آ گئیں۔

"ہائے ہائے! غضب خدا کا۔ کیا زمانہ آ گیا۔ قرب قیامت ہے اور کچھ بھی نہیں۔" وہ ہاتھ ملتے ہوئے واپس آ کر بولیں۔

"کون تھی یہ ذکیہ بہن! آپ کی کوئی واقف؟" نسیم ملائمت سے بولیں۔ جانتی تھیں ہوش میں آنے کے بعد اگر بشریٰ نے سب کچھ بول دیا تو پھر کیا ہو گا۔

"چار بچوں کی ماں ہے۔ چند ہفتے ہوئے شوہر اور سسر کا ایک ڈکیتی میں قتل ہو گیا۔ بے چاری کسمپرسی میں زندگی گزار رہی تھی۔ اب اللہ جانے کیا افتاد پڑی کہ نیند کی گولیاں کھا لیں یا کوئی زہر پھانک لیا۔ ہمسائے تو یہی کہہ رہے ہیں کہ کھانے میں کوئی زہریلی چیز کھائی ہے۔ ظاہر ہے کہ اب ڈاکٹرز کہاں ہاتھ میں ڈالیں گے ایسے کیس میں۔"

وہ پھر سے بیٹھ کر آپریشن تھیٹر کے بند دروازے کی طرف دیکھنے لگیں۔

"یہ کم بخت ڈاکٹر کچھ بتا کیوں نہیں دیتے آ کر۔ عمران! تم جا کر کہیں سے معلوم تو کرو۔ میرا تو دل ہولے جا رہا ہے۔" وہ خیال آتے ہی پھر سے گھبرا کر بولیں۔

"امی! ظاہر ہے اور کوئی کچھ کیسے بتا سکتا ہے کہ ڈاکٹرز اندر بیٹھے ہیں۔ باہر آئیں گے تو کچھ بتائیں گے۔" عمران سستی سے بولا۔

اور عدیل تو جیسے کچھ سن نہیں رہا تھا۔

اس کا دھیان بار بار اسٹریچر پر پڑی اس نیم مردہ عورت کی طرف جا رہا تھا۔ چار بچے۔۔۔ بیوہ عورت، شوہر اور سسر کا قتل۔۔۔ اس رات اس کے ساتھ کیا بیتی، وہ شاید ابھی کوئی بھی نہیں جانتا۔۔۔ مگر میری چھٹی حس۔

اگر اس بے چاری کو بھی کچھ ہو گیا تو اس کے معصوم بچوں کا کیا بنے گا۔

جیسے مشال کا۔۔۔ اللہ نہ کرے اگر بشریٰ کو کچھ ہو گیا تو میری مشال کا کیا ہو گا۔۔۔ باپ، دادی، نانی دوسرے رشتہ دار لاکھ جان نچھاور کرنے والے ہیں ماں سے بڑھ کر تو کوئی بھی نہیں۔ اللہ نہ کرے۔ میں ایسی بے ہودہ باتیں کیوں سوچے جا رہا ہوں۔" اس نے دل میں لاحول پڑھتے ہوئے پھر سے بشریٰ اور بچے کی سلامتی کی دعائیں مانگنی شروع کر دیں۔

"وہ جو گیارہ بارہ سال کا بچہ اسٹریچر کے ساتھ جا رہا تھا۔ وہ اس بے چاری کا اکلوتا بیٹا ہے اور سب سے بڑا۔ باقی تین چھوٹی بچیاں ہیں۔ اللہ اس پر رحم کرے۔ اس کو کچھ نہ ہو۔ ورنہ اس کے بچے تو رل جائیں گے۔" ذکیہ اور نسیم باتیں کر رہی تھیں۔

اسی وقت لوبی کا دروازہ کھلا اور دو لیڈی ڈاکٹرز باہر آ گئیں۔ نسیم اور ذکیہ اپنے بھاری جسموں کو بمشکل سنبھالتے ہوئے پھرتی سے اٹھ کر ان کے پاس گئیں۔

ڈاکٹر صاحب! ہماری بچی۔۔۔ میری بشریٰ ٹھیک تو ہے نا؟ کیسی ہے اب اس کی طبیعت؟ اس کا بچہ تو ٹھیک ہے نا؟"

ذکیہ ایک ہی سانس میں پوچھتی چلی گئیں۔

عدیل اور نسیم دونوں پریشان نظروں سے ڈاکٹرز کو دیکھ رہے تھے۔

"اللہ کا شکر ہے مریضہ ٹھیک ہے۔ اس کی حالت اب تسلی بخش ہے۔ آپ پریشان نہ ہوں۔" ڈاکٹر نے نرمی سے جواب دیا۔

عدیل نے دل میں لاکھ بار شکر ادا کیا۔

"اور ڈاکٹر صاحبہ! بچہ۔۔۔ میرا مطلب ہے وہ ٹھیک ہے ہر طرح سے۔" نسیم اٹک اٹک کر پوچھنے لگیں۔

دونوں ڈاکٹرز نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔

"ہمیں افسوس ہے۔ ہم بچے کو نہیں بچا سکے۔ اتنے عرصے کے بعد کنسیو (conceive) کیا تھا انہوں نے تو بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت تھی۔ تقریباً گیارہ ہفتوں کا حمل تھا۔ ہم نے بہت کوشش کی۔ مگر شاید اللہ کو اس کی زندگی منظور نہیں تھی۔ تھوڑی دیر بعد جب بشریٰ کو روم میں شفٹ کر دیں گے آپ ان سے مل لیجیے گا۔ ابھی بھی اسے بہت احتیاط کی ضرورت ہے۔ پلیز ان کا کیئر فل۔ ابھی اسے بچے کے بارے میں نہ بتائیے گا۔ کم از کم آج کا دن رکیے۔" ڈاکٹر نرمی سے کہہ کر چلی گئیں۔

اور برآمدے میں جیسے موت کی خاموشی چھا گئی۔

عدیل بمشکل دیوار کا سہارا لے کر بیٹھ سکا۔

نسیم اور ذکیہ بھی سناٹے میں رہ گئیں۔

اور عدیل کو لگا، وہ خود کو کبھی معاف نہیں کر سکے گا۔ اپنے بچے کے قتل کے لیے وہ کبھی خود کو معاف نہیں کر سکے گا اور اگر بشریٰ نے بھی اسے معاف نہ کیا تو۔۔۔ وہ کیسے بشریٰ سے نظریں ملا سکے گا۔

اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔ نسیم عدیل کو دیکھے جا رہی تھیں۔

☆ ☆ ☆

اسے لگا اس نے آج تک اس ونیس کے جتنے بھی پنسل اسکیچ بنائے ہیں وہ بالکل بوگس اور بے کار ہیں۔ محض رف سے کاغذ کے ٹکڑے۔

حقیقت میں تو وہ وینس اس کے تصور اس کے خیال سے کہیں زیادہ خوب صورت ہے۔

مگر نہیں۔۔۔ خوب صورتی سے زیادہ اس کے چہرے پر جو گہری اداسی اور آنکھوں میں ہلکورے لیتی دبیز خاموشی سارا جادو ان خاموش افسردہ آنکھوں اور اس گمبھیر چپ والے چہرے میں ہے۔

اس نے ایک کے بعد ایک اسکیچ نکالا۔ انہیں کئی کئی بار غور سے دیکھا۔ لیکن کوئی ایک خاکہ بھی اس اصل کے آس پاس نہ گیا' جو وہ کچھ دیر پہلے دیکھ چکا تھا۔

اس نے بے اختیار آنکھیں بند کرکے اس فسوں خیز اداس حسن کو سوچنا چاہا۔۔۔ اس کے لوچ دار جسم کی خوشبو اور اس کے اڑتے پیراہن کی باس اور اس کی نرم زلفیں۔ آہستگی سے اس نے سیاہ جلد والی ڈائری کھول کر اس بال کو نکال کر دیکھا' جو اس نے کسی قیمتی خزانے کی طرح سنبھال رکھا تھا۔ وہ یک ٹک اس سنہری بال کو دیکھتا جا رہا تھا۔

"ایسا کب تک چلتا رہے گا۔ میں اس کو اپنے اتنے قریب محسوس کرتا ہوں۔ جیسے وہ بالکل میرے سامنے اس کرسی پر بیٹھی ہو اور اسے شاید میرے احساس کی خبر تک نہیں۔۔۔ اور اگر اس بے خبری میں وہ مجھ سے دور بہت دور چلی گئی تو اس بھاری پتھر کی سی بوجھل زندگی کا بوجھ میں کیسے اٹھاپاؤں گا۔ پھر میرے پاس اس بے کار جیتے رہنے کا کیا جواز بچے گا۔"

وہ مغلوب سا ہو کر کھڑا ہو گیا۔

"مجھے اس سے بات کرنی ہے۔ آج ہی۔ یا کل۔۔۔ یا جب بھی وہ مجھے دوبارہ ملتی ہے۔ میں اپنے اس جنون کو روگ نہیں بننے دوں گا۔ وہ میری ہے۔ صرف میری اور اسے اس کا علم ہونا چاہیے۔" وہ ایک اسکیچ کو دیکھے جا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"یہ نمبر ہے حمیدہ آنٹی! میں ڈائل کر دوں؟" واثق نے موبائل حمیدہ کے آگے کرتے ہوئے کہا۔ حمیدہ نے چشمہ اتار کر موبائل کو قریب کرکے نمبر دیکھنے کی کوشش کرتے ہوئے سر ہلا دیا۔

"میرا بچہ! ملا دے ذرا جلدی سے۔" دونوں اسپتال کے برآمدے میں کھڑے تھے۔ عاصمہ آئی سی یو میں تھی۔ ابھی تک ڈاکٹرز اس کی زندگی سے پر امید نہیں تھے۔

واثق حوصلہ دکھاتے دکھاتے بھی کئی بار حمیدہ کی گود میں سر چھپا کر رو چکا تھا۔

اس کا دل یہ سوچ کر ہی بند ہونے لگتا تھا کہ اگر مما بھی پاپا اور دادا کے پاس چلی گئیں تو وہ اکیلا تینوں بہنوں کے ساتھ کیا کرے گا؟ کہاں جائے گا؟"

وہ بار بار حمیدہ کے کہنے پر ماں کی زندگی کے لیے بہت دعائیں مانگے جا رہا تھا۔

"حمیدہ آنٹی! بات کریں۔" اس نے شاید کال ریسیو ہونے پر سیل حمیدہ کے کان پر لگایا۔

"ارے! تو تم خود پہلے بات کر لیتے نا ماموں سے۔" حمیدہ خالہ فون کو ٹھیک سے کان سے لگاتے ہوئے بولیں۔

دوسری طرف ہاشم نے کال ریسیو کی تھی۔

حمیدہ نے اپنا تعارف کرانے کے بعد ہاشم کا پوچھا۔ رسمی سلام دعا کے بعد حمیدہ لمحہ بھر کو خاموش ہوئیں' ہاشم کو خدانخواستہ ہو جانے والے حادثے کے لیے کیسے تیار کریں۔

"اے ہاشم بیٹا! تم جس طرح بھی ہو سکے۔ جلد سے جلد پاکستان آجاؤ فوراً" ہی۔" وہ یہی کہہ سکیں۔

"خیریت تو ہے نا آنٹی! عاصمہ تو ٹھیک ہے نا؟" ہاشم گھبرا کر بولا۔

حمیدہ خالہ کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

"بس یہی سمجھ لو بچے! اس وقت اسے تمہاری سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ وہ اس وقت بہت اکیلی ہے۔ آکر اس کے سر پر اپنا ہاتھ رکھو ورنہ۔۔۔" وہ صاف لفظوں میں کہہ نہیں پا رہی تھیں۔

"ورنہ کیا خالہ۔۔۔ پلیز! صاف بات کریں مجھ سے۔" ہاشم اور بھی پریشان ہو گیا۔

"واثق کہاں ہے؟ اس سے کہیں مجھ سے بات کرے۔ بلکہ عاصمہ سے بات کروائیں میری۔" اس نے حمیدہ خالہ کی باتوں اور انداز سے خائف ہو کر کہا۔

"وہ بچہ بے چارہ تم سے کیا بات کرے گا۔ خود کچھ کرنے کے قابل نہیں۔ اللہ کا شکر ہے کہ اس نے خود کو سنبھال رکھا ہے۔ پر ہے تو بچہ ہی نا! تم بس کسی بھی طرح جلد سے جلد آجاؤ۔ عاصمہ کو تمہاری سخت ضرورت ہے۔" وہ ڈھکے چھپے الفاظ میں بولیں۔

"میں آپ کی کوئی بھی بات بالکل نہیں سمجھ پا رہا۔ دو دن پہلے میری عاصمہ سے بات ہوئی ہے۔ وہ بالکل ٹھیک تھی اور اس نے مجھے بالکل بھی آنے کے لیے نہیں کہا۔" وہ اب کے دوٹوک لہجے میں بولا۔

"تو میاں! حادثہ تو پل بھر میں بھی ہو سکتا ہے۔ وہ مر جائے گی تو آؤ گے؟" وہ ایک دم سارا ضبط کھو کر بول پڑیں۔

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟"

"وہ مر رہی ہے۔ ضرورت ہے اسے تمہاری۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ جیسے تم بہنوئی کے جنازے کو کندھا نہ دے سکے تو بہن بھی۔۔۔ تمہاری۔۔۔ اس کے بچے تو اتنے سمجھ دار بھی نہیں کہ ماں کو آخری کندھا دے سکیں۔" حمیدہ کا خود پر ضبط کھو گیا۔ اس نے ہاشم کا جواب سنے بغیر فون بند کر دیا۔

واثق بھی رو رہا تھا۔

حمیدہ خالہ نے بے اختیار اس چھوٹے سے معصوم بہادر بچے کو اپنی آغوش میں چھپا لیا اور دونوں رونے لگے۔ آئی سی یو کے اوپر ابھی تک سرخ بتی جل بجھ رہی تھی۔ حمیدہ خالہ واثق کو تھپکتے ہوئے اس بتی کو دیکھے جا رہی تھیں۔

☼ ☼ ☼

عدیل بشریٰ کے بیڈ کے پاس کھڑا تھا اور بشریٰ نے مستقل اس کی طرف سے رخ پھیر کر ماں کی طرف چہرہ کر رکھا تھا۔ عمران کے ساتھ بیٹھی نسیم نے بھی کئی بار مخاطب کرنے کی کوشش کی۔ مگر بشریٰ نے ساس کی طرف دیکھا تک نہیں۔

"یہ کم بخت ضرور بھانڈا پھوڑے گی۔ پھر اس کی فسادن ماں کیا طوفان اٹھائے گی؟ اسپتال میں تماشا لگانے سے بہتر ہے فی الحال گھر ہی چلا جائے۔" نسیم بیگم نے دل میں سوچا۔

وہ کئی بار عدیل کو بھی آنکھوں آنکھوں میں یہ سمجھانے کی کوشش کر چکی تھیں۔ مگر وہ تو ماں کی طرف دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔

"اور بھی جورو کا غلام ہو جائے گا یہ عدیل تو۔" وہ غصے میں بڑبڑائیں۔

"میرا خیال ہے ذکیہ بہن! اب تو بشریٰ کی طبیعت کافی بہتر ہے۔ آپ گھر چلی جائیں۔ کافی دیر سے آئی ہوئی ہیں۔ تھک گئی ہوں گی۔ میں اور عدیل ہیں نا بشریٰ کے پاس۔" نسیم نے محبت بھری نظروں سے بشریٰ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ بشریٰ نے منہ دوسری طرف کر لیا۔

"ارے نہیں بہن! اللہ آپ کو زندگی دے۔ اتنی بڑی بیماری سے تو آپ اٹھی ہیں۔ آرام کی تو آپ کو ضرورت ہے۔ میرے خیال میں تو آپ گھر چلی جائیں۔ میں اور عمران ہیں بشریٰ کے پاس۔" ذکیہ نے نسیم کے دل کی بات

کہہ دی۔
نسیم تو فوراً" جانے کے لیے تیار ہو گئیں۔
"ہاں! بہت دیر سے طبیعت عجیب سی ہو رہی تھی۔ دوپہر میں تو دوائی لینا بھی بھول گئی تھی۔ دوا کی تو ڈاکٹر نے اس قدر تاکید کی ہے کہ کھانا کھانا بھول جاؤں' دوائی کھانا نہیں بھولنا۔ چلو پھر عدیل بیٹا! ہم چلتے ہیں۔ شام میں آجائیں گے۔ ذکیہ بہن اور عمران ہیں یہاں۔"
عدیل نے بشریٰ کی طرف دیکھا۔ وہ ابھی تک اس کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔
"ٹھیک ہے امی! میں آپ کو چھوڑ کر آجاتا ہوں واپس۔" عدیل نے تھکے ہوئے انداز میں کہا۔
"عمران! تم پلیز گھر جا کر ذرا مثال کو لے آؤ۔ اس سے ملنا ہے مجھے۔" بشریٰ روکھے لہجے میں عمران سے بولی۔
"ہاں تو اگر عدیل واپس آرہا ہے... تو وہ آتے ہوئے مثال کو لے آئے گا۔ تم مل لینا۔ بچی بھی ماں کو دیکھنے کے لیے بے چین ہوگی۔" ذکیہ بھی فوراً" ہی بولیں۔
"میں نے کہا ناں عمران! تم جا کر مثال کو لے آؤ ابھی۔ مجھے اس سے ملنا ہے۔" وہ نروٹھے پن سے عمران سے بولی۔
"افوہ آپی! عدیل بھائی جا رہے ہیں نا۔ لے آتے ہیں واپسی پہ مثال کو یہ۔ مجھے ابھی ایک ضروری کام کے لیے نکلنا ہے۔ گھنٹے بھر میں واپس آجاؤں گا۔" عمران کہہ کر عدیل سے پہلے اسپتال سے نکل گیا۔
عدیل اور نسیم بھی مزید بحث کیے بغیر عمران کے پیچھے نکل گئے۔
"تم باتھ روم سے کیسے پھسل گئی تھیں بشریٰ؟ تمہیں اپنی حالت کا پتا نہیں تھا کہ تمہیں کتنی احتیاط کی ضرورت ہے؟" ذکیہ ان دونوں کے جاتے ہی بولی تو بشریٰ نے چونک کر ماں کو دیکھا۔
"باتھ روم سے۔" اس نے زیر لب دہرایا۔
"یہی بتا رہی تھیں نا تمہاری ساس اور عدیل... باتھ روم سے ہی پھسلی تھیں نا تم؟" ذکیہ کو بشریٰ کے چونکنے پر کچھ شک سا ہوا تو دہرا کر پوچھنے لگی۔
"امی! ڈاکٹر بچے کے بارے میں کیا کہہ رہے ہیں؟ بچہ ٹھیک ہے نا؟" وہ کچھ بے چین سی ہو کر بولی۔
ذکیہ سے فوری طور پر کچھ بولا ہی نہ گیا۔
کیسے کہتی کہ جس بچے کی آس وہ ابھی تک لگائے بیٹھی ہے' وہ اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی اس سے روٹھ کر چلا گیا ہے۔ اس کی ساری دعائیں' سارے جتن بے کار گئے۔ وہ سوچتی رہ گئیں۔
"امی! آپ کچھ بول نہیں رہیں۔" وہ ماں کی خاموشی پہ پھر سے بولی۔
"بشریٰ! تم آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرو۔ تمہیں ڈرپ لگی ہے اور ڈاکٹر نے کہا ہے کہ تمہیں آرام کی بھی سخت ضرورت ہے میری بچی! اب اور کچھ نہیں سوچو۔ آنکھیں موند لو کچھ دیر کو۔" ذکیہ بیگم دکھی دل سے بچی کا سر سہلانے لگیں تو بشریٰ نے تھکے ہوئے انداز میں آنکھیں موند لیں۔ وہ چاہتے ہوئے بھی ماں سے اس جھگڑے کو شیئر نہ کر سکی جو اس کے اور عدیل کے بیچ بہت دوری لے آیا تھا۔ اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

☼ ☼ ☼

عاصمہ نے آنکھیں کھولیں تو لمحہ بھر کو جیسے ساکت سی رہ گئی۔
یہ تو اس نے نہیں سوچا تھا۔
اسے لگا یہ کوئی خواب ہے۔

اس کے سامنے نو سال پہلے باہر جانے والا بڑا بھائی ہاشم کھڑا تھا۔
وہ یک ٹک اسے دیکھے جا رہی تھی۔
ہاشم نے آگے بڑھ کر عاصمہ کے سر پر ہاتھ لگایا ہی تھا کہ وہ ایک دم سے دھاڑیں مار مار کر رونے لگی۔
اس کے اتنے مہینوں سے اندر رکے ہوئے گھٹے ہوئے آنسو بھائی کے محبت بھرے ہاتھ کا لمس پاتے ہی جیسے پھوٹ نکلے۔
ہاشم اسے جتنا سنبھالتا' جتنا سمیٹتا جا رہا تھا' وہ اتنی ہی بکھرتی جا رہی تھی۔
"میری بچی! بس کر ابھی تو تُو موت کی دہلیز کو ہاتھ لگا کر آئی ہے۔ ابھی تو تیری حالت ایسی بھی نہیں کہ تُو اٹھ کر ہی بیٹھ سکے۔ یوں روئے گی تو خدانخواستہ تیری طبیعت بہت زیادہ نہ بگڑ جائے۔" حمیدہ کو آگے بڑھ کر اسے سنبھالنا پڑا۔
مگر وہ تو جیسے اپنے آپ میں ہی نہیں تھی۔ ہاشم سے لپٹی اونچا اونچا روئے جا رہی تھی۔
اس کی زندگی کے سارے پیارے رشتے اس کی عزت آبرو سب کچھ تو چھن گیا۔ اسے صبر آتا بھی تو کس طرح۔
"صبر کر میری بہن ـــ حوصلہ کر۔ میں آ گیا ہوں ناں میں پہلے ہی نہیں دو تین راتوں سے سو نہیں سکا تھا۔ کبھی ابا خواب میں آتے تو کبھی اماں بے چین سی پریشان گھبرائے ہوئے ہوتیں۔ بار بار کہتے ہمیں عاصمہ کی طرف جانا ہے' وہ بہت پریشان ہے' وہ ٹھیک نہیں ہے۔ میں نیند سے اٹھ اٹھ جاتا۔ اگر حمیدہ خالہ آپ کا فون نہیں بھی آتا تو یقین کریں۔ میں نے اس ہفتے پاکستان ضرور آنا تھا۔ میرے دل کو ایک پل کا قرار نہیں تھا۔ یہی احساس جرم کم نہیں تھا کہ میں عفان اور فاروق انکل کے جنازوں کو کندھا نہ دے سکا کہ اب یہ بار بار اماں ابا کے حوالے سے عاصمہ کے خواب ـــ مجھے تو جیسے نہ دن میں قرار تھا نہ رات کو چین ـــ آنا تو تھا ہی مجھے۔"
وہ بکھری ہوئی بہن کے بال سمیٹتے اس کی چادر ٹھیک کرتے کہہ رہا تھا' وہ ابھی تک روئے جا رہی تھی۔
"ہوا کیا تھا میری بہن! کیا ہوا تھا تمہارے ساتھ کہ تم نے یہ انتہائی قدم اٹھا لیا۔ وہ دونوں تو اپنے خالق کی آواز پر لبیک کہتے بادل ناخواستہ چلے گئے مگر تم تو سمجھ دار تھیں۔ اپنے اکیلے رہ جانے والوں بچوں کا آخری سہارا بھی ـــ پھر تم نے ایسا کیوں کیا؟" وہ اسے ساتھ لگائے ہوئے اس کی دکھتی رگ چھیڑ بیٹھا۔
"نہیں ہوتا کوئی انسان کسی کا بھی آخری سہارا ـــ انسان سے بودا' نکما اور گھٹیا ناقابل بھروسا سہارا کوئی نہیں۔ کوئی انسان کسی دوسرے کا سہارا بھی بن نہیں سکتا۔ یہ شرک ہے۔ یہ کفر ہے۔ یہ ایمان کی خرابی ہے۔ ایمان کو ریت کی طرح چاٹ جانے والی خرابی ـــ خدا کے سوا سارے سہارے جھوٹے دوغلے ہوتے ہیں۔ کوئی کسی کا سہارا نہیں۔ اللہ کے سوا کوئی نہیں بھائی! مجھ سے ہی غلطی ہوئی۔ میں نے انسان کو سہارا جانا۔ میں نے انسان پر بھروسا کیا ـــ میں نے اپنے ساتھ بڑا ظلم کیا۔ میں خود ہوں اپنے ساتھ زیادتی کرنے والی۔ مجھے مر جانا چاہیے مجھے مرنے دیں۔ مجھے کیوں نہیں مرنے دیا آپ لوگوں۔ اب میں زندہ رہنے کے قابل نہیں ہوں۔"
وہ ہسٹریائی انداز میں چیختی ہوئی ہاشم کی بانہوں میں جھول گئی۔
حمیدہ اور ہاشم پریشان سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہ گئے۔

☼ ☼ ☼

"نہیں امی! مجھے عدیل کے گھر نہیں' آپ کے ساتھ جانا ہے۔ آپ کی طرف۔" ہسپتال سے چھٹی ہو گئی تھی۔ اور کچھ دیر پہلے ڈاکٹر نے بشریٰ سے بات کرتے اس کے بچے کی موت کا بتا دیا تھا۔ اس کے بعد سے بشریٰ کسی بت کی طرح ساکت تھی۔ پھر جیسے ہی ذکیہ بیگم آئیں تو وہ فوراً بستر سے اترتے ہوئے فیصلہ کن انداز میں بولی۔
"بشریٰ! ہم گھر جا رہے ہیں۔ آنٹی بھی ہمارے ساتھ چل رہی ہیں۔" عدیل نے نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑتے

ہوئے کہا۔
"ہاتھ مت لگاؤ مجھے ـــ تم تمہارے ساتھ جاؤں گی' نہیں کبھی نہیں ـــ اگر تم نے میرے ساتھ زیادتی کرنے کی کوشش کی تو میں چیخ چیخ کر سارے اسپتال کو اکٹھا کر لوں گی۔ سب کو بتاؤں گی کہ تم اصل میں کیا ہو۔ تمہارا چہرہ ایک قاتل کا چہرہ ہے۔ اپنے ہی بچے کے قاتل کا چہرہ۔" وہ پاگلوں کی طرح چیخنے لگی۔ عدیل کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔
نسیم بیگم نے اڑی رنگت کے ساتھ سمدھن کی طرف دیکھا۔
"یہ کیا کہہ رہی ہو تم بشریٰ!" ذکیہ بیگم نے بیٹی کو ساتھ لگا کر سنبھالتے ہوئے کہا۔
"سچ ـــ سچ کہہ رہی ہوں جو اتنے دنوں سے صرف اس لیے چھپا رہی تھی کہ میں بد قسمت سمجھ رہی تھی کہ میرا بچہ ابھی زندہ ہے مگر وہ تو اپنے باپ کی درندگی کی بھینٹ چڑھ چکا اس دنیا میں آنے سے پہلے ہی ـــ امی! وہ مر گیا۔ وہ روٹھ گیا مجھ سے ہم سے۔ اس ظالم شخص نے اسے مار ڈالا۔ مار ڈالا میرے بچے کو۔"
وہ ماں کے گلے لگ کر بلک بلک کر رونے لگی۔
"یہ کیا کہہ رہی ہے نسیم بہن! کیا ہوا تھا کیا چھپایا تھا آپ لوگوں نے ہم سے؟" ذکیہ بہن پریشان ہو کر الجھے ہوئے لہجے میں پوچھنے لگیں۔
"بہن! میں تو خود ٹھیک سے نہیں جانتی کہ کیا ہوا۔ دونوں میاں بیوی کا آپس کا کوئی جھگڑا تھا۔ میں نے چیخ و پکار سنی ان کے کمرے میں گئی تو بشریٰ کی طبیعت خراب ہو چکی تھی۔ کیا ہوا کیسے ہوا۔ مجھے تو یہ پوچھنے کا ہوش بھی نہیں رہا۔ بس فوراً اسے اسپتال لے کر آ گئی لیکن قدرت کو منظور نہیں تھا اس بچے کی زندگی۔ ہماری جلدی بھی کچھ کام نہ آ سکی۔" وہ لہجے میں زمانے بھر کی مظلومیت بھر کر رندھی آواز میں بولیں۔
"جھوٹ بولتی ہیں یہ۔ یہ سب کچھ جانتی تھیں۔ انہوں نے عدیل کو بھڑکایا تھا۔ اس نے مجھے مارا تشدد کیا اور میرا بچہ ـــ امی! میرا بچہ چلا گیا۔ امی!؟" وہ ماں کے ہاتھوں میں بکھر گئی۔ عمران نے عدیل کا گریبان پکڑ لیا۔
ذکیہ بیگم نے بے ہوش ہوتی بیٹی کو دیکھا اور دوسری طرف بیٹے کے ہاتھ میں داماد کا گریبان۔
ذکیہ بیگم کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔
بیٹی کو جیسے تیسے بیڈ پر لٹا کر عمران کو پرے دھکا دیا' جو گالیاں بکتے ہوئے چیخ رہا تھا۔ عدیل کو بھی غصہ آ چکا تھا' وہ بھی ابل رہا تھا۔ نسیم بیگم بھی بیٹے کا ساتھ دے رہی تھیں۔
ذکیہ بیگم کو لگا نسیم بیگم کی کہی وہ بات پوری ہونے جا رہی ہے' جو اس نے اسپتال کے بستر پر بیٹھے سنی تھی۔ انہوں نے بے ہوش بیٹی کو دیکھا اور گالیوں کے جواب میں گالیاں بکتے عدیل کو۔ کہانی بگڑ چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

عاصمہ ملگجے حلیے میں کمرے میں بیٹھی تھی۔
اس کے ارد گرد گھر کا آدھے سے زیادہ سامان بندھا پڑا تھا۔ مگر وہ جیسے ہر چیز سے بے نیاز کھوئی کھوئی بیٹھی تھی۔
اس وقت بیرونی دروازہ کھلا اور ہاشم تھکا ہوا ہاتھ میں پکڑی فائلوں کے ڈھیر کے ساتھ اس کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔
"کس وقت جانا ہے ہم نے یہاں سے بھائی؟" وہ بے تاثر لہجے میں بولی۔
"شاید کبھی نہیں۔" ہاشم نے فائلوں کا ڈھیر اس کے آگے پھینک دیا۔ عاصمہ حیران سی دیکھنے لگی۔
(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

رُخسانہ نگار عدنان

عدیل اور فوزیہ نسیم بیگم کے بچے ہیں۔ بشریٰ ان کی بہو ہے اور ذکیہ بیگم کی بیٹی۔ عمران بشریٰ کا بھائی ہے۔ مثال ذکیہ بیگم کی نواسی اور نسیم بیگم کی پوتی ہے۔ بشریٰ اور نسیم بیگم میں روایتی ساس بہو کا تعلق ہے۔ نسیم بیگم مصلحتاً ”بیٹا بہو سے لگاوٹ دکھاتی ہیں۔ دوسری طرف ذکیہ بیگم کا کہنا ہے۔ ان کی بیٹی بشریٰ کو سسرال میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ ذکیہ بیگم اپنے بیٹے عمران کے لیے بھی لڑکیاں دیکھ رہی ہیں۔ پانچ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد بشریٰ کی نند فوزیہ کا بالآخر ایک جگہ رشتہ طے پا جاتا ہے۔ نکاح والے روز بشریٰ دولہا ظہیر کو دیکھ کر چونک جاتی ہے۔

عدیل سے شادی سے قبل ظہیر کا بشریٰ کے لیے بھی رشتہ آیا تھا مگر بات نہ بن سکی تھی۔ نکاح والے دن زاہدہ اور ذکیہ بیگم بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔ بشریٰ اپنی ماں سے یہ بات چھپانے کے لیے کہتی ہے مگر عدیل کو پتا چل جاتا ہے۔ وہ ناراض ہوتا ہے مگر فوزیہ اور نسیم بیگم کو بتانے سے منع کر دیتا ہے۔ بشریٰ اور عدیل ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جاتے ہیں۔ وہاں انہیں پتا چلتا ہے کہ بشریٰ کے ہاں سات سال بعد پھر خوش خبری ہے۔

عفان اور عاصمہ اپنے تین بچوں اور والد کے ساتھ کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔ عفان کے والد فاروق صاحب سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ گریجویٹی اور گاؤں کی زمین فروخت کر کے وہ اپنا گھر خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ڈیڑھ کروڑ میں زمین کا سودا کر کے وہ عفان کے ساتھ خوشی خوشی شہر آ رہے ہیں۔ عاصمہ کو فون کے ذریعے کوئی اطلاع ملتی ہے، جسے سن کر وہ بے ہوش ہو جاتی ہے۔

فون پر پتا چلتا ہے کہ شہر آتے ہوئے عفان اور فاروق صاحب ڈکیتی کی واردات میں قتل ہو گئے۔ عفان کے قریبی دوست زبیر کی مدد سے عاصمہ عفان کے آفس سے تین لاکھ روپے اور فاروق صاحب کی گریجویٹی سے سات لاکھ روپے وصول کر پاتی ہے۔ زبیر گھر خریدنے میں بھی عاصمہ کی مدد کر رہا ہے۔

اسلام آباد سے واپسی پر عدیل دونوں مقتولین کو دیکھتا ہے۔ زاہدہ نسیم بیگم سے بیس لاکھ روپے سے مشروط فوزیہ کی رخصتی کی بات کرتی ہیں۔ وہ سب پریشان ہو جاتے ہیں۔ عدیل بشریٰ سے ذکیہ بیگم سے تین لاکھ روپے لانے کو کہتا ہے۔

حمیدہ خالہ، عاصمہ کو سمجھاتی ہیں کہ عدت میں زبیر کا اکیلے اس کے گھر آنا مناسب نہیں ہے۔ لوگ باتیں بنا رہے ہیں جبکہ عاصمہ کی مجبوری ہے کہ گھر میں کوئی مرد نہیں اس کا بیٹا ابھی چھوٹا ہے اور سارے کام اس کو خود کرنے ہیں۔ وہ جلد از جلد اپنا گھر خریدنا چاہتی ہے۔ عاصمہ کے کہنے پر زبیر کسی مفتی سے فتویٰ لے کر آجاتا ہے کہ وہ انتہائی ضرورت کے پیش نظر گھر سے نکل سکتی ہے بشرطیکہ مغرب سے پہلے واپس گھر آجائے سو وہ عاصمہ کو مکان دکھانے لے جاتا ہے۔

فوزیہ کے طلاق ہو جانے پر نسیم بیگم جذباتی ہو کر ہوا اور اس کے گھر والوں کو موردِ الزام ٹھہرانے لگتی ہیں۔ اسی بات پر عدیل اور بشریٰ کے درمیان خوب جھگڑا ہوتا ہے۔ عدیل طیش میں بشریٰ کو دھکا دیتا ہے۔ اس کا ابارشن ہو جاتا ہے۔ عدیل شرمندہ ہو کر معافی مانگتا ہے مگر وہ ہنوز ناراض رہتی ہے اور اسپتال سے اپنی ماں کے گھر چلی جاتی ہے۔

اسی اسپتال میں عدیل عاصمہ کو دیکھتا ہے جسے بے ہوشی کی حالت میں لایا گیا ہوتا ہے۔ عاصمہ اپنے حالات سے تنگ آکر خودکشی کی کوشش کرتی ہے تاہم بچ جاتی ہے۔ نو سال بعد عاصمہ کا بھائی ہاشم پریشان ہو کر پاکستان آجاتا ہے۔

ساتویں قسط

وہ رکشے سے بیگ اتار کر رکشے والے کو مٹھی میں دبے پیسے بڑی احتیاط سے گن کر دینے کے بعد رکشے کے دور جانے کے بعد یونہی کتنی دیر کھڑی رہی۔ اس کا دماغ ایک دم سے جیسے خالی ہو گیا تھا۔

"میں یہاں کس لیے آئی ہوں؟" وہ خالی الذہن کھڑی بے بسی سے دور جاتے رکشے کو دیکھتی رہی۔ "مجھے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔" اس نے بے بسی سے سوچا۔

"تو پھر اور کہاں جاتی، میری زندگی میں چوائس کتنی کم ہے۔۔۔ بلکہ ہے ہی نہیں۔" دھوپ بہت تیز تھی اور جیسے اس کے سر پر چمک رہی تھی۔ مگر اسے تو نہ گرمی کا احساس تھا نہ سردی کا نہ اس بات کا کہ وہ سڑک کے بیچوں بیچ اپنا بوسیدہ بیگ لیے بے مقصد ہی کھڑی ہے۔

اس نے جھک کر بیگ اٹھایا اور اپنی پشت پہ پھیلے سرخ ٹائلوں والے خوب صورت وسیع و عریض گھر کو دیکھا۔

"اتنا بڑا گھر کہ جس کے باہر سے گزرنے والے اس کے اندر آنے کی تمنا ایک بار تو ضرور کریں۔ اس اتنے بڑے محل میں میرے لیے ذرا سی جگہ بھی نہیں ہے کہ جہاں میں مہینے کے پندرہ دن گزار سکوں۔" ڈور بیل بہت دور تک اور بہت دیر تک بجتی رہی تھی۔

وہ بے خیال سی کھڑی تھی۔

ساتویں بار کال بیل دیتے ہوئے وہ بے اختیار چونک گئی۔

"کہیں ایسا تو نہیں کہ گھر میں کوئی بھی نہ ہو۔ جیسا کہ پہلے بھی دو چار بار ہو چکا ہے۔ مائی گاڈ۔۔۔!" اس کا دل بہت تیز تیز دھڑکنے لگا تھا۔

اس نے دوپٹے کے پلو سے چہرے کو رگڑ ڈالا۔

"میرے پاس تو واپسی کے لیے کرایہ بھی نہیں ہے۔۔۔ اگر واپس جانا ہی پڑا تو کیسے جاؤں گی۔" اس کا دل سمٹنے لگا تھا۔

اسے لگا وہ ابھی گرے گی اور۔۔۔ بے ہوش ہو جائے گی۔

"بے ہوش ہی کیوں، میں مر کیوں نہیں جاتی۔" اس نے جھنجلا کر خود کو ہزار بار کی دی ہوئی بددعا دہرائی۔ مگر جانتی تھی اس بار بھی یہ بددعا بے اثر رہے گی۔

"گھر میں تو کوئی بھی نہیں ہے۔ اسلام آباد گئے ہیں سب۔" اس کا خدشہ درست نکلا۔

چوکیدار سرخ آنکھوں کے ساتھ بغلی دروازے میں کھڑا چہرے پہ زمانے بھر کی بے زاری سجائے اس سے کہہ رہا تھا۔

"کب۔۔۔ کب گئے؟" بالکل غیر ضروری سوال تھا جبکہ اسے کچھ اور پوچھنا تھا۔

"دو دن ہو گئے۔ آپ کو پتا نہیں تھا؟" چوکیدار نے اس کی لاعلمی پر تاسف بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

"ہاں۔۔۔ نہیں معلوم تو تھا مگر مجھے لگا شاید ابھی کچھ دن ہیں جانے میں۔۔۔ خیر آجائیں گے واپس۔ میں اندر تو آجاؤں بہت گرمی ہے باہر۔" بہت دیر بعد اسے موسم کی شدت کا احساس ہوا تھا۔ بغلی دروازے میں آگے کی طرف بیگ کو دھکیلنے لگی۔

"مگر وہ جی۔۔۔ گھر تو اندر سے سارا لاکڈ ہے۔ مطلب تالا وغیرہ سب کمروں کو لگا ہے تو آپ۔۔۔" چوکیدار رک رک کر بولا۔ اسے شاید یہ امید تھی کہ وہ سب گھر والوں کی غیر موجودگی کا سن کر واپس چلی جائے گی۔

اس سے کتنی دیر تک کچھ بولا ہی نہ گیا۔

"نہیں، وہ میرا کمرا۔۔۔ مطلب وہ اوپر کی طرف ہے تو۔"

"باہر لاؤنج سے تالا لگا ہے۔ اندر کی سیڑھیاں بھی اسی میں آتی ہیں تو آپ کیسے جائیں گی اوپر۔" چوکیدار اس کو سمجھانے والے انداز میں بولا۔ وہ نا سمجھی سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"لیکن۔۔۔ میں تو آگئی ہوں۔ مجھے تو اب۔۔۔ میرا مطلب ہے میں واپس نہیں جا سکتی۔ آپ پیچھے ہٹیں۔ میں دیکھ لوں گی جہاں مجھے رہنا ہو گا۔"

اس نے اب کے کچھ بہادری دکھانے کی کوشش کی۔

"کہاں رہیں گی آپ؟"

آپ راستہ تو دیں۔ میں دیکھ لوں گی کیونکہ میں واپس نہیں جا سکتی۔" وہ درشتی سے کہہ کر بیگ اٹھا کر چوکیدار کو پیچھے کرتے ہوئے اندر چلی گئی۔

چوکیدار پریشان سا اسے اندر جاتا دیکھ رہا تھا۔

وہ اب لاؤنج کی سنگ مرمر کی سیڑھیوں پر بیگ رکھے گم صم سی کھڑی تھی۔ بند دروازہ اس کا منہ چڑا رہا تھا۔

اسے بہت دیر بعد ٹانگوں کے تھکنے کا احساس ہوا تو گرنے کے سے انداز میں وہیں سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔

چوکیدار ابھی بھی منتظر تھا کہ وہ بند دروازہ دیکھ کر واپس لوٹ جائے گی۔

وہ جان بوجھ کر چوکیدار کی طرف نہیں دیکھ رہی۔

اس کا دماغ تیزی سے کام کر رہا تھا کہ اب اسے کہاں جانا ہے جبکہ اس کے پاس پیسے بھی نہیں۔ اس نے پرس کو یونہی ٹٹولنا شروع کر دیا۔

☆ ☆ ☆

"بشریٰ! سو رہی ہو؟" ذکیہ بیگم دیوار کی طرف کروٹ لے کر لیٹی ہوئی بشریٰ کے پاس آکر نرم لہجے میں پوچھنے لگیں۔
جواب میں بشریٰ سیدھی ہو کر ماں کو دیکھنے لگی۔
"سن لو ناں تمہارا فون ہے۔ اب کیا میں کھڑی رہوں لے کر۔" ذکیہ نے کچھ بے زاری سے کہا۔
بشریٰ نے کوفت بھرے انداز میں فون لے لیا۔ لمحہ بھر کچھ سوچتی رہی پھر سیل کان سے لگالیا۔
دوسری طرف عدیل تھا۔
بشریٰ نے غصیلی نظروں سے ماں کی طرف دیکھا۔
ذکیہ بیگم اسے لجاجت بھرے انداز میں بات کرنے کا اشارہ کرنے لگیں۔ بشریٰ نے ہونٹ بھینچتے ہوئے لائن کاٹ کر کے تکیہ کے پاس رکھ دیا۔ ذکیہ پہلے اسے غصے سے دیکھتی رہیں پھر سر پکڑ کر اس کے پاس ہی بیڈ کے کنارے پر ٹک گئیں۔
بشریٰ لاتعلق سی ماں کو دیکھتے ہوئے سامنے دیوار پر لگی پینٹنگ کو دیکھنے لگی۔ سیل فون پھر سے بجنے لگا تھا۔
ذکیہ نے آس بھری نظروں سے بیٹی کی طرف دیکھا۔ وہ اسی طرح لاتعلق بیٹھی تھی۔
فون مسلسل بجنے کے بعد خاموش ہوگیا۔
بشریٰ دوبارہ لیٹ گئی۔
"ایسا کب تک چلے گا بشریٰ!" ذکیہ نے حتی الامکان لہجے کو نرم رکھتے ہوئے سمجھانے کے انداز میں کہا۔
"تنگ آگئی ہیں مجھ سے؟" بشریٰ ماں کی طرف دیکھے بغیر سپاٹ لہجے میں بولی۔
"فضول بات نہیں کرو۔ اس میں میری تنگی یا فراخی کی بات نہیں ہے تم جانتی ہو۔" ذکیہ بیگم چڑے ہوئے لہجے میں بولیں۔

"اس بات کا تعلق تنگی اور فراخی سے تو ہے۔ آپ مانیں یا نہیں مانیں۔" وہ اسی بے تاثر لہجے میں پھر بولی۔
"آج سترہ دن ہونے لگے ہیں۔" ذکیہ ملول سے لہجے میں بولیں۔
"مجھے آکر بیٹھے ہوئے؟ بے فکر رہیں گنتی صرف آپ نہیں کر رہیں۔ میں بھی ہر روز صبح اٹھ کر دنوں کو شمار کرتی ہوں۔" بشریٰ کے لہجے میں تلخی تھی۔
"میری بچی! وہ مرد ذات ہے۔ سترہ دنوں سے وہ مسلسل چکر لگا رہا ہے۔ ہر روز دفتر سے واپسی پر گھر جانے سے پہلے وہ تم سے اور مثال سے ملنے کے لیے آتا ہے۔ بچی کے لیے فرمائش کی ڈھیروں چیزیں پھل کیک چاکلیٹ کھلونے بسکٹ کیا ہے' جو وہ نہیں لے کر آتا۔ گھنٹوں تم سے ملنے کی آس لیے انتظار کرتا ہے۔ اگر اس کا دل پھر گیا تم سے تو۔۔۔"
ذکیہ حتی الامکان نرم الفاظ میں اسے رک رک کر سمجھانے کی کوشش کرنے لگیں۔
"دل ہی تو پھر گئے ہیں۔ ان کا پھرا ہے یا نہیں مگر میرا دل ان سے مکمل طور پر پھر گیا ہے۔ میں اب اس شخص کی شکل بھی نہیں دیکھنا چاہتی جو میرے بچے کا قاتل ہے۔ میری خوشیوں کا قاتل۔ آپ چاہتی ہیں میں اس کے چند چاکلیٹ چار بسکٹ اور تھوڑے سے پھلوں کے عوض اپنے بچے کا خون معاف کر دوں؟ کبھی نہیں' مر کر بھی نہیں!"

بشریٰ کے لہجے میں سختی کے ساتھ دکھ کی کرچیاں بھی تھیں' جسے صرف ایک ماں ہی محسوس کر سکتی تھی۔

"اس نے یہ سب کچھ جان بوجھ کر نہیں کیا۔ ایک بار نہیں' بہت بار وہ تم سے سب سے معافی مانگ چکا ہے۔ میں جانتی ہوں' سب جانتے ہیں اسے۔ وہ کتنی نرم' محبت کرنے والی طبیعت کا مالک ہے۔ تم تھوڑا سا دل میں وسعت۔۔۔" ذکیہ کے لہجے میں محبت تھی۔
"آپ کا مطلب ہے میں سخت دل ہوں' پتھر ہوں جھوٹی ہوں۔ ان پر الزام لگا رہی ہوں۔ جو کچھ ہوا وہ سب میری وجہ سے تھا۔ اس میں ان کی کچھ غلطی نہیں؟" بشریٰ پھٹی ہوئی آواز میں آنسو ضبط کرتے ہوئے بولی۔
"ایسا میں نے کب کہا۔ غصے میں آگیا تھا وہ۔ طیش میں انسان بہت کچھ بھول جاتا ہے۔ نقصان اگر تمہارا ہوا ہے تو جانے والی اس کی بھی اولاد تھی۔ دوسری اولاد اس کی بھی سب سے بڑی خواہش تھی۔ دکھ اسے بھی اتنا ہی ہے جتنا تمہیں ہے۔" اب کے ذکیہ کے انداز میں ترشی تھی۔
"نہیں ہے انہیں اتنا دکھ نہ تکلیف۔ وہ اپنے گھر والوں جیسے ہیں اپنی ماں اور اپنی بہن جیسے۔ دونوں پتھر دل' بے حس عورتیں ہیں۔ انہیں دل میں جتنی میری گود اجڑنے کی خوشی ملی اور کسی بات کی نہیں۔۔۔ اور امی! آپ اس شخص کی باتوں پر پگھل رہی ہیں جبکہ اس کی ماں ہر روز اس کے کانوں میں ایک ہی صور پھونکتی ہوگی کہ بشریٰ جیسی بیوی کو چھوڑ دینا ہی اس کے لیے بہتر ہے اور آپ دیکھیے گا۔۔۔ وہ آج یا کل یا چند مہینوں بعد ماں کے کہنے پر ایمان لے آئے گا اور مجھے یہیں بیٹھے طلاق ہوگی اور آپ کو اس بھلی طبیعت کے شخص کی دوسری شادی کا کارڈ بھی موصول ہو جائے گا۔ وہ ایسے ہی ہیں سب' بے حس کمینے' گھٹیا۔ میں ان لوگوں میں واپس نہیں جاؤں گی اور بے فکر رہیے۔ یہاں بھی پڑی نہیں رہوں گی۔ کسی دارالامان میں چلی جاؤں گی۔ آپ پہ مصیبت بن کر بیٹھی نہیں رہوں گی۔" وہ زور زور سے چلانے لگی تھی۔
"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ تمہیں سمجھانا دیوار سے سر پھوڑنے کے برابر ہے۔ کوئی بات عقل' تمیز کی تمہاری سمجھ میں ہی نہیں آتی۔ اپنا نقصان' اپنا خسارہ لیے بیٹھی چلاتی رہتی ہو۔ خدانخواستہ اگر اس نے واقعی ماں کے کہنے پر تمہیں چھوڑ دیا تو دماغ ٹھکانے آجائے گا تمہارا' پھر کرنا یہ اونچی اونچی باتیں۔ جب بچی کو لے کر اس کی پرورش کے لالے پڑیں گے۔ بچوں کے باپ صرف اپنے ہی بچوں کے ہوتے ہیں۔ تمہیں دوسرا شوہر مل جائے گا اور اسے دوسری بیوی۔۔۔ پر اس بچی کو اپنا باپ نہیں ملے گا۔ اپنی اکڑ کی فکر ہے۔ انا کی ضد سوار ہے تم پر۔ اس معصوم کے بارے میں سوچا ہے۔ جو گھنٹوں باپ کے انتظار میں گیٹ کے آس پاس صبح اٹھتے ہی منڈلانا شروع کر دیتی ہے۔ سنو بشریٰ بی بی بے حس تمہارے سسرالی اور تمہارا شوہر ہے یا نہیں مگر تم ضرور ہو۔" ذکیہ بھی دوبدو بولتی چلی گئیں۔ بشریٰ ماں کو دیکھتی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

مثال دروازے کے پیچھے ماں اور نانی کی باتیں سنتے ہوئے آنکھوں میں آنسو لیے کھڑی تھی۔
"اگر مما کبھی بھی گھر نہ گئیں اور نانو کہہ رہی ہیں اگر پاپا بھی ان سے ناراض ہوگئے تو ہم کہاں جائیں گے نانو کے گھر سے۔۔۔" اس کا چھوٹا سا ذہن اتنی بڑی گتھی سلجھانے سے قاصر تھا۔
"ہاؤ!" عمران نے پیچھے سے آکر مثال کو ڈرا دیا۔
وہ ڈر کر ایک دم سے رونے لگی۔
"ارے رے میری جان' میری پیاری گڑیا! ڈرپوک میں تو مذاق کر رہا تھا۔ یونہی تمہیں دیوار سے پیچھے دیکھ کر سوچا۔ تمہیں ڈراؤں' مذاق کر رہا تھا مثال جانو! اچھا یار سوری چپ تو کرو۔۔۔ کیوں اپنی مما اور نانو سے میری شامت

بلوائی ہے۔" وہ اس کے رونے پہ اسے چمکارنے لگا۔

"اچھا چلو آؤ جلدی سے تمہیں آئس کریم کھلا کر لاتا ہوں بلکہ مثال کی پسند کی چاکلیٹ اور کھلونے بھی۔ کیا لے گی میری گڑیا!" وہ اس کا چہرہ نرمی سے ٹشو سے صاف کرتے ہوئے اسے گود میں ذرا سا اٹھا کر پیار سے بہلانے لگا۔

"نہیں۔۔۔ مجھے کچھ نہیں کھانا ماموں!" وہ چہرہ صاف ہونے کے بعد سنجیدگی سے بولی۔

"مثال!" اس کے یوں انکار پر عمران کچھ حیرانی سے بولا۔

"ماموں! میرا دل نہیں چاہ رہا۔" وہ آہستگی سے گود سے اتر گئی۔

"کیا؟ ناراض ہو گئی ہو مجھ سے؟" وہ اس کے بال سلجھا کر بولا۔

"نہیں تو۔" وہ بڑے پن سے مسکرانے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔

"تو پھر ماموں کے ساتھ چلنے سے انکار کیوں؟"

"دل نہیں چاہ رہا ناں ماموں!" اسے واقعی آج کل کچھ اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ بس دل چاہ رہا تھا وہ جلدی سے پاپا ماما کے ساتھ اپنے گھر چلی جائے۔ نانو کے گھر اگر آئے بھی تو پہلے کی طرح بس ایک دو روز کے لیے یا چند گھنٹوں کے لیے۔۔۔

وہ بشریٰ سے اب کچھ اس لیے نہیں کہتی تھی کہ وہ فوراً "اسے باپ کی چمچی اور جانے کیا کیا کچھ کہنے لگتی تھی۔ پاپا کے سامنے بھی کھل کر اپنی خواہش نہیں کہتی تھی۔ اگر پاپا اسے ساتھ لے گئے تو وہ ماما کے بغیر نہیں رہ سکے گی۔ رہ تو وہ پاپا کے بغیر بھی نہیں پا رہی تھی مگر وہ اپنی تکلیف کسی سے بھی نہیں کہہ پا رہی تھی۔

اچھا چلو۔ جھولے لینے چلتے ہیں۔" عمران نے اسے ایک اور بہلاوا دیا۔

ماموں! مجھے نہیں جانا۔ میرا ہوم ورک بھی رہتا ہے۔ ابھی وہ بھی کرنا ہے اور ایک ٹیسٹ بھی ہے کل میرا اس کی تیاری بھی کرنی ہے مجھے۔" اسے بھی بڑوں کی طرح جان چھڑانے کے لیے بہانے بنانے آتے جا رہے تھے۔

"جان! اس کی تو آپ فکر ہی نہ کریں۔ آپ کے ماموں یوں چٹکیوں میں ہوم ورک بھی کروا دیں گے اور ٹیسٹ کی تیاری بھی۔" عمران چٹکی بجا کر مزے سے بولا۔

"چلو اب مزید ایکسکیوزز ختم کریں آپ اور جلدی سے چلیں میرے ساتھ۔ جھولے بھی لیں گے اور آئس کریم بھی چلے گی۔ سچ میرا بھی بہت دل چاہ رہا ہے آئس کریم کھانے کو اب چلو فٹافٹ۔ میں آپی سے کہہ کر آتا ہوں۔" وہ کہہ کر اندر جانے لگا۔

"ماموں! مجھے نہیں جانا ناں۔ میں نے آپ سے بولا بھی ہے، پھر آپ کیوں بار بار کہے جا رہے ہیں۔" وہ ایک دم زور سے بولی۔

عمران کے آگے بڑھتے قدم وہیں ٹھٹک سے گئے۔

اس طرح مثال نے کبھی بات نہیں کی تھی یوں چیخ کر، بدتمیزی سے۔ وہ تو بڑی تمیز والی، محبت کرنے والی بچی تھی۔ سب کا ادب کرنے والی۔

"کیا ہوا ہے اس طرح بدتمیزی کیوں کر رہی ہو۔ اگر آپ نے نہیں جانا تو مت جاؤ لیکن بات کیا ہے، ماموں کو نہیں بتاؤ گی۔" وہ جھک کر اسے پیار کر کے بولا۔

"ماموں! چھ بجنے والے ہیں نا؟"

"ہاں کیا ہوا۔ کہیں اور جانا ہے آپ نے چھ بجے؟" وہ نرمی سے بولا۔

"پاپا آنے والے ہیں نا مجھے ان کا انتظار ہے۔" وہ مغلوب سے لہجے میں بولی۔ عمران ہونٹ بھینچ کر اسے دیکھنے لگا۔ پھر ایک جھٹکے سے اسے چھوڑ کر اندر چلا گیا۔

مثال بے بسی سے عمران کو جاتا دیکھتی رہی۔

اسپتال میں دونوں میں جو تلخ کلامی ہوئی تھی۔ اس کے بعد عمران نے عدیل سے بات نہیں کی تھی۔ عدیل گھر بھی آتا تو وہ ماں کے مجبور کرنے پہ سرسری انداز میں سلام کر کے گزر جاتا تھا۔

عدیل نے بھی اس کی خفگی کی پروا نہیں کی تھی۔ عدیل کو اس وقت سوائے بشریٰ کی خفگی اور کسی کی پروا تھی بھی نہیں۔

بشریٰ جس نے اتنے دنوں سے اسے اپنی شکل نہیں دکھائی تھی۔ کبھی کبھی تو اس کا خون اپنی اس ذلت اتنی بری طرح سے کھولتا کہ جی چاہتا وہ پستول سے بشریٰ کا "اپنا اور مثال کا خاتمہ کر دے۔

گھر جاتا تو ماں اور بہن کے طعنے "ان کے طنز اس کا سینہ چھلنی کرنے لگتے۔ سسرال میں آتا تو بشریٰ کا نہ ملنا اسے اور بھی اپنی نظروں میں گرا جاتا۔ وہ سب کچھ صرف مثال کے لیے برداشت کر رہا تھا۔

باہر گاڑی کا ہارن بجا اور مثال بھاگتی ہوئی باہر چلی گئی۔ اس کے پاپا آ گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ ہاشم بھائی؟" عاصمہ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔

"کون تھا یہ کمینہ زبیر۔۔۔ کچھ نہیں چھوڑ کر گیا۔ سب کچھ لے اڑا ہے۔ تم اندھی تھیں۔ انسانوں کی تمہیں ذرا بھی پہچان نہیں۔ ایسا اندھا اعتماد تو کوئی اپنے سگوں پر نہیں کرتا تھا۔ تم نے ایک غیر شخص پر کر ڈالا۔"

وہ غصے میں بولتا چلا گیا۔ عاصمہ بے بسی سے بھائی کی شکل دیکھتی رہی پھر نظریں جھکا کر یوں بیٹھ گئی جیسے اب کبھی نہیں بولے گی۔

باہر شام ڈھل رہی تھی۔ چڑیاں اپنے گھروندوں کو لوٹ آنے کے بعد شور کر رہی تھیں۔ اس کا دل بے اختیار خواہش کرنے لگا کہ کاش وہ کوئی چڑیا ہوتی۔ درخت سے ٹوٹا کوئی بے جان پتا یا کوئی چیونٹی۔۔۔ کب کی پیروں کے نیچے آ کر مسلی جا چکی ہوتی۔

مگر وہ تو اشرف المخلوقات میں سے تھی۔
غم جھیلنے اور غم سے نپٹنے کا سلیقہ خدا نے اپنی اسی مخلوق کو دان کیا ہے۔ اس نے غم سے بوجھل پلکیں اٹھا کر ہاشم کو دیکھا۔
ہاشم کا موڈ سخت آف تھا۔
وہ بھی ٹھیک تھا بے چارہ۔ جس دن سے آیا تھا مسلسل بھاگ دوڑ میں لگا تھا۔ بڑی مشکل سے عفان کے آفس سے دوبارہ فائل نکلوائی۔ پھر سے حساب کتاب لگوایا۔
جمع تفریق ضرب تقسیم۔۔۔ ہر طرح سے الٹا سیدھا ہیر پھیر کر کے بھی حساب کر لیا۔ سارا خسارہ عاصمہ کے حصے میں آرہا تھا۔
وہ عفان کے سارے واجبات اپنے اکاؤنٹ میں پہلے ہی ٹرانسفر کروا چکا تھا۔ اور عاصمہ نے بہت سی جگہوں پہ آنکھیں بند کر کے سائن کرتے ہوئے اس شیطان کے لیے آسانیاں پیدا کر رہی تھیں۔
"عفان کا تو ایک دھیلا نہیں چھوڑا اس نے تمہارے اور بچوں کے لیے۔ غضب خدا کا! ایسا بھی کوئی ظالم انسان ہوگا۔ یتیموں کا مال لے اڑا۔ یقیناً" زندگی میں بہت ذلیل و رسوا ہوگا لیکن۔۔۔ اس وقت تو وہ تمہارے لیے ہر راستہ بند کر گیا۔ میرے ہاتھ لگ جائے۔" ہاشم مٹھیاں بھینچ رہا تھا۔
واثق گم صم کبھی ماں کی طرف دیکھتا اور کبھی ماموں کے ایک ایک لفظ کو بغور سنتے ہوئے سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اسے بہت کچھ سمجھ میں آرہا تھا اور بہت کچھ تھا جو وہ سمجھتے ہوئے بھی سمجھنا نہیں چاہ رہا تھا۔
"بھائی! اس کے گھر کا ایڈریس؟" عاصمہ بہت مدھم آواز میں بولی۔
"کچھ نہیں بچا۔۔۔ وہ کہیں کوئی اپنا پتا نشان نہیں چھوڑ کر گیا۔"
"عفان کے ساتھ وہ کتنی بار گھر آیا تھا؟" ہاشم اس کی آنکھوں میں دیکھ کر پوچھ رہا تھا۔
"دو۔۔۔ چار بار۔۔۔ شاید۔" نظروں کے ساتھ عاصمہ کی آواز اور بھی پست ہوئی جا رہی تھی۔
"اور بیوی بچوں کے ساتھ؟" وہ پھر سے بولا۔
عاصمہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔
"کوئی بھی نہیں جانتا۔ اس کی فیملی تھی بھی یا نہیں۔۔۔ عفان کے باس نے بھی اپنے ذرائع سے کافی بھاگ دوڑ کروا کے پتا چلانے کی کوشش کی ہے مگر وہ شیطان گدھے کے سر سے سینگ کی طرح غائب ہے۔"
کمرے میں موت کی سی خاموشی چھائی۔
ایک کے بعد ایک بڑی اور بری خبر چلی آرہی تھی۔
ہاشم تو خود یہاں آکر پھنس چکا تھا۔ اب نہ تو وہ عاصمہ اور بچوں کو یونہی بے یارو مددگار چھوڑ کر جا سکتا تھا اور نہ اپنے پلے سے اتنی موٹی رقم دے سکتا تھا کہ ان کے سر پہ چھت بھی آجاتی اور مستقل آمدنی کی کوئی صورت بھی۔
"میں نے آپ یہاں بلوا کر ناحق پریشان کیا ہے بھائی!"
عاصمہ کو کچھ تو کہنا ہی تھا اور یہ سب کچھ جو غلط اور الٹ پلٹ ہوا تھا اسی کی وجہ سے تو تھا۔
ہاشم نے کچھ کوفت سے اس کی طرف دیکھا مگر جواب میں کچھ نہیں کہا۔ عاصمہ دل مسوس کر رہ گئی۔
"یہاں۔۔۔ یہ مالک مکان کافی اچھے ہیں۔ انہوں نے گھر خالی کرنے کو نہیں کہا۔ چند ماہ میں یہاں اور گزار سکتی ہوں پھر عدت کے بعد کوئی چھوٹی موٹی کسی اسکول میں نوکری کر لوں گی اور گھر بھی کوئی چھوٹا سا دیکھ لوں گی۔" اس نے رک کر ہاشم کے ماتھے پہ پڑتے بلوں کو شمار کرنے کی کوشش کی۔
"محلے والے بھی کافی اچھے ہیں۔ خیال رکھنے والے اور تعاون کرنے والے۔ بچوں کے اسکول میں بھی میں نے

بات کر لی ہے۔ وہ ان کی فیس میں بھی کچھ رعایت کر دیں گے۔" وہ رک کر بولی۔
"تم جو کہنا چاہتی ہو صاف کہو۔" ہاشم بے زاری سے بولا۔
"آپ واپس چلے جائیں۔ میری وجہ سے اتنی تکلیف نہ اٹھائیں۔" وہ اٹک کر بولی۔
"تمہارا کیا خیال ہے میں تمہارے لیے یہ سب کچھ کر رہا ہوں؟" وہ کٹیلے لہجے میں بولا۔
عاصمہ سن سی رہ گئی۔ اسے اس جواب کی توقع نہیں تھی۔
"یہ معصوم سوال کرتی آنکھیں اور اپنے مرے ہوئے بہنوئی کی بے چین روح۔۔۔ پتا ہے عفان میرے خواب میں آیا رات کو۔ میں نے دیکھا وہ سارے گھر میں پریشان پھرتے ہوئے کبھی کمروں کے دروازے بند کرتا ہے اور کبھی کھڑکیاں۔۔۔ یوں جیسے اسے تم لوگوں کی حفاظت کے خیال نے پریشان کر رکھا ہے۔ اور تم کہتی ہو تم یہاں محفوظ ہو؟" وہ بڑبڑا کر بولا۔
عاصمہ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔
اس نے اتنے دنوں سے ایک بار بھی عفان کو یاد کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔
وہ عفان کی یاد سے آنکھیں ملا ہی نہیں سکتی تھی۔
کوئی بھی اس کے مرے ہوئے شوہر کا نام لیتا اس کا دھڑکتا دل لحہ بھر کو تھم سا جاتا۔ جیسے وہی عفان کو مارنے والی ہے۔
موت کے بعد مارنے والی۔
کوئی مرنے کے بعد بھی مرتا ہے؟
اس نے عفان کو یہ دوسری موت دی تھی تو کیسے اس کا ذکر سن پاتی۔
ہاشم اٹھ کر اس کے پاس آکر بیٹھ گیا۔
"تم فکر مند نہیں ہو۔ میں آیا ہوں تو ان شاء اللہ تمہارے اور بچوں کے لیے کچھ کر کے ہی جاؤں گا۔ نہ کچھ ہو سکا تو پھر میں خود دو چار سالوں میں واپس آنے کی کوشش کروں گا۔" وہ شفقت سے اس کے سر پہ ہاتھ رکھ کر بولا۔
"تم نے خود کو سنبھالنا ہے عاصمہ! تمہاری اس حالت کی وجہ سے بچے بہت پریشان ہیں۔ دیکھو! باپ اور دادا تو اللہ نے ان سے چھین لیا اب وہ ماں اور باپ دونوں کو تم میں تلاش کریں گے۔ تمہیں بہت حوصلہ رکھنا پڑے گا۔" وہ واثق کو اپنی بانہوں کے گھیرے میں لے کر پاس بٹھاتے ہوئے بولا۔
"مجھ میں اتنا حوصلہ نہیں ہے ہاشم بھائی۔۔۔ میں مر جانا چاہتی ہوں۔ میرا زندہ رہنے کو دل نہیں چاہتا۔" اس کے ضبط کے بندھن پھر ٹوٹنے لگے۔
واثق کی آنکھوں میں بھی آنسو آگئے۔
"ان چاروں کو کس کے حوالے کر کے جاؤ گی؟" ہاشم اسے دیکھ کر بولا۔
"جس کے حوالے وہ دونوں کر کے گئے ہیں۔" وہ رندھی آواز میں بولی۔
ہاشم تاسف سے اسے دیکھنے لگا۔
"مجھے تم سے ایسی باتوں کی امید نہیں تھی عاصمہ!" وہ دکھ بھرے لہجے میں کہہ گیا۔
معاشی مسائل تو بہت سے تھے لیکن عاصمہ کا ٹوٹا ہوا وجود اور اس کا یوں بات بات پہ بکھر جانا، ور مرنے کی باتیں کرنا، زندگی میں دلچسپی لینے سے مسلسل انکاری ہونا۔۔۔ وہ تو بچوں سے بھی اکثر بے نیاز بیٹھی رہتی۔ ہاشم کو یہ چیز بہت پریشان کر رہی تھی۔
اس معاملے میں اسے لگتا وہ بھی ہمت چھوڑ بیٹھے گا اور سب کچھ یونہی چھوڑ کر واپس چلا جائے گا۔ لیکن کیا

اسے واپس جاکر چین آجائے گا۔ سکون مل سکے گا؟

"عاصمہ! تمہیں کیا ہوا ہے۔ کچھ ہے جو میں نہیں جانتا۔ تم اتنی مایوس، اتنی ناامید کیوں ہو۔۔۔ اللہ کی ذات پہ بھروسا کیوں کمزور پڑ گیا ہے۔ تم تو بہت بہادر تھیں، بہت ہمت والی پھر ایسی باتیں کیوں کرنے لگی ہو۔" وہ اس کے سر پہ دوپٹا ٹھیک کرتے ہوئے نرمی سے پوچھنے لگا۔

عاصمہ کو اسی لمحے احساس ہوا کہ اس طرح تو وہ خود کو ساری دنیا کے سامنے تماشا بنا رہی ہے۔ جس اللہ نے رات کے اندھیرے میں اس کی تار تار ہوئی عزت کا پردہ رکھا ہے، وہ اسی چادر کو سارے میں پھیلا کر رکھ رہی ہے۔ اس کا مسلسل رونا دھونا، زندگی سے بے زار ہونا، بچوں سے لاتعلق ہونا، کوئی آنکھوں کا اندھا بھی ہوگا تو بھی کسی نہ کسی طرح معاملے کی تہہ تک پہنچ جائے گا۔

وہ خود ہی ٹھٹک کر رہ گئی۔

"بتاؤ مجھے۔ کیا ہوا ہے؟" ہاشم نرمی سے پوچھنے لگا۔

عاصمہ نے جلدی سے چادر سے اپنا چہرہ رگڑ ڈالا۔

"نہیں اسے یوں خود کو افشا نہیں کرنا، جو زیادتی اس کے ساتھ ہو چکی ہے، وہ دامن اٹھا کر سب کے سامنے خود کو بے لباس نہیں کرے گی۔ اس کی زندگی تو برباد ہو ہی چکی ہے۔ اس کی اس بے صبری سے اس کے بچوں کی زندگی میں سب کچھ فنا ہو جائے گا۔ خاص طور پر اس کی تینوں بچیوں کی زندگی میں کچھ نہیں بچے گا۔ صرف ایک بے کردار ماں کی کہانی کے سوا!

اسے یہ سب نہیں کرنا۔

"واثق! دیکھو کچن میں ہنڈیا کے نیچے چولہا جل رہا ہے، جاکر بند کردو۔"

وہ جو اتنے دنوں سے نہیں سنبھل رہی تھی۔ ایک لمحے نے اسے سمیٹ لیا تھا۔ بہت کچھ ابھی بھی باقی تھا۔ بہت کچھ ابھی بھی جوڑا جا سکتا تھا۔ اس کے دل کو اتنے دنوں میں پہلی بار امید سی بندھی تھی۔

☼ ☼ ☼

"پاپا!"

گاڑی میں بیٹھتا ہوا عدیل وہیں ٹھٹک کر رک گیا۔

مثال آس بھری نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔ وہ ایک اداس سی مسکراہٹ کے ساتھ اس کے پاس واپس آیا۔

جی میری جان! آپ کو میرے ساتھ چلنا ہے؟" وہ اس کے پاس گھٹنوں کے بل بیٹھ گیا۔

مثال نے نفی میں سر ہلا دیا۔ عدیل اسے دیکھتا چلا گیا۔ وہ کتنی کمزور سی ہو گئی تھی۔

"آپ کو کیا کہنا ہے مثال مجھ سے؟" وہ اس کی مسلسل چپ پر پوچھنے لگا۔

"پاپا! ہم یہاں نانو کے گھر کب تک اور رہیں گے۔" وہ رک رک کر بولی۔

اگرچہ وہ پہلے بھی ادل بدل کر یہی سوال عدیل سے کئی بار کر چکی تھی مگر وہ اسے کوئی بھی تسلی بخش جواب نہیں دے سکا تھا۔ اب بھی عدیل گہرا سانس لے کر رہ گیا۔

"پاپا! مجھے جواب دیں نا!" وہ اس کا کندھا ہلا کر بولی۔

"جان۔۔۔ آپ ماما سے یہ بات کیوں نہیں پوچھتیں؟" وہ اس کے سنہری بال سہلا کر بولا۔

"مجھے ماما سے ڈر لگتا ہے۔ میں ان سے یہ سوال۔۔۔ کوئی بھی سوال نہیں پوچھ سکتی۔" اس نے بہت دیر میں

سہمے ہوئے لہجے میں جواب دیا تھا کہ کہیں اس کی بات سے پاپا کچھ اور نہ سمجھ لیں۔ عدیل کے لب بھنچ سے گئے۔

"وہ آپ کو مارتی ہیں؟" وہ توقف سے بولا۔

مثال نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"تو پھر آپ کو ماما سے کیوں ڈر لگنے لگا ہے مثال! اور میری جان ماما سے تو کوئی بھی نہیں ڈرتا بلکہ بچے تو اپنی ہر بات صرف اپنی ماما سے شیئر کرتے ہیں۔ آپ بھی اپنی ماما سے نرمی سے پیار سے یہ بات پوچھو۔" عدیل نے اسے سمجھایا۔

مثال نے پھر نفی میں سر ہلا دیا۔

"ماما بہت جلدی شاؤٹ کرنے لگتی ہیں یا پھر رونے لگتی ہیں یا پھر مجھے کہتی ہیں۔ چلی جاؤ یہاں سے یا پھر کمرہ لاک کر لیتی ہیں، پھر نانو بھی انہیں بلاتی ہیں تو وہ باہر نہیں آتیں۔" مثال رک رک کر باپ کو ماں کی ذہنی حالت سے آگاہ کر رہی تھی۔

عدیل فوری طور پہ کچھ نہیں بول سکا۔ اسے معلوم تھا بشریٰ اسی طرح کر رہی ہوگی۔

لیکن اب تو اس واقعہ کو بہت دن گزر بھی چکے۔ اب تو اسے سنبھل جانا چاہیے۔ اور کچھ نہیں تو مثال کی ذہنی تکلیف کو سمجھنا چاہیے کہ بچی اس ساری صورت حال سے کس طرح ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو رہی ہے۔ اسے بشریٰ سے اس بچکانہ رویے کی امید نہیں تھی۔

امیدیں تو ہمیں خود سے بھی بہت ہوتی ہیں کہ ہم بہت میچور ہو چکے ہیں مگر بعض اوقات ہم اکثر ایسا رد عمل کر جاتے ہیں کہ بعد میں ہمیں خود پہ رونا آتا ہے جیسے اس معمولی سے زبانی جھگڑے میں عدیل نے بشریٰ کے ساتھ جو سلوک کیا۔ کیا وہ بچکانہ نہیں تھا۔ وہ ٹھنڈا سانس لے کر رہ گیا۔

"ماما کہاں ہے اب تمہاری؟" وہ مثال سے بولا۔ آج بھی وہ ڈھائی گھنٹے بیٹھا رہا تھا۔ مگر بشریٰ نے ملنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔

ذکیہ نے عدیل کو بہانے سے ٹالا کہ بشریٰ۔۔۔ کی طبیعت اچھی نہیں تھی۔ نیند کی گولی لے کر سو رہی ہے اور بھی بہت کچھ۔

عدیل سمجھ رہا تھا مگر خاموش تھا کہ بہرحال اس سارے معاملے کو بگاڑنے میں عدیل کی غلطی زیادہ تھی۔

مگر ایسا اور کتنے دن چلے گا۔ وہ خود بھی تھک چکا تھا۔ روز آفس سے آکر یہاں دو تین گھنٹے بے مقصد بیٹھے رہنا۔ اتنے دنوں میں بشریٰ ایک بار بھی اس کے سامنے نہیں آئی تھی، نہ اس کا فون سنتی تھی۔

کئی بار اس کے خون میں غصے کے زبردست ابال اٹھے۔

اس نے بھی سوچ بھی لیا کہ اب وہ نہیں آئے گا اس ضدی عورت کو منانے کے لیے۔۔۔

مگر پھر مثال، مثال کی معصوم صورت اسے جیسے ہی آفس ٹائم ختم ہوتا کھینچ کر یہاں لے آتی۔ مگر وہ بچی ان دونوں کی اس لڑائی سے کس قدر سہم چکی تھی۔ اگر اس کے ساتھ کوئی نفسیاتی مسئلہ ہو جاتا۔۔۔ بشریٰ کو ماں ہوتے ہوئے اس بات کی نزاکت کا احساس ہونا چاہیے تھا۔

"ماما سو رہی ہیں تمہاری؟" وہ اس کے ساتھ چلتا ہوا اندر چلا آیا۔

"نہیں۔۔۔ اپنے روم میں ہیں۔" مثال ادھر ادھر دیکھ کر محتاط لہجے میں بولی کہ اگر کسی نے سن لیا کہ مثال نے عدیل کو بشریٰ کے بارے میں بتایا ہے تو کہیں اس کی پٹائی نہ ہو جائے۔

"او کے جان! ایک منٹ یہاں رکو۔ میں ابھی آپ کی ماما سے بات کر کے آتا ہوں۔ او کے۔" وہ سر ہلا کر رہ گئی اور عدیل اندر چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

عاصمہ نے سارے زیورات لا کر ہاشم کے سامنے رکھ دیے وہ کتاب پڑھتا وہیں ٹھٹک کر رہ گیا۔

"میں نے اسی ہزار کی ایک کمیٹی بھی ڈال رکھی ہے، جو مجھے اگلے مہینے مل جائے گی۔ اس کے علاوہ پندرہ بیس ہزار اور بھی ہیں۔" وہ چہرے پر گہری سنجیدگی لیے ہوئے تھی۔

"لیکن یہ سب کس کیے عاصمہ؟" ہاشم نرمی سے بولا۔

عاصمہ لحہ بھر کو کچھ بول نہیں سکی۔

دل ضدی اسی بچکانہ خواہش پر اڑا ہوا تھا کہ اس کے بچوں کے سر پر اپنی چھت ہونی چاہیے۔

"بھائی ۔۔۔ کیا یہ ممکن نہیں ۔۔۔ چھوٹا سا بھلے ایک کمرے کا گھر میرا۔۔ میرے بچوں کا بھی ہو ۔۔۔ بھلے یہ زیور بک جاتے اور جو کچھ بھی ہے۔ بلکہ چار لاکھ جو چچا اسلم دے گئے تھے۔ وہ بھی پڑے ہیں اس کے علاوہ۔" وہ جلدی جلدی بولی۔

"دیکھو! اپنا گھر ہونے سے زیادہ یہ اہم ہے عاصمہ! کہ تم ہمت کرو بہادر بنو۔ خود کو سنبھالو ورنہ کل کو کوئی بھی چال باز، لیٹرا پھر سے تمہارے گھر کے کاغذ لے اڑے گا اور تمہیں پتا بھی نہیں چلے گا۔" ہاشم اسے جانے کیا جتانے کو بولا۔ عاصمہ سر جھکا کر رہ گئی۔

وہ پھر سے خود کو کمزور لمحوں کے حوالے نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

"بہت سمجھوتے کیے ہیں ان کچھ دنوں میں۔ یوں جیسے میں کئی سال آگے نکل آئی ہوں۔ دعوا تو نہیں کرتی، لیکن کوشش کروں گی۔ آئندہ بہت محتاط رہوں گی۔" وہ رک رک کر یوں آہستہ سے بولی جیسے یہ خود کو باور کرا رہی ہو۔

ہاشم سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے بلکہ مجھے خوشی ہے کہ تم نے بالآخر خود کو سمجھا لیا ہے۔ خود کو کمپوز کر لیا ہے۔ بجائے اس کے کہ کوئی تمہیں سنبھالتا۔۔۔ بچے بہت ڈسٹرب ہیں تمہارے اس رویے کی وجہ سے۔" وہ بولا۔

"میں سمجھ رہی ہوں بھائی!" وہ آہستگی سے بولی۔

"غفار انکل کی گریجویٹی کی رقم اللہ کا شکر ہے اس بدمعاش کے ہاتھ لگنے سے بچ گئی اور کچھ رقم جو تمہارے پاس ہے۔ بہرحال میں کوشش کرتا ہوں اتنے میں کوئی نہ کوئی چھوٹا موٹا گھر تمہارے لیے دیکھ سکوں۔" وہ بولا۔

"ایکچوئیلی عاصمہ! میں پندرہ دن سے زیادہ یہاں رک نہیں سکتا۔ مجھے مزید چھٹی نہیں ملے گی۔" وہ رک کر بولا۔ عاصمہ پریشان ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

"لیکن تم پریشان نہیں ہو میں تمہیں اور بچوں کو یوں چھوڑ کر تو نہیں جاؤں گا۔ صبح دو تین ڈیلرز نے مجھے کچھ گھر دکھائے ہیں اس کے بعد ان شاء اللہ میں تمہیں دکھاؤں گا اور ہم ایک دن میں سب کچھ فائنل کر لیں گے تو ان شاء اللہ ہفتہ دس دن میں یہ کام ہو جائے گا۔"

"اللہ کرے ایسا ہی ہو۔" عاصمہ کے لہجے میں پھر سے آس امید تھی

"تم فی الحال یہ زیور اور رقم وغیرہ سنبھال کر رکھو۔ آج کل حالات بالکل بھی اچھے نہیں ہیں۔ کوشش کروں گا جلد سے جلد یہ معاملہ سیٹل ہو سکے۔" وہ زیور کے ڈبے اسی تھیلے میں ڈالنے لگا جس سے عاصمہ نے نکالے تھے۔

"بھائی! میں آپ کی بہت شکر گزار رہوں گی۔" عاصمہ نم آواز میں کہنے لگی۔

ہاشم نے اس کو روک دیا۔

میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں، میں یہ سب کچھ تمہارے لیے نہیں ان معصوم بچوں کے لیے کر رہا ہوں اور میں نے بھی سوچ لیا ہے، میں سال دو سال میں وہاں سے سب کچھ وائنڈ اپ کر کے پاکستان آجاؤں گا۔ ں تمہارے پاس کسی کو ہونا چاہیے، جب تک بچے چھوٹے ہیں۔" عاصمہ سر ہلا کر رہ گئی۔

اسے معلوم تھا یہ سب کچھ اتنی جلدی ممکن نہیں مگر وہ خاموش رہی۔

☼ ☼ ☼

"کیا سمجھتی ہو تم خود کو؟ ایسی کون سی قیامت ٹوٹ گئی ہے کہ جس کا ازالہ ہی ممکن نہیں۔" بشریٰ کے گمان میں بھی نہیں تھا کہ عدیل یوں اچانک کمرے میں آکر اسے اس طرح جھنجھوڑ ڈالے گا۔

لحہ بھر کو تو وہ شاکڈ رہ گئی۔ کچھ بول ہی نہ سکی۔

"تم اگر میرے ساتھ نہیں رہنا چاہتیں، تم نے کوئی فیصلہ کر لیا ہے تو میرے سامنے آکر مجھ سے بات کرو یوں منہ چھپا کر بیٹھ گئی ہو جیسے۔۔۔"

"منہ میں نہیں، تم چھپاؤ گے اگر میں سارے میں۔۔۔"

"بتا دو سارے میں چیخ چیخ کر ساری دنیا کو بتا دو۔ تمہارے ساتھ کچھ ایسا انوکھا نہیں ہوا ہے، وہ بچہ صرف تمہارا نہیں تھا، میرا بھی تھا۔ جتنا اس کے جانے کا تمہیں دکھ ہے، مجھے بھی اتنی ہی تکلیف ہے۔ تم یہ سب ڈراما کر کے کیا ثابت کرنا چاہتی ہو۔"

بشریٰ اس کے انداز پر ایک دم سہم کر رہ گئی۔ وہ اسے پھر سے اس دن والا عدیل لگا تھا، جب یہ منحوس واقعہ ہوا تھا وہ فوری طور پر کچھ بول ہی نہ سکی۔

"اتنی خود غرض اتنی بے حس ہو گی تم، یہ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ وہ چھوٹی سی معصوم بچی تمہاری اس ضد اور ہٹ دھرمی سے کس طرح سہم کر رہ گئی ہے۔ تمہیں کچھ احساس ہے؟" وہ اس کے سامنے یوں تن کر کھڑا تھا کہ اس کے پاس فرار ہونے کا کوئی راستہ نہیں بچا تھا۔

"وہ خوش ہے یہاں میرے ساتھ۔" وہ نظریں چرا کر کمزور آواز میں بولی۔

"خوش۔ خوشی کا مفہوم جانتی ہو تم؟" وہ پھر سے اسے جھنجھوڑ رہا تھا۔

"چھوڑو مجھے اور جاؤ یہاں سے، میں نے تم سے کوئی بات کرنی ہے نہ کچھ کہنا ہے۔" وہ اسے نفرت سے دیکھ کر زور سے بولی۔

عدیل سرد نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"تم جیسی عورتیں اس قابل ہوتی ہی نہیں کہ انہیں اتنی محبت دی جائے کہ وہ اپنی اوقات ہی بھول جائیں۔" وہ ایک دم اسے بیڈ پر دھکا دے کر نفرت سے بولا۔

"اور تم جیسے مرد جن میں مردانگی صرف یہ ہے کہ عورت پر ہاتھ اٹھایا جائے، اسے کمزور سمجھ کر جب چاہے دھتکار دیا جائے اور جب دل چاہے اس کے پاس چل پڑے، نفرت ہے مجھے تم جیسے مردوں سے۔" وہ بھی جواباً زور زور سے چلائی۔

عدیل وہیں رک کر رہ گیا۔

"نفرت ہے تمہیں مجھ سے؟" وہ ایک قدم آگے بڑھ کر بولا۔

"ہاں۔ ہاں نفرت ہے مجھے تم سے۔۔۔ چلے جاؤ تم یہاں سے۔" وہ ذرا بھی خوف زدہ نہیں ہوئی۔ اسی طرح چلا کر بولی۔

عدیل نے زور سے ہونٹ بھینچ لیے۔

اس کے منہ سے وہ کچھ نکلنے والا تھا جو سب کچھ ختم کر ڈالتا' پھر ان دونوں کے درمیان کچھ بھی نہیں بچتا۔

"تو پھر کیا چاہتی ہو تم۔ بولو۔" وہ اس کی طرف بڑھ کر بولا۔

"میں۔ تم سے علیحدگی چاہتی ہوں۔" وہ بیڈ سے اتر کر ایک طرف جا کھڑی ہوئی۔

عدیل اسے دکھ بھری نظروں سے دیکھ کر رہ گیا۔

اسے حیرت سی ہوئی۔ یہ وہ عورت تھی جس پر وہ آج تک اپنا سب کچھ لٹاتا چلا آیا تھا۔ اپنا دل' اپنی دولت' اپنا ہر خوشی اس نے اس کی خواہش کے تابع کر رکھی تھی اور وہ کیسے چند لمحوں میں خود کو پرائی کر بیٹھی تھی۔

"علیحدگی چاہیے تمہیں؟" وہ سینے میں اٹھتے درد کو دبا کر بولا۔

"ہاں علیحدگی چاہتی ہوں میں تم سے۔ میں تم جیسے جنگلی انسان کے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔ جسے یہ احساس نہیں کہ عورت کے ساتھ کیسے رہا جاتا ہے۔"

"کسی اور کو پسند کرنے لگی ہو؟" وہ تلخی سے بولا۔

"عدیل!" وہ تڑپ اٹھی تھی۔

"میں تمہیں چھوڑ دوں گا مگر مثال کی شکل دیکھنے کو بھی ترس جاؤ گی تم۔ یہ بات یاد رکھنا۔" وہ اس کی کمزوری کو جانتا تھا اس کو جتا کر بولا۔

"مثال کا تو تم نام نہیں لو گے' وہ صرف میری بیٹی ہے اور میری ہی رہے گی۔ میں تم جیسے شخص کے حوالے اسے نہیں کروں گی اور تمہاری ماں بہن۔"

"خاموش! اب ایک لفظ اور نہیں بولنا میں بھی پھر ہر لحاظ اٹھا دوں گا۔" وہ دھاڑ کر بولا۔

"اوہ! تو تم نے اب تک لحاظ رکھا ہوا تھا۔ خوب!" وہ طنزیہ بولی۔

"میں مثال کو ساتھ لے کر جا رہا ہوں۔" عدیل نے مڑتے ہوئے کہا۔

"تم مثال کو ہاتھ بھی نہیں لگاؤ گے ورنہ میں اتنا شور مچاؤں گی کہ تمہارے لیے یہاں سے نکلنا مشکل ہو جائے گا۔" وہ تیزی سے اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

عدیل اسے دیکھتا چلا گیا۔

یہ وہی صورت تھی جس پر وہ دل و جان سے فدا تھا۔ جس کے لیے وہ نسیم اور فوزیہ کا ہر طعنہ سہہ جاتا تھا اور اس کا دل چاہتا تھا کہ دنیا جہاں کے سارے خزانے اس عورت کے قدموں میں ڈھیر کر دے اس کی کوئی بھی خواہش تشنہ نہ رہے۔

"اچھا بس کرو نا اب غصہ جانے دو۔ یہ دیکھو! میں تم سے کتنی بار تو معافی مانگ چکا ہوں' پھر سے مانگ رہا ہوں وہ میرا بھی بچہ تھا مجھ سے واقعی بہت زیادتی ہو گئی' میں اللہ سے بھی معافی مانگ رہا ہوں۔

پلیز بشریٰ! میری جان! میرے ساتھ چلو گھر ابھی۔ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اتنے دنوں سے کانٹوں کے بستر پہ ہوں مجھ پر رحم کرو۔" وہ ایک دم سے پگھل گیا تھا۔ بشریٰ کی کمزور شکل نے اس کا دل پگھلا دیا تھا۔ بشریٰ بھی پل پل بدلتے روپ کے اس مرد کو حیرانی سے دیکھتی رہ گئی۔

"میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ مثال ہم دونوں کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ میری جان آ جاؤ واپس ہماری دنیا ایک دوسرے کے بغیر نا ممکن ہے' ادھوری ہے' تم ہو تو سب کچھ ہے ورنہ سب کچھ بالکل ادھورا ہے۔"

وہ بے اختیار اسے اپنے ساتھ لگا کر بولا۔

"چھوڑو مجھے۔" بشریٰ نے کمزور سی مزاحمت کی۔

"تمہیں چھوڑ دوں گا تو خود کیسے زندہ رہوں گا۔" اس نے اور بھی گرفت مضبوط کی۔

"مجھے تمہارے ساتھ نہیں رہنا عدیل!" وہ اسے پرے دھکیل رہی تھی اور وہ اسے اور بھی قریب کرتا جا رہا تھا۔

"تو میں تمہارے ساتھ رہ لوں گا۔ تمہیں منا لوں گا۔ راضی کر لوں گا۔ تمہارے بغیر سب کچھ بے رنگ ہے۔ نہیں بھی زندگی ہے نہ خوشی بشریٰ! چلو واپس' ہماری بچی ہم دونوں کی وجہ سے کتنی ڈسٹرب ہے۔ میرے گھر کا وہ خالی کمرا جو صرف تمہاری ہنسی سننا چاہتا ہے تمہاری آواز کو ترس گیا ہے۔ پلیز بشریٰ! چلو میرے ساتھ۔" وہ اسے اور بھی بانہوں کے گھیرے میں لے کر بولتا چلا گیا۔

"مجھے وہاں نہیں جانا۔" وہ خود کو آزاد کرانے کی ناکام کوشش کرتے ہوئے بولی۔

"تم جہاں کہو گی میں تمہیں لے چلوں گا۔ بس مجھے چھوڑنے کی اور جانے کی بات نہیں کرو۔ تمہارے بغیر یہ جدائی کے دن کیسے گزرے ہیں' کاش! میں تمہیں بتا سکتا۔" وہ اس کے بکھرے بال سلجھاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"اتنے دنوں سے تو میرا خیال آیا نہیں۔"

شاید عورت اسی کا نام ہے' وہ اتنے دنوں سے اس چیز کی منتظر تھی وہ آئے اور اسے اسی طرح جھنجھوڑ کر اپنا حق جتا کر اسے منا لے۔ اس کے ساتھ زبردستی کرے۔

عورت کو سمجھنا کتنا ناممکن ہے مگر اتنا بھی ناممکن نہیں۔

عدیل بشریٰ کو پگھلتے دیکھ کر مسکرایا۔

"کتنی کمزور ہو گئی ہو۔ کیا میرے بغیر رہ سکتی تھیں؟" وہ پھر سے اسے دیکھ کر مسکرایا۔

"مگر عدیل! مجھے وہاں نہیں جانا آپ کے ساتھ۔" وہ اس کی بانہیں نرمی سے ہٹا کر بولی۔

"کیا مطلب؟" عدیل پہلی بار چونکا۔

بشریٰ نے عدیل کو جانچتی نظروں سے دیکھا۔

"مجھے یہ بات کہنی چاہیے یا نہیں۔" اس نے لمحہ بھر کو سوچا اور پھر یہ بازی کھیل لینے کا سوچ لیا۔

زکیہ بیگم نے اسے اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ اس سے مناسب موقع اور کوئی نہیں ملے گا' اپنی بات منوانے کا۔

"مجھے الگ گھر چاہیے۔" وہ رک کر بولی۔

عدیل لمحہ بھر کو جیسے گنگ سا رہ گیا۔ اسے بشریٰ سے اس فرمائش کی توقع نہیں تھی۔

"ورنہ میں آپ کے ساتھ کبھی نہیں جاؤں گی۔" وہ حتمی لہجے میں بولی۔

☼ ☼ ☼

چھوٹا سا صحن جس میں بمشکل ایک پلنگ اور دو کرسیاں آ سکتی تھیں۔ آگے چھوٹا سا کچن اور دو چھوٹے کمرے۔ عاصمہ کی امیدوں سے بہت بڑھ کر تھا یہ گھر۔ اس کا اپنا گھر۔

وہ آنسو بھری بے یقین نظروں سے دیکھتی چلی جا رہی تھی۔

باہر کی طرف سے اوپر جاتی سیڑھیاں تھیں اور اوپر بھی اسی طرح دو کمرے' کچن اور باتھ روم تھا۔

وہ تو صحن میں ہی رک کر رہ گئی تھی۔

"عاصمہ! آؤ نا کمرے تو دیکھ لو۔" ہاشم اسے وہیں سے دیکھ کر بولا۔

"مما! آ جائیں نا جلدی سے دیکھیں تو۔ کمرے کتنے پیارے ہیں تھوڑے چھوٹے ہیں لیکن ہمارے پہلے والے کمرے سے بہت اچھے۔"

واثق اور اریبہ بہت خوش تھے۔

اس کا تو دل چاہ رہا تھا یہیں زمین پر سر ٹیک کر سجدۂ شکر بجا لائے۔

اس کے قدم زمین نے جکڑ لیے تھے۔ واثق اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گیا۔ وہ سحر زدہ سی گھر کو دیکھتی جا رہی تھی۔

"اتنا کچھ گنوا کر بالآخر اسے اپنا گھر مل ہی گیا۔" اس نے دوپٹے کے کونے سے اپنی آنکھیں صاف کیں۔

"عاصمہ! اس گھر کی سب سے اچھی بات یہ ہے کہ بہت ہوادار ہے۔ لوگ بہت اچھے ہیں خیال رکھنے والے تمہارا اور بچوں کا یہاں بہت جلد دل لگ جائے گا۔ اچھا ہے نا گھر۔" وہ مسلسل بولتے ہوئے رک کر پوچھنے لگا۔

"بہت اچھا بھائی! میرے بچوں کی چھت ہے ان کے لیے جائے امان! کیوں اچھی نہیں ہوگی۔" وہ کھل کر مسکرائی۔

دو دن بعد اس کی عدت ختم ہو رہی تھی۔ سامان سارا پیک ہو چکا تھا۔ ہاشم اسے یہ گھر ایک نظر دکھانے کے لیے لایا تھا۔

"اور بھائی! یہ پچھلے گھر سے زیادہ دور بھی نہیں ہے۔"

"ہاں۔"

"بچوں کے اسکول بھی زیادہ دور نہیں اور گھر بھی بہت پر رونق جگہ پہ ہے۔" وہ بہت خوش تھی۔ اور بے تکان بولے جا رہی تھی۔ بچوں کے ساتھ ادھر ادھر کمروں میں پھر رہی تھی۔

ہاشم بہن کو دیکھ کر خوش تھا۔ اس کے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا تھا۔

پورے طور پر نہ سہی اس نے کچھ حق تو ادا کر ہی دیا تھا۔

"اور میں نے اسلم سے بات کر لی ہے۔ بہت اچھی فیملی دے گا۔ وہ اوپر کرائے پر دینے کے لیے۔ آمدنی کا ایک ذریعہ یہ بھی ہو جائے گا۔" ہاشم اسے تفصیل بتانے لگا۔ دونوں بہن بھائی بہت خوش تھے۔

☼ ☼ ☼

عدیل کا سوچ سوچ کر دماغ تھکنے لگا تھا۔

وہ بشریٰ کی یہ ناممکن سی خواہش کیسے پوری کر سکتا تھا۔ الگ گھر بوڑھی ماں اور بہن کو اکیلا چھوڑ کر وہ کہاں لے گا۔ اور جب نسیم بیگم کو پتا چلے گا تو وہ کتنا ہنگامہ مچائیں گی۔

وہ رات بھر ٹھیک سے سو نہیں سکا۔

اس نے بشریٰ کو بہت سمجھانے کی کوشش کی مگر اس کی ایک ہی ضد تھی۔ ورنہ وہ اس سے علیحدگی کے لیے بھی تیار تھی۔

وہ صبح بغیر ناشتہ کیے آفس چلا گیا۔

واپسی پر چاہتے ہوئے بھی وہ بشریٰ سے ملنے نہیں جا سکا۔

بس یوں ہی سڑکوں پر بے مقصد گاڑی دوڑاتا رہا۔

راستے میں دو بار مثال کی کال بھی آئی مگر وہ بچی کو آفس میں کام کا بہانہ کر کے ٹال گیا۔

بشریٰ کو وہ کچھ ٹائم دینا چاہتا تھا۔

بلکہ ٹائم تو شاید اسے چاہیے تھا کہ نسیم بیگم کو آج کل پھر فوزیہ کے رشتے کی بے چینی لگ گئی تھی۔ دن میں دو دو تین تین رشتہ دیکھنے والیاں آ رہی تھیں۔

ان کی خاطر مدارات میں ساری تنخواہ اٹھنے لگی تھی۔ مگر وہ ماں کو منع بھی نہیں کر سکتا تھا۔

"اس دور کا مرد کتنا کمزور، کتنا بے بس ہے۔" وہ یوں ہی ایک پارک میں جا کر بینچ پر بیٹھ گیا۔ اس نے اکتا کر فون سے نکالا۔

نسیم بیگم کی کال تھی۔ وہ نظر انداز نہیں کر سکا۔ وہ صبح بھی ماں سے ملے بغیر گھر سے نکل آیا تھا اور اب بھی گھڑی شام ہو چلی تھی۔ وہ دل کی مریضہ تھیں۔ فکر مند ہو سکتی تھیں۔ ان کی طبیعت کا یوں بھی پتا نہیں چلتا تھا۔

"امی! آفس میں کام تھا۔ اس لیے لیٹ ہو گیا۔" اس نے نرمی سے ماں سے کہا۔

"ہاں وہ تو تمہیں مہینے بھر سے ہی ہے۔ رات گئے ہی آتے ہو، مگر آج تم ابھی اور اسی وقت گھر آؤ ورنہ۔۔۔" وہ فون پر غصے میں لگ رہی تھیں۔

"امی! خیر تو ہے نا۔ آپ کی طبیعت تو اچھی ہے نا۔" وہ گھبرا گیا۔

"میری طبیعت کو گولی مارو۔ بس تم فوراً گھر آ جاؤ۔ مجھے بات کرنا ہے تم سے ابھی۔" وہ ہٹیلے لہجے میں بولیں۔

"جی۔ اچھا۔ میں آ رہا ہوں۔ تھوڑی دیر میں پہنچتا ہوں۔" اس نے کہہ کر فون بند کر دیا۔

"اب جانے امی کو کون سا نیا شوشا سوجھا ہوگا۔" وہ اکتا کر باہر نکل آیا۔

"یہ کیا کہہ رہی ہیں امی۔" وہ بھونچکا سا رہ گیا۔

"یہاں میری لاش پڑی ہوگی تو ہی اس گھر کے دو گھر بنیں گے۔ عدیل! میں تجھے بتا رہی ہوں۔ اگر تو بیوی، بچی کو لے کر کہیں گم ہوا تو میں نا، خدا کی قسم اپنی جان دے دوں گی۔ یہ بات تو میری لکھ لے۔" نسیم بیگم سخت غصے میں تھیں۔ بغیر سوچے سمجھے بولتی چلی گئیں۔

"امی! کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے اور میں کیوں کروں گا ایسے۔" وہ ماں کے تیور دیکھ کر گھبرا گیا۔

"مجھے بے وقوف نہ بنا تو۔ مجھے سب پتا چل گیا ہے۔ ماں بیٹی کیا چکر چلا رہی ہیں۔ یہ تو یوں ہی بیٹھے بیٹھے میرے جی کو بے چینی سی ہوئی کہ بہو میری بیٹی کے برابر ہے، میں جا کر بشریٰ کا حال تو پوچھ کر آؤں، تو چل پڑی کہ آنچل مجھے مار۔" وہ ماتھے پر ہاتھ مار کر بولیں۔

"اور وہ دونوں ماں، بیٹی تو جیسے تیار تھیں۔ فوراً ہی مجھے کہہ دیا کہ بشریٰ تو تب ہی واپس آئے گی جب عدیل اس کے لیے الگ گھر لے کر دے گا اور عدیل گھر لے بھی رہا ہے۔ ایک ماں ہی بے خبر ہے۔ باقی تو سب کو پتا ہے۔" وہ رونے لگیں۔

"امی! ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ یقین کریں۔" وہ روہانسا ہو کر بولا۔

"کھا میرے سر پر ہاتھ رکھ کر میری قسم کہ ایسا کچھ نہیں ہے۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے سر پر رکھ کر بولیں تو عدیل بے بسی سے دیکھتا رہ گیا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

سانحہ ارتحال

آپ کی پسندیدہ مصنفہ بہن عنیقہ محمد بیگ کی والدہ محترمہ مختصر سی علالت کے بعد اس دارِ فانی کو الوداع کہہ گئیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

والدہ کی شفقت اور محبت سے محرومی بہت بڑا صدمہ ہے۔ ہم عنیقہ محمد بیگ کے دکھ میں برابر کے شریک ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعاگو ہیں کہ عنیقہ اور دیگر اہل خانہ کو صبر جمیل سے نوازے اور مرحومہ کو جنت الفردوس میں اعلا مقام عطا فرمائے۔ آمین۔

قارئین سے بھی دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

رُخسانہ نگار عدنان

عدیل اور فوزیہ نسیم بیگم کے بچے ہیں۔ بشریٰ ان کی بہو ہے اور ذکیہ بیگم کی بیٹی ہے۔ عمران بشریٰ کا بھائی ہے۔ مثال ذکیہ بیگم کی نواسی اور نسیم بیگم کی پوتی ہے۔ بشریٰ اور نسیم بیگم میں روایتی ساس بہو کا تعلق ہے۔ نسیم بیگم مصلحتاً بیٹا بہو سے لگاوٹ دکھاتی ہیں۔ دوسری طرف ذکیہ بیگم کا کنبہ ہے۔ ان کی بیٹی بشریٰ کو سسرال میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ پانچ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد بشریٰ کی نند فوزیہ کا بالآخر ایک جگہ رشتہ طے پا جاتا ہے۔ نکاح والے روز بشریٰ دولہا ظہیر کو دیکھ کر چونک جاتی ہے۔

عدیل سے شادی سے قبل ظہیر کا بشریٰ کے لیے بھی رشتہ آیا تھا مگر بات نہ بن سکی تھی۔ نکاح والے دن زاہدہ اور ذکیہ بیگم بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔ بشریٰ اپنی ماں سے یہ بات چھپانے کے لیے کہتی ہے مگر عدیل کو پتا چل جاتا ہے۔ وہ ناراض ہوتا ہے مگر فوزیہ اور نسیم بیگم کو بتانے سے منع کر دیتا ہے۔ بشریٰ اور عدیل ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جاتے ہیں سو وہاں انہیں پتا چلتا ہے کہ بشریٰ کے ہاں سات سال بعد پھر خوش خبری ہے۔

عفان اور عاصمہ اپنے تین بچوں اور والد کے ساتھ کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔ عفان کے والد فاروق صاحب سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ گریجویٹی اور گاؤں کی زمین فروخت کر کے وہ اپنا گھر خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ڈیڑھ کروڑ میں زمین کا سودا کر کے وہ عفان کے ساتھ خوشی خوشی شہر آ رہے ہیں۔ عاصمہ کو فون کے ذریعے کوئی اطلاع ملتی ہے جسے سن کر وہ بے ہوش ہو جاتی ہے۔

فون پر پتا چلتا ہے کہ شہر آتے ہوئے عفان اور فاروق صاحب ڈکیتی کی واردات میں قتل ہو گئے۔ عفان کے قریبی دوست زبیر کی مدد سے عاصمہ عفان کے آفس سے تین لاکھ روپے اور فاروق صاحب کی گریجویٹی سے سات لاکھ روپے

وصول کرپاتی ہے۔ زبیر گھر خریدنے میں بھی عاصمہ کی مدد کررہا ہے۔
اسلام آباد سے واپسی پر عدیل دونوں متوفین کو دیکھتا ہے۔ زاہدہ' نسیم بیگم سے بیس لاکھ روپے سے مشروط فوزیہ کی رخصتی کی بات کرتی ہیں۔ وہ سب پریشان ہوجاتے ہیں۔ عدیل بشریٰ سے ذکیہ بیگم سے تین لاکھ روپے لانے کو کہتا ہے۔
حمیدہ خالہ' عاصمہ کو سمجھاتی ہیں کہ عدت میں زبیر کا اکیلے اس کے گھر آنا مناسب نہیں ہے۔ لوگ باتیں بنارہے ہیں جبکہ عاصمہ کی مجبوری ہے کہ گھر میں کوئی مرد نہیں۔ اس کا بیٹا ابھی چھوٹا ہے اور سارے کام اس کو خود کرنے ہیں۔ وہ جلد از جلد اپنا گھر خریدنا چاہتی ہے۔ عاصمہ کے کہنے پر زبیر کسی مفتی سے فتویٰ لے کر آجاتا ہے کہ وہ انتہائی ضرورت کے پیش نظر گھر سے نکل سکتی ہے بشرطیکہ مغرب سے پہلے واپس گھر آجائے' سو وہ عاصمہ کو مکان دکھانے لے جاتا ہے۔
رقم مہیا نہ ہونے کی صورت میں فوزیہ کو طلاق ہوجاتی ہے۔ نسیم بیگم جذباتی ہوکر بہو اور اس کے گھر والوں کو مورد الزام ٹھہرانے لگتی ہیں۔ اسی بات پر عدیل اور بشریٰ کے درمیان خوب جھگڑا ہوتا ہے۔ عدیل طیش میں بشریٰ کو دھکا دیتا ہے۔ اس کا ابارشن ہوجاتا ہے۔ عدیل شرمندہ ہوکر معافی مانگتا ہے مگر وہ ہنوز ناراض رہتی ہے اور اسپتال سے اپنی ماں کے گھر چلی جاتی ہے۔
اسی اسپتال میں عدیل عاصمہ کو دیکھتا ہے جسے بے ہوشی کی حالت میں لایا گیا ہوتا ہے۔ عاصمہ اپنے حالات سے تنگ آکر خودکشی کی کوشش کرتی ہے تاہم بچ جاتی ہے۔ نو سال بعد عاصمہ کا بھائی ہاشم پریشان ہوکر پاکستان آجاتا ہے۔ عاصمہ کے سارے معاملات دیکھتے ہوئے ہاشم کو پتا چلتا ہے کہ زبیر نے ہر جگہ فراڈ کرکے اس کے سارے راستے بند کردیے ہیں اور اب مفرور ہے۔ بہت کوششوں کے بعد ہاشم' عاصمہ کو ایک مکان دلا پاتا ہے۔ بشریٰ اپنی واپسی الگ گھر سے مشروط کردیتی ہے۔ دوسری صورت میں وہ علیحدگی کے لیے تیار ہے۔ عدیل سخت پریشان ہے۔

-۸-
آٹھویں قسط

عدیل سے جواب میں کچھ بولا ہی نہیں گیا۔
"بالکل سچ بول مجھ سے۔ جھوٹ نہیں سنوں گی میں عدیل!" وہ اس کی خاموشی پہ اور بھی چمک کر بولیں۔
"امی! ایسا کچھ نہیں ہے' آپ جانتی ہیں۔" عدیل نے نرم لہجے میں کہتے ہوئے ماں کا ہاتھ سر سے ہٹانا چاہا۔
"مجھے کوئی چکر نہیں دینا۔ بغیر لگی لپٹی رکھے سیدھی بات کر مجھ سے۔" وہ بھی سخت لہجے میں مضبوطی کے ساتھ سر پر ہاتھ جما کر بولیں۔
"ہاں امی! اس نے ایسا کہا ضرور ہے۔" وہ تھک کر بولا۔
"دیکھا امی! میں نہیں کہتی تھی۔ یہ بات جھوٹ ہو ہی نہیں سکتی۔" فوزیہ جو دوسری طرف خاموش بیٹھی اس مناظرے کا مزہ لے رہی تھی فوراً" ہی شیر ہو کر بولی۔
"عدیل! تو ایسا نکلے گا۔" نسیم کی آنکھوں میں افسوس اور بے یقینی کے مارے آنسو ہی آگئے۔
"امی! میری پوری بات سن تو لیں آپ۔" وہ سخت جھنجلا کر بولا۔
"کیا رہ گیا ہے اب سننے کو باقی۔۔۔ تجھے اس دن کے لیے پال پوس کر جوان کیا تھا کہ تو بوڑھی ماں اور جوان لاچار بہن کو چھوڑ کر چلتا بنے۔" وہ باقاعدہ رونے لگیں۔
"امی! خدا کے لیے روئیں نہیں' آپ کی طبیعت بگڑ جائے گی۔" وہ روہانسا ہو کر بولا۔
"جب قسمت بگڑ چکی ہو تو پھر طبیعت کی کس کو فکر ہوتی ہے۔ عدیل! تو نے دلاری بیوی کی فرمائش کو سر آنکھوں پر رکھتے ہوئے ایک بار بھی ہم دونوں کے بارے میں نہیں سوچا۔" وہ روئے جارہی تھیں۔

"اُفوہ! میری بات تو پوری سن لیں۔ آپ کو تو بس ہر دوسرے تیسرے کی الٹی سیدھی بات پہ کان دھرنے کی عادت ہے سوائے میری بات کا یقین کرنے کے۔" اب کے وہ جھلاتے ہوئے سخت ناراض لہجے میں کہہ اٹھا۔
نسیم بیگم کچھ ٹھٹکیں۔ "اس طرح تو وہ ہم دونوں سے باغی ہوجائے گا یوں ہر وقت کے رونے دھونے اور مظلومیت کے ڈرامے سے۔" انہوں نے فوراً" چہرے کے تاثرات بدلتے ہوئے آنسو صاف کیے۔
"تجھ پہ تو یقین مجھے خود سے زیادہ ہے۔ بلکہ سچی بات کہوں تو خدا کے بعد میرے بچے تو ہی تو ہمارا سہارا ہے۔" ذکیہ نے جس دھڑلے سے دعوا کیا کہ عدیل تو بشریٰ کے لیے علیحدہ گھر ڈھونڈ بھی چکا ہے تو یقین کر مجھے لگا میرا دل ابھی کا ابھی بند ہوجائے گا۔ کیا کروں عدیل! تجھ میں تو میری جان ہے۔ یہ سوچ کر کہ خدانخواستہ تو میری آنکھوں سے دور چلا جائے گا۔ میں تو اسی دن مرجاؤں گی۔ سچ کہتی ہوں۔" انہوں نے پھر سے آنکھیں آنسوؤں سے بھرلیں۔
"امی! میں نے کوئی الگ گھر نہیں دیکھا اور نہ میرا ایسا کوئی ارادہ ہے۔" ماں کی پل پل بدلتی حالت اسے اندر ہی اندر کچھ پریشان کررہی تھی۔
"تو۔۔۔ وہ دونوں جھوٹ بول رہی تھیں کیا؟" فوزیہ لقمہ دینے سے باز نہیں رہ سکتی تھی۔ "حالانکہ امی نے ان سے کہا بھی کہ وہ ہمارے ساتھ گھر چلیں مگر انہوں اس نے صاف انکار کردیا کہ وہ تو اب اپنے نئے گھر میں ہی جائیں گی۔"
"اگر یہ بات سچ تھی تو پھر امی کا غصہ غلط نہیں تھا۔" عدیل نے دل میں سوچا۔
"امی! بشریٰ نے مجھ سے یہ مطالبہ ضرور کیا ہے لیکن میں نے اسے ہاں یا نہ کچھ بھی نہیں کہا ابھی۔" عدیل نے سارے ہتھیار پھینک دیے۔ اب سچ کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔
"تو معاملہ لٹکا کر رکھا ہے تم نے' مگر وہ تمہیں زیادہ نخرہ دکھائے گی تو تم مان بھی جاؤ گے۔" وہ تیز لہجے میں بولیں اور ساتھ ہی اپنے سینے اور بائیں بازو کو ہولے ہولے اپنے دوسرے ہاتھ سے سہلانے لگیں۔
عدیل پریشان ہو گیا۔
"یہ اتنا آسان نہیں ہے۔" وہ یہی کہہ سکا۔
"تو پھر وہ کیا اب عمر بھر ماں کے گھٹنے سے لگ کر بیٹھی رہے گی' ہاں بھی وہ جو زمانے بھر کا فتنہ ہو۔"
"مجھے خود کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔" وہ بے بسی سے بولا۔ فوزیہ اور نسیم بیگم نے ایک دوسرے کو دیکھا۔
"تو کیوں اتنا لاچار ہو رہا ہے۔ کیا ہر ضد اسی کی مانی جائے گی۔ ہر فرمائش اسی کی پوری ہوگی۔"
"تو کیا کروں پھر آپ ہی بتائیں۔" وہ ہمیشہ کی طرح آخری فیصلے کے لیے ماں کی رائے کا محتاج تھا۔
نسیم بیگم کو بیٹے کی لاچاری سے بڑی کمینی سی خوشی محسوس ہوئی اور دل کو اطمینان بھی کہ بیٹا ابھی پوری طرح ہاتھوں سے نکلا نہیں ہے۔
"ایک بار مرد بن' جا کر اسے طلاق کی دھمکی دے۔ منہ سر پاؤں رکھ کر دوڑی آئی تو میرا نام بدل دینا۔" وہ اسی مخصوص لہجے میں بولیں جو ان کا خاصہ تھا۔
"امی! یہ ٹھیک نہیں ہوگا۔" وہ کمزور لہجے میں بولا۔
"کیا مطلب کیا ٹھیک نہیں ہوگا۔" وہ ماتھے پر بل ڈالتے ہوئے خفگی سے بولیں۔
"وہ پہلے ہی خود مجھ سے علیحدگی کا مطالبہ کرچکی ہے۔ اگر میں نے بھی ایسا کہہ دیا تو معاملہ اور بگڑ جائے گا۔" وہ بے بسی سے بولا اور ان دونوں نے تاسف سے عدیل کو دیکھا۔

"اس نے تجھ سے علیحدگی مانگی اور تو اس کے پاؤں پڑ گیا؟" وہ اسے غیرت دلانے کو آخری حربے کے طور پر بولیں۔

"ایسی بات نہیں امی! میں نے اسے سمجھایا تھا۔ مشال کی وجہ سے وہ مان گئی مگر الگ گھر کے مطالبے پر۔"

"الگ گھر کس سے؟ ہم دونوں ماں بیٹی سے اتنی نفرت کرتی ہے وہ کہ ہماری شکلیں نہیں دیکھنا چاہتی تو ٹھیک ہے عدیل! تو ایک کام کر اپنا گھر بچا۔ اپنی بیوی کی بات مان اور اس کو الگ گھر لے دے اور ہم دونوں پہ لعنت بھیج۔ عاقبت کس نے دیکھی ہے۔ جو اس کو سنوارنے کے جتن کریں تو بس اپنی دنیا سدھار۔ اس کو راضی کر لے باقی سب خیر ہے۔ جا میرا بیٹا! نہ پریشان ہو ہم ماں بیٹی کسی نہ کسی طرح جی لیں گے۔ تجھے خوش رہنا چاہیے۔ تیرا گھر بسا رہے۔ ہمیں اور کچھ نہیں چاہیے۔" رندھی آواز میں کہہ کر وہ فوزیہ کا سہارا لے کر جانے لگیں۔

"امی پلیز رکیں۔ میری بات تو سنیں۔ میں نے ایسا کچھ نہیں سوچ رکھا امی!" عدیل ماں کی جذباتی باتوں پر روہانسا ہو کر رہ گیا۔ نسیم بیگم ان سنی کرتی فوزیہ کے ساتھ چلی گئیں۔

عدیل سر پکڑ کر بیٹھ گیا۔

ایک بات اس کی سمجھ میں آگئی تھی ماں اور بیوی کو ایک ساتھ راضی رکھنا مشکل ہی نہیں ناممکن تھا۔ تو پھر اسے کس کو ناراض کرنا ہو گا۔ یہ فیصلہ بہت مشکل تھا۔ پل صراط پر چلنے سے بھی زیادہ مشکل۔

☼ ☼ ☼

"اپنا اور بچوں کا بہت خیال رکھنا عاصمہ! میں ہر روز نہ سہی دوسرے دن فون کر کے تم لوگوں کی خیریت پوچھتا رہوں گا۔" ہاشم کی فلائٹ کا ٹائم ہونے کو تھا۔ وہ گھڑی دیکھ کر بریف کیس اٹھا کر کھڑا ہو گیا۔

عاصمہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ ہاشم نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھ دیا۔

بہت حوصلہ کرنے کی ضرورت ہے تمہیں۔ اللہ نے تم پر بہت بھاری، بہت بڑی ذمہ داری ڈال دی ہے۔ میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔ ان شاء اللہ تمہیں ضرور سرخرو کرے گا۔" وہ رندھی آواز میں اسے ساتھ لگا کر نرمی سے بولا۔ بچے ان دونوں کے گرد کھڑے تھے۔

"اوپر اچھے لوگ ہیں۔ ڈیلر نے گارنٹی دی ہے کہ کرائے کے معاملے میں تنگ نہیں کریں گے۔ تمہیں ان شاء اللہ زیادہ پریشان نہیں ہو گی۔ میں خود بھی جتنی توفیق ہو سکی بچوں کے لیے کچھ نہ کچھ بھجواتا رہوں گا۔"

وہ جانتی تھی ہاشم کے لیے یہ آسان نہیں ہو گا، پھر بھی وہ سر ہلا کر رہ گئی۔

"واثق ماشاء اللہ بہت سمجھ دار ہے۔ بس دو تین سال کی وقت ہے پھر ان شاء اللہ یہ سب کچھ سنبھالنے کے قابل ہو جائے گا۔ کیوں واثق بیٹا؟"

"جی ماموں!" وہ کچھ شرما کر بولا۔ ہاشم نے ہنس کر اسے گلے لگا لیا۔

"کچھ چاہیے عاصمہ! جو میں وہاں جا کر تمہیں بھجوا سکوں؟" جاتے جاتے اسے خیال آیا تو رک کر پوچھنے لگا۔

"نہیں بھائی! کچھ بھی نہیں۔ اپنا گھر مل گیا۔ کچھ تھوڑا بہت آمدنی کا بھی بندوبست ہو گیا ہے۔ ہم تھوڑے میں آسانی سے گزارہ کر لیں گے۔ آپ ہماری بالکل بھی فکر نہیں کیجیے گا۔" وہ اب کے ذرا مضبوط لہجے میں بولی۔ آخر بھائی نے اس کا اتنا ساتھ دیا تھا۔ وہ جاتے جاتے اسے رو کر کیوں رخصت کرے کہ وہ اس کی طرف سے پریشان صورت لے کر جائے۔

"اللہ ضرور تمہارے لیے اور بھی آسانی کرے گا۔ میں بھی دو ایک سالوں میں واپسی کی کوشش کروں گا۔" باتیں کرتے دونوں بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گئے۔

☼ ☼ ☼
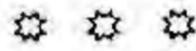
"مشال کی خاطر۔۔۔ پلیز۔" اس نے آخری کوشش کے طور پر بشریٰ سے ملتجی لہجے میں کہا۔

"نہیں۔" وہ پہلے دن کی طرح پھر سخت ہو چکی تھی۔

"بشریٰ!" عدیل یہی کہہ سکا۔

"نہیں۔" وہ اسی قطعیت سے بولی۔

عدیل اسے دیکھ کر رہ گیا۔ خاموشی کا بہت لمبا وقفہ دونوں کے درمیان آگیا۔

"اگر مجھے ان دونوں کے ساتھ ہی رہنا ہے تو پھر اسی ایک کمرے میں کیوں نہیں۔" وہ تلخی سے بولی۔

"تم سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"بہتر ہے یہ کوشش تم کرو۔" وہ سرد لہجے میں کہہ کر جانے لگی۔ عدیل نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"پلیز بیٹھ جاؤ۔" کوئی بھی اس کی بات ماننے کو سمجھنے کو تیار نہیں تھا۔

بشریٰ کچھ دیر کھڑی رہی پھر کچھ سوچ کر بیٹھ گئی۔

"پتا ہے بشریٰ! آج کل میرا کیا جی چاہ رہا ہے۔ میں خود کو ختم کر لوں۔ تمہیں بھی سکون مل جائے گا اور امی اور فوزیہ کی بھی مشکل آسان ہو جائے گی۔" وہ تھکے ہوئے لہجے میں کہہ کر خاموش ہو گیا۔ بشریٰ نے اسے تند نظروں سے دیکھا مگر کچھ بولی نہیں۔

"میں ان دونوں کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔" بہت دیر بعد جیسے خود سے، بہت لڑ جھگڑ کے بعد وہ بول سکی تھی۔

"تم علیحدہ رہو گی ہر طرح سے۔ یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔ اوپر کا پورشن اس کی سیڑھیاں بھی اگر تم کہو گی تو میں باہر سے نکال دوں گا۔ دو کمرے ہیں اوپر، باتھ بھی ہے، شان دار سا کچن تمہاری پسند کا بنوا دوں گا۔ تمہارا امی اور فوزیہ سے کچھ واسطہ نہیں ہو گا۔" وہ ہر طرح سے اس کو منا رہا تھا۔

بشریٰ اسے شاکی نظروں سے دیکھنے لگی۔

"پلیز۔ چند سالوں کی بات ہے۔ فوزیہ کی شادی ہو جائے گی۔ امی بیمار رہنے لگی ہیں۔ میں کیسے ان دونوں کو چھوڑ کر چلا جاؤں۔ کبھی رات کو ان کی طبیعت خراب ہو گئی تو۔"

"اور یہ بات میری تم لکھ لو۔ ان کی طبیعت رات ہی کو خراب ہوا کرے گی۔ وہ ہمیں کبھی بھی اوپر سکون سے نہیں رہنے دیں گی۔" وہ پھر سے غصے میں آکر بولی۔

"ایسا کچھ نہیں ہو گا۔ وعدہ۔" وہ اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر محبت سے دبا کر بولا۔

بہت دنوں بعد عدیل کو سکون بھری چند سانسیں ملی تھیں۔ جیسے سر پر دھری کوئی چٹان کھسکی ہو۔

"اگر ایسا نہ ہوا تو؟" بشریٰ بے یقین سی تھی۔

"پھر میں تمہیں واقعی الگ گھر لے دوں گا۔ وعدہ ہے میرا۔ اب تو یقین کر لو۔"

"آنٹی مان جائیں گی؟" بشریٰ کو پتا تھا نسیم بیگم اس بات پہ بھی ضرور ہنگامہ کریں گی۔

"تم فکر نہیں کرو۔ میں امی کو منا لوں گا کم از کم اس کے لیے یہ بات کافی ہو گی کہ میں گھر چھوڑ کر نہیں جا رہا۔ وہ مان جائیں گی۔ بس مجھے ایک ہفتہ دے دو کچن بنوانے کے لیے، پھر میں تمہیں لے جاؤں گا۔"

وہ بہت پرجوش تھا۔ بشریٰ ناخوش سی! عدیل محسوس کر رہا تھا مگر وہ اب اسے چھیڑ کر مزید کسی نئی بحث کا آغاز

نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"دیکھو نا مشال کتنی ڈسٹرب ہے۔اسے شروع سے ہم دونوں کے ساتھ رہنے کی عادت ہے۔ کتنی کمزور ہو گئی ہے وہ۔"

"ہوں!" وہ بے زار سے لہجے میں اپنی ہتھیلی پھیلا کر دیکھنے لگی۔

"اچھا چلو مشال کو بلاؤ ہم تھوڑی آؤٹنگ کر کے آتے ہیں۔ تمہیں کچھ شاپنگ کراؤں گا۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر کھڑے ہو کر بولا۔

"عدیل! میرا دل نہیں چاہ رہا۔" وہ کوفت سے بولی۔

عدیل اسے دیکھ کر رہ گیا۔ "اس عورت کو خوش رکھنا کتنا مشکل ہوتا جارہا ہے۔" وہ دکھ سے سوچ کر رہ گیا۔

ابھی تو تسنیم بیگم کو منانے کا ایک اور مرحلہ باقی تھا۔ وہ بھی اس تقسیم پر آسانی سے تو راضی نہیں ہو سکتی تھیں۔

"ماما! آئس کریم کھانے چلتے ہیں۔ پاپا سے کہیں نا۔" مشال اندر آکر ماں سے لپٹ کر بولی۔

وہ آج کل یوں بھی بہت خوش تھی کہ اس کے ماں باپ، بہت سارے دنوں کے بعد پھر سے اکٹھے بیٹھنے لگے تھے۔ باتیں کرتے تھے۔ لڑتے تھے مگر ساتھ ساتھ تھے۔

"آپ چلی جاؤ جانو! میرا موڈ نہیں ہے۔" بشریٰ مشال کو پیار کرتے بولی۔ مشال اسے واقعی پہلے سے بہت کمزور لگی۔

"نہیں ماما! آپ بھی چلیں ہمارے ساتھ۔" وہ ماں کا منہ چوم کر ضد سے بولی۔

"مشال!" بشریٰ نے منع کرنا چاہا۔

"مما چلیں گی تو موڈ بھی اچھا ہو جائے گا آپ کا اور پھر ہم ڈھیر ساری شاپنگ بھی کریں گے۔ پاپا کا والٹ خالی کر دیں گے تو مزا آئے گا۔" وہ شرارت سے بولی۔

دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر بے اختیار ہنس پڑے۔

"چلو آپ لوگ گاڑی میں بیٹھو جا کر میں آتی ہوں۔" وہ خود بھی اتنے دنوں سے گھر میں پڑے پڑے اکتا چکی تھی، مسکرا کر بولی۔

عدیل مشال کی انگلی پکڑ کر باہر جانے لگا۔

"خوب اچھا سا تیار ہونا۔ ہم ڈنر بھی باہر ہی کریں گے۔" وہ جاتے جاتے رک کر بولا۔

اس کی نظروں میں محبت کا خاص پیغام تھا کہ بشریٰ کچھ شرما کر نظریں جھکاتے ہوئے مسکرا اٹھی۔

بہت دنوں بعد بہت اچھا سا محسوس ہوا تھا اسے۔ عدیل لحہ بھر اس کی طرف دیکھتا رہا۔

"پاپا! اب چلیں نا مما آرہی ہیں تیار ہو کر۔" مشال اس کا ہاتھ ہلا کر بولی تو دونوں باہر نکل گئے۔

"امی ٹھیک کہتی تھیں۔ اس سارے جھگڑے میں سب سے زیادہ نقصان میرا ہی تو ہونا تھا اور وہ دونوں ماں بیٹی جو کچھ چاہتی ہیں میں خود ان کو وہ سب کچھ پورا کر کے دکھا رہی تھی۔ اپنا گھر اجاڑ کر انہیں خوش کر دیتی۔ کبھی نہیں۔"

وہ نئی سوچوں کے ساتھ جلدی جلدی تیار ہونے لگی۔

☆ ☆ ☆

وہ کوفت بھری نظروں سے گردن موڑ کر انہیں دیکھ رہی تھی۔

چابی لگانے والا بھی کوئی سست الوجود انسان تھا۔ گھنٹے بھر سے اس سے تالے کی چابی نہیں بن سکی تھی۔

چوکیدار پوری مستعدی سے اس کے سر پر کھڑا تھا۔ دو گھنٹے ہونے کو آئے تھے اسے اس طرح سیڑھیوں پہ بیٹھے ہوئے۔ اسے بھوک بھی لگ رہی تھی اور پیاس بھی۔ مگر یہ بھی سچ تھا کہ اسے اب یہ دونوں چیزیں بہت دیر تک برداشت کرنے کی عادت ہو گئی تھی۔

بالآخر چابی بن گئی اور لاؤنج کا دروازہ کھل گیا۔

اگر اس دوران گھر والے آجاتے تو۔۔۔ اس سے آگے کیا ہوتا، وہ بالکل بھی سوچنا نہیں چاہ رہی تھی۔

"دو سو روپے مانگ رہا ہے چابی بنانے کے۔" چوکیدار منتظر نظروں سے دیکھتے ہوئے اس کے پاس آکر بولا۔

"ہاں۔۔۔ اچھا میں لاتی ہوں اندر میرے کمرے میں ہے پرس۔" وہ حقیقتاً ہڑبڑا گئی تھی۔ اپنا بوسیدہ بیگ تھمیتی اندر چلی گئی۔

گھر اسی طرح سجا سجایا شاندار تھا جیسا سولہ دن پہلے وہ چھوڑ کر گئی تھی۔

اس نے ایک گہرا سانس لے کر گھر کے اپنے پن کو محسوس کرنے کی کوشش کی مگر ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔

ادھ کھلے دروازے سے چوکیدار اور چابی والا اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ آہستگی سے ماسٹر بیڈ روم میں داخل ہوئی۔

"شکر ہے یہ کمرا لاکڈ نہیں ہے۔" اس نے صاف ستھرے سجے سجائے کمرے کو طمانیت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے سوچا۔

اس نے کبھی چوری نہیں کی تھی لیکن آج اسے یہ کام بھی کرنا تھا۔ اسے معلوم تھا اگر اس گھر میں رقم اگر کہیں سے مل سکتی ہے تو وہ اس کمرے سے۔

اس نے ایک ایک کر کے ڈریسنگ ٹیبل کی درازیں، سائیڈ ریکس اور پھر الماری کھول کر دیکھ لیں۔ کہیں بھی کچھ نہیں تھا۔

وہ مایوس ہونے کے ساتھ ساتھ سخت پریشان ہو چکی تھی۔

"اگر پیسے نہ مل سکے تو۔۔۔ چوکیدار شاید مجھے رہنے نہ دے یہاں اور اگر اس نے اپنے مالک کو فون کر کے صورت حال بتادی تو۔۔۔ ظاہر ہے وہ تنخواہ اپنے مالک سے لیتا ہے۔ مجھ سے تو نہیں۔"

الماری میں لٹکا بلیک ہینڈ بیگ امید کی آخری کرن تھا اس کے لیے۔۔۔ وہ تیزی سے بیگ کی اندر باہر سے تلاشی لینے لگی۔

اندرونی جیب میں ایک ہزار کا اور ایک پانچ سو کا نوٹ موجود تھا۔ اس کی جان میں جان آگئی۔ تیزی سے نوٹ لے جاتے ہوئے وہ رک گئی۔

پھر مڑ کر الماری میں بیگ کو اس جگہ پر لٹکایا، چیزیں ترتیب سے رکھیں، درازیں ڈھنگ سے بند کیں اور دروازے پر رک کر کمرے کو آخری نظر سے دیکھنے لگی۔ کہیں کچھ گڑبڑ تو نہیں۔ کمرا پہلے کی طرح لگ رہا ہے نا۔

اس کی بھٹکتی نظریں بے اختیار میز کے سائیڈ ریک پر پڑی مسکراتی تصویر پہ رک گئیں۔

اس کے قدم کسی نے جکڑ سے لیے۔

وہ کچھ دیر یونہی کھڑی رہی پھر آگے بڑھ کر تصویر اٹھا کر دیکھنے لگی۔

"سوری۔" تصویر واپس رکھتے ہوئے وہ آہستگی سے بولی اور آنکھوں کے کونے صاف کرتی تیزی سے باہر چلی گئی۔

"یہ دو سو چابی والے کو دے کر باقی کے پیسے آپ رکھ لیں۔" اس نے چوکیدار کو پانچ سو کا نوٹ تھما کر کہا۔

"میں جی!" وہ کچھ حیران ہوا۔
بخشش۔ اس کی توقع سے یا تو بہت زیادہ تھی یا بہت کم۔
"پلیز اگر فون آئے تو۔ اس ڈپلی کیٹ چابی کا نہ بتایئے گا۔ وہ واپس آئیں گے تو میں خود بات کرلوں گی۔" اس نے تین سو روپے کی بخشش کا مطلب اسے سمجھایا۔

"جی بہتر!" وہ سرہلا کر چابی والے کے پاس چلا گیا۔

ایک ہفتے سے پہلے تو وہ لوگ واپس نہیں آئیں گے لیکن یہ کوئی حتمی بات بھی نہیں۔ وہ اس سے پہلے بھی آ سکتے ہیں۔ مجھے رہائش کے لیے اوپر والا کمرا ابھی استعمال میں رکھنا چاہیے جس کا بیرونی دروازہ کہیں کھلا رہ گیا تھا اور لاؤنج کی یہ ڈپلی کیٹ چابی میرے مستقبل میں بھی کام آسکتی ہے کیونکہ یہ تو ان لوگوں کا معمول ہے۔" اس نے چابی کو مضبوطی سے مٹھی میں بند کرلیا۔

"لیکن ایسا کب تک ہوتا رہے گا۔ اب مجھے کچھ نہ کچھ تو اپنے بارے میں سوچنا چاہیے۔ زندگی صرف تمہا دنوں کا نام تو نہیں۔ پندرہ دن ادھر تو پندرہ دن ادھر۔ اس سے آگے بھی بہت کچھ ہے اور اچھا ہے یہ لوگ گھر پہ نہیں۔ مجھے اس خاموشی اور تنہائی میں اپنے لیے اب کوئی فیصلہ کرنا ہی ہوگا' اس سے پہلے کہ یہ سب لوگ میرے بارے میں کوئی فیصلہ کریں۔ اگرچہ ایسی فرصت شاید ہی کسی کو نصیب ہو' پھر بھی مجھے خود سے کچھ سوچنا ہوگا بلکہ کرنا ہوگا۔" وہ اوپری کمرے تک آتے آتے بہت کچھ سوچ چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ارے آپ سچ کہہ رہی ہیں خالہ۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔" عاصمہ تو سن کر ہی بے یقین سی ہوگئی۔

"بھئی وہ کہتے ہیں نا کبھی کھوٹا سکہ بھی کام آجاتا ہے' سمجھو! آج ہم جیسا کھوٹا سکہ بھی چل پڑا۔" حمیدہ خالہ خاصی خوش مزاج ہوتی جارہی تھیں۔

"یوں نہ کہیں خالہ! آپ خدا نہ کرے' جو کھوٹا سکہ ہوں۔ کم از کم میرے لیے تو مبارک ہیں اور خیال رکھنے والی ہیں ورنہ جیسے اتار چڑھاؤ ان چند مہینوں میں آئے اور جو کچھ میرے ساتھ بیتا تو آپ گواہ ہیں میرا ساتھ کس نے دیا سوائے آپ کے اور کون تھا۔" عاصمہ گہری سنجیدگی سے بولی۔ پچھلے گزرے دنوں کا خوفناک نقشہ اس کی نظروں کے سامنے پھر سا گیا تھا۔

"ساتھ دینے والی تو اللہ کی ذات ہے۔ تم ایسی باتیں نہیں سوچو مجھے تو بس یہی فکر تھی کہ تم خدانہ کرے کسی بڑی مصیبت میں نہ پھنس جاؤ۔" وہ سرہلا کر بولیں۔

"کیا مطلب؟" وہ کچھ چونکی۔

"کبھی ایسے ہوتا ہے۔" آدمی کسی بڑی افتاد سے نکلنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارتے ہوئے کسی ان دیکھی دلدل میں جاگرتا ہے۔ بس یہی ڈر تھا مجھے تمہاری حالت سے۔" وہ ڈھکے چھپے الفاظ میں بہت کچھ جتا گئیں۔

عاصمہ سے کچھ دیر بولا ہی نہیں گیا۔

"چائے تو لیں آپ ٹھنڈی ہو رہی ہے اور یہ مٹھائی تو لی نہیں آپ نے ابھی تک۔" بہت دیر کی خاموشی کے بعد عاصمہ کو خیال آیا تو کہنے لگی۔

"تو پھر تم کل چلو گی میرے ساتھ؟" خالہ حمیدہ چائے کا بڑا سا گھونٹ بھر کر بولیں۔ "دیکھو نہ کوئی انٹرویو کا چکر نہ کسی اور امتحان کا ڈر' بس سیدھا جاؤ ملو اور نوکری کا پکا کاغذ لے لو۔ ساری بات تو میں کر آئی ہوں۔"

"مگر خالہ پھر بھی۔ میری تعلیم صرف ایف اے ہی تو ہے اور مجھے کبھی کسی اسکول میں بچوں کو پڑھانے کا تجربہ نہیں رہا۔" اندیشے تو اسے فوراً" ہی گھیرنے لگتے تھے کوئی بھی نیا کام کرنے سے پہلے۔ حسب عادت پریشان ہو کر بولی۔

"کچھ نہیں کرنا تم کو۔ اپنے بچوں کو بھی تو خیر سے پڑھاتی ہو نا وہاں بھی چھوٹے بچوں کو پڑھانا ہے چار سال سے اسکول کھول رکھا ہے میری بھتیجی کی نند نے۔ اب تو بہت چلنے لگا ہے۔ اتنی بڑی بلڈنگ لے لی ہے۔ اب نئی استانیاں رکھ رہی تھی تو مجھے تمہارا خیال آگیا۔ میں نے نویدہ سے بات کی اس نے اپنی نند سے پوچھا تھا۔ اسے حالات بتائے تو اس نے فوراً" سے کہہ دیا کہ بس آجائیں۔ سیٹ کرنا ہمارا کام ہے تو پھر ڈر کیسا۔" وہ پوری طرح اسے تسلی دے کر بولیں۔

عاصمہ سرہلا کر رہ گئی۔

"لیکن خالہ! یہ چھوٹی ورده۔ اس کو کس کے حوالے کرکے جاؤں گی۔" اسے پھر سے نئی پریشانی نے گھیرا اور یہ بات تو حقیقت بھی تھی۔

"اللہ مالک ہے۔ تم ایک بار جاکر مل تو لو۔ بات بن گئی تو اس کا بھی کوئی حل سوچ لیں گے۔ اسکول گھر سے زیادہ دور نہیں' صبح کے دو تین گھنٹے میں رکھ لوں گی۔ تم تفریح کے ٹائم آکر بچی کو کچھ کھلا پلا جایا کرنا تو کسی نہ کسی طرح رہ ہی جائے گی۔" وہ اسے ڈھارس دینے کو بولیں۔

عاصمہ نے عجیب سے انداز میں سرہلایا۔

"اچھا کل میں سویرے ہی آؤں گی۔ تم بس تیار رہنا میں تمہیں لے چلوں گی پھر جو بات بنے گی دیکھ لیں گے۔" وہ جانے کو جوتیاں سیدھی کرنے لگیں۔

"خالہ! کچھ دیر تو اور رکیں اتنے دنوں بعد آئی ہیں۔" وہ ابھی نئے ہمسایوں سے اتنی گھل مل نہیں سکی تھی خالہ حمیدہ سے برسوں کی جان پہچان تھی۔

"پھر لگاؤں گی چکر تو دیر تک بیٹھوں گی۔ تم بھی ذرا یہ آمدنی اور خرچ کی فکر سے آزاد ہو جاؤ تو پھر بیٹھیں گے کسی دن دیر تک۔ یوں بھی چھوٹی میکے گئی ہوئی ہے۔ بڑی بیٹھی مجھے کوس رہی ہوگی۔ گھر سے تو میں سبزی لینے نکلی تھی۔ اس نے ہنڈیا بھی چڑھائی ہوگی۔" وہ چادر لپیٹ کر جانے کو تیار ہو گئیں۔

"لو بھول گئی میں۔ ذرا جانے سے پہلے ایک چکر اوپر تمہارے کرائے داروں کا تو لگا آؤں کیسے لوگ ہیں' تھوڑا اگا پیچھا تو معلوم ہونا چاہیے۔" وہ جاتے جاتے سیڑھیوں کی طرف جانے لگیں۔

"خالہ! ادھر سے راستہ بند ہے' مطلب دروازہ لگا کر بھائی نے تالا لگوادیا ہے۔ باہر کی طرف سے سیڑھی لگوادی ہے۔ وہاں سے چلی جائیں آپ۔" عاصمہ انہیں روک کر بولی۔ حمیدہ لمحہ بھر کے ٹھٹک کر رہ گئیں۔ پھر سرہلا کر جیسے ہاشم کے اس قدام کو سراہنے لگیں۔

"بہت سمجھ دار ہے خیر سے تمہارا بھائی' اللہ اسے لمبی زندگی دے۔ کیسی عقل مندی کا کام کرکے گیا۔ چلو میں باہر سے ہو کر چلی جاؤں گی۔ تم دروازہ بھیڑ لو۔" وہ کہہ کر چلی گئیں۔ عاصمہ دروازہ بند کرنے لگی۔

☼ ☼ ☼

اتنا شاندار کچن' ایسا ہی سجا سجایا گھر۔ بشریٰ کے قدم تو آخری سیڑھی پر ہی رک گئے۔ صرف ایک ہفتے میں اس طرح اوپر کے کھنڈر پورشن کو سیٹ کردینا۔ اس نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔ سارے پورشن میں نیا رنگ و

روغن چمکتے روشن در و دیوار' نئے پینٹ شدہ دروازے کھڑکیاں۔ اپنے سامان سے سجا اس کا شاندار بیڈ روم اور ڈرائنگ روم' سامان سے بھرا کچن۔۔۔ وہ تو مبہوت بس دیکھے جارہی تھی۔

مثال کسی تتلی کی مانند گھر کے اس نئے سجے بنے حصے میں اڑتی پھر رہی تھی۔

"کیسا لگا تمہیں یہ سب کچھ؟" عدیل نے شاید اس سے پوچھا تھا۔ وہ دیکھنے میں اتنی مگن تھی کہ جواب میں کچھ کہہ ہی نہ سکی۔

"یہ سب ایک ہفتے میں تو نہیں ہو سکتا نا عدیل؟" وہ مڑ کر شک بھری نظروں سے اسے دیکھ کر بولی۔

"محبت یہ سب کچھ ایک گھنٹے میں بھی کروا سکتی ہے۔" وہ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر پیار بھرے لہجے میں بولا۔ بشریٰ تو جیسے اس پر مرمٹی۔

ابھی کچھ دیر پہلے جب وہ گھر میں داخل ہوئی تو نسیم بیگم اور فوزیہ نے کیسی کٹیلی کھا جانے والی نظروں سے اس کا استقبال کیا تھا۔ اس کے سلام کا جواب معلوم نہیں نسیم بیگم نے دیا تھا یا نہیں مگر ان کے ہونٹ ہلے تھے شاید کوئی کوسنا دیا ہو۔ بشریٰ نے دل میں یہی سوچا۔

کیسا سرد رویہ تھا دونوں کا۔

بشریٰ کچھ پریشان ہو گئی کہ ہو سکتا ہے عدیل نے اسے صرف اوپر والے پورشن کا جھانسا دیا ہو۔ ایسا کچھ بھی نہ ہو۔۔۔ وہ کن انکھیوں سے عدیل کو دیکھنے لگی۔

وہ خود بھی ماں' بہن کے رویے کی سرد مہری کو محسوس کر گیا تھا۔

"میرا خیال ہے۔ میں سامان اوپر چھوڑ آتا ہوں بلکہ آجاؤ بشریٰ! تم بھی دیکھ لو۔ کچھ رہ تو نہیں گیا۔ مثال۔۔۔ بابا کی جان۔ آؤ ناں!" وہ دور کھڑی مثال کو پاس بلا کر اسے پیار کرتے ہوئے ساتھ لگا کر باتیں کرتا اوپر کی طرف چل پڑا تو بشریٰ کی جیسے رکی ہوئی سانسیں بحال ہو گئیں۔

وہ نسیم بیگم اور فوزیہ کی طرف دیکھے بغیر بڑے فخریہ انداز میں چلتی عدیل کے ساتھ سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

"امی! دیکھ رہی ہیں اس کا غرور' نخرہ اور دماغ۔۔۔ بھائی نے ہی بیڑہ غرق کیا ہے اس کا سارا۔" بشریٰ نے خود اوپر جاتے ہوئے فوزیہ کی جلن بھری بڑبڑاہٹ سنی تھی۔

اس کے دل کو عجیب سا سکون ملا تھا۔ اسے لگا وہ سیڑھیوں پر قدم نہیں رکھ رہی ان ماں بیٹی کے دلوں پر پیر رکھ کر اوپر چڑھ رہی ہو۔ انہوں نے تو جلنا ہی تھا انہیں کب امید تھی کہ بشریٰ واپس آجائے گی۔

وہ مسکراتی ہوئی اوپر آگئی۔

"تھینکس عدیل! تھینک یو سو مچ۔" وہ خوشی سے مغلوب لہجے میں اس کے ہاتھ گرم جوشی سے اپنے ہاتھوں میں لے کر بولی تو وہ اس کے ہاتھ دباتے ہوئے اسے پاس کھینچنے لگا۔

"خالی تھینک یو؟" اس کے ریشمی بالوں کو سرکا کر اس نے سرگوشی کی۔

"اونہوں' مثال دیکھ لے گی۔" وہ اسے معنوی خفگی سے پرے دھکیل کر بولی۔

"وہ اپنا روم دیکھنے گئی ہے اور ہاں ابھی اس کے روم کی بہت سی چیزیں رہتی ہیں۔ میں نے سوچا وہ ہم مثال کی مرضی سے خرید لیں گے کیا خیال ہے؟"

"بالکل۔۔۔ وہ خوش ہو جائے گی۔" بشریٰ چہک کر بولی۔

"اتنے دن ہماری بچی ہم دونوں کی وجہ سے ناخوش رہی۔ اب تو ڈھیر ساری خوشیوں پر اس کا حق ہے۔" عدیل بیٹی کی محبت میں بولا۔

"اور ہمارا بھی۔" وہ اس کے کندھے پر سر رکھ کر محبت بھرے لہجے میں بولی۔

"اب تو خوش ہو نا بشریٰ؟" وہ بشریٰ کے رد عمل سے بہت مطمئن تھا جیسے اتنے دنوں سے سر پر پڑا کوئی پہاڑ سرک گیا ہو۔

"بہت زیادہ۔۔۔ عدیل! آپ نے آنٹی کو کیسے منایا اس علیحدگی کے لیے؟" اسے خیال آیا تو پوچھنے لگی۔

"یہ مت پوچھو۔ ایک بہت مشکل جنگ لڑی تھی میں نے پہلے تم سے پھر امی اور فوزیہ سے۔ تم تو جانتی ہو انہیں کیسے جذباتی کرنا آتا ہے پھر آج کل جس تواتر سے وہ فوزیہ کے لیے رشتے دیکھ رہی ہیں ان کا یہ کہنا تھا کہ لڑکے والے یہ اعتراض ضرور اٹھائیں گے کہ ایک ہی بھابی اور وہ بھی علیحدہ رہتی ہے۔ بشریٰ! تم پلیز! جب بھی ایسی چویشن ہو تم یہی شو کرنا کہ ہم اکٹھے ہی رہتے ہیں پلیز! اتنا تو کر سکتی ہو ناں میرے لیے۔ میری کچھ بچت ہو جائے گی امی اور فوزیہ سے۔"

اسے بے اختیار اپنے پیارے شوہر پر رحم سا آیا۔

"سب کچھ بیلنس رکھنے کے چکر میں کوئی کس طرح سے پھنس جاتا ہے۔" وہ دل میں سوچ کر رہ گئی۔

"عدیل! میں نے تو پہلے بھی کبھی ان کے ساتھ برا نہیں کیا۔ کبھی ان سے یا فوزیہ سے بدتمیزی نہیں کی۔ جب تک ان دونوں کی طرف سے انتہا نہیں ہوئی تو پلیز! آپ بالکل ٹینشن نہیں لیں۔ ایسا اگر کوئی موقع آئے گا تو میں آپ کو مایوس نہیں کروں گی۔"

وہ اس کے لیے اتنا کچھ کر سکتا تھا تو کیا وہ اس کے بدلے میں یہ معمولی سی مروت بھی نہیں دکھا سکتی تھی۔

"تھینکس تم واقعی بہت اچھی ہو بشریٰ!" وہ سچ مچ مغلوب سا ہو گیا۔

"جی! میرے کمرے میں تو صرف ایک بیڈ پڑا ہے وہ بھی پرانے والا اور کچھ بھی نہیں ہے۔ میں اپنے ٹوائز کہاں رکھوں گی۔ نہ کوئی ریک ہے نہ کپ بورڈ کچھ بھی تو نہیں۔" مثال روہانسی ہو کر ان کے پاس آکر بولی۔

"میری جان! بس آج کی رات صبر کر لو۔ کل میں آفس سے آف لوں گا ویک اینڈ بھی ہو گا پھر ہم اپنی مثال کے لیے اس کی پسند سے ڈھیر ساری شاپنگ کریں گے۔" عدیل اسے اپنے ساتھ لپٹا کر پیار کرتے ہوئے بولا۔

مثال چند منٹوں میں کھل سی گئی تھی۔

"اللہ میری بیٹی کو کبھی کوئی دکھ نہ دکھائے۔ یہ ہمیشہ خوش رہے اسی طرح ہنستی مسکراتی۔" بشریٰ نے یک ٹک مثال کو دیکھتے ہوئے بے اختیار اس کے لیے دل سے دعا کی۔

"پرامس کریں کل مجھے سب کچھ مل جائے گا وہ بھی میری پسند کا۔" وہ باپ کے آگے ننھا سا ہاتھ پھیلا کر بولی۔

"پرامس میری جان! پہلے کبھی ہم نے اپنی ڈارلنگ سے کوئی جھوٹا وعدہ کیا ہے۔" وہ اس کے ہاتھ کو پیار سے تھامتے ہوئے بولا۔

"اوکے اتنا ویٹ تو میں کر ہی لوں گی۔" وہ تنی بن کر بولی تو دونوں ہنس پڑے۔

☼ ☼ ☼

وہ بے یقین نظروں سے ہاتھوں میں پکڑے اس بے داغ سفید لفافے کو دیکھتا جا رہا تھا۔ وہ اتنا بے یقین تھا کہ شدید خواہش کے باوجود اس لفافے کو کھول کر بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔

"اگر یہ اندر سے خالی ہوا تو؟" یہ اندیشہ اسے بے حرکت کیے ہوئے تھا۔

"ایسا ہمیشہ تو نہیں ہو سکتا۔" کسی نے نرمی سے اسے تسلی بھی دی تھی۔

لیکن وہ ابھی بھی وہ لفافہ نہیں کھول رہا تھا۔ اس کا سیل فون بجنے لگا۔

اس نے گہرے سکوت سے نکل کر سیل کی اسکرین پر چمکتا نمبر دیکھا۔

"کوئی اور بھی تو ہے جو اس لفافے کا بھید جاننے کا مجھ سے بھی زیادہ مشتاق ہے۔ مجھے اب مزید انتظار نہیں کروانا چاہیے کہ کبھی کبھی حد سے بڑھا انتظار جان لیوا بھی ہو جایا کرتا ہے۔"

اس نے کال ریسیو نہیں کی۔ سیل واپس جیب میں رکھ دیا۔ اور آہستگی سے سحر زدہ انداز میں لفافے کی مہر ہٹائی، اندر رکھا بڑا کاغذ یوں باہر نکالا جیسے وہ کوئی متبرک مقدس تحریر ہو۔

اس کے لیے تو وہ واقعی بہت مقدس، بہت متبرک تحریر تھی کہ جیسے وہ اس کی تمام تر جدوجہد کا حاصل ہو۔

"حاصل"، وہ جیسے خود پر ہنسا۔

اور پھر کھلے کاغذ کی تحریر پر نظریں دوڑاتا بے اختیار ہنستا چلا گیا۔

وہ ارد گرد موجود لوگوں کی موجودگی سے بے خبر کسی دیوانے کی طرح ہنس رہا تھا۔ اس کا سیل فون پھر سے بجنے لگا تھا۔

اس نے پھر زور سے ہونٹ بھینچ لیے۔ کچھ جھینپتی ہوئی نظروں سے ادھر ادھر دیکھا اور دل میں اپنی دیوانگی کو کوسا۔ احتیاط سے لفافے میں وہ متبرک کاغذ ڈالا اور سیل پر آئے نمبر کو دیکھتے ہوئے کچھ سوچ کر اس نے کال ریسیو کرلی۔

"میں بس ابھی پہنچ رہا ہوں آدھے گھنٹے میں تو پہنچتا ہوں۔" سامنے سے آتی مطلوبہ بس کو دیکھ کر اس نے جلدی سے کال نپٹائی اور اس کی طرف تیزی سے چل پڑا۔

☆ ☆ ☆

"سچ مما؟" واثق اور اریبہ خوش ہو کر ایک ساتھ بولے تھے۔

"بالکل سچ میری جان!" عاصمہ کے لہجے میں خوشی کی کھنک تھی۔

"دیکھو! جب آدمی دل میں مصیبتوں سے لڑنے کا پکا ارادہ کرلیتا ہے نا تو پھر اللہ میاں بھی اس کے لیے راستے کھولتے جاتے ہیں اور اس کی مشکلیں آسان ہوتی جاتی ہیں۔" اس نے کھانا نکالتے ہوئے دونوں کو آسان الفاظ میں سمجھایا۔ بچوں نے فخریہ انداز میں ماں کو دیکھا۔

"یہی ماں تھی جو چند مہینے پہلے تک اس بری طرح سے ٹوٹ کر بکھری تھی جیسے کوئی کانچ کی گڑیا ہو اور لگتا تھا اب کبھی جڑے گی نہیں لیکن وہ نہ صرف جڑ چکی تھی بلکہ ان چاروں کو ایک شان دار مستقبل دینے کے لیے دل میں بہت سے ارادے بھی باندھ چکی تھی اور اپنی ہمت کو بھی جواں کرچکی تھی کہ اب اسے ہر مشکل کو اپنی ہمت اور ارادے سے زیر کرنا تھا۔

وہ دسترخوان پر کھانا لگاتے ہوئے خود کو بہت مطمئن محسوس کر رہی تھی۔ آج جب میڈم نے اس کو بہت سرسری سے انٹرویو کے بعد سلیکشن کا بتایا تو وہ خوشی کے مارے رو ہی پڑی تھی۔

اس سے کتنی دیر تک کچھ بولا ہی نہیں گیا۔

حمیدہ خالہ نے اسے ٹہوکا دے کر خود شکریہ ادا کرنا شروع کیا تو وہ بھی جیسے ہوش میں آگئی۔

پھوروہ کا مسئلہ کیسے چٹکیوں میں حل ہوا۔

"ہمارے اسکول میں ایک اور ٹیچر بھی ہیں ان کا بھی چھوٹا بچہ ہے جسے ہماری آیا نرسری میں ایک طرف بے کاٹ میں لٹا کر اس کا خیال رکھ لیتی ہے۔ آپ بھی بچی کو لے آیا کیجیے گا وہ آپ کی نظروں کے سامنے بھی رہے گی۔

اجرت بہت معمولی ہوگی۔ یقیناً" آپ کو اپنے مسئلے کے حل کے مقابلے میں کم ہی لگے گی۔" میڈم فاطمہ اسے واقعی کوئی رحمت کا فرشتہ ہی لگی تھیں۔

ورنہ وہ تو یہ سوچ سوچ کر ہول رہی تھی کہ وہ رہ کر کہاں چھوڑے گی۔

حمیدہ خالہ کی پیشکش اپنی جگہ مگر وہ ان سے مانوس نہیں تھی پھر حمیدہ خالہ کی دونوں بہوئیں اس سخاوت پر یقیناً ناک منہ چڑھاتیں اور یہ سلسلہ زیادہ دن تک نہیں چل سکتا تھا۔

آیا سے بھی وہ آتے ہوئے مل آئی تھی۔ بہت اچھی کم گو اور چہرے سے نہایت سلجھی ہوئی خاتون تھی۔ عاصمہ کے دل کو بہت اطمینان سا ہوا۔

"مما! کتنی سیلری دیں گے اسکول والے آپ کو؟" واثق نے اس کو اپنے خیالوں سے چونکایا تھا۔

"سیلری تو ابھی زیادہ نہیں پھوروہ کی دیکھ بھال کے لیے آیا کو بھی دینی ہوگی کچھ رقم لیکن واثق! کچھ نہ ہونے سے یقیناً بہتر ہے۔ کچھ کرایہ آجایا کرے گا پھر شام میں، میں ٹیوشن کرلوں گی۔ میرے خیال میں ہمارے لیے یہ کافی ہوگا۔" اس نے مسکرا کر بیٹے کو تسلی دی۔

"ویری نائس۔۔۔ تھری کلاس تک کے بچوں کو ٹیوشن پڑھانے میں میں بھی آپ کی ہیلپ کردوں گا۔" وہ مدبرانہ انداز میں بولا۔

"اوکے میری جان! یوں بھی تمہاری ہیلپ کے بغیر تو میں کچھ بھی نہیں کرسکتی۔" عاصمہ پیار سے اس کے بال بکھرا کر بولی۔

"اوہ ممی! آپ کو ایک چیز دکھانی تھی مجھے۔ میں آتا ہوں ابھی۔" وہ اٹھ کر تیزی سے اندر کمرے میں چلا گیا۔

عاصمہ مسکرانے لگی۔ اس نے ایک گہرا سانس لے کر اپنی جنت کو دیکھا۔

کچھ دن پہلے تک وہ کس درجہ مایوس ہوچکی تھی کہ اسے لگتا تھا زندگی کے دامن میں اب اس کے لیے کوئی خوشی نہیں بچی۔ وہ خدا کی رحمت سے مایوس ہوگئی تھی اور مایوسی کفر تک لے جاتی ہے تب ہی تو وہ بار بار حرام موت کے بارے میں سوچتی تھی اور اس پر عمل بھی کر بیٹھی تھی۔

آج اگر وہ بھی نہ ہوتی تو اس کے بچے اللہ جانے کہاں دھکے کھا رہے ہوتے۔ اس نے لرز کر سر جھٹکا اور بچوں کو کھانے کے لیے آوازیں دینے لگی۔

واثق اسے اپنی شان دار سی ڈرائنگ دکھا رہا تھا جس پر پرنسپل صاحب نے آج خود اپنے سائن کے ساتھ اسے تعریفی سرٹیفکیٹ دیا تھا اور سالانہ مقابلوں کے لیے اس کا نام بھی فائنل ہوگیا تھا۔

"ماشاء اللہ میری جان! کتنی خوب صورت ڈرائنگ تمہاری۔۔۔ بالکل اپنے پاپا کی طرح، پتا ہے نا پاپا کی ڈرائنگ کتنی اچھی تھی۔" عاصمہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"ممی! میں نے بابا سے ہی تو سیکھی تھی اس طرح چیزوں کو ڈرا کرنا۔" وہ پیار سے ماں کے آنسو صاف کرکے بولا تو وہ مسکرانے لگی۔

"مما۔۔۔ ماموں کا فون ہے۔ آجائیں جلدی سے۔" اریبہ سیل ہاتھ میں لیے دوڑتی ہوئی ماں کے پاس آئی تو عاصمہ جلدی سے فون سننے لگی۔

☆ ☆ ☆

انہوں نے مثال کے لیے بہت ساری شاپنگ کی تھی۔

خود بشریٰ نے اپنے نئے گھر کے لیے مزید بہت سی چیزیں خرید لی تھیں۔

عدیل نے بشریٰ کے لیے ایک خوب صورت سی ساڑھی بھی لی۔ اس کی محبت بشریٰ کے لیے جیسے اور بھی بڑھ گئی۔ بشریٰ اس کے والہانہ جذبات پر جیسے دل ہی دل میں مغرور ہوئی جا رہی تھی۔ وہ آج کل صرف بشریٰ اور مثال ہی پر توجہ دے رہا تھا۔

صبح آفس جاتے ہوئے ماں اور فوزیہ سے کھڑے کھڑے دو چار باتیں کرتا ماں سے دواؤں کا نسخہ لیتا۔ ان کی کچھ اور ضرورت کی چیزیں پوچھ کر خدا حافظ کہہ کر چلا جاتا۔

بشریٰ اوپر کھڑکی سے دیکھتی رہتی۔

عدیل بھی یہ بات جانتا تھا۔ اس لیے وہ کم سے کم ٹائم ماں اور بہن کو دیتا۔ یوں بھی دونوں اس سے ابھی تک ناراض تھیں۔ وہ ٹھیک طرح سے بات نہیں کرتی تھیں۔ عدیل نے بھی منانے کی کوشش نہیں کی' ورنہ لمبا چوڑا جھگڑا شروع ہو جاتا۔ انہیں نظر انداز کرنے میں ہی عافیت تھی۔ اس کا ٹوٹتا ہوا گھر جڑ گیا تھا۔ اسے اب کسی کی پروا نہیں تھی۔

بشریٰ بھی نیچے نہیں اترتی تھی۔

عدیل کی محبت نے اسے بے خوف کر دیا تھا ورنہ پہلے تو وہ ہر کام نسیم بیگم سے پوچھ کر کرتی تھی۔ ہاں ایک مصیبت ابھی بھی باقی تھی کہ آئے دن نسیم بیگم کسی نہ کسی رشتے دیکھنے والے کو بلائے رکھتیں جس کے لیے بشریٰ کو مارے باندھے نیچے اتر کر جانا بھی پڑتا اور نمائشی انداز میں ساس اور نند سے بات چیت بھی کرنا پڑتی۔

"پتا نہیں اس مصیبت کا کب نصیب کھلے گا تو میری جان چھوٹے گی۔" وہ جل کر سوچتی۔ لیکن ابھی تو فوزیہ کے نصیب کے سلسلے میں نہ کسی کی دعا اثر کر رہی تھی نہ بددعا۔ وہ ہنوز ماں کے سینے پر پتھر بن کر بدرجہاں تھی۔

نسیم بیگم اسے دیکھ دیکھ کر آہیں بھرتیں۔ عدیل کی بے رخی کا غم بھی تازہ تھا۔ پھر بہو کے بے خوف' بے لحاظ انداز انہیں اور بھی آگ لگاتے مگر وہ خاموش تھیں۔

ان کی خاموشی سے بشریٰ کچھ پریشان تو تھی شروع میں مگر اب وہ سمجھ چکی تھی کہ نسیم بیگم نے سمجھوتا کر لیا ہے مگر وہ نہیں جانتی تھی کہ سمجھوتا کرنا نسیم بیگم کی فطرت میں نہیں ہے انہیں صرف مناسب وقت کا انتظار تھا۔

فوزیہ خود ہر وقت سر جھاڑ منہ پہاڑ بنی پھرتی رہتی سامنے اب کسی کی پروا نہیں تھی حتیٰ کہ خود اپنی بھی نہیں رہی تھی۔ خود کو بنانا سنوارنا سب فراموش کر چکی تھی۔

دو چار دفعہ نسیم بیگم نے اسے سمجھانے کی کوشش کی مگر فوزیہ کے منہ توڑ جواب پر انہوں نے اسے کچھ کہنا موقوف کر دیا۔

دونوں ماں بیٹی یوں چپ تھیں جیسے بولنا ہی بھول چکی ہوں۔ نیچے والے پورشن میں ہر وقت سناٹا رہتا حتیٰ کہ کسی برتن کے گرنے یا بجنے کی آواز بھی نہیں آتی تھی۔

کھانا ایک دن پکتا۔ دونوں ماں بیٹی دو تین دن چلا لیتیں یا بازار سے منگوا لیتیں۔ آج کل تو ٹی وی بھی زیادہ تر بند ہی رہتا۔

اوپر والے پورشن سے آتی ہنسی' قہقہوں اور زندگی سے بھرپور شور کی آوازیں دونوں کی سماعتیں ڈستی رہتیں۔

فوزیہ آنسو بھری شکایتی نظروں سے ماں کو دیکھتی' ماں نظریں چرا کر کہیں اور ہی دیکھنے لگتی۔

نسیم بیگم فیصلہ کر چکی تھیں۔ صرف ٹھوک بجا کر اس کو صحیح وقت پر کرنے کا فیصلہ کرنا ابھی باقی تھا۔ فوزیہ کے مقابلے میں نسیم بیگم کے چہرے پر آج کل خاصا اطمینان اور گہرا سکون تھا۔ آتے جاتے کبھی بشریٰ اس سکون بھرے چہرے کو دیکھتی تو دنگ رہ جاتی مگر کچھ سمجھ نہ پاتی پھر سر جھٹک کر وہاں سے گزر جاتی۔

☆ ☆ ☆

آج دو تاریخ تھی۔

اسے گئے ہوئے تیسرا دن۔ ابھی اس کی واپسی میں بارہ دن تھے۔ یہ بارہ دن کیسے گزریں گے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا لیکن اس بار اس نے تہیہ کر لیا تھا کہ وہ مزید اس یک طرفہ آگ سے اپنا آپ نہیں جلائے گا۔

"اس بار میں اس سے ضرور اظہار محبت کروں گا۔ یہ نہ ہو کہ اگلی بار وہ جائے تو پھر کبھی واپس نہیں آئے جبکہ میں تو اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں جانتا' لیکن اب اور انتظار نہیں۔"

وہ گہری سوچوں میں گم ڈپار ٹمنٹل اسٹور کی سیڑھیاں چڑھنے لگا اور بے دھیانی میں کسی سے یوں ہی ٹکرایا کہ ٹکرانے والا اس پر آگرا۔ سنبھلتے سنبھلتے بھی دونوں سیڑھیوں کے ایک طرف بے طرح سے جا لگے اور اسے لگا اس کا دل بند ہو جائے گا۔

اگر وہ اس لمحے کوئی اور دعا کرتا تو وہ بھی قبول ہو جاتی شاید قبولیت کی گھڑی بالکل پاس ہی تو تھی۔ جیسے وہ اس رات کی طرح اس کے بازوؤں میں تھی۔

"اسے اتفاق کہیں گے نہ حسین اتفاق بلکہ قسمت' خوش قسمتی کہیں گے کہ قسمت ہم دونوں کو ملانا چاہتی ہے۔ اس لیے بار بار راستے میں ایک دوسرے کے اتنے قریب لے آتی ہے کہ۔"

وہ اسے دیکھتے ہوئے بے خود سا کہتا چلا گیا اور وہ جو ہاتھ میں پکڑے دونوں شاپرز کے گرنے پر ہی حواس باختہ تھی اس جانے پہچانے چہرے کو اتنے قریب دیکھ کر ایک دہرائے ہوئے منظر کو پھر سے ان ہی جزئیات کے ساتھ دہراتا پا کر جیسے اس کے تن بدن میں آگ سی لگ گئی۔

"چھوڑو مجھے۔" وہ اسے پوری قوت سے پرے دھکیل کر درشتی سے بولی۔

"نہ چھوڑوں تو۔ کہا نا یہ قسمت کا لکھا ہے کہ ہم دونوں کو بہت جلد ایک ہونا ہے۔" وہ شوخی سے اس کے چہرے پر نظریں جما کر بولا۔

"تڑاخ" کی آواز آئی اور وہ اسے تھپڑ مار کر پرے دھکیلتی تیزی سے دونوں شاپنگ بیگ اٹھا کر اندھا دھند بھاگتی بھیڑ میں گم ہو گئی۔

اور وہ رخسار پر ہاتھ رکھے ساکت سا اسے دور جاتے دیکھتا چلا گیا۔

یہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆

بشریٰ حیران نظروں سے ساس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

وہ اب شاپنگ بیگ سے سیاہ رنگ کا خوب صورت کڑھا ہوا سوٹ نکالنے کے بعد مثال کا سرخ رنگ کا سویٹر دکھا رہی تھیں۔ جس پہ خوب صورت موتی لگے تھے۔

"یہ تو مجھے اپنی مثال کے لیے اتنا پسند آیا مانو میں نے دکان دار سے قیمت بھی نہیں پوچھی۔ بس کہہ دیا تھا کہ اسے پیک کر دو۔ اس سویٹر میں میری مثال تو کوئی شہزادی لگے گی۔ تمہیں کیسا لگا یہ سویٹر؟" وہ اب بہت پیار بھرے انداز میں پوچھ رہی تھیں۔

"مگر۔ ابھی کس لیے؟" وہ کچھ رکھائی سے بولی۔ دوسرے لمحے اسے احساس ہوا تو فوراً لہجہ بدل کر بولی۔

"میرا مطلب ہے مثال کے پاس تو پہلے ہی کافی ڈریسز ہیں اور سویٹرز بھی۔ تو آپ یہ اتنا مہنگا کیوں لے آئیں بھلا۔" وہ رک رک کر لہجے کو متوازن کرتے ہوئے کہہ گئی۔

"ہائے ہے میری شہزادی کے پاس ہزاروں ہوں بھلے۔ دادی کے دیے کا تو کوئی مقابلہ نہیں جس محبت اور خوشی سے میں لے کر آئی ہوں، اس کا کیا جوڑ۔" وہ جوش میں بولتے ہوئے کچھ غصہ کر گئیں۔

"نہیں امی! میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" بشریٰ کو فوراً معذرت خواہانہ انداز اختیار کرنا پڑا۔

"اور مجھے تو لگتا ہے۔ تمہیں اپنا بھی سوٹ پسند نہیں آیا۔ حالانکہ یہ فوزیہ اتنے دل سے تمہارے لیے خرید کر لائی تھی کہ امی! بھابھی اسی گھر میں ہیں۔ بھلے علیحدہ ہو گئی ہیں۔ ہم نے ان کی خوشی کو منایا نہیں۔ انہیں کوئی گفٹ نہیں دیا تو وہ دل میں کیا سوچتی ہوں گی۔"

نسیم بیگم نئی سی کہانی اسے سنا رہی تھیں۔ جو اس نے پہلے نہ کبھی سوچی تھی، نہ سنی تھی۔

"نہیں۔۔۔ امی سوٹ تو بہت اچھا ہے بہت خوب صورت۔" وہ بے چارگی سے کہہ گئی۔

"بلکہ میں تو کہتی ہوں کہ یہ کلر فوزیہ پر بہت جچے گا آپ اسے دے دیں۔ اس نے پہنا میں نے پہنا بات تو ایک ہی ہے۔" اس نے طریقے سے سوٹ لوٹانا چاہا۔

"لو وہ اتنی چاہ سے تمہارے لیے لے کر آئی اور تم الٹا اس کو واپس کر رہی ہو۔" وہ خفا ہو گئیں۔

"اور اس نصیب ماری پر یہ سیاہ رنگ کہاں جچتا ہے۔ میں نے تو یوں بھی اسے یہ رنگ کبھی پہننے نہیں دیا۔ یہ تم پر بہت اٹھتا ہے۔ اب بحث نہیں کرو اور رکھ لو نہیں پسند تو اپنی ملازمہ کو دے دینا۔ ہم نے تو تمہیں تحفہ دیا ہے۔ اب تمہیں نہیں اچھا لگا تو۔" وہ دل گرفتی سے بولیں۔

"امی! ایسے تو نہ کہیں، سوٹ تو اتنا اچھا ہے اور باقی چیزیں بھی۔ میں تو صرف آپ کی تکلیف کے خیال سے کہہ رہی تھی اور میں ملازمہ کو کیوں دینے لگی۔ کل میں ٹیلر کو دے آؤں گی اور خود اپنے لیے بنواؤں گی۔" وہ فوراً لہجہ بشاش کر کے بولی۔ نسیم بیگم مسکرانے لگیں۔

"اور چائے تو میں بھول ہی گئی۔ آپ کے لیے رکھ کر آئی تھی چولہے پر ابھی لائی۔ فوزیہ کو بھی آواز دیتی ہوں، وہ بھی آجائے اوپر۔" وہ جاتے ہوئے بولی۔

"بخار ہے اسے تو دوا لے کر سوئی ہے۔ تم بس میرے اور اپنے لیے لے آؤ۔" وہ فوراً بولیں۔

بشریٰ لوازمات کی ٹرے اٹھا کر آگے رکھنے لگی۔ نسیم بیگم نظر پھرا کر اطراف میں دیکھنے لگیں۔

ہر طرح کی سہولت۔۔۔ سجا سجایا خوب صورت ڈرائنگ روم، نئے کارپٹس، خوب صورت پردے، قیمتی ڈیکوریشن پیسز۔ وہ تو جیسے آہ بھر کر رہ گئیں۔

"یہ مٹھائی لیں نا امی!" وہ محبت سے مٹھائی پیش کرنے لگی۔

"یہ کون لایا تھا؟ جہاں سے عدیل لاتا ہے، وہ والی مٹھائی تو نہیں لگتی۔" ذرا سا چکھ کر ہی وہ فوراً بولیں۔

"جی۔۔۔ یہ امی لے کر آئی تھیں۔ کل ذرا دیر کے لیے آئی تھیں۔ جب آپ اور فوزیہ مارکیٹ گئی ہوئی تھیں۔ امی پہلی بار میرے گھر۔۔۔ مطلب یہاں آئی تھیں، اس لیے مٹھائی لے کر آئیں۔" اس نے کچھ تیزی سے کچھ رک کر مٹھائی کا حدود اربعہ بتایا تو نسیم بیگم کو اپنے اندھیرے میں چلائے تیر کو نشانے پہ لگتے دیکھ کر عجیب سی خوشی محسوس ہوئی۔

"عمران کا رشتہ ہو گیا؟" ذرا دیر بعد یوں ہی پوچھنے لگیں۔

"بس سمجھیں ہو ہی گیا۔ لڑکی تو امی کو پسند آ ہی گئی ہے۔ اس ہفتے لڑکی والے فائنل بتا دیں گے تو ہم کوئی رسم کرلیں گے۔" بشریٰ نے تفصیل سے بتایا۔

"اللہ بہتر کرنے والا ہے۔ میں تو فوزیہ کے حادثے کے بعد ایسی ڈری ہوں، سوچ لیا ہے کہ کبھی بچے بچی کا رشتہ ایسی جگہ نہ کرو جن لوگوں کو آپ ٹھیک سے جانتے نہ ہوں۔ بڑے بڑے فریب دھوکے ہو رہے ہیں آج کل اللہ سب کو امان میں رکھے۔"

"جی۔۔۔ آپ صحیح کہتی ہیں۔۔۔ یہ کباب تو لیں امی! میں نے کل ہی بنائے ہیں۔" اس نے دوسری پلیٹ پیش کی تو وہ خاموشی سے کچھ سوچتے ہوئے کباب کھانے لگیں۔

☆ ☆ ☆

"مما! پاپا آگئے ہیں۔" مثال ہوم ورک مکمل کر چکی تھی۔ جب نیچے گاڑی رکنے کی آواز آئی تو وہ شور مچاتی باہر آکر بولی اور خود سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

بشریٰ نے جلدی سے چائے کا پانی چولہے پر رکھا اور خود اپنی لپ اسٹک کو فریش کرنے بیڈ روم میں چلی گئی۔ چائے کا پانی پک پک کر سوکھ گیا مگر عدیل اوپر نہیں آیا۔ مثال بھی باپ کے پیچھے پیچھے چلی گئی تھی۔ اس نے بھی آکر کچھ نہیں بتایا۔ نیچے بھی مکمل خاموشی تھی۔

بشریٰ کو پہلے تو سخت کوفت اور غصہ آیا، پھر وہ کچھ پریشان ہو گئی۔ عدیل نیچے اتنا ٹائم کبھی نہیں لگاتا تھا۔ وہ نسیم بیگم کی طبیعت کی خرابی کا سوچ کر نیچے جانے کو تھی کہ عدیل اور مثال ہنستے باتیں کرتے اوپر آگئے۔

"خیر تو تھی۔۔۔ آپ نے نیچے اتنی دیر لگا دی؟" وہ سخت لہجے میں کہہ اٹھی۔

"امی کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں تھی۔ فوزیہ کو بھی بخار تھا۔ انہیں پوچھنے بیٹھ گیا کہ ماموں کا فون آگیا سکھر سے۔ ان کی بچی کی شادی ہے تو اسی سلسلے میں انہوں نے امی کو فون کیا تھا۔ اس میں کچھ ٹائم لگ گیا۔ چائے تیار ہے؟" وہ بتا رہا تھا مگر اس کی آنکھوں میں گہری سنجیدگی تھی۔ بشریٰ کو لگا کچھ اور بھی ہے، جو عدیل یا تو بتانا بھول گیا ہے یا اسے بتانا نہیں چاہتا۔

"ہاں۔۔۔ میں بس لے کر آتی ہوں۔ آپ فریش ہو جائیں۔" اس نے بحث کرنا ضروری نہیں سمجھا اور کچن میں چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

"ارے اتنا زبردست سیٹ۔ یہ کس کا ہے عدیل! فوزیہ کے لیے لائے ہیں؟" بشریٰ خوب صورت گولڈ کا لاکٹ سیٹ دیکھ کر بے اختیار تعریف کرتے ہوئے پوچھ بیٹھی۔

"فوزیہ کا جب وقت آئے گا تو اس کے لیے بھی لے آؤں گا۔ ابھی تو تمہارا کافی قرض ہے مجھ پر۔ وہ تھوڑا تھوڑا کرکے اتارنے کی کوشش کر رہا ہوں۔" وہ مسکرا کر بولا تو وہ بے یقین سی دیکھتی رہی۔

"تمہارے لیے ہے جان!" عدیل نے دھیرے سے اس کی ناک کی نوک کو چٹکی میں پکڑ کر ہلایا تو وہ بے وجہ ہی ہنس پڑی۔

"مائی گاڈ! یہ تو بہت زبردست ہے۔ یو آر سو سویٹ عدیل! اچھا جلدی سے پہنائیں مجھے۔" وہ چین اس کے آگے کرکے بولی تو وہ محبت سے اسے پہنانے لگا۔

سرخ یاقوت اس کی دودھیا گردن پر عجب بہار دکھا رہا تھا۔ عدیل دیکھتا رہ گیا۔ اس کی بے خود نظروں سے بشریٰ یوں ہی مسکرانے لگی۔

☆ ☆ ☆

"ابھی جانا ہے؟" وہ حیران ہو کر بولی۔

"ہاں ابھی میرے ساتھ۔ تمہیں شام کو واپسی پر پک کرلوں گا۔ مشال کی تو یوں بھی آج چھٹی ہے۔"

"مگر عدیل! مجھے تو تیار ہونا پڑے گا۔ اس حلیے میں چلی جاؤں کیا۔ آپ لیٹ ہو جائیں گے۔" وہ اپنے رات کے کپڑوں کو دیکھ کر بولی۔

"تم تیار ہو جاؤ۔ میں ویٹ کرلیتا ہوں۔" وہ تحمل سے بولا۔

"کیا امی کا فون آیا ہے۔ انہوں نے مجھے بلوایا ہے۔" وہ فکر مند ہو کر بولی۔

"او نہوں نو مور کوئسچن، پلیز تم جلدی سے تیار ہو جاؤ۔ سب کچھ راستے میں بتادوں گا۔" عدیل کے دوٹوک انداز سے سمجھ گئی کہ اب وہ مزید کچھ نہیں بتائے گا۔

دس منٹ میں تیار ہو کر وہ عدیل کے ساتھ ذکیہ بیگم کی طرف جانے کے لیے گاڑی میں بیٹھ چکی تھی اور وقفے وقفے سے عدیل کے سنجیدہ چہرے کی طرف دیکھتی رہی تھی۔

"اب سنو میری بات غور سے۔" وہ بہت دیر بعد بولا تھا۔ بشریٰ کا دل اس کے لہجے سے ہی پھر بے طرح دھڑکنے لگا۔ اس کی بات اور بھی سہا دینے والی تھی۔ اتنی کہ وہ اس کی بات ختم ہونے پر شاکڈ سی کوئی سوال بھی نہیں کرسکی۔

گاڑی اس کی ماں کے گھر کے آگے رک چکی تھی۔ عدیل اس کی طرف کا دروازہ کھول چکا تھا۔

"میں شام میں تم دونوں کو پک کرلوں گا۔ اوکے ٹیک کیئر جاؤ۔"

اس نے خود ہاتھ پکڑ کر بشریٰ کو گاڑی سے اتارا اور مشال کو پیار کرکے دوبارہ گاڑی میں بیٹھتے ہوئے بولا۔ اس کے چہرے پر بڑی جان دار مسکراہٹ تھی۔ بشریٰ جیسے پتھر کی ہو کر رہ گئی تھی۔ مشال نے ڈور بیل بجائی گیٹ کھلا اور مشال ہی بولتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے گئی۔

☆ ☆ ☆

"یہ کیا بکواس ہے۔ ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔ تم نے ان ماں بیٹے کا وہیں منہ کیوں نہیں توڑ دیا۔ یہ منحوس پیغام اٹھا کر ادھر کیوں لے آئیں؟" ذکیہ بیگم اور عمران دونوں ایک دم سے بھڑک اٹھے۔

بشریٰ بے بسی سے دونوں کو دیکھنے لگی۔

"امی! میں کیا کرتی۔ عدیل کا لہجہ اتنا خوفناک سا تھا یقین کریں میں ڈر گئی۔ کچھ بول ہی نہ سکی۔" وہ بے چارگی سے بولی۔

"یہی تمہاری کمزوری ہے۔ جس کا وہ لوگ فائدہ اٹھا رہے ہیں۔" ذکیہ بیگم بھی بولیں۔

"اور امی! میں تو یہ مر کر بھی نہیں ہونے دوں گا۔ صاف صاف انکار کردیں ان لوگوں کو۔ مجھے کوئی شوق نہیں قربانی کا بکرا بننے کا۔" عمران تو یوں بھی بے لحاظ سا تھا۔ بغیر کسی مروت کے کہہ کر چلتا بنا۔

"امی!" بشریٰ نے بے چارگی سے ماں کو دیکھا۔

"تم فکر نہیں کرو۔ میں اس کا ایسا حل تمہیں دوں گی کہ وہ لوگ کچھ بول ہی نہ سکیں گے۔" ذکیہ بیگم اسے تسلی دیتے ہوئے بولیں۔ بشریٰ ماں کو دیکھتی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆
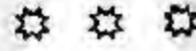
عمران مشال اور بشریٰ کو گیٹ کے باہر ہی اتار کر چلا گیا۔ بشریٰ بدقت مٹھائی بھاری ٹوکری اٹھائے گھر کے کھلے گیٹ سے اندر داخل ہوئی۔ عدیل کی گاڑی کھڑی تھی۔

بشریٰ نے عدیل کو آنے سے منع کیا تھا کہ اسے عمران ڈراپ کر جائے گا۔

اس کی توقع کے عین مطابق عدیل ماں بہن کے ساتھ نیچے لاؤنج ہی میں بیٹھا تھا۔

بشریٰ چہرے پہ بشاش سی مسکراہٹ لیے سب کو سلام کرتی اندر داخل ہوئی۔

"پاپا!" مشال اچھل کر باپ کی گود میں چڑھ گئی۔

تینوں کے چہرے ایک دم سے اجنبی ہوگئے تھے۔ بشریٰ کو کچھ ایسا ہی لگا۔ اس نے مٹھائی کی رنگین ٹوکری سینٹل ٹیبل پر رکھی اور اپنا بیگ ایک طرف صوفے پر ڈال کر بیٹھنے لگی تھی کہ عدیل کھڑا ہوگیا۔

"کیا ہے یہ؟" اس کا لہجہ اتنا سرد تھا کہ بشریٰ کی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ سی دوڑ گئی۔

"یہ۔ عدیل! عمران اور حنا کی رسم تھی آج۔ مطلب وہ لوگ آئے تھے شگن ڈالنے تو یہ مٹھائی امی نے دی۔ رشتہ طے ہوگیا نا عمران کا۔ اگلے سنڈے کو منگنی ہے اور ایک ماہ بعد شادی۔"

وہ رک رک کر بے ربطگی سے کچھ جوش سے بتانے لگی اور اس کا جواب پورا ہونے سے پہلے عدیل نے ایک زوردار تھپڑ بشریٰ کے منہ پر جڑ دیا۔

وہ تیورا کر گرنے لگی تھی کہ مشال نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"تم سے میں نے کہا تھا کہ تم عمران اور فوزیہ کے رشتے کی بات نہ صرف کرکے آؤ گی بلکہ طے کرکے آؤ گی اور تم مجھے یہ بکواس سنا رہی ہو۔ تمہاری ماں اور بھائی نے بس اتنا ہلکا لیا ہے مجھے۔ انہوں نے میری بات کو سمجھا کیا۔ اب اس کا مطلب میں تمہیں سمجھاؤں گا۔" اس کے چہرے پر صرف وحشت تھی۔

باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ

رُخسانہ نگار عدنان

عدیل اور فوزیہ نسیم بیگم کے بچے ہیں۔ بشریٰ ان کی بہو ہے اور ذکیہ بیگم کی بیٹی ہے۔ عمران بشریٰ کا بھائی ہے۔ مشال ذکیہ بیگم کی نواسی اور نسیم بیگم کی پوتی ہے۔ بشریٰ اور نسیم بیگم میں روایتی ساس بہو کا تعلق ہے۔ نسیم بیگم مصلحتاً بیٹا بہو سے لگاوٹ دکھاتی ہیں۔ دوسری طرف ذکیہ بیگم کا کہنا ہے۔ ان کی بیٹی بشریٰ کو سسرال میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ پانچ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد بشریٰ کی نند فوزیہ کا بالآخر ایک جگہ رشتہ طے پاجاتا ہے۔ نکاح والے روز بشریٰ دولہا ظہیر کو دیکھ کر چونک جاتی ہے۔

عدیل سے شادی سے قبل ظہیر کا بشریٰ کے لیے بھی رشتہ آیا تھا مگر بات نہ بن سکی تھی۔ نکاح والے دن زاہدہ اور ذکیہ بیگم بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔ بشریٰ اپنی ماں سے یہ بات چھپانے کے لیے کہتی ہے مگر عدیل کو پتا چل جاتا ہے۔ وہ ناراض ہوتا ہے مگر فوزیہ اور نسیم بیگم کو بتانے سے منع کر دیتا ہے۔ بشریٰ اور عدیل ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جاتے ہیں۔ وہاں انہیں پتا چلتا ہے کہ بشریٰ کے ہاں سات سال بعد پھر خوش خبری ہے۔

عفان اور عاصمہ اپنے تین بچوں اور والد کے ساتھ کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔ عفان کے والد فاروق صاحب سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ گریجویٹی اور گاؤں کی زمین فروخت کر کے وہ اپنا گھر خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ڈیڑھ کروڑ میں زمین کا سودا کر کے وہ عفان کے ساتھ خوشی خوشی شہر آرہے ہیں۔ عاصمہ کو فون کے ذریعے کوئی اطلاع ملتی ہے جسے سن کر وہ بے ہوش ہو جاتی ہے۔

فون پر پتا چلتا ہے کہ شہر آتے ہوئے عفان اور فاروق صاحب ڈکیتی کی واردات میں قتل ہو گئے۔ عفان کے قریبی دوست زبیر کی مدد سے عاصمہ عفان کے آفس سے تین لاکھ روپے اور فاروق صاحب کی گریجویٹی سے سات لاکھ روپے

وصول کرپاتی ہے۔ زبیر گھر خریدنے میں بھی عاصمہ کی مدد کررہا ہے۔
اسلام آباد سے واپسی پر عدیل دونوں مقتولین کو دیکھتا ہے۔ زاہدہ، نسیم بیگم سے بیس لاکھ روپے سے مشروط فوزیہ کی رخصتی کی بات کرتی ہیں۔ وہ سب پریشان ہوجاتے ہیں۔ عدیل بشریٰ سے ذکیہ بیگم سے تین لاکھ روپے لانے کو کہتا ہے۔
حمیدہ خالہ، عاصمہ کو سمجھاتی ہیں کہ عدت میں زبیر کا اکیلے اس کے گھر آنا مناسب نہیں ہے۔ لوگ باتیں بنارہے ہیں جبکہ عاصمہ کی مجبوری ہے کہ گھر میں کوئی مرد نہیں۔ اس کا بیٹا ابھی چھوٹا ہے اور سارے کام اس کو خود کرنے ہیں۔ وہ جلد از جلد اپنا گھر خریدنا چاہتی ہے۔ عاصمہ کے کہنے پر زبیر کسی مفتی سے فتویٰ لے کر آجاتا ہے کہ وہ انتہائی ضرورت کے پیش نظر گھر سے نکل سکتی ہے بشرطیکہ مغرب سے پہلے واپس گھر آجائے، سو وہ عاصمہ کو مکان دکھانے لے جاتا ہے۔
رقم مہیا نہ ہونے کی صورت میں فوزیہ کو طلاق ہوجاتی ہے۔ نسیم بیگم جذباتی ہوکر بشریٰ اور اس کے گھر والوں کو مورد الزام ٹھہرانے لگتی ہیں۔ اسی بات پر عدیل اور بشریٰ کے درمیان خوب جھگڑا ہوتا ہے۔ عدیل طیش میں بشریٰ کو دھکا دیتا ہے۔ اس کا ابارشن ہوجاتا ہے۔ عدیل شرمندہ ہوکر معافی مانگتا ہے مگر وہ ہنوز ناراض رہتی ہے اور اسپتال سے اپنی ماں کے گھر چلی جاتی ہے۔
اسی اسپتال میں عدیل عاصمہ کو دیکھتا ہے جسے بے ہوشی کی حالت میں لایا گیا ہوتا ہے۔ عاصمہ اپنے حالات سے تنگ آکر خودکشی کی کوشش کرتی ہے تاہم بچ جاتی ہے۔ نو سال بعد عاصمہ کا بھائی ہاشم پریشان ہوکر پاکستان آجاتا ہے۔ عاصمہ کے سارے معاملات دیکھتے ہوئے ہاشم کو پتا چلتا ہے کہ زبیر نے ہر جگہ فراڈ کرکے اس کے سارے راستے بند کردیے ہیں اور اب مفرور ہے۔ بہت کوششوں کے بعد ہاشم، عاصمہ کو ایک مکان دلاپاتا ہے۔ بشریٰ اپنی واپسی الگ گھر سے مشروط کردیتی ہے۔ دوسری صورت میں وہ علیحدگی کے لیے تیار ہے۔ عدیل سخت پریشان ہے۔

نویں قسط

"یہ... کیا کہہ رہے ہیں آپ عدیل۔" وہ کانپ کر بولی۔
عدیل کا یہ رویہ دیکھ کر بشریٰ کے حواس ایک دم سے ساتھ چھوڑ گئے۔ اگرچہ ذکیہ نے اسے خوب ذہنی طور پر تیار کرکے بھیجا تھا اور اس سے یہ بھی کہا تھا کہ عدیل کو نسیم اور فوزیہ ٹھیک ٹھاک پٹی پڑھا چکی ہوں گی۔ شاید تمہارے سامنے اس کا رویہ وہ آئے، جو تم نے عدیل سے کبھی متوقع نہیں کیا۔
لیکن ایسے رویے کی توقع اسے بہرحال نہیں تھی۔
"امی نے تو ان کو کہلوا بھیجا تھا کہ ابھی نہیں... مگر..." وہ اس کی شعلے اگلتی نظروں کی تاب نہ لاکر رحم طلب نظروں سے نسیم کو دیکھتے ہوئے ہکلا کر بولی۔
ایک زناٹے دار تھپڑ بشریٰ کو اس کے قدموں سے اکھاڑ گیا۔
"عدیل!" وہ پتھرائی نظروں سے گال پر ہاتھ رکھے بس اسے دیکھے گئی۔
وہ اس والے عدیل کو تو پہچان ہی نہیں پارہی تھی۔
"جاؤ! اور اپنی ماں کو جاکر پیغام دے دو میری طرف سے... بلکہ نہیں... پیغام دینے کی کیا ضرورت ہے اب کیوں امی؟" وہ استہزائیہ انداز میں یوں ماں کی طرف مڑ کر صلاح لینے کو بولا۔ جیسے اس سارے معاملے پر پہلے بہت کچھ طے پایا جاچکا ہے۔
"عدیل پلیز! آپ میری بات سمجھنے کی کوشش..." وہ پھر سے خود کو سنبھال کر بولی۔
مثال اس کے ساتھ جڑ کر کھڑی ہوگئی تھی۔ جیسے اسے اپنے ہونے سے کسی مضبوطی کا احساس دلا

کوشش کررہی ہو۔
"تم خود اپنی ماں کے پاس پیغام بن کر جاؤ گی... بس۔" وہ جیسے سارے مسئلے کا حل نکال کر چٹکی نہ بجاتے ہوئے بھی مزہ سالے کر بولا۔
"ہاں تو ڈھٹائی اور بے شرمی، بے غیرتی دیکھو۔ ان لوگوں کی کون سی فرمائش نہیں پوری کی میرے بیٹے نے... ان کی بیٹی کی... پھولوں کی سیج پر بٹھا رکھا ہے نواب زادی کو... کسی ملکہ رانی کی طرح لاڈ اٹھاتا ہے... کہیں کوئی کمی چھوڑی عدیل نے۔"
عدیل کے رویے نے نسیم کو جیسے نئی زندگی نئی توانائی دے دی تھی۔ وہ ایک دم سے کھڑے ہوکر یوں دھاڑ کر بولیں۔ جیسے بیس سال پہلے ان کی دھاڑ اور گھن گرج سے پورا سسرال کانپا کرتا تھا۔ آج تو اتنے سالوں بعد ایسا جما جمایا میدان ملا تھا کھل کر کھیلنے کو۔
"تو کیا کمی ہے میری فوزیہ میں؟ اللہ نہ کرے کوئی عیب ہے اس میں؟ کوئی کجی، کوئی لنگڑی لولی ہے، اندھی کانی ہے یا خدانخواستہ ہاتھ پیروں میں کوئی نقص ہے؟ ایسی تابع دار، فرماں بردار، سگھڑ، خاموش طبع ہروقت بڑوں کی جی حضوری کرنے والی میری بے زبان بچی۔ ابھی تو اس کی معصومیت کا قہر اللہ ان ظالموں پر بھی ضرور نازل کرے گا۔ جنہوں نے اس باکرہ پہ گھر بیٹھے ایسا داغ لگایا۔ خدا ان کی نسلوں کو برباد کرے گا۔ کچھ سلامت نہیں بچے گا ان کا۔ نہ گھربار، نہ عزت و آبرو، نہ جان و مال۔ کیڑے پڑیں گے جیتے جاگتے ان کے جسموں میں۔" وہ قہر بھرے انداز میں بغیر سوچے سمجھے، دیکھے بھالے بولتی چلی گئیں۔
"امی... قسم لے لیں۔ میں نے بات کی تھی امی سے۔ مثال سے پوچھ لیں... میں نے عمران سے بھی کہا تھا۔" بشریٰ بے اختیار نسیم کے سامنے روتے ہوئے گڑگڑا کر دونوں ہاتھ باندھ کر بولی۔
نسیم نے نفرت بھری نظروں سے اس اجاڑ صورت کو دیکھا۔
"نہیں! ابھی اتنی تو نہیں اجڑی۔ جتنی میری فوزیہ اجڑ چکی ہے۔" انہوں نے سیاہ دل کے ساتھ سوچا۔
"تو کرا ابھی اپنی ماں کو فون۔ ملا اس کا نمبر اور کہہ اس سے کہ ابھی الٹے پیروں آکر میری فوزیہ کا ہاتھ مانگے۔ ورنہ یہیں کھڑے کھڑے میرا بیٹا تجھے تین حرف بول دے گا۔ پھر وہ شادیانے بجاکر سو بیاہ لائے۔" وہ عدیل کو مان بھری نظروں سے دیکھ کر تنتنے سے بولیں۔
"امی...!" بشریٰ سن سی رہ گئی۔
"منگنی کردی ہے۔ مطلب بات طے ہوگئی ہے تو..." اس کی کچھ سمجھ ہی میں نہیں آرہا تھا کہ اس حشر کی گھڑی سے کیسے نپٹے۔
"سن لیا؟ دیکھ لی اپنی بیوی کی محبت اور تابع داری؟ اسی پر جان چھڑکتے تھے نا تم؟ اس ناگن کو کیا فائدہ ہوا یوں محبت کے کٹورے بھر بھر دودھ پلانے کا، جو تیری عزت نہ رکھ سکی تیری لاج کو اپنی اس چلتر باز اور مکار بھائی کے سامنے نہ سنبھال سکی۔ ارے لعنت ہے عدیل! تیرے یوں جورو کے غلام بنے رہنے پہ۔ ہم دونوں ماں بیٹی کو کہیں سے زہر کی پڑیا لادے۔"
وہ اپنے سینے پہ دو ہتڑ مار کر بال نوچ کر جاہلوں کی طرح بین کرنے لگیں۔
"تو تم اپنی ماں کو فون نہیں کروگی کہ وہ آکر اس رشتے کو قائم کرے؟" عدیل سرد نگاہوں کے ساتھ اس کے سامنے کھڑا تھا۔ بشریٰ خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئی۔

"عدیل!" اس کے خشک لبوں سے سرگوشی نکلی۔
"کرو فون۔" عدیل نے سیل اس کی طرف بڑھایا۔
"آپ میرے ساتھ آئیں۔ میں آپ کو پوری بات بتاتی ہوں۔" اس نے آنکھوں میں خاص الفت پیدا کرتے ہوئے اپنائیت سے اس کا ہاتھ پکڑا۔
"کرو فون۔ یہ لو۔ نمبر میں نے ملا دیا۔" وہ دھاڑا۔
اور بجلی کی سی تیزی سے اس نے ذکیہ کا نمبر بھی ملا دیا۔ بشریٰ اسے یوں دیکھ رہی تھی۔ جیسے کاٹو تو بدن میں لہو نہیں۔ اسے یہ بھی معلوم تھا ذکیہ فون اٹھائیں گی نہیں یا اٹھا کر بھی انجان بنی بات کو نہ سمجھنے کا ڈھونگ کرتی رہیں گی۔ کیونکہ فوزیہ کو وہ مر کر بھی بہو نہیں بنا سکتی تھیں۔ وہ تو شاید بشریٰ کے اجڑے گھر کا سوچ کرنے کے لیے تیار ہو بھی جاتیں۔ لیکن عمران۔
بشریٰ کو اس سے ایک فیصد بھی امید نہیں تھی۔
"کرو بات۔ کہو ان سے دس منٹ میں یہاں پہنچ کر فوزیہ کے ساتھ نکاح پڑھوائیں۔ ابھی اور اسی وقت۔ کرو بات۔" وہ زور سے دھاڑا۔ بشریٰ پتھر کی طرح کھڑی رہی۔
عدیل نے اس کی گردن سے بالوں کی مٹھی بھری اور سیل اس کے کان سے لگا دیا۔
بشریٰ کے حلق سے گھٹی گھٹی سی چیخ نکلی۔
"دیکھ کیسی حرافہ ہے۔ وحشت زمانے بھر کی۔ نہ شوہر کی حیا، نہ ساس نند کا کوئی ڈر خوف یہی سمجھے ہوئے ہے نا کہ دو چار گالیاں، گھونسے اور تھپڑہی لگیں گے نا تو کوئی بات نہیں۔ کھا لے گی۔ مصیبت تو ٹل جائے گی نا پھر سے شوہر کو اسی طرح مٹھی میں کر کے الو سیدھا کرتی رہوں گی۔" نسیم، عدیل کے غصے اور غیرت کو ہوا دیتی جا رہی تھیں۔
"چھوٹے بھائی! لعنت بھیجیں۔ ایسا کچھ نہیں ہونے والا اور میں ایسا رشتہ ان پتھروں سے جوڑنا بھی نہیں چاہوں گی۔ جن کے دل میں میری ذرا سی قدر، ذرا سی محبت بھی نہیں ہے۔ زور، زبردستی سے بھلا تم کیا میرا یہاں رشتہ جوڑو گے۔ مجھے بخش دو تم سب۔ مت بناؤ میرا تماشا۔ ہر ایک کے آگے مجھے مت ڈالو۔ میں اتنی فالتو، اتنی گری پڑی ہو گئی ہوں؟" فوزیہ کہتے کہتے ہسٹریائی انداز میں چلانے لگی۔
"فوزیہ! میری بچی، تجھ پر سارا کچھ وار دوں۔ تو کیوں گری پڑی ہونے لگی؟ تیری ماں تجھ پہ قربان۔" نسیم اسے سنبھالتے دہری ہو کر رونے لگیں۔
"تو تم نہیں بات کرو گی؟" عدیل کا غصہ کسی درجہ کم نہیں ہو پا رہا تھا۔ ہوتا بھی کیسے۔ دونوں وقفے وقفے سے اس میں تیل جو ڈال رہی تھیں۔
"عدیل! اس طرح فون پہ بات۔" بشریٰ نے سمجھانا چاہا۔
"بات کرو۔" وہ پاگلوں کی طرح دھاڑا۔
"نہیں۔ نہیں کروں گی۔" بشریٰ کو لگا بس اس میں اتنی ہی برداشت تھی۔ اس سے زیادہ نہیں۔ وہ اپنے بال اس سے چھڑا کر اسے پرے دھکیل کر زور سے چلائی۔
مثال سب کی چیخوں اور خونخوار شکلوں سے ڈر کر صوفے کے پیچھے چھپ کر بیٹھ گئی۔
اس کی صرف آنکھیں ان کو دیکھ رہی تھیں۔
وہ جو اس کے سب سے پیارے رشتے تھے اور وہ ان کی سب سے پیاری۔

اس کا باپ، جو اس پر جان چھڑکتا تھا۔
اس کی ماں، جو مثال کی خاطر اپنے بچے کا قتل بھول گئی تھی کہ کہیں اس کی مثال کو باپ سے دوری کا غم نہ سہنا پڑ جائے۔ وہ اپنی انا اور ضد پر پیر رکھتی پھر سے اس کے باپ کے گھر واپس آگئی تھی۔
اس کی دادی، جو کہتی تھیں۔ مثال میری جان ہے۔ میری شہزادی ہے۔ یہ سب کچھ مثال کا ہی تو ہے۔
اور اس کی پھپھو، جس نے سلائی کڑھائی سیکھی تو سب سے پہلے مثال کے کپڑے سیے۔ اس کے خوب صورت فراکوں پر کڑھائی کی۔ اس کے لیے ننھے ننھے سویٹر بنے اور ایک پیاری گلابی رنگ کی اونی ٹوپی بھی بنائی اور جب موڈ میں ہوتی تو مثال گڑیا کے لیے پیارے پیارے کپڑے بھی سی دیتی۔
اور اس وقت یہی پیارے رشتے اسے لگا، اس پر پل پڑیں گے اور اس کا خون چوسنا شروع کر دیں گے۔ اس خیال کے آتے ہی اس نے زور سے آنکھیں میچ لیں۔ اس کے منہ سے ہلکی ہلکی چیخیں نکلنے لگیں۔ جنہیں اس نے منہ کے آگے ننھا سا ہاتھ رکھ کر روک لیا۔
"طلاق دیتا ہوں۔ میں تمہیں ابھی اور اسی وقت طلاق۔ طلاق دیتا ہوں۔ دفع ہو جاؤ یہاں سے۔ میرے گھر سے۔ میری زندگی سے۔" اس نے مٹھائی کی ٹوکری کو زور سے لات مار کر دور پھینکا اور ایک دم سے جیسے تیز زلزلے کے بعد گہرا سکوت چھا جائے۔
ایک دھڑام دھڑام کی آوازوں کے بعد گمبھیر خاموشی ہو جائے۔ بہت خون خرابے کے بعد کرفیو لگ جائے۔
بالکل ویسی چپ، ویسی بے آواز خاموشی تھی۔ جس میں سانسوں کی آواز بھی نہیں سنائی دے رہی تھی۔
مثال نے ڈرتے ڈرتے آنکھیں کھولیں کر سب کو دیکھا۔
اسے لگا شاید وہ اس کا خون پینے لگے ہیں۔ وہ اور بھی گٹھڑی بن گئی۔
مگر وہ سب تو مجسموں کی طرح یوں اپنی اپنی جگہ پہ جمے کھڑے تھے۔ جیسے کسی پری یا جادوگر نے انہیں اپنے جادو کے زور سے پتھر کا بنا دیا ہو۔
اس کی ماں کا تو منہ بھی کھلا تھا اور آنکھیں اتنی پھیلی ہوئی تھیں۔ جیسے پھٹ جائیں گی۔
سیل فون اس کے قدموں کے پاس گرا تھا۔ جانے کس کے ہاتھ سے چھوٹ کر۔
مثال نے ڈری ڈری نظروں سے فون کو دیکھا۔

"بشریٰ۔۔۔ بشریٰ۔۔۔ عدیل۔۔۔ کیا بات ہے۔۔۔ کس نے فون کیا ہے۔۔۔ مشال؟" ذکیہ کی حیرت بھری چیختی آواز اس سے آرہی تھی۔

مشال بس فون کو دیکھے گئی۔

بشریٰ آدھی صوفے پر' آدھی زمین پر لڑھک کر بے ہوش ہو گئی۔

مگر کسی نے اسے پکڑنے کی یا تھامنے کی کوشش نہیں کی۔ حتیٰ کہ پاپا نے بھی نہیں۔

"مما۔۔۔ مما۔۔۔ مما! اٹھیں نا۔۔۔ مما! میری طرف دیکھیں۔۔۔ پاپا! دیکھیں۔ مما کو کیا ہوا۔۔۔ مما! آنکھیں کھولیں۔۔۔ مما۔۔۔ پاپا! دیکھیں نا۔" وہ سارا ڈر' خوف بھلا کر بے اختیار ماں سے لپٹ کر اسے بمشکل کھینچنے کی کوشش کرتے ہوئے باپ سے فریاد کرنے لگی۔

"ڈھکوسلا کر رہی ہے مکار۔ سارے فن میں طاق کر کے بھیجا ہے ماں نے۔ خس کم جہاں پاک۔" نسیم نے یوں نفرت بھرے انداز میں بے ہوش بشریٰ کو دیکھا جیسے اسے پیروں سے ٹھوکریں مار کر بہت دنوں کی نفرت اور غصہ نکالا ہو۔

"نہیں عمران میرا وہم نہیں ہے۔" ذکیہ نے بے قرار ہو کر موبائل فون کو دیکھا اور پھر سے نمبر ملانے لگیں۔

"جب وہاں سے کوئی بول نہیں رہا۔ فون نہیں اٹھا رہا تو کیوں بار بار نمبر ملا کر ان فضول لوگوں کو ان کی اہمیت کا احساس دلا رہی ہیں؟ وہ لوگ ہیں ہی اس قابل کہ انہیں اگنور کیا جائے۔ دو چار دن اس طرح خاموش رہیں گی تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

اس نے بے حس انداز میں کہتے ہوئے ذکیہ کے ہاتھ سے سیل فون لیا اور ایک طرف صوفے پر اچھال دیا۔

ذکیہ کو پہلی بار بہت کچھ ہو جانے کا دھڑکا سا ہوا۔ انہوں نے زور سے سر جھٹکا۔

"وہم ہے یہ۔۔۔ کچھ نہیں ہو گا۔" وہ خود کو تسلی دینے کو بڑبڑائیں۔

"امی! چائے تو پلوائیں۔ سر میں درد ہونے لگا ہے۔ یہ آپی کا آنا بھی آج کل درد سر بنتا جا رہا ہے۔" عمران نے ریموٹ ہاتھ میں لے کر چینل پر چینل بدلتے ہوئے کچھ بے زاری سے کہا۔

"عمران! جب میرے فون پر کال آئی عدیل کی تو دوسری طرف کافی شور تھا۔ جیسے بہت سے لوگ مل کر بول رہے ہوں یا چیخ رہے ہوں۔ میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔"

وہ خود کو تسلی' دلاسا سب دے چکیں تو جیسے بے بس ہو کر بولیں۔ عجیب طرح کی بے بسی تھی ان کی آنکھوں میں۔

"اوہو امی! فضول کا سین کری ایٹ نہ کریں۔ کچھ بھی نہیں ایسا۔ غلطی سے مشال نے نمبر ملا دیا ہو گا اور پھر سیل کہیں ڈال کر اپنے کھلونوں میں مصروف ہو گئی ہو گی۔ پلیز آپ زیادہ ٹینشن نہیں لیں۔ صبح بشریٰ آپی سے بات کر لیجئے گا۔" عدیل نے صوفے پر نیم دراز ہوتے ہوئے کہا۔

ذکیہ متذبذب سی بیٹھی رہ گئیں۔

"اب کیوں ایسے بیٹھی ہیں۔" مڑ کر ماں کی سوگوار سی شکل کو دیکھ کر کچھ کوفت سے بولا۔

"عمران! ایک دفعہ تم بشریٰ کے نمبر پر فون کرو۔ میں اس سے بات کر لوں تو مجھے قرار ملے گا۔" وہ کچھ لجاجت سے بولیں۔

عمران نے بے زاری سے ان کی طرف دیکھا اور پھر خاموشی سے سیل اٹھا کر بشریٰ کا نمبر ملانے لگا۔

"لیجئے۔۔۔ کوئی فون نہیں اٹھا رہا۔ آپی صاحبہ اپنی روٹھی نند اور ساس صاحبہ کے گھٹنوں سے لگی بیٹھی ہوں گی' کیا سڑی شکل ہے اس فوزیہ کی۔ میں تو کہتا ہوں اس۔۔۔ کیا نام تھا' جس سے اس کا نکاح ہوا تھا۔ ہاں! یاد آیا!

طلبہ۔ اچھی قسمت تھی اس کی' جو سستے میں چھوٹ گیا۔ ماں کی طرح فسادی طبیعت ہے اس کی۔" ذکیہ تاسف سے عمران کو دیکھ کر رہ گئیں۔

☆ ☆ ☆

وہ کتنی دیر بے حس و حرکت پڑی رہی۔ اسے پتا نہیں چلا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ اردگرد سارے میں گمبھیر چپ تھی۔

کچھ دیر پہلے کا وہ بھیانک منظر اس کی نظروں کے سامنے پوری جزئیات کے ساتھ گھومنے لگا۔

عدیل کا سرخ بھبھوکا چہرہ' خونخوار آنکھیں اور چنگھاڑتا لہجہ اور پھر جو کچھ اس نے کہا۔۔۔ بشریٰ کے منہ سے سسکی سی نکلی۔

سب کچھ ختم کرتے وہ تین جملے۔ لمحہ بھر کو اس کا دل بند سا ہوا۔ بائیں بازو اور سینے میں درد کی تیز لہر نے سر اٹھایا۔

اور دوسرے لمحے وہ جھٹکے سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

اس کے ساتھ جڑ کر بیٹھی مشال اس کے اس جھٹکے سے صوفے سے لڑھکنے لگی۔

وہ پچھلے ستائیس منٹوں سے نیم بے ہوش ماں کے ساتھ جڑی بیٹھی اس کی براؤن قمیص پر بنے بلیک اینڈ براؤن ڈیزائن میں چمکتے موتیوں پر نگاہ جمائے بہت کچھ اخذ کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

اسے یاد تھا۔ عدیل نے جب یہ سوٹ بشریٰ کو لے کر دیا تھا تو وہ شام بھی ان کی زندگی کی یادگار شاموں میں سے ایک تھی۔ بشریٰ اور مشال کی پسند کی ڈھیروں شاپنگ کی گئی تھی۔ لیکن یہ سوٹ عدیل نے اپنی پسند اور بہت محبت سے بشریٰ کو خرید کر دیا تھا۔

بشریٰ کو یہ پسند بھی بہت آیا تھا۔

اگلے ہی مہینے اس نے ویک اینڈ پر اسے پہن بھی لیا تھا اور وہ تینوں ڈنر کے لیے باہر بھی گئے تھے۔ پاپا نے مما کے لیے پھولوں کے گجرے بھی خریدے تھے اور آج یہی سوٹ۔۔۔ جس کا نیا پن ابھی ماند نہیں پڑا تھا۔ مگر اس کے رنگ ان موتیوں کی چمک جیسے سب کچھ بجھ سا گیا تھا۔

اس گہرے رنگ میں بشریٰ کا روپ سنولایا ہوا' اجڑا ہوا لگ رہا تھا۔

لیکن اسے ابھی تک امید تھی کہ پاپا کا غصہ کچھ دیر میں کم ہو جائے گا تو وہ پہلے کی طرح مما کی دل جوئی کرنے چلے آئیں گے۔ بلکہ فوراً" سے پہلے انہیں ڈاکٹر کے پاس لے کر جائیں گے اور سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔ بالکل پہلے کی طرح۔

مگر اسے نہیں پتا تھا۔ اب کچھ بھی ٹھیک نہیں ہو سکتا۔ سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔ اگر کچھ بچا بھی ہے تو وہ پہلے کی طرح تو بالکل بھی ٹھیک نہیں ہو سکتا۔ کم از کم اس ننھی بچی کے لیے تو کبھی بھی نہیں۔

لیکن وہ ایک آس سی نظروں میں لیے یک ٹک اوندھی پڑی ماں کو دیکھے جا رہی تھی۔

"مما!" اس نے آہستہ سے ماں کے ہاتھ پر اپنا ننھا ہاتھ رکھا۔

بشریٰ سوجی ہوئی آنکھوں' ستے ہوئے چہرے کے ساتھ خالی خالی نظروں سے سب طرف دیکھ رہی تھی۔

چند ہی لمحوں میں سب کچھ اجنبی ہو چکا تھا۔۔۔ بالکل اجنبی۔

اس کے لیے یہاں رکنے یا ٹھہرنے کا کوئی جواز نہیں بچا تھا۔ سب جواز' سب بہانے ایکدم ختم ہو گئے تھے۔ وہ گھر اس کے لیے اتنا ہی اجنبی ہو چکا تھا۔ جتنا اس کی شادی سے پہلے اس کے لیے تھا۔

اب اس کے لیے یہاں کچھ بھی نہیں تھا۔

اس نے مثال کا ننھا ہاتھ مضبوطی سے اپنی مٹھی میں لیا اور دوسرے ہاتھ سے بالوں پر ہاتھ پھیر کر ذرا سا ٹھیک کر کے وہ اٹھنے لگی۔

اس کے قدموں کے پاس رنگ برنگی مٹھائی کے ٹکڑوں کا ڈھیر پڑا تھا۔ جسے لات مار کر عدیل نے الٹا دیا تھا۔ اس نے جمود بھرے اس ماحول کو دیکھا اور مثال کو لے کر باہر کی طرف چل پڑی۔ اسے اپنا ہینڈ بیگ بھی اٹھانا یاد نہیں رہا تھا۔

یاد تو وہ اب کچھ بھی نہیں رکھنا چاہتی تھی۔ سب کچھ بھول جانا چاہتی تھی۔ اس نے ایک خالی خالی نظر سب طرف ڈالی۔

وہ تینوں جانے کون سے کمرے میں تھے۔

عدیل شاید اوپر تھا۔ بشریٰ کے دل میں نفرت کی ایک تیز لہر دوڑی۔

اس نے کچھ اور بھی مضبوطی سے مثال کا ہاتھ تھاما اور اسے لے کر گیٹ کی طرف بڑھی۔

"مما۔ ہم کہاں جا رہے ہیں اس وقت۔ اوپر۔ اپنے گھر۔" مثال ماں کو اٹھتے اور یوں چلتے دیکھ کر ہی کچھ مطمئن ہو چکی تھی۔ اوپر کا راستہ یوں بھی باہر سے اوپر جاتا تھا۔ سو وہ یہی سمجھی۔

بشریٰ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اسے لے کر گیٹ سے ذرا فاصلے پر رک کر اس نے مڑ کر دیکھا۔

عدیل اس کے سامنے کھڑا تھا۔

بشریٰ نے ایک زخمی نفرت بھری نظر اس پہ ڈالی اور رخ پھیر کر جانے لگی۔

عدیل نے ایک جھٹکے سے مثال کا ہاتھ کھینچ کر اسے اپنے پیچھے کر لیا۔

"یہ تمہارے ساتھ نہیں جائے گی۔" وہ دبی ہوئی آواز میں غرا کر بولا۔

"تم اس کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکتے۔" وہ چیخ کر بولی۔ "چھوڑو اسے۔ یہ میری بیٹی ہے۔ میں تم جیسے جانوروں کے پاس تو اسے ایک لمحہ کو نہیں چھوڑوں گی۔" وہ سارے لحاظ، مروت ایک طرف کر کے زور سے بولی۔

"یہ صرف میرے پاس رہے گی۔ تمہارا اب اس سے کوئی تعلق نہیں۔" وہ بھی جواباً اسی نفرت سے بولا۔

"چھوڑو اسے۔ مثال! چلو میرے ساتھ۔" وہ مثال کو کھینچتے ہوئے بے قابو تنفس کے ساتھ بولی۔

"مثال کو تو تم ہاتھ بھی نہیں لگا سکتیں۔ یہ تمہارے ساتھ رہے اور تم جیسی بدزبان، ڈھیٹ اور بے لحاظ بنے یہ میں کبھی نہیں چاہوں گا۔ تمہیں یہاں سے اکیلے ہی جانا ہو گا۔" عدیل اسے دیکھ کر سرد لہجے میں بولا۔

"چھوڑو میری بیٹی کو ورنہ میں شور مچا کر سارا محلہ اکٹھا کر لوں گی اور تم لوگوں کی اصلیت سارے زمانے میں کھول دوں گی۔ تم۔ کیا ہو۔ تمہارا اصل۔" بشریٰ غصے، بے بسی، نفرت، لاچاری اور رنج کے عجیب سے مقام پر آ کر کھڑی تھی۔ اس سے کچھ بھی نہ ڈھنگ سے بولا جا رہا تھا۔ نہ سوچا جا رہا تھا۔

وہ بس دیوانہ وار مثال کو اپنی طرف کھینچتی جا رہی تھی۔

"تم سارا محلہ کیا، سارا شہر بھی اکٹھا کر لو تو بھی۔ مثال کو تو میں تمہیں چھونے بھی نہیں دوں گا۔ نکلو یہاں سے۔"

عدیل کی آنکھوں میں زمانے بھر کی حقارت اور لہجے میں دھتکار تھی کہ بشریٰ کو لگا، وہ اس دنیا کی ذلیل ترین اور گری ہوئی عورت ہے۔

"چھوڑو اسے۔ یہ میری بیٹی ہے۔" آنسوؤں کی روانی کی شدت میں اسے اب کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

وہ مثال کو کھینچ رہی تھی اور عدیل کی گرفت مثال کے گرد مضبوط ہوتی جا رہی تھی۔ مثال کو لگا ابھی اس کا دم گھٹ جائے گا اور وہ مر جائے گی۔ اس نے ایک دم سے رونا شروع کر دیا۔

"مما۔ مما۔ پاپا۔ چھوڑیں مجھے۔ مما!" وہ زور زور سے رو رہی تھی۔

"عدیل! منہ پر مار اس کی چھوکری کو۔ ناگن کی اولاد، ناگن ہی نکلے گی۔ دفعان کر دے اسے بھی ماں کے ساتھ۔ تو کیوں اس منحوس کی پرورش کا درد سر اٹھاتا ہے؟" نسیم برآمدے میں کھڑی للکار کر بولیں۔

"ہرگز نہیں۔ میری زندگی میں یہ کبھی نہیں ہو گا۔ مثال صرف میرے پاس رہے گی۔ میں اس عورت کا سایہ بھی اس پہ نہیں پڑنے دوں گا۔" وہ اب مثال کو گود میں اٹھا کر مضبوطی سے بولا۔

بشریٰ دیوانہ وار اسے نوچنے لگی۔

اس کا گریبان، بازو، شرٹ کے بٹن، عدیل کا چہرہ، سب کچھ بشریٰ کی دیوانگی کی زد میں تھا۔

"اسے دفع کر عدیل! دور کر اس چھپکلی کو۔ جیسی ماں ہے، یہ ویسی نکلے گی۔ ان کمبخوں کے خون میں نہ وفا ہے، نہ فیض۔ کل کو اس کی وجہ سے دکھ اٹھائے گا۔ یہ تجھے کبھی خوشی نہیں دے سکتی۔ جانے دے اسے ماں کے ساتھ دور کر۔" نسیم اس کے پاس آ کر مخصوص لڑاکا انداز میں چلا کر بولیں۔

"چھوڑو اسے۔ چھوڑو میری بچی کو۔" بشریٰ اب باقاعدہ عدیل کو دونوں ہاتھوں سے مار رہی تھی۔

"نکلو۔ نکلو تم یہاں سے۔ جس کو لے کر آنا ہے، لے آؤ جا کر۔ میں مثال کو کسی کو ہاتھ نہیں لگانے دوں گا۔ اب اس پہ تمہارا کوئی حق نہیں۔ جاؤ یہاں سے۔" عدیل نے زور سے بشریٰ کو گیٹ کی طرف دھکا دیا۔

وہ زور سے جا کر دیوار سے لگی۔ اس کو لگا، اس کا کندھا اتر گیا۔ درد کی شدت سے اس کے منہ سے چیخ نکل گئی۔ مگر وہ زخمی شیرنی کی طرح پھر سے جا کر عدیل سے بھڑ گئی۔

"میرے جیتے جی میں اپنی بیٹی تمہارے جیسے جانور۔ درندے کے حوالے نہیں کروں گی۔ دو اسے مجھے۔ مثال!" وہ بالکل ہوش و خرد سے بیگانہ ہو چکی تھی۔

"مما۔ مما۔ مجھے مما کے ساتھ جانا۔ مت ماریں مما۔ پاپا کو۔ پا۔ پاپا۔ مما رو رہی ہیں۔" مثال بھی زور زور سے روئے جا رہی تھی۔

"اسے دفع کر دے عدیل! دور کر ان نحوستوں کو۔ اپنے اوپر سے ٹال۔۔۔۔۔۔ میرے بچے۔" نسیم اب کے مثال کو اس کی گود سے اتارنے کی کوشش کرتے ہوئے بولیں۔

"ایسا نہیں ہو سکتا امی! میں مثال کو کہیں نہیں جانے دوں گا۔ اس عورت کے ساتھ تو بالکل بھی نہیں۔" عدیل مرد تھا۔ مثال کو اس کی گرفت سے چھڑانا آسان نہیں تھا۔

بشریٰ پورا زور لگا کر عدیل کو دھکیل دھکیل کر اب نڈھال سی ہو چکی تھی۔ مگر مثال کو یہاں چھوڑ کر جانے کا تو وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔

"چھوڑو اسے۔ ورنہ میں ابھی پولیس کو فون کر کے بلوا لوں گی۔" وہ آخری وار کے طور پر اس کی گود سے مثال کو کھینچتے ہوئے چلائی۔

"اپنے باپ کو بھی بلا لو تو بھی تم مثال کی شکل کو ترسو گی اور اب بہت ہو گیا ڈراما۔ نکلو یہاں سے۔ کوئی جگہ نہیں ہے تم جیسی ناشکری، بدزبان عورت کی اس گھر میں۔" اس نے بشریٰ کا ہاتھ زور سے اپنے آہنی پنجے میں جکڑا اور دوسرے لمحے تانگ سے گیٹ کا پٹ کھول کر اس نے بشریٰ کو پوری قوت سے باہر دھکیل دیا۔

مثال کی ہولناک چیخوں نے اس کے دل کو دہلایا۔ نہ بشریٰ کے واویلے نے۔

وہ اب دیوانہ وار باہر گیٹ پیٹ رہی تھی۔

"عدیل! سارا محلہ اکٹھا ہو جائے گا۔ ابھی اس مثال کو بھیج دے اس کے ساتھ۔ بعد میں جا کر لے آنا۔ تو باپ

ہے۔ تیرا حق ہے اس پر۔ یہ تیرے پاس ہی رہے گی۔ ابھی تو یہ مردود تماشا لگا رہی ہے باہر۔" نسیم نے پاگلوں کی طرح گیٹ پیٹتی بشریٰ کے واویلے پر کچھ گھبرا کر عدیل کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"یہ جو کچھ کر سکتی ہے۔ اسے کرنے دیں۔ میں مثال کو نہیں دوں گا۔ کبھی بھی نہیں۔" عدیل سختی سے بولا۔

"مما! مما۔ مجھے مما کے ساتھ جانا ہے۔" مثال ماں کی باہر سے آتی چیخوں پر روتے ہوئے زور سے بولی۔

تڑاخ!

عدیل نے زور سے مثال کے منہ پر تھپڑ مارا اور مثال کی آواز یوں گم ہوئی۔ جیسے اب کبھی نکلے گی ہی نہیں۔

بشریٰ اسی طرح گیٹ پیٹے جا رہی تھی۔

"دھیلے رات بھر یہاں کھڑی چیختی رہو۔ پولیس کو لے آؤ یا کسی کو بھی۔ مثال کی جھلک بھی تمہیں نہیں ملے گی۔" اس نے بلند آواز میں کہا اور مثال کو لے کر اندر چلا گیا۔ نسیم وہیں کھڑی رہیں۔ بشریٰ گیٹ پیٹے جا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆
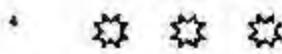
رات بھی اس کائنات کے اسراروں میں سے ایک ہے۔ ایک ایسا بھید 'ایسا اسرار جسے ہر زمانے' ہر قرن میں اہل 'عقل' اہل دانش کھوجتے رہے اور وہ اس کی حقیقت کو نہ جان سکے۔

اس کو بھی تو یہی لگتا تھا۔ وہ زمانوں سے ان سیاہ راتوں کو کھوج رہی ہے۔ اس سیاہ رات اور اپنے وجود میں اسے بہت مماثلت نظر آتی۔ اسے لگتا یہ کالی راتیں اور وہ دونوں 'ہم ذات' ہیں۔

وہ ان سیاہ راتوں میں خود کو بہت آرام دہ محسوس کرتی کہ اس کے ارد گرد ان کا وہ ان چاہا شور 'سماعتوں پر کوڑے برساتی وہ ناپسندیدہ آوازیں نہیں ہوتی تھیں۔

مگر رات نے اس پہ ستم بھی بہت ڈھائے ہیں۔ یہ بھی حقیقت تھی۔ مگر وہ اس حقیقت کو جانتے بوجھتے بھی رات سے بڑی عقیدت رکھتی تھی۔

اس نے کوفت زدہ انداز میں کتاب بیڈ پر پلٹ دی۔ اسے سخت بھوک لگ رہی تھی۔ صبح سے کچھ بھی نہیں کھایا تھا۔ مگر اسے یہی امید تھی کہ شام تک سب لوگ واپس آجائیں گے تو ظاہر ہے رات کے کھانے کا انتظام بھی ہو جائے گا۔ لیکن شام سے رات ہو گئی۔ نہ کوئی واپس آیا اور کھانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔ اس نے الماری کھولی تو بسکٹ کے ڈبے میں صرف تین بسکٹ باقی بچے تھے۔ دو دن سے اس کا گزارہ ان ہی بسکٹوں پہ تھا۔

کل دوپہر میں کالج کی کینٹین سے دو سموسے کھا لیے تھے اور رات میں چائے کے ساتھ یہی بسکٹ۔ مگر آج صبح تو کچھ بھی کھانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ کالج وہ گئی نہیں تھی۔

اور کھانا منگوانے کے لیے اس کے پاس پیسے نہیں تھے۔

بہت سوچ بچار اور بھوک سے بے چین ہو کر اس نے دوسری بار چوری کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

اگرچہ اسے پتا تھا۔ اب کے یہ چوری ضرور ہی اسے سب کی نظروں میں لے آئے گی۔

لیکن بھوک سے بڑھ کر کوئی بھی عفریت طاقت ور نہیں ہوتا۔ پیسے نکالتے ہوئے وہ جان چکی تھی۔

پرس میں اب صرف دو ہی سرخ نوٹ بچے تھے۔ اس نے تو صرف دو ہی نوٹ نکالے تھے۔

ایک دم جانے کمرے کے کون سے کونے سے مینڈک کی ٹرٹر جیسی موبائل فون کی آواز گونجنے لگی۔

وہ کچھ ہراساں سی کھڑی رہی۔ فون بجتا رہا اور پھر خاموش ہو گیا۔

وہ واپس مڑ کر جانے لگی کہ پھر سے فون بجنے لگا۔

"کسی کا ضروری فون نہ ہو۔" یہی سوچ کر اس نے صوفے کے کشنز کے نیچے ہاتھ مار کر فون نکالا۔
اسکرین پر چمکتا نام دیکھ کر اس نے زور سے ہونٹ بھینچ لیے۔ وہ بجتے فون کو پلکیں جھپکے بغیر دیکھتی رہی۔
اس نے آہستگی سے فون صوفے پر پھینکا اور خاموشی سے باہر نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

ذکیہ گیٹ کھولے ساکت سی کھڑی رہ گئیں۔
بشریٰ ٹیکسی سے اتری تھی اور وہ جس حالت میں تھی ذکیہ کا دل بند ہونے کے لیے وہ منظر کافی تھا۔
بکھرے بال' اجڑا حلیہ' سوجا ہوا چہرہ' اندر کو دھنسی آنکھیں اور سب سے بڑھ کر لڑکھڑاتی چال۔ اس کے شانے دوپٹے سے بھی بے نیاز تھے۔ کندھے پہ نہ کوئی بیگ تھا' نہ ہاتھ میں پرس۔ کچھ بھی نہیں تھا۔
ٹیکسی والے نے اس سے کچھ کہا تھا۔ جس سے بے نیاز وہ کسی روبوٹ کی طرح چلتی ماں کے پاس آگئی۔
"بشریٰ۔ میری بچی! کیا ہوا؟ تم ٹھیک تو ہو نا؟" ذکیہ نے خود کو دھوکا دینے کو یہ سوال پوچھا۔
اس کی حالت چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی کہ وہ ٹھیک کب ہے۔
"کہیں۔ کچھ ایسا ویسا۔" ذکیہ کے دل میں منحوس سا وسوسہ ابھرا۔
"نہیں۔ نہیں! ایسا کچھ نہیں ہو سکتا۔ میں جانتی ہوں۔ شاید لڑائی ہوئی ہے۔ یا یہ جھگڑ کر آئی ہو۔" ذکیہ نے بے اختیار بشریٰ کو تھامنے کے لیے بانہیں پھیلاتے ہوئے اپنے ہی وسوسے کو جھٹلایا۔
"مثال۔ مثال کہاں ہے بشریٰ۔" وہ بچی کے بغیر کیسی ادھوری ادھوری سی لگ رہی تھی۔ بے اختیار ذکیہ پوچھنے لگیں۔
"انہوں نے چھین لیا۔ اسے مجھ سے چھین لیا۔ ان ظالموں نے امی۔ میری مثال۔ مجھے نکال دیا۔ دھکے دے کر امی۔ میری بچی۔ وہ رو رہی تھی۔ مما مما کہہ رہی تھی۔ مجھے آوازیں دے رہی تھی۔ انہوں نے گیٹ بند کر لیا اور میری مثال۔ امی۔" وہ ہذیانی انداز میں بے ربط سا بولتے ہوئے بے دم سی ہوئی اور ذکیہ کی بانہوں میں جھول گئی۔
"بشریٰ۔ بشریٰ! میری بچی۔ بشریٰ۔ ہوش کرو۔ عمران۔ عمران۔ باہر آؤ بیٹے۔" ذکیہ بے قابو ہو کر چیخنے لگیں۔

☼ ☼ ☼

"مجھے مما کے پاس جانا ہے۔ مما۔ مما۔ مت مارو میری مما کو بابا۔ بابا۔ گیٹ کھول دیں۔ مما مجھے آوازیں دے رہی ہیں۔ مجھے بلا رہی ہیں۔ مما۔ مجھے ساتھ جانا ہے مما کے۔" وہ مچل مچل کر روئے جا رہی تھی۔
وہ بشریٰ سے زیادہ عدیل کی پیاری تھی۔ ہمیشہ ایسے موقعوں پر جب ماں' باپ میں ناراضی یا جھگڑا ہوتا تھا۔ مثال عدیل سے ہی سنبھلا کرتی تھی۔ عدیل ہی اسے بہلایا کرتا تھا۔
مگر آج تو وہ عدیل کے ہاتھ لگاتے ہی چیخنے چلانے لگتی اور بھی زیادہ وہ مچلنے لگتی۔
وہ عدیل سے تھپڑ کھانے کے بعد کچھ دیر تو بالکل گم صم سناٹے میں چلی گئی تھی۔ مگر پھر گیٹ کے باہر سے ماں کے واویلے اور چیخ پکار نے بے قابو سا کر دیا تھا۔
"چپ کر جاؤ مثال! صبح لے جاؤں گا تمہاری ماں کے پاس۔ اب رات بہت ہو گئی ہے۔ سو جاؤ۔ تمہاری طبیعت خراب ہو جائے گی یوں مسلسل رونے سے۔ سو جاؤ مثال!" عدیل نے اسے ساتھ لگا کر بہلانے اور پیار کرنے کی کوشش کی۔ در حقیقت اسے مثال کو تھپڑ مارنے پر بہت پچھتاوا سا تھا۔ سو اس کے بعد سے مسلسل اس

کے اس تھپڑ کی تلافی کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔
مگر مثال کی آنکھوں میں تو جیسے اس کے لیے شناسائی ہی نہیں تھی۔
وہ عجیب بے رخ سے انداز میں ضد کیے جا رہی تھی۔ باپ کے ہاتھ لگانے پہ اور بھی شدت سے چیخنے اور رونے لگتی۔ بہت دیر سے وہ برداشت کیے جا رہا تھا۔
وہ' وہ تھک گیا تھا بہت زیادہ۔
یوں جیسے وہ صدیوں سے اس ٹینشن میں مبتلا ہو اور گھنٹہ بھر پہلے جو پہاڑ اس کی زندگی میں ٹوٹا تھا۔ ابھی تو اس کا وجود اس کے بوجھ تلے دبا جا رہا تھا۔ مثال کے رونے دھونے اور پریشان کرنے کے دوران وہ وقتی طور پر اس واقعے کو براہ راست نہیں سوچ رہا تھا۔ لیکن کچھ تھا' جو دل کے آر پار ہوا تھا اور اس کا زہریلا سا درد اب جیسے پورے وجود میں پھیل رہا تھا۔
وہ جیسے تھک رہا تھا۔ ٹوٹ رہا تھا اور اب صرف نیند کی دو گولیاں کھا کر ہوش و خرد سے بیگانہ ہو جانا چاہتا تھا۔ مگر یہ مثال۔
اس نے دانت بھینچ کر اپنی پیاری بیٹی کو دیکھا' جو ان دونوں کی جان تھی۔ مگر اب جیسے وہ تقسیم سی ہو گئی تھی۔ اسے مثال جیسی اچھی بچی سے اس رد عمل کی توقع نہیں تھی۔
"مثال! میں تھک گیا ہوں بیٹا۔ بس کرو اب۔ سو جاؤ۔ صبح لے چلوں گا تمہیں تمہاری ماں کے پاس۔" وہ قصداً "بشریٰ" کا نام لینے سے اجتناب برت رہا تھا کہ یہ نام لمحوں میں اس کے لیے اجنبی سا ہو گیا تھا۔ جو کچھ دیر پہلے تک اس کی رگ جاں سے بھی قریب تھا۔
"یہ میں نے کیا کر ڈالا۔" پہلی بار دل میں درد کی تیز لہر اٹھی۔
وہ یوں ہی بائیں طرف سے سینہ سہلانے لگا۔ مثال کے رونے میں ایک توقف کے بعد پھر سے شدت آگئی تھی۔
"مما۔ مما۔ مما! مجھے لے جاؤ ساتھ۔ مجھے مما کے پاس جانا ہے۔ مما۔" وہ آنکھیں بند کیے بار بار دہرائے جا رہی تھی۔ عدیل اسے بے بسی سے دیکھنے لگا۔
"کیا تھا اگر بشریٰ یوں ہٹ دھرمی نہ دکھاتی۔ اپنی ماں اور بھائی کو منا لیتی۔ انہیں راضی کر سکتی تھی وہ۔ مگر میں جانتا ہوں۔ وہ دل سے نہیں چاہتی تھی کہ فوزیہ اس کی بھابھی بن کر اس کی ماں کے گھر میں جائے۔ جہاں جا کر وہ آزادی کے کچھ دن گزارتی تھی۔ اس کی وہ آزادی نہ چھن جاتی۔ اگر فوزیہ وہاں چلی جاتی۔" عدیل کو بشریٰ پر نئے سرے سے غصہ آگیا۔
"لیکن کیا مجھے فوزیہ کی خاطر یوں اپنا گھر مسمار کر دینا چاہیے تھا؟ میں ہی اگر تھوڑا خود کو بشریٰ کی جگہ رکھ کر سوچ لیتا۔" اس کے ضمیر نے ملامت کی۔
"نہیں۔ میں جانتا ہوں سارا قصور' ساری غلطی بشریٰ اور اس کی پھاپھا کٹنی ماں کی ہے۔ اس کا بھائی خبیث کون سا کم ہے۔ اب ان لوگوں کے ہوش اور عقل ٹھکانے آئے گی۔ جب بنی ماتھے پہ طلاق کا لیبل سجا کر ہمیشہ کے لیے ماں کے گھر جا کر بیٹھے گی۔ فوزیہ کا مذاق اڑاتی تھی نا اس کی ماں اور مجھے کیسا ہلکا' کیسا بے وزن لیا انہوں نے۔ داماد کی بات' اس کا کہا کوئی اہمیت ہی نہیں رکھتا ان لوگوں کے نزدیک۔ ایسے چکنے گھڑوں کو مزہ چکھانا تو ضروری تھا۔"
اس نے سر جھٹک کر بے رحمی سے سوچا۔
مثال کا والیوم پھر بلند ہو گیا تھا۔

اسے لگا فی الحال تو وہ خود مزہ چکھ رہا ہے۔ اسے اب پھر سے سخت غصہ آنے لگا۔
دل چاہا جوتا اٹھا کر مثال کو ٹھیک ٹھاک لگا دے۔ سارا رونا دھونا بھول کر خاموشی سے سو جائے۔ کم از کم رات بھر تو سوئی رہے۔
اس کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا اور یہ مثال۔۔۔
"یہ چپ نہیں ہوئی ابھی تک بھائی؟" فوزیہ کمرے میں آکر حقارت بھری نظروں سے روتی مثال کو دیکھ کر بولی۔
"نہیں چپ ہو رہی کسی بھی طرح سے۔ ہر طرح سے بہلا کر دیکھ لیا ہے۔ ایک ہی رٹ لگا رکھی ہے کہ ماں کے پاس جانا ہے اور بس۔۔۔ سمجھا رہا ہوں۔ مگر۔۔۔" وہ پوری طرح سے بھر چکا تھا۔ سخت کرخت بھرے لہجے میں بولا۔
"صرف تمہاری غلطی ہے یہ بھائی! تم نے کبھی ان ماں بیٹی کو اس طرح سے ٹریٹ نہیں کیا جس طرح یہ حق دار تھیں۔ بس لاڈ اٹھائے گئے۔ فرمائشیں پوری کرتے رہے۔ کبھی اپنی کوئی بات ان سے نہیں منوائی تو نتیجہ تو یہی نکلنا تھا نا۔ انہوں نے کب ماننا سیکھا ہے تمہاری بات کو۔"
فوزیہ کو بھی یہ سب سنانے کا آج ہی موقع ملا تھا۔ سو دل کی بھڑاس خوب ہی نکالی۔
عدیل اسے بھی کچھ سخت سنانا چاہتا تھا۔ مگر پھر اس نے ہونٹ بھینچ لیے۔
اب اور کون رہ گیا تھا جس کو وہ سنا نہیں چکا تھا۔ فوزیہ کو اس وقت چھیڑ کر بھڑوں کے ایک نئے چھتے میں ہاتھ ڈالنے کے مترادف تھا۔
وہ صبر کا گھونٹ بمشکل بھر گیا۔
"مما۔۔۔ مما۔۔۔ مجھے مما کے پاس جانا ہے۔" مثال کا رو رو کر گلا بیٹھ گیا تھا۔ مگر وہ نہ اپنی ضد سے ہٹی تھی نہ رونا دھونا کسی طرح کم ہو رہا تھا۔
"تم سے کہا تھا نا بھائی! امی نے کہ اس کو ماں کے ساتھ چلتا کرو۔ یہ تمہارے لیے تو گلے کی ہڈی بن جائے گی۔ عقل میں موئی ماں جیسی۔ کہاں کوئی بات سمجھے گی اور ویسی ہی ضدی۔" فوزیہ کا غصہ کم نہیں ہو رہا تھا۔
"اچھا پلیز! اب تم تو یہ سب بند کرو۔ کسی طرح اسے چپ کراؤ۔ ورنہ میرا دماغ پھٹ جائے گا۔ اس کی راگنی سن سن کر تھک گیا ہوں میں۔" عدیل ہر لحاظ اٹھا کر پھٹ کر بولا۔
"آؤ مثال! میرے پاس۔" کوئی نیک گھڑی تھی جو فوزیہ کو بھائی کی تھکن کا خیال آگیا۔
مثال کو بانہوں میں لینے کو آگے بڑھی۔
مثال بدک کر اور بھی پیچھے ہو گئی۔ جیسے فوزیہ اسے مارنے پیٹنے آئی ہو۔
"کیا ہو گیا ہے مثال! کیوں روئے جا رہی ہو؟ آؤ میرے پاس۔۔۔ میں تمہیں کچھ کھانے کے لیے دیتی ہوں۔" تا حتی الامکان لہجے میں پیار سمونے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔ جو اس سے ہو نہیں پایا تھا۔
"مجھے کچھ نہیں کھانا۔ مجھے صرف مما کے پاس جانا ہے ابھی۔ مجھے یہاں نہیں رہنا۔" وہ دیوار کے ساتھ لگ کر ضد سے بولی۔
کنپٹیوں کو دباتے عدیل نے بمشکل رگوں میں ابلتے غصے کی لہر کو دبایا۔
"اچھا! چلو نہیں رہنا۔ چلی جانا اپنی مما کے پاس۔ ابھی تو میرے پاس آؤ۔" جتاتی نظروں سے بھائی کو دیکھ کر مثال سے ذرا نرمی سے بولی۔
"نہیں! مجھے ابھی جانا ہے۔ ابھی۔۔۔" وہ ایڑیاں رگڑ کر ضد سے بولی۔
"چلو! ٹھیک ہے۔ تمہاری مما ابھی گیٹ کے باہر موجود ہیں۔ آؤ! میں لے جاتی ہوں تمہیں۔ تم ان کے ساتھ چلی جاؤ۔" فوزیہ اسے بہلانے کو ذرا پاس ہو کر اس کے بکھرے بال سمیٹ کر بولی۔

مثال بے یقینی سے پھوپھی کو دیکھنے لگی۔
"آؤ نا! جلدی سے۔ کہیں تمہاری ماما چلی نہ جائیں۔" فوزیہ اسے کھینچ کر بولی۔
"ہاں۔۔۔ لے جاؤ خدا کے لیے اسے یہاں سے۔ میں کچھ دیر کے لیے سکون سے سانس تو لے لوں۔" عدیل کوفت سے بولا۔
مثال نے شکایتی نظروں سے باپ کو دیکھا۔
"مما جا چکی ہیں۔ میں جانتی ہوں۔ گیٹ کے باہر کوئی آواز نہیں آرہی۔" وہ مرجھائے ہوئے لہجے میں آہستہ سے بولی۔ باپ کے کوفت بھرے لہجے نے اسے کچھ اور سہما دیا تھا۔
"ہوں ہوں۔۔۔ میں آرہی ہوں نا ابھی باہر سے۔ وہ ابھی باہر ہی رہیں۔ تم میرے ساتھ آؤ۔ میں تمہیں دکھاتی ہوں۔ آجاؤ شاباش!" فوزیہ نے اسے پیار کیا اور اس کے بال سنوارتی زبردستی اسے اپنے ساتھ لے گئی۔ عدیل ساکت سا بیٹھا رہا۔

☼ ☼ ☼

اسے لگا ابھی کسی نے اس کے گال پر تھپڑ مارا ہے۔
اس نے لیٹے لیٹے بے اختیار اپنے بائیں گال پہ ہاتھ رکھ لیا۔ اس کے لب بے اختیار مسکرانے لگے۔
"اسے ایسا ہی کرنا چاہیے تھا۔ اگر وہ ایسا نہ کرتی تو شاید مجھے اچھا نہیں لگتا۔" وہ اونچی آواز میں خود سے بولا۔
کمرے میں نیم اندھیرا تھا۔
ملگجی روشنی باہر گلی میں لگے پول لائٹ سے آرہی تھی۔ وہ آہستگی سے اٹھ کر کھڑکی میں کھڑا ہو گیا۔
اندھیرے میں دور اسے وہ منڈیر تو نظر نہیں آرہی تھی۔ جہاں وہ آکر بیٹھا کرتی تھی۔ اس کا مخصوص ٹھکانا۔ مگر اس کی نظریں وہیں تک جا کر رک گئی تھیں۔ جہاں وہ بیٹھا کرتی تھی۔
اس نے انگلیوں پر دن گننے شروع کر دیے۔
"ابھی تو مزید بارہ دن باقی ہیں اس کے آنے میں۔۔۔ یہ بارہ دن کیسے گزریں گے۔ لیکن اس بار میں اسے کھوؤں گا نہیں۔ اسے خود سے دور نہیں جانے دوں گا۔ اس سے اپنے دل کا احوال کہہ ڈالوں گا۔ اس آگ کی تپش اس تک بھی پہنچنی چاہیے جس نے اتنے مہینوں سے مجھے جلا کر بھسم کر ڈالا ہے۔"
وہ دل میں بہت سے ارادے باندھنے لگا۔
"لیکن ایک کام تو میں اس کے آنے سے پہلے کر ہی سکتا ہوں کہ اس گھر اور اس گھر میں رہنے والے مکینوں کے بارے میں ضروری معلومات لے سکوں۔ بلکہ ان بارہ دنوں میں کچھ ایسی راہ و رسم بنا سکوں کہ جب وہ آئے تو کسی طرح میں بھی اس گھر کے اندر موجود ہوں۔ وہ مجھے سامنے دیکھ کر ششدر رہ جائے۔ ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ میں اسے یاد نہ ہوں۔" وہ کچھ یاد کر کے مسکرایا۔
"دوبارہ وہ میرے اتنے قریب آچکی ہے کہ ہم دونوں کی سانسیں ایک دوسرے کی سانسوں میں مدغم ہو چکی ہیں۔ تو ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ مجھے فراموش کر چکی ہو اور جب وہ مجھے دیکھے گی تو۔۔۔ اف! وہ نظر دنیا کا خوب صورت ترین منظر ہو گا۔ جب ہم دونوں آمنے سامنے ہوں گے اور میں اس سے سب کچھ کہہ دوں گا۔" وہ آنکھیں بند کر کے مسکراتا ہوا اس منظر کو سوچنے لگا۔

☼ ☼ ☼

"میں نے فی الحال انہیں نیند کا انجکشن لگا دیا ہے۔ یہ صبح تک اچھی نیند لے لیں گی تو کچھ بہتر حالت میں ہوں

گی۔" ڈاکٹر نے انجکشن لگانے کے بعد سیدھا ہو کر آہستہ سے پیچھے کھڑے عمران اور ذکیہ سے کہا۔

بشریٰ کی آنکھیں نیم وا تھیں۔

وہ نیم بے ہوش تھی۔ اس کے کان ان کی آوازوں کو سن رہے تھے۔ مگر اس کا مفہوم سمجھنے سے قاصر تھے۔ اس وقت کسی بھی قسم کا مفہوم معنی سمجھنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

بس کسی بھی طرح دنیا و مافیہا سے بیگانہ ہو جانا چاہتی تھی۔

اس کا ذہن جیسے کسی گول گول گھومنے والے جھولے میں جھولنے لگا۔

اس کی نظروں کے سامنے چنگھاڑتا "طلاق' طلاق' طلاق کے الفاظ بولتا عدیل تھا۔ ہاتھ نچا نچا کر چیختی نسیم اور نفرت بھری نظروں سے دیکھتی فوزیہ تھی اور وہ سہا ہوا مثال کا معصوم چہرہ۔ وہ اس کی طرف ہاتھ پھیلا کر اس کی طرف لپک رہی تھی۔ اس کے ہونٹ "مما مما" کہتے نیم وا ہو رہے تھے۔

"مثال... مثال... مثال... آ... آجاؤ... آؤ... مثال! میری مثال۔" وہ نیند کی غنودگی میں بڑبڑا رہی تھی۔ ذکیہ نے روتے ہوئے بیٹی کی بے بسی کو دیکھا۔

"ڈاکٹر صاحب! یہ..." عمران متفکر سا تھا۔

"شدید گہرے ذہنی صدمے میں ہیں۔ انہیں ٹائم لگے گا سنبھلنے اور اس صدمے سے نبرد آزما ہونے میں۔" وہ گہرا سانس لے کر بولا۔

"مثال؟" ڈاکٹر نے استفہامیہ انداز میں ان کی طرف دیکھا۔

"ان کی بیٹی۔" عمران دل گرفتی سے بولا۔ اس درجہ شقاوت اور سنگ دلی کی ان کو عدیل اور اس کے گھر والوں سے توقع نہیں تھی۔

وہ ذکیہ کے کہنے پر دوبار فون کر چکا تھا۔ بلکہ غصے میں بپھر کر خود بھی جانا چاہتا تھا۔ مگر فی الحال بشریٰ کی حالت اسے روکے ہوئے تھی۔

اس کے خون میں ابال سے اٹھ رہے تھے کہ انہوں نے کس طرح بشریٰ کو اس حال تک پہنچایا۔ اس کے ساتھ وہاں کیا ہوا' وہ سب جاننا چاہتا تھا۔

اور سب سے بڑھ کر مثال اس کے ساتھ کیوں نہیں آئی تھی۔

"نہیں عمران! ہمیں بشریٰ کے ہوش میں آنے کا انتظار کرنا ہوگا۔" ذکیہ نے آنسو پونچھ کر اسے منع کیا۔

ڈاکٹر چلا گیا تھا اور بشریٰ گہری نیند سو چکی تھی۔

"امی! میں ان لوگوں کا حشر کردوں گا۔ انہوں نے میری بہن کو لاوارث سمجھ رکھا ہے کیا؟ جانے کیا سلوک کیا ہے آپی کے ساتھ کہ وہ اس طرح واپس آئیں۔" عمران طیش میں مٹھیاں بھینچ کر بولا۔

"میری بچی بے پردہ... بغیر دوپٹے کے خالی ہاتھ' خالی جھولی' خالی گود لیے گھر کے دروازے پہ یوں لٹی پٹی کھڑی تھی۔ سچ تو میرے دل پر تو جیسے کسی نے چھریاں چلا دیں۔ نسیم تیرا بیڑا غرق ہو۔ اللہ تجھے برباد کرے۔ جیسے تو میری بیٹی کی زندگی میں کانٹے بو رہی ہے۔ اللہ تیری بیٹی کے آگے لے کر آئے۔" وہ دامن پھیلا کر کوسنے لگیں۔

"مگر اس بدبخت پر کیا اثر ہوگا۔ اللہ تو اس کی بیٹی کو پہلے ہی برباد کر چکا ہے۔ اور کیا برباد کرے گا۔ ہائے میری بشریٰ... لا عمران! فون دے۔ میں اس عدیل سے تو خود بات کروں... میسنا... کیسے اس نے میری بچی کو اجاڑ بگاڑ کر گھر سے روانہ کردیا۔ میرے دل میں ابال اٹھ رہے ہیں۔" وہ دہائی دے کر بولیں۔

"امی! رات کا ایک بج رہا ہے۔ اب رہنے دیں... جو ہوگا' صبح دیکھ لیں گے۔" عمران کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ گھڑی پر نظر ڈال کر بولا۔

"ارے! ہماری نیندیں' ہمارا سکون غارت کرنے والے مزے سے سوئیں اور ہم کانٹوں پر لوٹیں۔ یہ کہاں کا انصاف ہے۔ میں تو ان کی زندگی حرام کردوں گی۔ نہ جئیں گے۔ نہ مریں گے۔ سارے میں دہائی ڈالوں گی۔ نمبر ملا تو بس۔" وہ آپے سے باہر ہو کر بولیں۔

عمران نے کچھ سوچا اور پھر عدیل کا نمبر ملا کر سیل ان کے کان سے لگا دیا۔

دوسری طرف سیل آف تھا۔

"کمبخت نے فون بند کر رکھا ہے۔ ملا اس نسیم کا نمبر۔ انہیں تو میں قبر سے کھینچ کر لے آؤں گی۔" وہ غصے میں آکر زور سے بولیں۔

"مثال... امی... عدیل!" بشریٰ نیند میں بڑبڑاتے ہوئے سسکی سی لے کر کسمسائی۔

دونوں اس کی طرف دیکھنے لگے۔

"امی! آپی سو رہی ہیں۔ ڈاکٹر نے کہا ہے' وہ جتنا زیادہ سکون سے سوئیں گی۔ اتنا ہی آپی کے لیے اچھا ہے۔ ورنہ خدانخواستہ نروس بریک ڈاؤن ہونے کا خطرہ ہے یا برین ہیمبرج کا۔ آپ پلیز! انہیں آرام کرنے دیں... باہر آئیں۔" وہ آہستہ آواز میں ماں کو سمجھا کر بولا۔

بیٹی کی حالت دیکھ کر ذکیہ کی آنکھوں سے پھر آنسو بہنے لگے۔ وہ اٹھنے کے لیے تیار نہیں تھیں۔

"تم جاؤ۔ میں یہیں ٹھیک ہوں۔ کچھ نہیں بولتی اب۔ اسے آرام کرنے دوں گی۔" وہ وہیں صوفے پر نیم دراز ہو گئیں۔

"امی! اس طرح تو آپ کی طبیعت بھی خراب ہو جائے گی۔ آپ نے دوا لے رکھی ہے۔ اگر سوئیں گی نہیں تو بہت مسئلہ ہو جائے گا۔ آپ جانتی ہیں۔" عمران نے ماں کو سمجھایا۔

"میری قسمت خراب... نہ میں جلد بازی کرتی۔ اسے مٹھائی کی ٹوکری دے کر بھیجتی۔ میں اسی گھنٹے عدیل کو گھر بلا کر اس سے خود بات کرتی۔ خدا جانے کیا ہوا ہے۔ میرے دل کو تو جیسے پنکھے لگے جا رہے ہیں۔ نیند مجھے کہاں آئے گی۔"

وہ آنسو صاف کرتے ہوئے بمشکل عمران کا سہارا لے کر اٹھ گئیں۔ دونوں باہر نکل گئے۔

"کیا... کیا..." عمران کے چہرے پر ہوائیاں اڑنے لگی تھیں۔ اس کے ہاتھ سے سیل فون گر گیا۔

ذکیہ نے بے اختیار سینہ تھام لیا۔ عمران کی حالت سے ان کا اپنا دل بیٹھنے لگا تھا۔

"کک... کیا ہوا عمران... کیا کہا ان لوگوں نے اور یہ عدیل نے اپنا فون کیوں بند کر رکھا ہے؟ منہ کیوں کالا ہو گیا اس کا؟ چوروں کی طرح چھپ رہا ہے ہم سے۔ کیا بک رہی تھی یہ منحوس نسیم... کیا کہتی ہے تم سے فون پر۔" وہ پھولے سانس کے ساتھ کہتی چلی گئیں۔

عمران نے جھک کر گرا ہوا سیل فون اٹھایا اور اسے مٹھی میں بھینچ لیا۔

"بول نا... گونگا ہے کیا... کیا بکواس کر رہی تھی وہ ڈائن... مجھ سے اب برداشت نہیں ہو رہا۔ بول! جو بھی کہا ہے اس نے۔ ورنہ میں ابھی اس کی طرف جا رہی ہوں۔" وہ بے صبرے پن سے بولتی چلی گئیں۔

"سب کچھ ختم ہو گیا ہے امی! آپی کی حالت غلط نہیں تھی... اور آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ ہم نے واقعی جلد بازی کی۔" عمران صوفے پر گر کر رنجیدگی سے بولا۔

"عمران! بول رے... ہوا کیا ہے۔ ورنہ مجھے کچھ ہو جائے گا۔" ذکیہ چیخیں۔

"عدیل نے بشریٰ آپی کو طلاق دے دی ہے امی۔" عمران بمشکل بولا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

عدیل اور فوزیہ نسیم بیگم کے بچے ہیں۔بشریٰ ان کی بہو ہے اور ذکیہ بیگم کی بیٹی ہے۔ عمران بشریٰ کا بھائی ہے۔ مثال ذکیہ بیگم کی نواسی اور نسیم بیگم کی پوتی ہے۔بشریٰ اور نسیم بیگم میں روایتی ساس بہو کا تعلق ہے۔ نسیم بیگم مصلحتاً بیٹا بہو سے لگاوٹ دکھاتی ہیں۔دوسری طرف ذکیہ بیگم کا کہنا ہے۔ان کی بیٹی بشریٰ کو سسرال میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔پانچ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد بشریٰ کی نند فوزیہ کا بالآخر ایک جگہ رشتہ طے پا جاتا ہے۔نکاح والے روز بشریٰ دولہا ظہیر کو دیکھ کر چونک جاتی ہے۔

عدیل سے شادی سے قبل ظہیر کا بشریٰ کے لیے بھی رشتہ آیا تھا مگر بات نہ بن سکی تھی۔نکاح والے دن زاہدہ اور ذکیہ بیگم بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔بشریٰ اپنی ماں سے یہ بات چھپانے کے لیے کہتی ہے مگر عدیل کو پتا چل جاتا ہے۔ وہ ناراض ہوتا ہے مگر فوزیہ اور نسیم بیگم کو بتانے سے منع کر دیتا ہے۔بشریٰ اور عدیل ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جاتے ہیں۔وہاں انہیں پتا چلتا ہے کہ بشریٰ کے ہاں سات سال بعد پھر خوش خبری ہے۔

عفان اور عاصمہ اپنے تین بچوں اور والد کے ساتھ کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔عفان کے والد فاروق صاحب سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔گریجویٹی اور گاؤں کی زمین فروخت کر کے وہ اپنا گھر خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ڈیڑھ کروڑ میں زمین کا سودا کر کے وہ عفان کے ساتھ خوشی خوشی شہر آ رہے ہیں۔عاصمہ کو فون کے ذریعے کوئی اطلاع ملتی ہے، جسے سن کر وہ بے ہوش ہو جاتی ہے۔

فون پر پتا چلتا ہے کہ شہر آتے ہوئے عفان اور فاروق صاحب ڈکیتی کی واردات میں قتل ہو گئے۔عفان کے قریبی دوست زبیر کی مدد سے عاصمہ عفان کے آفس سے تین لاکھ روپے اور فاروق صاحب کی گریجویٹی سے سات لاکھ روپے

وصول کرپاتی ہے۔ زبیر گھر خریدنے میں بھی عاصمہ کی مدد کر رہا ہے۔

اسلام آباد سے واپسی پر عدیل دونوں مقتولین کو دیکھتا ہے۔ زاہدہ، نسیم بیگم سے بیس لاکھ روپے سے مشروط فوزیہ کی رخصتی کی بات کرتی ہیں۔ وہ سب پریشان ہو جاتے ہیں۔ عدیل بشریٰ سے ذکیہ بیگم سے تین لاکھ روپے لانے کو کہتا ہے۔

حمیدہ خالہ، عاصمہ کو سمجھاتی ہیں کہ عدت میں زبیر کا اکیلے اس کے گھر آنا مناسب نہیں ہے۔ لوگ باتیں بنا رہے ہیں جبکہ عاصمہ کی مجبوری ہے کہ گھر میں کوئی مرد نہیں۔ اس کا بیٹا ابھی چھوٹا ہے اور سارے کام اس کو خود کرنے ہیں۔ وہ جلد از جلد اپنا گھر خریدنا چاہتی ہے۔ عاصمہ کے کہنے پر زبیر کسی مفتی سے فتویٰ لے کر آجاتا ہے کہ وہ انتہائی ضرورت کے پیش نظر گھر سے نکل سکتی ہے بشرطیکہ مغرب سے پہلے واپس گھر آجائے، سو وہ عاصمہ کو مکان دکھانے لے جاتا ہے۔

رقم مہیا نہ ہونے کی صورت میں فوزیہ کو طلاق ہو جاتی ہے۔ نسیم بیگم جذباتی ہو کر بشریٰ اور اس کے گھر والوں کو مورد الزام ٹھہرانے لگتی ہیں۔ اسی بات پر عدیل اور بشریٰ کے درمیان خوب جھگڑا ہوتا ہے۔ عدیل طیش میں بشریٰ کو دھکا دیتا ہے۔ اس کا ابارشن ہو جاتا ہے۔ عدیل شرمندہ ہو کر معافی مانگتا ہے مگر وہ ہنوز ناراض رہتی ہے اور اسپتال سے اپنی ماں کے گھر چلی جاتی ہے۔

اسی اسپتال میں عدیل عاصمہ کو دیکھتا ہے جسے بے ہوشی کی حالت میں لایا گیا ہوتا ہے۔ عاصمہ اپنے حالات سے تنگ آکر خودکشی کی کوشش کرتی ہے تاہم بچ جاتی ہے۔ نو سال بعد عاصمہ کا بھائی ہاشم پریشان ہو کر پاکستان آجاتا ہے۔ عاصمہ کے سارے معاملات دیکھتے ہوئے ہاشم کو پتا چلتا ہے کہ زبیر نے ہر جگہ فراڈ کرکے اس کے سارے راستے بند کردیے ہیں اور اب مفرور ہے۔ بہت کوششوں کے بعد ہاشم، عاصمہ کو ایک مکان دلا پاتا ہے۔ بشریٰ اپنی واپسی الگ گھر سے مشروط کردیتی ہے۔ دوسری صورت میں وہ علیحدگی کے لیے تیار ہے۔ عدیل سخت پریشان ہے۔

دسویں قسط

فوزیہ نے فکر مند نظروں سے تھرمامیٹر کو دیکھا اور دوسری نظر نیم بے ہوش سرخ چہرہ لیے مثال پر ڈالی۔

"کیا ہے؟" نسیم بیگم لٹھ مار سے انداز میں بولیں۔

"دکھاؤ مجھے۔" عدیل بڑھی ہوئی شیو کے ساتھ گم صم سا بیٹھا تھا۔ فوزیہ کو تھرمامیٹر ہاتھ میں لیے دیکھ کر چونکا۔

"ایک سو تین سے ٹمپریچر کم ہی نہیں ہو رہا۔" فوزیہ دکھی لہجے میں بولی۔

"میرے اللہ! رحم کر معصوم بچی پر۔" نسیم دہائی دینے والے انداز میں بولیں۔

"کہا تھا میں نے ابھی اسے ماں سے دور نہ کرو بہت ہلی ہوئی ہے بشریٰ سے۔ اتنی آسانی سے نہیں سنبھلے گی مگر مجھ خبطن کی سنتا کون ہے اس گھر میں۔" نسیم جلے کٹے انداز میں کہہ رہی تھیں۔

عدیل نے عجیب سی نظروں سے ماں کو دیکھا۔

"ابھی بھی آپ کو یہ گلہ ہے؟" اس کا لہجہ استہزائیہ تھا جیسے خود پہ زور سے ہنسا ہو۔

نسیم اور فوزیہ نے بے ساختہ ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ فوزیہ نے نظریں چرالیں۔ نسیم کو غصہ تو بہت آیا اور سخت سست سنانے کو جی بھی چاہا مگر فوزیہ نے ماں کا ارادہ بھانپتے ہوئے آنکھوں کے اشارے سے منع کردیا۔

بھلی گھڑی تھی جو نسیم کو بھی یہ تنبیہہ سمجھ میں آگئی جواب میں وہ آہ سی بھر کر چپکی رہیں۔

"ماما... ماما... ماما! مجھے ماما پاس... ماما!" مثال نیند میں رک رک کر کراہتے ہوئے بول رہی تھی۔

نسیم نے فتح مند نظروں سے عدیل کو دیکھا۔

"دیکھا! میں نہیں کہتی تھی، یہ بھی یہاں ٹکنے والی نہیں۔"

عدیل بے بسی سے مثال کا ماتھا سہلانے لگا۔

"اسے دوبارہ لے کر جاؤں ڈاکٹر کے پاس۔ بخار تو کسی طرح کم ہی نہیں ہو رہا اس کا۔" وہ کسی کو بھی مخاطب کیے بغیر بولا۔

"حالانکہ میں نے تو باقاعدگی سے دوا دی ہے مثال کو کم از کم بخار تو اترنا چاہیے اس کا۔" فوزیہ نرم لہجے میں بولی۔

"ارے کم بخت لٹیرے ہیں یہ آج کل کے ڈاکٹر سارے۔ اب اگر پھر سے لے کر جاؤ تو نئے سرے سے فیس لیں گے۔ انہیں کوئی خوف خدا تھوڑی آئے گا اور جی میں آیا تو چھ چار ٹیسٹ بھی لکھ ڈالیں گے۔ اپنی کوتاہی تھوڑی مانیں گے کہ ان کی لکھی دوا نے خاک اثر نہیں کیا۔" نسیم کوفت بھرے انداز میں بولتی چلی گئیں۔

یوں بھی خس کم جہاں پاک تو ہو چکا تھا مگر رات سے جو اس بالشت بھر کی لڑکی نے مفت کی پریڈ کرا رکھی تھی۔ اس سے جی خوب ہی بے زار تھا۔

ذرا جو اس شان دار فتح کی خوشی منائی جا سکی ہو۔ فی الحال جان چھڑانے کا اور کوئی رستہ بھی نہیں سوجھ رہا تھا۔

"کیا ہوا امی!" فوزیہ تشویش سے بولی۔

عدیل نے بھی چونک کر ماں کو دیکھا، ورنہ وہ بہت دیر سے یک ٹک صرف اپنی لاڈلی کو ہی دیکھے جا رہا تھا، جو رات بھر میں نچڑ کر آدھی بھی نہیں رہ گئی تھی۔ گالوں کی گلابیاں پیلاہٹ میں بدل گئی تھیں۔ آنکھوں کے گرد سیاہی ابھر آئی تھی۔ سوکھے خشک ہونٹ، بکھرے بے رونق بال اور یوں بے ہوش۔

عدیل کا دل کٹا جا رہا تھا۔

"امی! ٹھیک ہیں نا آپ؟" چہرے پر تکلیف کے آثار لیے ہولے ہولے بائیں طرف سے ایک سینہ اور بازو دبا رہی تھیں۔

"امی... کیا بات ہے؟" عدیل کو بھی پوچھنا پڑا۔

"ٹھیک ہوں میں۔" نسیم جیسے کراہ کر دھیمی آواز میں بولیں۔

"آپ رات بھر سو بھی نہیں سکیں... بے آرامی کی وجہ سے آپ کی طبیعت نہ بگڑ جائے۔ آپ جا کر آرام کرلیں!" فوزیہ تشویش سے بولی۔

"نہیں۔ میں ٹھیک ہوں۔ بس اللہ میری مثال کو جلدی سے اچھا کردے پہلے کی طرح ہنستا کھلکھلاتا۔ کیسے تتلی کی طرح میری بچی اس آنگن میں اڑی پھرتی تھی۔ رات بھر میں مرجھایا پھول بن کر رہ گئی۔" نسیم سسکی سی لے کر رندھی آواز میں بولیں۔

"فوزیہ! امی نے دوا لی ہے آج؟" عدیل ماں کو دیکھ کر فکر سے بولا۔

"جی بھائی!" فوزیہ ایک دم سے ہی بہت سعادت مند، فکر کرنے والی، خیال رکھنے والی بہن اور بیٹی بن گئی تھی بشریٰ کے جاتے ہی۔

"امی! آپ جا کر آرام کریں۔" عدیل نرمی سے بولا۔

"ماما!" مثال پھر کراہی۔

"میری بچی... میری گڑیا!" نسیم تڑپ کر بولیں۔

"جا عدیل! اسے ڈاکٹر کے پاس لے جا۔ آنکھیں کھولے یہ۔" وہ زمانے بھر کی محبت، تڑپ لہجے میں سمو کر بولیں۔

"مثال... میری بچی دادی کی جان! آنکھیں کھول کر ایک بار تو دیکھ ہم تینوں رات بھر سے تیرے لیے کتنے

پریشان ہیں۔ تیری اس سنگدل ماں کی طرح نہیں، جو تجھے چھوڑ چھاڑ کر گئی تو پلٹ کر خبر بھی نہیں لی اس نے۔ کرماں کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔" وہ مثال پہ جھکی اسے پیار کرتے ہوئے کہے جا رہی تھیں۔ عدیل نے کچھ ناگواری سے ماں کی طرف دیکھا۔

"امی! آپ کچھ دیر جا کر سو جائیں۔" فوزیہ نے فوراً عدیل کے چہرے کے بگڑتے زاویے دیکھ کر کہا۔

"میں کہاں سو سکوں گی، میری شہزادی اس حال میں پڑی ہے۔" نسیم آنکھیں صاف کرتے ہوئے بولیں۔

عدیل گھڑی دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"فوزیہ! میں گاڑی نکالتا ہوں۔ تم مثال کو لے کر آجاؤ۔ ڈاکٹر پانچ بجے تک کلینک آجائے گا تو ایک بار پھر چیک اپ کروا لیتے ہیں بلکہ شاید وہ اسے ایڈمٹ کر لے۔" کہہ کر تیزی سے باہر نکل گیا۔

فوزیہ اور نسیم کوفت سے اسے جاتا دیکھتی رہ گئیں۔

☆ ☆ ☆

"لیکن میڈم میں نے تو چھٹی کی درخواست بھیجی تھی۔" عاصمہ کے چہرے پر پریشانی اور گھبراہٹ تھی۔

میڈم کے چہرے کے تاثرات اسے بہت کچھ سمجھا رہے تھے۔

"کتنی بار... درخواست تھی یہ آپ کی پورے مہینے میں۔" میڈم نے کرسی ذرا سی گھماتے ہوئے عاصمہ کے چہرے پر نظریں جما کر طنز سے کہا۔

عاصمہ نظریں جھکا کر اپنی سرد پڑتی انگلیوں کو آپس میں جکڑ کر خود کو سنبھالنے کی سعی کرنے لگی۔

"میری مجبوری تھی میڈم کہ..." اب کوئی تو بات کرنی تھی اسے بات کو آگے بڑھانے کے لیے۔

"اور میری مجبوری یہ ہے مس عاصمہ! کہ مجھے اس اسکول کو چلانا ہے۔ آپ صرف مجھے جواب دہ ہیں اور میں اس اسکول میں موجود ڈھائی سو بچوں کے والدین کے سامنے جواب دہ ہوں جن کو ہفتے میں تین دن اپنے بچوں سے سننے کو ملتا ہے کہ ان کی ٹیچر آج ایب سینٹ تھیں۔" وہ سارا لحاظ، مروت، اخلاق بالائے طاق رکھ کر زور سے بولیں۔

"میڈم! میری بیٹی بیمار تھی تو مجھے بہت مجبوری میں..." عاصمہ کی آواز کوشش کے باوجود رندھ گئی۔

"تو ایک کام کرتے ہیں مس عاصمہ! جس سے آپ کی اور میری مجبوری آرام سے ختم ہو سکتی ہے۔" وہ آگے ہو کر سرد لہجے میں بولیں۔

عاصمہ کو میڈم کی سرد سی مسکراہٹ جواب میں مسکرانے پر مجبور نہیں کر سکی۔

"میڈم! میں کوشش کروں گی آئندہ چھٹی نہ ہو۔" عاصمہ نے جلدی سے کہا۔ مبادا کوئی خوفناک بات نہ اسے سننی پڑ جائے۔

"میں جانتی ہوں آپ یہ سب کچھ اپنے شوق سے نہیں کرتیں لیکن میں بھی مجبور ہوں۔ میں اسکول شوقیہ کھول کر نہیں بیٹھی ہوں۔ میں اگر بچوں کے والدین سے فیس لیتی ہوں تو مجھے انہیں مطمئن بھی کرنا ہوتا ہے۔ گزشتہ چھ ماہ میں آپ نے ہر ہفتہ ایک سے دو چھٹیاں کیں۔ چلیں، میں وہ بھی برداشت کر گئی لیکن ہر ہفتے تین چھٹیاں۔"

"میڈم! میں..."

"سوری مس عاصمہ... آپ جا کر کیشیئر سے اپنا حساب کر لیں۔ فی الحال ہمیں آپ کی ضرورت نہیں ہے۔" وہ بے لچک لہجے میں بولیں۔

عاصمہ تو جیسے لمحہ بھر میں پتھر کی ہو گئی۔

"میڈم... اس بار... صرف اس بار آپ معاف کر دیں... پرامس۔" وہ سخت پریشانی میں بے ربط ہو گئی۔ اس کی آنکھوں میں نمی ہلکورے لے رہی تھی۔

ہم نے کل ہی آپ کی جگہ کسی اور ٹیچر کو اپائنٹ کر لیا ہے۔" میڈم نے اس کے سامنے ایک اور دھماکا کر دیا۔

وہ ساکت سی دیکھتی رہ گئی۔

"اور آپ جانتی ہیں۔ میں کوئی صاحب ثروت تو ہوں نہیں کہ ایک آپ کی چھٹیوں کے لیے ایکسٹرا ٹیچر رکھ لوں۔ میرے بھی دس ہزار اخراجات ہیں، پھر اس اسکول کی مینٹیننس بہت سی میری بھی مجبوریاں ہیں جنہیں یہاں دہرانا بیکار ہے۔ نہ میرے پاس اتنا وقت ہے نہ آپ کو اس میں دلچسپی ہو گی... سو آئی ایم سوری۔" وہ کندھے اچکا کر دوٹوک لہجے میں بولیں۔

میڈم! آپ جانتی ہیں میرے بچوں کا آسرا یہی جاب ہے۔"

"اگر آپ اس بات کو سمجھتیں تو اس قدر غیر ذمہ داری کا ثبوت نہیں دیتیں۔ میں نے بھی یہی کچھ سوچ کر آپ کو جاب دی تھی۔" وہ جتا کر طنز سے بولیں۔

میڈم! میری بچی کو ڈبل نمونیہ ہو گیا تھا جس کی وجہ سے..."

"آپ پلیز اب جا سکتی ہیں۔ مجھے کچھ اہم کام نپٹانے ہیں۔ آپ کیشیئر سے اپنا حساب لے کر جائیں۔" وہ اپنے آگے بڑی فائل کھولتے ہوئے روکھے لہجے میں بولیں۔

"میڈم پلیز! ایسا نہیں کریں۔ میں کیا کروں گی۔" وہ آخر میں گڑگڑا ہی بیٹھی۔

کل ہی تو اوپر سے کرائے دار بھی چلے گئے تھے۔ اس ماہ کرایہ ملنے کی بھی امید نہیں تھی۔ اگر نوکری بھی چلی جاتی۔ جو کہ جا ہی چکی تھی تو وہ پورا مہینہ کیا کرے گی، وہ بے اختیار رونے لگی بے بسی سی بے بسی تھی۔

اسے خود پر ترس آنے لگا۔ ایسا تو اس نے کچھ نہیں سوچا تھا۔ چند ہزار کی معمولی اسکول ٹیچر کی نوکری کے لیے اسے یوں منتیں کرنا ہوں گی۔

"میں آپ کا نام نیکسٹ، کمنگ ٹیچرز میں رکھ رہی ہوں جیسے ہی ہمیں آپ کی ضرورت ہو گی۔ ان شاء اللہ میں سب سے پہلے آپ کو کال کروں گی۔ آپ بلاشبہ ایک محنتی ٹیچر ہیں اور بچے بھی آپ سے جلد مانوس ہو جاتے ہیں۔ میں ضرور آپ کو کال کروں گی۔ اب آپ جا سکتی ہیں۔"

انہوں نے بہت طریقے سے بات ختم کر دی۔ وہ دیکھتی رہ گئی۔

"وش یو بیسٹ آف لک۔" میڈم نے الوداعی مصافحے کے لیے اس کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ عاصمہ نے اپنا ٹھنڈا یخ ہاتھ ان کے ہاتھ میں ذرا سا دیا۔

"اللہ حافظ!" وہ کہہ کر فون پر کوئی نمبر ملا کر بات کرنے میں مصروف ہو گئیں۔

عاصمہ چند لمحے بے بس سی بیٹھی اپنے ہونٹ چباتی رہی، پھر آہستگی سے اٹھ کر باہر نکل گئی۔

دروازے کے پاس پہنچ کر اس نے آس بھری نظروں سے مڑ کر دیکھا اور میڈم کا منہ دوسری طرف دیکھ کر اپنا چہرہ صاف کرتی باہر نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

"امی! میں نے قسم کھائی ہے جب تک میری مثال مجھے نہیں مل جاتی۔ میں ایک لقمہ نہیں کھاؤں گی۔ اس دنیا کی ہر نعمت مجھ پر حرام ہے۔"

بشریٰ نے کھانے کی ٹرے اتنی زور سے پرے کی کہ سالن ٹرے میں گر گیا اور ذکیہ تو کچھ بول ہی نہ سکیں۔

"تین دن ہو گئے ہیں میری بچی! تجھے آج کچھ کھانا پڑے گا۔ ہر دو گھنٹے بعد تو بے ہوش ہو جاتی ہے ڈاکٹر ابھی کہہ کر گیا ہے۔ اگر تو نے کچھ کھایا نہیں تو....."

"مروں گی پھر بھی نہیں امی! میں بہت سخت جان ہوں۔ بہت ڈھیٹ مجھے موت نہیں آنے والی۔ مجھ جیسی ماؤں کو موت آیا بھی نہیں کرتی۔ میری غلطی جو میں اس رات اپنی بچی ان وحشیوں کے پاس چھوڑ کر چلی آئی.... مشل میری بچی میری گڑیا.... ہائے تین دن سے تین راتوں سے میں نے اسے نہیں دیکھا اسے نہیں چھوا' اس کو نہیں چوما.... مثال میری گڑیا مثال.... مثال' مثال۔" وہ پاگلوں کی طرح منہ اونچا کیے آنکھیں بند کیے گلا پھاڑے چیخنے لگی۔

ذکیہ اسے سنبھالتے خود بھی بکھرنے لگیں۔

"مثال.... مثال کہاں ہے مجھے کیوں نظر نہیں آتی۔ میری گڑیا.... میری بچی۔" وہ ارد گرد سے بیگانہ ہر احساس سے ماورا صرف مثال کے لیے چیخ رہی تھی' رو رہی تھی۔

ذکیہ اسے سنبھالنے میں نڈھال ہو چکی تھیں۔ جب عمران کمرے میں بھاگتا ہوا آیا۔

"آپی.... آپی خدا کے لیے ہوش کریں۔ کچھ نہیں ہوا مثال کو.... میں لے کر آؤں گا اسے۔ آپ ہوش کریں۔ خود کو سنبھالیں۔" وہ اسے بازوؤں سے پکڑ کر روکنے لگا۔

وہ بغیر دوپٹے جوتوں کے پھر سے گھر سے باہر بھاگ رہی تھی چیختے ہوئے۔ بالکل کوئی پاگل دیوانی لگ رہی تھی۔

"مجھے صرف میری بچی لادو۔ مجھ سے سب کچھ لے لو۔ میری مثال میری گڑیا مجھے لادو۔ میں مر جاؤں گی اس کے بغیر۔ میں خود کو ختم کر لوں گی۔" وہ ایک دم سے لاؤنج کے ستون سے پاگلوں کی طرح سر ٹکرانے لگی تھی۔

عمران مرد ہو کر اس کی وحشت کو قابو نہیں کر پا رہا تھا۔ خون بھل بھل اس کے ماتھے اور سر سے بہنے لگا۔ ذکیہ کی چیخیں نکل گئیں۔

عمران جب تک بشریٰ کو سنبھالتا' وہ چیختی ہوئی بے ہوش ہو چکی تھی اور اب فرش پر بے دم پڑی تھی۔ بادامی چکنی ٹائلوں پر اس کا سرخ خون پتلی سی لکیر بناتا ہوا جا رہا تھا۔ ذکیہ خاتون کا جیسے دل ہی بیٹھنے لگا۔

"میری بچی' میری بشریٰ مر جائے گی عمران! اسے لے چل کہیں۔

بلا ڈاکٹر' جلدی کر مر جائے گی۔ اسے کچھ ہو جائے گا۔" ذکیہ نے خود ہاتھ پاؤں چھوڑ دیے تھے۔

عمران نے بیک وقت بشریٰ کو بازوؤں میں بھرا اور باہر جانے لگا۔

"امی! میں آپی کو گاڑی میں ڈال رہا ہوں۔ آپ پلیز جلدی سے لاک لگا کر آجائیں باہر۔" وہ جاتے ہوئے پکارا۔

بشریٰ کی ایسی حالت تو ان تین دنوں میں کبھی نہیں ہوئی تھی۔ وہ پہلے دو دن تو جیسے سکتے میں رہی تھی۔ ذکیہ اسے رلانے اور بہلانے کی کوشش کرتی رہیں۔ تیسرے دن اسے بار بار طلاق کا یاد دلا کر رلانے کے جتن کرتی رہیں۔ مگر بشریٰ رات کے آخری پہر کہیں واش روم گئی اور وہاں اس نے مثال کا خوب صورت سا ہیر بینڈ اور پونی دیکھی جو اس نے اس عید پر بہت ضد کر کے لیے تھے۔ بشریٰ اس کی ساری شاپنگ پہلے ہی کر چکی تھی اس لیے یہ دونوں چیزیں لے کر دینے کے حق میں نہیں تھی مگر عدیل نے یہ دونوں چیزیں بہت آرام سے خرید لیں اور آخری بار وہ یہ دونوں چیزیں نانی کے گھر بھول گئی کہ اسے ان سے اتنا لگاؤ نہیں رہا تھا۔

اس گلابی رنگ کے ہیر بینڈ اور پونی کو ہاتھ میں لیے بشریٰ ساکت سی انہیں دیکھتے ہوئے بہت کچھ یاد کرتی رہی۔ مثال یہ پہن کر کیسی لگتی تھی۔ جیتی جاگتی ہنستی کھیلتی کودتی پیاری سی باربی ڈول۔

اسے بے اختیار وہ ظالم شام یاد آئی جب طلاق کے بعد مثال اس کے ساتھ جانے کے لیے تڑپ تڑپ کر لپٹ کر چیختی ہوئی روئے جا رہی تھی۔

"مجھے مما کے پاس جانا ہے۔ مجھے مما کے ساتھ جانا.... مما.... مما۔" بشریٰ کی سماعتیں اس کی معصوم فریادوں سے ہلنے لگیں۔ سب کچھ جیسے اس کی نظروں کے سامنے کسی فلم کی طرح چلنے لگا۔ عدیل کا وحشی روپ اور طلاق کے الفاظ.... نسیم اور فوزیہ کی فاتحانہ نظریں اور چہروں میں بکھری رنگ برنگی مٹھائی۔

اسے کسی بھی چیز نے اتنی اذیت' اتنا دکھ نہیں دیا.... رات کے اس پہر جتنی تکلیف اسے مثال کی حالت یاد کر کے ہوئی۔

"مثال.... مثال کہاں ہے؟؟" اس نے مٹھی میں دونوں چیزیں جکڑ کر یاد کرنے کی کوشش کی۔

"وہ تو.... وہیں رہ گئی تھی۔" اس ظالم انسان نے اسے باہر دھکا دے کر مثال کو اپنے پاس اندر کھینچ لیا تھا اور وہ روئے جا رہی تھی۔ اسے پکار رہی تھی اور اب اتنے دنوں سے وہ کیسی ہوگی.... وہ بھی ٹھیک نہیں ہوگی۔

"مثال.... مثال!" اور خود سے باتیں کرتے ہوئے پتا نہیں وہ کب چیخنے لگی۔

ذکیہ جن کی اسی وقت آنکھ لگی تھی۔ بشریٰ کی وحشت بھری چیخ سن کر دیوانہ وار باتھ روم میں آئیں۔ جہاں بشریٰ چیختے چیختے بے ہوش ہو چکی تھی۔ اور اب وہ زخمی حالت میں پیلی رنگت۔ کمزور چہرے اور لاغر جسم کے ساتھ ذکیہ کی گود میں پڑی تھی۔

اس کے سر پر دوپٹا کس کر باندھ دیا تھا مگر خون پھر بھی بہے جا رہا تھا۔ ذکیہ کے کپڑے بھی خون رنگ ہو چکے تھے۔ وہ خود بھی بری طرح روئے جا رہی تھیں اور ان کے آنسو بے ہوش بشریٰ کے چہرے پر گر رہے تھے۔

"جلدی کر عمران! خون بہے جا رہا ہے۔ اسے کچھ ہو نہ جائے۔" وہ پھٹی ہوئی آواز میں بولیں۔

عمران متفکر سا بے ہوش بشریٰ کو بیک ویو مرر میں دیکھ کر اور بھی تیزی سے گاڑی چلانے لگا۔

☆ ☆ ☆

"یہ ضروری ہے عدیل صاحب!" ڈاکٹر نے سنجیدگی سے کہا۔

"مگر ڈاکٹر صاحب! یہ ممکن نہیں ہے میرے لیے۔" وہ بہت دیر بعد آہستگی سے بولا۔

مثال چند ہی دنوں میں بہت بیمار اور قابل رحم نظر آنے والی بچی میں ڈھل گئی تھی۔ اس کی گلابی رنگت میں پیلاہٹ اتر چکی تھی اور خشک ہونٹ یوں ایک دوسرے میں پیوست تھے جیسے اس نے کبھی کسی سے بات نہیں کی۔ اس کی آٹھ سالہ معصوم شکل پر کیسی بوڑھوں جیسی سنجیدگی اور دکھ نظر آنے لگا تھا۔

"کیوں؟؟" ڈاکٹر کے اس استفسار پہ عدیل کو غصہ تو بہت آیا کہ یہ حق کسی ڈاکٹر کو نہیں ہے کہ وہ یوں آپ کی پرسنل لائف کے بارے میں سوال کرے۔

"میں مجبور ہوں عدیل صاحب! سوال آپ کی بچی کی زندگی کا ہے۔ خدانخواستہ اس کی یہ خواہش پوری نہ ہوئی تو یہ بخار اس کے دماغ کو متاثر کر سکتا ہے' جس کے بعد کچھ بھی ہو سکتا ہے۔ آپ پڑھے لکھے سمجھ دار ہیں' اس بات کو سمجھ سکتے ہیں۔"

ڈاکٹر نے عدیل کی ناگوار نظروں پر فوری وضاحت دے ڈالی۔

عدیل گم صم سا ہو گیا۔

مثال کا بخار صرف ایک دو درجہ کم ہو رہا تھا بہت ٹریٹمنٹ کے بعد مگر چھ آٹھ گھنٹوں کے بعد وہ پھر اسی درجے پر آجاتا۔

مستقل سلگتا اس کا ننھا بدن جس تکلیف اور درد سے بے حال تھا' عدیل جیسے پیار کرنے والے باپ کے لیے یہ

بہت بڑی اذیت کی۔

"میں اپنی مسز کو ڈائی ورس دے چکا ہوں۔" وہ بہت دبی ہوئی آواز میں بمشکل بول سکا۔

"تو بھی۔" ڈاکٹر بالکل نارمل رہا جیسے اسے معلوم تھا کہ عدیل اسے یہی وجہ بتائے گا۔

"تو بھی عدیل صاحب! اس بچی کا کچھ دنوں بلکہ کچھ مہینوں تک اپنی ماں کے پاس رہنا ضروری ہے۔" عدیل کچھ بول ہی نہیں سکا۔

"جب تک یہ ذہنی بلوغت کی عمر میں نہیں آجاتی یہ بچی ذہنی طور پر آپ دونوں کی اس علیحدگی کو تسلیم نہ کرے۔"

"میں اپنی بچی کو خود سے ایک پل کے لیے بھی الگ نہیں کر سکتا ڈاکٹر صاحب!" وہ پست مگر حتمی لہجے میں بولا۔

"یہ بات تو آپ کو یہ انتہائی فیصلہ کرنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھی۔" ڈاکٹر جتا کر بولا۔ "آپ اس بچی کی حالت دیکھ رہے ہیں۔ وہ آپ سے زیادہ حساس اور آپ سے زیادہ کمزور ہے۔ وہ کتنی تکلیف سہہ رہی ہے آپ اندازہ نہیں کر سکتے۔ آپ اگر اس بچی کے بغیر نہیں رہ سکتے تو یہ اپنی ماں کے بغیر نہیں رہ سکتی اور بلکہ میرا تو خیال ہے اسے آپ کی جدائی بھی بہت اذیت دے گی۔ اصل میں طلاق کے بعد آپ دونوں کی زندگی میں تو شاید اتنا فرق نہ آسکے مگر اس کے ننھے دل و دماغ کے لیے آپ نے ایک مستقل جہنم کا دروازہ کھول دیا ہے۔ اتنے لاڈ پیار کے بعد آپ نے ایک ہی جھٹکے میں اس کے ننھے جسم کی عمارت کو زلزلے کے جھٹکوں کی زد میں رکھ دیا ہے۔"

ڈاکٹر ضرورت سے زیادہ بول رہا تھا یا عدیل کو ہی اس کی اتنی زیادہ تنقید برداشت نہیں ہو رہی تھی۔

"اب اسے کب تک آپ کے پاس لے کر آنا ہوگا۔" وہ بمشکل منہ دبا کر بات ختم کرنے کو بولا۔

"میرے پاس اسے لانے کا کچھ خاص فائدہ نہیں ہوگا آپ کو۔" ڈاکٹر آگے بڑی فائل عدیل کی طرف کھسکا کر لاتعلق سے انداز میں بولا۔

"کیا مطلب؟" عدیل ناگواری سے بولا۔

یہ اس شہر کا سب سے بہترین اور مہنگا ترین چائلڈ اسپیشلسٹ تھا جب ہی عدیل اس کی اتنی تلخ باتیں سہہ گیا تھا۔ اس ڈاکٹر کے ہاتھ میں بہت شفا تھی اور عدیل کو وہی ہنستی کھیلتی مثال چاہیے تھی۔

اسے امید تھی یہ ڈاکٹر اس کی بچی کو بالکل ٹھیک کردے گا وہ بالکل پہلے جیسی ہو جائے گی۔ اگرچہ یہ بھی اس کی خوش فہمی تھی کہ اب کچھ بھی پہلے جیسا نہیں ہو سکتا تھا۔

"اس بچی کی بیماری کا علاج صرف اس کی ماں کے پاس ہے۔ آپ اسے کچھ دنوں کے لیے ان کے پاس چھوڑ دیں۔ اسے تھوڑا نارمل ہونے دیں پھر دونوں فیملیز مل کر بیٹھیں اور کوئی فیصلہ کرلیں مگر اسی طرح اگر آپ اپنی محبت کا فلسفہ جھاڑ کر زبردستی رکھیں گے تو یہ کبھی ٹھیک نہیں ہوگی۔ اینڈ تھینک یو ویری مچ۔" کہہ کر اس نے پروفیشنل انداز میں انٹرکام پر اگلے مریض کو آنے کے لیے کہا۔

عدیل کچھ دیر یونہی بیٹھا رہا۔

مثال تو کسی بت کی طرح ساکت اور بے حس بیٹھی تھی جیسے اس نے ان دونوں کی گفتگو کا ایک لفظ نہیں سنا تھا۔

"شکریہ ڈاکٹر صاحب!" عدیل نے بدقت کہا اور مثال کا بازو پکڑ کر شکست خوردہ سا باہر نکل گیا۔

ڈاکٹر اسے جاتے ہوئے تاسف بھری نظروں سے دیکھتا رہا۔

☼ ☼ ☼
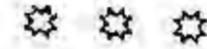
"اب کیسی طبیعت ہے وردہ کی؟" وہ تھکے ہوئے انداز میں چادر اتار کر ایک طرف بیٹھے واثق سے بولی جو اسکول کا ہوم ورک کر رہا تھا۔

"سو رہی ہے؟" اس نے دو انگلیوں سے سر دبایا۔

"تم نے آتے ہی ہوم ورک شروع کر دیا۔ کھایا نہیں کچھ؟" وہ نڈھال سی اس کے پاس بیٹھ گئی۔

واثق ماں کے لہجے پہ ہاتھ روک کر جیسے غور کرنے لگا۔

"حمیدہ خالہ کب گئی تھیں؟" وہ خود ہی سوال پر سوال کیے جا رہی تھی اس دلچسپی کے بغیر کہ واثق نے اسے کسی سوال کا جواب نہیں دیا۔

"آپ جلدی کیوں آگئیں اسکول سے؟" واثق ماں کے سارے غیر ضروری سوال نظر انداز کرتے ہوئے بولا۔

عاصمہ جیسے مشکل میں پڑ گئی کہ وہ واثق کو کیا بتائے۔

"حساس بچہ ہے ساری مشکلیں ہی ابھی سے اس پہ ڈالے جا رہی ہوں۔ کہیں اس کا ذہن کہیں اور نہ لگ جائے۔" وہ واثق کو دیکھتے ہوئے سوچنے لگی۔

"یونہی بس کچھ زیادہ کام نہیں تھا اسکول میں۔" وہ نظریں چرا کر ٹالنے والے انداز میں بولی۔

واثق یک ٹک ماں کو دیکھتا رہا۔

"کب سے اسٹارٹ ہو رہے ہیں تمہارے ایگزام؟" وہ اس کی کتاب اٹھا کر دیکھنے لگی۔

"اگلے ہفتے سے۔" وہ مختصراً بولا۔

دونوں خاموش ہوگئے۔

"ادیبہ اور اریشہ کہاں ہیں؟ نظر نہیں آرہیں مجھے۔"

"سو گئی ہیں۔"

"کچھ کھائے بغیر؟" عاصمہ چونکی۔ اسے فکر سی لگ گئی۔ وہ بہت دیر یونہی اسکول کے گراؤنڈ میں بیٹھی سفید دودھیا دھوپ کو دیکھ کر سوچتی رہی کہ اب وہ کیا کرے گی۔

"نہیں! سالن گرم کر کے میں نے بازار سے انہیں روٹیاں لادی تھیں۔ آپ کو بھوک لگی ہوگی۔ لے آؤں کھانا آپ کے لیے بھی۔" وہ کھڑا ہوگیا۔

"نہیں... واثق مجھے بھوک نہیں ہے۔ تمہیں پکا دوں روٹی۔ تم بازار کی نہیں کھاتے ہونا۔" وہ کھڑی ہوگئی۔

"مما! اسکول میں آج کیا ہوا ہے؟" واثق گہری سنجیدگی سے بولا تو عاصمہ جیسے ہار گئی کہ وہ مزید اپنے جھوٹ کو نہیں سنبھال سکے گی۔

"جاب سے فارغ کر دیا ہے میڈم نے مجھے۔" وہ پھر سے تھکی ہوئی بیٹھ گئی۔

واثق گم صم سا ہوگیا۔ اس کو ماں کا چہرہ دیکھ کر کچھ انہونی کا اندازہ تو ہوگیا تھا مگر جاب سے فراغت کا اس نے نہیں سوچا تھا۔

"کیا کریں گی اب آپ؟" وہ بہت دیر بعد بولا۔

"پتا نہیں۔" عاصمہ کو واقعی پتا نہیں تھا کہ اب اسے کیا کرنا ہے۔ کرایہ بھی اس ماہ نہیں ملنا تھا اور اسکول سے تنخواہ بھی نہیں۔ صرف تھوڑی سی ٹیوشنز تھیں جنہیں شام میں وہ اور واثق مل کر پڑھاتے تھے یا وہ تھوڑی بہت سلائی کر لیتی تھی۔ اور آج کل تو وردہ کی بیماری کی وجہ سے کچھ بھی نہیں کر پا رہی تھی۔

"میرے دوست کے ماموں کا اسکول ہے۔ انہیں بھی ٹیچرز کی ضرورت ہے۔ وہ مجھے بتا رہا تھا مما! آپ پریشان نہ ہوں۔ میں علی سے بات کروں گا۔ آج ہی بلکہ اسے فون کر کے پوچھتا ہوں پھر ہم وہاں جا کر دیکھ لیں گے۔"

اسے کبھی کبھی لگتا تھا واثق کے اندر کہیں نہ کہیں فاروق صاحب چھپے بیٹھے ہیں۔ ہمیشہ ہی ایسے ہوتا آیا تھا۔

جب سے وہ بیاہ کر آئی تھی۔ عفان کی نوکری کا مسئلہ ہوتا یا گھر کا کوئی اور بظاہر نہ حل ہونے والا کوئی بھی گمبھیر مسئلہ، جسے سن کر فاروق صاحب بہت دیر تک یونہی خاموش ہو جاتے اور جب بولتے تو اس طرح کہ اس مسئلے کا کوئی نہ کوئی حل موجود ہوتا۔ عاصمہ حیرانی سے واثق کو دیکھنے لگی۔

"ہاں ناں مما! آپ بھی تو کہتی ہیں ایک در بند تو سو کھلے۔ یہ زندگی ہے اور مشکلات' مسائل اس کا حصہ۔" وہ بہت ہلکے پھلکے انداز میں بالکل دادا کی طرح بولا۔

عاصمہ بے اختیار ہنس پڑی۔ واثق حیران سا ماں کو دیکھنے لگا۔ کہاں تو کچھ دیر قبل جیسے رو دینے کو تھیں اور اب ایک دم سے ہنس پڑیں۔

"آپ کیوں ہنسیں۔۔۔ آپ کو میری بات کا یقین نہیں تو میں ابھی علی کو فون کرتا ہوں' آپ خود اس سے بات کر لیں۔" وہ معصوم سی خفگی سے بولا کہ ماں نے اس کی ذہانت پر شک کیا ہے۔

عاصمہ نے بے اختیار واثق کو اپنے ساتھ لگا لیا۔

"میری جان! مجھے خود پر تو شک ہو سکتا ہے مگر اپنے اس پیارے' عقل مند اور ہمت والے بیٹے پہ ہرگز شک نہیں ہو سکتا۔" وہ بہت حوصلہ مند آواز میں واثق کو گلے لگا کر بولی تھی۔

وہ جو کچھ گھنٹے پہلے تک اتنی مایوسی اور دل گرفتہ تھی' صرف واثق کے ایک جملے نے اسے اپنے پورے قد پر کھڑا کر دیا۔

"یہ زندگی ہے اور مشکلات' مسائل اس کا حصہ۔" اس نے واثق کو کم سکھایا تھا' واثق اسے زیادہ سکھاتا ہے۔ عاصمہ کو یہی لگا۔

"ان شاءاللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ہم مل کر ساری مشکلوں پر قابو پالیں گے۔ مجھے پورا یقین ہے۔" وہ واثق کا حوصلہ بڑھانے کو بڑے عزم سے بولی۔

"ان شاءاللہ امی!" وہ معصوم مسکراہٹ کے ساتھ کھل سا گیا۔

"اب ہم دونوں کھانا کھاتے ہیں' پھر جا کر الیاس انکل کو بلا کر لاؤ۔ حمیدہ خالہ کو ساتھ میں پیغام دے آنا کہ وہ بھی آ جائیں تو ہم الیاس انکل کو کسی اچھے کرائے دار کے لیے کہہ دیں کیونکہ اس کے بغیر گزارہ مشکل ہے۔" عاصمہ آگے کا لائحہ عمل اسے بتاتے ہوئے بولی۔

کچھ دیر پہلے اسے اپنے آگے صرف گھٹا ٹوپ اندھیرا اور مایوسی اور مصائب کا پہاڑ نظر آ رہا تھا۔ مگر اب جیسے کچھ بھی نہیں تھا۔ سب کچھ بھلانا مشکل ضرور تھا مگر ناممکن نہیں۔ وہ مطمئن سی روٹیاں ڈالنے کچن کی طرف بڑھ گئی۔

☼ ☼ ☼

"نہیں مجھے کچھ نہیں کھانا۔ میں اسی طرح مر جاؤں گی مگر اپنی مثال کو دیکھے بغیر میں کچھ نہیں کھاؤں گی۔" بشریٰ نے سوپ کا پیالہ سامنے دیوار پر دے مارا تھا۔

ملازمہ نے پیچھے ہٹ کر خود کو گرم سوپ سے بچایا۔

اور ذکیہ کو لگا وہ واقعی بشریٰ کے پاگل پن کے ہاتھوں یا تو پاگل ہو جائیں گی یا دنیا سے گزر جائیں گی۔

"میری بچی نے اتنے دنوں سے معلوم نہیں کچھ کھایا یا نہیں۔ اس کی کیا حالت ہوگی میرے بغیر۔ وہ کیسے رہے گی۔ وہ اتنا رو رہی تھی۔ اس کے آنسو اس کی چیخیں میں کچھ نہیں بھول سکتی۔" وہ تکیے پر سر پٹخنے لگی۔

ڈاکٹر نے ایک دن رکھ کر اسے ڈسچارج کر دیا تھا۔ زخم زیادہ گہرے نہیں تھے۔ مگر جو گھاؤ اس کے دل اور روح میں لگے تھے ان کا مرہم ذکیہ اور عمران کو کہیں سے نہیں مل رہا تھا۔

"لے آؤں گی اسے بھی ہم کچھ کھا تو لو۔ تمہاری طرف سے کچھ بے فکر ہوں تو ان بدبختوں سے جا کر دو دو ہاتھ لوں۔ میری بچی تم تو خود کو سنبھالو۔" ذکیہ نے پاس آ کر اسے ساتھ لگا کر سمجھانے کی کوشش کی۔

وہ کچھ سننے کے لیے تیار نہیں تھی۔ "نہیں نہیں میں مثال کو دیکھوں گی تو مجھے قرار آئے گا ورنہ آپ مجھے مرنے دیں امی!" وہ اتنی ضدی کبھی بھی نہیں تھی۔ آج چار دن سے اس نے کچھ نہیں کھایا تھا۔

ذکیہ کا دل سخت پریشان تھا۔ ڈاکٹر نے بھی ڈرایا تھا کہ اس کا کچھ کھانا ضروری ہے مگر بشریٰ۔۔۔ ذکیہ صدمے میں بیٹھی تھیں ملازمہ فرش صاف کرتے ہوئے دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

"نہیں کھایا آپی نے کچھ؟" عمران دروازے کے پاس ہی رک کر کمرے کی حالت سے اندازہ لگاتے ہوئے بولا۔

ذکیہ نے لاچاری سے نفی میں سر ہلا دیا۔

بشریٰ دیوانوں کی طرح چھت سے نگاہیں ٹکائے خشک ہونٹوں کے ساتھ "مثال' مثال" پکارے جا رہی تھی۔

"یہ پاگل ہو جائے گی عمران! اسے کچھ ہو جائے گا۔ خدا کے لیے کچھ کرو۔" ذکیہ رونے لگیں۔ عمران مٹھیاں بھینچ کھڑا رہا۔ اس کے چہرے پہ سخت غصہ تھا۔

"میں آتا ہوں ابھی۔" وہ تیزی سے جانے لگا۔

"عمران! کہاں جا رہے ہو۔۔۔ مجھے کچھ بتا کر جاؤ۔" ذکیہ کو کسی خطرے کا احساس ہوا تو اس کے پیچھے جاتے ہوئے بولیں۔

"آ رہا ہوں۔ پریشان نہ ہوں آپ آپی سے کہہ دیں۔ میں مثال کو لے کر آ رہا ہوں۔" وہ کہہ کر ذکیہ کے پہنچنے سے پہلے گاڑی نکال لے گیا۔

"عمران! عمران! کوئی جھگڑا نہ کرنا میرے بچے! جلد بازی نہ کر۔ میں خود دیکھ لوں گی۔" وہ بے کار میں بولتی رہیں۔ عمران جا چکا تھا۔

"ابھی دفتر سے تھکا ہارا آیا ہے۔ خدا جانے غصے اور جوش میں کیا کر ڈالے۔ وہ وحشی عدیل بھی کچھ کم نہیں۔ اس کی ذلیل ماں نسیم کیڑے پڑیں قبر میں جو ظلم تو نے میری بچی کے ساتھ کیا ہے تیری اولاد اور تو کبھی سکھ نہ پائے۔"

ان چار دنوں میں وہ ان تینوں کو اتنی بددعائیں دے چکی تھیں کہ اب انہیں لگتا ان کی بددعائیں بھی کھوکھلی سی ہو گئی ہیں۔

☼ ☼ ☼

عدیل نے گاڑی گیٹ کے آگے روکی۔

وہ خود اتر کر گیٹ کھولنے لگا مثال گاڑی میں ہی بیٹھی تھی اسی طرح ارد گرد سے بے خبر' لاتعلق' بخار میں سلگتی' زرد چہرہ لیے۔ عدیل کو بیٹی پر بے تحاشا ترس آیا۔

"کاش! میں نے اتنی جلد بازی نہ کی ہوتی۔" اب تو اس کا دل کھل کر اسے ملامت کرنے لگا تھا۔ شاید یہ بکھیڑے اتنی جلدی شروع نہ ہوتے اگر مثال یوں مستقل بیمار نہ پڑتی۔ "میں نے صرف امی اور فوزیہ کے جذبات کا خیال کیا۔ ایک بار بھی مثال کے بارے میں نہیں سوچا۔ ضد تھی انا تھی اور غصہ تھا کہ بشریٰ کی سب خواہشیں میں پوری کرتا ہوں تو اسے بھی میری ہر جا و بے جا خواہش آنکھیں بند کر کے پوری کرنی ہوگی۔ ضد' انا اور جلد بازی۔۔۔ گھر تو اجڑا ہی دل بھی برباد ہوا اگر یہ بچی اسی طرح اذیت جھیلے گی۔ میں نے ایک بار بھی سوچا۔ کاش میں صرف ایک بار سوچ لیتا۔ مجھے تو اندازہ بھی نہیں تھا کہ مثال بشریٰ کے بغیر رہ ہی نہیں سکتی۔

میری محبت کا فیصلہ اب تو جیسے میری بچی کا دم گھونٹ رہا ہے۔ میں اسے اپنی مرضی سے سانس بھی نہیں لینے دے رہا۔
یہ کیسی محبت ہے۔" وہ ساکت سا گاڑی سے ٹیک لگائے سوچتا چلا جا رہا تھا۔ اسے پتا بھی نہیں چلا۔ کب عمران کی گاڑی اس کی گاڑی کے برابر میں آکر رکی۔ عمران بجلی کی سی تیزی کے ساتھ اچھل کر گاڑی سے اور دوسرے لمحے اس نے عدیل کی گاڑی سے فرنٹ سیٹ پہ بیٹھی مثال کو کھینچا اور اپنی گاڑی میں بٹھانے لگا۔ عدیل جیسے کسی سحر سے جاگا۔ وہ تیزی سے عمران کی طرف لپکا۔ دوسرے لمحے دونوں گتھم گتھا ہو چکے تھے۔ مغلظات بکتے وہ دونوں ایک دوسرے کا شجرہ کھنگال رہے تھے۔
مثال سہمی ہوئی عمران کی گاڑی کے پاس کھڑی تھی پھر وہ یک دم چیخنے لگی۔ دونوں ایک دوسرے کا گریبان پکڑ چکے تھے۔ مثال کی چیخوں پر دونوں جیسے ہوش میں آگئے۔
"تم میری بچی کو ہاتھ تو لگا کر دکھوٴ میں تمہارے ہاتھ توڑ دوں گا۔" وہ عمران کو پرے دھکیل کر خونخوار لہجے میں بولا۔
"یہ صرف تمہاری بیٹی نہیں بے غیرت انسان! تم میں اتنی غیرت ہوتی تو تو طلاق دینے سے پہلے سوچتے۔" وہ بھی جواباً" چلا کر بولا۔
"تو باپ لگتا ہے میرا؟" عدیل پہلے ہی ڈاکٹر کی باتوں سے تپا ہوا تھا۔ عمران کی بات اسے اور آگ لگا گئی۔
دونوں پھر گتھم گتھا ہو گئے۔
فوزیہ بھاگتی ہوئی باہر آئی اور باہر کا منظر دیکھ کر سکتے میں آگئی دوسرے لمحے نسیم بھی ہانپتی کانپتی آپہنچیں۔ اردگرد کے گھروں کے گیٹ کھلنے لگے۔
اور وہ دونوں سب سے بے خبر لڑے جا رہے تھے۔ مثال اسی طرح چیخ رہی تھی۔ اس کی آنکھیں بند تھیں۔
"فوزیہ! جا جلدی سے اس مثال کو تو پکڑ کر لا۔ اس نے آسمان سر پر اٹھا رکھا ہے چیخ چیخ کر۔" نسیم گیٹ سے باہر نکلتے ہوئے بولیں۔ وہ عدیل کو کھینچنے لگیں۔ دونوں غصے میں بری طرح سے بپھرے ہوئے تھے انہیں الگ کرنا آسان نہیں تھا۔ ایسے میں محلے کے دو تین لوگ آگے بڑھے اور انہیں چھڑانے کی کوشش کرنے لگے۔ نسیم عدیل کو کھینچ کر دور لے جانے لگیں۔
عمران نے عدیل کو دھکا دیا اور دوسرے لمحے مثال کی گاڑی کا دروازہ کھول کر اس نے اپنی گاڑی میں پھینکا اور خود تیزی سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھ گیا۔
عدیل اور دوسرے لوگوں کے راستہ روکنے سے پہلے وہ اندھا دھند گاڑی اڑاتا وہاں سے لے گیا۔
"میں اسے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ آج یہ نہیں بچے گا میرے ہاتھوں سے۔" عدیل پھٹے گریبان' زخمی چہرے کے ساتھ منہ سے کف اڑاتا گاڑی میں بیٹھنے لگا۔
نسیم چلا کر دہائی دینے لگیں۔ اور اس کے بازو سے لپٹ گئیں۔
"نہ میرا بچہ۔ اس وقت اس کے پیچھے نہیں جا۔ تیری حالت نہیں ایسی کہ گاڑی چلائے۔ کوئی حادثہ کر بیٹھے گا۔ میں بیوہ برباد ہو جاؤں گی۔ مثال کہیں نہیں جائے گی تھوڑا حوصلہ کر۔"
وہ اسے اپنی طرف پورا زور لگا کر کھینچے ہوئے تھیں۔
"امی! چھوڑ دو مجھے جانے دو اس کے پیچھے میں مثال کو لے کر آؤں گا۔" وہ خود کو چھڑا رہا تھا۔
"بھائی صاحب! کیا ماجرا ہے' دو تین دن سے یہ ہنگامہ مچا ہے آپ کے گھر میں اگر کوئی جھگڑا ہے تو گھر میں بیٹھ کر نپٹا لیں۔ نہیں تو پولیس کو بلا لیں۔" ایک بزرگ ذرا اکتائے ہوئے لہجے میں کہتے ہوئے ان کی طرف بڑھے۔

"چل اندر بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔ میں ابھی خود تیرے ساتھ جاؤں گی اور مثال کو لے آئیں گے۔" نسیم بیٹے کو اندر لے گئیں۔ محلے والے چہ مگوئیاں کر رہے تھے جب فوزیہ نے گیٹ بند کیا۔

☼ ☼ ☼

علی نے اسے ماموں سے فوراً" ہی فون پر بات کرا دی۔
نعیم صاحب نے عاصمہ کو اگلے ہی دن آفس بلا لیا کہ وہ اس کا نارمل سا انٹرویو لیں گے اور اسے اپائنٹ کر لیں گے۔
انہوں نے یہ بھی وعدہ کیا کہ اس کی تنخواہ پہلی جاب کے مقابلے میں کافی اچھی ہو گی۔
عاصمہ کو لگا اس کے سر سے کوئی بھاری بوجھ اتر گیا ہو۔
نعیم صاحب کافی خوش اخلاق اور مہربان شخص لگتے تھے۔ عاصمہ کے حالات جان کر وہ اور بھی ہمدردی کا اظہار کرنے لگے تو عاصمہ کچھ ڈر سی گئی کہ پہلے اتنی ہمدردی اور مہربانی سے بہت بڑا نقصان اٹھا چکی تھی۔ اگلے دن آنے کا وعدہ کر کے اس نے فون رکھا ہی تھا کہ واثق پراپرٹی ڈیلر الیاس اور حمیدہ خالہ کو بلا لایا۔
حمیدہ خالہ نے ہی الیاس سے بات کی کہ اب کے وہ کیسے کرائے دار لے کر آئے "کرایہ اچھا دیں اور وقت پر دیں۔ یہ بہت ضروری بات ہے لیکن اس سے بھی ضروری ہے کہ وہ بہت شریف لوگ ہوں۔ اپنے رستے آئیں اپنے رستے جائیں۔ بہتر ہے بال بچے اور فیملی ہو۔" وہ الیاس سے خوب ٹھوک بجا کر بولیں۔
"میں پوری کوشش کروں گا خالہ جی! کہ جلد سے جلد انتظام کر سکوں۔ کیونکہ کل مجھے ہاشم بھائی نے بھی فون کر کے تاکید کی ہے۔ میں اپنی طرف سے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھوں گا۔" الیاس' حمیدہ کی شرطوں سے کچھ اکتا کر بولا۔
اس کے خیال میں پہلے کرائے دار بھی حمیدہ خالہ کی روز' روز کی احتیاطی نصیحتوں اور سارے دن میں وقت بے وقت چھاپے مارنے سے بھاگے تھے۔
"بھابھی! جو بھی کوئی کرائے دار مجھے اچھا لگتا ہے۔ یہاں کے لیے مناسب۔ تو میں آپ کو پیغام بھجوا دوں گا۔ ابھی اجازت دیں۔ دکان اکیلی چھوڑ کر آیا ہوں۔" اس سے پہلے کہ حمیدہ خالہ مزید شرطیں بیان کرتیں' وہ وہاں سے کھسک لیا۔
"میں بشیر سے کہتی ہوں' وہ اپنے کسی واقف ڈیلر سے بات کرے۔ مجھے تو یہ الیاس بھی ایویں سا لگتا ہے۔" حمیدہ خالہ' بیٹے کا حوالہ دیتے ہوئے غیر مطمئن سی بولیں۔
"الیاس بھائی اچھے ہیں۔ بھروسے کے لوگوں کو لے کر آتے ہیں خالہ۔" عاصمہ نے آہستگی سے کہا۔ حمیدہ خالہ نے اسے فہمائشی نظروں سے گھورا۔ جیسے کہہ رہی ہوں۔ "تم پھر اندھا اعتماد کرنے لگیں؟" عاصمہ نظریں چرا گئی۔
"اور میں نے سنا ہے تم نے نوکری بھی چھوڑ دی اسکول کی؟" انہیں یاد آیا تو فوراً" بولیں۔
"میں نے نہیں چھوڑی۔ انہوں نے نکال دیا ہے۔" وہ تلخی سے بولی۔
"ہائیں! اچھا۔ میں بات کرتی ہوں ابھی جا کر۔ کیا تکلیف ہوئی ان کو بھلا تم سے۔ اچھا بھلا تو ذمہ داری سے کر رہی تھیں تم۔" حمیدہ خالہ چیخ کر بولیں۔
"رہنے دیں خالہ! میں نے کافی کوشش کی۔ مگر میڈم نے معذرت کر لی۔ وردہ کی بیماری کی وجہ سے بہت چھٹیاں کی تھیں میں نے اس لیے۔"

عاصمہ کا دل نہیں تھا کہ دوبارہ سے وہ کسی کی سفارش پہ جائے۔ اس لیے منع کرتے ہوئے بولی۔

"اے لو۔ اس میں کیا جھوٹ ہے بھلا۔ تم کوئی جان کر چھٹیاں کر رہی تھیں؟ بچی کو خدا نے دوسری زندگی دی۔ ایسی ٹھنڈ لگی کہ اس کے بچنے کی امید کب تھی بھلا۔" حمیدہ خالہ اپنے انداز میں بولتی چلی گئیں۔

"خیر! آپ پریشان نہیں ہوں۔ ایک جگہ کل جا رہی ہوں انٹرویو کے لیے۔ اگر خدانخواستہ وہاں بات نہ بن سکی تو پھر آپ ہی سے کہوں گی۔" عاصمہ نرمی سے منع کرتے ہوئے بولی۔

"مما! کچن کا سنک سارا بھر گیا ہے۔ اس کا پائپ نیچے سے بند ہے گا۔" اریبہ اندر آکر بولی۔

"افوہ! ایک تو یہ آئے دن کی مصیبت ہے۔ نیچے سے پائپ اتنا چھوٹا ہے۔ ذرا سا کچرا یا چکنائی چلی جائے فوراً بند ہو جاتا ہے۔ یہی حال غسل خانے کے پائپوں کا ہے۔" عاصمہ کوفت سے بولی۔

اسے تو یوں چند مہینوں میں اندازہ ہو گیا تھا کہ گھر چلانے کا مطلب صرف خرچ کے لیے پیسے فراہم کرنا یا اپنا گھر ہونا ہی کافی نہیں۔ چھوٹے بڑے ہزاروں اتنے مسائل ہوتے کہ وہ ذہنی اور جسمانی طور پر نڈھال ہو کر رہ جاتی۔ مگر مسئلے کم نہ ہوتے۔

"تو کسی پلمبر کو بلا کر ٹھیک کراؤ۔" حمیدہ خالہ نے مفت مشورہ جھاڑا۔

"خالہ بہت بار بلا چکی ہوں۔ وہ کہتے ہیں اندر والے پائپ چھوٹے ہیں اور پائپ بدلوانے میں سمجھیں لاکھ کا خرچ ہے۔" عاصمہ کوفت سے بولی۔

"خیر! اب تم اتنے لمبے بکھیڑوں میں مت الجھو۔ فی الحال گزارہ کرو اور پائپوں میں کوئی ایسی ویسی چیز ہی نہ پھینکا کرو۔" حمیدہ خالہ چادر ٹھیک کرتی جانے کو تیار تھیں۔

ورنہ عاصمہ کا دل تھا کہ وہ ان سے کہتی کہ اچھے ٹھیکے دار سے بات کر کے اس مسئلے کا کوئی حل نکال دیتیں۔ بشیر ان کا بیٹا یہ کام کر سکتا تھا۔ اس کے کئی ٹھیکے دار واقف تھے۔

"چلتی ہوں میں۔ ابھی مجھے مرغی لینے جانا ہے۔ بشیر آج بریانی کی فرمائش کر کے گیا ہے۔ اور بیگم صاحبہ نے دو نوٹ میرے ہاتھ میں آتے ہوئے پکڑا دیے کہ آتے ہوئے مرغی لے کر آنا۔ ابھی ادھر جا کر کھڑا ہونا پڑے گا۔"

وہ دروازے تک ذرا سی دیر میں پہنچ بھی گئیں۔

"مما! کچن بھر رہا ہے پانی سے۔" اریبہ نے پھر آکر اطلاع دی۔

"تو تم نے ٹونٹی کیوں کھولی؟ دماغ خراب ہے تمہارا۔" اسے ایک دم سے شدید غصہ آگیا۔

"مما ٹونٹی تو بند ہے۔ مگر پانی۔" اریبہ ڈر گئی۔

"دیکھتی ہوں میں۔" اسے معلوم تھا اب پلمبر کو بلائے بغیر گزارہ نہیں اور اس کے پاس پیسے بھی کم تھے۔

☆ ☆ ☆

"انسپکٹر طارق بات کر رہے ہیں۔ جی۔ میں عدیل ہوں۔ جی۔ جی بالکل۔ آپ پولیس اسٹیشن ہی میں ہیں نا۔ میں آرہا ہوں۔ تھوڑی دیر میں۔ جی! مسئلہ ہی ہے۔ میری بیٹی کو میری سابقہ بیوی کا بھائی اغوا کر کے لے گیا ہے۔ جی۔ نادان کا بھی مسئلہ ہو سکتا ہے اور وہ مجرمانہ ذہنیت کا شخص ہے۔ میری بچی کو نقصان بھی پہنچ سکتا ہے۔ ٹھیک ہے! میں تھوڑی دیر میں آکر تفصیل بتاتا ہوں اور ایف آئی آر کٹواتا ہوں۔ شکریہ! بس میں آرہا ہوں۔" عدیل نے بات کر کے فون بند کر دیا۔

پیچھے کھڑی نسیم دھک سے رہ گئیں۔ یہ تو ان کے گمان میں نہیں تھا کہ یہ معاملہ پولیس میں بھی جا سکتا ہے۔

"بس آتا ہوں امی۔ ابھی۔" عدیل نے کپڑے بدل لیے تھے۔ مگر چہرے پر تختی، زخموں کی سوجن اور نشان اسی طرح تھے۔

"عدیل بیٹا! بات سن میری۔" نسیم پریشانی سے بولیں۔

"امی! آپ کو جو بھی کہنا ہے۔ میں آکر بات کروں گا۔ انسپکٹر صاحب چلے جائیں گے پھر۔" وہ کہہ کر جانے لگا۔

"مگر یہ چلا گیا تو۔" نسیم تیزی سے اس کے پیچھے لپکیں۔

"عدیل میرا بچہ۔ دو گھڑی صرف میری بات سن لے۔ پھر چلے جانا۔" وہ منت بھرے لہجے میں بولیں۔

"امی! جانے دیں مجھے۔ لیٹ ہو جاؤں گا۔" وہ چڑ کر بولا۔

"دیکھو عدیل! بہتر ہے یوں معاملہ تھانے کچہری میں لے جانے کی بجائے مل بیٹھ کر۔" نسیم نے پہلی بار جیسے ہوش کے ناخن لیے تھے۔ تھانے کچہری کا مطلب پورے محلے اور خاندان میں باتیں اور بدنامی تھی۔ پھر سب سے بڑھ کر انہیں ابھی فوزیہ کی شادی کرنی تھی اور عدیل کی بھی تو۔

"دیکھو بچے۔ اس میں نقصان۔ تمہارا۔"

"میں کیوں۔ میں تو برباد کر دوں گا ان دو ٹکے کے لوگوں کو۔ میری بیٹی ان لوگوں کے پاس۔" وہ غصے میں بھڑک کر بولا۔

"عدیل۔ مثال کا سوچ۔" وہ اس کا بازو زور سے ہلا کر بولیں اور یہ بات نسیم نے اس وقت نہیں کہی تھی جب وہ مسلسل اسے بشریٰ کو طلاق دینے کا کہہ رہی تھیں۔ عدیل بھی ٹھٹک کر رہ گیا۔

"کیا مطلب؟" وہ ناگواری سے بولا۔ مثال کے نام پر وہ ہر بات سننے کے لیے تیار تھا۔

"میرا بچہ! اس بچی پر اور ظلم نہ کر۔ اسے تو ماں باپ دونوں چاہئیں۔ تو اس طرح اسے تھانے کچہری میں لے کر جائے گا۔ اس کی ساری نفسیات تباہ ہو جائے گی اور پھر اگر تو تھوڑا بہت قانون پڑھ لے تو تجھے پتا چلے گا کہ قانون صرف ماں کی حمایت کرے گا۔ تو عدالتوں کچہری میں جائے گا۔ بچی بشریٰ کے پاس چلی جائے گی جو سراسر نقصان ہی ہے۔" وہ نرم لہجے میں اسے سمجھا رہی تھیں۔

"اچھا تو آپ کا مطلب ہے میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا رہوں۔ وہ بدمعاش میری آنکھوں کے سامنے میری بچی مجھ سے چھین کر لے گیا اور میں چوڑیاں پہن لوں؟" وہ بھڑک اٹھا۔

"تھوڑا صبر، تحمل سے کام لے۔ اگر ایسی بے صبری کرے گا تو مثال نہیں ملنے والی تجھے۔ پہلا حق ماں کا ہی ہے۔ بچی کے بالغ ہونے تک۔ یہ تو یاد رکھ۔ دنیا کی کسی بھی عدالت میں چلا جا۔ وہ فیصلہ ماں کے حق میں ہی کرے گی۔" نسیم نے پہلی بار اسے ایسی تلخ حقیقتوں سے آگاہ کیا۔

اور وہ تو جیسے ششدر سا ماں کو دیکھے ہی جا رہا تھا۔

"میں جانتی ہوں۔ تو اس سے کتنی محبت کرتا ہے۔ اکلوتی بیٹی ہے تیری۔ ایسا پیار ہونا بھی چاہیے اور جس طرح کی وہ بشریٰ اور اس کی ماں ہے۔ مثال کو تو میں بھی ان کے نرغے میں نہیں رہنے دوں گی۔" وہ مخصوص انداز میں بولیں۔

"تو کیا کروں پھر۔ میں اپنی بچی کے بغیر ایک منٹ نہیں رہ سکتا۔"

"تو یہ معاملہ مجھ پر چھوڑ دے۔ مثال کو وہ خود ماں دے کر جائیں گے۔" نسیم عزم سے بولیں۔

"وہ کیسے؟" عدیل بے ہمت سا ہو گیا۔

"مجھ پہ چھوڑ دے۔ یہ کھیل جوش لڑائی اور جھگڑے سے نہیں۔ طریقے سے کھیلنا ہے۔" نسیم کے لیے پھر سے ایک محاذ کھل گیا تھا۔ ان کی آنکھوں میں مخصوص چمک تھی جو ایسی صورت حال میں ہوتی تھی۔ عدیل ماں کو کوفت سے دیکھنے لگا۔

”ابھی ایک‘ دو دن اسے ماں کے پاس رہنے دے۔“

”ایک دن بھی نہیں۔ بلکہ ایک گھنٹہ بھی نہیں۔“ وہ بات پوری ہونے سے پہلے تڑپ کر بولا۔

”عدیل! مثال بیمار ہے۔ اس کا بخار ماں کے پاس جا کر ایک‘ دو دن میں کم ہو جائے گا۔ تو پھر میں اسے جا کر لے آؤں گی۔“ وہ نرمی سے سمجھانے لگیں۔

”آپ کے خیال میں وہ آپ کو مثال کو دے دے گی؟“ وہ طنز سے بولا۔

”ماں پر بھروسا تو کر کے دیکھو۔“ نسیم اسے بچے کی طرح پچکار کر بولیں۔

”امی! میں جا رہا ہوں۔ اب آپ مجھے نہیں روکیں گی۔“ اس نے ماں کا ہاتھ جھٹکا اور اٹھ کر جانے لگا۔

”اچھا... سن چلا جا... میں تیرے ساتھ جاؤں گی۔“ وہ تیزی سے بولیں۔ عدیل نے ماں کو یوں دیکھا۔ جیسے ان کا دماغ چل گیا ہو۔

”امی... میں تھانے جا رہا ہوں... پولیس اسٹیشن... آپ کیا کریں گی جا کر۔“ وہ چڑ کر بولا۔

”وہ انسپکٹر جس سے تو ابھی بات کر رہا تھا۔ تیرا جاننے والا ہے کوئی؟“ نسیم اس کی بات ان سنی کرتے ہوئے بولیں۔

”دوست ہے میرا۔“ وہ بے زاری سے بولا۔

”بس! پھر کوئی مسئلہ ہی نہیں۔ اب تو میری بات غور سے سن اور درمیان میں اچھل اچھل کر بولو نہیں۔“ نسیم شاطرانہ انداز میں بولیں۔

”امی... مجھے کچھ نہیں سننا۔“ وہ پھر سے تڑا کر جانے لگا۔

”سن لے بات۔ دل کو نہ لگے تو بھلے سے چلے جانا۔ میں نہیں روکوں گی تجھے... سن تو لے۔“ وہ اسے کچھ ایسے طریقے سے روکتے ہوئے بولیں کہ عدیل گہری سانس لے کر رہ گیا۔

نسیم کو انسان کو راہ پر چلانا اور راہ سے بھٹکانا‘ دونوں ہی خوب آتا تھا۔ اس نے دل میں ماں کی اس صلاحیت کا اعتراف کیا اور صوفے پر بیٹھ گیا۔

”میں فون کرتی ہوں ابھی تیری سسرال۔“

”نہیں ہے وہ اب میری سسرال۔“ وہ تلخی سے تیز لہجے میں بولا۔ نسیم بھی لمحہ بھر کو خاموش سی ہو گئیں۔ بات تو دکھ کی تھی۔ بشریٰ جیسی بھی سہی‘ ان کے لیے۔ بیٹے کا گھر تو اجڑ گیا تا۔ نسیم دکھ بھری نظروں سے دیکھ کر رہ گئیں۔

☼ ☼ ☼

بشریٰ پاگلوں کی طرح مثال کو گلے سے بھینچے اسے بار بار چومے جا رہی تھی۔ ہاتھوں میں اس کا چہرہ لے کر اسے دیکھے جاتی اور پھر سے اسے چومنے لگتی اور چومتی چلی جاتی۔ اسے یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ مثال اس کے پاس ہے۔ اس کی بانہوں میں۔ اس کے بہت قریب۔

”میری بچی... میری گڑیا۔ میری جان! تو نہ آتی تو تیری ماں مر جاتی تیرے بغیر... میری مثال... میری جان۔“ وہ پھر اسے گلے لگا کر بھینچنے لگی۔

”مما... مما... مجھے آپ کے ساتھ رہنا ہے۔ مجھے اب واپس نہیں جانا۔ میں آپ کے پاس رہوں گی۔ مجھے دادو اور پھپھو کے پاس نہیں جانا۔“ مثال کی آنکھوں سے۔ بہت دنوں کے بعد ایسے گرم گرم آنسو نکلے تھے۔ بشریٰ اسے چومنے لگی۔

”میری جان! اب تجھے کوئی ہاتھ بھی نہیں لگا سکتا۔ کوئی تجھے مجھ سے دور نہیں لے جا سکتا۔ میں اپنی جان کو کہیں نہیں جانے دوں گی۔ اب تم میرے پاس ہی رہو گی میری جان۔“

”آپی! بس کرو نا۔ کیوں اپنی بچی کو اور پریشان کر رہی ہو؟“ عمران جو ماں‘ بیٹی کی ایسی پاگلوں سی محبت کافی دیر سے دیکھے جا رہا تھا۔ اسے ٹوک کر بولا۔

”عمران... میرے بھائی! میں کس طرح‘ کس زبان سے تمہارا شکریہ ادا کروں... تم نے میرے ساتھ جو نیکی کی ہے... میری مثال کو میرے پاس لے کر آ گئے۔“ بشریٰ مغلوب سی ہو کر رونے لگی۔

عمران اٹھ کر بہن کے پاس آ گیا۔ ”آپی! کیوں مجھے شرمندہ کر رہی ہو؟ میرے لیے تو یہ شرمندگی کیا کم ہے کہ میری وجہ سے آپ کا گھر برباد ہو گیا۔“ وہ شرمندگی سے بولا۔

”تمہاری وجہ سے نہیں... اور میرا گھر تو جیسے پانی پر بنا تھا۔ ایک نہ ایک دن اسے ٹوٹنا ہی تھا۔ بس! میری مثال میرے پاس رہے... مجھ سے دور نہ رہے اور کچھ نہیں چاہیے۔“ وہ پھر سے مثال کو پیار کرنے لگی۔

”مثال... جانو... تمہیں بخار ہے؟“ وہ چونک کر اس کی کمر پر ہاتھ پھیر کر بولی اور پھر اس کے جسم کی مختلف جگہوں پر چیک کرنے لگی۔

”کب سے بخار ہے تمہیں؟“ وہ پریشان ہو اٹھی۔

”بہت دنوں سے مما... جب سے آپ مجھے چھوڑ کر آئیں۔“ مثال رونے لگی۔

بشریٰ نے اسے اپنے ساتھ بھینچ لیا۔

”ڈاکٹر کو نہیں دکھایا کسی نے تمہیں؟“ وہ مغلوب لہجے میں بولی۔

”بہت بار... آج بھی جب مجھے ماموں لینے گئے تو پاپا مجھے ڈاکٹر کے پاس سے لے کر آئے تھے۔ پاپا بہت پریشان تھے۔ وہ ساری رات میرے ساتھ جاگتے تھے۔“ وہ ایک طرف بیٹھے عمران کو کن انکھیوں سے دیکھ کر بولی۔

”تو پھر بخار کیوں نہیں اترا تمہارا؟“ وہ اسے چھوتی جا رہی تھی اور پریشان ہوتی جا رہی تھی۔

”مما... پاپا...“ وہ ماں کی بات جیسے سن نہیں رہی تھی۔ جھجک کر بولی تو بشریٰ نے کچھ چونک کر اسے دیکھا۔

”کیا... ہوا تمہارے پاپا کو؟“ بشریٰ نے بڑی مشکل سے ”تمہارے پاپا“ زبان سے ادا کیا۔

”پاپا اور ماموں... میں ابھی بہت لڑائی ہوئی تھی۔ پاپا کے چہرے پر... مما... پاپا مجھ سے بہت پیار کرتے ہیں۔ وہ بہت پریشان تھے اور...“ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیسے اپنے احساس کو بیان کرے۔

”میری جان! اگر تمہارے باپ کو تم سے پیار ہوتا‘ تمہارا احساس ہوتا... تو کیا وہ یوں تمہیں‘ مجھے خود سے کاٹ کر پھینک رہتا... ان دو کمینی عورتوں کے کہنے پر۔“ بشریٰ نفرت سے بولی۔

”بشریٰ! بس کرو بیٹا! اب مثال کو تھوڑا آرام کرنے دو اور تم بھی آرام کرو۔ اتنا نہ تھکاؤ خود کو۔“ ذکیہ شکرانے کے نفل پڑھ کر اندر آئیں۔ دونوں پر دم کرتے ہوئے پھونک ماری اور دونوں کو گلے لگا کر پیار کرتے ہوئے نرمی سے بولیں۔

”امی! دیکھیں مثال کو۔ اتنا تیز بخار ہے۔ وہ بھی اتنے دنوں سے۔“ وہ روہانسی ہو کر ماں سے بولی۔ ذکیہ‘ مثال کو چھو کر دیکھنے لگیں۔

”تمہاری جدائی کا بخار ہے۔ ان شاء اللہ ابھی کچھ دیر میں اتر جائے گا۔ اس کی تم فکر نہیں کرو۔ آؤ مثال! تمہیں لٹاؤں میں تمہارے بستر پر۔“ ذکیہ مثال کو لے کر جانے لگیں۔

”نہیں امی! اسے میرے پاس رہنے دیں۔ یہ میرے پاس لیٹے گی۔ آپ اس کے کھانے کے لیے کچھ بنوا دیں۔ کیا کھاؤ گی میری جان؟“ وہ مثال کو اپنے ساتھ لٹا کر پیار کرتے ہوئے بولی۔

"ممّا! ابھی کچھ بھی نہیں۔ وہاں تو عجیب ... جا رہے تھے۔"
بہت دنوں بعد تو اسے ماں کی آغوش میسر آئی تھی۔ اس نے دونوں بانہیں بشریٰ کے گرد پھیلا دیں اور آنکھیں موند لیں۔
"ابھی اسے گرم دودھ دے دو۔ کچھ دیر سوئے گی تو پھر اٹھ کر کچھ کھا لے گی۔" ذکیہ کہنے لگیں اور دودھ کے لیے ملازمہ کو آواز دینے لگیں۔
"عمران! تمہیں عدیل سے جھگڑا نہیں کرنا چاہیے تھا۔" ذکیہ نے عمران سے کہا۔
مثال بے اختیار آنکھیں کھول کر نانی اور ماموں کو دیکھنے لگی۔
"امی۔ پلیز۔" بشریٰ نے اشارے سے ماں کو اس موضوع پر بات کرنے سے منع کیا۔
"ہاں لو تو جیسے بڑے پیار ... سے مثال کو مجھے دے رہا تھا۔ جھگڑا نہ کرتا تو اور کیا کرتا۔" عمران بڑبڑاتا ہوا باہر نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

"کیا آپ سچ کہہ رہی ہیں؟" نسیم فون کان سے لگائے بے پایاں خوشی کا اظہار کرتے ہوئے بولیں۔ ٹی وی چینل بدلتی فوزیہ نے چونک کر ماں کو دیکھا۔
"نہیں... نہیں... بالکل نہیں... بے یقینی کی بات نہیں... جی... آپ نے ٹھیک کہا... بالکل۔" وہ ایسے تابع داری سے سر ہلائے جا رہی تھیں۔ جیسے دوسری طرف کوئی بادشاہ وقت ہو۔ فوزیہ نے ٹی وی کی آواز کم کر دی۔
"جی بالکل... کوئی مسئلہ نہیں۔ آپ آجائیں کل کسی بھی وقت۔ نہیں نہیں... مجھے کہاں جانا ہوتا ہے۔ اس بیماری نے تو بس گھر میں بٹھا دیا ہے۔ اللہ مجھے میری بیٹی کے فرض سے سبکدوش کرے تو پھر کوئی لالچ نہیں۔ بھلے ملک الموت آئے اور اس مٹی کے ڈھیر کو لے کر چلتا بنے۔" وہ انتہائی عاجزی اور مسکینی سے کہہ رہی تھیں۔ فوزیہ مسکرا کر رہ گئی۔
"قسم سے امی! آپ اگر ایکٹریس ہوتیں تو پرائیڈ آف پرفارمنس تو آپ کا پکا تھا۔" فوزیہ ہنس کر آہستہ سے بولی۔
نسیم نے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور الوداعی کلمات بول کر فون رکھ دیا۔
"کیا ہوا؟ کون تھا؟" فوزیہ کو سخت بے چینی لاحق تھی۔ "فوراً" پوچھنے لگی۔
نسیم جوش بھرے انداز میں اٹھ کر فوزیہ کے پاس آئیں اور اسے گلے لگا کر خوب پیار کرنے لگیں۔
"امی! اس بے موقع پیار کی وجہ تو بتا دیں۔" وہ ماں کے اس عجیب انداز پر کچھ بوکھلا کر بولی۔ وہ کب عادی تھی ایسے والہانہ پیار کی۔
"میرے اللہ نے میری سن لی فوزیہ... میری بچی... اللہ نے ہماری سن لی۔ مجھے تو یقین ہی نہیں آرہا۔" وہ جوش سے سرخ چہرہ لیے ہوئے بے ربطگی سے بولی۔
"امی! ہوا کیا ہے۔ بتا تو دیں کچھ۔" فوزیہ کا دل عجیب سے انداز میں دھڑکنے لگا۔
"وہ کل خالد کی ماں اور خالہ نہیں آئی تھیں تجھے دیکھنے... یاد ہے نا تجھے کہ نہیں؟" وہ خوشی کے عالم میں اوٹ پٹانگ بولے جا رہی تھیں۔
"امی! کل کی بات کون بھول سکتا ہے اور کیا عجیب عورتیں تھیں وہ بھی... آپ نے کسی قدر دکھی انداز میں میری طلاق کا قصہ سنایا اور انہوں نے نہ ہمدردی کی... نہ کوئی لفظ بولا۔ چائے پی اور خاموشی سے اٹھ کر چل دیں۔"

فوزیہ برے برے منہ بنا کر بولی۔

"وہ دونوں عورتیں حلیے اور چہروں سے بس اچھے گھر کی تھیں۔ شریف' کم گو اور کچھ کھمنی سی۔" فوزیہ نے بڑے کوفت کے عالم میں ان کی مدارات کی تھی۔ اور سچی بات' اسے وہ دونوں عورتیں کچھ اچھی بھی نہیں لگی تھیں اور کل سے ابھی تک اس نے ان کے بارے میں کچھ نہیں سوچا تھا۔

"تم انہیں پسند آگئی ہو اپنے بیٹے کے لیے۔ فوراً" شادی کریں گی مہینے بھر کے اندر۔ کویت میں ہوتا ہے ان کا بیٹا۔ اسی ہفتے چھٹی پر آرہا ہے۔ اس کے آتے ہی شادی کردیں گی وہ۔ میرے اللہ! مجھے تو لگتا ہے' میرا تو دل خوشی سے بند ہوجائے گا۔" نسیم واقعی خوشی سے بے ہوش ہونے کو تھیں۔

اور شادی مرگ تو جیسے فوزیہ پر بھی ہوگیا۔ اس کے تو گمان میں بھی یہ معجزہ نہیں تھا اور طلاق کا داغ لگنے کے بعد تو بالکل بھی نہیں۔ وہ یوں ماں کو دیکھتی رہ گئی۔ جیسے اسے ماں کے اس مذاق پر سخت غصہ آرہا ہو۔

"میری بھی یہی حالت ہوئی تھی فوزیہ! جب اس غزالہ بہن نے مجھ سے یہ کہا۔ قسم سے۔ مجھ سے تو بہت دیر تک کچھ بولا نہیں گیا۔ بول! ہے نا معجزہ؟ میری دعائیں اللہ نے سن لیں۔ آخری بیٹا ہے۔ جس کی شادی کرنی ہے اور سب سے بڑی بات' وہ تجھے ساتھ لے کر جائے گا۔ ایک مہینے کی چھٹی کے بعد چلا جائے گا اور وہاں جاتے ہی تجھے بلالے گا۔ فوزیہ۔۔۔ میری بیٹی کے ایسے بھاگ کھلیں گے۔ میں نے تو کبھی سوچا نہیں تھا۔" وہ اسے ساتھ لگا کر جٹ جٹ پیار کرنے لگیں تو فوزیہ بھی یقین کرتے ہوئے شرما سی گئی۔ اس نے بھی یہ سب کچھ سوچ رکھا تھا۔ اس کی آنکھیں بہت دنوں بعد نئے خواب بننے لگیں۔ نسیم کیا بول رہی ہیں' اب اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

☆ ☆ ☆
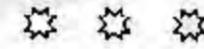
مثال بشریٰ کے ساتھ لیٹی گہری نیند سو رہی تھی۔

ذکیہ رات کے وظائف ختم کرنے کے بعد مصلیٰ' سمیٹتی اٹھیں اور اندر آکر دونوں پر دم کرتے ہوئے کچھ سوچنے لگیں اور پھر جیسے دل تھام کر بیٹھ گئیں۔

"ہم بھی بشریٰ کی عمر ہی کیا ہے۔ اس اکتوبر میں انتیس کی ہوگی۔ اس عمر میں تو لڑکیاں اپنے گھروں کی ہوتی ہیں اور اس کا گھر بس کر اجڑ بھی گیا۔ کیا کرے گی میری بچی اب باقی کی عمر بھر۔۔۔ بچی کا ساتھ۔۔۔ میرے اللہ! رحم فرما' میری بشریٰ پر۔" بے اختیار ذکیہ کا دل بھر آیا۔ بہت دنوں بعد تو انہیں یوں فرصت سے اس سانحے پر رونے کا موقع ملا تھا۔

باہر ڈوربیل زور سے بجی۔

ذکیہ نے جلدی سے آنسو پونچھ لیے۔ عمران لاؤنج میں ہی لیپ ٹاپ لیے بیٹھا تھا۔ اٹھ کر دروازہ کھولنے چلا گیا۔

کسی خیال کے تحت ذکیہ بھی اٹھ کر اس کے پیچھے چلی گئیں۔

"تو وہ تم ہو جس نے مدثر صاحب کے گھر کے باہر سے ان کی کم سن بیٹی کو اغوا کیا ہے۔ گرفتار کرو اسے۔" باہر سے آتی رعب دار آواز نے ذکیہ کے ہوش اڑا دیے۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

رُخسانہ نگار عدنان

عدیل اور فوزیہ نسیم بیگم کے بچے ہیں۔ بشریٰ ان کی بہو ہے اور ذکیہ بیگم کی بیٹی ہے۔ عمران بشریٰ کا بھائی ہے۔ مثال ذکیہ بیگم کی نواسی اور نسیم بیگم کی پوتی ہے۔ بشریٰ اور نسیم بیگم میں روایتی ساس بہو کا تعلق ہے۔ نسیم بیگم مصلحتاً بہو سے لگاوٹ دکھاتی ہیں۔ دوسری طرف ذکیہ بیگم کا کہنا ہے۔ ان کی بیٹی بشریٰ کو سسرال میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ پانچ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد بشریٰ کی نند فوزیہ کا بالآخر ایک جگہ رشتہ طے پا جاتا ہے۔ نکاح والے روز بشریٰ دولہا ظہیر کو دیکھ کر چونک جاتی ہے۔

عدیل سے شادی سے قبل ظہیر کا بشریٰ کے لیے بھی رشتہ آیا تھا مگر بات نہ بن سکی تھی۔ نکاح والے دن زاہدہ اور ذکیہ بیگم بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔ بشریٰ اپنی ماں سے یہ بات چھپانے کے لیے کہتی ہے مگر عدیل کو پتا چل جاتا ہے۔ وہ ناراض ہوتا ہے مگر فوزیہ اور نسیم بیگم کو بتانے سے منع کر دیتا ہے۔ بشریٰ اور عدیل ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جاتے ہیں۔ وہاں انہیں پتا چلتا ہے کہ بشریٰ کے ہاں سات سال بعد پھر خوش خبری ہے۔

عفان اور عاصمہ اپنے تین بچوں اور والد کے ساتھ کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔ عفان کے والد فاروق صاحب سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ گریجویٹی اور گاؤں کی زمین فروخت کرکے وہ اپنا گھر خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ڈیڑھ کروڑ میں زمین کا سودا کرکے وہ عفان کے ساتھ خوشی خوشی شہر آ رہے ہیں۔

فون پر پتا چلتا ہے کہ شہر آتے ہوئے عفان اور فاروق صاحب ڈکیتی کی واردات میں قتل ہو گئے۔ عفان کے قریبی دوست زبیر کی مدد سے عاصمہ عفان کے آفس سے تین لاکھ روپے اور فاروق صاحب کی گریجویٹی سے سات لاکھ روپے وصول کر پاتی ہے۔ زبیر گھر خریدنے میں بھی عاصمہ کی مدد کر رہا ہے۔

اسلام آباد سے واپسی پر عدیل دونوں مقتولین کو دیکھتا ہے۔ زاہدہ، نسیم بیگم سے بیس لاکھ روپے سے مشروط فوزیہ کی رخصتی کی بات کرتی ہیں۔سو وہ سب پریشان ہو جاتے ہیں۔عدیل، بشریٰ سے ذکیہ بیگم سے تین لاکھ روپے لانے کو کہتا ہے۔

حمیدہ خالہ، عاصمہ کو سمجھاتی ہیں کہ عدت میں زبیر کا اکیلے اس کے گھر آنا مناسب نہیں ہے۔ لوگ باتیں بنا رہے ہیں جبکہ عاصمہ کی مجبوری ہے کہ گھر میں کوئی مرد نہیں۔ اس کا بیٹا ابھی چھوٹا ہے اور سارے کام اس نے خود کرنے ہیں۔ وہ جلد از جلد اپنا گھر خریدنا چاہتی ہے۔ عاصمہ کے کہنے پر زبیر کسی مفتی سے فتویٰ لے کر آجاتا ہے کہ وہ انتہائی ضرورت کے پیش نظر گھر سے نکل سکتی ہے بشرطیکہ مغرب سے پہلے واپس گھر آجائے، سو وہ عاصمہ کو مکان دکھانے لے جاتا ہے۔

رقم مہیا نہ ہونے کی صورت میں فوزیہ کو طلاق ہو جاتی ہے۔ نسیم بیگم جذباتی ہو کر بہو اور اس کے گھر والوں کو موردِ الزام ٹھہرانے لگتی ہیں۔ اسی بات پر عدیل اور بشریٰ کے درمیان خوب جھگڑا ہوتا ہے۔ عدیل طیش میں بشریٰ کو دھکا دیتا ہے۔ اس کا ابارشن ہو جاتا ہے۔عدیل شرمندہ ہو کر معافی مانگتا ہے مگر وہ ہنوز ناراض رہتی ہے اور اسپتال سے اپنی ماں کے گھر چلی جاتی ہے۔

اسی اسپتال میں عدیل عاصمہ کو دیکھتا ہے جسے بے ہوشی کی حالت میں لایا گیا ہوتا ہے۔ عاصمہ، زبیر کے ہاتھوں لٹ جانے پر خودکشی کی کوشش کرتی ہے تاہم بچ جاتی ہے۔ نو سال بعد عاصمہ کا بھائی ہاشم پریشان ہو کر پاکستان آجاتا ہے۔ عاصمہ کے سارے معاملات دیکھتے ہوئے ہاشم کو پتا چلتا ہے کہ زبیر نے ہر جگہ فراڈ کر کے اس کے سارے راستے بند کر دیے ہیں اور اب مفرور ہے۔ بہت کوششوں کے بعد ہاشم، عاصمہ کو ایک مکان دلا پاتا ہے۔ بشریٰ اپنی واپسی الگ گھر سے مشروط کر دیتی ہے۔ دوسری صورت میں وہ علیحدگی کے لیے تیار ہے۔عدیل سخت پریشان ہے۔

عدیل مکان کا اوپر والا پورشن بشریٰ کے لیے سیٹ کروا دیتا ہے اور کچھ دنوں بعد بشریٰ کو مجبور کرتا ہے کہ وہ فوزیہ کے لیے عمران کا رشتہ لائے۔ نسیم بیگم اور عمران کسی طور نہیں مانتے۔ عدیل اپنی بات نہ مانے جانے پر بشریٰ سے جھگڑتا ہے۔ بشریٰ بھی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتی ہے۔عدیل طیش میں بشریٰ کو طلاق دے دیتا ہے اور مثال کو چھین لیتا ہے۔ مثال بیمار پڑ جاتی ہے۔ بشریٰ بھی حواس کھو دیتی ہے۔ عمران، بہن کی حالت دیکھ کر مثال کو عدیل سے چھین کر لے آتا ہے۔عدیل، عمران پر اغوا کا پرچا کٹوا دیتا ہے۔

عاصمہ، اسکول میں ملازمت کر لیتی ہے مگر گھریلو مسائل کی وجہ سے آئے دن چھٹیاں کرنے کی وجہ سے ملازمت چلی جاتی ہے۔ اچانک ہی فوزیہ کا کہیں رشتہ طے ہو جاتا ہے۔

—۱۱—

گیارہویں قسط

عمران انسپکٹر کی بات سن کر لمحہ بھر کے لیے جیسے گونگا ہو گیا۔ اس سے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔

"اغوا؟" اس کی سماعتیں ایک ہی لفظ کو سن کر جیسے منجمد ہو کر رہ گئی تھیں اور پیچھے کھڑی ذکیہ کا دل بھی ایک لمحے کو ٹھہر سا گیا تھا۔

یہ تو ان میں سے کسی نے بھی نہیں سوچا تھا کہ عدیل یا نسیم بیگم اس حد تک بھی جا سکتے ہیں کہ وہ مثال کے اغوا کے کیس میں انہیں تھانے گھسیٹ لے جائیں گے۔

"او مسٹر! ہٹو راستے سے ہمیں گھر کی تلاشی لینی ہے۔" انسپکٹر کے ساتھ موجود سپاہی نے عمران کو پتھر کا بت بنے کھڑے دیکھا تو اس کو ذرا تحقیر آمیز لہجے میں کہہ کر جیسے ہوش دلایا۔

"کیوں.... کیوں تلاشی لیں گے آپ؟" وہ ایک دم سے بپھر کر بولا۔

انسپکٹر اور سپاہی نے ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھا۔ انسپکٹر نے جیب سے سرچ وارنٹ نکال کر عمران کے آگے کر دیے۔ "ہمارے پاس تلاشی لینے کا اختیار ہے۔ خالی خولی رعب نہیں جمار ہے ہم۔ ہٹو راستے

سے۔" انسپکٹر نے اب کے ذرا درشت لہجے میں کہا۔

"مگر کیوں کس لیے لینی ہے آپ کو تلاشی۔ میں نے.... ہم نے کیا کیا ہے۔" عمران اب کے ڈرے ہوئے لہجے میں اٹک اٹک کر بولا۔ پیچھے کھڑی ذکیہ حوصلہ کر کے آگے بڑھ آئیں۔

"مجھے بات کرنے دو بیٹا! کیا بات ہے۔" ذکیہ نے خلاف مزاج لہجے میں انکساری، عاجزی اور تھوڑا خوف سمو کر کہا۔

"خاتون! بچی کے اغوا کا معاملہ ہے۔ ہم بچی درآمد کرنے آئے ہیں۔" انسپکٹر ذکیہ بیگم کو دیکھ کر تھوڑا مؤدب ہو کر بولا۔

"یہ وقت ہے اس طرح کی تلاشی اور بازیابی کا؟" عمران تلخی سے مگر دبے لہجے میں بولا۔

انسپکٹر نے اسے گھور کر دیکھا جیسے کچھ سخت بولنے سے اس نے خود کو روکا ہو۔

"بیٹا! کیا ہم اندر بیٹھ کر بات نہیں کر سکتے۔" ذکیہ لجاجت سے یوں بولیں جیسے ان سے بڑا محبتی کوئی ہے ہی نہیں۔ سپاہی نے انسپکٹر کی طرف دیکھا۔

"ٹھیک ہے تم باہر کھڑے رہو۔ میں اندر جا کر بات کر کے آتا ہوں۔" انسپکٹر نے سپاہی کو تاکید کی۔

"مگر امی!" عمران اس چیز کے حق میں نہیں تھا کہ یوں جھک کر من من کر کے مذاکرات کیے جائیں۔ اسے معلوم تھا کہ ان مذاکرات کا نتیجہ کیا ہو گا۔ وہ وہیں گیٹ میں کھڑا رہا۔

"اندر آؤ عمران! میرے ساتھ۔" ذکیہ حکمیہ لہجے میں بولیں۔

عمران لمحہ بھر کھڑا پیچ و تاب کھاتا رہا۔ ایک کے بعد ایک بے سکون کر دینے والی بات.... وہ جھنجلا کر رہ گیا اور سپاہی کی موجودگی کی پروا کیے بغیر بہت بدتمیزی سے زور سے گیٹ بند کیا اور اندر چلا گیا۔

عدیل پولیس کی گاڑی سے بہت فاصلے پر اندھیرے میں اپنی گاڑی کے پاس کھڑا بے چین نظروں سے گیٹ کی طرف دیکھتا رہا۔ اسے امید تھی کہ کچھ دیر میں انسپکٹر مثال کو ساتھ لے کر آجائے گا اور وہ مثال کو اپنے گلے لگا کر فاتح بن کر واپس چلا جائے گا۔ معاملہ اب صرف مثال کی محبت کا نہیں تھا بہت کچھ جیتنے اور ہارنے کا تھا۔ اسے ہر صورت بشریٰ کو نیچا دکھانا تھا۔

اسے بتانا تھا کہ وہ کتنا بڑا خسارہ اپنے بخت میں درج کرا چکی ہے۔عدیل کی زندگی سے نکل کر اب اس کی زندگی میں صرف اور صرف بچا ہے دکھ، جدائی اور ذلت!

گھر کا گیٹ زور کی آواز کے ساتھ بند ہوا اور سپاہی سست قدمی سے چلتا پولیس وین کے پاس آگیا۔

عدیل اور بھی بے چین ہو گیا۔

"اگر یہ کمینہ انسپکٹر اس ذکیہ کی لچھے دار باتوں میں آگیا اور اس نے اسے یونہی مثال کو دیے بغیر بھیج دیا تو۔" ایک رات کے لیے ہی سہی بشریٰ جیت جائے گی اور اسے بشریٰ کی ایک رات کی جیت بھی گوارا نہیں تھی۔ وہ بے چین سا سپاہی کے پاس آیا۔

"انہوں نے بات کرنے کے لیے بلایا ہے انسپکٹر صاحب کو اندر، ہمیں انتظار کرنا ہو گا۔" سپاہی کی بات پر وہ خاموش ہو گیا۔

✡ ✡ ✡

"پاپا.... پاپا۔" مثال نیند میں پکار رہی تھی۔ بشریٰ کی آنکھ کھل گئی۔

مثال غنودگی میں تکیے پر سر پٹختے ہوئے باپ کو پکار رہی تھی۔ بشریٰ بے بسی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے' وہ بے اختیار روتی چلی گئی۔

"کیا اب میری بچی یونہی عمر بھر دونوں کے لیے تڑپتی رہے گی۔ باپ کے پاس رہے گی تو ماں کی قربت کو ترسے گی' میرے پاس ہوگی تو باپ کو مس کرتی رہے گی۔ میرے خدا! ہم نے اس کے لیے یہ زندگی تو نہیں سوچی تھی۔ ہم تو اسے دنیا کی خوش قسمت ترین بیٹی بنانا چاہتے تھے کہ جس پر دنیا کے سارے ماں باپ رشک کرتے۔۔۔ ایک مثال بنانا چاہتے تھے ہم۔۔۔"

"یہ مثال۔۔۔" اس کے ماتھے کے بال سنوارتے وہ سسک اٹھی۔

باہر کہیں زور سے بیرونی گیٹ کسی نے بند کیا۔ بشریٰ بری طرح اپنے خیالوں سے چونکی۔

"اس وقت باہر کون گیا ہوگا۔۔۔ یا کوئی آیا ہوگا۔۔۔ مگر کون؟ جس طرح عمران مثال کو لے کر آیا ہے' کہیں عدیل تو نہیں۔۔۔" وہ دہل کر رہ گئی۔

باہر سے باتوں کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔

بشریٰ ننگے پاؤں اٹھ کر باہر بھاگی لیکن پھر کچھ خیال آنے پر الٹے قدموں واپس آئی۔ مثال کو دیکھتی رہی کہ وہ گہری نیند میں ہے بھی یا نہیں' پھر آہستگی سے دروازہ بند کرکے باہر نکل گئی۔

"ہوں میرے خیال میں یہ معاملہ یوں لڑائی جھگڑے' ضد اور انا سے حل نہیں ہوگا۔ آپ دونوں فیملیز کو مل بیٹھ کر اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا ہوگا' ورنہ پولیس کیس بننے کے بعد اس کا فیصلہ ہو جانے تک آپ دونوں فیملیز کو ذہنی جسمانی اور مالی بہت سی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔" انسپکٹر کو ذکیہ ساری صورت حال بتا چکی تھیں۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہنا شروع کر دیا۔

"مگر انسپکٹر صاحب! یہ بات ان لوگوں کو کون سمجھائے۔ میری بیٹی جس کو بے وجہ طلاق دی۔ ان لوگوں نے قسم لے لیں مجھ سے' پورے چار دن سے اس کی حالت پاگلوں جیسی تھی۔ جس کی وجہ سے مجبور ہو کر عمران کو زبردستی بچی کو لے کر آنا پڑا ورنہ سچی بات ہے میں اور میرے دونوں بچے جتنے صلح جو اور۔۔۔" ذکیہ آنکھوں میں آنسو لیے عاجزی سے ابھی اپنے اور اپنے بچوں کے مزید فضائل گنوانا چاہتی تھیں کہ انسپکٹر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"ٹھیک ہے میں عدیل صاحب سے بات کرتا ہوں۔ انہیں سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں کہ اس طرح معاملہ سلجھنے کے بجائے مزید بگڑ جائے گا۔"

انسپکٹر سمجھ دار تھا یا وہ واقعی ان لوگوں کو صرف دھمکانے آیا تھا کہ دونوں فیملیز مذاکرات کی میز پر آ جائیں۔

"انسپکٹر صاحب! ہم نے تو دوہرا نقصان جھیلا ہے۔ بیٹی کا گھر بھی اجڑا اور اب یہ ظالم اس کی گود بھی اجاڑنا چاہتے ہیں۔" ذکیہ لہجے کو گلوگیر کرتے ہوئے بولیں۔

اور سچی بات ہے کہ اس وقت تو واقعی ذکیہ کا دل رنجور تھا کہ یک بیک ہی بیٹی کے یوں اجڑ کر گھر آ بیٹھنے کا صحیح معنوں میں دکھ ہو رہا تھا۔

اور جس دیوانگی سے وہ مثال کے لیے مری جا رہی تھی۔ ذکیہ' بشریٰ سے چھپ چھپ کر روتی رہتیں۔

"ٹھیک ہے۔ میں عدیل صاحب سے بات کرتا ہوں اور آپ لوگ مل بیٹھ کر اس مسئلہ کو حل کریں ورنہ نقصان دونوں خاندانوں کا ہے۔" انسپکٹر کہہ کر جانے لگا۔

تب ہی سامنے بشریٰ آ گئی۔۔۔۔ ننگے پاؤں' ننگے سر' اجاڑ صورت لیے آنکھوں میں تیرتا پانی اور چہرے پر آنسوؤں کے مٹے مٹے نشان۔

انسپکٹر کے۔۔۔ آگے بڑھتے قدم رک گئے۔

بشریٰ کو دیکھتا رہ گیا۔

وہ بشریٰ کے ماتھے پر ابھی بھی پٹی بندھی تھی۔ آنکھوں میں بے حد خوف لیے وہ سہم کر انسپکٹر کو دیکھنے لگی۔

"امی۔۔۔ امی یہ مثال کو لینے آئے ہیں' انہوں نے پولیس بھیجی ہے میری بچی کو لینے کے لیے۔" وہ بری طرح سے ڈر گئی تھی۔

"یہ میری بیٹی ہے انسپکٹر صاحب! دیکھیے اس کا حال' چار دنوں میں برسوں کی بیمار لگنے لگی ہے۔" ذکیہ اسے ساتھ لگا کر سسک کر بولیں۔

انسپکٹر نے خفیف سا سر ہلایا اور بغیر کچھ کہے باہر کی طرف بڑھ گیا۔

"امی! یہ کیوں آئے تھے یہاں؟" بشریٰ ابھی تک ڈری ہوئی تھی۔

"مثال کو لینے کے لیے ناں۔" وہ ماں کی خاموشی پر بے قراری سے بولی۔

"ہاں۔۔۔ میری بچی۔" ذکیہ آہ بھر کر بولیں۔

"نہیں۔۔۔ ہرگز نہیں' بالکل نہیں میں مثال کو کسی کو نہیں دوں گی امی۔ میں اسے لے کر کہیں دور چلی جاؤں گی کل ہی۔۔۔ میں اب یہاں نہیں رہوں گی۔ یہ لوگ مجھ سے میری بیٹی چھین لیں گے۔ میں جانتی ہوں اس عدیل کو۔۔۔ عمران! تم مجھے کہیں بھجوا دو۔۔۔ امی۔۔۔ جمال ماموں کے پاس دوہا میں۔۔۔ بھجوا دیں مجھے یا میں خود کہیں چلی جاتی ہوں۔ میں اب یہاں نہیں رہوں گی۔" وہ بالکل اپنے حواسوں میں نہیں لگ رہی تھی' بے ربط سا بولے جا رہی تھی۔

عمران اور ذکیہ ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔

"کوئی نہیں چھینے گا تم سے مثال کو اور تم اپنا گھر چھوڑ کر کہیں نہیں جاؤ گی۔" ذکیہ اسے چمکار کر بولیں۔

"اپنا گھر" بے اختیار ہی اس کے ہونٹ کپکپائے تھے۔ ذکیہ بھی نظریں چرا کر رہ گئیں۔

اس غریب کا اپنا گھر رہا کہاں تھا نہ یہاں نہ وہاں۔

ذکیہ کی تو خود بیٹی کے غم سے کمر ٹوٹنے لگی تھی۔ نڈھال سی ہو کر صوفے پر گر گئیں۔

عمران بھی تھکا ہوا ماں کے پاس بیٹھ گیا۔

"امی! بہت ہی گھٹیا لوگ نکلے یہ۔ حرکت دیکھیں ان کی مجھ پر اغوا کا الزام لگا دیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا' یہ اتنا بھی کر سکتے ہیں۔" وہ کوفت اور نفرت سے بولا۔

"ابھی بھی تم یہ نہیں سوچ سکتے۔ ان کی ذہنیت کو تم ابھی بھی نہیں جان سکے۔ اتنی بودی اور بے کار بات کو بنیاد بنا کر انہوں نے اپنے بیٹے کا بسا بسایا گھر اجاڑ دیا۔ وہ لوگ کسی بھی حد سے گزر سکتے ہیں۔" ذکیہ تلخی سے بولیں۔

بشریٰ ٹکر ٹکر دونوں کو دیکھے جا رہی تھی جیسے ان کی باتیں اس کی سمجھ میں نہ آ رہی ہوں۔

"امی! یہ انسپکٹر پھر تو نہیں آئے گا۔۔۔ مثال کو لینے۔" وہ بے یقینی سے ماں کا بازو ہلا کر پوچھ رہی تھی۔

ذکیہ دکھ سے اسے دیکھتی رہ گئیں۔

"امی! بتائیں ناں۔" وہ بالکل چھوٹی بچی لگ رہی تھی ذکیہ کو۔ ڈری سہمی خوف زدہ بے یقین سی۔

ذکیہ کو بے اختیار رونا آ گیا۔

"نہیں میری بیٹی۔۔۔ نہیں۔" وہ اسے ساتھ لگا کر رونے لگی۔ عمران دونوں کو پریشان نظروں سے دیکھنے لگا۔

☆ ☆ ☆

"یہ ناممکن ہے۔" عدیل انسپکٹر کی بات سنتے ہی بھڑک اٹھا۔

انسپکٹر نے اسے تیز نظروں سے دیکھا۔ اتنا تو اندازہ اسے ہو ہی گیا تھا۔ اس ایک گھر کے اجڑنے میں زیادہ قصور کس کا ہے۔

عدیل کی جذباتیت ان چند گھنٹوں میں اس پہ عیاں ہو گئی تھی۔

"تو پھر آپ دوسری صورت حال کے لیے تیار رہیں۔" انسپکٹر بے تاثر لہجے میں بولا۔ عدیل نے کچھ پریشان ہو کر اسے دیکھا۔

حالانکہ اسے قطعی امید تھی کہ انسپکٹر مثال کو ساتھ لے کر آئے گا مگر بشریٰ کے گھر سے آنے کے بعد وہ اسے سمجھانے لگا تھا۔

"واقعی یہ بشریٰ کی ماں ایک جادوگرنی ہے۔ امی ٹھیک کہتی ہیں بلکہ یہ بشریٰ بھی کیسے آدمی کو سحرزدہ کر دیتی ہے۔ تم میں کسی اور کے بارے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔" نئے سرے سے اس کے دل میں بشریٰ کے خلاف غصہ ابلنے لگا۔

اسے معلوم ہی نہیں تھا کہ یہ غصہ اب نارسائی اور پچھتاوے کا ہے، جو وقت کے ساتھ ساتھ اپنی اذیت بڑھاتا ہی چلا جائے گا۔

"کیا مطلب..... کیسی صورت حال؟"

"عدیل صاحب! اتنا قانون تو آپ بھی جانتے ہیں کہ اگر یہ معاملہ کورٹ میں چلا گیا تو پھر آپ کے لیے بہت مشکل ہو جائے گی۔"

انسپکٹر اسے واضح الفاظ میں سمجھانے کے بجائے اشارتاً بولا۔

"کیا ہو جائے گا پھر؟" وہ ہر بات کے لیے ذہنی طور پر تیار ہو چکا تھا۔

"بچی آپ کی سابقہ بیوی کو ہی ملے گی کیونکہ وہ ماں ہے 'ماں کا حق پہلے ہے دوسرے بچی ابھی چھوٹی ہے۔ اس کی بلوغت تک تو اسے ماں کے پاس ہی رہنا ہو گا اور شاید اس کے بعد بھی۔"

انسپکٹر طارق نرمی سے اسے سمجھانے لگا۔

"تو کیا باپ کا کوئی حق نہیں؟" وہ تلخی سے بولا۔

"قانون میں نے نہیں بنایا۔ اس لیے میں نہیں جانتا۔ ایسا کیوں کیا گیا ہے 'ایک باپ جو اپنی اولاد سے بہت محبت رکھتا ہو اس کے ساتھ قانون میں یہ زیادتی کیوں کی گئی۔ لیکن ظاہر ہے کچھ وجوہات ہوں گی جن کو ہم جذباتی انداز میں نظرانداز کرتے ہیں۔ سمجھنا نہیں چاہتے۔" وہ کندھے اچکا کر بولا۔

"کیسی وجوہات؟" عدیل اپنی تلخی 'اپنی جذباتیت چھپا نہیں پا رہا تھا۔ دوسرے اسے لگ رہا تھا کہ مثال اس سے ہمیشہ کے لیے چھن گئی ہے۔ انسپکٹر بھی بشریٰ کی ماں کے ساتھ مل گیا ہے اور اب اسے فضول باتیں سمجھانے کی کوشش کر رہا ہے۔

اس نے دل ہی دل میں اسی وکیل کے بارے میں سوچ لیا تھا جو اس کا بہت اچھا دوست بھی تھا اور شہر کا مانا ہوا قانونی ماہر بھی۔

"جتنی بھی فیس ہو میں اسے دوں گا مگر مثال کو حاصل کر کے رہوں گا۔" وہ دل میں پختہ عزم کر رہا تھا۔

"باپ کو روزگار کے لیے گھر سے باہر رہنا ہوتا ہے 'ایسے میں بچی یا بچے کی دیکھ بھال وہ کیسے کر سکتا ہے پھر کوئی بات تو اور بھی نازک ہوتے ہیں۔" انسپکٹر اپنے دھیان میں کہے جا رہا تھا۔ عدیل ناپسندیدہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"ان معاملات کو صرف مائیں ہی سمجھ سکتی ہیں اور سنبھال سکتی ہیں۔" انسپکٹر نے نرمی سے بات گویا ختم کر دی۔

"اچھا تو میں اپنی بیٹی اس عورت کے حوالے کر کے بیٹھ جاؤں جس کے بارے میں میں جانتا ہوں 'وہ میری بچی کا خیال نہیں رکھ سکتی جیسا میں رکھ سکتا ہوں نہ اس کی ویسی تربیت کر سکتی ہے جیسی میں چاہتا ہوں۔" عدیل کے بیا خیال... تڑوے پن سے بولا۔ "میں خاموش نہیں بیٹھ سکتا یوں ہار نہیں مان سکتا۔ ہتھیار نہیں ڈال سکتا۔" وہ کہتا چلا گیا۔

"اوہ تو یہ بات ہے۔" انسپکٹر چونک کر بولا۔

عدیل نے بھی انسپکٹر کی طرف دیکھا۔

"آپ کے نزدیک یہ صرف بچی کی کسٹڈی کا معاملہ نہیں 'آپ کی انا کی جیت 'آپ کی ضد کا معاملہ ہے اور آپ دونوں کی اس جذباتی لڑائی میں آپ کی بچی کی نفسیات کس بری طرح سے متاثر ہو رہی ہے۔ آپ کو کوئی پروا نہیں۔" انسپکٹر کو لمحہ بھر میں غصہ آ گیا تھا۔

"میں جانتا ہوں 'مجھے اپنی بچی کی کیسی تربیت کرنی ہے 'اس کے لیے اسے میری سرپرستی کی ضرورت ہے۔" عدیل ذرا سنبھل کر بولا۔

"تو ٹھیک ہے 'آپ خود یہ معاملہ حل کر لیں۔" انسپکٹر بے نیازی سے بولا۔

"کل دن کے وقت آیئے گا ہم آپ کا کیس فائل کریں گے۔ اس کے بعد قانونی کارروائی شروع ہو گی۔ اس کے مکمل ہونے میں کتنا عرصہ لگے گا اس کی ضمانت کسی کے پاس نہیں اور اس کے بعد یعنی اتنا روپیہ 'پیسہ 'انرجی اور وقت ضائع کرنے کے بعد بھی اگر بچی آپ قانوناً نہ حاصل کر سکے تو عدیل صاحب مجھے واقعی آپ کے ساتھ سخت ہمدردی ہو گی۔" عدیل اسے دیکھتا رہ گیا۔

"کیا کروں پھر میں؟" وہ بہت دیر بعد شکست خوردہ لہجے میں بولا۔ انسپکٹر اس کی طرف دیکھتا رہ گیا۔ ایک ٹوٹا ہوا شکست خوردہ انسان غصے نے جس کی زندگی اجاڑ کر رکھ دی ایک جلد باز فیصلے نے سب کچھ ختم کر دیا۔ انسپکٹر کو عدیل پر ترس آیا۔

"آپ یہ معاملہ مجھ پر چھوڑ دیں۔ کل شام میں میرے پاس آیئے گا۔ میں آپ کی ضرور مدد کروں گا یہ میرا وعدہ ہے آپ سے۔" انسپکٹر نے اسے تسلی دی تو وہ کچھ بول بھی نہ سکا۔ بس خاموشی سے سامنے اندھیرے میں دیکھتا رہا کہ اب یہ اندھیرے اس کی قسمت کا بھی حصہ تھے۔

☼ ☼ ☼

عدیل کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس خبر پر خوش ہو۔ ہنسے۔ روئے یا پھر دھاڑیں مارنے لگے۔

نسیم کا چہرہ خوشی اور جذبات کا عکاس بنا کھلا ہوا تھا۔ آنکھوں میں چمک ہونٹوں پر مسکراہٹ اور چہرے پہ فتح کا احساس۔

وہ عجیب سے احساسات سے دوچار ہو گیا۔

اسے لگا جیسے فوزیہ کی شادی کی خوش خبری نہیں سنی 'اس کے کندھوں پہ اس دنیا کا سب سے بھاری پہاڑ کسی چٹان کی طرح آ گرا ہے وہ بالکل غیر ارادی طور پہ ہولے ہولے اپنے کندھے دبانے لگا۔

نسیم بیٹے کو یوں گم صم دیکھ کر پریشان سی ہو گئیں۔ انہیں تو اندازہ ہی نہیں بلکہ یقین تھا کہ عدیل اتنی بڑی خبر سن کر اتنا خوش ہو گا کہ اسے شادی مرگ ہو جائے گا۔
مگر اس کی اتری ہوئی شکل اور یوں کندھے دبائے دیکھ کر نسیم واقعتاً پریشان سی ہو گئیں۔
"عدیل! میرے بچے! تم ٹھیک تو ہو ناں..... تمہیں خوشی نہیں ہوئی یہ سن کر کہ تمہاری بہن کی اتنی اچھی جگہ بغیر کسی الٹی سیدھی شرط شرائط کے جھٹ پٹ شادی طے پا گئی ہے وہ بھی اتنے شریف اور خاندانی لوگوں میں۔" بیٹے کی خیریت پوچھتے پوچھتے پھر اس خوش خبری کے زیر اثر آ گئیں۔
"ٹھیک ہوں میں امی۔ خوشی ہے مجھے یہ سب سن کر۔" وہ اتنا تھکا ہوا بولا جیسے میلوں میل دوڑ کر آیا ہو۔
نسیم اس کے لہجے پر چونک سی گئیں۔
"مثال کی وجہ سے پریشان ہے نا میرے بچے! جانتی ہوں تیری تو جان ہے اس ننھی پری میں۔ وہ ہے ہی اتنا ایسا تحفہ کہ میں خود کل سے یوں پورے گھر میں بولائی بولائی پھر رہی ہوں جیسے میرے ہاتھوں سے کوئی قیمتی چیز چھن گئی ہو۔"
باتیں بنانے کا اور ان میں الجھانے کا فن وہ بھی برمحل اس فن کو استعمال کرنا تو نسیم کو آتا ہی تھا مگر سامنے والے کی نبض پر ہاتھ رکھنے میں بھی وہ خوب طاق تھیں۔
"دل ایسا اداس اور پریشان سا ہے وہ ضدی بشریٰ اڑتی نہ تم سے یوں بدزبانی کرتی نہ یہ سارا معاملہ بگڑتا نہ مثال یوں تم سے..... مطلب ہم سے اپنے گھر سے بچھڑتی۔"
وہ آنکھوں کو دوپٹے کے پلو سے پونچھنے لگیں۔
عدیل بے تاثر چہرہ لیے بیٹھا رہا۔ وہ جو کچھ اب کہہ رہی تھیں۔ اس کا خیال تو اول شب ہی عدیل کے دل کو کچوکے لگانے لگا تھا۔
اسے اعتراف کرنے میں اقرار کرنے میں صرف ایک مردانگی کی جھجک آڑے آ رہی تھی ورنہ وہ ابھی ماں کے منہ پہ برملا کہہ دیتا کہ وہ بشریٰ کو طلاق دے کر پچھتا رہا ہے۔ وہ ماں کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونا چاہتا تھا۔ بچے کی طرح رو کر ماں سے ضد کرنا چاہتا تھا کہ کسی بھی طرح کوئی صورت نکال کر وہ اس کا من پسند کھلونا واپس لے آئے۔ نسیم تو کسی بھی طرح سے کوئی بھی حل نکالنے میں باکمال تھیں۔
مگر وہ ماں سے یہ سب بول نہیں سکا۔

"کہاں جا رہے ہو عدیل؟" اسے یوں بنا کچھ کہے اٹھ کر جاتے دیکھ کر نسیم کچھ بوکھلا سی گئیں۔
اس وقت انہیں عدیل کی مکمل تائید چاہیے تھی۔ اس کا یہ گم صم رویہ اور ڈھکی چھپی تائید!
جو بھی تھا۔ فوزیہ کی شادی کا سارا بار تو عدیل نے ہی اٹھانا تھا اور اب جو وہ ایسے ذہنی و قلبی بحران کا شکار تھا کیسے کھلے دل سے ہامی بھر سکتا تھا سوائے بڑے پیار اور طریقے سے اس طرف لے کر آنا تھا کہ اسے ذرا بھی نہ لگے اس کی ماں بہن مطلبی خودغرض اور بے حس ہیں۔

"امی! میں کمرے میں ہوں۔ کچھ دیر آرام کرنا چاہتا ہوں۔" وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولا۔
"میرے بچے! اکیلے کمرے میں جا کر کیا کرو گے اور دل برا کرو گے۔ وہ تو اپنا گھر یوں لات مار کر اجاڑ گئی کہ ایسی عورتوں کو صرف اپنی خواہشوں سے مطلب ہوتا ہے۔ پوری ہوتی رہیں تو وہ خوش نہ ہوں تو.....
"امی پلیز۔ میرے سر میں درد ہے کچھ دیر ریسٹ کروں گا۔" اب وہ بشریٰ کے بارے میں کچھ بھی سننا نہیں

چاہتا تھا۔ سن کر وہ کرتا بھی کیا کہ ان باتوں کا ماحصل تو بشریٰ کو یہاں سے ہمیشہ کے لیے دفعان کرنا تھا سو وہ ہو چکی تھی۔
"میرے بچے ادھر میرے پاس ہی لیٹ جا۔ میں تیرا سر دبا دیتی ہوں۔ فوزیہ! چائے کے ساتھ کوئی گولی لے آتی ہے۔ اکیلے کمرے میں جا کر اور دل برا ہو گا۔" وہ اس کو پیار سے بہلانے لگیں۔
"نہیں امی میں سونا چاہتا ہوں کچھ دیر۔" وہ جان چھڑانے کو بولا ورنہ وہ آج تک کبھی آفس سے آ کر بستر پر نہیں لیٹا تھا۔ شادی سے پہلے وہ فوزیہ اور نسیم سے گپ شپ کرتا تھا اور شادی کے بعد بشریٰ کے ساتھ کہیں نہ کہیں آؤٹنگ پہ یا شاپنگ پہ نکل جاتا تھا کیونکہ اسے شام کے وقت بستر پر پڑنا سخت ناپسند تھا۔
"پر عدیل..... مجھے بات کرنی تھی تم سے۔ وہ لوگ مہینے بھر کے اندر شادی کرنا چاہتے ہیں تو میں کیا جواب دوں انہیں؟" وہ پریشان ہو کر اصل مدعا پہ آ ہی گئیں۔
"امی! آپ ان سے کہہ دیں۔ جب چاہیں تاریخ رکھنے آ جائیں۔ ہماری طرف سے کچھ دیر نہیں ان شاء اللہ سب کچھ ہو جائے گا۔ آپ بھی فکر مند نہ ہوں۔" وہ کہہ کر لمحہ بھر کو بھی نہیں رکا کہ نسیم پھر سے اسے کسی بات میں نہ الجھا لیں۔
نسیم اسے ڈھیر ساری دعائیں دینا چاہتی تھیں اور دے بھی رہی تھیں مگر جانے کیوں عدیل کو پہلی بار اپنی ماں کی دعاؤں میں کسی دکان دار کی سی خصلت محسوس ہوئی جیسے کوئی پیشہ ور بھکاری زیادہ بھیک کے عوض ان گنت دعائیں دیتا ہی چلا جاتا ہے۔
"مجھے اپنی ماں کے بارے میں اتنے گھٹیا انداز میں نہیں سوچنا چاہیے۔" اس نے اپنی سرزنش کی۔
مگر دل..... یہ بے کل دل بہت ہی پریشان تھا۔
کچھ دیر میں انسپکٹر طارق نے ذکیہ اور بشریٰ سے بات کرنے کے بعد اس کی طرف آنا تھا کہ وہ دونوں مثال کا معاملہ کیسے حل کرنا چاہتی ہیں۔
اور نہ معلوم وہ صاف انکار کر دے کہ وہ مثال پہ باپ کا سایہ بھی نہیں پڑنے دینا چاہتی اور اتنا قانون تو وہ بھی جانتی ہو گی کہ بچے پر پہلا حق ماں کا ہے۔
وہ خالی کمرے کے بیچوں بیچ کھڑا یونہی سوچے جا رہا تھا۔
کمرے میں سب کچھ موجود تھا۔ اسی طرح سے جیسے وہ اس صبح چھوڑ کر گئے تھے جب وہ بشریٰ کو ذکیہ کی طرف عمران اور فوزیہ کے رشتے کی بات کرنے کے لیے چھوڑ کر گیا تھا۔
اوپر والا پورشن اسی طرح سامان سے سجا تھا اگرچہ سب طرف دھول اور مٹی تھی۔ بشریٰ کو معلوم تھا کہ عدیل کو صفائی سے عشق ہے اور جب وہ دونوں نیچے کمرے میں رہتے تھے تب بھی اور بعد میں اس پورشن میں آ کر بھی بشریٰ عدیل کے آنے سے پہلے صفائی اور خاص طور پر ڈسٹنگ کر کے رکھتی تھی۔
جب بھی عدیل گھر میں آتا اس کا جی خوش ہو جاتا تھا۔
صاف ستھرا چمکتا گھر، کچن سے آتی کھانوں کی خوشگوار خوشبوئیں اور بشریٰ کا بنا سنورا مہکتا وجود اور سب سے بڑھ کر ہنستی مسکراتی، چہکتی کودتی صاف ستھری اچھے لباس میں سلیقے سے بال بنائے پیاری سی مثال۔
اور اب صرف چار دنوں میں یہ پورشن کسی اجاڑ کھنڈر کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔
یوں ہی اس نے الماری کھولی۔ مثال اور بشریٰ کے کپڑے پریس شدہ ہینگرز میں لٹکے تھے۔

دوسری الماری میں عدیل کے سارے کپڑے ترتیب سے استری کیے ہوئے تہ بہ تہ پڑے تھے۔
نیچے جوتوں کے ریک میں اس کے سارے پالش شدہ چمکتے جوتے اور دراز میں دھلی ہوئی جرابوں کے جوڑے تہ بہ تہ ساتھ پڑے تھے۔
اسے یکدم خود سے بے تحاشا نفرت محسوس ہوئی۔
اتنا خیال رکھنے والی، اتنا پیار کرنے والی، گھر کو سنوارنے والی زندگی کو ڈسپلن کے تحت جیسا عدیل چاہتا تھا ویسی ہی شکل دینے والی بیوی کو اس نے کس طرح ایک لایعنی ضد میں آکر خود سے کاٹ پھینکا۔
کیا اس کی زندگی دوبارہ سے کبھی اس قرینے میں ڈھل سکے گی۔
اسے ایک نیا خیال ستایا۔
یہ سلیقہ، قرینہ جو اس کے لیے زندگی کا لازمی جزو ہے۔ اس کے بغیر وہ خوش نہیں رہ سکتا..... اور خوش تو وہ اب کبھی بھی نہیں رہ سکے گا۔ اتنا اسے اندازہ ہو چکا تھا۔
وہ تھکا ہوا ڈھول سے اٹی بیڈ شیٹ پر گر سا گیا۔
فوزیہ کی شادی کس طرح صرف چند دنوں میں طے ہو گئی جس کی وجہ سے اس نے ماں بہن کے کہنے میں آکر مشتعل ہو کر اس بات کو اپنی انا کا مسئلہ بنایا اور نتیجہ یہ اجاڑ کمرہ!
اس کا نقصان، اس کا خسارہ ناقابل تلافی تھا۔
بے اختیار اس کی آنکھیں بھر آئیں اور بہت دنوں بعد ایک دم سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اور روتا ہی چلا گیا۔
شاید وہ کچھ دیر اور روتا اگر اس کا سیل فون نہ بج اٹھتا۔ اس نے سیل پر آتا نمبر دیکھ کر بمشکل خود کو سنبھالا۔
انسپکٹر طارق کی کال تھی۔ وہ بشریٰ اور ذکیہ سے بات کر چکا تھا اور آدھے گھنٹے میں اسے آکر ملنے کو کہہ رہا تھا۔ اس نے ہامی بھر کر فون بند کر دیا۔
اگرچہ اس نے انسپکٹر سے پوچھا بھی کہ ان دونوں نے کیا کہا اسے جانے کیوں دھڑکا تھا کہ بشریٰ اب کبھی بھی مثال کو واپس نہیں کرے گی۔
وہ اب کبھی مثال کی شکل نہیں دیکھ سکے گا۔
جانے کیا اس کے جی میں آیا، اس نے بشریٰ کا نمبر ملا لیا۔
بشریٰ اپنا سیل فون، اپنا بیگ سب کچھ تو یہیں چھوڑ گئی تھی مگر اس نے یا عمران نے بعد میں اس کے فون کی سم نکلوالی تھی اس کا نمبر آن تھا۔
فون کی گھنٹی بجے جا رہی تھی، مگر کسی نے فون نہیں اٹھایا۔
اسے بھی عجیب ضد سی ہو گئی، وہ فون کرتا چلا گیا۔
آخر میں دوسری طرف سے سیل آف کر دیا گیا۔
اسے یوں لگا بشریٰ نے اس کے منہ پر طمانچہ مار دیا ہو بالکل غیر شعوری طور پر اس نے اپنے گال پر ہاتھ رکھ دیا۔
وہ اب مجھے کبھی مثال سے ملنے نہیں دے گی۔ اس کے دل کا یہ گمان پختہ ہو گیا۔
جو سلوک وہ بشریٰ کے ساتھ کر چکا تھا اس کے بعد وہ بھی رعایت کا مستحق نہیں تھا۔
وہ یوں ہی آنکھوں پر بازو رکھ کر لیٹ گیا۔

☼ ☼ ☼

"مما! آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں۔" واثق ماں کی بات سن کر ایک دم سے پریشان ہو گیا۔ عاصمہ اب اور بھی تیزی سے روٹیاں پکا رہی تھی۔
اس نے یوں ظاہر کیا جیسے اس نے واثق کی کوئی بات ہی نہ سنی ہو۔
"جاؤ اور جا کر چینج کرو، روٹیاں پک گئی ہیں، دیکھو جا کر دونوں نے کپڑے تبدیل کر لیے ہیں تو ان سے کہو، آکر تم میں دسترخوان بچھا کر۔" عاصمہ مصروف انداز میں کہتی چلی گئی۔ واثق یوں ہی کھڑا رہا۔
اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ ماں کو اب کس طرح اپنے سوال کا جواب دینے کے لیے آمادہ کرے۔
کشمکش میں ماں کو بجلی کی سی تیزی سے کام کرتے دیکھتا رہا۔
"واثق! کھڑے کیوں ہو۔ جاؤ ناں۔" وہ اسے یونہی کھڑے دیکھ کر اب کے ذرا سختی سی بولی۔
"مگر مما! مجھ سے تو علی نے کہا تھا کہ اس کے ماموں، آنٹی کا بالکل فارمل سا انٹرویو لیں گے اور آپ کو اپائنٹ کر لیں گے تو پھر انہوں نے کیوں نہیں جاب دی آپ کو؟" اس نے ماں کے سخت لہجے کو بھی نظرانداز کر کے بہت ٹھوس لہجے میں بولتے اپنا سابقہ سوال دہرایا تھا۔
عاصمہ کو جی بھر کر غصہ آیا۔ یہ چھوٹا سا لڑکا اکثر اسے کیسے لاجواب کر دیتا تھا۔ اس کا جی چاہا، واثق کو کس کر ایک تھپڑ لگائے۔
لیکن واثق جیسا بچہ تھپڑ سے بھی مطمئن ہونے والا نہیں تھا۔ عاصمہ جانتی تھی۔
"تم چینج کرو۔ کھانا کھاؤ تو پھر میں تمہیں سب بتاتی ہوں۔" اب ذرا طریقے سے اس کے سوالوں کا جواب مہیا کرنے کے سوا عاصمہ کے پاس اور کوئی انتخاب نہیں بچا تھا سو ذرا نرمی سے بولی۔
واثق نے ماں کے چہرے پر سچائی کو تلاش کیا کہ وہ اسے کتنا تشفی بخش جواب دے گی۔ مگر وہ کچھ زیادہ نہ جان سکا کہ تھا تو ابھی بچہ ہی۔ بہت زیادہ چہرہ شناسی اسے ابھی نہیں آتی تھی اگرچہ آج کل اس کا پسندیدہ مشغلہ ہی اس فن کو سیکھنا تھا۔
باپ اور دادا کی بے وقت موت نے اسے اس فن میں دلچسپی لینے پر مجبور کیا تھا۔ اس نے غور کیا تو اسے پتا چلا تھا کہ ان سے ملنے والے، ان سے ہمدردی کرنے والے زیادہ تر لوگ دل میں ان کے لیے ویسے ہمدردانہ جذبات نہیں رکھتے، جیسا وہ اپنے منہ سے اس کا اظہار کر رہے ہوتے ہیں۔
دوسرے لفظوں میں وہ یہ سمجھ گیا تھا کہ زیادہ تر لوگ دو چہروں والے بلکہ کئی چہروں والے ہوتے ہیں۔
اس لیے اسے بہت ہوشیار رہنا چاہیے۔
عاصمہ جلدی جلدی سالن نکالنے لگی، واثق سست قدموں سے اندر جا چکا تھا۔
"یہ بچہ بہت مشکل ہے اور اس سے جھوٹ بولنا بھی آسان نہیں۔ وہ علی کے ذریعے میرے کسی بھی ایسے ویسے جھوٹ کا پتا لگوا سکتا ہے جبکہ اس کا ماموں بہت خواہش مند ہے مجھے جاب دینے کے لیے۔" عاصمہ اب چولہے کے جلتے شعلوں کو دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔
ان شعلوں میں اسے یک دم ہی زبیر کا سادہ سا بے ریا چہرہ اور مکار آنکھیں نظر آئیں جن پر شروع دنوں میں اس نے بالکل بھی غور نہیں کیا تھا۔
اس چہرے کے ساتھ علی کے ماموں نعیم کا چہرہ ابھرنے لگا۔

ایسا چہرہ جس پر بہت ہمدردی محبت اور خوش اخلاقی تھی مگر اس کی آنکھوں میں ایسی بھوک تھی جس کی صرف اس سے تشفی نہیں ہو سکتی تھی اور شاید کبھی ہو بھی نہیں سکتی تھی۔

عاصمہ کے اندر سیٹ پر بیٹھتے ہی خطرے کی گھنٹی ٹن ٹن بج اٹھی تھی پھر بھی اس نے محتاط انداز میں اس شخص کے سرسری سوالوں کا جواب دیتے ہوئے تھوڑا مارجن نکالنے کی کوشش کی۔

"ہو سکتا ہے یہ میرا وہم ہو۔" اس نے پھر سے ہمت کر کے اس شخص کی آنکھوں میں دیکھنا چاہا۔

اس کی ریڑھ کی ہڈی میں وہی کرنٹ بھری لہر گزری کہ وہ کیا کہہ رہا تھا اس کی سماعتیں سن ہی نہ سکیں۔

ایک شاندار پرکشش تنخواہ کا پیکج!

ساتھ میں میڈیکل فری اور مہینے میں عام تعطیلات کے علاوہ دو چھٹیوں کی سہولت اور بوقت ضرورت ایڈوانس تنخواہ آدھی بھی مل سکتی تھی۔

عاصمہ جیسی ضرورت مند عورت کے لیے آئیڈیل جاب!

مگر اس کی آنکھیں! وہ سخت کشمکش میں مبتلا رہی۔ نعیم نے اس کی سی وی کی فائل عاصمہ کے آگے ذرا سی کی، عاصمہ نے غیر ارادی طور پر فائل اپنی طرف کرنے کے لیے ہاتھ فائل پر رکھا اور اس نے یونہی پین ہاتھ سے گرایا اور اٹھاتے ہوئے عاصمہ کے ہاتھ کو بہت نرمی سے دبا کر ایک دل فریب مسکراہٹ لبوں پر سجائی۔ عاصمہ کے لیے فیصلہ آسان ہو گیا۔

وہ سیٹ سے کھڑی ہو گئی۔ فائل وہ کھینچ چکی تھی۔

صاف انکار کرتے ہوئے اس نے اس شخص کی آنکھوں میں جو اضطراب اور بے چینی دیکھی، وہ متوقع تھی مگر اس سے بھی بڑھ کر وہ کھڑا ہو گیا۔

"اگر آپ کو تنخواہ کم لگ رہی ہے تو میں اس کو ڈبل بھی کر سکتا ہوں صرف علی کی وجہ سے اور آپ جس طرح ضرورت مند ہیں، مطلب اپنے بچوں کے لیے محنت کرتے ایک آبرومندانہ زندگی کی خواہش مند ہیں تو..." وہ اسے ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہتا تھا۔

سو ایک اور شاندار آفر کرتے ہوئے بولا۔

"نعیم صاحب! یہ میری خواہش تو ہے کہ میں ایک آبرومندانہ زندگی اپنے بچوں کے ساتھ گزار سکوں لیکن ایسا ہونا آسان نہیں اور یہ زمانہ یہ تو بالکل بھی ایسا نہیں چاہتا اور ہر خواہش پوری ہو آدمی کی۔ یہ بھی ممکن نہیں!" وہ سکون سے طنز کے تیر چلا کر بولی کہ اسے کسی بات کا خوف نہیں تھا اسے یہاں جاب نہیں کرنی تھی۔

"میں ہوں نا آپ کے ساتھ" آپ کی سب خواہشات میں پوری کر دوں گا وعدہ کرتا ہوں آپ سے۔ آپ بیٹھ کر بات تو کریں مجھ سے۔ بہت راستے ہیں۔" وہ سیٹ چھوڑ کر اس کے پاس آتے ہوئے بے قرار ہو گیا تھا۔

"جانتی ہوں۔ اندر آنے کے بہت سے راستے ہوں گے لیکن باہر جانے کا صرف ایک ہی راستہ ہے خدا حافظ۔" وہ کہہ کر اس کے قریب پہنچنے سے پہلے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔

وہ اسے پیچھے سے بلاتا رہ گیا۔

وہ طے کر چکی تھی کہ اسے مڑ کر نہیں دیکھنا۔

وہ واثق کو بہت واضح الفاظ میں تو نہیں مگر ڈھکے چھپے الفاظ میں سمجھا گئی کہ اسے صرف جاب نہیں چاہیے ایک عزت بھری زندگی بھی چاہیے جس میں تحفظ ہو اور سب سے بڑھ کر شرافت ہو۔

واثق کیا سمجھا کیا نہیں لیکن اس نے مزید کوئی سوال نہیں کیا، وہ واقعی ایک سمجھ دار بچہ تھا۔ عاصمہ نے خود فرض کیا اور اٹھ کر بچوں کی بکھری ہوئی چیزیں سمیٹنے لگی۔ اگرچہ دل سخت مضطرب اور بے قرار تھا کہ ابھی کتنا

کرائے دار نہیں آسکا تھا۔

حمیدہ خالہ اپنی بہن کے پاس ایک ماہ کے لیے کوئٹہ چلی گئی تھیں۔ ہاشم کی نوکری کا کوئی مسئلہ چل رہا تھا۔ وہ پریشان تھا اس لیے عاصمہ کا خود بھی جی نہیں تھا کہ وہ بھائی کو پریشان کرے مگر وہ اب کیا کرے گی۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"کیا؟" عدیل جیسے سنتے ہی سکتے میں آگیا۔

"میں نے سمجھایا ہے ان لوگوں کو۔ مگر۔" انسپکٹر کچھ بے بسی سے بولا۔

"تو ٹھیک ہے اگر وہ کورٹ میں جانا چاہتے ہیں تو یونہی سہی۔ میں یہ کیس لڑوں گا اور اپنی آخری سانسوں تک مجھے ہار نہیں ماننی۔ اپنی بیٹی کو حاصل کر کے رہوں گا۔" وہ سخت غصے اور اشتعال میں آگیا۔

وہ کیا کرتا۔ مثال میں جیسے اس کی جان اٹکی تھی۔ دو دن سے وہ اس کو دیکھ نہیں پایا تھا۔

وہ بیٹی جس کو وہ اپنی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیتا تھا۔ رات کو اپنے ساتھ ہی سلاتا تھا۔ وہ نانی کے گھر جاتی تو وہ آفس سے سیدھا اس سے ملنے پہنچ جاتا۔

اور اب پورے بائیس گھنٹوں سے وہ اسے نظر نہیں آئی تھی۔

"تم فکر نہیں کرو۔ میں نے بات کی ہے۔ سمجھانے کی کوشش بھی کی ہے۔ تمہاری سابقہ مسز تو کسی صورت بیٹی کو دینے کے لیے تیار نہیں مگر تمہاری ساس نے مجھ سے ٹائم لیا ہے کہ اس دوران۔ وہ بیٹی کو سمجھا لے گی تو ایک بار پھر بات کر لیں گے۔"

انسپکٹر نے عدیل کا غصہ دیکھ کر قدرے نرمی سے کہا۔

"میں جانتا ہوں! وہ نہیں مانے گی۔" عدیل کو بشریٰ پر اتنا شدید غصہ آرہا تھا کہ جی چاہ رہا تھا ابھی جا کر اس ضدی ہٹ دھرم عورت کا گلا دبا دے۔

"نہیں عدیل! ایسا نہیں ہے۔ میں نے تمہاری ساس کی باتوں میں کافی لچک محسوس کی ہے۔" انسپکٹر پر امید تھا۔

"کیا مطلب؟" عدیل اس کی بات پہ کچھ چونکا۔

انسپکٹر کچھ دیر خاموش رہا کہ عدیل کو اس بات کا کیا مطلب سمجھائے۔ اسے خود بھی امید کم تھی۔ مگر تھی۔

"جو بھی ہے وہ ماں ہے بشریٰ کی.... اس نے ان چار پانچ دنوں میں بہت کچھ سوچا تو ہو گا۔ اس لیے وہ کچھ ٹائم لے رہی ہے۔" وہ رک رک کر بولا۔

"یار! میں ابھی بھی نہیں سمجھا۔ کیا مطلب ہے اس بات کا۔" عدیل زچ ہو کر بولا۔

وہ تو بس جھٹ سے مثال کو دیکھ لینا چاہتا تھا۔ ایک بار اسے گلے سے لگا کر خوب پیار کرنا چاہتا تھا۔

وہ بیمار تھی جب اسے عمران یہاں سے لے کر گیا تھا۔ اب وہ کیسی تھی بہتر تھی یا ویسی ہی وہ دیکھنے کے لیے بے چین تھا۔

"یار دیکھو نا، ابھی تمہاری بچی بھی بہت چھوٹی ہے اور تمہاری۔ مسز سابقہ۔ ظاہر ہے اس کی ماں اسے ساری عمر گھر میں تو نہیں بٹھائے گی۔ اس کے دماغ میں بھی ان چار پانچ دنوں میں بہت کچھ چلا ہو گا۔ اس نے بیٹی کے مستقبل کے متعلق بہت کچھ سوچا ہو گا۔"

انسپکٹر طارق کی بات نے جیسے گردش کرتی کائنات روک دی۔ عدیل کا دل بھی جیسے تھم سا گیا۔

ایسی بات تو اس نے ان چار پانچ دنوں میں ایک لمحے کے لیے ایک ثا کے لیے بھی نہیں سوچی تھی۔
بشریٰ کسی اور کی۔ ناممکن۔
وہ عجیب سی نظروں سے انسپکٹر کو دیکھے گیا۔
"میرے دوست! یہ دنیا ہے اور یہاں زندگی گزارنے اور اسے چلتے رہنے کے لیے ان ہی سلسلوں کی ضرورت ہے اس کے بغیر یہاں سروائیو کرنا بہت مشکل ہے۔" وہ مبہم سی بات کر کے کھڑا ہو گیا۔
"انتظار کرو ان شاء اللہ بہت اچھا ہوگا جو بھی ہوگا۔" وہ اسے تسلی دے کر جانے لگا۔
"اور کتنا انتظار کرنا ہوگا مجھے۔ میں اپنی بیٹی سے ملنا چاہتا ہوں۔" وہ بے قرار ہو کر بولا۔
"صرف ایک دو دن ٹھہر جاؤ ان شاء اللہ کسی نہ کسی نتیجے پر ہم پہنچ جائیں گے۔ تھوڑا سا صبر کرنا ہوگا اور ریلیکس ہو جاؤ۔ خود کو اتنا نہ تھکاؤ تمہاری بیٹی تمہیں ہی ملے گی۔ اسے دنیا کی کوئی طاقت تم سے دور نہیں لے جا سکتی۔" وہ اس کا کندھا ۔ تھپتھپا کر اسے تسلی دیتا اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔
دونوں ایک ریسٹورنٹ میں ملے تھے۔ انسپکٹر طارق اجازت لے کر چلا گیا عدیل وہیں بیٹھا رہا۔ ایسا لگ رہا تھا اسے کہیں بھی نہیں جانا ہے۔
"گھر... گھر جا کر کیا کرتا... خالی گھر... خالی کمرے... خالی دل!"
وہ یونہی بیٹھا ارد گرد خوش گپیوں میں مصروف قہقہے لگاتے نہ تھکنے والی باتوں اور نہ رکنے والی گفتگو کرتے آتے جاتے لوگوں کو یک ٹک دیکھتا چلا جا رہا تھا۔
لوگ کیسے اتنا خوش رہ لیتے ہیں۔ ایک دوسرے کے ساتھ مضبوطی سے جڑے اور بندھے... ایسے رشتے جن کے ٹوٹنے کا خوف نہیں۔
صرف ایک ہفتہ قبل تک وہ بھی تو ان ہی لوگوں جیسا تھا ہنستا مسکراتا نہ تھکنے والی گفتگو کا حصہ بنا خوش باش خاندان کا حصہ...
ایک ضد... ذرا سی دیوانگی نے سب کچھ ختم کر ڈالا۔
اس کے ہاتھ کیا آیا۔ یہ سونا پن اور خالی زندگی... اور بشریٰ جب کسی اور کی ہو جائے گی۔ نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔
اسے لگا کسی نے اس کے دل پر گھونسا مارا ہے۔ بشریٰ کسی اور کی... ناممکن۔
مگر وہ طلاق کا دھبہ ماتھے پہ سجائے تاعمر تو بیٹھی نہیں رہ سکتی۔ ابھی پانچ ماہ پہلے تو اس نے بشریٰ اور مثال کے ساتھ مل کر اس کی انتیسویں سالگرہ منائی تھی اور وہ جتنی خوش لباس نازک اندام تھی۔ کہیں سے بھی پچیس چھبیس سے زیادہ کی نہیں لگتی تھی۔
"تو..." اس کا دل عجیب سے انداز میں دھڑکنے لگا۔ وہ تیزی سے اٹھ کر چلا گیا۔

☼ ☼ ☼

"نہیں امی... یہ ممکن نہیں۔ کسی بھی صورت نہیں۔ میں مر تو سکتی ہوں۔ مگر اس کے حوالے اپنی بیٹی نہیں کر سکتی۔" بشریٰ ضدی لہجے میں بچوں کی طرح زور سے سر ہلاتی کہتی چلی گئی۔
ذکیہ بے بس سی اس ضدی بیٹی کو دیکھتی چلی گئیں جس نے آج کل ماں کی ایک نہ ماننے کی قسم کھالی تھی گویا۔
"حوالے کرنے کو کون کہہ رہا ہے بشریٰ؟" ذکیہ نرمی سے بولیں۔
"کچھ بھی کہیں۔ یہ میرے لیے ممکن نہیں۔" وہ اسی ہٹ دھرم لہجے میں سر جھٹک کر بولی۔

"تم ابھی کچھ بھی نہیں سمجھ رہیں نہ سوچ رہی ہو۔" ذکیہ نے گہرا سانس لے کر قدرے مبہم انداز میں کہا۔
"کیا مطلب؟" ماں کے لہجے نے بشریٰ کو کچھ چونکایا۔
"کیا کرو گی اکیلی اس بچی کے ساتھ۔" وہ لحہ بھر خاموش رہ کر بولیں۔ بشریٰ نے چونک کر ماں کو دیکھا۔
وہ ذکیہ کی بات بالکل بھی نہیں سمجھی تھی۔
"امی! آپ کیا کہنا چاہتی ہیں آپ؟" وہ کافی دیر تک ذکیہ کے خاموش رہنے پہ بولی۔
"مثال ابھی چھوٹی ہے۔ اسے تمہاری اور باپ دونوں کی محبت بھی چاہیے اور توجہ بھی اور تم یہ تو مانو گی۔ مثال کو عدیل سے بڑھ کر نہ کوئی پیار دے سکتا ہے نہ توجہ اور نہ..." ذکیہ بشریٰ کی تیز نظروں سے خائف ہو کر ایک دم سے چپ کر گئیں۔
"اور نہ اسے آگے کیا کہنا چاہتی ہیں آپ۔" وہ تیکھے پن سے بولی۔
"جتنے مہنگے اسکول میں وہ پڑھ رہی ہے جتنے مہنگے وہ کپڑے، جوتے، کھلونے جن سے وہ کھیلتی ہے۔ فرمائش کرتی ہے۔ وہ سب صرف عدیل جیسا باپ ہی پوری کر سکتا ہے۔" ذکیہ نے رک رک کر بشریٰ پر کچھ صورت حال واضح کرنے کی کوشش کی۔
"امی!" بشریٰ پر تو جیسے صدمے کا پہاڑ ہی ٹوٹ پڑا "میری مثال۔ اس کا کھانا پینا۔ پہننا اوڑھنا۔ اس کا اسکول آپ پر ابھی سے بوجھ بن گیا۔ ابھی سے۔" اس کی موٹی موٹی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ اس کے آنسو بہتے ہی چلے گئے۔
"بشریٰ! میری بچی! میرا یہ مطلب نہیں ہے۔" ذکیہ اس کے آنسوؤں سے ایک دم گھبرا کر رہ گئیں۔
"بس امی... میں سب سمجھ گئی ہوں اور صاف بات ہے۔ پہلے بھی آپ کو میرے بسنے اجڑنے سے کوئی دلچسپی نہیں تھی آپ کو صرف بیٹے سے پیار ہے۔ اسی کو بچانے کے لیے آپ نے میرا گھر اجاڑ دیا۔ آپ فکر نہیں کریں میں مثال کو لے کر چلی جاؤں گی کچھ دنوں میں یہاں سے۔" وہ آنسو صاف کرتی غصے میں بولتی اٹھ کر چلی گئی۔
ذکیہ پریشان سی بیٹھی رہ گئیں۔

☼ ☼ ☼

"امی! بھائی کبھی نہیں مانے گا میں جانتی ہوں۔ اس مثال میں تو اس کی جان ہے۔" فوزیہ نے بڑے سوٹ کیس میں پڑے شادی کے لیے جمع کیے ہوئے سامان کو نکالتے ہوئے کہا۔
"ارے تو کیا ضرورت ہے خواہ مخواہ کا دم چھلا ساتھ لگانے کی اور وہ بالشت بھر کی لڑکی ماں جیسی ہوشیار ہے باپ کو عمر بھر مٹھی میں رکھے گی یہاں رہے گی۔ باپ کے پاس تو اسے کچھ اور سوچنے نہیں دے گی۔" نسیم زہر خند لہجے میں بولیں۔
اور یہ تو ان کی منشا کے عین مطابق ہو گیا تھا کہ عمران مثال کو زبردستی لے گیا تھا ورنہ عدیل خود سے تو اسے کبھی نہیں بھیجتا۔
"مگر امی! بھائی کو کیسے سمجھائیں گی؟" فوزیہ نے خود کو بہت صفائی سے اس سارے معاملے سے الگ کر لیا تھا۔
یوں بھی جب سے اس کی خالد سے فون پر بات ہوئی تھی وہ ایک بار ماں کے ساتھ گھر چکر بھی لگا گیا تھا۔
اگرچہ فوزیہ خالد کو دیکھتے ہی لمحے بھر کو بھڑکی تھی۔ ماں سے خفا بھی ہوئی تھی۔ خالد کا رنگ بھی پکا تھا اور عمر بھی دیکھنے میں اچھی خاصی لگ رہی تھی پھر سر پر بال نہ ہونے کے برابر۔
فوزیہ یہ تو جیسے سکتے میں چلی گئی۔

ہنستے ہوئے خالد کی پوری بتیسی بھی باہر آجاتی تھی اگرچہ قد و قامت کافی حد تک معقول تھا مگر یہ تین چار خامیاں ہی اس کا دل توڑنے کے لیے کم نہ تھیں۔

"امی۔۔۔ میں۔۔۔ خالد سے ملی ہیں آپ؟ اس کی عمر؟ اس کا پکا رنگ گنجا سر اور۔۔۔" وہ ان کے جاتے ہی روہانسی ہو کر بولی۔

اور نسیم نے فوزیہ کے ہونٹوں پہ زور سے انگلی رکھ دی تھی۔

"ایک لفظ منہ سے نہ نکالیو یہ اللہ نے تیرے لیے آخری موقع بھیجا ہے سمجھ معجزہ بنا کر ورنہ طلاق کے بعد اور اتنی عمر ہو جانے کے بعد سچ فوزیہ! میں تو دل چھوڑ بیٹھی تھی کہ اب میرے جیتے جی تو کہیں تیرے ہاتھ پیلے نہیں ہونے والے اور میں اپنے سوہنے رب کے صدقے جاؤں کیسے اس نے مجھ بیوہ بے کس کی سن لی۔ اب تو نے ایک حرف منہ سے نہیں نکالنا۔ بس شکر کر اپنے رب کا۔"

نسیم کا بروقت ٹوکنا فوزیہ کو بھی بہت کچھ جتا گیا۔

ہاں۔ طلاق بن جانے کے بعد کہاں ممکن تھا۔ اسے کوئی دوہاجو دو چار بال بچوں والا یا رنڈوا کے علاوہ کوئی رشتہ مل جاتا۔

خالد کی تو صرف عمر زیادہ تھی ذرا شکل کم تھی۔ رنگ پکا تھا بال کم تھے تو کیا ہوا۔ اس کے پاس درہم تھے۔ اچھا دل تھا اور خوب صورت احساس۔

اس کا اندازہ اسے فون پہ خالد سے بات کر کے ہوا۔

اور پھر وہ سب کچھ بھول گئی۔ صرف مہینے بھر میں ہونے والی رخصتی کے دن گننے لگی تھی۔

☆ ☆ ☆

"کل وہ تاریخ رکھنے آرہے ہیں اور ہمارے گھر میں کوئی تیاری ہی نہیں۔ دیکھو تو اس عدیل کو کچھ پتا ہی نہیں فکر نہیں کہ گھر بھی جانا ہے وہاں بھی کوئی کمبخت بیٹھا اس کا انتظار کر رہا ہے۔" نسیم جوڑے الٹ پلٹ کرتے ہوئے بڑبڑانے لگیں۔

"امی! مثال کو لے آئیں گے بھائی تو اچھا ہے آپ کے پاس دو سراہٹ ہو جائے گی۔" فوزیہ نے اشارتاً اپنی رخصتی کے بعد کی بات کی۔

"خاک دو سراہٹ ہو گی اور میرا سر درد بڑھ جائے گا۔ کون اس کو کھلائے پلائے گا۔ نہلائے دھلائے گا۔ اسکول بھیجنا تیار کرنا اور اللہ جانے کیا کیا سیاپے ہیں کون کرے گا۔ میری بوڑھی بیمار جان تو یہ سب کچھ نہیں کر سکتی۔" نسیم کے دل کے سارے اندیشے زبان پر آگئے۔

"پھر تیرے جانے کے بعد میں کیسے یہ سب کروں گی نہ بابا! اسے رہنے دو اس کی ماں کے پاس۔" وہ کانوں کو ہاتھ لگا کر بولیں۔

"پھر۔۔۔ عدیل کا رشتہ کرتے ہوئے یہ لڑکی رستے میں رکاوٹ بنے گی چلو طلاق کا معاملہ بندہ کچھ بھی کہہ کر ادھر ادھر کر سکتا ہے کہ بیوی صحیح نہیں تھی مگر اس مثال کی موجودگی میں لوگ ہچکچائیں گے رشتہ کرتے ہوئے۔" نسیم دور کی کوڑی لے کر آئیں۔ فوزیہ ماں کی شکل دیکھتی رہ گئی۔

"امی۔۔۔ آپ بھائی کی دوسری شادی کی بات کر رہی ہیں۔"

"ہاں تو پاگل! کیا اسے یوں ہی بٹھائے رکھوں گی اور میں نے تو بلقیس سے کہہ بھی دیا ہے کہ کوئی اچھا سا رشتہ ہاتھ میں رکھے بس آٹھ دس دنوں میں سلسلہ شروع کر دیں گے۔" وہ مزے سے بولیں تو فوزیہ ماں کو سمجھتے ہوئے بھی

...بس سی رہ گئی۔

"بلکہ میں تو کہتی ہوں تیری شادی سے پہلے اگر کہیں بات وات پکی ہو جائے۔ شادی مہینہ دو مہینہ میں ہو جائے تو کیا ہی اچھا ہے۔" وہ اور بھی جوش میں آئیں۔

"امی! اتنی جلدی۔" فوزیہ پریشان سی ہو گئی۔

"ہاں تو پگلی! میں اکیلی گھر کہاں چلا سکتی ہوں اب تیرے جانے کے بعد مجھے ہی تو یہ سب کچھ سوچنا ہو گا۔ اب اللہ رکھے میرا بچہ کوئی اکیلا تھوڑی رہے گا۔ میں تو ابھی اسے یوں اجڑا اجڑا دیکھ کر بمشکل اپنے دل کو سنبھالے ہوئے ہوں۔" نسیم بیٹے کی محبت میں تڑپ کر بولیں۔

"ہاں امی! بھائی کی طرف تو دیکھا نہیں جاتا۔ اتنے چپ چپ رہنے لگے ہیں کبھی کبھی تو مجھے دکھ ہوتا ہے اور تھوڑا پچھتاوا بھی۔ کیا تھا امی! آپ خوامخواہ یہ شرط نہ لگاتیں بھائی کا گھر تو بسا رہتا۔" فوزیہ کے خیالات میں بڑی جلدی تبدیلی آئی تھی۔

کیونکہ اس کی اپنی قسمت جو تبدیل ہونے جا رہی تھی کبھی تو وہ اس بشریٰ کا نام سننے کی روادار نہیں تھی اور اب اسے لگ رہا تھا کیا فرق پڑتا اگر وہ بیاہ کر چلی جاتی۔ بشریٰ عدیل کے ساتھ رہتی۔ ان کا گھر بنا رہتا اسے کچھ فرق تو نہیں پڑنا تھا۔

مگر یہ تو اب کی بات ہے۔۔۔ اب اور تب میں فرق تھا۔ جبکہ بشریٰ اور عدیل کی شادی ختم ہو چکی تھی۔ وہ بھی فوزیہ کی وجہ سے۔

"چھوڑ پرے۔ وہ اس قابل نہیں تھی کہ اسے عزت اور شان سے اس گھر میں بسایا جاتا۔ کمبخت سانس بھی وہاں کی مرضی سے لیتی تھی کہاں ٹکنا تھا اس نے۔۔۔ تیرے جاتے ہی وہ عدیل کو لے کر یہاں سے چلنے کی کرتی تو میں بڑھیا کیا بگاڑ لیتی اس کا۔"

نسیم بشریٰ کو قبول کرنے کے لیے تیار نہیں تھی اس صورت میں بھی نہیں جبکہ ایسا ہونا اب ممکن بھی نہیں تھا۔

"خیر چھوڑیں اس موضوع کو۔ کل کا کیا پروگرام ہے۔ آنٹی نے بتایا نہیں کتنے لوگ آئیں گے ان کے ساتھ؟" فوزیہ جلد اکتا گئی بھائی کے بور ٹاپک سے بات کا رخ اپنی طرف موڑنے کو بولی کہ آج کل اس کی دلچسپی

صرف اسی میں تھی۔

"زیادہ نہیں۔ ایک اس کی بہن' دوسری نند اور اس کا شوہر اور ایک شاید بیاہی بیٹی اور داماد ہو گا۔ بہت ہی رکھ رکھاؤ دار خیال کرنے والے لوگ ہیں' دھیمے اور سلجھے ہوئے۔ فوزیہ! تیری تو سمجھ اور لاٹری نکل آئی ہے۔" نسیم بیگم بہت خوش تھیں۔

فوزیہ دل ہی دل میں خوش ہونے لگی۔

"امی! بھائی ابھی تک نہیں آئے۔" اس کی نظر گھڑی پر پڑی تو تشویش سے بولی۔

"ہاں' اتنا وقت تو کبھی نہیں ہوا۔ فون ملا ذرا' اس بات کرتی ہوں۔ پتا نہیں شام سے اس نے کچھ کھایا بھی یا نہیں۔" نسیم فکر سے بولیں تو فوزیہ فون پر نمبر ملا کر کال ریسیو ہونے کا انتظار کرنے لگی' پھر مایوسی سے سیل ایک طرف رکھ دیا۔

"فون نہیں اٹھا رہے۔"

"راستے میں ہو گا' خیر سے آتا ہے تو کل کا پروگرام طے کرتی ہوں اس سے' کیا کیا کھانے میں ہوٹل سے آئے گا۔" نسیم اگلا پروگرام دل میں سوچے ہوئے تھیں۔

☼ ☼ ☼

"مما... مما... پاپا آئے ہیں۔" مثال' بشریٰ سے بال بنوا رہی تھی رات کے پہننے والے کپڑے وہ پہن چکی تھی۔

باہر لاؤنج کی طرف ماموں کے ساتھ کھیلنے جا رہی تھی کہ کھڑکی سے لپٹے پڑے سے دیکھتے ہوئے ایکدم سرخوشی کے عالم میں بولی۔

بشریٰ ایکدم سے ساکت رہ گئی۔

اسے لگا بالکل پہلے جیسے دن ہیں وہ کچھ دنوں کے لیے ماں کے گھر آئی ہے اور اب عدیل اسے اور مثال کو لینے کے لیے آیا ہے۔

وہ بے حس ہاتھ میں ہیئر برش لیے بیٹھی رہ گئی۔

مثال اچھلتی کودتی باہر جا چکی تھی۔

گیٹ کھلا تھا' عمران باہر کچھ لینے کے لیے گیا تھا۔ گیٹ ذرا سا کھلا تھا۔

عدیل گھر کی طرف جا رہا تھا کہ یہاں سے گیٹ کے آگے سے گزرتے ہوئے وہ بے اختیار بریک لگا بیٹھا۔

گیٹ کھلا دیکھا تو گاڑی باہر ہی کھڑی کر کے وہ کچھ جھجکتے ہوئے گھر کے اندر آ گیا۔

ابھی سوچ ہی رہا تھا کہ اندر جائے یا نہیں کہ مثال پاپا' پاپا پکارتے بھاگتی اس سے آ کر لپٹ گئی۔

اور اسے یوں لگا جیسے صحرا کے ایک لمبے سفر کے بعد اسے کسی ٹھنڈے نخلستان کے نیچے پناہ مل گئی۔

اس نے زور سے مثال کو اپنے ساتھ بھینچ لیا۔ آنکھیں بند کیے وہ بے اختیار رونے لگا۔

مثال بھی باپ کے ساتھ زور سے لپٹی تھی۔ جب عمران ہاتھ میں شاپر لیے اندر آیا۔

اندر کے منظر نے اس کے قدم جکڑ لیے۔

اس کے خون میں ابال سا اٹھنے لگا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھنے لگا تھا کہ اندر سے آتی ذکیہ نے وہیں سے صورت حال کا اندازہ کر لیا۔

"عمران! تم اندر آ جاؤ۔" وہ وہیں سے حکمیہ لہجے میں بولیں۔

عدیل اور مثال نے چونک کر انہیں دیکھا۔

تو انسپکٹر نے عدیل کو اچھی طرح سمجھا دیا تھا کہ اگر وہ خود سے مثال کو زبردستی لے کر آئے گا یا کچھ ایسا ویسا غیر قانونی کرے گا تو یہ حرکت اس کے کیس کو اور بھی کمزور کر دے گی اور اس کی بیٹی کو اور بھی اس سے دور لے جائے گی اس لیے ایسا کرنے کا تو اس کا ارادہ نہیں تھا۔

مگر بیٹی کو سامنے دیکھ کر سینے سے لگا کر اب خود سے الگ کرنا بھی اسے بہت مشکل لگ رہا تھا۔

"پاپا... آئیں نا اندر... مما اندر ہیں۔ اب مما بالکل ٹھیک ہیں۔ آپ ہمیں لینے کے لیے آئے ہیں نا۔" مثال باپ کا ہاتھ کھینچتے ہوئے اندر لے جانے لگی۔

عدیل نے اپنے قدم وہیں مضبوطی سے جما لیے۔ ذکیہ اور عمران بھی مثال کی بات پر نظریں چرا کر رہ گئے۔

کھڑکی میں کھڑی بشریٰ' مثال کو باپ سے لپٹے اس کے ساتھ لگے دیکھ کر نہ چاہتے ہوئے بھی روئے جا رہی تھی۔

آج اتنے دنوں بعد اس ستم گر کو سامنے دیکھ کر کیسے اس کا دل پانی بن کر بہے جا رہا تھا۔ حالانکہ اسے عدیل پر سخت غصہ تھا۔ نفرت ہو چکی تھی اس سے... مگر یوں اسے سامنے دیکھ کر وہ خود پر قابو نہیں رکھ سکی۔

"پاپا آئیں نا... ابھی جائیں' مما کے پاس چلتے ہیں۔" وہ باپ کو بے حس و حرکت کھڑے دیکھ کر کھینچتے ہوئے بولی۔

"نہیں بیٹا میں پھر کسی دن آؤں گا۔ ابھی مجھے ایک بہت ضروری کام سے جانا ہے' میں پھر آؤں گا۔" وہ ایکدم سے اس سے ہاتھ چھڑا کر بولا۔

مثال حیران سی باپ کی شکل دیکھنے لگی۔ اس نے کتنی آہستگی سے اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ جدا کیا تھا۔ اتنا اجنبی تو اسے اپنا باپ کبھی بھی نہیں لگا تھا۔

ذکیہ آگے بڑھ کر آ گئیں۔ انہوں نے مثال کو اپنے ساتھ لگا لیا۔

"چلو مثال! اندر چلو بیٹی! تمہارے پاپا بعد میں آئیں گے تم سے ملنے۔" وہ نرمی سے اسے ساتھ لگا کر بولیں۔

"مگر نانو! مجھے تو پاپا کے ساتھ جانا ہے۔" وہ کمزور سے ضدی لہجے میں بولی۔ وہ چند ہی دنوں میں بہت بڑی بڑی لگنے لگی تھی۔

"مثال میری جان! میں پھر آؤں گا آپ کو لینے۔ آپ ابھی ریسٹ کرو۔ میں چلتا ہوں۔" اسے مڑ کر پیار کرتے ہوئے وہ بمشکل خود پر قابو پا کر تیزی سے ادھ کھلے گیٹ سے باہر نکل گیا۔

مثال' باپ کی طرف دیکھتے ہوئے رونے لگی۔

"پاپا..." وہ بہت ہولے سے بولی تھی جیسے اونچی آواز میں چیخے گی تو سب اسے ڈانٹیں گے۔ وہ نانی کے ساتھ اندر جاتے ہوئے رو رہی تھی' مگر اب کے دل میں باپ کو پکار رہی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

رخسانہ نگار عدنان

عدیل اور فوزیہ نسیم بیگم کے بچے ہیں۔ بشریٰ ان کی بہو ہے اور ذکیہ بیگم کی بیٹی ہے۔ عمران بشریٰ کا بھائی ہے۔ مثال ذکیہ بیگم کی نواسی اور نسیم بیگم کی پوتی ہے۔ بشریٰ اور نسیم بیگم میں روایتی ساس بہو کا تعلق ہے۔ نسیم بیگم مصلحتاً بیٹا بہو سے لگاوٹ دکھاتی ہیں۔ دوسری طرف ذکیہ بیگم کا کہنا ہے۔ ان کی بیٹی بشریٰ کو سسرال میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ پانچ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد بشریٰ کی نند فوزیہ کا بالآخر ایک جگہ رشتہ طے پا جاتا ہے۔ نکاح والے روز بشریٰ دولہا ظہیر کو دیکھ کر چونک جاتی ہے۔

عدیل سے شادی سے قبل ظہیر کا بشریٰ کے لیے بھی رشتہ آیا تھا مگر بات نہ بن سکی تھی۔ نکاح والے دن زاہدہ اور ذکیہ بیگم بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔ بشریٰ اپنی ماں سے یہ بات چھپانے کے لیے کہتی ہے مگر عدیل کو پتا چل جاتا ہے۔ وہ ناراض ہوتا ہے مگر فوزیہ اور نسیم بیگم کو بتانے سے منع کر دیتا ہے۔ بشریٰ اور عدیل ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جاتے ہیں۔ وہاں انہیں پتا چلتا ہے کہ بشریٰ کے ہاں سات سال بعد پھر خوش خبری ہے۔

عفان اور عاصمہ اپنے تین بچوں اور والد کے ساتھ کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔ عفان کے والد فاروق صاحب سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ گریجویٹی اور گاؤں کی زمین فروخت کر کے وہ اپنا گھر خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ڈیڑھ کروڑ میں زمین کا سودا کر کے وہ عفان کے ساتھ خوشی خوشی شہر آ رہے ہیں۔

فون پر پتا چلتا ہے کہ شہر آتے ہوئے عفان اور فاروق صاحب ڈکیتی کی واردات میں قتل ہو گئے۔ عفان کے قریبی دوست زبیر کی مدد سے عاصمہ عفان کے آفس سے تین لاکھ روپے اور فاروق صاحب کی گریجویٹی سے سات لاکھ روپے وصول کر پاتی ہے۔ زبیر گھر خریدنے میں بھی عاصمہ کی مدد کر رہا ہے۔

اسلام آباد سے واپسی پر عدیل دونوں مقتولین کو دیکھتا ہے۔ زاہدہ، نسیم بیگم سے بیس لاکھ روپے سے مشروط فوزیہ کی رخصتی کی بات کرتی ہیں۔ وہ سب پریشان ہو جاتے ہیں۔ عدیل بشریٰ سے ذکیہ بیگم سے تین لاکھ روپے لانے کو کہتا ہے۔

حمیدہ خالہ، عاصمہ کو سمجھاتی ہیں کہ عدت میں زبیر کا اکیلے اس کے گھر آنا مناسب نہیں ہے۔ لوگ باتیں بنا رہے ہیں جبکہ عاصمہ کی مجبوری ہے کہ گھر میں کوئی مرد نہیں۔ اس کا بیٹا ابھی چھوٹا ہے اور سارے کام اس نے خود کرنے ہیں۔ وہ جلد از جلد اپنا گھر خریدنا چاہتی ہے۔ عاصمہ کے کہنے پر زبیر کسی مفتی سے فتویٰ لے کر آجاتا ہے کہ وہ انتہائی ضرورت کے پیش نظر گھر سے نکل سکتی ہے بشرطیکہ مغرب سے پہلے واپس گھر آجائے، سو وہ عاصمہ کو مکان دکھانے لے جاتا ہے۔

رقم مہیا نہ ہونے کی صورت میں فوزیہ کو طلاق ہو جاتی ہے۔ نسیم بیگم جذباتی ہو کر سوا اور اس کے گھر والوں کو مورد الزام ٹھہرانے لگتی ہیں۔ اسی بات پر عدیل اور بشریٰ کے درمیان خوب جھگڑا ہوتا ہے۔ عدیل طیش میں بشریٰ کو دھکا دیتا ہے۔ اس کا ابارشن ہو جاتا ہے۔ عدیل شرمندہ ہو کر معافی مانگتا ہے مگر وہ ہنوز ناراض رہتی ہے اور اسپتال سے اپنی ماں کے گھر چلی جاتی ہے۔

اسی اسپتال میں عدیل عاصمہ کو دیکھتا ہے جسے بے ہوشی کی حالت میں لایا گیا ہوتا ہے۔ عاصمہ زبیر کے ہاتھوں لٹ جانے پر خودکشی کی کوشش کرتی ہے تاہم بچ جاتی ہے۔ نو سال بعد عاصمہ کا بھائی ہاشم پریشان ہو کر پاکستان آجاتا ہے۔ عاصمہ کے سارے معاملات دیکھتے ہوئے ہاشم کو پتا چلتا ہے کہ زبیر نے ہر جگہ فراڈ کر کے اس کے سارے راستے بند کر دیے ہیں اور اب مفرور ہے۔ بہت کوششوں کے بعد ہاشم، عاصمہ کو ایک مکان دلا پاتا ہے۔ بشریٰ اپنی واپسی الگ گھر سے مشروط کر دیتی ہے۔ دوسری صورت میں وہ علیحدگی کے لیے تیار ہے۔ عدیل سخت پریشان ہے۔

عدیل مکان کا اوپر والا پورشن بشریٰ کے لیے سیٹ کروا دیتا ہے اور کچھ دنوں بعد بشریٰ کو مجبور کرتا ہے کہ وہ فوزیہ کے لیے عمران کا رشتہ لائے۔ نسیم بیگم اور عمران کسی طور نہیں مانتے۔ عدیل اپنی بات نہ مانے جانے پر بشریٰ سے جھگڑتا ہے۔ بشریٰ بھی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتی ہے۔ عدیل طیش میں بشریٰ کو طلاق دے دیتا ہے اور مثال کو چھین لیتا ہے۔ مثال بیمار پڑ جاتی ہے۔ بشریٰ بھی حواس کھو دیتی ہے۔ عمران بہن کی حالت دیکھ کر مثال کو عدیل سے چھین کر لے آتا ہے۔ عدیل، عمران پر اغوا کا پرچا کٹوا دیتا ہے۔

عاصمہ اسکول میں ملازمت کر لیتی ہے مگر گھریلو مسائل کی وجہ سے آئے دن چھٹیاں کرنے کی وجہ سے ملازمت چلی جاتی ہے۔ اچانک ہی فوزیہ کا کہیں رشتہ طے ہو جاتا ہے۔

بارہویں قسط

دلہن بنی فوزیہ پہ کمال کا روپ آیا تھا۔

یہ نسیم بیگم ہی کا خیال نہیں تھا بلکہ اس تقریب میں موجود سب ہی لوگوں کا خیال تھا۔ فوزیہ کے انگ انگ سے خوشی پھوٹ رہی تھی۔

ساتھ بیٹھا خالد نہ صرف جچ رہا تھا بلکہ ہر کسی نے ایک جیسی جوڑی کہہ کر خوب تعریفیں بھی کیں۔

نسیم کی خوشی کا بھی کچھ ٹھکانا نہیں تھا۔ یوں لگ رہا تھا جیسے صدیوں کا بوجھ کسی نے یک لخت ان کے کاندھوں سے اتار دیا ہو۔

''اے بہن! تمہاری بہو کہاں ہے؟ اپنے عدیل کی بیوی شادی کی کسی تقریب میں نہیں تھی۔ کیا لڑ بھڑ کر میکے جا بیٹھی ہے؟'' خالدہ بھابھی کی بہو اتنی معصوم تھی نہ سادہ اور خاندان میں پھیلی اس خبر سے یقیناً ''نا آشنا بھی نہیں ہو گی مگر کمبخت نے ایسے موقع پر ساری خوشی کا جیسے مزا ہی کرکرا کر دیا ہو پوچھ کر۔ نسیم نے پہلے تو یوں ظاہر کیا جیسے فضول بکواس انہوں نے سنی ہی نہیں مگر وہ بھی سوڈھیٹوں کی ایک تھی۔

''اے آپا... سنتیں نہیں، تمہاری بہو نہیں نظر آ رہی مجھے۔ کسی اور سے پوچھنا اچھا نہیں لگا۔ ہو جاتی ہیں گھروں میں سو باتیں پر ایسے موقع پر تو بہو کو موجود ہونا چاہیے۔'' شمسہ کی یہی عادت سارے خاندان کو بری لگتی تھی۔ وہ کسی بات کے پیچھے پڑ جاتی تو اس کے بخیے ادھیڑ دیتی تھی۔

''دیکھو تو اپنے عدیل کی طرف دیکھا نہیں جا رہا۔ کیسے اکیلا اکیلا لگ رہا ہے۔''

''ہاں تو بچھڑ گئی ہے گھر بسانے والے اس بشریٰ سے؟'' نسیم جیسے پھٹ کر بولیں۔

شمسہ تو یوں بھولی بن کر دیکھنے لگی جیسے کسی بہت بڑے انکشاف کی منتظر ہو۔

''شمسہ! میں صاف بولوں اتنی کم فہم تم بھی نہیں ہو، سن تو لی ہو گی اڑتی پڑتی کوئی ایسی بات... پر زخموں پر نمک چھڑکنے کا تو اس خاندان کو ہڑکا ہے۔'' نسیم اس پر الٹ پڑیں۔

''اللہ توبہ... توبہ... سو بار میری توبہ، میں نہ تین میں نہ تیرہ میں اور مجھے کون ایسی باتیں بتائے گا بھلا، جو میں نے کبھی دلچسپی لی ہو۔ ہمیشہ زندگی بھر ایک ہی اصول رہا ہے میرا۔ اپنے کام سے کام رکھو بابا!'' وہ خود کو خوب معصوم ظاہر کرنے پہ پورا زور لگانے لگی۔

نسیم بری طرح بے زار ہو گئیں۔ پیچھا چھڑانے کے لیے صاف کہہ دیا۔

''طلاق دے دی ہے عدیل نے اس کو۔ جینا دوبھر کر رکھا تھا اس نے میرے بچے کا۔ دن رات فرمائشیں ضدیں... ہر وقت ناک میں دم کیے رکھتی تھی۔ مرد بچہ تھا برداشت کی بھی ایک حد ہوتی ہے سو تین حرف بولے اور چلی پکڑ کر چلتا کیا۔'' نسیم نے یوں سینے پر ہاتھ رکھ کر چار لائنوں میں پوری کہانی کہہ دی جیسے عدیل نے بڑا مردوں والا کارنامہ انجام دیا ہو۔

''اوئی طلاق دے دی؟'' وہ صدمے سے سینے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔

''وہ بچ... بچ بے چارہ بچہ... کیسا اکیلا سا نظر آ رہا ہے اجڑا ہوا۔'' وہ جی بھر کے تڑپی اور ہمدردی لہجے میں سمو کر بولی۔

''اجڑیں اس کے دشمن۔ میرا بچہ گھر بار والا، ایسی اچھی نوکری گاڑی، گھر کیا نہیں میرے بچے کے پاس۔ لڑکیوں کا کوئی کال پڑ گیا ہے۔ ابھی اسی فنکشن میں دس ماؤں نے میرا پلو پکڑ کر صاف اپنی بیٹیوں کے رشتے میرے آگے ڈال دیے ہیں۔ پر اب کے تو میں کوئی دھوکا نہیں کھاؤں گی۔ اپنے بچے کے لیے خوب چھان پھٹک کر سودا کراؤں گی۔'' نسیم سینہ ٹھونک کر بولیں۔

شمسہ لمحہ بھر کو تو کھلے منہ کے ساتھ دیکھتی رہ گئی۔ کچھ بول ہی نہ سکی۔ نسیم نے طلاق کی بات سنا کر اسے افسوس

کرنے کا چانس بھی نہیں دیا تھا۔

عدیل کی نئی شادی کی بات شروع کر دی تھی۔

"ایک لڑکی بھی تھی نا عدیل کی اس بشریٰ سے؟" شمسہ کو اردگرد بھاگتے بچوں کو دیکھ کر کچھ یاد آیا۔

نسیم نے اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا۔

"کمبخت شکل سے ایسے ہی معصوم بنی کھڑی ہے جیسے میں اس کی بھتیجی عظمیٰ کو اپنے عدیل کے لیے مانگ ہی لوں گی نا!"

"ہاں ہے تو۔ وہ عدیل کے پاس ہی رہے گی بچی تو اسی کی ہے۔" وہ پھر سے اسی طرح سینہ چوڑا کر کے بولیں۔

"اچھا!" شمسہ کچھ خاموش سی ہو گئی۔

"کیوں کیا ہوا؟" نسیم کو اس کے اتنے مختصر "اچھا" سے کچھ وحشت سی ہوئی تو گھبرا کر پوچھنے لگیں۔

"آپا! برا نہیں ماننا۔ وہ جو تو ہو گیا نا تمہارا عدیل اب اگر تم پسند کی لڑکی ڈھونڈو گی تو یہ لڑکی دم چھلا ہو گی عدیل کا تو تمہارے خیال میں لوگ ہنسی خوشی دے دیں گے رشتہ۔" گنوں کی پوری تھی یہ شمسہ۔ جوبات نسیم کے دل میں کسی سنپولیے کی طرح کنڈلی مارے بیٹھی تھی کیسے اس نے کھٹاک سے کہہ دی۔ نسیم فوراً" تو جیسے کچھ بول ہی نہ سکیں۔

"میں تو کہوں آپا! اس لڑکی کو ماں کے حوالے کر دو سیدھا سیدھا۔ تم یا عدیل کیوں یہ مصیبت اٹھاؤ۔ ایک تو پالنے کا کشٹ پھر پڑھاؤ لکھاؤ۔۔ لڑکی ذات اس کی چوکیداری الگ سے' دوسرے عدیل کے رشتے کے رستے میں رکاوٹ پھر آخر میں بیاہنے کا مسئلہ۔ اپنی فوزیہ کو لے لو اچھے رشتے کی تلاش میں سمجھو دانتوں پسینہ آگیا۔ اب تم سوچ لو خوب اچھی طرح۔"

نسیم تو اس کی شکل ہی دیکھتی رہ گئیں۔

کیسے شمسہ نے دودھ کا دودھ پانی کا پانی کر کے رکھ دیا تھا۔

"بولو آپا نسیم! کیا میں نے غلط کہا؟" وہ نسیم کو بت بنا دیکھ کر فخریہ لہجے میں پوچھنے لگی۔

"اب یہ ساری باتیں میں اور تم تو سمجھ سکتے ہیں۔ عدیل کو کون سمجھائے گا۔ وہ تو اس بالشت بھر کی لڑکی کے لیے باؤلا ہوا جا رہا ہے۔ جیسی جادوگرنی ماں تھی' ویسی ہی بنی ہے اسے اور کچھ سوجھتا ہی نہیں۔ سمجھو مارے باندھے اس نے بہن کی شادی کے انتظامات کیے ہیں۔ ہر بات کو مجھے دس دس بار کہنا پڑا ہے۔ پھر بھی دس کام ادھورے رہ گئے۔ وہ تو اللہ نے کرم کیا فوزیہ کی ساس بلکہ سارا سسرال ہی ایسا اچھا اور مہربان ملا کہ آدھا ادھورا جہیز بھی انہوں نے ماتھے پہ شکن ڈالے بغیر قبول کر لیا۔ اب عدیل کو یوں چھوڑ تو نہیں سکتی نا میں!" نسیم کو تو جیسے سب کچھ کہنے کو کسی ہمدرد کا کاندھا مل گیا کہتی چلی گئیں۔

"لو اس عدیل کو کیا ہو گیا۔ اب دفتر جائے گا یا اس بچی کی دیکھ ریکھ کرے گا بلکہ میں تو کہوں آپا! یہ تمہاری سمدھن کی ہوشیاری ہو گی ساری۔" وہ قریب ہو کے یوں رازداری سے بولی جیسے سمدھن کا کوئی وہاں ضرور ہی موجود ہو گا۔

"کیا مطلب؟" نسیم جیسی گھاگ عورت کی عقل شمسہ کی ذہانت کے سامنے چوپٹ ہو گئی تھی جیسے!

"میری بھولی آپا! تمہاری سمدھن اپنی چھوکری کو سدا گھر میں بٹھا کر رکھے گی کیا؟" نسیم تو ٹکر ٹکر دیکھے گئیں۔ وہ واقعی شمسہ کا مطلب نہیں سمجھی تھیں۔

"آپا! وہ اس کی شادی عدت ختم ہوتے ہی فوراً" کرنے کی کوشش کرے گی' دوہا جو یا اس جیسے طلاق والے اسے بھی جلد یا بدیر مل ہی جائیں گے۔" شمسہ نسیم سے جڑ کر بیٹھ گئی۔

"ہاں ہنوارا تو ملنے سے رہا۔ کم عمر تو نہیں ہے بشریٰ۔ اوپر سے یوں ہی لڑکیوں کا سا بناؤ سنگھار کیے پھرتی ہے۔"

نسیم کو پھر خوامخواہ ہی بھر کر بشریٰ پر غصہ آیا۔

ایک دم انہیں لگا کہ وہ جس کام کو بہت آسان سمجھ رہی تھیں' وہ تو بہت کار دشوار ثابت ہونے والا ہے۔ عدیل کا دوسرا رشتہ تلاشنا آسان نہیں ہو گا اور اتنے دنوں تک گھر کی گاڑی کیسے چلے گی۔۔ کون چلائے گا' کیسے ہو گا

نسیم تو زمانے ہوئے کام کاج سے فارغ بیٹھی تھیں۔ کچھ فوزیہ نے سنبھال لیا تو کچھ بشریٰ نے۔ اب پھر سے نئے سرے سے لڑکی ڈھونڈنا خاندان کی چھان پھٹک۔۔ لڑکی کے چال چلن اور دس بکھیڑے۔

"یہ کیا پنگا لے لیا عدیل نے؟" نسیم کو آخر میں۔ عدیل پر ہی غصہ آیا۔

"ظاہر ہے اب دوسرا رشتہ بھلے کتنا ہی اچھا کیوں نہ ملے۔ وہ بھی بشریٰ کو ایک بچے کے ساتھ تو قبول نہیں کریں گے نا۔" شمسہ اپنی ہی راگنی چھیڑے ہوئے تھی۔

نسیم خالی نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گئیں۔ ساری خوشی اڑن چھو ہو گئی تھی۔

فوزیہ جا رہی تھی اور پورے گھر اور گھرداری کی ذمہ داری نسیم کے بوڑھے کندھوں پر آپڑی تھی۔

وہ تو سالوں سے صوفے اور بستر پر بیٹھی بس حکم چلا رہی تھیں یا کیڑے نکال رہی تھیں۔

"سو وہ تمہاری سمدھن تو یہی چاہے گی کہ بچی باپ کے پاس چلی جائے' پر آپا! میری مانو تو بالکل بھی یہ غلطی نہیں کرنا۔ ورنہ سر پکڑ کر روو گی۔" وہ نسیم کے پریشان چہرے سے قطع نظر بولے جا رہی تھی۔

"کیا مطلب۔۔ میں کیوں روؤں گی؟" نسیم جلے کٹے انداز میں بولیں۔

"تو تو کیا آنے والی آسانی سے اس بچی کو قبول کرلے گی۔ عدیل کی زندگی سیٹ ہونے سے پہلے ہی نئی مصیبتوں کا شکار ہو جائے گی۔" وہ سر جوڑے نسیم کے کانوں میں زہر گھولے جا رہی تھی۔

فوزیہ اسٹیج پر بیٹھی ماں کو یوں خود سے غافل دیکھ کر دل ہی دل میں کڑھ رہی تھی۔

"امی کو نظر نہیں آرہا کہ بیٹی داماد کے پاس آکر بیٹھیں' میری ساس اللہ میاں کی گائے کب سے آکر بیٹھی ہیں ان کو پہناؤنیوں کا زیور دکھانا ہے پر امی کو تو کوئی ہوش نہیں۔ اب وہ کس کے ذریعے ماں کو پیغام بھجوائے۔ کوئی اپنا قریبی نظر بھی تو نہیں آرہا تھا۔"

"کیوں جھوٹ بولا میں نے کچھ آپا!" شمسہ فخریہ انداز میں نسیم کو سارے زریں مشوروں سے نواز کر سر اٹھا کر بولی۔

"سب صحیح کہا تم نے مگر یہ عدیل کو کون سمجھائے۔" نسیم تو بس رو ہی دینے کو تھیں۔

"تم ماں ہو آپا! بہت کچھ کر سکتی ہو۔ میں نے تو یہ بھی سنا ہے عدیل نے بشریٰ کو طلاق تمہارے کہنے پر دی' جب ایک بار وہ اپنا گھر تمہارے کہنے پر اجاڑ سکتا ہے تو دوسری بار بسانے کے لیے تمہارے کہے پر کیوں نہیں عمل کر سکتا۔" اور نسیم کا جی چاہا اس شمسہ کا گلا ہی دبا دیں۔ منحوس کیسی بکواس کر رہی تھی مگر اس وقت اس سے بھڑنے کا موقع نہیں تھا۔

"ہاں دیکھو جو رب کو منظور' میں دیکھوں ذرا فوزیہ کی ساس بھی اسٹیج پر بیٹھی ہے۔" بالآخر نسیم کو رخصت ہو کر جانے والی بیٹی کا خیال آ ہی گیا۔

شمسہ سے جان چھڑا کر ست قدموں سے وہ اسٹیج کی طرف بڑھ گئیں۔ شمسہ اب دوسری عورت کے ساتھ بیٹھی فوزیہ اور خالد کی جوڑی پر کھلے عام تبصرے کر رہی تھی جن میں سے ایک بھی اگر نسیم سن لیتیں تو واقعی شمسہ کا گلا ہی دبا دیتیں۔

٭ ٭ ٭

"بس امی۔۔۔ بالکل بھی نہیں۔ میں ایسا مر کر بھی نہیں کر سکتی۔" بشریٰ نے جلدی سے مثال کو اپنے ساتھ پٹا لیا۔

"پاگل ہو گئی ہو تم اور مجھے بھی اپنے ساتھ پاگل کر دو گی۔ ایک جو میری بات تمہاری سمجھ میں آ رہی ہو۔ حد ہے کوئی کم عقلی کی بھی۔"

اتنے دنوں سے ذکیہ جو ضبط کے جاں گسل مرحلوں سے گزر رہی تھیں جیسے پھٹ ہی پڑیں۔

"اور تم جاؤ۔ باہر جا کر کھیلو۔ عمران آگیا ہے اس سے کہو تمہیں کسی پارک میں لے جائے۔ ہر وقت اسے ساتھ چپٹائے رکھتی ہو۔ بڑی ہو رہی ہے یہ۔ اب اس کو خود بھی کچھ کرنے دو۔" ذکیہ نے زور سے مثال کو کھینچ کر ماں سے الگ کیا۔

لمحہ بھر کو تو بشریٰ شاکڈ سی ماں کو دیکھتی رہ گئی۔ ماں کا رویہ بہت بدلا ہوا تھا۔

محسوس تو وہ اسی دن سے کر رہی تھی جب سے اسے ٹھیک سے ہوش آیا تھا مگر دو تین دن سے یہ بدلاؤ کچھ زیادہ ہی محسوس ہو رہا تھا مثال بھی ڈر کر نانی کو دیکھنے لگی۔ اس نے کچھ بے چارگی سے ماں کی طرف دیکھا۔ جیسے اس سے اجازت طلب کر رہی ہو کہ جائے یا نہیں۔

"سنا نہیں تم نے۔ جاؤ کھیلو جا کر باہر۔ مجھے تمہاری ماں سے کچھ بات کرنی ہے۔" ذکیہ اور بھی سختی سے بولیں تو مثال اور بھی ڈر گئی اس نے مڑ کر ماں کی طرف بھی نہیں دیکھا۔ آہستگی سے اٹھ کر باہر نکل گئی۔

"مثال رکو۔ آؤ میرے پاس۔" بشریٰ تو اسے ایک لمحہ کے لیے خود سے جدا نہیں کرتی تھی۔ جیسے ابھی عدیل کہیں سے آکر اسے چھین کر لے جائے گا۔

"آؤ ادھر باہر نہیں جانا تم نے۔" وہ مضطرب ہو کر بولی۔

"کوئی اس کو چھین کر نہیں لے جا رہا۔ نکال دو اس وہم کو اپنے دماغ سے۔۔۔ تمہارے پاس ہی ہے یہ۔" ذکیہ بے زار کوفت بھرے لہجے میں بولیں۔

بشریٰ نے عجیب سی نظروں سے ماں کو دیکھا۔

اس بے زاری اور کوفت میں کون سے اشارے تھے' جو بشریٰ کو سمجھ لینے چاہیے تھے۔

"تنگ آ گئی ہیں کیا آپ ہم دونوں سے؟" وہ دل گرفتی سے بولی۔

"تم سے نہیں تمہاری کم عقلی سے۔۔۔ نادانی سے۔" ذکیہ نے بھی بے لحاظی سے کہہ دیا۔

"کیا مطلب۔۔۔ میں نے کیا کیا ہے؟" بشریٰ نے دروازے کے باہر سے نظر آتے مثال کے سرخ فراک پر نظریں جما کر پوچھا۔

"عدیل۔۔۔ آیا تھا پھر۔" ذکیہ کچھ دیر بعد بہت سوچ سمجھ کر بولیں۔

"تو میں کیا کروں؟" بشریٰ کا چہرہ ایک دم سے جیسے پتھر کا بن گیا۔

"وہ مثال کو کچھ دن کے لیے اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہے۔" ذکیہ بہت ٹھہرے ہوئے لہجے میں بات کر رہی تھیں۔

"میں یہ مر کر بھی نہیں ہونے دوں گی۔" بشریٰ بے لچک لہجے میں بولی۔

"باپ ہے وہ اس کا۔ جیسے تم اس کی ماں ہو۔ تمہارا حق ہے مثال کو پاس رکھنے کا تو اس کا بھی حق ہے۔" ذکیہ نپے تلے انداز میں کہہ رہی تھیں۔ جیسے وہ دل میں بہت کچھ طے کر چکی ہوں۔

بشریٰ کو ان کے چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کچھ خوف سا آیا۔

"امی! وہ باپ ہوتا اسے اپنی ذمہ داری جو اللہ نے اس پہ ایک بیٹی کی شکل میں ڈالی ہے اس کا احساس ہوتا تو وہ مجھے اور اسے اپنی زندگی سے کاٹ پھینکنے سے پہلے سوچتا۔"

بشریٰ کو احساس ہو رہا تھا کہ ذکیہ آج اس معاملے کو ٹھکانے لگانا چاہتی ہیں تو وہ بھی اس پر بات کرے گی پیچھے نہیں ہٹے گی۔

"ہو گیا جو اس سے ہونا تھا غصے میں۔۔۔ ماں بہن نے جتنی اسے آگ لگا رکھی تھی اور یہ بھی سچ ہے کہ کمان سے نکلا تیر واپس کمان میں نہیں آسکتا۔" ذکیہ جیسے عدیل کو رعایتی نمبروں سے پاس کرنے کا ارادہ کر چکی تھیں۔

"تو۔۔۔؟" بشریٰ تنک کر بولی۔

"آگے کا سوچو اب۔" ذکیہ معنی خیزی سے بولیں۔

"آگے کا ہی تو سوچ رہی ہوں۔ اب مجھے صرف اپنی بیٹی کے لیے جینا ہے' اسے پالنا ہے اور اس کی اچھی تعلیم اور تربیت پر دھیان دینا ہے۔ یہ کبھی عدیل کے پاس جائے اور کبھی میرے پاس آکر رہے اور اس کی نفسیات تقسیم ہو کر رہ جائے۔ میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔ میں فیصلہ کر چکی ہوں۔" بشریٰ نے بے دھڑک اپنی پلاننگ ماں کو سنا دی۔ ذکیہ کا جی چاہا اسے خوب کھری کھری سنا دیں مگر اس کھری کھری کا کیا نتیجہ نکل سکتا ہے۔ اس خیال نے انہیں روک دیا۔

"فوزیہ کی شادی ہو گئی ہے۔" وہ کچھ دیر بعد بولیں۔ بشریٰ نے غصے سے ماں کی طرف دیکھا۔

اس کی پلاننگ کا یہ بھونڈا سا جواب ماں نے کیا اسے بتانے کے لیے دیا ہے۔

"اس منحوس نے دفع تو ہو ہی جانا تھا ایک دن۔ میری بچی کا گھر تو نہ خراب کرتی۔" ذکیہ نفرت سے منہ میں بڑبڑائیں۔ بشریٰ نے کھڑکی سے باہر دیکھنا شروع کر دیا۔

باہر خزاں شروع ہو چکی تھی۔ درختوں کے ہرے پتے پیلے پڑتے جا رہے تھے۔ ہر طرف ایک اداسی' ایک گہرا سناٹا۔ ادھر ادھر بھٹکتی ہوائیں جب اس کے کمرے کی کھڑکی آکر بجاتیں تو اسے اپنے بیڈ روم کی وہ کھڑکی یاد آنے لگتی جس کے پیچھے امرود کا پیڑ تھا' جس کے پتے ایسی ہوا کے ساتھ کچھ ایسے شور مچاتے جیسے تالیاں بجا رہے ہوں۔

ہاں وہ دن تو ایسے ہی تھے جو اس نے عدیل کے ساتھ گزارے کہ ہر طرف خوشیاں تھیں۔ رنگ تھے اور۔۔۔

"تم سن رہی ہو' میں کیا کہہ رہی ہوں۔" ذکیہ اسے یک ٹک باہر دیکھتے رہنے پر کچھ جھنجلا کر بولیں۔

بشریٰ خالی خالی نظروں سے ماں کو دیکھ کر رہ گئی۔

"کیا کہہ رہی ہیں؟" وہ تھکے ہوئے انداز میں بولی۔

ذکیہ کو لمحہ بھر کے لیے اس کی شکل دیکھ کر بہت ترس آیا۔ جی تو چاہا کہ جو کچھ وہ کہنے جا رہی ہیں اسے ابھی کچھ دنوں بعد کے لیے اٹھا رکھیں مگر وہ عمران کا بے زار رویہ بھی دیکھ رہی تھیں۔

اس سے پہلے کہ عمران کا یہ رویہ بشریٰ پہ کھلے' وہ بہت گہرائی سے کچھ محسوس کرے یا عمران ہی کچھ ایسا کہہ دے۔

"نہیں۔۔۔ یہ بھرم تو ابھی قائم رہنا چاہیے۔ کم از کم بشریٰ کی زندگی نئے سرے سے جب تک سیٹ نہیں ہو جاتی۔" ذکیہ نے دل میں عزم کیا۔ عمران کی چلتی بات بھی رک گئی تھی۔ اس کی بے زاری کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔

ابھی بہت کچھ نئے سرے سے شروع کرنا تھا۔ ذکیہ یک دم ہی خود کو بوڑھا محسوس کرنے لگیں۔

"مشال کو کچھ دنوں کے لیے باپ کے پاس بھیج دو۔" ایک گہرا سانس لے کر بدقت وہ بات زبان پر لے آئی جو بہت دنوں سے دل کے اندر رکھے جارہی تھیں۔

"ہرگز نہیں، کبھی نہیں۔" وہ تڑپ کر بولی۔

"بات سن لو پہلے میری پوری۔" وہ سختی سے بولیں۔

"امی! کچھ نہیں سنوں گی میں۔" وہ قطعیت سے بولی۔

"مشال کی شکل دیکھی ہے تم نے؟" ذکیہ نے دل گیری سے کہا۔

بشریٰ ایک دم سے کچھ بول نہیں سکی۔

"کیا ہوا ہے اسے۔۔۔ وہ ٹھیک ہے۔ خوش ہے۔" وہ کچھ بجھے ہوئے لہجے میں بولی۔

"کیا خوشی اسی کو کہتے ہیں؟ ٹھیک ہوتا یہ ہوتا ہے، بچی سرسوں کا پھول بنی ہوئی ہے۔ کملائی ہوئی، مرجھائی ہوئی۔ چھوٹی سی بچی اور اس کا چہرہ دیکھو، جیسے اسے ہنسے ہوئے زمانے گزر گئے ہوں۔" ذکیہ آنکھوں میں نمی بھر کر بولیں۔

"امی!" بشریٰ کے ہونٹ کانپے اس نے منہ دوسری طرف پھیرلیا۔

"ابھی کچھ دن لگیں گے اسے سب کچھ سمجھنے میں۔ سیٹ ہونے میں۔" وہ ذرا دیر بعد جیسے خود کو ڈھارس دیتے ہوئے بولی۔

"اور کتنے دن۔۔۔ بشریٰ! عقل کو ہاتھ مار بیٹا! وہ بچی تم دونوں کے ساتھ بہت ہلی ہوئی ہے۔ وہ تم دونوں کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ سوچ ذرا۔" ذکیہ دہائی دے کر بولیں۔

"لیکن امی! اب اسے رہنا ہوگا۔" بشریٰ خود کو جیسے مضبوط کرتے ہوئے قطعی لہجے میں بولی۔

"تم دونوں کی غلطی کی سزا اس ننھی جان کو ابھی سے کیوں دے رہی ہو تم۔" ذکیہ جتانے والے انداز میں بولیں۔

"ہم دونوں کی غلطی؟" وہ ماں کی غلطی پکڑ کر بولی۔

"میری کیا غلطی ہے کہ میں چپ چاپ آپ کی دی ہوئی مٹھائی کا ٹوکرا پکڑ کر ان کے پاس چلی گئی، جو آپ نے مجھے کہا۔ وہی جا کر بول دیا۔ یہ ہے میری غلطی؟" وہ اس دن کا وہ تلخ ترین منظر دہرا کر بولی جسے سوچتے ہوئے بھی اس کی آنکھوں میں کرچیاں چبھنے لگتی تھیں۔

اس نے پھر سے منہ دوسری طرف کرلیا۔

"جو ہوا سو ہوا۔ اب اس کو جتنا کھینچیں گے تکلیف ہی بڑھے گی۔" ذکیہ بات نپٹانے کے موڈ میں تھیں۔

"صرف میری تکلیف۔" بشریٰ اضطراب سے بولی۔

"اتنی خود غرض مت بنو۔" ذکیہ سے برداشت نہیں ہوا۔

"پہلے دن سے میں، تمہارا بھائی تمہارے ساتھ ہیں۔ دن رات کا سارا آرام سکون چین سب تمہاری ایک آنکھ کے اشارے سے جڑا ہے۔ تم روتی ہو ہم روتے ہیں۔ تم مسکراتی ہو تو ہمیں چین کا سانس آتا ہے۔" ذکیہ بہت کچھ اسے گنوا کر بولیں۔

"امی! اب میری سمجھ میں آرہا ہے۔۔۔ کہ عورتیں گھر والوں کے ہوتے ہوئے بھی دارالامان کیوں جاتی ہیں۔" وہ اذیت پسندی سے بولی۔

"بشریٰ!" ذکیہ کو تو جیسے کسی نے پتھر کھینچ کر مار دیا۔ "یہ سمجھتی ہو تم؟" وہ دکھ کے گہرے سمندر میں اتر گئیں۔

"امی! میں مشال کو اس شخص کے پاس اس گھر میں نہیں بھیجوں گی۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔ اب کوئی مجھے مجبور نہیں کرے گا۔ میں عدت گزاروں گی یہاں۔ اس کے بعد میں کچھ نہ کچھ سوچ لوں گی۔ آپ دونوں پہ بوجھ

نہیں بنوں گی۔" وہ بے لچک لہجے میں کہہ کر اٹھی اور باہر نکل گئی۔

ذکیہ سر پکڑ کر بیٹھ گئیں۔

"اس لڑکی کو میں اب کیسے سمجھاؤں اور کب تک میں اسے یہاں بٹھا سکوں گی۔ میری زندگی کا کیا پتا اور یہ عمران۔ یہ میرا لحاظ نہیں کرتا۔ موڈ ہو تو ٹھیک ورنہ تو کون میں کون۔۔۔ اور یہ بشریٰ۔۔۔" انہیں بہت کچھ سوچتا تھا اور دماغ تو جیسے ماؤف ہوتا جارہا تھا۔ اس بشریٰ کو کون سمجھائے۔ میں تو ہار گئی اس کے آگے۔

ہاں وہ انسپکٹر طارق بھلا شخص ہے۔ وہ اگر اس کو مشال کو عدیل کو دینے کی دھمکی دے تو۔۔۔ شاید۔ انہیں راہ سجھائی دی تو وہ سوچنے لگیں۔

☼ ☼ ☼
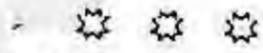
گھر میں ایک دم سے گمبھیر سناٹا چھا گیا تھا۔ سب مہمان ایک ایک کر کے چلے گئے تھے۔

اور نسیم جو سوچتی تھیں، جس رات فوزیہ کو رخصت کریں گی۔ اس رات وہ خوب مزے سے سوئیں گی۔ سکون جیسا انہیں اس رات نصیب ہوگا، ویسا سکون انہیں کسی اور بات سے نہیں مل سکتا۔

مگر اب تو انہیں گھر کی طرف دیکھ کر خوف سا آرہا تھا۔ پورا گھر بھائیں بھائیں کر رہا تھا۔

سارا فنکشن ہوٹل میں تھا۔ گھر ان چھوا اسی طرح صاف ستھرا پڑا تھا، جیسے دوپہر کو فوزیہ پارلر جانے سے پہلے اپنی نگرانی میں صاف کروا کے گئی تھی۔

"یہ عدیل کہاں رہ گیا۔" دونوں ہاتھوں سے پنڈلیوں کو دباتے ہوئے انہوں نے کوفت سے سوچا۔

"ایسا گم تم بدھ بنا پھرتا رہا ساری شادی میں، سب ہی نے پوچھا سبھوں نے سوال کیے اب میں اس سے کچھ کہوں گی تو بھڑک اٹھے گا اس ذرا سی چھوکری کے غم میں پاگل ہوا جارہا ہے۔"

وہ کڑھ کر سوچتی چلی گئیں۔

پھر کچھ سوچ کر فون اٹھا کر بمشکل عدیل کا نمبر نکال کر ملانے لگی تھیں کہ گھر کا گیٹ کھلنے کی آواز آئی۔ فون رکھ کر وہ اس کا انتظار کرنے لگیں۔

"میں بس وہ ہوٹل والوں کا کچھ حساب رہ گیا تھا۔ وہی کلیئر کرنے میں کچھ ٹائم لگ گیا۔" وہ بے حد تھکا ہوا سنجیدہ اور بہت اجنبی سا لگ رہا تھا۔ نسیم بیگم جو بہت کچھ سوچے ہوئے تھیں کہ عدیل کو خوب سنائیں گی کہ آج اس بشریٰ کی وجہ سے کیسے کیسے انہیں خاندان بھر کی باتیں سننا پڑیں، مگر عدیل کو اتنا سنجیدہ دیکھ کر کچھ ایسا بول ہی نہ سکیں۔

"تھک گئے ہو بہت۔" وہ یہی کہہ سکیں۔

"ہاں" وہ کسی گہری سوچ میں گم تھا۔

"آجاتی مشال بھی۔ وہ بشریٰ سے بھیج دیتی تو وہ پھوپھی کی شادی تو دیکھ لیتی۔ فوزیہ آخری لمحے بھی جاتے ہوئے مشال کی راہ دیکھتی رہی۔" صرف عدیل کے مزاج کا درجہ بھانپنے کے لیے انہوں نے اس طرح مشال کا ذکر چھیڑا۔

عدیل کچھ نہیں بولا۔

دونوں بالکل خاموش تھے۔

نسیم بیگم کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اب کیا بات کریں جس سے عدیل کا مزاج کچھ کھلے اور عدیل کے پاس تو جیسے کوئی بات ہی نہ رہی تھی کرنے کو۔ "وہ سلمیٰ کی دونوں بیٹیوں کو دیکھا تم نے لگتا ہی نہیں اتنے سال کینیڈا میں رہ کر آئی ہیں وہ لڑکیاں۔" نسیم نے موضوع کے لیے راہ ہموار کی۔

"امی! آپ کو کچھ چاہیے تو نہیں۔ میں تھک گیا ہوں کافی، سونے جارہا ہوں۔" اس نے جیسے نسیم کی بات سنی

ہی نہیں۔ اکھڑے ہوئے لہجے میں بولا۔

"نہیں۔ ہاں پانی کا گلاس لادو روز تو فوزیہ رکھتی تھی ابھی سوچا بھی تھا کہ خود جا کر لے کر آتی ہوں' پھر بھول گئی۔" لہجے میں مسکینی سمو کر نسیم کہنے لگیں مگر عدیل اس سے پہلے ہی پانی لینے جا چکا تھا۔

گلاس نسیم کے سرہانے رکھ کر وہ کچھ کہے بغیر مڑ کر جانے لگا۔

"عدیل!" نسیم کو اکیلے پن سے عجیب سی گھبراہٹ ہو رہی تھی۔

"میں تو کہتی ہوں کل کسی طرح جا کر مثال کو لے آؤ مجھ سے تو گھر کا سونا پن دیکھا نہیں جا رہا۔" وہ لہجے میں نمی سی لیے ہوئے بولیں۔

عدیل نے پہلے عجیب سی نظروں سے ماں کو دیکھا پھر کچھ بھی جواب دیے بغیر خاموشی سے چلا گیا۔

"اب کیا ہوگا۔ یہ لڑکا تو بہت عجیب سا ہو گیا۔ مجھے تو اندازہ نہیں تھا کیسے یہ کھلے گا۔ اس کے دل میں کیا ہے۔ بچی گھر آئے گی تو شاید یہ ٹھیک ہو جائے۔ بعد میں شادی کروادوں گی خود ہی بچی کی طرف سے دھیان ہٹ جائے گا تو اسے بشریٰ کے پاس واپس بھجوادوں گی۔" نسیم کو فوراً "یہ اس مسئلے کا سوجھا۔

☆ ☆ ☆

"جی فرمایئے۔"

"ہمیں آپ کا اوپر والا پورشن دیکھنا تھا۔ عاصمہ دروازہ کھول کر کچھ متذبذب سی کھڑی رہ گئی۔

سامنے کھڑی عورت ادھیڑ عمر تھی۔ پینتالیس چھیالیس سال کی۔ حلیے سے اچھے گھر کی لگی مگر...

اس کا چہرہ اس کی آنکھیں اسے بہت عجیب سی لگیں۔ جانے کیوں بظاہر وہ اچھے لباس میں تھی۔ دونوں ہاتھوں میں سیاہ اور سفید کانچ کی سادہ چوڑیاں تھیں۔ باقی اس نے کوئی زیور نہیں پہن رکھا تھا۔

"آپ کو کس نے بھیجا ہے یہاں۔" اب اسے کچھ تو پوچھنا تھا۔

"الیاس بھائی نے۔ انہوں نے کہا تھا کہ آپ کا اوپر والا پورشن خالی ہے۔" وہ ذرا بھاری آواز کی مالک تھی۔ اس کے ماتھے پر گہری گہری دو تین لکیریں تھیں۔

یہ جھریاں بھی نہیں تھیں کہ اس کے چہرے کی باقی جلد کسی ہوئی تھی۔

"آپ کے ساتھ کون ہے۔" اس کے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا۔

"ہر کسی کے ساتھ کوئی نہ کوئی تو ہوتا ہے خواہ اس کا ہمزاد ہی کیوں نہ ہو" وہ طنزیہ انداز میں ہنسی تھی۔

"جی!" عاصمہ ٹھٹھک کر رہ گئی۔

"عادت ہے میری مذاق کرنے کی۔" اگرچہ یہ مذاق نہیں تھا مگر اس عورت کو لگا تھا تو خود ہی مزے لے کر بولی۔

"ویسے میری اماں اور میری بہنیں ہیں میرے ساتھ۔ دونوں گاؤں گئی ہوئی ہیں دو دن میں آئیں گی۔ اس سے پہلے تین گلیاں چھوڑ کر رہ رہی تھیں۔ وہ مالک مکان۔ مطلب وہ آدمی۔" وہ رکی جیسے کوئی موزوں سا بہانہ سوچ رہی ہو۔

"آدمی تو شاید بہتر ہو انسان اچھا بالکل نہیں تھا۔" وہ سر ہلا کر بولی۔

عاصمہ اس کی باتوں پہ کچھ چکرا سی گئی۔ "میں سمجھی نہیں۔" عاصمہ نے دل میں سوچ لیا اس عورت کو گھر بالکل نہیں دینا۔

"اگر آپ مجھے گھر دکھا دیں تو میں کچھ سوچ لوں کیونکہ مجھے گھر آج ہی چاہیے۔" وہ عورت کچھ عجلت سے بولی۔ عاصمہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ صاف جواب کیسے دے۔

الیاس کو یوں اس عورت کو اکیلے نہیں بھیجنا چاہیے تھا۔

"ویسے میں آپ کی تعریف کرنا چاہ رہی تھی کہ آپ نے جس طرح اپنے شوہر کے بعد اپنے بچوں کو سنبھالا ہے۔ وہ واقعی قابل تعریف ہے۔" وہ عورت صحن میں آ چکی تھی۔ کمروں سے جھلکتا سلیقہ اور صفائی دیکھ کر تعریفی انداز میں بولی۔

"جی۔ آپ کو کیسے پتا چلا؟" عاصمہ کو کچھ حیرت ہوئی۔ "یہ آپ کے ماتھے پہ۔ جو بیوگی کی لکیر ہے بالکل معدوم سی جس سے اندازہ ہو رہا ہے کہ چند ماہ۔ سال پورا نہیں ہوا ابھی آپ کے شوہر کو مرے ہوئے۔ ہے نا؟" وہ عاصمہ کے ماتھے پر انگلی پھیر کر بولی۔ عاصمہ کو جیسے کرنٹ لگا۔ اس کی انگلی برف کی طرح سرد تھی۔ اسے لگا جیسے کسی نوک دار چیز نے اس کی پیشانی کو ذرا سا چھیل دیا ہو۔ اس نے بے اختیار اپنی پیشانی کو چھوا۔ "اور بھروسا ایک بار جو ایسے ویسے شخص پر کر چکی ہیں۔ اس کے بعد آپ کا محتاط انداز آپ کے لیے بہت سود مند رہے گا۔" وہ عاصمہ کی نظروں کو اپنے حصار میں لے کر بولی۔ عاصمہ جیسے اس کی نظروں کے گھیرے میں الجھ کر رہ گئی۔ وہ اسے باہر بھیجنا چاہتی تھی۔ خود دور جانا چاہتی تھی۔ مگر اس عورت کی نظروں نے جیسے اسے بے بس کر دیا تھا وہ جیسے جکڑی کھڑی تھی۔ وہ عورت اس کی طرف دیکھتے ہوئے پلکیں بھی نہیں جھپک رہی تھی۔ عاصمہ شدت سے وہاں سے بھاگنے کی خواہش مند تھی مگر اس کے دونوں پاؤں زمین نے پکڑ لیے تھے۔ "ابھی چند مہینے تمہیں نوکری نہیں ملے گی بلکہ سال بھر تو ہے ہی نہیں ایسا کوئی سلسلہ۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر ہولے سے گہری آواز میں بولی۔ عاصمہ تو کچھ بول ہی نہیں پا رہی تھی۔ "میں اچھا کرایہ دوں گی اور یہ اس کا ایڈوانس اور یہ دو مہینے کا کرایہ۔ بس میری صرف ایک شرط ہے کہ اوپر نہیں آؤ گی اور نہ تمہارا کوئی بچہ ورنہ مشکل ہو جائے گی ہم دونوں کے لیے۔" وہ اپنے برف جیسے سرد اور سنگلاخ ہاتھ سے عاصمہ کے ہاتھ میں رقم تھما چکی تھی۔

"ویسے ہم دونوں بہنوں کی طرح رہیں گی۔ تمہیں مجھ سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔" اس نے آہستہ سے عاصمہ کے چہرے پہ پھونک ماری۔ پلکیں دوبارہ جھپکیں اور یونہی ہنس کر بولی۔ عاصمہ کو یوں لگا جیسے وہ کسی کی سخت گرفت سے آزاد ہوئی ہو۔ اسے کسی نے دھکا دے کر پرے کیا ہو۔ وہ جھرجھری سی لے کر پیچھے ہوئی۔

"یہ لو پیسے' حساب کتاب تو ماں جی میں بھی چلتا ہے۔" وہ بڑے بے تکلف انداز میں بولی۔ عاصمہ سحر زدہ سی یونہی نوٹوں کو ہاتھ میں پھرانے لگی۔ ورنہ اسے کوئی گنتی کوئی حساب کتاب سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ "میرا نوکر ابھی میرا سامان لے کر آ رہا ہے۔ باہر سے سیڑھیاں ہیں نا۔ اس لیے مجھے تمہارا یہ گھر پسند آیا ہے۔ پھر اس کی چھت بھی ہے۔ مجھے ایسا ہی گھر چاہیے تھا جس کے اوپر کھلا آسمان ہو۔" وہ سر اٹھا کر اوپر والے پورشن کو دیکھے جا رہی تھی۔ "چابیاں!" اس نے ہاتھ عاصمہ کے آگے پھیلایا۔ عاصمہ خاموشی سے اندر گئی اور دیوار سے لگی کیل پر لٹکی چابیاں لا کر اس نے عورت کو تھما دیں۔ "ہوں بہت سمجھ دار ہو تم اور فرماں بردار بھی۔" وہ چابیاں مٹھی میں لے کر جیسے خوش ہو کر بولی۔ "یہ اپنی چھوٹی بچی کو دودھ میں ملا کر دے دو۔ وہ کبھی بیمار نہیں ہوگی۔" اس نے دوسرا ہاتھ کھول کر ایک پڑیا سی اس کے آگے کی۔ عاصمہ بے حس و حرکت کھڑی رہی۔ "لے لو تمہارے فائدے کی چیز ہے بلکہ تم سب بھی اسے گھول کر ایک ایک گھونٹ پی لو تو کبھی کوئی بیمار نہیں پڑے گا تم سمجھ رہی ہو نا میری باتیں۔" کہتے ہوئے وہ بے تکلفی سے اندر کے کمروں کا چکر بھی لگا آئی۔ عاصمہ وہیں گڑی کھڑی تھی۔ اس کے سر میں ہلکا ہلکا درد ہو رہا تھا۔

"سر میں درد ہے تو لاؤ میں دبا دیتی ہوں۔ تمہارا سر۔" وہ اس کے سامنے آ کر بہت محبت بھرے انداز میں بولی۔ عاصمہ لرز کر پیچھے ہٹی۔

"نہیں اب میں ٹھیک ہوں۔" اسے ... اپنی آواز اجنبی سی لگی۔ "تم ڈر تو نہیں گئیں۔" وہ لڑکیوں جیسی ہنسی کے ساتھ بولی۔ عاصمہ ڈرے ہوئے انداز میں اسے دیکھنے لگی۔ "میں اوپر ہوں۔ ابھی میرا نوکر سامان لائے گا تو

میں باہر والا دروازہ کھول دوں گی۔ تمہیں زحمت نہیں ہوگی۔" وہ کہہ کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

"اور ہاں کوئی اوپر نہیں آئے گا۔ میری صرف یہی شرط ہے۔" وہ کہہ کر سرخ آنکھوں سے عاصمہ کو دیکھتی چلی گئی۔ عاصمہ دونوں ہاتھوں سے سر تھام کر کرسی پہ گر گئی۔ اس کے سر میں اب زور کا درد ہو رہا تھا۔ جی متلا رہا تھا جیسے ابھی قے آجائے گی۔ مجھے اس عورت کو گھر نہیں دینا چاہیے تھا۔ یہ عورت... اچھی لگتی ہے مگر۔ مجھے کسی پہ اتنی جلدی بھروسا نہیں کرنا۔ وہ خود ہی نفی میں سر ہلا کر بولی۔ "مجھے ہاشم بھائی کہہ کر بھی گئے تھے کہ ڈیلر کے بغیر کسی کرائے دار کو گھر میں نہیں گھسانا۔ مگر یہ عورت۔ یہ تو بہت بے ضرر سی ہے۔ مجھے اس سے کیا خطرہ ہو سکتا ہے۔" اس کا دل عجیب طرح سے دورائے دے رہا تھا۔ اس نے مٹھی میں ٹھنڈے پسینوں سے گیلے ہوئے نوٹوں کو سیدھا کیا۔ اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔ جتنا کرایہ پچھلے کرائے دار دیتے تھے یہ اس سے دوگنا تھا اور پھر دو ماہ کا ایڈوانس یہ سب تو کوئی بھی نہیں دیتا۔ مگر یہ اکیلی عورت۔ اور کوئی اوپر نہیں آئے گا۔ یہ کیا شرط ہوئی بھلا۔ مجھے الیاس بھائی سے بات کرنا چاہیے۔ مگر نہیں اچھی عورت ہے۔ اس کی آنکھیں بند سی ہونے لگیں۔ وہ وہیں آڑی ترچھی ہو کر لیٹ گئی۔ اور تھوڑی دیر میں وہ گہری نیند سو چکی تھی۔ نوٹ اس کے ہاتھوں میں کھلے پڑے تھے۔ اور چھت پہ کھڑی وہ عورت عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ کھڑی سوئی ہوئی عاصمہ کو دیکھے جا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"مگر انسپکٹر صاحب! میری بچی۔" وہ مثال کو مجھے واپس نہیں کرے گی۔ میں اس کی فطرت کو جانتی ہوں۔" بشریٰ سخت متذبذب تھی۔ انسپکٹر طارق مثال کو ساتھ لگائے کھڑا تھا۔

"محترمہ! آپ کو میرا اعتبار تو کرنا چاہیے میں نے آپ کو اپنی گارنٹی دی ہے۔ جس طرح اس گڑیا کو میں آپ سے لے کر جا رہا ہوں۔ اسی طرح میں اسے واپس آپ کو لا کر دوں گا۔ رات کو یہ آپ کے پاس ہوگی یہ میرا وعدہ ہے آپ سے۔" انسپکٹر طارق پر اعتماد لہجے میں بولا۔ بشریٰ نے متذبذب نظروں سے ماں اور بھائی کی طرف دیکھا دونوں کچھ گھنٹوں کے لیے مثال کو بھیجنے کے لیے راضی تھے۔ پھر یہ انسپکٹر طارق جس طرح اس نے بشریٰ کو قائل کیا اور یہی بات ہے انسپکٹر طارق میں قائل کرنے کے علاوہ کچھ ایسی دھمکا دینے والی صلاحیت تھی کہ بشریٰ واقعی ڈر گئی تھی۔ قانون کے ذریعے عدیل مثال کو مستقل اپنے پاس رکھ سکتا ہے۔ اور ہمارے ملک میں قانون پولیس ہی تو ہے۔ اور بشریٰ کے سامنے یہ انسپکٹر ہی قانون تھا۔

پھر رات بھر مثال کو بخار رہا تھا۔

وہ ساری رات بابا' بابا پکارتی رہی تھی۔ اگرچہ صبح اٹھ کر اس نے باپ کے پاس جانے سے انکار بھی کیا تھا۔ مگر بشریٰ جانتی تھی کہ اس معصوم کا دل کیسے باپ سے ملنے کے لیے تڑپ رہا ہے۔ اتنے سارے دن تو وہ عدیل سے ملے بغیر کبھی بھی نہیں رہی تھی۔ مثال کی شکل' اس کی زرد رنگت اور بجھی ہوئی آنکھوں نے اس کے لیے اس مشکل فیصلے کو جیسے آسان کر دیا تھا اور پھر چند گھنٹوں کی کیا بات تھی۔ تین بجے سے شام سات آٹھ بجے تک۔ مثال پھر اس کے پاس ہوگی۔ اس نے دل پر پتھر رکھ کر ہاں کہہ دی۔ عمران اور انسپکٹر طارق مثال کو لے کر چلے گئے اور وہ آنسو چھپانے کے لیے وہاں سے اٹھ کر بھاگ گئی۔ عدیل کے لیے یہ لمحات ناقابل یقین تھے۔

اتنے سارے دنوں کے بعد اس کی مثال اس کی زندگی' اس کی زندگی کا مقصد سب کچھ اس کی بیٹی مثال اس کی بانہوں میں تھی۔ وہ پاگلوں' دیوانوں کی طرح اسے چومے جا رہا تھا۔ پیار کیے جا رہا تھا۔ کبھی رو رہا تھا کبھی ہنس رہا تھا۔ بیٹے کی دیوانگی دیکھ کر نسیم کی بھی آنکھیں بھیگ گئیں۔ وہ پلو سے آنکھیں صاف کرتے ہوئے پہلی بار بڑے ملال اور دکھ کا شکار ہوئیں۔ کاش! وہ اپنے بیٹے کو ایسے مشتعل نہ کرتیں۔ کاش! وہ فضول ضد ان کے دماغ میں بھی

ہاتی کاش! یہ سب کچھ کرنے سے پہلے بیٹے کی خوشی اس کی زندگی کا بھی سوچ لیتیں۔ فوزیہ تو اپنے گھر چلی گئی صرف چند دنوں کے فرق سے' صرف چند دنوں کے لیے وہ اتنی خود غرض' بے حس نہ ہوتیں۔ ان کا دل چاہا وہ دھاڑیں مار مار کر روئیں اور عدیل کے سامنے اقرار کریں کہ آج جو اس کی حالت ہے' اس کی ذمہ دار صرف اس کی خود غرض ماں ہے۔ مائیں خود غرض ہو جائیں تو اولاد کی زندگی اسی طرح بنجر اور ویران ہو جایا کرتی ہے۔

"بس عدیل! اب ہم نے مثال کو واپس نہیں بھیجنا۔ ہم دونوں ماں بیٹا اسے مل کر پال لیں گے۔ ہماری گڑیا ہمارے پاس ہی رہے گی۔" دل کم بخت اور ضمیر بدتمیز کے شور و غل سے گھبرا کر نسیم نے جھپٹ کر مثال کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے عدیل سے کہا۔ "نہیں امی!" عدیل آنکھیں صاف کرتے ہوئے آہستگی سے مسکرایا۔

"ہم یہ نہیں کر سکتے۔"

"کیوں نہیں کر سکتے لو ہماری بچی ہے ہمارا مال۔ کوئی اور حق جتا نہیں سکتا۔" وہ اپنے مخصوص انداز میں بولیں۔ عدیل ماں کو دیکھ کر رہ گیا۔ "حق جتانے کے قابل رہا ہی کب ہوں میں۔" وہ گہرے دکھ سے بولا۔ "بابا! میں آپ کے پاس ہوں نا۔" مثال بے اختیار باپ کے ساتھ لگ کر بہت تسلی بھرے انداز میں بولی۔

"ہاں میری بیٹی میری جان میرا سب کچھ تم ہی تو ہو۔ تم ہو تو تمہارے بابا کے سینے میں بھی دل دھڑکے جا رہا ہے۔ تم مجھ سے چھن جاؤ گی نا! تو یہ دل بھی چپ ہو جائے گا۔" وہ اسے ساتھ لگا کے جذب کے عالم میں بولا۔

"اللہ نہ کرے عدیل! میرے بچے! تو باپ ہے تو میں بھی تیری ماں ہوں۔ ایسا الٹا سیدھا بولتے وقت میرا بھی خیال کر لیا کر۔" نسیم بیگم پیار بھری دھونس سے بولیں۔ عدیل صرف مسکرا کر رہ گیا۔

"اب میری بیٹی بتائے آج کہاں کہاں جانا ہے شاپنگ پر پہلے اور پھر پلے لینڈ میں آئس کریم اور جو کچھ میری گڑیا کہے گی۔"

"بابا! ہم گھر میں رہتے ہیں یاں دادو کے پاس۔ یہ بھی تو اکیلی ہیں۔" جو بات عدیل نہیں محسوس کر سکا تھا۔ وہ چھوٹی سی بچی نے جان لیا۔ نسیم کی آنکھوں سے تو آنسو ہی بہنے لگے۔ عدیل بھی چپ ہو گیا۔

"جان! آج میں نے آپ کی خاطر آفس سے چھٹی کی ہے۔ ہم تھوڑی دیر میں آجائیں گے۔ تو پھر دادو کے پاس ہی ہوں گے۔" وہ بچی کو بہلا کر بولا۔

"بلکہ امی! آپ بھی ہمارے ساتھ چلیے نا آپ تو کہیں بھی آتی جاتی نہیں۔" ماں کی دل جوئی کے خیال سے وہ کہہ ہی گیا۔

"نہیں۔ عدیل! یوں بھی ابھی فوزیہ اور خالد نے آنا ہے ملنے' گھر پہ نہیں ہوں گی تو اچھا نہیں لگے گا۔ اگلے ہفتے انہوں نے چلے جانا ہے' تم تھوڑی دیر کے لیے مثال کو لے جاؤ پھر یہ اگر پھوپھی سے بھی مل لے گی جا! میری گڑیا! کچھ وقت باپ کے ساتھ گزار لے۔" وہ دل سے مثال کو پیار کرتے ہوئے بولیں۔ "ہاں یہ دن بھی آنے تھے۔ وقت گزارنے کو میرے بچے نے ترسنا تھا اپنی بچی کے ساتھ۔" وہ انہیں جاتے دیکھ کر آہ سی بھر کر بولیں۔

"سب میری جلد بازیوں کے رنگ ہیں۔" اس سے پہلے کہ پھر سے ضمیر لتاڑنا شروع کرے۔ وہ یوں ہی اٹھ کر صحن میں ٹہلنے لگیں۔

"فوزیہ اور خالد آئیں گے تو کھانے کے لیے کیا ہو گا۔ میں نے عدیل سے کہا بھی نہیں کہ آتے ہوئے کچھ لے آئے۔ اتنے دنوں سے ماں بیٹا جس طرح بازار کی روٹیاں کھا رہے ہیں۔ سالن تو جیسے تیسے بنا لیتی ہوں۔ یہ مگر مستقل حل تو نہیں' مجھے دو چار دنوں میں عدیل سے بات کرنا ہوگی' وہ آگے کی پلاننگ سوچنے لگیں۔

"بلکہ فوزیہ سے کہتی ہوں۔ وہ عدیل سے بات کرے۔ میری بات پہ تو بھڑک اٹھے گا۔ مگر فوزیہ کی بات کم از کم تحمل سے سن تو لے گا۔ یہ صحیح رہے گا۔ اب فوزیہ آئی تو اس سے بات کرتی ہوں۔ بھائی یہ گھرداری کے سلسلے مجھ

بڑھیا سے نہیں جلنے والے۔" وہ خود ہی اپنے آپ سے باتیں کرتے اوھر اوھر ٹہلتی ٹی وی کا ریموٹ اٹھا کر ٹی وی چلا کر یونہی چینل گھماتے ہوئے کچھ سوچتی چلی گئیں۔

☆ ☆ ☆

"یہ اچھی عورت نہیں ہے۔" واثق شام کے دھلے کپڑے اتار کر لایا تو ماں سے بولا۔

آٹا گوندھتی عاصمہ چونک کر رہ گئی۔

"کون سی عورت؟" وہ لمحہ بھر کو سمجھ نہیں سکی۔

"جو عورت آپ نے رینٹ پہ رکھی ہے۔" وہ منہ بنا کر بولا۔

"رینٹ پر عورت۔" عاصمہ کی ہنسی نکل گئی۔

"بیٹا اچھی عورت ہے' یوں نہیں کہتے۔" وہ سمجھانے کو بولی۔ واثق طریقے سے اپنے اور بہنوں کے کپڑے الگ کرنے لگا۔

"میں جو کہہ رہا ہوں' وہ میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ وہ کس طرح کی ہے۔ مطلب مما آئی ایم کنفیوژڈ۔۔۔ میں کیسے کہوں۔۔۔ she looks بہت عجیب سی دکھتی ہے اور اس کی آنکھوں میں مما آپ اسے نہیں رکھیں۔" وہ بچہ جو بہت سمجھ دار بہت سیانا بچہ تھا اس عورت کے الگ ہونے کو بھلا کیسے محسوس نہ کرتا۔ عاصمہ ٹھٹک کر رہ گئی۔

"تم اس سے ملے تو نہیں؟" ایک دم سے اسے۔۔۔ خوف نے گھیرا تو واثق کا بازو سختی سے پکڑ کر بولی۔

"نہیں مما۔" ماں کے انداز سے کچھ ڈر کر بولا۔

"میں نے صرف اسے دیکھا تھا اور۔۔۔" وہ بولتے ہوئے رک گیا۔

"اور کیا دیکھا؟" وہ کچھ خوف زدہ سی تھی۔

"مجھے نہیں پتا مما اوپر کمرے میں دھواں سا تھا۔" وہ رک کر بولا۔

عاصمہ اور بھی پریشان ہو گئی۔ اس کی دی ہوئی رقم سے وہ جا کر تھوڑا بہت راشن لے آئی تھی اگرچہ اس کا نہیں مان رہا تھا مگر صرف یہی سوچ کر کہ الیاس بھائی سے جا کر کہوں گی کہ کسی اور کرائے دار کو ڈھونڈیں مگر۔۔۔

"فوراً" یہ خرچ کی ہوئی رقم کہاں سے بھرے گی رات سے گھر کا راشن بھی ختم تھا۔ نوکری کا کوئی سلسلہ نہیں تھا خالی ٹیوشن سے گھر تو نہیں چل سکتا تھا۔ بجلی اور گیس کے بل بھی جمع کروانے والے تھے۔

"مما کیا سوچنے لگیں آپ؟" واثق ماں کو گہری سوچ میں گم دیکھ کر بولا۔

"میں جا کر الیاس انکل کو بلا کر لاؤں۔" وہ ماں کا چہرہ پڑھنے لگا تو بخوبی جان گیا تھا تسلی دینے والے انداز میں بولا۔

"واثق میں کچھ رقم خرچ کر چکی ہوں اس عورت کے ایڈوانس سے۔" اسے بھی واثق سے اپنی پریشانی کہہ دینے کی عادت ہو گئی تھی۔ روہانسی ہو کر بولی۔

"تو وہ تو ہم نئے کرائے دار سے لے کر انہیں واپس کر دیں گے۔ آپ باقی کی رقم خرچ نہیں کریں۔" وہ چٹکی بجاتے ہی مسئلہ حل کرتے ہوئے بولا۔

عاصمہ مسکرا دی۔ اس کا بیٹا واثق بہت سمجھ دار تھا جو بات سامنے رکھی تھی اس کی سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔

"ہوں ٹھیک ہے جاؤ بلا کر لاؤ' ایسے میں خالہ حمیدہ ہوتیں تو مجھے اتنی پریشانی نہیں ہوتی۔ وہ سارا معاملہ سنبھال لیتی ہیں اب تو اکیلی سی پڑنے لگی ہوں میں' پتا نہیں وہ کب آئیں گی۔" وہ بڑبڑا کر بولی۔

"میں جو ہوں مما آپ کے ساتھ۔" وہ بڑے عزم سے بولا۔ عاصمہ کو واقعی اس پر فخر سا ہوا۔ اس عورت نے جس طرح عاصمہ کو ٹریپ کر کے گھر حاصل کیا تھا اگر وہ واثق کو بتا دیتی تو شاید وہ ڈر جاتا۔

☆ ☆ ☆

"امی یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں یہ تو میرے جیتے جی ممکن نہیں۔" بشریٰ تڑپ کر بولی۔

ذکیہ نے اس کی بات یوں سنی جیسے اس نے بہت معمولی سی بات کی ہو۔ یا جیسے انہیں پہلے ہی پتا تھا کہ بشریٰ یہی کہے گی۔

"نہیں امی!" وہ پھر زور دے کر بولی۔

"آج نہیں تو کل۔۔۔ کل نہیں تو کچھ مہینوں بعد تمہیں اس بات کو سوچنا ہوگا۔" ذکیہ بے نیازی سے بولیں۔ بشریٰ شاکڈ سی ماں کو دیکھتی رہ گئی۔

"بہرحال تم ساری زندگی یوں ہی تو نہیں بیٹھ سکتیں۔ ابھی تمہاری عمر ہی کیا ہے اور بچی کا ساتھ ہے۔ بہرحال تحفظ کے لیے اور پرورش کے لیے ایک مرد کے سہارے کی ضرورت پڑے گی تمہیں یہ سوچنا ہی ہوگا۔" ذکیہ نے بہت طریقے سے یہ سب کہا جیسے بشریٰ جو بھی ردعمل ظاہر کرے انہیں فرق نہیں پڑے گا۔ بشریٰ نے ناراضی سے ماں کی طرف دیکھا۔

"میں ایسا کبھی نہیں کروں گی میں فیصلہ کر چکی ہوں۔" وہ پھر سے سخت لہجے میں بولی۔

"تمہاری عدت کچھ دنوں میں ختم ہونے والی ہے وہ ایک جگہ میں نے بات چلائی ہے اور مجھے امید ہے۔"

"امی۔۔۔" وہ اتنی زور سے چیخی کہ بستر پر سوئی مثال بھی ڈر کر اٹھ بیٹھی۔

"مما۔۔۔ مما۔۔۔ کیا ہوا؟" اس کی نیند بہت کچی ہو گئی تھی۔ ذرا سے کھٹکے سے ڈر کر اٹھ جاتی تھی۔

"کچھ نہیں میری جان تم سو جاؤ کچھ نہیں ہوا۔" وہ اسے ساتھ لگا کر تھپکنے لگی۔ ذکیہ مطمئن سی بیٹھی تھیں۔

"تمہیں پتا ہے نسیم عدیل کے لیے لڑکی دیکھتی پھر رہی ہے۔" وہ اپنے تئیں دھماکا کرتے ہوئے بولیں۔ بشریٰ کے ہاتھ مثال کو تھپکتے وہیں رک گئے۔

"وہ اپنے بیٹے کا کر سکتی ہے تو میری بچی تم تو پھر۔۔۔"

"امی اس سے آگے کچھ نہیں۔" وہ سخت لہجے میں ماں کو ٹوک کر بولی۔

"میری عدت ختم ہو جائے تو آپ عمران کی شادی کی تاریخ رکھیں۔ اس کی شادی کریں میں کہیں بھی جاب کر لوں گی اور اوپر والے کمرے میں چلی جاؤں گی۔ آپ اور آپ کے بیٹے بہو کی زندگی میں دخل نہیں دوں گی۔ اس لیے آپ مجھ سے دوبارہ یہ سب نہیں کہیں گی۔" وہ حتمی انداز میں بولی۔

"بشریٰ تم سمجھ نہیں رہیں میری بچی یہ پہاڑ سی عمریوں نہیں گزرے گی' تمہیں ایک ساتھی کی اور مثال کو ایک باپ کی ضرورت ہے۔" وہ اب کے کچھ عاجزی سے بولیں۔

"عدیل جیسا باپ مل سکتا ہے مثال کو کہیں۔" وہ طنز سے بولی۔

"نہیں" ذکیہ قطعیت سے بولیں۔

"مگر اس کے باوجود اسے ایک باپ کی چھت چاہیے۔ تو تمہیں ایک مرد کا تحفظ۔"

"امی مجھے نیند آرہی ہے' مجھے سونے دیں۔ پلیز!" وہ اکتا کر بستر پر لیٹتے ہوئے بولی۔

"انسپکٹر طارق شادی کرنا چاہتا ہے تم سے۔" ذکیہ نے اپنے تئیں ایک اور بم پھوڑا۔ اور بشریٰ ساکت سی ماں کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

"امی یہ کیا کہا آپ نے۔" وہ خوف زدہ سی سوئی ہوئی مثال کو ایک نظر دیکھ کر بولی۔

"وہ شادی شدہ ہے لیکن بیوی کی سال بھر پہلے بچے کی ڈیلیوری کے دوران موت ہو گئی تھی بہت سلجھا ہوا سمجھ

دار شخص' پھر خاندان بہت اچھا ہے مشال سے تمہاری محبت اور وابستگی سے بھی بخوبی واقف ہے اس لیے اس رشتے میں رکاوٹ نہیں بنے گا کہ۔۔۔ تم سے مشال کو دور کردے۔" ذکیہ بہت مطمئن تھیں۔

یہ رشتہ حقیقتاً" ذکیہ کے لیے کسی معجزے سے کم نہیں تھا۔ ایسا اچھا خوب رو جوان' پھر ایسی نوکری' اچھا گھر' خاندان' سمجھو تو کنوارا بشریٰ کو اس سے اچھا رشتہ کہاں سے مل سکتا تھا۔

انہوں نے تو دل میں سوچ لیا تھا چاہے کوئی بہت بڑا ڈراما کرنا پڑے اپنی جان لینے کا' وہ بشریٰ کو مجبور کرکے ہی چھوڑیں گی طارق کا ہاتھ تھامنے کے لیے۔

جب سے انسپکٹر طارق نے یہ پیغام دیا تھا ذکیہ تو ہلکی پھلکی ہوگئی تھیں۔

اب انہیں صرف بشریٰ کی عدت ختم ہونے کا انتظار تھا۔

"امی! آپ انہیں انکار کردیں ورنہ میں کہہ دوں گی کیونکہ مجھے دوسری شادی نہیں کرنی۔۔۔ کبھی نہیں' پہلی نے جتنے دکھ دیے ہیں۔ اس کے بعد میں ایسا سوچوں گی بھی نہیں اور آپ مجھے مجبور نہیں کرسکتیں۔" کہہ کر وہ کروٹ لے کر لیٹ گئی۔ ذکیہ وہیں بیٹھی کچھ سوچتی رہیں۔

☼ ☼ ☼

عاصمہ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ وہ یوں ہی عشاء کی نماز کے بعد لیٹی تو اونگھ سی آگئی۔ ابھی کچن میں برتن بھی دھونے والے تھے اور بچوں کے یونیفارم بھی استری کرنے تھے۔

آدھے گھنٹے بعد اس کی آنکھ کھلی تو بچے بھی سوچکے تھے وہ جلدی جلدی اٹھ کر کام نپٹانے لگی۔

برتن دھوکر کچن صاف کیا اور کچن بند کرکے کمرے میں آکر کپڑے استری کرنے لگی۔

بارہ بجنے کو تھے۔

اس نے بچوں کے اوپر کمبل ڈالا اور خود باہر نکل آئی۔ باہر کافی خنکی سی تھی۔

وہ یونہی ٹہلنے لگی۔

بے وجہ ہی عفان کی یاد ستانے لگی۔ اس کی آنکھیں بھیگنے لگیں۔

"عفان! میں بہت تھکنے لگی ہوں ابھی سے' ابھی تو آپ کے بعد چند قدم بھی نہیں چلی اور لگتا ہے یہ سفر کبھی تمام نہیں ہوگا۔" وہ ٹھنڈی دیوار سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کیے یونہی روئے گئی۔

ایکدم سے اسے زور کی کھانسی آئی اور پھر آتی ہی چلی گئی۔

وہ منہ کے آگے ہاتھ رکھے کھانسی کو روکنے لگی۔

صحن میں سرخ رنگ کا دھواں سا پھیلا ہوا تھا۔

وہ ایکدم سے ڈر گئی۔

"سرخ دھواں۔۔۔ تو نہیں ہوتا۔" وہ تیزی سے بچوں کے کمرے کا دروازہ بند کرنے دوڑی۔

مگر اسے مسلسل کھانسی آتی جارہی تھی۔

"یہ اس وقت کس نے کیا جلایا ہے۔ کیا ہے یہ۔" اس نے بمشکل آنکھیں کھولنے کی کوشش کی دھواں ان کی اپنی چھت سے آرہا تھا۔

وہ خوف زدہ سی کھڑی رہ گئی۔

لحہ بہ لحہ دھواں بڑھتا جارہا تھا۔

"یہ خبیث عورت کرکیا رہی ہے آخر؟ آخر یہ کوئی وقت ہے آگ جلانے کا۔ میں منع کرتی ہوں اسے جاکر۔"

وہ آخر برداشت نہ کرسکی تو تیزی سے بیرونی دروازہ کھول کر آہستہ قدموں سے اوپر کی سیڑھیاں چڑھ گئی۔ چھت پر کوئی نہیں تھا۔ کمرے کا دروازہ بند تھا۔

وہ کچھ دیر باہر کھڑی رہی آگے بڑھے یا واپس چلی جائے پھر وہ آہستگی سے بند دروازے کی طرف بڑھی۔

کمرے کی کھڑکی ذرا سی کھلی تھی اور دھواں وہیں سے نکل رہا تھا۔

اس نے ذرا سا آگے ہوکر دیکھا اور ساکت سی کھڑی رہ گئی۔ اندر کے عجیب منظر نے اس کو جیسے وہیں کھڑکی کے ساتھ جکڑ دیا۔

وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

"انسپکٹر طارق!" اس نے تو آنکھیں بند کیں اور چھم سے اس شخص کا سراپا اس کے سامنے آگیا۔

وہ دوبار اس شخص سے ملی تھی مگر اسے ایسا کچھ محسوس نہیں ہوا تھا۔

"امی جو کچھ کہہ کر گئی ہیں۔ اس بات میں کتنی حقیقت ہوگی بھلا؟" وہ سوچنے لگی۔

"ہو بھی تو مجھے نہیں سوچنا۔ میں کیوں سوچ رہی ہوں یہ سب' جب مجھے اس شخص کے بارے میں یا دوسری شادی کے بارے میں سوچنا ہی نہیں تو۔" اس نے خود کو جھڑکا۔

"دوسری شادی۔۔۔ آہ!" اس نے ایسا کبھی نہیں سوچا تھا۔ عدیل کے علاوہ' عدیل کے سوا۔۔۔ ایک شخص تھا جو اس کی زندگی میں عدیل سے بہت پہلے آیا تھا اور اس نے اس کو بہت سوچا اور چاہا بھی تھا۔۔۔ مگر وہ تو بہت پہلے کی بات تھی۔ عدیل سے پہلے کی بات۔

عدیل کے بعد تو اس نے کبھی بھول کر بھی اس گزرے کل کو نہ سوچا تھا۔ نہ چاہا تو پھر یہ تیسرا شخص کہاں سے بیچ میں آگیا۔

"نہیں مجھے نہیں سوچنا میں امی۔۔۔ نہیں میں طارق سے بات کرکے اسے صاف خود انکار کردوں گی ورنہ امی تو سمجھا سمجھا کر مجھے پاگل کردیں گی۔ ماں باپ الگ الگ کردینے کے بعد میں اپنی بچی کو کسی تیسرے اجنبی شخص کے حوالے کروں۔۔۔ کبھی نہیں۔" وہ فیصلہ کرکے مطمئن سی ہوکر سونے کی کوشش کرنے لگی کہ گیٹ پر بجتی بیل نے اسے چونکا دیا۔

"اس وقت کون آسکتا ہے بھلا۔" بارہ بج چکے تھے۔

تین بار مسلسل بیل کے بجنے پر اسے مجبوراً اٹھنا ہی پڑا شاید عمران بھی آج جلدی سو گیا امی نے تو نیند کی گولی لی ہوگی۔

"کہیں عدیل تو نہیں۔۔۔ نہیں وہ نہیں ہوسکتا۔" گیٹ کے پاس پہنچ کر وہ سوچنے لگی۔

پھر سے بیل بجنے پر بے اختیار پوچھے بغیر اس نے گیٹ کھول دیا۔

"تم۔۔۔ یہاں!" وہ سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر شاکڈ سی کھڑی رہ گئی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

رُخسانہ نگار عدنان

عدیل اور فوزیہ نسیم بیگم کے بچے ہیں۔ بشریٰ ان کی بہو ہے اور ذکیہ بیگم کی بیٹی ہے۔ عمران بشریٰ کا بھائی ہے۔ مثال ذکیہ بیگم کی نواسی اور نسیم بیگم کی پوتی ہے۔ بشریٰ اور نسیم بیگم میں روایتی ساس بہو کا تعلق ہے۔ نسیم بیگم مصلحتاً بیٹا بہو سے لگاوٹ دکھاتی ہیں۔ دوسری طرف ذکیہ بیگم کا کہنا ہے۔ ان کی بیٹی بشریٰ کو سسرال میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ پانچ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد بشریٰ کی نند فوزیہ کا بالآخر ایک جگہ رشتہ طے پاجاتا ہے۔ نکاح والے روز بشریٰ دولہا ظہیر کو دیکھ کر چونک جاتی ہے۔

عدیل سے شادی سے قبل ظہیر کا بشریٰ کے لیے بھی رشتہ آیا تھا مگر بات نہ بن سکی تھی۔ نکاح والے دن زاہدہ اور ذکیہ بیگم بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔ بشریٰ اپنی ماں سے یہ بات چھپانے کے لیے کہتی ہے مگر عدیل کو پتا چل جاتا ہے۔ وہ ناراض ہوتا ہے مگر فوزیہ اور نسیم بیگم کو بتانے سے منع کر دیتا ہے۔ بشریٰ اور عدیل ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جاتے ہیں۔ وہاں انہیں پتا چلتا ہے کہ بشریٰ کے ہاں سات سال بعد پھر خوش خبری ہے۔

عفان اور عاصمہ اپنے تین بچوں اور والد کے ساتھ کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔ عفان کے والد فاروق صاحب سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ گریجویٹی اور گاؤں کی زمین فروخت کرکے وہ اپنا گھر خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ڈیڑھ کروڑ میں زمین کا سودا کر کے وہ عفان کے ساتھ خوشی خوشی شہر آرہے ہیں۔

فون پر پتا چلتا ہے کہ شہر آتے ہوئے عفان اور فاروق صاحب ڈکیتی کی واردات میں قتل ہوگئے۔ عفان کے قریبی دوست زبیر کی مدد سے عاصمہ عفان کے آفس سے تین لاکھ روپے اور فاروق صاحب کی گریجویٹی سے سات لاکھ روپے وصول کرپاتی ہے۔ زبیر گھر خریدنے میں بھی عاصمہ کی مدد کر رہا ہے۔

اسلام آباد سے واپسی پر عدیل دونوں مقتولین کو دیکھتا ہے۔ زاہدہ، نسیم بیگم سے بیس لاکھ روپے سے مشروط فوزیہ کی رخصتی کی بات کرتی ہیں۔ وہ سب پریشان ہوجاتے ہیں۔ عدیل بشریٰ سے ذکیہ بیگم سے تین لاکھ روپے لانے کو کہتا ہے۔

حمیدہ خالہ، عاصمہ کو سمجھاتی ہیں کہ عدت میں زبیر کا اکیلے اس کے گھر آنا مناسب نہیں ہے۔ لوگ باتیں بنارہے ہیں جبکہ عاصمہ کی مجبوری ہے کہ گھر میں کوئی مرد نہیں۔ اس کا بیٹا ابھی چھوٹا ہے اور سارے کام اس نے خود کرنے ہیں۔ وہ جلد از جلد اپنا گھر خریدنا چاہتی ہے۔ عاصمہ کے کہنے پر زبیر کسی مفتی سے فتویٰ لے کر آجاتا ہے کہ وہ انتہائی ضرورت کے پیش نظر گھر سے نکل سکتی ہے، بشرطیکہ مغرب سے پہلے واپس گھر آجائے، سو وہ عاصمہ کو مکان دکھانے لے جاتا ہے۔

رقم مہیا نہ ہونے کی صورت میں فوزیہ کو طلاق ہوجاتی ہے۔ نسیم بیگم جذباتی ہوکر سسر اور اس کے گھر والوں کو مورد الزام ٹھہرانے لگتی ہیں۔ اسی بات پر عدیل اور بشریٰ کے درمیان خوب جھگڑا ہوتا ہے۔ عدیل طیش میں بشریٰ کو دھکا دیتا ہے۔ اس کا ابارشن ہوجاتا ہے۔ عدیل شرمندہ ہوکر معافی مانگتا ہے مگر وہ ہنوز ناراض رہتی ہے اور اسپتال سے اپنی ماں کے گھر چلی جاتی ہے۔

اسی اسپتال میں عدیل عاصمہ کو دیکھتا ہے جسے بے ہوشی کی حالت میں لایا گیا ہوتا ہے۔ عاصمہ زبیر کے ہاتھوں لٹ جانے پر خودکشی کی کوشش کرتی ہے تاہم بچ جاتی ہے۔ نو سال بعد عاصمہ کا بھائی ہاشم پریشان ہوکر پاکستان آجاتا ہے۔ عاصمہ کے سارے معاملات دیکھتے ہوئے ہاشم کو پتا چلتا ہے کہ زبیر نے ہر جگہ فراڈ کرکے اس کے سارے راستے بند کردیے ہیں اور اب مفرور ہے۔ بہت کوششوں کے بعد ہاشم، عاصمہ کو ایک مکان دلاپاتا ہے۔ بشریٰ اپنی واپسی الگ گھر سے مشروط کردیتی ہے۔ دوسری صورت میں وہ علیحدگی کے لیے تیار ہے۔ عدیل سخت پریشان ہے۔

عدیل مکان کا اوپر والا پورشن بشریٰ کے لیے سیٹ کروادیتا ہے اور کچھ دنوں بعد بشریٰ کو مجبور کرتا ہے کہ وہ فوزیہ کے لیے عمران کا رشتہ لائے۔ نسیم بیگم اور عمران کسی طور نہیں مانتے۔ عدیل اپنی بات نہ ماننے جانے پر بشریٰ سے جھگڑتا ہے۔ بشریٰ بھی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتی ہے۔ عدیل طیش میں بشریٰ کو طلاق دے دیتا ہے اور مثال کو چھین لیتا ہے۔ مثال بیمار پڑجاتی ہے۔ بشریٰ بھی حواس کھودیتی ہے۔ عمران بہن کی حالت دیکھ کر مثال کو عدیل سے چھین کر لے آتا ہے۔ عدیل عمران پر اغوا کا پرچا کروادیتا ہے۔

۱۳
تیرہویں قسط

بشریٰ سامنے کھڑے اونچے لمبے احسن کمال کو دیکھ کر بے یقین سی ہوئی جارہی تھی اس کے لمبے قد کے سائے میں اس کا اپنا وجود اور بھی اندھیرے میں آگیا تھا۔

”تھینک یو گاڈ! تم نے مجھے پہچانا تو۔“ وہ پہلے کی طرح بے وجہ قہقہہ لگا کر بولا۔ وہی قہقہہ جس سے بشریٰ کبھی بہت چڑا کرتی تھی۔

بشریٰ کا کچھ بھی بڑے سے بڑا نقصان ہوجاتا، احسن کمال یونہی منہ پھاڑ کر جب قہقہہ لگاتا تو بشریٰ سچ مچ اس کے گھنے سیاہ گھنگھریالے بالوں والا سر نوچ دیا کرتی تھی۔

مگر آج جب وہ اس بے تکے انداز میں منہ پھاڑ کر ہنسا تو پہلی بار وہ اسے اچھا لگا۔

گئے دنوں کا کوئی بھی بچھڑا ساتھی ہو، وہ آئے موسموں میں بالکل غیر متوقع طور پر سامنے آجائے تو اس کی ہر اچھی بری ادا پر پیار نہ بھی آئے مگر غصہ ہرگز نہیں آتا۔

بشریٰ کو بھی غصہ نہیں آیا چند لمحوں کے لیے سہی وہ اتنے مہینوں سے جس جمود کا شکار تھی اس کو بھول سی گئی۔

”ارے..... سوتو نہیں گئیں تم کھڑے کھڑے۔ سمندری گھوڑی..... یہی جانور سوتا ہے نا کھڑے کھڑے پانی کے اندر نا۔“ وہ اپنی لمبی لمبی انگلیوں والا بڑا سا مردانہ ہاتھ اس کی آنکھوں کے آگے لہرا کر بولا۔

اور وہی بھونڈا سا خطاب دینے کا انداز، خفا ہوتے ہوتے بھی وہ ہنس پڑی۔ احسن نے زور سے اس کے چپت

لگائی۔

”شکر ہے تم لوٹ آئیں ورنہ مجھے واقعی تمہارے سر پر کوئی بھاری پتھر یا کچھ ایسا مارنا پڑتا کہ تمہاری یادداشت لوٹ آئے۔“ وہ پھر بے تکا قہقہہ لگا کر بولا۔

وہ بے وجہ مسکرائے گئی۔ بہت دنوں بعد تو کوئی ایسا بات کرنے والا ملا تھا جو اس کے حالیہ سانحے سے بے خبر تھا۔

”تم کہاں سے آن ٹپکے۔“ وہ مسکراہٹ دبا کر بظاہر سرسری لہجے میں بولی۔

”کھجور سے“ بشریٰ کو اس سے ایسے ہی جواب کی امید تھی۔

”آسمان سے گرے کھجور میں اٹکے ہمیشہ سے تمہارے محاورے کا حال برا رہا ہے۔“

”ماضی تو اچھا تھا پھر حال کیسے برا ہوسکتا ہے۔“ وہ فوراً ”اپنی پکڑی جانے والی غلطی کو معنی خیز معنی پہناتا ہوا بولا۔

”بابا آئے کہاں سے ہو اتنے سالوں بعد۔“ بشریٰ کچھ زچ ہوکر بولی۔

”بس یہیں کھڑے کھڑے محل کی دربان بنی سوال پہ سوال کرتی چلی جانا۔ جیسے وہ بچپن میں الف لیلیٰ دیکھتے تھے تو شہزادی بھٹکے ہوئے مسافر سے پوچھتی تھی اے بندہ خدا تو کون کدھر سے آیا ہے اور کیا چاہتا ہے؟ تین سوالوں میں پوری زندگی کا خلاصہ دریافت کرنا ان عربوں کا ہی فن ہے۔“

بشریٰ زور سے کانوں میں انگلیاں گھساتے ہوئے ایک طرف ہوکر اشارہ کرنے لگی۔

”شکر ہے تمہیں خیال تو آیا۔“ اس نے آگے پیچھے پڑا بڑا سا سوٹ کیس اندر کی طرف دھکیلا۔

بشریٰ مڑنے لگی اس کی آواز سن کر ٹھٹک گئی۔

”آؤ تاں سیفی ڈارلنگ، میری جان تھک گئی۔“ وہ مڑ کر اندھیرے میں کسی سے مخاطب تھا۔

بشریٰ چونک کر دیکھنے لگی۔

وہ دس گیارہ سال کا خوش شکل سہمی ہوئی صورت والا ایک بچہ تھا۔ احسن کمال اب اسے اپنے ساتھ لگائے اندر لا رہا تھا۔

”سنو بشریٰ!“ وہ رک گئی۔

”یہ میرا بیٹا ہے سیف کمال..... ہے نا میرے بچپن کی تصویر وہی آنکھیں، وہی تلوار جیسی ناک اور لڑکیوں جیسے نازک ہونٹ یہی کہتی تھیں نا تم اور ایک بار تم نے کمینگی دکھاتے ہوئے مجھے سچ مچ لپ اسٹک بھی لگادی تھی یاد ہے نا تمہیں اور پھر میری جوتوں سے پٹائی ہوتی تھی امی کے ہاتھوں۔“

وہ پہلے کی طرح بولتا ہی چلا جارہا تھا بغیر کسی کوما، فل اسٹاپ کے۔

بشریٰ اس کی باتوں میں بہتی بہت دور نکل گئی تھی۔

بچہ اب باپ کے مسلسل بولنے سے بھی اکتا گیا تھا۔

”بابا ہم کہیں بیٹھ نہیں سکتے اور مجھے نیند بھی بہت آرہی ہے اور بھوک بھی لگی ہے۔“ وہ باپ کا باقاعدہ بازو ہلا کر متوجہ کرتے ہوئے بولا۔

”اوہ یار! یس یس..... سوری یار..... رئیلی سوری، بہت عرصے کے بعد کسی اپنے کو دیکھا ہے نا تو نہ جذبات قابو میں ہیں نہ زبان“ وہ بے ساختہ کہہ گیا۔

بشریٰ نے اسے چونک کر دیکھا۔

اس کے جذبات بھی تو کچھ بے لگام ہوتے جارہے تھے۔ ماضی کے ہنستے کھیلتے دنوں میں کہیں کھوگئے تھے۔ وہ کچھ دیر کے لیے..... بھول گئی تھی کہ وہ بشریٰ ہے اور اسے ابھی کچھ ہی ہفتے پہلے طلاق ہوئی ہے اور اس کی

مثال جیسی گڑیا بکھر کر رہ گئی۔

"سن لو! اب تو بچہ بھی تمہیں ٹوک رہا ہے تو پھر بڑوں کا کیا حال ہوتا ہوگا۔ بے چارے مروت میں خاموش رہتے ہیں اور تم سمجھتے ہو تمہاری باتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہیں۔" بشریٰ بچے کے ٹوکنے پر محظوظ ہو کر بولی۔

"چلو یوں بھی ہوتا ہے اپنے جذبات کو چھپانے کا ایک یہ بھی طریقہ ہے۔" وہ اس کی آنکھوں میں جیسے جھانک کر بولا بشریٰ لمحہ بھر کو سٹپٹا سی گئی۔ اسے ابھی بھی بشریٰ کے اندر تک جھانکنا آتا تھا۔

وہ نظریں چرا کر رہ گئی۔ وہ ابھی بلکہ کبھی بھی نہیں چاہ سکتی تھی کہ اس کا بھید کھلے۔

وہ بنا کچھ کہے تیزی سے اندر جانے لگی۔

"چلو بیٹا! یہاں کے میزبان کچھ ایسے ہی ہیں۔ خود ہی ڈھیٹ بن کر ہمیں اندر جانا ہوگا۔ بٹ ڈونٹ وری۔ تمہیں یہاں کھانا بھی ملے گا اور بہت مزے کی نیند بھی آئے گی۔ یہ میں تمہیں گارنٹی دیتا ہوں۔" وہ بچے کا ہاتھ تھامے ابھی بھی مسلسل بولتا ہوا پیچھے آ رہا تھا اور بشریٰ کا جی چاہ رہا تھا وہ اس سے چھپ کر کہیں اس جگہ روپوش ہو جائے جہاں سے وہ اسے کبھی بھی نہ دیکھ پائے۔

مگر یہ اب ممکن نہیں تھا!

☼ ☼ ☼

اس عورت کے پاس ایک سیاہ رنگ کا ڈبہ پڑا تھا۔ جس میں سرخ رنگ کا مائع تھا۔ وہ آنکھیں بند کیے اپنے آگے تسلے میں جلی آگ میں اس ڈبے سے کچھ سرخ مائع لیتی اور اس کے چھینٹے آگ پر مارتی۔

آگ سے شعلے سے نکلتے اور سرخ دھواں کمرے میں بھرنے لگتا۔

وہ سرخ مائع۔۔۔۔ خون تھا۔

اسے لگا اس کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا ہے۔

اس نے بے اختیار منہ کے آگے ہاتھ رکھ لیا۔

نہیں اسے خود پہ قابو رکھنا تھا اگر اس عورت کو ذرا بھی یہاں اس کی موجودگی کا شک ہو گیا تو وہ کچھ بہت برا بھی کر سکتی ہے۔ اس کے ساتھ اس کے بچوں کے ساتھ۔

وہ تیزی سے الٹے قدموں پیچھے ہوتے ہوئے دل میں درود شریف آیت الکرسی اور قرآنی آیات پڑھنے لگی۔

اس کے قدم جو بھاری ہو رہے تھے اسے اٹھانا محال تھے۔ اس سے چلا بھی نہیں جا رہا تھا۔ آیات کا ورد شروع کرتے ہی بھاری پتھر سے قدم اٹھنے لگے۔ وہ ایک ایک سیڑھی ایک ایک زینے پر رک رہی تھی۔

اس کے دل کی عجیب حالت ہو رہی تھی۔ کچھ ایسا انہونا انوکھا احساس تھا جو اس کے دل کو جکڑے جا رہا تھا۔

"یا اللہ رحم فرما معافی دے دے ہمارے گناہوں کی حفاظت فرما میری اور میرے بچوں کی۔ میرا تیرے سوا کسی پر یقین نہیں۔ تو وحدہ لاشریک ہے۔ جادو بھی بہت اثر کرتا ہے۔ اے رب باری! اگر تو چاہے تو رحم کر میں تیرے رحم کی طلب گار ہوں تو میری بے چارگی، بے کسی سے واقف ہے۔ تو جانتا ہے صرف تو جانتا ہے میں کتنی بے بس ہوں بے کس ہوں رحم کر مجھ پر میرے یتیم ویسیر بچوں پر۔۔۔۔ رحم، رحم۔"

وہ وضو کے بغیر ہی اپنے کمرے کے ٹھنڈے فرش پر بے اختیار سجدہ ریز ہو گئی تھی۔

وہ جانے کتنی دیر یونہی زمین پر اکڑوں جھکی خدا کے آگے گڑگڑاتی رہی۔

"مما۔۔۔۔ مما آپ کو کیا ہوا ہے۔" ننھی اریبہ اس کا کندھا ہلاتے ہوئے نیند سے بھری آنکھوں کے ساتھ پوچھ رہی تھی۔

عاصمہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتی رہ گئی۔

گریہ زاری سے اس کی آنکھیں سوج گئی تھیں۔ مگر دل جیسے ٹھہر سا گیا تھا۔ بے قراری کو قرار مل گیا تھا۔

وہ اریبہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے بستر تک لے کر آئی اور اسے آہستہ آہستہ تھپکتے ہوئے سلانے لگی۔ خود اس کی آنکھیں بھی نیند سے بوجھل ہوئی جا رہی تھیں۔

رات بھر کا رت جگا تھا، پھر ایسے خوفناک لمحے؟

وہ جیسے گہری نیند سے ہڑبڑا کر اٹھ گئی۔ چونک کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"نہیں، نہیں مجھے ان لمحوں میں غافل نہیں ہونا۔ یہی تو مانگنے کی خالص گھڑیاں ہیں۔ ہم جیسے طلبگاروں کے لیے ان لمحوں میں مانگی گئی سلامتی رد ہوتی ہے نہ دعائیں پلٹائی جاتی ہیں۔ مجھے آج خدا کے در کو ہلانا ہے اپنے بچوں کی سلامتی اور ان کے لیے رزق اور تحفظ مانگنا ہے آج مجھے سونا نہیں۔" اس کا دل پوری طرح بیدار ہو چکا تھا۔

اگر وہ ڈر کر بیٹھ گئی۔ اس عورت کے جادو ٹونے کے آگے ہار گئی۔ خوفزدہ ہو گئی تو پھر اس دلدل میں اترتی چلی جائے گی۔

بے شک اس عورت کی باتوں سے اس کا دل متزلزل ہو رہا۔ جب اس نے صاف لفظوں میں بتایا تھا کہ ایک مرد سے دھوکا کھانے کے بعد عاصمہ کا محتاط رویہ اچھا ہے۔ اور پھر یہ کہ ابھی اسے نوکری نہیں ملنے والی اور۔۔۔۔ اور کچھ باتیں جو اس کے حافظے میں گڈمڈ ہوتی جا رہی تھیں مگر کچھ لمحوں کو سہی اس کا کمزور بے یقین سا دل یقین کرنے لگا تھا۔

کچھ ہی دیر میں وہ وضو کر کے مصلہ بچھائے اپنے رب کے آگے بڑے دل سے بڑی لگن سے رکوع و سجود میں مگن تھی۔

تہجد کے نفل پڑھنے کے بعد وہ بڑے صوفے کے ساتھ اپنے رب کے ساتھ سرگوشیاں کرتے ہوئے اسے ایک ایک کر کے اپنے سارے مسائل اور اپنے محدود وسائل کے بارے میں بتاتی چلی گئی۔

وہ خدا رب جلیل جو پتھر میں موجود کیڑے کے رزق سے غافل نہیں رہ سکتا اس کے مسائل سے کیسے بے خبر ہو سکتا تھا۔ مگر اس کے باوجود وہ یہ سب کہتی چلی گئی۔

ایک ایک کر کے اس دل پر دھرے چھوٹے بڑے بھاری ہلکے وزنی سارے پتھر ہٹتے چلے گئے۔

اسے گھپ اندھیرے میں روشنی دکھائی دینے لگی تھی۔ ایک دم سے اپنا کمزور وجود بہت مضبوط اور طاقت ور لگنے لگا تھا۔

جب وہ مصلہ تہہ کر رہی تھی تو بہت کچھ سوچ چکی تھی۔

کم از کم اسے ہارنا نہیں اور ڈرنا تو بالکل بھی نہیں اور خود کو مضبوط ظاہر ہی نہیں کرنا، بنانا بھی ہے۔

وہ خود کو جسمانی طور پر بھی ہر برائی سے لڑنے کے لیے آمادہ کر چکی تھی۔ آج اسے پہلی بار لگا تھا وہ بیوگی کے بعد اپنے پیروں پہ کھڑے ہونے کے لیے تیار ہے۔

وہ احسن اور اس کے بچے کو کھانا دے کر بغیر اس کے ساتھ شامل ہوئے۔ اگرچہ وہ اصرار کر رہا تھا مگر وہ سر درد کا بہانہ کر کے اسے ذکیہ کے حوالے کر کے چھوڑ آئی تھی۔

وہ اس کا چہرہ یوں ہی پڑھ لیا کرتا تھا۔ یہی خوف بشریٰ کو اس سے دور بھگا رہا تھا۔

مگر کب تک۔۔۔۔ اس کا بھاری سوٹ کیس تو کچھ اور کہہ رہا تھا۔

بہت سال پہلے جب اس کی انگلی میں احسن کمال کے نام کی انگوٹھی اس کی چچی نے بہت محبت اور پیار سے ڈالی تھی۔ احسن کمال کچھ زیادہ ہی اس پہ اپنا حق جتانے لگا تھا۔

بشریٰ دوست بنائے گی تو احسن کمال کی پسند اور اجازت سے۔

کھیل کھیلے گی تو اس کی مرضی اور پسند کے۔ حتیٰ کہ اوقات بھی وہ ہوں گے جس میں احسن کمال اپنی پڑھائی، اپنے کلب اور اپنے دوستوں کی کمپنی سے فارغ ہو گا اور وہ اوقات چاہے رات نو بجے کے بعد کے ہوں۔

بشریٰ کے کپڑوں کی شاپنگ امی اور چچی مل کر کیا کرتی تھیں مگر پھر احسن کمال نے اس میں بھی دخل دینا شروع کر

دیا۔

جوتے، باریک ہیل کے سینڈل بشریٰ کی جان تھے اور احسن کمال نے ان پر بین لگا دیا۔

"تم یہ سینڈل پہنتی ہو تو یوں لگتا ہے جیسے سرکس میں کرتب دکھا رہی ہو۔ یا فیوزبلب چینج کرنے لگی ہو یا بغیر بانس کے تمہارے گھر کے جالے صاف کرنے ہوں۔"

وہ انتہائی بدتمیزی سے تبصرے کرتا، بشریٰ رو ہی پڑتی۔ اس نے باریک ہیل والے سینڈل پہننے چھوڑ دیے مگر ان کی خواہش اس کے دل سے مر نہ سکی۔

عدیل سے شادی ہوتے ہی اس نے ان گنت ایسے سینڈل خریدے تھے۔ نازک اور قیمتی۔ عدیل کو بھی اس کی پسند کا علم تھا۔ وہ اکثر ہی اسے ان جوتوں کی دل کھول کر شاپنگ کراتا۔

گیارہ ماہ دونوں کی منگنی رہی۔

جب تک احسن کمال کو نازیہ بھٹی سے عشق نہیں ہو گیا۔

بشریٰ تو اس کی حد سے زیادہ جتاتی محبت سے عاجز ہی آچکی تھی۔ اگر احسن کمال اس منگنی کو ختم کرنے کا اعلان نہ کرتا تو وہ خود اس کے نام کی انگوٹھی اتار کر پھینک چکی ہوتی۔

مگر اچھا یہ ہوا کہ پہل احسن کمال نے کی۔ گرین کارڈ ہولڈر نازیہ بھٹی اس کے دوست زبیر بھٹی کی فرسٹ کزن تھی۔

اس نے بھی کھٹ سے احسن کمال کو اوکے کر دیا۔

ان دنوں چچی شرمندگی کے مارے کئی دن تک ذکیہ اور بشریٰ سے نظر بھی نہیں ملا پائی تھیں اور پھر چپکے سے ایک دن ان لوگوں نے گھر شفٹ کر لیا تھا۔

بس رسمی طور پر ملنے کے لیے آئیں، وہ بھی اوپرے دل سے۔ ہنس ہنس کر ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں۔

ذکیہ نے تو غصے میں وضو کیا اور جا کر نماز کی نیت کر لی۔

وہ یوں ہی کچھ دیر بیٹھی رہیں پھر اونچی آواز میں سب کو فی امان اللہ کہہ کر چلتی بنیں۔

اس کے بعد احسن کی شادی کا کارڈ بھی اپنی بہن کے ہاتھوں بھجوایا۔ مگر کوئی گیا ہی نہیں۔ ذکیہ کو بے حد غصہ تھا۔

لیکن بشریٰ بہت خوش تھی کہ اس جیسے دم گھٹ منگیتر سے ہمیشہ کے لیے چھٹکارا مل گیا۔

پھر احسن کمال کے نازیہ کے ساتھ امریکا جانے اور وہیں رچ بس جانے کی خبریں ملتی رہیں۔ چچی کچھ عرصہ بیمار رہ کر بیٹے سے ملنے کی آس لیے خاموشی سے دنیا سے چلی گئیں۔

اور احسن کمال کا باب ان کے گھر اور بشریٰ کی زندگی میں ہمیشہ کے لیے بند ہو کر رہ گیا۔ اس نے دانستہ و نادانستہ طور پر اس سب کو بھلا دیا تھا، پھر عدیل آ گیا۔ اس کی زندگی میں اور سب کچھ بدلتا چلا گیا۔

اس نے شادی کے آٹھ نو سالوں میں کبھی مڑ کر احسن کمال کو نہیں سوچا۔ وہ ایک بار امی نے شاید اس کے امریکا سے چکر لگانے کا ذکر بھی کیا مگر بشریٰ تو اپنی خوشیوں بھری زندگی میں کچھ ایسی مگن تھی کہ وہ پچھ سن ہی نہ سکی۔

اور اب اتنے سالوں بعد یہ کیوں آ گیا؟

وہ مثال کو سوتے میں پیار کرتے ہوئے بے وجہ اس کے بارے میں سوچے جا رہی تھی۔

وہ آج بھی اتنا ہی باتونی اور کھلنڈرا تھا۔

ہاں اس کے کھلنڈرے پن میں کچھ کمی نہیں آسکی تھی کہ اسے ایک بار بھی احساس ندامت یا شرمندگی نے نہیں گھیرا کہ ماں کے منہ کو ہی سہی۔ لوگوں نے ان کے ساتھ بھی کمٹ منٹ کی تھی اور وہ یہاں کس استحقاق سے آیا۔۔۔ کیا اس وجہ سے کہ چچی نے چچا کا حصہ اس گھر سے لیا ہی نہیں تھا؟

پھر ان کے خاموشی سے گزر جانے پر احسن کمال کے مستقل لاپتا ہونے پہ امی نے کئی بار شکرانے ادا کیے تھے۔ ورنہ گھر کی ملکیت میں آدھا تو ان کے حوالے کرنا پڑتا۔

اب یہ آ گیا تو یقیناً "بٹوارہ چاہے گا۔ اگرچہ امی نے بعد میں سارا گھر گرا کر نئے سرے سے ماڈرن طرز کا بنوایا تھا۔ مگر ملکیت میں وہ ابھی بھی برابر کا حصے دار تھا۔

"خیر یہ امی اور عمران کا سر درد تھا، بشریٰ کا نہیں۔" آخری سوچ اس کے غنودگی میں ڈوبتے دماغ میں یہی آئی تھی۔

اور بہت سارے دنوں اور بہت ساری کالی راتوں کے بعد یہ ایک اکیلی رات آئی تھی، جس میں آخری سوچ اس کے دماغ میں عدیل یا مثال کی نہیں تھی، کسی اور کی تھی۔

اور وہ کسی اور آنے والے دنوں میں کیسے ہر رات اور ہر دن میں اس کی سوچ پر قابض ہونے والا ہے۔۔۔ اس نے اس لمحے ذرا بھی نہیں سوچا تھا۔

☼ ☼ ☼

"نہیں فوزیہ! ہرگز نہیں۔ تم اور امی کان کھول کر سن لو! یہ بات کسی بھی طرح ممکن نہیں۔" عدیل سنتے ہی ہتھے سے اکھڑ گیا۔

فوزیہ نے بے بسی سے ماں کی طرف دیکھا۔

کل اس کی فلائیٹ تھی خالد کے ساتھ اور جانے سے پہلے نسیم نے یہ پہاڑ سا مرحلہ اس کے ذمے لگایا تھا کہ وہ عدیل کو کسی بھی طرح نگہت کی بیٹیوں میں سے کسی ایک کے لیے راضی کر لے۔

مگر عدیل تو یہ سنتے ہی جیسے آگ بگولہ ہو گیا۔

"تو کیا اس بے وفا کی یادوں کو سینے سے لگا کر بیٹھے رہو گے ساری عمر۔۔۔ ابھی تمہاری عمر ہے ہی کیا، یوں بھی اتنے سالوں میں اس نے تمہیں دیا ہی کیا تھا۔ ایک بچی کے سوا۔ یا بے شمار فرمائشوں اور جھگڑوں کے سوا۔" نسیم بھی خم ٹھونک کر میدان میں آگئیں۔

یہی وقت تھا اس بپھرے شیر کے پیچھے پر ہاتھ رکھنے کا۔

"امی! زیادہ بہتر ہو گا کہ آپ آئندہ اس کا تذکرہ نہیں کریں گی ورنہ۔" وہ ایک دم سے پہلے والا غصیلا جذباتی عدیل بن گیا تھا۔

"ورنہ کیا کرے گا۔ اینٹ لے کر سر پھاڑ دے گا میرا۔" نسیم بھی آج حساب بے باق کرنے پہ تلی تھیں۔ ورنہ فوزیہ کے جانے کے بعد عدیل سے بات کرنا ناممکن ہو جاتا۔

"ورنہ میں یہ گھر ہمیشہ کے لیے چھوڑ کر چلا جاؤں گا۔" وہ سرد لہجے میں بولا اور "ورنہ" سے آگے تو یہ نسیم نے یا فوزیہ نے ایسا بھی نہیں سوچا تھا۔ اگر عدیل اس پر عمل کر لیتا تو۔۔۔"

نسیم کو جھرجھری سی آگئی۔ وہ ایسا سوچ بھی نہیں سکتی تھیں۔

فوزیہ نے آنکھوں میں ماں کو ابھی کچھ ٹھہر جانے کا مشورہ دیا مگر ایسے نازک لمحے نسیم کی زندگی میں پہلے بھی بہت آئے تھے اور انہیں اچھی طرح علم تھا کہ کس موقع پر کیا کرنا ہے۔

وہ بے اختیار دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر پھپک پھپک کر رونے لگیں اور روتی چلی گئیں۔

"امی۔۔۔! امی پلیز حوصلہ کریں، کیا ہو گیا ہے۔ کیوں ایسے بے قابو ہو کر روئے جا رہی ہیں۔ آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی۔" فوزیہ کن انکھیوں سے عدیل کی طرف دیکھتے ہوئے رندھی آواز میں بولی۔

"مر جانے دو مجھے۔ جان خلاصی ہو میری۔ اب زندہ رہ کر دوں گی بھی کیا۔ بیٹے کی محتاج ہو گئی ہوں اب اس کی دھمکیاں ہی تو سنوں گی۔ مر جاؤں میں تو اس سے اچھا۔ اللہ موت دے دے مجھے۔ ایسی زندگی۔۔۔" وہ حسب عادت سینے پر ہاتھ مار کر واویلا کرنے لگیں۔

عدیل کے ماتھے کی رگ غصہ ضبط کرتے ہوئے پھڑکنے لگی۔ اس نے سختی سے ہونٹ بھینچ کر خود کو کچھ بہت سخت کہنے سے روکا اور ایک جھٹکے سے اٹھ کر تیزی سے چلا گیا۔ نسیم کا واویلا ایک لمحے میں تھم گیا۔

فوزیہ کے لیے بھی یہ کسی جھٹکے سے کم نہیں تھا۔
نسیم کا یہ تیر بہدف نسخہ تھا جس کے آگے عدیل ہار جاتا تھا کہ وہ ماں کے آنسو برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ موم کی طرح پگھل جاتا تھا۔
مگر آج تو وہ کسی پتھر کی طرح بے حس بنا رہا اور پھر یوں لاتعلقی سے اٹھ کر چل دیا۔
"امی! آپ بھائی کی شادی کا خیال فی الحال دل سے نکال دیں۔ بھائی ابھی کسی بھی صورت میں شادی نہیں کریں گے۔" فوزیہ نے ماں کو مشورہ دیا۔ نسیم کے آنسو تو وہیں تھم چکے تھے۔
"تو کیا میری بوڑھی ہڈیوں میں دم ہے، جو میں سارے گھر کو سنبھالوں اور ہانڈی چولہا بھی کروں اس عمر میں؟" وہ چیخ کر بولیں۔
فوزیہ بے بسی سے ماں کو دیکھ کر رہ گئی۔
"میں نے پروین خالہ سے بات کی ہے نا۔ وہ اور ان کی بیٹی صبح سے آجایا کریں گی اور رات تک سارا کام نپٹا کر جایا کریں گی۔" وہ کچھ دیر بعد ماں کو تسلی دینے کو بولی۔
"اب میں گھر غیروں کے حوالے کر دوں؟" وہ چمک کر بولیں۔ فوزیہ کچھ بول ہی نہ سکی۔
"مان جائے تو ابھی بھی دس لڑکیاں ہیں اس کے ساتھ شادی پر راضی۔" وہ ملال بھرے لہجے میں بولیں۔
"زبردستی کریں گی تو کچھ بھی کر سکتے ہیں وہ۔" فوزیہ نے سمجھایا۔ نسیم کچھ سوچنے لگیں۔
"اگر مثال کو یہاں لے آئیں پکا پکا۔ اس کے کاموں کو دیکھنے بھالنے کے لیے کوئی عورت چاہیے ہوگی پھر تو مان ہی جائے گا۔" وہ ذرا دیر بعد جوش بھرے لہجے میں بولیں۔
"دیکھ لیں مثال کی ذمہ داری آپ اٹھا نہیں پائیں گی۔ میں تو کہتی ہوں رہنے دیں اسے ماں کے پاس ہی۔ یہاں آئے گی تو بھائی کی ساری توجہ اس کی طرف ہو جائے گی۔ آپ کی طرف دھیان دیں گے اور نہ دوسری شادی کے لیے راضی ہوں گے۔ اتنی چھوٹی نہیں ہے مثال کہ اس کی دیکھ بھال کے لیے کسی عورت کے ساتھ کی اسے ضرورت پڑے۔" فوزیہ ٹھہر ٹھہر کر بولی۔
نسیم دل مسوس کر رہ گئیں۔
کوئی بھی تو در وست نظر نہیں آرہا تھا اور عدیل کی دوسری شادی بھی ضروری تھی۔ فوزیہ اب ادھر ادھر کی باتیں کیے جا رہی تھی مگر نسیم کا دماغ اسی ایک نقطے کی تلاش میں جتا تھا کہ کیسے عدیل کو شادی پہ راضی کریں۔

☼ ☼ ☼
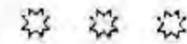
"ہیلو!" وہ کچن میں مثال کے لیے ناشتہ بنا رہی تھیں جب وہ صبح سویرے اس کے سر پر سوار ہو گیا۔
"اٹھ گئے تم ___ میں تو سمجھی تھی، رات بہت دیر میں سوئے ہو تو صبح دیر تک سوؤ گے۔" بشریٰ مروتاً بولی۔
"ہائے سویٹی! تمہاری بیٹی ہے نا؟" وہ مثال کی سنہری پونیاں ہلا کر اسے جھک کر پیار کرتے ہوئے بولا۔
"ہوں!" بشریٰ کی آنکھوں میں ڈھیر ساری محبت سمٹ آئی۔
"بہت کیوٹ ہے۔ تمہارے بچپن سے زیادہ۔" وہ اسے چڑانے کو بولا مگر بشریٰ کو اچھا لگا۔ مثال کی تعریف تو اسے اپنے سے بڑھ کر لگتی تھی۔
"تمہارا بیٹا ابھی سویا ہوا ہے؟" بشریٰ مثال کے آگے ناشتہ رکھتے ہوئے بولی۔
"ہاں، وہ دیر تک سوئے گا۔ میں تو صبح جلدی اٹھنے کا عادی ہوں اور واک کے لیے جانے کا۔ آج کچھ دیر ہو گئی۔" وہ بولتے ہوئے مثال کے آگے رکھے آملیٹ کو چھری سے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں کاٹنے لگا۔
"تمہاری بیوی نہیں آئی ساتھ؟" بشریٰ نے رات سے روکا ہوا سوال پوچھ ہی ڈالا بالآخر۔
اس کے ہاتھ لمحہ بھر کو تھم سے گئے۔
"سچ کہوں بشریٰ!" وہ سر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے گہری سنجیدگی سے بولا۔ "ہم دونوں کو ہی جیون ساتھی قدر کرنے والے نہیں ملے یا شاید ہم ہی ان کے قابل نہیں تھے۔"
بشریٰ کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ وہ اس کے ساتھ بیت جانے والے سانحے کو یوں ایک جملہ میں سمیٹ کر اپنی بھی کہانی اس میں بیان کر جائے گا۔
اور وہ جو رات سے ڈری ہوئی تھی کہ جب احسن کمال عدیل کے بارے میں پوچھے گا پھر جھگڑے اور طلاق کی وجہ اور پھر مثال اور اس کے فیوچر کے بارے میں خوفناک اندیشوں کا اظہار کرے گا تو وہ کیسے اس کا سامنا کرے گی۔
اس نے کتنی آسانی سے ایک جملہ میں کہہ دیا جبکہ اسے یقین تھا کہ نے رو رو کر بشریٰ کی بدنصیبی اس کی پہاڑ سی زندگی اور اس کی بچی کی برباد زندگی کے قصہ کو کتنا طویل کیا ہوگا اور احسن کمال۔
وہ پہلی بار اسے دلچسپی سے دیکھنے لگی۔
"بلکہ میں تو کہتا ہوں وہی ہمارے قابل نہیں تھے سو ان پر چار حرف بھیجو ہم اپنی باتیں کرتے ہیں۔" وہ چھری رکھ کر ہاتھ جھاڑتے ہوئے بولا۔
"کیا مطلب؟" وہ چونکی۔
"یہی کہ آج تم مجھے ناشتے میں کیا کھلانے والی ہو۔" اس نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔
"جو تم کہو۔" بشریٰ خوش دلی سے بولی۔
"پراٹھا، آملیٹ اور رات کا سالن، ساتھ گرما گرم چائے کا فل سائز مگ۔" وہ بے تکلفی سے بولا۔
بشریٰ اٹھ کر فریج سے آٹا نکالنے لگی۔
"تم بتاؤ، مجھے سیفی کو کون سے اسکول میں داخل کرانا چاہیے۔" وہ اب مثال کو بچا ہوا ناشتہ زبردستی کرا رہا تھا۔ پراٹھا بیلتے ہوئے بشریٰ کے ہاتھ رک سے گئے۔
"کیا مطلب؟"
اف یار! تم مطلب بہت پوچھنے لگی ہو، ایسی کوڑھ مغز تو تم کبھی بھی نہیں تھیں۔" وہ چڑ کر بولا۔
"تم کیا مستقل یہاں آگئے ہو۔" وہ سنبھل کر بولی۔
"آف کورس۔" وہ اب نیپکن سے مثال کا منہ صاف کر رہا تھا اور دودھ کا گلاس اس کے آگے رکھ رہا تھا۔
بشریٰ کو اس کے انداز بہت اچھے لگ رہے تھے۔
اس نے بہت آرام سے مثال کو سارا ناشتہ ختم کرا دیا تھا۔
"دیکھو نا، وہاں میں نے بزنس اسٹارٹ کیا تھا۔ جاب کچھ عرصہ کی پھر بعد میں بزنس میں آگیا۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے یہاں کی دو کمپنیوں کے ساتھ بہت اچھی ڈیل ہو گئی۔ پارٹنر شپ بھی چل رہی ہے اور کچھ دوسرے معاملات بھی تو مجھے لگا، مجھے پاکستان واپس آجانا چاہیے۔" وہ تفصیل بتانے لگا۔
"بلکہ بشریٰ! اگر تم مائنڈ نہیں کرو تو مجھے تمہاری تھوڑی ہیلپ چاہیے ہوگی یہاں سیٹل ہونے میں۔" وہ بے تکلفی سے کہہ رہا تھا۔ بشریٰ اب اس کے لیے آملیٹ بنا رہی تھی۔
"مجھے یہاں اپنے اور سیفی کے لیے گھر دیکھنا ہے۔ آفس کا ارینج منٹ میں کر لوں گا۔ سیفی کا اسکول تم کرواؤ گی اور کچھ گھر کو سیٹ کرنے میں ___ کیا تم تھوڑا ٹائم دے سکو گی مجھے؟"
وہ بہت طریقے سے پوچھ رہا تھا۔
"ہوں کیوں نہیں۔" بشریٰ کو کہنا پڑا۔
"او کے تو آج ہی سے کام اسٹارٹ کیا جائے۔ اسپیشلی گھر دیکھنے کا۔" بشریٰ ہاتھ روک کر اسے دیکھنے گئی۔
"ارے ___ آملیٹ کوئلہ بن جائے گا، واپس آجاؤ۔" وہ زور سے بولا تو وہ جلدی سے آملیٹ پلیٹ میں نکالنے لگی۔
"چلو، دو چار دن بعد شروع کر دیں گے سروے، جس میں تم ایزی فیل کرو۔" وہ ناشتہ کرتے ہوئے اطمینان سے بولا۔

بشریٰ کچھ نہیں بولی۔ اس کے آگے چائے کا کپ رکھتے ہوئے چولہا بند کرکے لمحہ بھر کو رکی۔
"میں امی سے ناشتے کا پوچھ لوں۔" وہ کہہ کر تیزی سے باہر نکل گئی۔
احسن اسے جاتا دیکھتے ہوئے کچھ سوچنے لگا۔

☼ ☼ ☼

"غلطی ساری آپ کی ہے عاصمہ بہن! آپ کو بغیر قانونی کارروائی کے اس عورت کو اپنے گھر میں داخل نہیں ہونے دینا چاہیے تھا۔" الیاس ساری بات سن کر کچھ پریشانی سے بولا۔
"میں جانتی ہوں۔ غلطی میری ہے لیکن بھائی آپ یقین کریں' میں کچھ اس طرح سے بے بس ہوگئی تھی کہ۔۔۔" وہ دونوں ہاتھوں سے کنپٹیاں دبا کر بولی۔ "آپ اس سے ملیں گے تو یقین کریں۔۔۔ میں نے ایسی عورت پہلے کبھی نہیں دیکھی۔ وہ جادو ہی نہیں کرتی' سامنے والے کو بے بس بھی کردیتی ہے۔ اور خدا کے لیے کچھ کریں' میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ وہ رات بھر چلے کاٹتی ہے اور۔۔۔ یا اللہ! میں کیا کروں؟"
وہ روئی نہیں' مگر آنسو کنٹرول کرنا بھی مشکل ہوتا جارہا تھا۔
"خیر آپ پریشان نہیں ہوں' میں اس کا بندوبست کرلوں گا۔ بس آپ کو اپنے گھر کے اندر والا دروازہ بند رکھنا ہے ہر صورت' جو راستہ اوپر کی طرف جاتا ہے وہ۔" وہ کچھ دیر سوچنے کے بعد بولا تھا۔
"وہ تو بند ہے اسی دن سے' جس دن وہ عورت آئی تھی اور اتنی جھوٹی ہے۔ کہتی تھی میری ماں اور بہنیں ایک دو دن میں آجائیں گی۔ کوئی بھی نہیں آیا۔" عاصمہ حقیقتاً" پریشان تھی۔
"خیر یہ اس کا انتظام تو میں کرلوں گا۔"
"بھائی! آج ہی کچھ کریں۔ میں اس جادوگرنی کو مزید ایک رات بھی اپنے گھر میں برداشت نہیں کرسکتی۔" وہ تیزی سے بولی۔
"آپ پرسکون ہوکر گھر جائیں۔ میں کچھ نہ کچھ کرتا ہوں۔" الیاس نے اسے تسلی دے کر بھیج دیا۔
مگر گھر آکر بھی اس کا دل گھر کے کاموں میں نہیں لگ رہا تھا۔ سارا دھیان اوپر کی طرف تھا' جہاں بالکل خاموشی تھی۔
"کمبخت رات بھر جاگ کر جادو ٹونا کرتی ہے اور دن میں پڑی سوتی ہے۔" وہ خوامخواہ جھلائے جارہی تھی۔
غصہ اپنی بے بسی پر آرہا تھا کہ اپنے گھر میں بھی وہ کتنی لاچار ہے' ایک ناپسندیدہ انسان کو نکال باہر نہیں کرسکتی۔
"بچے اسکول سے آجائیں تو میں حمیدہ خالہ کے گھر جاؤں' شاید ان کے کچھ آنے کا پتا چل سکے۔" اس نے بے دلی سے کھانا بنایا۔
دھونے والے کپڑے کافی اکٹھے ہوچکے تھے۔ مگر وہ ابھی دھونا نہیں چاہتی تھی۔ پھر اوپر چھت پر سوکھنے کے لیے ڈالنے جانا پڑتا اور اسے ابھی اس عورت کا سامنا نہیں کرنا تھا۔
بیرونی دروازے پر ہونے والی دستک سے وہ چونکی۔
"اس وقت کون ہوسکتا ہے۔ بچے تو ابھی نہیں آئیں گے۔" وہ سوچتی ہوئی دروازے تک گئی۔
"کون؟" اس نے دروازے کی جھری سے جھانکتے ہوئے پوچھا۔ اور دوسرے لمحے دو قدم پیچھے ہٹ گئی۔ وہ عورت دروازے کی جھری میں نظریں جمائے دیکھ رہی تھی۔
"تو تم باز نہیں آئیں غلط حرکت کرنے سے۔" وہ عجیب پھٹی ہوئی آواز میں عاصمہ پر نظریں جمائے کہہ رہی تھی۔

عاصمہ کوشش کے باوجود کچھ بول نہیں پائی۔
"دروازہ کھولو' مجھے بات کرنا ہے تم سے۔" وہ حکمیہ انداز میں بولی۔ عاصمہ جہاں کھڑی تھی' وہاں سے ہل بھی نہیں سکی۔
"تو تم دروازہ نہیں کھولوگی؟" وہ اور بھی حقارت بھرے انداز میں بولی۔
"نہیں۔" اللہ جانے کیسے وہ اپنے پورے جسم کی قوت مجتمع کرکے بول پائی۔
"اوہ تو اتنی جرات آگئی ہے تم میں' مبارک ہو پھر تو تمہیں۔۔۔ تم بہت جلد اپنے بچوں کو بھی رونے والی ہو۔" وہ منحوس لہجے میں بولی۔
اور دوسرے لمحے دروازے کے باہر مختلف آوازیں آنے لگیں۔
"اے ادھر مت کرو۔ تم زلیخا ہو نا۔۔۔ زلیخا شمشاد۔" کوئی بہت ہی بھاری رعب دار آواز تھی۔
"سر جی! ایسی عورت ہے' شناخت کی کیا ضرورت ہے۔ اس مردود کو تو میں نے خود موقع واردات سے پکڑا تھا مگر یہ مجھے جل دے کر بھاگ گئی۔" دوسری خوشامدی سی آواز ابھری۔
"آپ کون ہیں جی۔ ہٹیں۔ جانے دیں مجھے اوپر اپنے گھر۔" وہ اب کے ذرا گھبرائے ہوئے لہجے میں بولی۔
"اپنے گھر کی بچی۔۔۔ تیرے باپ نے خرید کر تیرے نام کیا تھا۔" یہ یقیناً" کسی پولیس والے کا لہجہ تھا۔ مگر ڈر کی وجہ سے عاصمہ نے دروازہ نہیں کھولا۔
"یہی ہے وہ انسپکٹر صاحب! جادو ٹونا کرتی ہے اور لوگوں کو بے وقوف بنا کر رقمیں اینٹھتی ہے۔" یہ الیاس کی آواز تھی۔ عاصمہ صاف پہچان گئی۔
"ارے جی جادو ٹونے کو گولی ماریں۔ یہ تو بڑی مردود عورت ہے۔ ڈیڑھ مہینے سے مختلف جگہوں پر اس کی تلاش میں چھاپے مار رہے ہیں۔ پھانسی کا پھندا اس کا انتظار کررہا ہے۔" وہی خوشامدی آواز تھی۔ اب کے عاصمہ سے رہا نہیں گیا۔
اس نے دوپٹے کو اچھی طرح چہرے پر اور سر پر لپیٹا اور ذرا سا دروازہ کھول دیا۔
باہر پولیس والے کھڑے تھے۔ ان کے ساتھ الیاس تھا۔ زلیخا کے چہرے کا رنگ اڑا ہوا تھا۔
آنکھوں کی جادوئی طاقت ناپید تھی۔ اس وقت آنکھوں میں التجا اور بے بسی تھی۔
عاصمہ کو یک گونہ اطمینان ہوا۔
"اپنے شوہر کو قتل کرکے بھاگی ہے یہ۔ پکڑی گئی تھی عین موقع واردات سے مگر بچ نکلی' سارے ثبوت گواہ اس کے خلاف سب کچھ موجود ہے۔ اب کے نہیں بچ سکے گی۔ چل لگ آگے۔" انسپکٹر غرا کر بولا۔
"سر جی! آپ لوگوں کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ میرا نام تو عذرا ہے۔ آپ عاصمہ بہن سے پوچھ لیں۔ انہوں نے خود چھان بین کرکے مجھے کرائے پر اپنے گھر کا اوپر والا پورشن دیا تھا۔ کیوں عاصمہ بہن۔۔۔؟" وہ کانپتی آواز میں اپنائیت بھرے لہجے میں عاصمہ کے ذرا قریب ہونے کی کوشش کرتے ہوئے بولی۔
"الیاس بھائی! میں اس عورت کو جانتی بھی نہیں' یہ زبردستی۔۔۔" عاصمہ نے اسے نفرت سے دیکھتے ہوئے کہنا چاہا۔
"بہن جی! آپ کو بولنے کی ضرورت نہیں۔ میں کافی ہوں اس عورت سے نپٹنے کے لیے اور دیکھیں آپ کی جان چھڑانے کو اللہ نے کیسا انتظام فرمایا۔ خود سے مدد بھیج دی۔" الیاس اسے تسلی دیتے ہوئے بولا۔
"اب تم خود چل کر آگے گاڑی میں بیٹھوگی یا تمہاری ڈنڈا ڈولی کی جائے۔" پولیس والا فخر سے بولا۔
"سر جی! میں بے گناہ ہوں۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔ آپ قسم لے لیں۔ قرآن اٹھوالیں مجھ سے۔ میں تو۔۔۔" وہ

اب گڑبڑاتے ہوئے دونوں ہاتھ جوڑے معافیاں مانگ رہی تھی۔
"سرجی! پیشہ ور ہے' ایسے نہیں مانے گی' اس کا علاج کرنا پڑے گا۔" اس نے بندوق کے بٹ سے اسے آگے دھکیلا تو پھر وہ کچھ بول ہی نہ سکی۔
گلی میں ایک' دو لوگوں کے سوا کوئی نہیں تھا۔
تینوں پولیس والے اسے دھکیلتے ہوئے آگے لے گئے۔
ایک پولیس والا واپس آتا دکھائی دیا۔ عاصمہ دروازہ بند کرتی رک گئی۔
"بہن جی! اوپر اس کا سامان ہے اور سرجی نے کہا ہے کہ اوپر کے کمرے ابھی سیل کیے جائیں گے۔" وہ پاس آکر بولا۔
عاصمہ پریشان نظروں سے الیاس کی طرف دیکھنے لگی۔
"آپ پریشان نہیں ہوں۔ میں جاتا ہوں ساتھ۔" الیاس پولیس والے کے ساتھ بیرونی سیڑھیوں سے اوپر چلا گیا۔
عاصمہ فکر مند سی صحن میں ٹہلنے لگی۔ آدھے گھنٹے بعد الیاس نے دروازے پر دستک دی۔
"کوئی گڑبڑ تو نہیں ہے الیاس بھائی!" وہ خوف زدہ سی تھی۔
"اللہ کا شکر ادا کریں۔ اس نے آپ کو بہت بڑی گڑبڑ سے بچالیا ہے۔" وہ گہرا سانس لے کر بولا۔
"کیا مطلب؟" وہ اور بھی پریشان ہوگئی۔
"شام تک پولیس یہاں سے اس کا سارا سامان اٹھالے جائے گی تو اسے کھول دیں گے۔ اس کا سامان کچھ خاص نہیں ہے۔ جادو ٹونے کے کچھ آلات ہیں۔ شاید اپنے قتل والے کارنامے کو چھپانے کے لیے اس نے جادوگرنی کا بہروپ بھرا تھا۔ بہرحال اللہ نے آپ پر فضل کیا۔ آپ شکر ادا کریں۔"
"شکر ہے اس کی ذات کا۔" وہ آہستگی سے بولی۔ "اس نے کسی بڑی مصیبت سے بچالیا۔"
"فی الحال میں ادھر ہی ہوں۔ جب تک اوپر کا سیل ختم نہیں کیا جاتا میں کہیں نہیں جاؤں گا۔ آپ بالکل پریشان نہیں ہوں گا۔" وہ کہہ کر جانے لگا۔
"بہت شکریہ الیاس بھائی! آپ نے ساتھ دیا تو۔۔۔"
"اللہ ساتھ دینے والا ہے جی اور بہن جی! آپ بچوں سے اس واقعہ کا ذکر نہ کیجئے گا' چھوٹے سے دل دماغ ہوتے ہیں ان کے۔ وہ ڈر جائیں گے تو اوپر کے پورشن سے خوف کھانے لگیں گے۔" وہ احتیاطاً بولا۔
"جی بالکل۔ میں سمجھتی ہوں۔ بھائی! آپ کا ایک بار پھر شکریہ۔" وہ سرہلا کر بولی تو الیاس کچھ کہے بغیر وہاں سے چلا گیا۔
"اوہ میرے پیارے اللہ! ایک بار۔۔۔ اپنی پوری زندگی میں صرف ایک بار میں پورے خلوص سے تیرے آگے جھکی اور تو نے مجھے اس طرح سے نوازا۔ اس طرح سے میری بے کسی پر رحم فرمایا۔ اگر میں تاعمر تیرا شکر ادا کروں۔ تجھے خلوص دل سے پکارتی رہوں تو۔۔۔ تو بڑا مہربان ہے' تو بڑا رحیم ہے۔ مجھے بخش دینا اور میرے گناہوں سے سیاہ ہوتے دل کو بھی حق اور یقین کی روشنی سے منور کردے۔"
وہ بالکل رات والے انداز میں پھر خدا کے آگے سجدہ ریز تھی۔

☼ ☼ ☼

"آؤ کھیلیں۔" سیفی نے ہاتھ میں پکڑے فٹ بال کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کرسی پر گم صم بیٹھی مثال سے

کہا۔
"نہیں۔۔۔" وہ بے نیازی سے بولی۔
"کیوں؟" وہ اس کے پاس آگیا۔
"مجھے نہیں کھیلنا۔" وہ منہ دوسری طرف پھیر کر بولی۔
"وہی تو پوچھ رہا ہوں' کیوں نہیں کھیلنا۔" وہ اصرار سے بولا۔
"میری مرضی۔" وہ اڑیل پن سے بولی۔
"چلو ٹھیک ہے' نہیں کھیلتے۔ ہم باتیں کرتے ہیں۔" وہ صلح جو انداز میں بولا۔
"نہیں۔ مجھے تم سے باتیں بھی نہیں کرنا۔" وہ رکھائی سے بولی۔
سیفی کچھ حیران سا اسے دیکھنے لگا۔
"تم مجھے پسند نہیں کرتیں؟" وہ کچھ پریشان ہوکر بولا۔
"نہیں۔" وہ کھٹ سے کہہ گئی۔
سیفی کا منہ اتر گیا۔
"کیوں؟" وہ ذرا دیر بعد پھر بولا۔
"میں جواب نہیں دینا چاہتی۔" وہ پکا سا منہ بنا کر بولی۔
"لیکن تم تو مجھے اچھی لگی ہو اور تمہاری ماما بھی مجھے اچھی لگی ہیں۔ شی از ویری نائس۔" وہ نرمی سے بولا۔
"شٹ اپ!" وہ ایک دم غصے میں آگئی۔
"مثال۔۔۔ میں نے ایسا کیا کہا ہے۔" وہ پریشان ہوگیا۔
"تم کون ہوتے ہو میری ماما کو پسند کرنے والے اور تمہارے پاپا۔۔۔ تم لوگ یہاں کیوں آئے ہو' جاؤ اپنے گھر جہاں تم لوگ پہلے رہتے تھے۔" وہ غصے میں سرخ چہرہ لیے بولتی چلی گئی۔
اور باہر سے آتی بشریٰ اس کا یہ روپ دیکھ کر حیران سی رہ گئی۔ اس کے پیچھے ذکیہ بھی تھیں۔
"سن لو اپنی بیٹی کے فرمان' انہیں اب یہاں آنے والے مہمان بھی برے لگنے لگے ہیں۔" وہ جتا کر بولیں۔
"مثال میری جان! کوئی گیسٹ سے ایسے کہتا ہے۔" وہ نرمی سے مثال کو اپنے ساتھ لگا کر بولی۔
"مما! میں ان لوگوں کو پسند نہیں کرتی۔" وہ بے لحاظ لہجے میں بولی۔
"کیوں بیٹا! احسن انکل تو بہت اچھے ہیں اور سیفی بھی۔" وہ اس کے بال سنوارتے ہوئے نرمی سے بولی۔
"بٹ۔۔۔ آئی ڈونٹ لائیک دیم۔" وہ قطعیت سے بولی۔
بشریٰ کچھ کہہ نہ سکی۔ مثال اس سے ہاتھ چھڑا کر اندر چلی گئی۔ سیفی اکیلا بال سے کھیلنے لگا۔
"ابھی سے اس بچی میں خودسری آتی جارہی ہے۔ تم نوٹ کررہی ہو بشریٰ؟" ذکیہ خبردار کرنے والے انداز میں بولیں۔
بشریٰ تھکے ہوئے انداز میں کرسی پر بیٹھ گئی۔ کچھ بول ہی نہ سکی۔

☼ ☼ ☼

فوزیہ چلی گئی۔
اور نسیم کے لیے جیسے گھر کیا پورا شہر ہی ایک دم سے سونا ہوگیا۔
پروین اور اس کی لڑکی آتیں۔ لشتم پشتم سارا کام نپٹاتیں۔ دو ٹائم کی ہانڈی چڑھاتیں۔

اکثر شام میں رات کی روٹیاں پکا کر ہاٹ پاٹ میں رکھ کر چلتی بنتیں۔

نسیم موٹے کچے کناروں والی ادھ پکی روٹیوں کو الٹ پلٹ کر دیکھتیں اور انہیں بشریٰ کے ہاتھوں کے پھلکے یاد آنے لگتے۔

ہنڈیا فوزیہ بنا بھی لیتی تو روٹیاں بشریٰ ہی بناتی تھی کہ نسیم کو اسی کے ہاتھ کی روٹی چاہیے ہوتی تھی۔

کچن کا راشن ہفتوں میں نہیں' دنوں میں بار بار ختم ہونے لگا۔ عدیل تو اکثر ہی رات کا کھانا باہر کھا کر آتا۔ معلوم نہیں کھاتا بھی تھا یا نہیں۔ بس آکر کمرے میں پڑ کر سو جاتا۔

نسیم کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ ہاتھوں کی لگائی گرہیں اب دانتوں سے کیسے کھولیں۔ تھوڑی سی عجلت' تھوڑی سی جلد بازی نے کیسے زندگی کی کایا پلٹ ڈالی تھی۔

ان کے تو چند سال ہی تھے اور برے بھلے کٹ ہی جاتے مگر عدیل کی پوری زندگی... اگر وہ دوسری شادی نہیں کرتا تو اس کی مجرم نسیم ہی ہوتیں۔ وہ ابھی سے بیٹے سے نظریں چرانے لگی تھیں۔

رشتے والی ان کے کہنے پر تین' چار اچھے گھروں کے رشتے لائی بھی تھی۔ مگر عدیل تو کچھ سننے کے لیے تیار ہی نہیں تھا۔

اور تو اور نسیم کو اب مثال بے طرح یاد آتی اور اس دن تو ان سے صبر ہی نہیں ہو سکا۔ وہ ذکیہ کی طرف پہنچ گئیں مگر وہاں موجود احسن کمال کو دیکھ کر وہ تو جیسے دنگ ہی رہ گئیں۔ مثال گیٹ پر ہی مل گئی تھی۔

"دادو' دادو..." دوڑ کر وہ نسیم کی ٹانگوں سے لپٹ گئی۔

اور کچھ فاصلے پر احسن کمال کے ہمراہ باہر کی طرف جاتی بشریٰ بے اختیار ٹھٹک کر رکی تھی۔

نسیم نے مثال کو خوب چمٹا چمٹا کر پیار کیا۔

"اپنی نانی کو بلا کر لاؤ مثال! میں نے ان سے بات کرنی ہے۔" وہ وہیں گیٹ پر کھڑے بشریٰ کو دیکھ کر لاتعلق بنتے ہوئے بولیں۔

"دادو! اندر آجائیں۔ اندر بیٹھ کر بات کرلیں۔" مثال بڑے مودب انداز میں میزبان بنی کہہ رہی تھی۔

بشریٰ کو جی بھر کر غصہ آیا۔

"جن کی نسل ہے یہ دیکھنا... ان ہی پر پڑے گی۔ بے مروت' بے لحاظ' تم لاکھ اسے بھر بھر دودھ کے کٹورے پلاؤ۔ یہ نسل ڈنک مارنے سے باز نہیں آئے گی۔" بشریٰ کو وہیں کھڑے کھڑے ذکیہ کی بات یاد آنے لگی۔

مثال نے بڑے پیار سے دادی کا ہاتھ پکڑ کر انہیں لان میں پڑی کرسی پر بٹھا دیا اور خود نانی کو بلانے چلی گئی۔

بشریٰ آہستگی سے اندر چلی گئی تو احسن کمال خاموشی سے باہر نکل گیا۔ نسیم کے لیے ایک بڑا موقع ہاتھ لگ گیا۔

☼ ☼ ☼
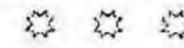
شام تک اوپر والے پورشن کی سیل ختم کردی گئی۔

الیاس نے جلد اچھے کرائے دار لانے کا وعدہ بھی کیا تھا مگر اب وہ واقعی ڈر گئی تھی۔

نیا آنے والا کسی اور ڈھب کا نکل آئے تو پھر وہ کیا کرے گی۔

ابھی تو غیب سے مدد آگئی پولیس کی۔ اگر واقعی کوئی جرائم پیشہ آکر رہنے لگا۔ اسے یا بچوں کو نقصان پہنچ گیا تو... وہ اکیلی عورت کیا کرے گی۔ وہ اب بہت کچھ سوچنے لگی تھی۔

"مما! اب آپ ایسے کسی کو گھر میں نہیں گھسنے دیں گی اور دروازہ تو بغیر پوچھے دیکھے بالکل نہیں کھولیں گی۔" واثق اسے تاکید کررہا تھا۔

مگر وہ اپنے ہی دھیان میں گم تھی۔

"مما! وہ علی کے ماموں نے پھر پیغام بھیجا تھا کہ اپنی 'مما سے کہو وہ آکر ہمارا اسکول جوائن کرلیں۔" وہ پھر سے ماں کو متوجہ کرنے کو بولا۔

"واثق! خاموش ہوجاؤ' جتنی تمہاری عمر ہے نا اتنی بات کیا کرو۔ جب میں تمہیں منع کرچکی ہوں' مجھے اس جگہ جاب نہیں کرنی تو... اور کان کھول کر سن لو۔ آئندہ کسی کے سامنے اپنی مجبوریوں کے رونے نہیں رونا۔ یہ دنیا بہت دھوکے باز ہے۔ بہت سے جال ہیں اس کے پاس سنا تم نے..." وہ ایک دم سے اس پر برس پڑی۔

واثق پریشان سا ماں کی شکل دیکھتا رہ گیا۔

یہ بات عاصمہ کو بھی آج ہی سمجھ میں آئی تھی کہ اپنی مجبوریوں اور بے بسی کا حال ہر کسی سے نہیں کہنا چاہیے۔ حتیٰ کہ الیاس سے بھی نہیں۔ خالہ حمیدہ سے بھی نہیں۔ ہر ایک کے ساتھ ایک فاصلہ ضروری ہے۔ سننے کے لیے اس کا اللہ موجود ہے تو پھر ادھر ادھر کسی دوسرے سے کیوں کہتے پھریں۔ وہ جو اس کے دل کا حال جانتا ہے' اب اسے کسی اور رازدار کی ضرورت نہیں۔

وہ فیصلہ کرکے مطمئن انداز میں اٹھ کر اندر چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

"یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں امی؟" بشریٰ کے لیے یہ بات کسی جھٹکے سے کم نہیں تھی۔

"اب کیا اس پر بھی انکار کروگی۔" وہ طنزیہ لہجے میں بولیں۔ بشریٰ کو بہت برا لگا۔

"تو آپ کے خیال میں مجھے اقرار کرلینا چاہیے جھٹ سے۔" وہ ناگواری سے بولی۔

ذکیہ بیٹی کی شکل دیکھتی رہ گئیں۔

"انکار کروگی تو میں سمجھوں گی تمہیں کفران نعمت کی عادت پڑ گئی ہے۔" وہ جتا کر بولیں تو بشریٰ کچھ کہہ ہی نہ سکی۔

"بہرحال! احسن کمال نے ابھی پروپوزل دیا ہے۔ وہ تم سے بھی بات کرے گا۔ بشریٰ! میرے خیال میں اس سے اچھا رشتہ اور نہیں ہوگا۔ یوں تو طارق والے پروپوزل میں بھی کچھ کمی نہ تھی۔ لیکن یہ تو اپنے گھر کی بات ہے۔" ذکیہ نرمی سے بولیں۔

"امی! جب مجھے شادی کرنی ہی نہیں۔" وہ زچ کر بولنے لگی۔

"میری بچی! جلد بازی نہیں کرو۔ خدا ایسی کرم نوازیاں ہر کسی پر نہیں کیا کرتا۔ آج اس نسیم کا حلیہ دیکھا تھا تم نے۔"

بشریٰ کچھ نہیں بولی کہ اس موضوع پر بات کرنا بہت تکلیف دہ تھا۔

"عدیل دوسری شادی پر راضی نہیں۔ اس نے اپنی ہر آس صرف مثال سے جوڑ رکھی ہے اور مثال کو آج تم نے دیکھا۔ کیسے وہ بچی دادی کے آگے بچھی جاری تھی۔ بیٹا! ناخنوں سے ماس جدا نہیں ہوسکتا۔ تم لاکھ اپنا سب کچھ اس بچی کے لیے نچھاور کردو تو بھی یہ ددھیال سے دور ہوگی' نہ باپ کی محبت کو نظر انداز کرسکتی ہے۔ تم سوچ لو اس لاحاصل تپسیا میں تمہارے ہاتھ کیا آئے گا۔" ذکیہ رک' رک کر بول رہی تھیں۔

"اس بچی کے لیے سب کچھ تیاگ دوگی۔ یہ کل کو جوان ہو کر باپ کے ساتھ چلتی بنی۔ میری زندگی تو بجھتا چراغ ہے اور عمران... اس کی طرف سے میں تمہیں کوئی گارنٹی نہیں دے سکتی۔ وہ دل چاہے تمہارا بنے۔ ورنہ آج گھر میں بیوی آئی تو وہ اس کا ہوجائے گا۔"

بشریٰ کی آنکھوں میں نہ چاہتے ہوئے بھی نمی آگئی۔ ذکیہ نے اس کی لاچاری کا نقشہ ہی کچھ ایسا کھینچا تھا۔

"میری بیٹی! میری زندگی میں پھر سے اپنے گھربار کی ہو جاؤ گی تو میں سکون سے آنکھیں بند کر سکوں گی۔ یوں طلاق کے بعد ایک بھی رشتہ خود سے آجائے تو فی زمانہ اسے معجزہ سمجھا جاتا ہے اور اللہ نے تمہارے لیے دو دو رشتے بھیجے ہیں۔

میں نے انسپکٹر طارق کو بھی صاف جواب نہیں دیا لیکن میری مانو تو احسن کمال جیسا رشتہ کسی بھی طرح ٹھکرانے کے لائق نہیں۔ تم سوچو اور خوب ٹھنڈے دل اور دماغ سے غور کرو۔ بہت جلدی نہیں۔ ابھی وہ گھر ڈھونڈ رہا ہے اور پھر دیکھو! اس رشتے میں تو ماں، بہن والی کوئی چخ چخ بھی نہیں۔ ان چڑیلوں کی وجہ سے پہلے تمہارا بسا بسایا گھر اجڑا۔ انسپکٹر طارق کی تو پھر ماں سلامت ہے اور ہم کسی کی زندگی کی کمی کی دعا کیوں مانگیں۔ بہرحال تم سوچ لو۔"

بشریٰ کی خاموشی کو نیم رضامندی جانتے ہوئے ذکیہ کہہ کر اٹھیں اور باہر نکل گئیں۔

اور سچ بات تو یہ ہے کہ صبح والا منظر بشریٰ کی نظروں میں جیسے جم سا گیا تھا۔ مثال جس طرح دادی سے لپٹی تھی پھر انہیں کرسی پر بٹھا کر نانی کو بلانے گئی راستے میں کھڑی ماں کو نظرانداز کر کے۔

"میں مثال پر جتنی بھی اپنی زندگی قربان کر دوں یہ باپ اور دادی کو نظرانداز نہیں کر سکتی۔ انہیں فراموش نہیں کر سکتی۔ پھر میں کیا کروں عدیل کی جگہ کسی اور کو۔۔۔ وہ بھی احسن کمال ایک نکتہ چین انسان جس کے ساتھ منگنی کا ایک ناخوشگوار عرصہ بھی وہ گزار چکی تھی۔" اس نے نڈھال ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔

وہ ابھی کچھ بھی نہیں سوچنا چاہتی تھی۔ مگر اس کے باوجود سوچے جا رہی تھی کہ ان دس بارہ دنوں میں احسن کمال کی وجہ سے اس کی زندگی ایک دم سے بدل سی گئی ہے۔

اسے اب عدیل بہت کم یاد آتا تھا۔

اسے اپنے ساتھ ہونے والے سانحے سے پہنچنے والے زخم کی ٹیسیں بہت کم محسوس ہوتی تھیں۔ اسے بار بار خودازیتی کا احساس بھی بہت کم ہونے لگا تھا۔

وہ بہت کچھ جو بہت برا تھا۔ بھولنے لگی تھی۔ اور اس میں سارا کمال احسن کمال کا تھا۔

احسن کمال بہت بدل گیا تھا۔ اس نے اتنے سارے دنوں میں ایک بار بھی اسے نہ عدیل کے حوالے سے کچھ کہا تھا، نہ پوچھا تھا۔

نہ اس کی آئندہ زندگی کا کوئی خوفناک ڈراوا دیا تھا۔ وہ گھر کے سروے کے دوران اسی کی رائے کو مقدم رکھ رہا تھا۔

کل اس نے اس کے ساتھ فرنیچر دیکھنے جانا تھا۔ گھر وہ فائنل کر چکے تھے۔ ایسا گھر جس کا خواب بشریٰ نے عدیل کے ساتھ سوچا تھا مگر جسے خرید احسن کمال رہا تھا۔

اور جس میں اسے تو نہیں رہنا تھا مگر پھر بھی وہ بہت خوشی سے اس کی ڈیکوریشن، تزئین و آرائش کے لیے پرجوش تھی۔ کیوں۔۔۔؟

☼ ☼ ☼

"میں جانتا ہوں۔" عدیل نے نسیم کی مرچ مسالے سے گھڑی کہانی سننے کے بہت دیر بعد کہا بھی تو یہ مختصر سا جملہ۔

"کیا۔۔۔ یعنی وہ اس لڑکے ساتھ گلچھرے اڑاتی پھر رہی ہے اور۔۔۔"

"امی! وہ نہ اب میری بیوی ہے، نہ میرا اس سے کوئی تعلق ہے تو بہتر ہے وہ جو بھی کر رہی ہے اسے کرنے دیں کہ اس کی ذاتی زندگی سے اب مجھے کوئی سروکار نہیں۔" وہ تو ایک دم سے جیسے برف کی سل بن گیا تھا۔

"تیری لڑکی کی ماں تو ہے نا۔ کیا تربیت کرے گی وہ اس کی۔ یہ نہیں سوچتے تم۔" نسیم نے عدیل کی کمزوری کو چھیڑا۔

وہ لمحہ بھر کو چپ ہو گیا۔

"میں آج کل میں کیس فائل کروا رہا ہوں مثال کی کسٹڈی کے لیے اگر بشریٰ دوسری شادی کر لیتی ہے تو یہ بات میرے حق میں اور بھی اچھی ہو گی۔ اس طرح مثال کے مجھے ملنے کے چانسز بڑھ جائیں گے اور مجھے بشریٰ کی دوسری شادی کا بہرحال انتظار تھا۔" وہ کہہ کر اٹھ کر چلا گیا۔

اس کا ردعمل نسیم کی توقع کے برعکس تھا۔

"مثال تو اس کے حواسوں پر چھا گئی ہے، اس چھٹکی کی فکر ہے اور اپنی زندگی کی کچھ فکر نہیں کہ اس کا بھی کچھ کرنا ہے۔" وہ بڑبڑانے لگی۔

"اگر بشریٰ شادی کر لیتی ہے اور مثال یہاں آجاتی ہے تو اس کو سنبھالے گا کون۔۔۔ اور یہ عدیل پھر تو کبھی دوسری شادی نہیں کرے گا۔ یا اللہ! میں کیا کروں، یہ فوزیہ بھی اتنی دور جا کر بیٹھ گئی۔" وہ سخت پریشان تھیں۔

☼ ☼ ☼

"میں جانتا ہوں، جس طرح میں نے تم سے منگنی کی اور پھر جس طرح غلط طریقے سے توڑ کر چلا گیا اور منگنی کے دوران میں تمہیں پریشان کرتا رہا۔ تمہارے دل میں میری جگہ بہت پسندیدہ نہیں۔" دونوں چاند کی چاندنی میں باہر لان میں بیٹھے کافی پی رہے تھے۔ جب احسن کمال نے ایک دم سے کہنا شروع کر دیا۔

"ان دنوں میرے لیے کچھ بھی اہم نہیں تھا۔ میری ترجیحات ہر روز بدلتی تھیں۔ تم مجھے بہت اچھی لگتی تھیں مگر جب تم منگنی کے بعد میری دسترس میں آگئیں تو میں نے تمہیں تنگ کرنا شروع کر دیا۔ کبھی کسی بات پر، کبھی کسی بات پر اور میں دل میں توقع کرتا تھا کہ تم مجھ سے لڑو گی اور پہلے کی طرح ری ایکٹ کرو گی مگر تم تو مجھ سے مزید دور ہوتی چلی گئیں اور میں اس ضد میں تمہیں اور ستاتا کہ ایسے میں نازیہ آئی۔

ان دنوں گرین کارڈ کس کا خواب نہیں تھا۔ میں نے اس غیر متوقع تحفے کو خدائی نعمت سمجھا اور فوراً" سے پیشتر اپنی ترجیح بدل دی۔ میں نے صرف اپنے لیے سوچا اور پیچھے مڑ کر نہیں دیکھا۔

لیکن یقین کرو اور اس یقین کو دلانے کے لیے میرے پاس کوئی ثبوت نہیں۔ نازیہ بھٹی جس احسن کمال کو اپنے ساتھ امریکا لے کر گئی، وہ کوئی اور احسن کمال تھا۔ اصل والا احسن تو پیچھے کہیں تمہاری معصوم صورت کے ساتھ بندھا رہ گیا۔

بشریٰ! مجھے وہاں جا کر معلوم ہوا، میں تو تمہارے عشق میں گرفتار ہو چکا ہوں۔ پھر اس کے بعد آنے والے ہر مہینے، سال، ہفتے، دن، گھڑیاں اس عشق کو بڑھاتی چلی گئیں اور میں بے بس ہوتا چلا گیا۔"

وہ کہتا جا رہا تھا اور بشریٰ کسی بت کی طرح ساکن بیٹھی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

رخسانہ نگار عدنان

ایک تھی مثال

عدیل اور فوزیہ نسیم بیگم کے بچے ہیں۔ بشریٰ ان کی بہو ہے اور ذکیہ بیگم کی بیٹی ہے۔ عمران بشریٰ کا بھائی ہے۔ مثال ذکیہ بیگم کی نواسی اور نسیم بیگم کی پوتی ہے۔ بشریٰ اور نسیم بیگم میں روایتی ساس بہو کا تعلق ہے۔ نسیم بیگم مصلحتاً بیٹا بہو سے لگاوٹ دکھاتی ہیں۔ دوسری طرف ذکیہ بیگم کا کہنا ہے۔ ان کی بیٹی بشریٰ کو سسرال میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ پانچ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد بشریٰ کی نند فوزیہ کا بالآخر ایک جگہ رشتہ طے پا جاتا ہے۔ نکاح والے روز بشریٰ دولہا ظہیر کو دیکھ کر چونک جاتی ہے۔

عدیل سے شادی سے قبل ظہیر کا بشریٰ کے لیے بھی رشتہ آیا تھا مگر بات نہ بن سکی تھی۔ نکاح والے دن زاہدہ اور ذکیہ بیگم بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔ بشریٰ اپنی ماں سے یہ بات چھپانے کے لیے کہتی ہے مگر عدیل کو پتا چل جاتا ہے۔ وہ ناراض ہوتا ہے مگر فوزیہ اور نسیم بیگم کو بتانے سے منع کر دیتا ہے۔ بشریٰ اور عدیل ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جاتے ہیں۔ وہاں انہیں پتا چلتا ہے کہ بشریٰ کے ہاں سات سال بعد پھر خوش خبری ہے۔

عفان اور عاصمہ اپنے تین بچوں اور والد کے ساتھ کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔ عفان کے والد فاروق صاحب سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ گریجویٹی اور گاؤں کی زمین فروخت کر کے وہ اپنا گھر خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ڈیڑھ کروڑ میں زمین کا سودا کر کے وہ عفان کے ساتھ خوشی خوشی شہر آ رہے ہیں۔ عاصمہ کو فون کے ذریعے کوئی اطلاع ملتی ہے جسے سن کر وہ بے ہوش ہو جاتی ہے۔

فون پر پتا چلتا ہے کہ شہر آتے ہوئے عفان اور فاروق صاحب ڈکیتی کی واردات میں قتل ہو گئے۔ عفان کے قریبی دوست زبیر کی مدد سے عاصمہ عفان کے آفس سے تین لاکھ روپے اور فاروق صاحب کی گریجویٹی سے سات لاکھ روپے

وصول کرپاتی ہے۔ زبیر گھر خریدنے میں بھی عاصمہ کی مدد کر رہا ہے۔
اسلام آباد سے واپسی پر عدیل دونوں مقتولین کو دیکھتا ہے۔ زاہدہ، نسیم بیگم سے بیس لاکھ روپے سے مشروط فوزیہ کی
رخصتی کی بات کرتی ہیں۔ وہ سب پریشان ہو جاتے ہیں۔ عدیل بشریٰ سے ذکیہ بیگم سے تین لاکھ روپے لانے کو کہتا ہے۔
حمیدہ خالہ، عاصمہ کو سمجھاتی ہیں کہ عدت میں زبیر کا اکیلے اس کے گھر آنا مناسب نہیں ہے۔ لوگ باتیں بنا رہے ہیں
جبکہ عاصمہ کی مجبوری ہے کہ گھر میں کوئی مرد نہیں۔ اس کا بیٹا ابھی چھوٹا ہے اور سارے کام اس نے خود کرنے ہیں۔ وہ
جلد از جلد اپنا گھر خریدنا چاہتی ہے۔ عاصمہ کے کہنے پر زبیر کسی مفتی سے فتویٰ لے کر آجاتا ہے کہ وہ انتہائی ضرورت کے
پیش نظر گھر سے نکل سکتی ہے بشرطیکہ مغرب سے پہلے واپس گھر آجائے، سو وہ عاصمہ کو مکان دکھانے لے جاتا ہے۔
رقم مہیا نہ ہونے کی صورت میں فوزیہ کو طلاق ہو جاتی ہے۔ نسیم بیگم جذباتی ہو کر بہو اور اس کے گھر والوں کو مورد الزام
ٹھہرانے لگتی ہیں۔ اسی بات پر عدیل اور بشریٰ کے درمیان خوب جھگڑا ہوتا ہے۔ عدیل طیش میں بشریٰ کو دھکا دیتا ہے۔ اس
کا ابارشن ہو جاتا ہے۔ عدیل شرمندہ ہو کر معافی مانگتا ہے مگر وہ ہنوز ناراض رہتی ہے اور اسپتال سے اپنی ماں کے گھر چلی
جاتی ہے۔
اسی اسپتال میں عدیل عاصمہ کو دیکھتا ہے جسے بے ہوشی کی حالت میں لایا گیا ہوتا ہے۔ عاصمہ اپنے حالات سے تنگ
آکر خودکشی کی کوشش کرتی ہے تاہم بچ جاتی ہے۔ نو سال بعد عاصمہ کا بھائی ہاشم پریشان ہو کر پاکستان آجاتا ہے۔ عاصمہ
کے سارے معاملات دیکھتے ہوئے ہاشم کو پتا چلتا ہے کہ زبیر نے ہر جگہ فراڈ کر کے اس کے سارے راستے بند کر دیے ہیں اور
اب مفرور ہے۔ بہت کوششوں کے بعد ہاشم، عاصمہ کو ایک مکان دلا پاتا ہے۔ بشریٰ اپنی واپسی الگ گھر سے مشروط کر دیتی
ہے۔ دوسری صورت میں وہ علیحدگی کے لیے تیار ہے۔ عدیل سخت پریشان ہے۔
عدیل مکان کا اوپر والا پورشن بشریٰ کے لیے سیٹ کروا دیتا ہے اور کچھ دنوں بعد بشریٰ کو مجبور کرتا ہے کہ وہ فوزیہ کے لیے
عمران کا رشتہ لائے۔ نسیم بیگم اور عمران کسی طور نہیں مانتے۔ عدیل اپنی بات نہ مانے جانے پر بشریٰ سے جھگڑتا ہے۔ بشریٰ
بھی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتی ہے۔ عدیل طیش میں بشریٰ کو طلاق دے دیتا ہے اور مثال کو چھین لیتا ہے۔ مثال بیمار پڑ جاتی
ہے۔ بشریٰ بھی حواس کھو دیتی ہے۔ عمران بہن کی حالت دیکھ کر مثال کو عدیل سے چھین کر لے آتا ہے۔ عدیل عمران پر
اغوا کا پرچا کٹوا دیتا ہے۔
عاصمہ اسکول میں ملازمت کر لیتی ہے مگر گھریلو مسائل کی وجہ سے آئے دن چھٹیاں کرنے کی وجہ سے ملازمت چلی
جاتی ہے۔ اچانک ہی فوزیہ کا کہیں رشتہ طے ہو جاتا ہے۔
انسپکٹر طارق دونوں فریقین کو سمجھا بجھا کر مصالحت پر آمادہ کرتے ہیں۔ ذکیہ بیگم کی خواہش ہے کہ عدیل، مثال کو لے
جائے، تاکہ وہ بشریٰ کی کہیں اور شادی کر سکیں۔ دوسری طرف نسیم بیگم بھی ایسا ہی سوچ بیٹھی ہیں۔ فوزیہ کی شادی کے بعد
نسیم بیگم کو اپنی جلد بازی پر پچھتاوا ہونے لگتا ہے۔
انسپکٹر طارق، ذکیہ بیگم سے فوزیہ کا رشتہ مانگتے ہیں۔ ذکیہ بیگم خوش ہو جاتی ہیں مگر بشریٰ کو یہ بات پسند نہیں آتی۔ ایک
پُراسراری عورت عاصمہ کے گھر بطور کرائے دار رہنے لگتی ہے۔ وہ اپنی حرکتوں اور انداز سے جادو ٹونے والی عورت لگتی
ہے۔ عاصمہ بہت مشکل سے اسے نکال پاتی ہے۔
بشریٰ کا سابقہ منگیتر احسن کمال ایک طویل عرصے بعد امریکا سے لوٹ آتا ہے۔ وہ گرین کارڈ کے لالچ میں بشریٰ سے
منگنی توڑ کر نازیہ بھٹی سے شادی کر لیتا ہے، پھر شادی کے ناکام ہو جانے پر ایک بیٹے سیفی کے ساتھ دوبارہ اپنی چچی ذکیہ بیگم
کے پاس آجاتا ہے اور دوبارہ شادی کا خواہش مند ہوتا ہے۔ بشریٰ تذبذب کا شکار ہو جاتی ہے۔

— ۱۴ —
چودھویں قسط

احسن کمال پہلے بھی اتنا بڑا فنکار تھا یا یہ اضافی خوبی اب اس میں پیدا ہوئی تھی بشریٰ آہستہ آہستہ اس سے
متاثر ہوتی جا رہی تھی۔
وہ اسے اپنی باتوں میں کچھ اس طرح سے الجھاتا کہ وہ کسی اور طرف نہ دیکھ پاتی نہ زیادہ سوچ بچار کرتی۔
وہ ہر مشورے میں اسے شامل کرتا اور اولیت اس کی رائے کو دیتا بشریٰ کا کھویا ہوا اعتماد جیسے بحال ہونے لگا تھا۔
بہت دنوں بہت سارے دنوں کے بعد اس نے اپنے اوپر پھر سے دھیان دینا شروع کیا تھا۔
اس پہ کون سے رنگ کھلتے تھے۔ کن رنگوں میں وہ خود کو بہت الگ سا محسوس کرتی تھی۔ کون سا فیشن کا لباس
اس کے نازک بدن پر اٹھتا تھا نہ چاہتے ہوئے اس کے ہاتھ الماری سے ان ڈریسز کے ہینگرز نکالنے لگتے۔
اگرچہ کچھ مزاحمت بھی اس کے اندر ہوتی۔ وہ متذبذب سی گومگو کیفیت میں وہ لباس واپس الماری میں رکھ دیتی
مگر اگلے ہی روز یا دو چار دن بعد جب نہا کر نکلتی تو عجلت میں بالکل غیر شعوری طور پر وہی لباس نکال کر زیب تن کر
لیتی۔
”یہ وہ سوٹ ہے نا جو پاپا آپ کے لیے میری پچھلی برتھ ڈے پر لے کر آئے تھے؟“
وہ شرٹ پہن چکی تھی ——— دوپٹہ ابھی ہینگر میں تھا جب مثال اندر آکر اسے غور سے دیکھتے ہوئے بولی۔
بشریٰ کو جیسے کسی نے کھینچ کر پتھر مار دیا ہو۔ اس کے تیزی سے برش کرتے ہاتھ وہیں پر ٹھٹک گئے۔
اس کے ریشمی تازہ شیمپو کنڈیشنڈ کیے بال بہت خوب صورت لگ رہے تھے۔
”مما! یہ سوٹ آپ پر بہت اچھا لگتا ہے۔ پاپا بھی یہی کہتے تھے نا!“ مثال ثمرین کے پاس آکر اس کی شرٹ پہ
نرمی سے ہاتھ پھیرتے ہوئے بولی۔
بشریٰ کے خون میں ابال اٹھا تھا جیسے سب کچھ تہس نہس کر ڈالے گا۔
شاید مثال کو بھی۔
اس نے زور سے کھینچ کر ہیئر برش ڈریسنگ ٹیبل پر مار دیا۔
”تم جانتی ہو ناں۔۔۔ بتایا ہے نا میں نے تمہیں کہ اب تمہارے پاپا سے میرا کوئی رشتہ نہیں۔ کیوں بار بار اس
شخص کا نام لیتی ہو میرے سامنے۔ مجھے تکلیف دینے میں تمہیں مزا آتا ہے۔ ہاں مزا تو آئے گا۔ ہو نا اسی پتھر دل
انسان کی بیٹی۔ اس سنگ دل فیملی کا حصہ جس نے مجھے دھکے دے کر گھر سے نکالا۔ یہ بات تمہیں یاد نہیں آتی۔“
وہ پہلی بار یوں چیخ کر مثال سے بولی تھی۔ مثال خوف زدہ سی ذرا سا پیچھے ہٹ گئی۔ اس کی سرمئی آنکھوں میں ڈر
اور وحشت تھی۔
”مما!“ سفید پڑتے لبوں سے صرف یہی نکل سکا۔
”تم مجھے خوش دیکھنا ہی نہیں چاہتیں۔ میں اس گھٹیا انسان کا بیٹھ کر سوگ مناتی رہوں۔ اندھیرے کمرے میں
پڑی روتی رہوں۔ خود کو فراموش کر دوں بھول جاؤں کہ اس زندگی پر، اس کی خوشیوں پہ کچھ میرا بھی حق ہے یہی
چاہتی ہو نا تم۔“ اس کے اندر کا ڈپریشن جیسے باہر نکل رہا تھا۔
مثال ڈری ہوئی، خوف زدہ سی دیوار کے ساتھ جا لگی تھی۔
”اتنے دنوں، اتنے مہینوں سے میں یونہی پڑی ہوں زنگ آلود سی۔ تمہیں کبھی ماں پر تو ترس آیا نہیں۔ میرا تو
خیال آیا نہیں اور باپ۔۔۔ اس کو تم بھولتی نہیں۔
اس روز کیسے دادی کے آگے پیچھے پھر رہی تھیں تم۔ وہ ذلیل عورت جس کی وجہ سے آج ہم یہاں پڑے ہیں۔
جانتی ہو ناں تم اسی عورت کی وجہ سے ہوا تھا یہ سب۔“
مثال پھٹی آنکھوں اور سفید ہونٹوں کے ساتھ پلکیں جھپکے بغیر یک ٹک چیختی چلاتی ماں کو دیکھے جا رہی تھی۔

"اتنی ناسمجھ اور ننھی بھی نہیں ہو تم۔ اب سمجھ سکتی ہو ان ساری باتوں کو کہ کن لوگوں کی وجہ سے ہم دونوں ای کے گھر آ پڑے ہیں۔" اس کے اندر سے اٹھے غصے کا ابال کچھ ٹھنڈا پڑنے لگا تھا۔ اسے اپنی چیختی آواز کی گونج سی سنائی دی تو اسے لگا کہ وہ مثال کو کچھ زیادہ ہی بول گئی ہے۔

کچھ دیر خاموش رہ کر غصے پر قابو پانے لگی۔

"مثال میں بھی تو تمہاری ماں ہوں بیٹا! تمہیں میرا بھی تو خیال ہونا چاہیے۔ تمہیں حاصل کرنے کے لیے جس طرح میں تمہارے باپ سے لڑ رہی ہوں۔" وہ اب کے نرم لہجے میں بولی اور آگے بڑھ کر مثال کا ہاتھ پکڑ لیا پھر اسے اپنے ساتھ صوفے پہ بٹھا کر خاموشی سے دیکھتی رہی۔

"ایک بات بتاؤ مجھے مثال!" بہت دیر بعد وہ اس کے ننھے سے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر نرمی سے بولی۔

"سوری۔۔۔ مما! آپ کو غصہ آگیا تھا۔ میں تو۔۔۔" مثال ماں کی محبت پا کر آنکھوں میں آنسو لیے بولی۔

"ہاں۔ بہت غصہ آگیا تھا۔۔۔ اگرچہ نہیں آنا چاہیے تھا۔۔۔ اس سارے میں تمہارا تو کوئی قصور نہیں ہے۔" اس کا غصہ جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔

مثال ماں کو پیار اور ہمدردی سے دیکھنے لگی۔

"مما! پہلے تو کبھی ایسے نہیں چلاتی تھیں۔ انہیں میری بات بہت بری لگی ہوگی۔ مجھے مما کا بھی خیال کرنا چاہیے۔" وہ اب جانب داری سے ماں کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

"مثال اگر تمہیں صرف میرے پاس رہنا ہو؟" بشریٰ بہت سوچ سوچ کر بولی تھی۔

مثال نا سمجھی سے ماں کی طرف دیکھنے لگی۔

"میں آپ کے پاس بھی تو ہوں نا۔" وہ بہت ہولے سے ماں کی گود میں سر رکھ کر افسردگی سے بولی۔

"اگر مما نے ناراض ہو کر اسے خود سے دور کر دیا تو اسے تو پاپا کے گھر کا راستہ بھی خود سے نہیں آتا۔" پہلی خوف زدہ کرنے والی سوچ یہی اس کے دماغ میں آئی تھی۔

"نہیں مثال!" بشریٰ جیسے اسے سمجھانے کے لیے موزوں الفاظ سوچنے لگی۔ مثال بڑی بڑی آنکھیں کھولے سر اٹھا کر ماں کو دیکھ رہی تھی۔

"اگر تمہیں صرف میرے پاس رہنا پڑے۔۔۔ یا پھر صرف اپنے پاپا کے پاس مطلب۔۔۔ ہم دونوں میں سے صرف ایک کے ساتھ۔"

بشریٰ اس کے بال سہلاتے ہوئے رک کر بولی۔ مثال یک ٹک اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"تم رہو گی میرے ساتھ صرف۔۔۔ یا اپنے پاپا کے ساتھ صرف۔" وہ "صرف" پر زور دے کر بولی۔

"بولو مثال! مجھے تمہارا جواب چاہیے۔" وہ پیار سے اس کی کشادہ پیشانی چوم کر بولی۔

"ناحق میں نے اپنی گڑیا کو اتنا ڈانٹا۔" بشریٰ کے دل میں ملال سا ابھرا۔

"مما۔۔۔ میں نہیں رہ سکتی ایسے۔" وہ ڈرے ہوئے انداز میں اٹک کر بولی۔

"کیا مطلب بیٹا! میں نہیں سمجھی۔" بشریٰ اس کی پونی ٹھیک کرتے رک کر بولی۔

"مما! میں اکیلی صرف آپ کے پاس۔۔۔ یا پاپا کے پاس۔۔۔ نہیں رہ سکتی۔ میں آپ دونوں کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔ مجھے آپ دونوں کے ساتھ رہنا اچھا لگتا ہے۔ میں۔" وہ کہتے کہتے ماں کے سینے میں منہ چھپا کر سسکنے لگی۔

بشریٰ جیسے ساکت سی رہ گئی۔

وہ تو سمجھ رہی تھی شاید اتنے دنوں میں مثال۔ یہ بات سمجھ گئی ہوگی کہ یہ ممکن نہیں اور پھر جس طرح اسے بشریٰ نے اتنے دنوں سے ہاتھ کا چھالا بنا کر رکھا ہے۔ وہ صرف اس کے ساتھ رہنا چاہے گی۔

مگر عدیل کی محبت اس کے دل میں ابھی بھی کمزور نہیں پڑی تھی۔

"مثال!" وہ صرف اتنا کہہ سکی۔ مثال ماں کے سینے سے لگی سسکتی رہی۔

"میری بچی یہ ممکن نہیں ہے کہ آپ ہم دونوں کے ساتھ۔۔۔ ہم دونوں اب کبھی ایک ساتھ نہیں رہ سکتے۔

آپ کو فیصلہ کرنا ہوگا کہ آپ کو کس کے ساتھ رہنا ہے۔ میرے ساتھ صرف یا اپنے پاپا کے ساتھ۔" وہ اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر بولی اور اس کی آنکھوں سے بہتے آنسو بشریٰ کو تڑپا گئے۔

"نہیں مما! میں نہیں جانتی۔" وہ صاف اقرار بھی نہیں کر رہی تھی کہ اسے دونوں میں سے کس کے ساتھ رہنا ہے۔

اور بشریٰ تو جیسے خود پر بھی حیران تھی۔ آج سے پہلے تو کوئی یہ بات مذاق میں بھی کہتا تھا کہ مثال کو عدیل کے پاس چھوڑ آؤ تو وہ مرنے مارنے پر تل جاتی تھی اور آج خود وہ یہ سب مثال سے پوچھ رہی تھی۔ وہ اپنی اس کایا پلٹ پہ خود بھی جیسے حیران سی تھی مثال کو تو اس نے کچھ نہیں کہا۔

کہ بالکل صاف جواب تو وہ ابھی خود کو نہیں دے پائی تھی کہ مثال کو کس کے ساتھ رہنا چاہیے تو یہ معصوم سی بچی کیا "فوراً" جواب دیتی۔

"مگر کیا میں خود اپنے فیصلے سے پھر چکی ہوں کہ مثال صرف میرے پاس رہے گی؟" وہ خود سے پوچھ رہی تھی۔

"نہیں۔۔۔۔ نہیں میں مثال کو کبھی خود سے جدا نہیں کر سکتی۔ میں اس کے بغیر رہنے کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ نہیں نہیں۔" وہ زور سے خود اپنی نفی کرنے لگی۔

"پھر میں نے مثال سے کیوں پوچھا؟" اس کے پاس پڑا سیل فون بج رہا تھا۔

"احسن کمال!" جیسے اس کا نام دیکھتے ہوئے اسے اپنے سوال کا جواب مل گیا۔

"کیا احسن کمال کی وجہ سے میں نے یہ سب سوچا کہ مثال عدیل کے پاس چلی جائے تو۔"

"نہیں نہیں۔ میں اتنی خود غرض نہیں ہو سکتی۔ میں اپنی بیٹی کو۔ جان سے پیاری بیٹی کو خود سے دور نہیں کر سکتی۔" فون بجے جا رہا تھا اور وہ خود کو مضبوط کر رہی تھی۔

☆ ☆ ☆
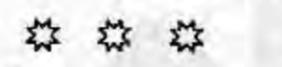
عاصمہ نے کلام پاک پڑھ کر اسے بند کرتے ہوئے الماری میں رکھا۔

آج شام کو اس نے محلے کی چند خواتین کو قرآن خوانی کے لیے گھر میں بلایا تھا۔

"جب آپ کو کہیں سے سکون نہ ملے تو پھر اللہ کے کلام کی طرف رجوع کرو۔" اس کے دل نے اسے یہ راہ سجھائی تھی۔

اس نے اوپر کا پورشن صاف کرنے کے بعد قالین جو ان کے پہلے ڈرائنگ روم میں بچھا تھا، وہ بچھا کر چادریں بچھا دیں چائے کے ساتھ اس نے گھر میں سموسے، آلو، چکن کباب اور میٹھا تیار کیا تھا۔

خرچا ہو گیا تھا مگر جانے کیوں اس کے دل کو یقین تھا۔ آج کوئی نہ کوئی راستہ ضرور نکل آئے گا۔

اس کا فون مسلسل بج رہا تھا۔

وہ اپنی سوچوں سے نکل کر تیزی سے کچن سے باہر آئی۔

ہاشم بھائی کی کال تھی۔ اس کا دل خوش ہو گیا۔

"بہت کوشش کر رہا ہوں عاصمہ! کسی طرح واپسی کی کوئی راہ نکل آئے مگر ابھی اللہ کو شاید منظور نہیں۔

میرے ویزے کی مدت پانچ سال ہے۔ سوچ رہا ہوں۔ درمیان میں ایک چکر لگالوں دونوں بچوں اور تمہاری بھابی کو ساتھ لے کر۔"

"بھائی! یہ تو بہت خوشی کی خبر ہے۔ کب آئیں گے آپ؟" وہ یہ بات سن کر جیسے جی اٹھی۔ "بھائی مجھے بھی آپ سے کچھ ضروری مشورے کرنے ہیں فون پر تو بہت مشکل ہوتا ہے۔"

"ابھی کچھ دنوں میں بتادوں گا اور سنو میں تھوڑے سے پیسے بھیج رہا ہوں۔ تمہارے اکاؤنٹ میں کل ٹرانسفر ہو جائیں گے۔"

"بھائی نہیں پلیز یہ نہیں کریں۔ میں۔"

"عاصمہ! مجھے شرمندہ نہیں کرو۔ میں پہلے ہی تمہارے لیے کچھ نہیں کرسکا۔" ہاشم کچھ شرمندگی سے بولا۔

"آپ کی وجہ سے تو بھائی! اپنے بچوں کو اپنی چھت تلے لے کر بیٹھی ہوں ورنہ میں تو جیسے پوری دنیا میں بے آسرا ہو گئی تھی۔ بہت کچھ کیا ہے آپ نے میرے لیے۔ میں آپ کا احسان نہیں چکا سکتی۔"

عاصمہ کو وہ خوفناک دن یاد آگئے تو آنسو ضبط کرتے ہوئے بولی۔

"غیروں جیسی باتیں نہیں کرو' یہ تمہارا حق تھا مجھ پر اور میں الیاس کو فون کر رہا ہوں۔ اس کا نمبر نہیں مل رہا ہے۔ کیا اس کا نمبر بدل گیا ہے؟"

"جی بھائی! میں آپ کو دیتی ہوں اس کا نیا نمبر۔"

"کرائے دار ٹھیک طرح سے رہ رہے ہیں نا؟" کرایہ وقت پر دیتے ہیں؟ کوئی مسئلہ تو نہیں؟" عاصمہ اس کی بات سن کر ٹھٹک سی گئی۔

"اب بھائی الیاس کو فون کریں گے اور وہ میری بے وقوفی کے بارے میں بتائے گا تو ہاشم بھائی کیا کہیں گے۔ نہیں جب تک نئے کرائے دار نہیں آجاتے' مجھے ابھی بھائی کو نہیں بتانا کچھ بھی۔" اس نے دل میں فیصلہ کرلیا کہ وہ الیاس کا نمبر ابھی ہاشم کو نہیں دے گی۔

دو چار ادھر ادھر کی باتوں کے بعد ہاشم نے فون بند کردیا۔

عاصمہ گھڑی کی طرف دیکھتے ہوئے تیزی سے کچن میں چلی گئی کہ ابھی بہت کچھ کرنے والا رہتا تھا اور ٹائم کم تھا۔

☼ ☼ ☼

بشریٰ مثال کا ہاتھ تھامے چہرے پہ خوشگوار مسکراہٹ لیے دوسرا ہاتھ سیفی کے ہاتھ میں دیے احسن کمال کے ساتھ چل رہی تھی۔ چاروں بہت خوشگوار موڈ میں تھے۔

باتیں کرتے ہوئے کسی بات پہ ہنس رہے تھے۔ بشریٰ باری باری جھک کر دونوں بچوں سے کچھ پوچھ رہی تھی۔ احسن کمال مختصر نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

وہ بھی ساتھ میں جھکا اور پھر مسکراتے ہوئے باتیں کرتے چاروں آگے بڑھ گئے۔

عدیل کو لگا وہ جس جگہ کھڑا ہے اب صدیوں تک وہاں سے ہل نہیں سکے گا۔ پتھر کا بن کر رہ گیا ہے۔

اسے تو یہ بھی پتا نہیں چل رہا تھا کہ اس کی سانسیں چل بھی رہی ہیں یا نہیں۔

اتنے مہینوں کے بعد بشریٰ کو دیکھا تھا۔

یوں ہنستے مسکراتے' خوشگوار موڈ میں۔

اس کی مثال خوب صورت فراک میں ماں اور دو اجنبیوں کے ساتھ کتنی خوش اور کھلی کھلی سی تھی۔

"پھر میں کون ہوں... ؟ کیوں ہوں... ؟ کس لیے میرا ان کے ساتھ تعلق تھا اگر مجھے یہ منظر ہی دیکھنا تھا تو۔"
اس کی آنکھیں بے طرح جلنے لگی تھیں۔
"پلیز۔ راستہ دیں۔" وہ کب سے رستے کے بیچ میں کھڑا تھا۔ کسی نے پیچھے سے کہا تھا۔
وہ چونک کر خالی خالی نظروں سے اردگرد کی چہل پہل کو دیکھنے لگا۔
بہت پر رونق شاپنگ مال تھا یہ۔
اور وہ بہت دنوں بعد آج مثال کے لیے کچھ خریدنے نکلا تھا۔
وہ سوچ رہا تھا کہ فون کر کے زکیہ سے کہے کہ وہ مثال کو لینے کے لیے آرہا ہے۔ کچھ دیر میں شاپنگ کے بعد اسے واپس چھوڑ جائے گا۔
"تو امی کا کہا جھوٹ نہیں تھا لیکن وہ سب سن کر بھی مجھے کچھ نہیں ہوا تھا مگر یہ منظر... یہ منظر کتنا تکلیف دہ تھا جیسے کسی نے مجھے پھانسی پر چڑھا کر بغیر بتائے رسی کھینچ دی ہو اور میرا وجود کسی خلا میں معلق ہو۔
بشریٰ کی ہنسی' مثال کی مسکراہٹ سب کچھ تو موجود ہے' برباد تو صرف میں ہوا ہوں۔ خالی ہاتھ' خالی دل تو میں ہوں۔
میں اکیلا ہوں... بالکل اکیلا۔ اس بھرے شہر' اس بھری دنیا میں بالکل تنہا۔
اسے رونا آرہا تھا۔
وہ کسی کے بھی کندھے پر' دیوار پر سر رکھ کر بہت رونا چاہ رہا تھا۔
اسٹیرنگ پر اس کی انگلیوں کی گرفت بہت مضبوط تھی مگر پھر بھی جانے کیسے وہ غلط موڑ کاٹ رہا تھا۔ غلط سائیڈ میں جا رہا تھا۔ اس نے اشارہ بھی کاٹا۔
اور پھر ایک تنہا اکیلی سنسان سڑک پر جا کر اس نے بالکل درمیان میں ایک دم سے بریک لگا دی۔ ہر طرف سناٹے کا راج تھا۔
یہ کوئی پوش رہائشی ایریا تھا۔ اردگرد کھڑی سنگ مرمر کی اونچی اونچی کوٹھیاں' بنگلے سب بالکل خاموش اس کی طرف دیکھ رہے تھے۔ اسے لگا جیسے ہر کھڑکی' ہر دروازے میں بشریٰ اور مثال کھڑی ہیں اور دونوں ہنس رہی ہیں' مسکرا رہی ہیں۔
بشریٰ مثال کو گود میں اٹھا کر اس کی طرف طنزیہ نظروں سے دیکھتے ہوئے اسے بہت کچھ جتا رہی ہے۔
"دیکھو کیا ہوا۔ مجھے تم نے چھوڑ بھی دیا تو کیا ہوا۔ میں تو ابھی بھی مکمل ہوں۔ ادھورے تو تم ہو گئے ادھورے' آدھے' اکیلے' نامکمل تم مجھے برباد کرنا چاہتے تھے نا۔ برباد تو تم ہو گئے۔ ہم تو ابھی بھی آباد ہیں خوش ہیں اور سکھی ہیں۔"
عدیل کو پتا بھی نہیں چلا۔ کب اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔
وہ اسٹیرنگ پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔
اسے لگا اس نے آج ہی بشریٰ کو چھوڑا ہے۔ آج ہی اس کا گھر ٹوٹا ہے آج ہی مثال اس سے ہمیشہ کے لیے بچھڑ گئی ہے۔
"دیکھو... دیکھ لو' میں تو ہار کر بھی جیت گئی۔ اصل میں تو ہار اللہ نے تمہاری قسمت میں لکھی تھی۔ تم لٹے پٹے' بے حال شہر کی سڑکوں پر اکیلے اپنی مردانگی کا زعم لیے پھرتے رہو۔ اکیلے' تنہا برباد۔" عدیل شاکڈ تھا۔
بشریٰ پھر کسی کھڑکی میں آکر کھڑی ہو گئی تھی۔
اس کے چہرے پہ ہنسی اور مسکراہٹ نہیں تھی۔ نفرت اور حقارت تھی۔ لبوں پہ زہریلی مسکراہٹ تھی۔

عدیل کا پاؤں ایک دم سے اسپیڈ بڑھاتا چلا گیا۔
وہ شہر کی روشن سڑکوں پر بھی یوں اندھا دھند گاڑی دوڑا رہا تھا جیسے پورے شہر میں وہ ایک گاڑی چلا رہا ہو۔
"وہ کیا سمجھتی ہے خود کو۔ میں برباد ہوا ہوں۔ میں ہارا ہوں۔ اب میں اسے بتاؤں گا کہ کون ہارا ہے' کون برباد ہوا ہے۔ میں تمہیں معاف نہیں کروں گا۔" غصہ' طیش' نفرت' انتقام اس کے دل دماغ پہ طاری تھے۔

☼ ☼ ☼

قرآن خوانی کے بعد حاجن خالہ نے صدق دل سے بہت اچھی دعا کرائی تھی۔
عاصمہ کے دل کو بہت سکون ملا تھا۔
"عاصمہ آپا! آپ کو ایک مشورہ دوں میں؟" ساتھ والی نسرین کی بیٹی سعدیہ اس کے ساتھ کچن کے کام میں مدد کروا رہی تھی۔
واثق اور بچیاں خالی برتن نیچے لا چکے تھیں۔
عاصمہ انہیں دھو رہی تھی اور سعدیہ پھرتی سے سب کچھ سمیٹتی جا رہی تھی۔ عام سے نقوش والی مناسب قد کاٹھ کی سعدیہ جس کا رشتہ فی الحال کہیں نہیں ہو رہا تھا۔ جو نسرین کے لیے سردرد تھا مگر سعدیہ ایک متوازن شخصیت کی مالک تھی۔ کبھی اس کے چہرے سے اندر کے مدوجزر کی خبر نہ ہوئی تھی۔
"کیسا مشورہ بھئی؟" عاصمہ بہت ہلکی پھلکی ہو چکی تھی۔
"آپ اپنا یہ پورشن ابھی کرائے پہ نہیں دیں۔"
"کیا مطلب... ؟ تم جانتی ہو ناں' فی الحال میرے پاس جاب نہیں ہے تو ہمارا گزارہ اسی پورشن کے کرائے پہ ہے۔" عاصمہ اسے ٹوک کر بولی۔
"تو کیا فائدہ ایسے غلط سلط لوگ آرہے ہیں اگر اس الیاس نے اور کوئی الٹا سیدھا اٹھائی گیرا بھیج دیا تو..." سعدیہ بولی۔
"اب تم مجھے ڈراؤ گی۔" عاصمہ پریشان ہو کر بولی۔
"آپ کے برتن کتنے رہ گئے؟" سعدیہ کچن تقریباً" سمیٹ چکی تھی۔
ہاں۔ بس ہو گئے۔" عاصمہ نے جلدی جلدی باقی کے برتن دھو کر ٹونٹی بند کر دی۔
"تو آجائیں... باہر بیٹھ کر باتیں کرتے ہیں۔"
سعدیہ اس سے کہہ کر باہر نکل گئی تو عاصمہ نے بھی دو چار چیزیں سمیٹیں۔ کچن کی لائٹ بند کی اور باہر نکل آئی۔
"آپ اپنے اوپر والے پورشن میں ٹیوشن سینٹر کھول لیں۔"
"ٹیوشن سینٹر... ماشاء اللہ... بچے کہاں سے آئیں گے؟" عاصمہ جیسے طنز سے بولی۔
"تین بچے تو میرے پاس آتے ہیں پڑھنے۔ ہمارے گھر میں تو جگہ ہی نہیں ہے کہ میں دو تین سے زیادہ بچے پڑھا سکوں' جب کہ مجھے ان بچوں کے کچھ جاننے والے بچے بار بار آکر کہتے ہیں کہ انہیں بھی ٹیوشن پڑھنی ہے' لیکن اماں اجازت نہیں دیتیں۔"
عاصمہ خاموش بیٹھی جیسے اس کی بات سمجھنے کی کوشش کرتی رہی۔
"میں تمہاری بات نہیں سمجھی سعدیہ!" وہ متانت سے بولی۔
"تقریباً" دس سے بارہ بچے ہوں گے ٹیوشن کے۔ ہم دونوں مل کر پڑھائیں گے۔ اسی حساب سے ہم دونوں فیس بھی تقسیم کر لیں گے چونکہ ٹیوشن سینٹر کی جگہ آپ کی ہو گی تو آپ کو تین حصے اور میں ایک حصہ فیس کا لیا

کروں گی۔ آہستہ آہستہ بچوں کی تعداد بڑھے گی تو ہم صبح میں یہاں چھوٹے بچوں کی نرسری بھی شروع کرسکتے ہیں۔" سعدیہ جوش میں کہہ رہی تھی۔

"مما! سعدیہ آپا بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ چھ سات بچے تو میں بھی لے آؤں گا جو ہمارے محلے میں یا کچھ فاصلے پر رہتے ہیں۔" واثق جو ان کی باتیں سن رہا تھا۔ بیچ میں آکر بولا۔

"لیکن واثق!" عاصمہ پریشان سی ہو گئی۔

"لیکن کیا آپا؟" سعدیہ تحمل سے بولی۔

"میں اتنی پڑھی لکھی کب ہوں۔ میں زیادہ ٹیوشن۔۔۔ میرا مطلب ہے زیادہ سے زیادہ پانچویں چھٹی کے بچوں کو پڑھا سکتی ہوں وہ بھی سکس کا میتھس نہیں۔" وہ جھجک کر بولی۔

"بھئی یہ سب مینیج کرلیں گے۔ آپ ہامی تو بھریں۔ کل سے ہی شروع کرتے ہیں بس یہ مہینہ۔۔۔ بلکہ نہیں جو بچے ایڈوانس دیں گے تو اس سے آپ کا کچھ گزارہ ہو جائے گا۔" سعدیہ چٹکیوں میں مسئلہ حل کرتے ہوئے بولی۔

"سعدیہ! یہ بہت مشکل ہے۔" عاصمہ متذبذب تھی۔

"مما! آپ ہی تو کہتی ہیں مشکل کے ساتھ آسانی ہوتی ہے بس کہیں نظر نہیں آتی جب ہم ارادہ کرتے ہیں تو پھر نظر آنے لگتی ہے۔" واثق عاصمہ کے اقوال زریں خوب یاد رکھتا تھا ایسے موقع پر جتانے کے لیے۔

عاصمہ کو پہلے غصہ آیا پھر ہنسی۔ تینوں ہنسنے لگے۔

☼ ☼ ☼

گاڑی گیٹ کے اندر داخل ہوئی۔

دونوں بچے پہلے گاڑی سے اترے۔ بشریٰ انہیں احتیاط کی، خیال رکھنے کی ہدایت کرتے ہوئے ان کے بعد اتری۔

احسن کمال گاڑی بند کرتے ہوئے پچھلی ڈگی کھول کر شاپنگ کا سامان نکال رہا تھا۔ بشریٰ اس کے ساتھ کھڑی اس کی مدد کررہی تھی۔

مثال اور سیفی اپنے کھلونے لینے کے لیے بے تاب کھڑے تھے۔

جب عدیل تیزی سے اندر آیا۔

گیٹ ابھی تک ادھ کھلا تھا۔ کسی کا دھیان ابھی اسے بند کرنے کی طرف نہیں تھا۔ وہ تیزی سے آگے بڑھا اور دوسرے لمحے اس سے پہلے کہ کوئی اس کی طرف متوجہ ہوتا یا دھیان دیتا' وہ مثال کو گود میں بھر کر جس تیزی سے آیا تھا اسی تیزی سے باہر نکل گیا۔

لمحہ بھر کو بشریٰ اور احسن کمال ساکت رہ گئے۔

"مثال!" دوسرے لمحے بشریٰ کے منہ سے چیخ کی طرح نکلا۔ احسن کمال جیسے خواب سے چونکا۔

"یہ تمہارا آئی مین ایکس ہزبینڈ۔۔۔" وہ اس طرف اشارہ کرکے بولا جدھر ابھی عدیل گیا تھا۔

"مثال۔۔۔ مثال وہ لے گیا میری مثال کو۔۔۔ میری بیٹی۔۔۔ میری گڑیا۔" وہ پاگلوں کی طرح دیوانہ وار گیٹ کی طرف بڑھی۔

عدیل گاڑی میں مثال کو لے کر بیٹھ چکا تھا۔

گاڑی ریورس ہوئی۔ دوسرے لمحے جیسے ہوا میں اڑتی تیزی سے وہاں سے چلی گئی۔

بشریٰ گیٹ کے باہر خالی ہاتھ کھڑی رہ گئی۔

عدیل کی گاڑی گیٹ کے سامنے کھڑی تھی۔ بشریٰ نے اندر آتے ہوئے سرسری نظر اس پر ڈالی تھی۔

مگر جانے کیوں وہ دھیان میں لا ہی نہ سکی تھی کہ یہ تو وہ گاڑی ہے۔ جس میں وہ کئی سالوں سے بلاشرکت غیرے اگلی سیٹ پر عدیل کے پہلو میں بیٹھ کر خوشی کے بہت سے انمول لمحے بتا چکی ہے۔

اس کی آنکھوں سے آنسو گرم گرم لاوے کی طرح پھوٹ رہے تھے احسن کمال نے اس کے کندھے پر آہستگی سے ہاتھ رکھا۔

"تم پریشان نہیں ہو بشریٰ! ہم اسے لے آئیں گے۔" وہ بت کی طرح کھڑی آنسو بہاتی رہی۔

"وہ کسی بھی طرح مثال کو اپنے پاس رکھنے کا مجاز نہیں کہ چھوٹا بچہ ماں کے پاس ہی رہتا ہے۔ تم پریشان نہیں ہو میرا واقف ہے بہت بڑا وکیل۔ میں ابھی اس سے بات کرتا ہوں۔"

"وہ نہیں دے گا۔ اسے میں جانتی ہوں۔" وہ روتے ہوئے بولی۔

"نہیں احسن! میرا خیال ہے عدیل اسے یہاں سے دور' شہر سے باہر یا کہیں بھی لے جاسکتا ہے۔ پلیز تم جلدی کرو گاڑی نکالو۔ میں اس کے پیچھے جاؤں گی اور اپنی بیٹی کو لے کر آؤں گی۔ پلیز جلدی کرو۔" وہ اسے کھینچتے ہوئے اندر لے جانے لگی۔

احسن کمال اس کی ذہنی کیفیت کو سمجھ رہا تھا۔ نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اندر لے آیا۔

"پلیز گاڑی نکالو' مجھے جانا ہے اس کے پیچھے۔" وہ وحشت زدہ سی چیخ کر بولی۔ اسے لگا جیسے یکایک اس کی دنیا اندھیر ہو گئی ہو۔ مثال تو اس کا سب کچھ تھی۔

"بشریٰ! تم یقین رکھو' وہ چاہے بھی تو اسے کہیں نہیں لے جاسکتا۔ شہر سے باہر کہاں لے کر جائے گا اور ملک سے باہر لے جانے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ تم ٹینشن نہیں لو۔"

"تمہاری بیٹی نہیں ہے وہ' وہ تم سے اسے چھین کر نہیں لے گیا۔ اس لیے تم یہ سب کہہ رہے ہو۔" وہ پاگلوں کی طرح چیخی تھی۔

"پاپا یہ آدمی کون تھا؟ وہ مثال کو کیوں لے گیا؟" سیفی باپ کا ہاتھ ہلا کر پریشانی سے پوچھ رہا تھا۔

"تم اگر مجھے نہیں لے کر جارہے تو میں خود چلی جاتی ہوں۔ ہٹو' میرے راستے سے۔" وہ اسے پرے دھکیل کر بولی۔

"بشریٰ پلیز' ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ یار... اس کے پیچھے جاکر اس سے مثال کو چھینو گی تو وہ کیا ایسے تمہیں دے دے گا بچی کو۔ ابھی تم چلو میں بات کرتا ہوں پہلے معلوم کرتے ہیں وہ اسے کہاں لے کر گیا ہے پھر ہم اس کے پیچھے جائیں گے۔" احسن کمال اسے سمجھا رہا تھا۔

ہاں چھین تو سکتی نہیں تھی وہ اسے' اتنی سمجھ تو تھی بشریٰ کو۔

"اگر وہ اسے کہیں اور لے گیا تو؟" وہ اپنے آنسو کوشش کے باوجود ضبط نہیں کرپا رہی تھی۔

"وہ ایسا کچھ نہیں کرسکتا۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں۔"

"احسن! میں جانتی ہوں اسے' وہ ضد میں' انتقام میں کچھ بھی کرسکتا ہے۔ صرف مجھے تکلیف پہنچانے کے لیے۔" وہ بکھرتی جارہی تھی۔

"میرا یقین تو ہے نا تمہیں۔۔۔ پلیز صرف تھوڑا سا' چند گھنٹے تو انتظار کرسکتی ہو ناں۔۔۔ میں خود اسے تمہارے پاس لے کر آؤں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے تم سے۔" وہ اس کا ہاتھ تھام کر نرمی سے بولا۔

بشریٰ بے یقینی سے اسے دیکھتی جارہی تھی۔

"صرف تھوڑا سا ویٹ کرلو۔ میں خود مثال کو لے کر آؤں گا اور تم یقین رکھو' وہ صرف تمہارے پاس ہی رہے

گی۔"

اس کے لہجے میں کچھ تھا کہ بشریٰ کے آنسو تھم سے گئے اس کا دل ٹھہر سا گیا۔

اور جو پورے بدن میں بھونچال کی کیفیت تھی۔ اس میں ٹھہراؤ سا آگیا۔

"کتنی دیر تک لے کر آؤ گے اسے۔" وہ اب کے سنبھلے ہوئے لہجے میں بولی۔

"تم اندر تو چلو پھرتا تا ہوں تمہیں۔" وہ اسے کندھے سے تھام کر اندر لے جانے لگا۔ سیفی ان کے ساتھ تھا۔

ذکیہ یہ سب کچھ کھڑکی سے دیکھ رہی تھی۔

اور عدیل جیسے مثال کو لے کر گیا تھا۔ اتنے دنوں میں پہلی بار ذکیہ کے دل کو ڈھارس سی ہوئی تھی۔

اب بشریٰ جلد یا بدیر خواہ مثال کو حاصل کرنے کے خیال سے سہی احسن سے شادی کے لیے راضی ہو جائے گی۔

احسن نے آنے کے دو دن بعد ہی بشریٰ کا ہاتھ ذکیہ سے مانگ لیا تھا۔ مگر ذکیہ کے ساتھ احسن کا بھی یہی خیال تھا کہ مثال کی وجہ سے بشریٰ آسانی سے راضی نہیں ہوگی۔

اور جب تک مثال اس کے ساتھ رہے گی۔ وہ کبھی بھی اپنے نئے گھر کے بارے میں نہیں سوچے گی۔

دونوں کا خیال تھا اگر مثال درمیان سے نکل جائے تو ایسا ممکن ہے..... مگر ایسا کرنا آسان نہیں تھا۔ بشریٰ کبھی بھی بچی کو خود سے دور نہیں کرتی۔ مگر عدیل نے جیسے یہ ناممکن کام آسان کر دیا۔

وہ جو اتنے دنوں سے پریشان تھیں کہ بشریٰ نے ابھی تک احسن کا پرپوزل قبول نہیں کیا اب انہیں امید ہو چلی تھی کہ جلد ہی ان کے دل کی مراد پوری ہونے والی ہے۔

☼ ☼ ☼

عدیل تو عدیل نسیم مثال کو چوم چوم کر پیار کرتے ہوئے جیسے پاگل ہوتی جا رہی تھیں۔

بہت دنوں بعد انہیں لگا عدیل کی شادی کے بارے میں انہوں نے جو سوچ رکھا تھا۔ وہ اب پورا ہو جائے گا۔

"دیکھو۔ میں صاف کہے دے رہی ہوں۔ عدیل! اب میں اپنی گڑیا کو کہیں بھی بھیجنے والی نہیں ہوں۔ یہ اب میرے پاس ہی رہے گی۔ اپنے پاپا اور اپنی دادو کے پاس۔ ہمیشہ۔ ہے نا مثال یہیں رہے گی نا میری گڑیا!" وہ اسے جوش میں وقفے وقفے سے ساتھ لپٹاتی جاتیں۔

مثال سہمی ہوئی کبھی باپ کی طرف دیکھتی اور کبھی دادی کی لگاوٹ کو۔ نظریں جھکائے وہ بار بار اس منظر کو سوچ رہی تھی جب عدیل اسے بشریٰ سے چھین کر لایا تھا۔

"امی! میں مثال کو لے کر فی الحال اسلام آباد جا رہا ہوں کچھ دنوں کے لیے۔" وہ کمرے میں آکر ایک دم سے بولا تو نسیم کے ساتھ مثال بھی خوف زدہ سی باپ کو دیکھنے لگی۔

پتا نہیں کیوں اسے یہ والے پاپا اپنے پہلے والے پاپا سے بہت مختلف، بہت اجنبی سے لگ رہے تھے۔

وہ دل میں ان سے کچھ خوف زدہ سی تھی۔

"عدیل! یہ کیا کہہ رہا ہے بیٹے! اسلام آباد کیوں...؟ کس لیے؟ وہاں کیا ہے اور میں کیا اکیلی رہوں گی یہاں" نسیم بری طرح سے بوکھلا گئیں اور ایک دم سوال پر سوال کرتی چلی گئیں۔

"ہم بھی کچھ دنوں کے لیے جا رہا ہوں۔ ہو سکتا ہے بعد میں مستقل وہیں رہ جاؤں۔" وہ اسی کٹھور پن سے بولا جواب اس کا وتیرہ بنتا جا رہا تھا۔ نسیم کو تو یوں لگا جیسے کوئی پہاڑ کسی نے ان کے سر پر گرا دیا ہو۔

"کیا... کہنا چاہتا ہے تو... ہمیشہ کے لیے وہاں... اکیلے... کیوں... یہ کس لیے؟" نسیم کو سب کچھ بھول گیا۔

ہاتھ پیر پھول گئے۔

"جب وہاں مستقل رہنے کا ارادہ کرلیا' گھر لے لیا' تو آپ کو بھی بلالوں گا۔ لے جاؤں گا ساتھ۔" وہ اسی اجنبی پن سے بولا۔ اس نے تھوڑی سی دیر میں اپنا اور مشال کا مختصر سامان ایک سوٹ کیس میں رکھ بھی لیا تھا۔

"عدیل!" نسیم کی آنکھیں صدمے سے جیسے پھٹنے کو تھیں۔

"تو میں اتنے دن یہاں اکیلی... یوں ہی بے یارو مددگار۔ عدیل تو سمجھ نہیں رہا۔ میں کیسے رہ سکتی ہوں اکیلی۔"

انہیں تو کچھ بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا' بے ربطگی سے بول رہی تھیں۔

"امی! یہ آپ کی چوائس تھی کہ آپ کے گھر میں کوئی بھی دوسرا بندہ دخل دینے والا نہ ہو۔ آپ اکیلی اس بادشاہت کو چلائیں' سو آپ کو موقع مل رہا ہے۔"

وہ کیا بول رہا تھا۔ نسیم کو بالکل سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔

وہ بس آنکھیں پھاڑے بے بس بیٹھی اسے دیکھے جارہی تھیں۔

"چلو مشال!" وہ مشال کا ہاتھ تھام کر دوسرے ہاتھ میں سوٹ کیس کی اسٹریپ پکڑے جانے کو تیار تھا۔

نسیم کا جیسے ہارٹ فیل ہونے کو تھا۔ وہ بمشکل خود کو' اپنے بھاری جسم کو سنبھالتی اٹھنے لگیں۔

"رے رکو... ٹھہرو... عدیل! یہ کیا کررہا ہے۔ میں کیوں ایسا چاہوں گی۔ میں اکیلی یہاں' اس پورے گھر میں کیا کروں گی۔ میں نے نہیں رہنا تم جہاں' جدھر جارہے ہو' مجھے بھی ساتھ لے کر جاؤ۔"

وہ بچوں کی طرح اس کا ہاتھ پکڑ کر بے اختیار رونے لگی تھیں۔ عدیل کے قدم جیسے کسی نے جکڑ لیے۔

"امی! میں آپ کو ساتھ نہیں لے جاسکتا۔" اتنی دیر میں وہ پہلی بار قدرے نرم لہجے میں بولا تھا۔

"م... میں چلی جاؤں گی۔ وہاں اسلام آباد میں میری پھوپھی کی بیٹی... یاد نہیں تجھے خالہ شاہدہ رہتی ہیں' میں اس کے پاس چلی جاؤں گی۔ دو چار دن... جتنے دن تجھے رکنا ہوگا۔ میں بھی وہاں رک جاؤں گی۔ مجھے ساتھ لے کر جانا' عدیل! میں یہاں نہیں رہ سکتی۔"

نسیم نے مضبوطی سے عدیل کے ہاتھ پکڑ رکھے تھے۔ وہ بے بس سا ہو گیا تھا۔

"پاپا... مجھے مما کے پاس جانا ہے۔ مجھے آپ کے ساتھ نہیں جانا۔" مشال نے عدیل سے ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا تو وہ شاکڈ سا اسے دیکھنے لگا۔

☼ ☼ ☼

"امی! ہم پہلے بھی تو ٹیوشن پڑھاتے تھے نا دونوں مل کر۔ اب یہ سب ذرا طریقے سے ہوجائے گا۔"

واثق ماں کی جھجک' اس کا خوف دور کرنے کی کوشش کرتے ہوئے تسلی دے رہا تھا۔

"وہ اور بات تھی بیٹا۔ تین' چار بچے چھوٹی کلاسوں کے اور بس... یہ تو دس سے پندرہ بچے... ساتویں' آٹھویں کے بھی... انہیں ہینڈل کرنا... پھر... ان کے اچھے رزلٹ کی ذمہ داری... لینا مجھے واقعی بہت مشکل لگ رہا ہے۔" وہ گھبرائی ہوئی تھی۔

جب بھی کوئی نئی مشکل اس پر آتی تھی' وہ ایسے ہی گھبرا جاتی تھی۔

"کچھ دن تھوڑی پریشانی ہوگی' پھر سب ٹھیک ہوجائے گا اور مما! میرے خیال میں اوٹ پٹانگ لوگوں کو گھر کرائے پر دینے سے بہتر ہے کہ ہم خود اس کو استعمال کریں اور آپ بھی جاب کرنے جو گھر سے نکلیں گی تو کیا یہ زیادہ بہتر نہیں۔"

"واثق! یہ سب بچوں والی باتیں ہیں۔ اول تو مجھے امید نہیں' اتنے زیادہ بچے آسکیں گے کہ ہم پورے گھر کا خرچ چلاسکیں۔ دوسرے..." باہر گھنٹی بجی تو وہ بولتے ہوئے رک گئی۔

واثق دروازہ کھولنے چل دیا۔

سعدیہ تین لڑکیوں کو لے کر اندر آرہی تھی۔

اس کے چہرے پر جوش سا تھا اور کچھ کر دکھانے کا جذبہ۔

"تایا! آپ کی تین شاگردیں تو سمجھیں آگئیں۔" وہ اندر آکر بولی۔ واثق نے آنکھوں ہی آنکھوں میں ماں کا حوصلہ بڑھایا۔

"چلو ٹھیک ہے' تم دونوں اوپر چلو۔ میں نے کمرے صاف کرکے بیٹھنے کا انتظام کرلیا ہے۔ میں ان تینوں کو لے کر آتی ہوں تو پھر دیکھتے ہیں' کیا کرنا ہے۔"

وہ ایک بار پھر سنبھل چکی تھی کہ اسے اب اس مشکل کا مقابلہ کرنا ہے۔ اگر گھر بیٹھے اس کے بچوں کے رزق کا انتظام اللہ کررہا تھا تو اسے بھرپور کوشش کرنا ہوگی۔ دو دن سے وہ سوچ سوچ کر پریشان تھی۔ اب ایک دم سے لگا' یہ تو کوئی مسئلہ ہی نہیں۔

ہاشم نے پچیس ہزار کی رقم اسے بھجوائی تھی۔ اس سے مہینہ آرام سے گزر سکتا تھا۔

اور جو سعدیہ کی تجویز تھی کہ عاصمہ کو آگے انٹر کے بعد اپنی پڑھائی کو پھر سے شروع کردینا چاہیے' پہلے تو وہ شرمائی' گھبرائی اور خوب پریشان ہوئی تھی کہ اس عمر میں بچوں کی طرح پھر سے پڑھنا عجیب سی بات تھی۔

مگر پھر آہستہ آہستہ بچوں کو پڑھاتے سمجھاتے اس کا دل اس بات کو بھی مان گیا۔

علم حاصل کرنے کی کوئی عمر نہیں ہوتی' وقت کی قید نہیں ہوتی' شوق اور ضرورت انسان کو کسی بھی وقت اس سیڑھی پر پھر چڑھنے کی طرف راغب کرسکتا ہے۔

سعدیہ نے اسے اپنی گریجویشن کی بکس لادی تھیں' وہ اب اکثر رات میں ان کو پڑھنے کی کوشش کرتی۔ اسے ابھی اپنے لیے مضامین کا انتخاب بھی کرنا تھا۔

سعدیہ اچھی لڑکی تھی' پھر مددگار بھی۔ اس کے بہتر رویے نے عاصمہ کے لیے بہت سی آسانی پیدا کردی تھی۔

کچھ بچے جو اسکول نہیں جاتے تھے کسی وجہ سے وہ صبح میں بھی عاصمہ کے پاس پڑھنے کے لیے آنے لگے۔

اس کے گھر میں اب ایک پڑھائی والا ماحول سا بنتا جارہا تھا۔ جس میں وقت ملنے پر وہ بھی اپنی کتابیں لے کر بیٹھ جاتی۔

الیاس کو اس نے فی الحال منع کردیا تھا کہ ابھی اسے گھر کرائے پر نہیں دینا' وہ یہ تجربہ بھی کرکے دیکھنا چاہتی تھی۔

اور ابھی تک اسے بہت اچھا نتیجہ ملا تھا۔

گھر کا خرچ تھوڑا تنگی سے تو ہورہا تھا' پھر اتنی مصروفیت اسے الٹی سیدھی سوچوں سے بچانے لگی۔

اس کی تمام تر توجہ بچوں کی' اپنی پڑھائی کی طرف تھی۔

سعدیہ بڑی لڑکیوں اور بچوں کو پڑھاتی۔ عاصمہ چھوٹی کلاسز کو اور بڑی کلاسز کے آسان مضامین کو۔ رفتہ رفتہ اسے پڑھانے کا' سمجھانے کا سلیقہ آگیا اور بہت سی مشکلیں آسان ہوتی چلی گئیں۔ صرف محنت زیادہ تھی جس کی وہ عادی تھی۔

گھر بیٹھے عزت کے ساتھ روزی حاصل کرنے کا یہ طریقہ اسے بہت اچھا لگا تھا۔ وہ بہت محفوظ اور پرسکون محسوس کرنے لگی تھی خود کو... چند ہی دنوں میں جیسے بہت کچھ بدل سا گیا۔

عاصمہ، بہت مہینوں کے بعد گھر اور بچوں کے ساتھ خوش تھی اور اب بچوں کے اچھے مستقبل کے لیے بہت پر امید بھی۔

☼ ☼ ☼

پھر عدیل، مثال کو سمجھا سمجھا کر تھک گیا، مگر وہ روتے ہوئے ایک ہی ضد کیے جا رہی تھی کہ اسے بشریٰ کے پاس جانا ہے۔

عدیل اس کی بات مانتے ہوئے جیسے ہار سا گیا۔

"ٹھیک ہے، میں تمہیں تمہاری ماں کے پاس چھوڑ آؤں گا، مگر پھر تم کبھی مجھ سے نہیں ملوگی۔" عدیل کی کڑی شرط نے مثال کے معصوم دل کو ہلا کر رکھ دیا۔

وہ پریشان سی باپ کو دیکھنے لگی۔

"پاپا... میں آپ کو بھی نہیں چھوڑ سکتی۔ آپ کے ساتھ بھی رہنا ہے مجھے۔" پتا نہیں کہاں سے اس کے اندر ہمت آگئی۔ وہ باپ کا ہاتھ پکڑ کر ڈرے ہوئے لہجے میں بولی۔

عدیل اسے دیکھتا رہ گیا۔

اسے اس مسئلے کا کوئی حل نہیں سوجھ رہا تھا۔

"میں تمہارے کھانے کے لیے کچھ لاتا ہوں۔ تم بیٹھو۔" وہ تھکے ہوئے انداز میں کہہ کر باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ؟" وہ بھونچکی سی احسن کمال کی شکل دیکھ کر رہ گئی۔ ذکیہ یوں کمرے میں بیٹھی تھیں جیسے وہاں موجود ہی نہیں۔

"اس کے بغیر بشریٰ! میرے لیے کوئی بھی قدم اٹھانا ممکن نہیں۔" وہ بے بسی کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔

"اس طرح تو عدیل کو اور موقع مل جائے گا یہ کہنے کا کہ اب میں مثال کی بالکل بھی دیکھ بھال نہیں کر سکتی۔" وہ روہانسی ہو کر بولی۔

"صرف تم عدیل کا کیوں سوچ رہی ہو بشریٰ! تم مثال کا سوچو، اس کو حاصل کرنے کا یہی ایک راستہ ہے۔" ذکیہ جیسے اس کی دل جوئی کرتے ہوئے بولیں۔

بشریٰ بے بسی سے ماں کو دیکھ کر رہ گئی۔

اسے یہ تو معلوم تھا کہ یہ اس کی ماں کی بھی مرضی ہے۔ مگر وہ اس طرح یہ سب پورا کروانا چاہیں گی اسے یہ امید نہیں تھی۔

"جتنا سوچوگی اتنا الجھوگی۔" احسن نے نرمی سے کہا۔

"ہاں تو اور کیا، وہ سمجھتا ہے یہ تنہا اکیلی ہے، کمزور ہے، کچھ کر نہیں سکتی، وہ مرد ہے، طاقت ور ہے، سب کچھ کر سکتا ہے، جب اسے پتا چلے گا کہ اس کے ساتھ بھی کوئی کھڑا ہونے والا ہے، کوئی سہارا، کوئی مضبوط آسرا ہے تو دیکھنا اس کی ساری اکڑ، ساری شیخی جھاگ کی طرح بیٹھ جائے گی۔" ذکیہ اسے دلیلوں سے قائل کر رہی تھیں۔

"امی!" وہ کچھ بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

"بشریٰ! تم اتنی پریشان ہو تو سوچو، مثال کتنی سہمی ہوئی ہوگی۔" اس نے اس کی کمزوری پر ہاتھ رکھا۔ "وہ معصوم تم دونوں کے جھگڑوں کو کیا سمجھے گی، مگر وہ تمہاری محبت کو سمجھتی ہے۔ اسے اپنے مضبوط ساتھ کا یقین دو یہ تب ہی ہو سکتا ہے۔ ممکن ہے۔" وہ جتانے والے انداز میں ممکن سے آگے خاموش ہو گیا۔ کمرے میں لمحہ

بھر کو خاموشی سی ہو گئی۔

"مگر اس کے بعد بھی عدیل نے مجھے میری بیٹی واپس نہیں کی تو؟" بشریٰ کچھ دیر بعد بولی۔ "جبکہ میں ابھی بالکل بھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔"

"تم کہنا چاہتی ہو کہ اس طرح نکاح کر کے تم پھنس جاؤگی۔ اگر تمہیں بعد میں عدیل نے بچی واپس نہیں کی تو؟" احسن نے کچھ چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

بشریٰ کچھ شرمندہ سی ہو گئی، کیونکہ اس کا مطلب یہی تھا۔

"تم فکر نہیں کرو، پھر... ہم یوں ہی نکاح اناؤنس کر دیتے ہیں۔ جھوٹ موٹ اور مثال کو حاصل کرنے کے بعد..."

"ہرگز نہیں... میں اس کی اجازت نہیں دوں گی۔ خدانخواستہ نکاح، مذہب کوئی کھیل تو نہیں۔" ذکیہ کو لگا اگر یہ وقت ہاتھ سے نکل گیا تو پھر بشریٰ کو نکیل ڈالنا مشکل ہی نہیں ناممکن ہو جائے گا۔ احسن نے ذکیہ کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

"نکاح ہوگا، ابھی اور اسی وقت ہوگا، ورنہ پھر کبھی نہیں، اس لڑکی کا کیا ہے، اسے تو اپنے برے بھلے کی کچھ تمیز نہیں۔" ذکیہ خم ٹھونک کر بولیں۔

"امی... میں ابھی ایسا کچھ نہیں سوچ رہی پلیز۔" وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر بولی۔

ذکیہ کا جی چاہا اسے دو تین لگائیں۔

"ٹھیک ہے چچی! آپ اسے مجبور نہیں کریں اور نکاح جیسے معاملے کو کسی بلیک میلنگ کے تحت ہماری زندگی میں شامل نہیں ہونا چاہیے۔" احسن کمال نے اسے ایک بار پھر حیران کر دیا۔

وہ اتنا بردبار، اتنا متحمل مزاج کب سے ہو گیا۔ اسے سخت حیرت سی ہوئی تھی۔

"بلیک میلنگ، اللہ نہ کرے، کیوں کریں گے ہم۔ سیدھی بات ہے، اسے بچی چاہیے تو اس کے لیے یہ پاپڑ بیل رہے ہیں، اگر یہ نہیں چاہتی تو اور بھی اچھی بات ہے، وہ بھی اس کا باپ ہے، خدانخواستہ کوئی دشمن تو نہیں، بھلے اس کے پاس وہ رہتی رہے، کچھ نہیں ہوگا، بلکہ اچھا ہے، دو دھڑوں میں تقسیم ہونے کے بجائے وہ ایک گھر میں رہ جائے۔" ذکیہ نے جیسے معاملہ ہی آر پار کر دیا۔

احسن سر ہلا کر رہ گیا۔ بشریٰ گنگ سی تھی۔

یہ تو وہ کبھی بھی نہیں چاہتی تھی کہ مثال ہمیشہ کے لیے عدیل کے پاس رہ جائے چاہے وہ اس کا کتنا ہی خیال کیوں نہ رکھنے کا وعدہ کرے۔ اندر ہی اندر اس کی بھی یہی ضد تھی کہ اسے بھی عدیل کو یہ خوشی نہیں دینی، جس طرح سے وہ ناخوش ہے، عدیل نے اسے جیسے دھوکا دیا۔ ساری دنیا میں تماشا بنایا۔ وہ بھی اب اس کا بدلہ لے گی۔ کبھی اسے خوش نہیں ہونے دے گی۔

"چچی جان! میں کل اپنے گھر میں شفٹ ہو جاؤں گا سیفی کو لے کر۔ اب اتنے دن ہو گئے یہاں رہتے ہوئے۔ آپ لوگوں کو بہت تکلیف دی میں نے۔" وہ ذکیہ سے کہہ رہا تھا۔

"بچے! تیرا اپنا گھر ہے، تو نے ہمیں کیا تکلیف دینا تھی، بلکہ تیرے آنے سے تو جی ایسا خوش ہوا، تیری ماں زندہ ہوتی تو کیسا نہال ہوتی۔" ذکیہ آنکھوں میں آنسو لاتے ہوئے بولیں۔

"بشریٰ! تم فکر نہیں کرو، میں نے اپنے دوست سے بات کی ہے اور کل صبح ہم دونوں کی میٹنگ ہے اس کے ساتھ۔ اس نے امید تو دلائی ہے اور بچی تمہیں ہی ملے گی اور بہت جلد۔ اس میں زیادہ ٹائم نہیں لگے گا۔ یوں بھی میرے خیال میں مثال تمہارے ساتھ زیادہ اٹیچ ہے۔ اگر کوئی مرحلہ ایسا آیا بچی کی رائے پوچھنے کا تو وہ یقیناً"

تمہارے ساتھ رہنا چاہیے گی۔"
وہ اسے تسلی دے رہا تھا۔ بشریٰ کا جی بھر آیا۔ وہ کیسا اس کا ہمدرد تھا اور وہ اس کی ایک بات بھی نہیں مان رہی تھی۔ کوئی خوشی بھی اسے نہیں دے رہی تھی۔
وہ تو جب سے آیا تھا مسلسل اس کی دل جوئی اس کی تسلی کے بندوبست میں لگا تھا۔
اور پھر کل یہ چلا جائے گا۔ اس عالی شان گھر میں جسے دیکھتے ہی خوابوں میں کھو جانے کو جی چاہتا ہے۔
اور ہو سکتا ہے اسے چند ہی دنوں میں کوئی اور بھی پسند آجائے اور یہ جس طرح فیصلے کرنے کا عادی ہے اگلے ہفتے ہی ہاتھ میں شادی کا کارڈ لیے ہوئے آجائے۔
اس کے بچے کو اس کے گھر کو تو ایک عورت کی ضرورت ہے اور میں اکیلی کب تک اور کہاں تک عدیل کے ساتھ مثال کی کسٹڈی کی جنگ لڑوں گی۔
وہ زمانے بھر کا گھٹیا انسان۔۔۔ اگر اسے مجھ سے ذرا بھی محبت ذرا بھی خیال ہوتا میرے دکھ کا احساس کرکے وہ خود ہی مثال کو مجھے دے دیتا مگر وہ تو اسے مجھ سے بیدردی سے چھین کر لے گیا اور میں اس کی خاطر کب تک اچھی زندگی سے منہ موڑتی رہوں۔ لمحوں میں وہ وہاں بیٹھے بشریٰ نے بہت سے حساب کتاب لگالیے۔
چچی جان! میں اب سونے کے لیے جارہا ہوں۔ صبح مجھے جلدی اٹھنا ہے۔ ظاہر ہے گھر شفٹ کرنا آسان نہیں۔" وہ جانے کے لیے کھڑا تھا۔
"احسن۔۔۔" وہ ایک دم سے کھڑی ہوگئی۔
دونوں سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔
"امی۔۔۔ میں ابھی۔۔۔ ابھی نکاح کے لیے راضی ہوں احسن کے ساتھ۔ کیونکہ میں مثال کے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اس کے بغیر زندگی بے معنی ہے میرے لیے۔"
کہتے کہتے وہ بے اختیار آگے بڑھ کر ماں کے گلے لگ کر رونے لگی۔
"میری بچی! میری بشریٰ! اللہ تیری جھولی خوشیوں اور میٹھی مرادوں سے بھرے تیری گود ہمیشہ آباد رہے تیری بچی کے دم سے۔" ذکیہ پر تو جیسے شادی مرگ طاری ہونے لگا۔
"اور وہ معصوم سا بیٹی اسے ماں مل جائے گی۔ مثال کو باپ کا پیار مل جائے گا۔ تیری اس اجڑی اور دکھی زندگی میں اللہ کے فضل سے پھر بہار آجائے گی۔ اللہ میری دعائیں اس طرح سنے گا مجھے یقین نہیں تھا وہ بڑا مہربان ہے۔"
وہ بشریٰ کو ساتھ لگا کر کہنے لگیں۔
احسن کمال نے طمانیت بھرا گہرا سانس لے کر بشریٰ کی طرف دیکھا۔ اس کی اتنے دنوں کی محنت رائیگاں نہیں گئی تھی۔
"احسن بیٹا! عمران کو بلاؤ میرے خیال میں سادگی سے ابھی نکاح کردیتے ہیں پھر تم دونوں اکٹھے وکیل سے ملنا۔ میاں بیوی کی حیثیت سے۔ دیکھنا کیسے وہ عدیل بھیگی بلی بنتا ہے پھر۔" ذکیہ کے دل کی کلی کھل اٹھی تھی۔

☆ ☆ ☆

"پاپا۔۔۔ مما۔۔۔ شادی کررہی ہیں۔۔۔ احسن انکل سے۔۔۔ وہ اچھے ہیں۔۔۔ بہت۔۔۔ مگر پاپا! وہ آپ تو نہیں۔"
مثال باپ کے چہرے پر اپنے ننھے ننھے ہاتھ پھیرتے ہوئے آنکھوں میں نمی لیے سونے سے پہلے کہہ رہی تھی۔

"کاش میں اپنی بیٹی کو اس امتحان میں کبھی نہ ڈالتا۔" وہ رونا چاہتا تھا۔ مثال کو تسلی دینا چاہتا تھا کہ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ مگر وہ کچھ بول ہی نہیں سکا۔ بس ٹکر ٹکر مثال کو دیکھتا رہا۔
"پاپا! کیا وہ دوسری شادی کرلیں گی۔ پھر۔۔۔ میں کہاں جاؤں گی؟" وہ نیند سے پہلے معصومانہ لہجے میں سوال کررہی تھی اور آج عدیل کے پاس اس کے کسی سوال کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ ایسا ہر حق خود کھو چکا تھا۔ جس سے وہ بشریٰ کو ایسا کوئی بھی قدم اٹھانے سے روکے جس سے مثال کی نفسیات پر اس کی ذات پر اتنے برے اثرات پڑیں۔
"پاپا۔۔۔ آپ مما سے پھر شادی کرلیں۔ ہم سب پھر ایک ساتھ رہنے لگیں۔۔۔ کیا ایسا نہیں ہو سکتا؟" اس کا معصوم ذہن یہی حل نکال سکا تھا۔
عدیل پھر بھی کچھ نہیں کہہ سکا بس دیکھتا رہا۔ مثال جیسے اپنے ہی سوالوں کی بازگشت سنتے سنتے تھک گئی۔ اس نے پلکیں موند لیں اور ذرا دیر میں بچپن کی معصوم نیند اس پر طاری ہوگئی۔
عدیل اس کے پاس گم صم سا بیٹھا رہا۔
وہ تو دن بھر یہی سوچتا رہا تھا کہ وہ مثال کو بشریٰ سے چھین لے گا تو وہ ایک بار پھر برباد ہو جائے گی۔ تباہ ہو جائے گی۔ اسے خوب مزہ ملے گا عدیل سے علیحدگی کا۔ مگر اس نے تو ایک بار بھی نہ تو فون کیا نہ مثال کو لینے آئی۔
"کیا میں نے مثال کو یہاں لاکر اس کے دل کی مراد پوری کردی کیا وہ یہی چاہتی تھی؟" اس کا دماغ جیسے اس سوال کو سوچتے ہوئے ٹھٹک سا گیا۔
"وہ دوسری شادی کررہی ہے اسے اب مثال کی کیا پروا وہ نئی زندگی میں اسے تو ایک وبال ہی سمجھے گی نا۔" "میں نے مثال کو یہاں لاکر اس کے دل کی خوشی پوری کردی۔ یہ خیال اور بھی سکون برباد کردینے والا تھا۔

اس کا جی چاہا ابھی اور اسی وقت مثال کو اٹھا کر وہیں چھوڑ آئے جہاں سے لے کر آیا تھا۔
اور بشریٰ کبھی بھی دوسری شادی کی خواہش پوری نہ کر سکے۔ وہ مٹھیاں بھینچے کمرے میں ٹہل رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

سادگی سے دو گھنٹے کے اندر دونوں کا نکاح ہو گیا۔ بشریٰ نے جو سوچا نہیں تھا' وہ لمحوں میں ہو گیا۔
وہ... اس نے تو یہی سوچا تھا کہ زندگی بھر وہ عدیل کے سوا کسی اور کا نہیں سوچے گی۔
مگر اب نکاح کے پیپر زپر دستخط کرتے ہی اسے لگا جیسے وہ ہمیشہ سے صرف احسن کمال کی تھی۔ عدیل تو یوں ہی دونوں کے درمیان آگیا تھا۔
یہ بیچ کے آٹھ سال تو یوں ہی بیچ میں آگئے تھے۔ ورنہ وہ دونوں تو شروع سے ایک تھے۔
احسن کمال کے چہرے پہ اسے دیکھ کر خوشی بھی تھی اور اطمینان بھی۔
ذکیہ کو تو جیسے دو جہانوں کے خزانے مل گئے تھے۔
اتنا بڑا پہاڑ جو انہوں نے سوچا تھا کہ ان کے سینے پر آپڑا ہے' اب کبھی نہیں اترے گا' اتنی آسانی سے سب ہو گیا۔ وہ بشریٰ کو گلے لگائے پیار کر رہی تھیں۔
عمران بھی خوش تھا کہ ان کی زندگی کا سب سے بڑا مسئلہ تھا یہ جو حل ہو گیا۔ اب اس کی اپنی شادی کی راہ میں کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔
اور احسن کمال کو لگ رہا تھا' وہ جس مقصد کے لیے پاکستان آیا تھا' وہ مقصد بہرحال پورا ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

"پاپا! کیا آپ مجھے اسلام آباد لے کر جا رہے ہیں۔" مثال' باپ کی مسلسل خاموشی سے کچھ سہمی ہوئی تھی۔ وہ خاموشی سے مثال کے اور اپنے کپڑے تیار ہونے کے لیے نکال چکا تھا۔ خود تیار ہو چکا تھا' مثال کی مدد کر رہا تھا۔
"پاپا... بتائیں نا؟" وہ اس کی چپ پہ پھر بولی۔
"نہیں۔" اسے کہنا پڑا۔ مثال کا چہرہ کھل اٹھا۔ وہ الجھے ہوئے بالوں کو بمشکل سلجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔
"یہ مما سلجھاتی ہیں اور پونی بناتی ہیں۔ مگر یہ مجھ سے نہیں ہو رہے۔" اس نے تھک کر برش بیڈ پر پھینک دیا۔
"او کے... بال ایسے ہی رہنے دو' پونی نہیں بناؤ' ہیئر بینڈ لگا لو۔" عدیل نے اسی سنجیدگی کے ساتھ اسے ہیئر کیچر پکڑا دیا۔
اور خود بیٹھ کر جوتے پہننے لگا۔
"تو ہم کہاں جا رہے ہیں؟" وہ پھر اسی سوال سے الجھتے ہوئے بولی۔
"تم کہاں جانا چاہتی ہو؟" عدیل نے سر اٹھائے بغیر پوچھا۔
مثال اندازہ نہیں کر سکی کہ عدیل نے کس موڈ میں پوچھا ہے۔ وہ جو جواب دینا چاہتی ہے۔ اسے سن کر پاپا کو غصہ آجائے گا یا نہیں' وہ خاموش رہی۔ آہستگی سے وہ باپ کے پاس آکر کھڑی ہو گئی اور اس کے سر اٹھانے کا انتظار کرنے لگی۔
"پاپا!" وہ باپ کے شانے پر ہاتھ رکھ کر ہولے سے بولی۔ عدیل نے آہستگی سے اسے اٹھا کر گود میں بھر لیا۔
عدیل کے چہرے پر خوف ناک سی سنجیدگی تھی۔ مثال کو خوف بھی آرہا تھا' مگر ترس بھی' اس کے پاپا کتنے کمزور ہو گئے تھے۔

پہلے کتنا ہنستے تھے' مسکراتے تھے اور اب تو اس نے انہیں کبھی ذرا سا بھی خوش ہوتے نہیں دیکھا۔
لیکن مما تو احسن انکل کے ساتھ ہنستی بھی ہیں' شاپنگ بھی کرتی ہیں' انجوائے بھی کرتی ہیں۔ اور پاپا... بے چارے۔ اسے باپ کی شکل دیکھ کر رونا آرہا تھا۔
"نہیں۔ میرے پاپا بے چارے نہیں ہو سکتے۔" اسے اپنی سوچ پر خود ہی غصہ آگیا۔
"پاپا! ایک بات بولوں۔ آپ غصہ تو نہیں کریں گے۔" وہ ڈرتے ڈرتے بولی۔
"نہیں میری جان! آپ جانتی ہو' پاپا آپ کی بات پر غصہ نہیں ہوتے۔" وہ اسے پیار کر کے بولا۔
"نہیں... اس بات پر غصہ ہو سکتے ہیں۔"
"مثال! کیا بات ہے' بتاؤ مجھے۔"
"ہم ابھی تیار ہو کر کہاں جا رہے ہیں؟" شاید وہ بات کہنے کے لیے اسے کچھ اور وقت درکار تھا۔
"تمہاری مما کے پاس۔" عدیل نے سنجیدگی سے کہا۔ مثال بے یقینی سے باپ کی طرف دیکھنے لگی۔
"واقعی پاپا... ہم ماما کے پاس جا رہے ہیں۔"
"صرف تم... تمہیں میں وہاں چھوڑنے جا رہا ہوں۔" وہ تصحیح کرتے ہوئے بولا۔ مثال کا چہرہ اتر سا گیا۔
"جی... میں جانتی ہوں۔" وہ آہستگی سے کہہ کر گود سے اتر آئی۔
"میری بیٹی کون سی بات کہنے والی تھی ابھی۔" عدیل کو یاد آیا۔ مثال خاموش اسے دیکھنے لگی۔
"جان! میں نہیں ناراض ہوں گا۔ نہیں ڈانٹوں گا' پرامس' آپ بولو' کچھ چاہیے پیسے' کھلونے یا کچھ بھی۔" وہ پیار سے بولا۔
"کچھ بھی نہیں پاپا... ان میں سے۔" وہ آہستگی سے بولی۔
"تو پھر؟"
"پاپا... آپ بہت اچھے ہیں بہت اچھے۔" وہ باپ کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر بولی۔ یہ اس کی مخصوص عادت تھی' جب باپ پر بہت پیار آتا تھا تو وہ ایسے ہی کرتی تھی۔
"او کے... اب بول دیجئے۔ یہ سب کیوں کہا جا رہا ہے۔" وہ اسے چوم کر بولا۔
"پاپا! آپ ہنسا کریں' مما کی طرح۔ وہ بھی احسن انکل کے ساتھ خوش رہتی ہیں۔ آپ... بھی آپ بھی شادی کرلیں۔" کہہ کر وہ ڈرے ہوئے انداز میں باپ کو دیکھنے لگی۔ عدیل اسے دیکھتا رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

بشریٰ خوب صورت ساڑھی' میچنگ جیولری اور میک اپ کے ساتھ تیار حلیے میں احسن کمال کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ رہی تھی' جب کھلے گیٹ سے مثال دوڑتی ہوئی اندر آئی اور اس سے لپٹ گئی۔ بشریٰ نے گیٹ پر کھڑے عدیل کو دیکھا' جو یک ٹک اسے دیکھے جا رہا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

رُخسانہ نگار عدنان

عدیل اور فوزیہ نسیم بیگم کے بچے ہیں۔ بشریٰ ان کی بہو ہے اور ذکیہ بیگم کی بیٹی ہے۔ عمران بشریٰ کا بھائی ہے۔ مثال ذکیہ بیگم کی نواسی اور نسیم بیگم کی پوتی ہے۔ بشریٰ اور نسیم بیگم میں روایتی ساس بہو کا تعلق ہے۔ نسیم بیگم مصطفیٰ "بیٹا بہو سے لگاوٹ دکھاتی ہیں۔ دوسری طرف ذکیہ بیگم کا کہنا ہے۔ ان کی بیٹی بشریٰ کو سسرال میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ پانچ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد بشریٰ کی نند فوزیہ کا بالآخر ایک جگہ رشتہ طے پاجاتا ہے۔ نکاح والے روز بشریٰ دولہا ظہیر کو دیکھ کر چونک جاتی ہے۔

عدیل سے شادی سے قبل ظہیر کا بشریٰ کے لیے بھی رشتہ آیا تھا مگر بات نہ بن سکی تھی۔ نکاح والے دن زاہدہ اور ذکیہ بیگم بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔ بشریٰ اپنی ماں سے یہ بات چھپانے کے لیے کہتی ہے مگر عدیل کو پتا چل جاتا ہے۔ وہ ناراض ہوتا ہے مگر فوزیہ اور نسیم بیگم کو بتانے سے منع کردیتا ہے۔ بشریٰ اور عدیل ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جاتے ہیں۔ وہاں انہیں پتا چلتا ہے کہ بشریٰ کے ہاں سات سال بعد پھر خوش خبری ہے۔

عفان اور عاصمہ اپنے تین بچوں اور والد کے ساتھ کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔ عفان کے والد فاروق صاحب سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ گریجویٹی اور گاؤں کی زمین فروخت کرکے وہ اپنا گھر خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ڈیڑھ کروڑ میں زمین کا سودا کرکے وہ عفان کے ساتھ خوشی خوشی شہر آرہے ہیں۔ عاصمہ کو فون کے ذریعے کوئی اطلاع ملتی ہے، جسے سن کر وہ بے ہوش ہوجاتی ہے۔

فون پر پتا چلتا ہے کہ شہر آتے ہوئے عفان اور فاروق صاحب ڈکیتی کی واردات میں قتل ہوگئے۔ عفان کے قریبی دوست زبیر کی مدد سے عاصمہ عفان کے آفس سے تین لاکھ روپے اور فاروق صاحب کی گریجویٹی سے سات لاکھ روپے وصول کرپاتی ہے۔ زبیر گھر خریدنے میں بھی عاصمہ کی مدد کررہا ہے۔

اسلام آباد سے واپسی پر عدیل دونوں متقولین کو دیکھتا ہے۔ زاہدہ، نسیم بیگم سے بیس لاکھ روپے سے مشروط فوزیہ کی رخصتی کی بات کرتی ہیں۔ وہ سب پریشان ہو جاتے ہیں۔ عدیل بشریٰ سے ذکیہ بیگم سے تین لاکھ روپے لانے کو کہتا ہے۔

حمیدہ خالہ، عاصمہ کو سمجھاتی ہیں کہ عدت میں زبیر کا اکیلے اس کے گھر آنا مناسب نہیں ہے۔ لوگ باتیں بنا رہے ہیں جبکہ عاصمہ کی مجبوری ہے کہ گھر میں کوئی مرد نہیں۔ اس کا بیٹا ابھی چھوٹا ہے اور سارے کام اس نے خود کرنے ہیں۔ وہ جلد از جلد اپنا گھر خریدنا چاہتی ہے۔ عاصمہ کے کہنے پر زبیر کسی مفتی سے فتویٰ لے کر آجاتا ہے کہ وہ انتہائی ضرورت کے پیش نظر گھر سے نکل سکتی ہے بشرطیکہ مغرب سے پہلے واپس گھر آجائے، سو وہ عاصمہ کو مکان دکھانے لے جاتا ہے۔

رقم مہیا نہ ہونے کی صورت میں فوزیہ کو طلاق ہو جاتی ہے۔ نسیم بیگم جذباتی ہو کر بہو اور اس کے گھر والوں کو موردِ الزام ٹھہرانے لگتی ہیں۔ اسی بات پر عدیل اور بشریٰ کے درمیان خوب جھگڑا ہوتا ہے۔ عدیل طیش میں بشریٰ کو دھکا دیتا ہے۔ اس کا ابارشن ہو جاتا ہے۔ عدیل شرمندہ ہو کر معافی مانگتا ہے مگر وہ ہنوز ناراض رہتی ہے اور اسپتال سے اپنی ماں کے گھر چلی جاتی ہے۔

اسی اسپتال میں عدیل عاصمہ کو دیکھتا ہے جسے بے ہوشی کی حالت میں لایا گیا ہوتا ہے۔ عاصمہ اپنے حالات سے تنگ آکر خودکشی کی کوشش کرتی ہے تاہم بچ جاتی ہے۔ نو سال بعد عاصمہ کا بھائی ہاشم پریشان ہو کر پاکستان آجاتا ہے۔ عاصمہ کے سارے معاملات دیکھتے ہوئے ہاشم کو پتا چلتا ہے کہ زبیر نے ہر جگہ فراڈ کر کے اس کے سارے راستے بند کر دیے ہیں اور اب مفرور ہے۔ بہت کوششوں کے بعد ہاشم، عاصمہ کو ایک مکان دلاپاتا ہے۔ بشریٰ اپنی واپسی الگ گھر سے مشروط کر دیتی ہے۔ دوسری صورت میں وہ علیحدگی کے لیے تیار ہے۔ عدیل سخت پریشان ہے۔

عدیل مکان کا اوپر والا پورشن بشریٰ کے لیے سیٹ کروا دیتا ہے اور کچھ دنوں بعد بشریٰ کو مجبور کرتا ہے کہ وہ فوزیہ کے لیے عمران کا رشتہ لائے۔ نسیم بیگم اور عمران کسی طور نہیں مانتے۔ عدیل اپنی بات نہ مانے جانے پر بشریٰ سے جھگڑتا ہے۔ بشریٰ بھی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتی ہے۔ عدیل طیش میں بشریٰ کو طلاق دے دیتا ہے اور مثال کو چھین لیتا ہے۔ مثال بیمار پڑ جاتی ہے۔ بشریٰ بھی حواس کھو دیتی ہے۔ عمران بہن کی حالت دیکھ کر مثال کو عدیل سے چھین کر لے آتا ہے۔ عدیل عمران پر اغوا کا پرچا کٹوا دیتا ہے۔

عاصمہ اسکول میں ملازمت کر لیتی ہے مگر گھریلو مسائل کی وجہ سے آئے دن چھٹیاں کرنے کی وجہ سے ملازمت چلی جاتی ہے۔ اچانک ہی فوزیہ کا کہیں رشتہ طے ہو جاتا ہے۔

انسپکٹر طارق دونوں فریقین کو سمجھا بجھا کر مصالحت پر آمادہ کرتے ہیں۔ ذکیہ بیگم کی خواہش ہے کہ عدیل، مثال کو لے جائے، تاکہ وہ بشریٰ کی کہیں اور شادی کر سکیں۔ دوسری طرف نسیم بیگم بھی ایسا ہی سوچے بیٹھی ہیں۔ فوزیہ کی شادی کے بعد نسیم بیگم کو اپنی جلد بازی پر پچھتاوا ہونے لگتا ہے۔

انسپکٹر طارق، ذکیہ بیگم سے فوزیہ کا رشتہ مانگتے ہیں۔ ذکیہ بیگم خوش ہو جاتی ہیں، مگر بشریٰ کو یہ بات پسند نہیں آتی۔ ایک پراسرار سی عورت عاصمہ کے گھر بطور کرائے دار رہنے لگتی ہے۔ وہ اپنی حرکتوں اور انداز سے جادو ٹونے والی عورت لگتی ہے۔ عاصمہ بہت مشکل سے اسے نکال پاتی ہے۔

بشریٰ کا سابقہ منگیتر احسن کمال ایک طویل عرصے بعد امریکا سے لوٹ آتا ہے۔ وہ گرین کارڈ کے لالچ میں بشریٰ سے منگنی توڑ کر نازیہ بھٹی سے شادی کر لیتا ہے، پھر شادی کے ناکام ہو جانے پر ایک بیٹے سیفی کے ساتھ دوبارہ اپنی چچی ذکیہ بیگم کے پاس آجاتا ہے اور دوبارہ شادی کا خواہش مند ہوتا ہے۔ بشریٰ تذبذب کا شکار ہو جاتی ہے۔

بالآخر وہ احسن کمال سے شادی پر رضامند ہو جاتی ہے اور سادگی سے دو گھنٹے کے اندر نکاح بھی ہو جاتا ہے۔ عاصمہ اس جادوگر عورت کو نکالنے کے بعد اپنا مکان دوبارہ کرائے پر نہیں دیتی بلکہ پڑوس میں رہنے والی سعدیہ کے ساتھ کوچنگ سینٹر کھول لیتی ہے۔ ساتھ ہی اس کے مشورے پر بی اے کے پرائیویٹ امتحان دینے کی تیاری شروع کر دیتی ہے۔

پندرہویں قسط

بہت ٹھہرا ہوا، جامد سا، ساکن سا منظر تھا۔

اسے کوئی آواز سنائی نہیں دے رہی تھی، صرف بشریٰ کے سڈول جسم سے لپٹی قرمزی ساڑھی کا اڑتا پلو، جس کی سرسراہٹ جیسے اس کے کانوں کے پاس کہیں ہو رہی تھی اور اس کا مسکراتا، خوش باش چہرہ۔

بشریٰ کے پہلو میں کھڑا مضبوط، توانا، وجیہہ مرد، جس کی رفاقت کسی بھی عورت کا فخر ہو سکتی ہے۔ وہ اچٹتی نظر سے یوں عدیل کو دیکھ رہا تھا جیسے وہ کوئی بہت معمولی شے ہو۔

عدیل کو عجیب سی ہزیمت کا احساس ہوا تھا۔

اس کے دل کے بہت قریب کوئی کانٹا سا چبھا تھا۔ کانٹا تو شاید بہت دنوں سے گڑا ہوا تھا مگر جس کی چبھن آج ہوئی تھی، اسے لگا اس کا دل یہیں کھڑے کھڑے خون کے لوتھڑوں میں بدل جائے گا۔

بشریٰ اور احسن کمال کا ساتھ ساتھ کھڑے ہونا اس کی شکست پر گویا آخری مہر تھی۔ اب کچھ بھی باقی نہیں رہ گیا تھا نہ دیکھنے کو نہ سوچنے کو، وہ شکست خوردہ سا مڑ کر کھلے گیٹ سے باہر جانے لگا۔

"ایک منٹ مسٹر عدیل! رکیے پلیز!" اسے یہ پکار احسن کمال کی طرف سے سنائی دیتی تو شاید اتنی حیرت نہ ہوتی۔ اتنے ٹھوس اور واضح لہجے میں اسے مسٹر عدیل کہہ کر پکارنے والی کوئی اور نہیں بشریٰ تھی۔ وہ لحہ بھر کو ان ہی قدموں پر ساکت کھڑا رہ گیا۔

مثال کو یوں لگا جیسے اس پکار میں ماضی کی کوئی گونج تھی شاید۔ اس کی ماں نے اس کے باپ کو اس کے پرانے "منصب" پر بحال کرنے کا کوئی عندیہ دیا ہو۔ وہ اندھا دھند آکر باپ سے لپٹ کر اسے کھینچنے لگی۔

"پاپا! چلیں نا، ماما نے آپ کو بلایا ہے۔ انہیں آپ سے کوئی بہت ضروری بات کرنی ہے۔ شاید وہ ہمارے ساتھ گھر چلنے کے لیے ریڈی ہیں۔ پاپا! آپ پلیز ماما کی بات مان لیجئے گا۔ ابھی ہم صرف ماما کو ساتھ لے کر چلتے ہیں بعد میں سب ٹھیک ہو جائے گا۔ مما آپ سے جو کہیں۔ جیسی بھی بات آپ مان لیجئے گا۔ پلیز پاپا!"

مثال بظاہر سرگوشیوں میں مگر خوشی بھرے لہجے میں تیز تیز باپ سے کہتی چلی جا رہی تھی۔

عدیل مغموم نظروں سے اپنی لاڈلی کے خوش فہم چہرے کو دیکھتا جا رہا تھا۔

کاش ان دونوں نے مثال کے بچپن کو اس دھوکے سے آشنا نہیں کیا ہوتا۔ جس سے وہ فریب مسلسل میں مبتلا نکل ہی نہیں پا رہی تھی۔ وہ بس اسے دکھ سے دیکھ کر رہ گیا۔

"مثال! تم سنی کے ساتھ اندر جاؤ۔ مجھے تمہارے فادر سے کچھ ضروری بات کرنا ہے۔ پلیز گو ناؤ۔" بشریٰ اس کے ذرا پاس آکر بے حد سنجیدہ مگر قدرے درشت لہجے میں بولی۔

مثال جو عدیل کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑے کھڑی تھی یونہی کھڑی رہ گئی۔

"تم نے سنا ہے نا جو میں نے کہا ہے۔" وہ اسے جتانے والے انداز میں اس سے پھر کہہ گئی۔

مثال کی بھوری آنکھوں میں آنسو بھر گئے مگر وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔ ابھی کل ہی تو پاپا نے اسے سمجھایا تھا کہ "مثال بیٹا! حالات کیسے بھی ہوں آپ کو کتنا بھی رونا آرہا ہو آپ نے کسی کے سامنے نہیں رونا۔ بھلے اکیلے میں خوب رو لینا مگر کسی کے سامنے رو کر خود کو کمزور ثابت نہیں کرنا۔ یو آر مائی بریو ڈاٹر۔" انہوں نے بظاہر اسے حوصلہ مند بنانا چاہا تھا۔ مگر وہ یہ کہنا چاہتی تھی کہ نہ رونا، رونے سے زیادہ تکلیف دہ ہے کہ اگر آپ کو اپنے آنسوؤں کو بہت دیر تک روکنا پڑے اور اکیلے ہونے کا انتظار کرنا پڑے۔

مگر اس نے باپ سے کچھ بھی نہیں کہا اور اب بھی آنسو بھری آنکھوں کو بغیر جھپکے عدیل کے ہاتھ آہستگی سے اپنے ننھے ہاتھوں سے آزاد کرتی خاموشی سے سر جھکائے اندر کی طرف چلی گئی۔

"کیا بات رہ گئی ہے اب کرنے کے لیے؟" وہ اس طرح رخ پھیرے بے رخی سے بولا۔

"مثال کے بارے میں... ہمیں بات کرنا ہوگی۔" بشریٰ بہت پراعتماد لہجے میں اس سے مخاطب تھی۔ یوں جیسے وہ روز آفس جاتے ہوئے عدیل کا رستہ روک کر اس سے آج کے مینیو کے بارے میں پورے اعتماد سے پوچھا کرتی تھی۔ عدیل نے ذرا سی نظر اٹھا کر اسے دیکھا مگر وہ تادیر دیکھ نہیں سکا۔

"بیٹھ کر بات کرنی چاہیے۔ آنٹی کو بھی بلالو بشریٰ! اس معاملے کو سیٹل کرلیا جائے۔" احسن کمال آہستگی سے بشریٰ کے پہلو میں پھر سے آکر کھڑا ہو گیا تھا۔ اس کے کندھے پہ استحقاق بھرے انداز میں ہاتھ رکھ کر کہنے لگا۔

"بالکل، میرا بھی یہی خیال ہے۔ پلیز آپ کو تھوڑا سا ٹائم دینا ہو گا کہ بعد میں یہ ایشو ہمارے لیے کوئی ٹینشن کری ایٹ نہ کرے۔ ہم دونوں کی فیملیز یہ بات افورڈ نہیں کرے گی کہ ہم اس مسئلے کو کورٹ میں لے کر جائیں۔ ہمیں ٹیبل ٹاک کے ذریعے اس کو سولو کرلینا چاہیے۔ آپ کا کیا خیال ہے مسٹر عدیل؟" احسن کمال کے استحقاق بھرے ساتھ نے اس کے اعتماد کو کچھ اور بھی بڑھاوا دیا تھا۔

عدیل آہستہ سے سرہلا کر رہ گیا۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ اندر کی طرف چل پڑے وہ ان کی طرف پتھرائی ہوئی آنکھوں سے دیکھتا رہا اور پھر ان کے پیچھے ان کے قدموں پہ چلتا آگے بڑھ گیا۔

☼ ☼ ☼

اس کے چاروں بچے بہت پرسکون گہری نیند سو رہے تھے۔ بچپن کی میٹھی بے فکر نیند! وہ یک ٹک ان کو دیکھتی رہی۔

یہی تو اس کا کل اثاثہ تھے اور وہ اب تک جو موت سے مشکل مرحلوں سے، بہت آرام سے تو نہیں مگر گزرتی چلی آئی تھی، صرف ان چاروں کے لیے۔ اور شاید ان ہی کی وجہ سے قدرت نے بہت سی بلائیں اور مصیبتیں اس کے اوپر سے کم کی تھیں کہ ان چاروں کا آسرا بھی خدا کے بعد اس کے سوا کوئی نہیں تھا۔ عفان اگر زندہ ہوتے تو دیکھتے ہم ان کے بغیر کیسی مشکل زندگی گزار رہے ہیں تو شاید برداشت نہ کر پاتے...

مگر نہیں عفان... میرے اللہ کا وعدہ سچا۔ مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔

وہ اپنے آگے بی اے کے کورس کی کتابیں پھیلا کر بیٹھی تھی۔ باہر ابھی فجر کی نماز کے بعد صبح کا ہلکا سا دھندلکا پھیل رہا تھا۔ عاصمہ کو دن میں بچوں کے سامنے کتابیں کھولتے شرم سی محسوس ہوتی تھی۔ پھر اس کے دل میں ناکامی کا بھی خوف تھا۔ اگر وہ فیل ہو گئی... وہ بہت سالوں کے بعد اس طرح کے امتحان کا سامنا کر رہی تھی۔

وہ کبھی بھی اچھی اسٹوڈنٹ نہیں رہی تھی بس رو دھو کر پاس ہو جایا کرتی تھی۔ انٹر میں تو وہ اتنی مشکل سے پاس ہوئی تھی کہ اس نے اپنی سند کبھی کسی کو دکھائی بھی نہیں تھی۔ مارکس شیٹ عفان سے بھی چھپاتی رہی تھی اور اس روز جب داخلہ فارم کے ساتھ اسے مارکس شیٹ لگانے کے لیے فوٹو کاپی کرنے کے لیے سعدیہ کو دینی تھی تو وہ بہت شرمندہ شرمندہ سی تھی۔

"ارے آپا! اس زمانے میں جب آپ نے انٹر کیا تھا یہ نمبرز بھی بہت اچھے سمجھے جاتے تھے اور سچ بتاؤں آپ کو، انٹر میں تو میرا اس سے بھی ردی حال تھا۔ وہ تو میں نے گریجویشن میں محنت کی تو سر اٹھانے کے قابل ہو سکی ہوں۔ آپ بھی محنت کیجیے گا۔ ڈگری گریجویشن پر ملتی ہے۔ انٹر پر نہیں۔"

سعدیہ معلوم نہیں اس کا دل رکھنے کو کہہ رہی تھی یا واقعی اس کی بات میں کوئی وزن تھا، عاصمہ نے جیسے یہ بات پلو سے باندھ لی کہ کم از کم ڈگری دکھانے کے قابل ہونی چاہیے۔

وہ بچوں سے چھپ چھپ کر واقعی بہت محنت کر رہی تھی۔ صرف اس خیال سے کہ جب اس کا رزلٹ آئے تو اسے مارکس شیٹ کسی سے چھپانی نہیں پڑے... واثق ماں کی بہت حوصلہ افزائی کرتا۔

اسے بہت اچھا لگتا جب وہ اسے سبق سناتے ہوئے جھجکتی ہوئی اٹک جاتی، بھول جاتی تو وہ پکا سا منہ بنا کر بہت سنجیدگی سے عاصمہ کو نوٹس واپس کرتے ہوئے کہتا۔

"مما! ابھی آپ کو اور پڑھنا چاہیے۔ کم از کم تین سے پانچ بار مزید پکا کریں۔"

عاصمہ کچھ شرمندہ ہوتی اور کچھ نادم بھی۔ مگر اب اس کا شوق دن بدن بڑھتا جا رہا تھا۔ ٹیوشن والے بچوں کو پڑھانے کے دوران بھی جو ٹائم فارغ ہوتا وہ اپنی کتاب نکال کر پڑھنا شروع کر دیتی۔ ٹیوشن سے ملنے والی آمدنی کافی کم تھی۔ مگر عاصمہ بہت طریقے سے خرچ کرتے ہوئے گزارہ کر رہی تھی۔ اس کے لیے یہی بات باعث سکون تھی کہ وہ اپنے گھر میں محفوظ رہ کر اپنے بچوں کی روزی کا انتظام کر رہی ہے۔ فارغ وقت میں، جواب بہت کم ہوتا جا رہا تھا۔ وہ کوشش کر کے سلائی یا کڑھائی کا بھی کچھ کام کرتی۔ اکثر سعدیہ بھی اس کی مدد کر دیتی۔ اس لڑکی کے لیے عاصمہ کے دل سے بہت دعائیں نکلتیں۔

یقیناً "جب ارادہ مضبوط ہو جائے، کسی مشکل پر قابو پانے کا تو خدا اپنی رحمت کے وسیلے بنا ہی دیا کرتا ہے۔

حمیدہ خالہ نے بعد میں دو، تین اچھی فیملیز کرائے کے لیے بھی بتائیں۔ الیاس بھی کچھ لوگوں کو لے کر آیا مگر عاصمہ نے مناسب الفاظ میں فی الحال منع کر دیا۔ وہ اپنے ایگزام تک اس سلسلے کو بھی اسی طرح چلانا چاہتی تھی۔

☼ ☼ ☼

"کیا؟" عدیل پریشان سا ہو کر بشریٰ اور احسن کمال کی شکلیں دیکھنے لگا۔ وہ کچھ بول نہ سکا۔ اس نے بہرحال یہ نہیں سوچا تھا۔

"وہ میرے بغیر نہیں رہ سکتی۔ آپ جانتے ہیں مسٹر عدیل۔" وہ بار بار اسے مسٹر عدیل کہہ کر اپنے اور اس کے درمیان موجود فاصلے کو جتائے جا رہی تھی۔ اس اب غصہ آرہا تھا اس کے اس انداز تخاطب پہ... بہرحال کچھ بھی تھا وہ اس کی بچی کا باپ تو تھا... اور کبھی اس کا بھی بہت کچھ...

لیکن اب ان باتوں کو دل میں بھی دہرانے کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

"وہ میرے بغیر بھی نہیں رہ سکتی اور یہ قطعی ممکن نہیں کہ میں اگلے پانچ سالوں تک اسے آپ لوگوں کے پاس چھوڑ دوں۔" نرمی سے بات کرتے کرتے بھی اسے غصہ سا آگیا۔

"لیکن آپ اس سے مل سکتے ہیں۔" بشریٰ نے بڑی فیاضی کا مظاہرہ کیا۔

"شکریہ... اس سخاوت کا۔ ملنے سے تو مجھے اپنی بیٹی سے کوئی بھی نہیں روک سکتا، لیکن اس کے باوجود میں اسے آپ کے پاس خود سے دور کر کے ______ پانچ سال تک نہیں چھوڑ سکتا۔" وہ اپنے ازلی حتمی ضدی لہجے میں واضح کرتے ہوئے بولا۔

بشریٰ اور احسن کمال نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ ذکیہ نے تو بہانے سے بیچ میں بیٹھنے سے منع کر دیا تھا۔ عمران بھی اپنے کسی کام سے گھر سے غائب تھا۔

"اگر آپ دونوں کو ناگوار نہ گزرے تو میں کچھ کہہ سکتا ہوں؟" احسن کمال نے بڑے مہذب انداز میں دونوں کی طرف اجازت طلب نظروں سے دیکھ کر کہا۔

"ہاں... ضرور احسن!" بشریٰ فریفتہ ہونے والے انداز میں بولی۔ عدیل کا چہرہ سپاٹ ہی رہا۔

"کیونکہ مثال ابھی بچی ہے اور وہ آپ دونوں کے درمیان ہونے والی اس سیپریشن کو ابھی ٹھیک طرح سے سمجھ بھی نہیں پا رہی تو اسے ایک دم سے صرف ایک کے پاس ٹھہرانا مناسب نہیں ہوگا۔ اس کا ذہن اس بات کو

قبول نہیں کرے گا۔ بہرحال وہ آپ دونوں سے ہی بہت اٹیچ ہے۔" وہ رک رک کر بول رہا تھا۔ بشریٰ کو اس کی بات اچھی نہیں لگی۔ بے شک مثال دونوں سے اٹیچ تھی مگر وہ اب دونوں کے ساتھ تو کسی طور پر بھی نہیں رہ سکتی تھی۔ احسن کو یہ بات سمجھنی چاہیے۔ وہ دل میں تملائی۔

"وہ ابھی چھوٹی ہے۔ اسے صرف میرے پاس رہنا چاہیے۔ کم از کم اگلے پانچ سال تک ضرور۔۔۔ میں اسے خود سے دور نہیں کر سکتی۔" وہ اسی ہٹ دھرم لہجے میں بولی۔

عدیل تیزی سے کچھ بولتے بولتے رک گیا۔

"لیکن وہ تمہارے ساتھ بھی پوری طرح خوش نہیں رہ سکتی۔ یہ بات تم لکھ لو بشریٰ۔" احسن نرمی سے بولا۔

"یہ میرا مسئلہ ہے۔ وہ کچھ دن پریشان ہوگی۔ نیچرل سی بات ہے۔ مگر یہ سب کچھ دنوں کے لیے ہوگا۔ میں اسے سنبھال لوں گی۔ مجھے اپنی ماںتا پر اپنی محبت پر بھروسا ہے۔ میری بیٹی مجھے اور میں اس کو خوب سمجھتی ہوں جو بھی مسئلہ ہوگا۔۔۔ میں ہینڈل کرلوں گی۔" وہ بھرپور اعتماد سے بولی۔

"تو میں یہاں کیوں بیٹھا ہوا ہوں۔۔۔ اور یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ میں مثال ہمیشہ کے لیے تمہیں بخش دوں۔" عدیل بھی بے لحاظ ہو کر بولا۔

"ہمیشہ کے لیے نہیں۔۔۔ صرف پانچ سال کے لیے۔" وہ زور دینے والے انداز میں دہرا کر بولی۔

"کیا میری یہاں کچھ ضرورت ہے۔ میرے خیال میں آپ دونوں کی اجازت سے میں کچھ کہہ رہا تھا۔" احسن کمال اتنے جتا دینے والے انداز میں بولا کہ بشریٰ بے اختیار ٹھٹک کر خاموش ہوگئی۔

"وہ بچی آپ دونوں کے پاس رہ سکتی ہے۔" وہ کچھ دیر بعد بہت ڈرامائی انداز میں بولا۔

"کیا مطلب۔ ایٹ اے ٹائم۔۔۔ ہم دونوں کے پاس۔۔۔ کیسے؟" بشریٰ اچنبھے سے بول اٹھی۔ عدیل بھی منتظر نظروں سے احسن کو دیکھنے لگا۔

"مہینے میں تیس دن ہوتے ہیں' آپ دونوں ایک ہی شہر میں ہیں۔ پندرہ دن بچی کو بشریٰ رکھ لے اور اگلے پندرہ دن مسٹر عدیل۔" وہ سرپرائز دینے والے لہجے میں بولا۔

دونوں الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگے۔

"کیا آپ دونوں کو میری تجویز پسند نہیں آئی؟"

"یہ کیسے ممکن ہے' نہیں۔" بشریٰ قطعیت سے بولی۔

"اس بات کا بشریٰ! صرف ایک مطلب ہے کہ تم اس بات کو کسی منطقی انجام تک نہیں پہنچانا چاہتیں۔" احسن کچھ خفگی سے بولا۔

"کیا مطلب۔۔۔؟ میں اپنی بیٹی کی دشمن نہیں کہ اتنی سی عمر میں اسے دنوں کے چکر میں پھنسا دوں۔ وہ میرے پاس رہے تو محض دن گنے' باپ کے پاس جائے تو بھی دن گنے۔ نہیں احسن! یہ ٹھیک نہیں۔ اس کی نفسیات بری طرح خراب ہو جائے گی۔ میں صرف اتنا جانتی ہوں۔۔۔" وہ رک رک کر ٹھوس لہجے میں بولی۔ احسن کمال ایک لمحہ کے لیے بالکل خاموش ہوگیا۔

"میرے خیال میں احسن صاحب کا یہ پروپوزل برا نہیں مثال آہستہ آہستہ سچویشن کو سمجھ لے گی تو اسے دونوں کے پاس رہنا آسان لگنے لگے گا۔" عدیل کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولا۔

"مرد ہو نا' ایک مرد کی ایسی بھونڈی تجویز کو ضرور پسند کرو گے۔" بشریٰ۔۔۔ وہ یکدم ہی جارحانہ انداز میں بولی۔ احسن کمال کا چہرہ غصے سے لال ہوگیا۔

"سوری۔۔۔ مگر مجھے یہ سب مثال کے لیے ٹھیک نہیں لگ رہا۔" وہ فوراً ہی اس کی طرف دیکھ کر بولی۔

"او کے۔۔۔ تو پھر یہ آپ دونوں کا آپس کا معاملہ ہے۔ آپ دونوں اسے جس طرح سے ہینڈل کرنا چاہیں میں بیچ میں دخل نہیں دوں گا۔" وہ خشک لہجے میں کہہ کر کھڑا ہوگیا۔

"او ر بشریٰ! اگر تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے تو دس منٹ میں آجاؤ۔ ورنہ میں تمہیں لنچ آور میں لینے آجاؤں گا۔ اس پرابلم کو اتنے ٹائم میں ساٹ آؤٹ کرلینا۔"

"احسن! میں آرہی ہوں تھوڑی دیر میں۔۔۔ لیکن آپ رکیں تو ہم بات کر رہے ہیں۔" وہ کچھ معذرت خواہانہ انداز میں بولی۔

"نہیں۔۔۔ میں آل ریڈی لیٹ ہو رہا ہوں اور یوں بھی میرے خیال میں یہ معاملہ آپ دونوں کا خالصتاً" آپس کا معاملہ ہے۔ میں اس میں دخل نہیں دوں تو بہتر ہوگا۔ چلتا ہوں میں ہم ایک بجے تک ریڈی رہنا۔ میں آکر لے جاؤں گا' اللہ حافظ۔" کہہ کر وہ رکا نہیں۔ تیزی سے چلا گیا۔

بشریٰ اسے پکارنے کے لیے اپنی جگہ سے اٹھی اور پھر خاموشی سے بیٹھ گئی۔ کمرے میں معنی خیز خاموشی تھی۔

☼ ☼ ☼

"تڑاخ۔" کی تیز آواز گونجی۔ وہ سخت حیرت زدہ سا اس تھپڑ کے لیے بالکل بھی تیار نہیں تھا۔ سنبھلتے سنبھلتے بھی خود کو گرنے سے نہیں بچا سکا۔

وہ زمین پر اوندھا گرتے ہوئے بھی پلٹ کر وحشت زدہ سا مڑ کر دیکھنے لگا۔

عاصمہ کی حالت اس کو تھپڑ مارنے کے بعد اس سے بھی زیادہ بری تھی' وہ کھڑے کھڑے کپکپا رہی تھی۔ اس نے واثق کو پہلے کبھی ایسے نہیں مارا تھا۔ مگر اس وقت غصے اور رنج سے اس آنکھوں میں پانی بھی تھا اور دکھ بھی۔

"مما۔۔۔ میں نے صرف آپ کے لیے' اس گھر کے لیے۔" وہ خود کو سنبھلتے ہوئے بمشکل بول سکا۔

"کس دن۔۔۔ کس دن میں نے تم سے ایسا کہا تھا واثق! میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم یہ۔۔۔ کرو گے۔ اگر آج تمہارے اسکول سے فون نہیں آتا۔۔۔ مگر نہیں' اس فون کا بھی کیا فائدہ۔۔۔ سب کچھ تو ختم ہوگیا۔ انہوں نے تمہیں اسکول ہی سے نکال دیا۔ مسلسل ایک مہینے سے تم اسکول سے غیر حاضر رہے ہو' تو کون تمہیں وہاں رہنے دیتا۔۔۔ میرے خدا۔۔۔" وہ سر پکڑ کر رونے ہی لگی۔

"تم نے کس طرح مجھے دھوکا دیا۔۔۔ وہ بھی تم نے۔۔۔ تم جو میری امید۔۔۔ میرے اچھے دنوں کی آس۔۔۔ واثق! تم تو میرا سب کچھ تھے اور تم نے۔۔۔ میرے پاس بچا ہی کیا ہے' سب کچھ تو لٹ چکا۔۔۔ برباد ہو چکا۔ اب تم بھی۔۔۔ ان رستوں پر چل پڑے ہو جن کا انجام صرف اور صرف بربادی اور تباہی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔" وہ اب بھی روئے جا رہی تھی۔

واثق کے چہرے پر ماں کو روتے دیکھ کر سخت بے چارگی اور دکھ تھا۔

"پلیز مما! ایسے نہیں روئیں۔" وہ ماں کے پاس آکر اس کے کندھے پہ ہاتھ رکھ کر گلوگیر لہجے میں بولا۔

"جن ماؤں کے تم جیسے بیٹے ہوں' وہ ساری زندگی روتی ہیں۔" وہ زور سے اس کا ہاتھ جھٹک کر تیز لہجے میں بولی۔

"پلیز مما۔۔۔ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔ صرف ایک سال ڈراپ کر کے اگر میں الیکٹریشن کا کام سیکھ جاتا ہوں تو پھر آمدنی کا مستقل ذریعہ۔۔۔" وہ رک رک کر کہہ رہا تھا۔ عاصمہ دوسری بار ہاتھ اٹھاتے اٹھاتے رہ گئی۔

"تو یوں کہو نا۔ تمہارے باپ کے ساتھ تمہاری ماں بھی مر گئی ہے۔"

وہ تڑپ ہی تو اٹھا۔ "پلیز مما! ایسا نہیں کہیں۔۔۔ میں مر کر بھی ایسا نہیں سوچ سکتا اور آپ تو میرا سب کچھ ہیں۔۔۔ میں۔۔۔" وہ لاچار سا ہو کر رو ہی دیا۔

"سوچ تو تم بہت کچھ سکتے ہو اپنے قد اور عمر سے بہت آگے کی بڑی بڑی باتیں۔ تم خود کو کیا سمجھنے لگے ہو؟ ابھی تم ہو کیا واثق! اور تم خود سے اتنے بڑے بڑے فیصلے کرو گے اور مجھے بتانے کی بھی زحمت نہیں کرو گے تو کیا میں تم سے بہت خوش ہوں گی۔" وہ اب اپنے آنسوؤں پہ قابو پا چکی تھی کہ یہ مسئلہ بلکہ کوئی بھی مسئلہ رونے دھونے یا آنسو بہانے سے حل نہیں ہوتا' وہ جان چکی تھی۔

"میں آپ کو بتانے ہی والا تھا مما!"

"جب تمہارا اسکول سے نام کٹ گیا اس کے بعد۔" وہ طنز سے بولی۔

واثق سر جھکا کر کھڑا رہ گیا۔ عاصمہ دکھ اور تاسف سے اسے دیکھتا رہ گئی۔ کچھ دیر یوں ہی خاموشی رہی۔

"بیٹھو ادھر آکر میرے پاس۔" بہت دیر بعد وہ خود پر' اپنے جذبات پر قابو پا کر گہرا سانس لے کر اس کا ہاتھ پکڑ کر پاس بٹھاتے ہوئے قدرے نرم لہجے میں بولی۔

واثق خاموشی سے ماں کے پاس بیٹھ گیا۔

"تم جانتے ہو نا' تعلیم کی کیا اہمیت ہے۔ اگر مجھے تمہارے ذریعے ذریعہ آمدنی پیدا کرنا تھا واثق! تو پھر میں خود اتنے جتن کیوں کرتی؟"

واثق اسی طرح سر جھکا کر بیٹھا رہا۔

"میری نہیں تمہارے باپ کی اور سب سے بڑھ کر تمہارے دادا مرحوم کی شدید خواہش تھی کہ ان کے پوتے' پوتیاں خوب بہت سارا پڑھیں۔۔۔ علم حاصل کریں۔ زندگی کے ہر میدان میں کامیابی حاصل کریں۔ مگر صرف علم کے ذریعے۔"

"ہنر سیکھنا بری بات نہیں اور یہ بہت سے حالات میں علم سے زیادہ کار آمد ثابت ہوتا ہے۔ تمہارے دل میں اگر ایسی کوئی بات تھی تو تمہیں پہلے مجھ سے بات کرنا چاہیے تھی۔ اسکول کو' اپنی تعلیم کو یوں نظر انداز کر کے تم کچھ بھی نہیں سیکھ سکتے۔"

"مما۔۔۔ میں جاتا رہا تھا اسکول مگر الیکٹریشن کا کام سیکھنے کے لیے زیادہ ٹائم کی ضرورت تھی۔ پھر شام میں مجھے آپ کے ٹیوشن سینٹر میں بھی آپ کے ساتھ۔۔۔"

"بس کرو واثق! کیوں اپنی ماں کو اور ذلیل کر رہے ہو۔" وہ دکھ سے بولی۔ واثق اور بھی پریشان ہو گیا۔

وہ تو دل میں خوش تھا کہ جب وہ ماں کو بتائے گا کہ وہ ایک اچھا الیکٹریشن بن چکا ہے اور سکس کلاس تو وہ اگلے سال بھی پاس کر سکتا ہے۔ مگر اس کے ذریعے وہ ایک مستقل آمدنی کا ذریعہ پیدا کر چکا ہے تو اس کی ماں کتنی خوش ہوگی۔ مگر مما تو اور بھی خفا اور بھی ناراض ہوئے جا رہی تھیں۔

"میں تم سے یہ۔ کچھ نہیں چاہتی واثق! اور آج سے تم ٹیوشن سینٹر بھی نہیں آؤ گے ہماری ہیلپ کرنے۔" وہ ذرا سخت لہجے میں بولی۔

"مما۔۔۔ پلیز۔۔۔"

"اب تم کچھ نہیں بولو گے صرف اس پر عمل کرو گے جو میں کہوں گی۔" وہ اسی سختی سے بولی۔

"مما صرف تین ماہ بعد میں ایک الیکٹریشن۔۔۔" وہ منمنایا۔

"بھاڑ میں گیا تمہارا کورس۔ میں خود جا کر بات کروں گی جہاں تم کورس کر رہے ہو کہ ایگزام کے بعد تم سیکھو گے ایسی کوئی بھی skill اور کل تم میرے ساتھ اسکول چلو گے۔ پرنسپل صاحب کو میں سب کچھ بتا کر ان سے تمہارے دوبارہ داخلے کی درخواست کروں گی۔"

"مما۔۔۔ پلیز۔۔۔ کچھ دن تو رہ گئے ہیں۔۔۔ ایگزام میں۔۔۔ اور میری تیاری تھرڈ ٹرم کی تو بالکل بھی نہیں ہے۔

میں۔۔۔ رہ جاؤں گا اس کلاس میں۔ کلیر نہیں کر پاؤں گا۔" عاصمہ نے بہت غور سے اسے دیکھا۔ اسے اپنی عقل اور اندھے اعتماد پر رونا آیا۔ اس نے کیسے کبھی بھی واثق سے اس کی پڑھائی کے بارے میں نہیں پوچھا۔ شاید چھ یا آٹھ ماہ پہلے آخری ٹیسٹ اس کا دیکھا تھا۔ وہ شام میں ٹیوشن کے دوران رسمی طور پر اپنا بیگ پاس رکھتا تھا۔ کتاب بھی کوئی نہ کوئی گود میں ہوتی تھی اور اکثر سرسری نظر سے پڑھتا بھی نظر آیا تھا عاصمہ کو۔ مگر وہ پڑھائی میں اتنا پیچھے رہ چکا ہے اور ایک طرح سے پڑھائی سے بھاگ چکا ہے۔ عاصمہ کو اندازہ ہی نہیں ہو سکا۔

"اب اس پر کوئی بحث نہیں ہوگی کہ تم کامیاب ہوتے ہو یا نہیں' تمہیں ری ایڈمٹ ہونا ہے اور جی جان سے محنت بھی کرنا ہے۔ واثق میں اب تمہارے معاملے میں کوئی غفلت افورڈ نہیں کر سکتی۔ تمہیں آگے چل کر مجھ سے زیادہ اپنی بہنوں کا ہی سہارا بننا ہے اور مجھے تمہارا الیکٹریشن کورس کا ڈپلوما نہیں ایک لائق انجینئر کی ڈگری چاہیے۔ تم صرف یہ ذہن میں رکھو گے آج کے بعد۔" وہ فیصلہ کن انداز میں کہتی چلی گئی۔

واثق کچھ شرمندہ اور پشیمان سا ماں کو دیکھتا رہ گیا۔ پھر لجاجت سے ماں کے ہاتھ پکڑ کر اس سے لپٹ گیا۔

"سوری مما! آپ کو میری وجہ سے اتنا دکھ ہوا' مگر رئیلی۔ میرا یقین کریں میں اگلے سال ضرور امتحان دوں گا۔ مگر اس سال میرے لیے یہ بہت مشکل ہے۔۔۔ میں۔۔۔"

"کل صبح ہم تمہارے اسکول چل رہے ہیں۔ تم جلدی اٹھ جانا' جو بھی مشکل ہوگی میں تمہاری ٹیچرز سے بات کروں گی۔ سعدیہ تمہاری ہیلپ کردے گی' مگر تمہیں جس طرح بھی سہی اسی سال ایگزام دینا ہوگا۔ یاد رکھنا! میں روٹیاں ڈالنے جا رہی ہوں۔ آجاؤ جلدی سے۔" کہہ کر باہر نکل گئی۔ واثق پریشان سا بیٹھا رہ گیا۔

اتنے مہینوں کی پڑھائی سے دوری کے بعد اس کا جی بالکل اچاٹ ہو چکا تھا پڑھائی سے۔

وہ اب یہ سلسلہ پھر سے کیسے شروع کرے گا۔ اسے بالکل سمجھ میں نہیں آرہا تھا۔ وہ گم صم سا اٹھ کر باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼
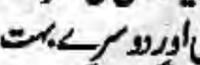
"لیکن یہ مجھے قبول نہیں۔" بشریٰ بے لچک لہجے میں بولی۔ عدیل تیز نظروں سے اسے محض دیکھ کر رہ گیا۔

"آپ کے گھر میں یوں بھی اب مثال کی دیکھ بھال کرنے والا کوئی نہیں۔ آپ کی والدہ بمشکل گھر کے کام کرلیں تو بڑی بات ہے اور مثال کو ابھی بہرحال مکمل دیکھ بھال کی ضرورت ہے۔ اسے صبح اسکول جانے کے لیے تیار کرنا' لنچ تیار کرنا' اس کا یونیفارم' ہوم ورک کی تیاری اور دوسرے بہت سے کام جو آپ نہیں کر سکتے۔" وہ جتانے والے انداز میں بولی۔ عدیل کے خون میں غصے کی لہر اٹھی' مگر وہ پی گیا۔

"یہ تمہارا درد سر نہیں ہونا چاہیے۔ میں اگر مثال کو اپنے پاس رکھنے کی بات کر رہا ہوں تو اس کی دیکھ بھال کا بندوبست بھی کر سکتا ہوں۔ مثال صرف تمہاری نہیں میری بھی کچھ لگتی ہے۔" وہ پھر سے ہزار بار کا دہرایا جملہ کہہ گیا۔

"اسی لیے تو کہہ رہی ہوں کہ اس کی بھلائی اور بہتری اسی میں ہے کہ وہ چند سال میرے پاس رہے کہ صرف میں ہی اس کی ٹھیک کیئر کر سکتی ہوں۔ جبکہ۔۔۔"

"لیکن میرے خیال میں اس وقت تمہاری توجہ کا مرکز مثال سے زیادہ تمہارا دوسرا شوہر اور اس کا بچہ ہوگا اور ان دونوں کو نظر انداز کرنے کا مطلب۔۔۔ ہو سکتا ہے مستقبل قریب میں کہیں دوسری بار بھی تمہیں اپنے گھر کی تباہی کا سامنا کرنا پڑ جائے۔" وہ زہر خند لہجے میں کہتا چلا گیا۔ بشریٰ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا۔

"شٹ اپ مسٹر عدیل! آپ کو کوئی حق نہیں پہنچتا۔ آپ مجھے اس طرح بددعائیں دیں۔"

www.paksociety.com

"صرف حقیقت بیان کر رہا ہوں' بلکہ سادہ لفظوں میں کہوں گا کہ تم کو خبردار کر رہا ہوں۔ اگر دوسری بار اس طرح کی ذلت سے بچنا چاہتی ہو تو اپنی توجہ ساری کی ساری اس نئی زندگی کے تقاضوں کی طرف کر لو۔ زیادہ بہتر تو یہی ہے کہ مثال میرے پاس رہے' لیکن میں جانتا ہوں' تم صرف ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اس پہ اپنا حق جتاتے ہوئے پیچھے نہیں ہٹنا چاہتیں' ورنہ یہ ضروری تھا۔"

"اگر آپ اپنی بات مکمل کر چکے تو آپ جا سکتے ہیں کہ مجھے آپ سے مزید کوئی بات نہیں کرنی۔" وہ سخت' روکھے لہجے میں بولی۔

"او کے۔۔۔ میں چلتا ہوں' ٹھیک پندرہ دن بعد میں مثال کو لینے کے لیے آؤں گا۔ امید ہے' تمہیں میری بات سمجھ میں آ گئی ہو گی۔ خدا حافظ۔" وہ جھٹکے سے اٹھ کر تیز قدموں سے چلتا ہوا پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر باہر نکل گیا۔

اور باہر دروازے سے لگی کھڑی مثال کو دیکھ کر بے اختیار ٹھٹک کر رک گیا۔ مثال کے چہرے پر خوف اور سخت پریشانی تھی۔

وہ جھک کر اس کے پاس دوزانو بیٹھ گیا۔ نرمی سے اس کے رخساروں کو چھو کر اسے پیار کرنے لگا۔

"اداس ہو میری جان!" وہ اس کی طرف یک ٹک دیکھتے ہوئے بولا' وہ نہیں بولی۔

"مثال! اب وہ پہلے والے دن' جب تمہارے پاپا اور مما اکٹھے رہتے تھے۔ کبھی بھی لوٹ کر نہیں آ سکتے۔ تم سمجھ رہی ہو نا۔" وہ سفید پڑتے چہرے کے ساتھ باپ کو دیکھتی رہی۔

"اب تم ففٹی ففٹی ڈیز اپنی ماما کے پاس رہا کرو گی اور نیکسٹ ففٹی ڈیز میرے پاس۔ یہ اچھی بات ہو گی نا۔ آپ کسی سے بھی دور نہیں ہو گی۔ ہم دونوں ہی آپ سے بہت پیار کرتے ہیں اور آپ کے بغیر رہ بھی نہیں سکتے۔ آپ بھی ہم دونوں کے بغیر نہیں رہ سکتیں تو میرے خیال میں یہ ایک بہترین حل ہے۔ اس مسئلے کا کہ بجائے آپ کو بہت سارے سال ہم دونوں میں سے کسی ایک کے بغیر رہنا پڑتا' ہے نا۔" مثال پھر کچھ نہیں بول پائی۔

"مثال! آپ کو یہ بات اچھی لگی یا بری۔ مجھے بتائیں کچھ؟" وہ اس کے ننھے ننھے ہاتھ اپنے مضبوط بڑے ہاتھوں میں لے کر نرمی سے بولا۔

"مما۔۔۔ اب کس گھر میں رہیں گی پاپا؟" اس نے بہت دیر بعد عدیل کی توقع سے بالکل مختلف سوال کیا۔ فوری طور پر عدیل اس کا جواب نہیں دے سکا۔

"وہ ادھر نانو کے ساتھ رہیں گی نا؟" وہ پھر سے بولی۔

"ہاں۔۔۔ شاید۔" عدیل مبہم سے انداز میں بولا۔

مثال باپ کو دیکھتی رہی۔ پھر فوری نفی میں سر ہلا کر جیسے سرگوشی میں بولی تھی۔

"وہ یہاں نہیں رہیں گی۔۔۔ میں جانتی ہوں۔"

عدیل کو پہلی بار اپنی چھوٹی سی بیٹی کی بے بسی پر رونا سا آ گیا۔ اس معصوم کو اب ایک تیسری جگہ جا کر ایڈجسٹ ہونے کا خوف تھا۔

"حسن انکل آپ کو پیار تو کرتے ہیں نا؟"

"آپ جتنا تو نہیں کر سکتے نا!" وہ بہت مدبرانہ انداز میں بولی۔ عدیل اسے دیکھ کر رہ گیا۔ بے اختیار اس کو گلے لگا کر پیار کرنے لگا۔

"میری جان! میں ہمیشہ آپ کے پاس ہوں' آپ کو کبھی اکیلا نہیں چھوڑوں گا۔ ہمیشہ اپنی بیٹی کو اپنی جان سے بڑھ کر عزیز رکھوں گا۔ جب آپ تھوڑی بڑی ہو جاؤ گی تو پھر آپ' ہم دونوں میں سے' جس کے پاس رہنا چاہو گی' وہیں رہ لینا۔۔۔ اور پریشان نہیں ہونا۔ احسن انکل اچھے ہیں' پھر آپ کی ماما بھی تو ہیں۔ وہ آپ کا بہت خیال رکھیں گی۔"

وہ اسے ساتھ لگائے تھپکتے ہوئے تسلی دے رہا تھا۔

"میرا اسیل نمبر ہے نا آپ کے پاس۔ آپ کو جب بھی جس چیز کی ضرورت ہو' کوئی پریشانی ہو' کچھ چاہیے ہو' آپ مجھے فوراً" فون کیجئے گا۔ آپ کے پاپا دوڑے چلے آئیں گے آپ کے پاس' پرامس۔" اسے سامنے کرتے ہوئے وہ نم آنکھوں کے ساتھ مسکرا کر بولا۔

"پاپا۔۔۔" وہ باپ کو نظریں جمائے دیکھے جا رہی تھی۔

"جی پاپا کی جان!" وہ فریفتہ ہونے والے انداز میں بولا۔

"پاپا! میری ٹیچر کہتی ہیں' وقت کبھی ایک جیسا نہیں رہتا' یہ ہمیشہ بدلتا رہتا ہے' ایسا ہی ہے نا پاپا؟"

"ہاں میری جان۔" وہ سر ہلا کر بولا۔

"اور یہ وقت ہمیں بھی بدل جاتا ہے نا پاپا۔" وہ پھر سے بڑے پن سے بولی۔

"آپ کیا کہنا چاہتی ہو میری گڑیا؟" وہ اس کی بات کچھ تو سمجھ گیا تھا اور کچھ سمجھتے ہوئے بھی سمجھنا نہیں چاہتا تھا۔

"پاپا! ایک وعدہ کیجئے۔" وہ عدیل کو ایک دم سے اپنی عمر سے بہت بڑی لگنے لگی تھی۔ وہ کچھ ڈر سا گیا۔

"آپ ہمیشہ اپنا یہ والا فون نمبر۔۔۔ یہی رکھیے گا۔ کبھی اسے بدلیے گا نہیں پاپا۔"

"مثال۔۔۔ میری گڑیا!"

"معلوم نہیں پاپا! مجھے کب آپ کی ضرورت پڑ جائے اور آپ نے اپنا نمبر چینج کر لیا ہو۔۔۔ اور آپ مجھے انفارم کرنا بھی بھول چکے ہوں تو۔۔۔ پھر میں کیسے آپ کو بلاؤں گی؟" اس کے لہجے میں' اس کے لفظوں میں کون سا دکھ نہیں بول رہا تھا۔ عدیل کا دل جیسے پھٹ سا گیا۔

"نہیں میری پیاری بیٹی! میں کبھی اپنا نمبر چینج نہیں کروں گا۔ تمہیں بتائے بغیر تو بالکل بھی نہیں۔" وہ اسے اپنے ساتھ لپٹا کر رو ہی پڑا۔

"اور پاپا! ہماری مس کہتی ہیں لوگ جیسے جیسے اولڈ ہوتے جاتے ہیں۔ وہ باتوں کو' چیزوں کو' لوگوں کو اور اپنے وعدوں کو جلدی جلدی بھولنے لگتے ہیں۔

is it True Papa? (کیا یہ سچ ہے پاپا؟) وہ بالکل بھی نہیں رو رہی تھی۔

باپ کے گلے سے الگ ہو کر بڑی خوف ناک سنجیدگی سے کہہ رہی تھی اور عدیل کو لگا۔ وہ اب اس کے کسی سوال کا کبھی جواب نہیں دے پائے گا۔ وہ لاجواب ہو گیا تھا۔ وہ اپنی بیٹی کے سامنے لاجواب ہو گیا تھا۔ اپنی چھوٹی سی کم سن بیٹی کے سامنے۔

وہ تیزی سے اسے چھوڑ کر بھاگتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ مثال خشک آنکھوں سے دور جاتے اور ایک ہیولہ بنتے باپ کو پلکیں جھپکائے بغیر دور تک دیکھتی چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

صبح سے شام ہو گئی' واثق گھر نہیں آیا تھا۔

عاصمہ تین بار باہر جا کر اسے پاگلوں کی طرح ڈھونڈ چکی تھی' مگر اس کا کہیں پتا نہیں چل سکا تھا۔

وہ صبح فجر کی نماز کے بعد یوں ہی ذرا سستانے کو لیٹی تھی اور جب بچوں کو اسکول بھیجنے کے خیال سے عجلت میں اٹھی تو دھک سے رہ گئی کہ واثق اپنے بستر پر موجود نہیں تھا۔ دونوں بچیوں کو اسکول بھیجنے کے بعد بھی وہ بہت دیر تک اس کے آنے کا انتظار کرتی رہی۔ پہلے اسے شدید غصہ تھا۔ دوپہر تک یہ غصہ تشویش اور پریشانی میں بدل چکا

تھا اور اب تو شام ہونے کو آئی تھی۔

اس نے ٹیوشن والے بچوں کو بھی آج چھٹی دے دی تھی۔ سعدیہ اپنی نانی کے گھر گئی ہوئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ واثق کا کہاں جا کر پتا کرے۔ اس سے کیسی بھول ہوئی کہ کل اس سے ایک بار بھی نہیں پوچھا کہ وہ کہاں الیکٹریشن کا کام سیکھنے جاتا ہے' وہاں جا کر پتا ہی کر آتی۔

حمیدہ خالہ دوپہر میں اس کے بلانے پر آئی تھیں۔ وہ بھی پریشان ہوئیں۔ مگر پھر ان کے گھر سے کسی فوتگی کا بلاوا آگیا تو وہ وہاں چلی گئیں اور کسی سے عاصمہ کی اتنی جان پہچان نہیں تھی۔

"ممّا! بھائی کب آئے گا گھر؟" اریبہ اس کے پریشان چہرے کو دیکھ کر اس کے پاس آکر بولی۔ عاصمہ کی آنکھوں میں آنسو ہی تو آگئے۔

"ممّا! بھائی کہاں چلا گیا ہے؟" وہ ماں کی خاموشی پر پھر سے اس کا کندھا ہلا کر پوچھنے لگی۔

"میرے خیال میں مجھے الیاس بھائی کی دکان پر جا کر ان سے کہنا چاہیے کہ وہ انہیں اسے تلاش کریں یا کسی کو بھیج دیں میرے ساتھ۔" وہ خود ہی منہ میں بڑبڑاتے ہوئے بولی۔

"میری چادر لے آؤ اریبہ! اندر کمرے سے جا کر۔" وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولی۔ شام کے سائے گہرے ہوتے جارہے تھے۔

"ایسے تو کبھی نہیں ہوا کہ وہ اتنی دیر تک باہر رہے۔ اگر وہ ناراض بھی تھا تو بھی اسے یوں بغیر بتائے تو نہیں جانا چاہیے تھا۔" وہ سوچتی جارہی تھی اور پریشان ہوتی جارہی تھی۔

"پہلے اس نے اتنا بڑا قدم اٹھاتے ہوئے کون سا مجھ سے پوچھا تھا جو اب ایسا کرے گا۔" وہ مایوس سی ہوتی جارہی تھی۔

"یہ بھی تو ہوسکتا ہے عاصمہ بہن! کوئی اور بھی اس کے ساتھ ہو' میرا مطلب ہے جو اسے راہ سے بھٹکا رہا ہو۔" الیاس بھائی کی بات نے ایک دم سے اسے چونکا دیا۔

اس نے تو یہ بات کل سے ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سوچی تھی اور واثق تو ایسا کبھی بھی نہیں رہا تھا کہ ایسے خود سے فیصلے کرتا پھرے۔ دوسرے وہ تو خود پڑھائی کا بہت دیوانہ تھا۔

"کتابیں' اسکول ان سب سے تو اسے عشق تھا' پھر ایک دم سے اندر ہی اندر ایسا کیا ہو گیا کہ اس نے اسکول ہی جانا چھوڑ دیا۔ ایسا کون ہوسکتا ہے۔" وہ بھی سوچنے پر مجبور ہو گئی۔

"اس عمر کے لڑکے ضرور کسی نہ کسی بری کمپنی میں پڑ کر اس طرح پڑھائی سے بھاگتے ہیں۔ بلکہ یہ بھی ہوسکتا... " وہ کچھ مزید بولتے ہوئے جھجک کر رک سا گیا۔

"کیا... ہوسکتا ہے اور الیاس بھائی؟" وہ اور بھی ڈر سی گئی تھی۔

"کبھی... آپ کو کچھ ایسا لگا ہو۔ مطلب... کچھ ایسا محسوس کیا ہو آپ نے... کہ وہ کسی نشے وغیرہ میں یا کسی اور غلط کام میں... مبتلا ہوا ہو۔" وہ رک رک کر بولا۔ تو عاصمہ کی سانس جیسے وہیں تھم سی گئی۔ ایسا تو اس نے ذرا بھی نہیں سوچا تھا۔ اسے اس پر کبھی شک بھی نہیں ہوا تھا۔

ہاں اب سوچنے پر اسے یاد آیا کہ وہ کچھ دنوں سے اسے پہلے سے کمزور ضرور لگا تھا۔ مگر اس نے خود ہی کہہ کر سر جھٹک دیا تھا کہ وہ آج کل پڑھائی میں شاید محنت زیادہ کر رہا ہے تو اس لیے کمزور لگ رہا ہے۔ مگر اس کمزوری کی وجہ... نشہ... نہیں... نہیں۔ اس کا دل کانپ سا گیا۔

"یہ تو بہن جی! آج کل ایک عام سی بات ہو چکی ہے' پھر آپ کے بچے پہ تو نہ باپ کا سایہ ہے' نہ کسی بڑے کا ڈر' باہر نکلنے والا' اس کے پیچھے جانے والا کوئی مرد بھی نہیں تو ایسے لڑکوں کے ہاتھوں سے نکلنے کا زیادہ ڈر ہوتا ہے۔" وہ

مزید کہتا چلا گیا۔

"آپ تو الیاس بھائی! مجھے بہت ڈرا رہے ہیں۔ سچی بات ہے۔ مجھ میں تو اب مزید کوئی دکھ جھیلنے کی سکت نہیں اور اس کی رکھوالی کرنے کی تو ہمت بھی نہیں۔ میں تو بہت کمزور اور بے بس ہوں۔" اس نے بڑی مشکل سے اپنے آنسوؤں پر قابو پایا تھا۔

"خدانخواستہ میرا مقصد آپ کو کوئی تکلیف پہنچانا نہیں تھا۔ یہ بھی ہوسکتا ہے یہ سب میرا' آپ کا وہم ہو' واثق ایسی کسی کمپنی میں نہ انوالو ہوا ہو۔ بہرحال آپ گھر جائیں' میں خود جاتا ہوں اس کا پتا کرنے اور اسے ساتھ لے کر آتا ہوں۔ ان شاء اللہ وہ ٹھیک ہوگا۔ آپ زیادہ پریشان نہیں ہوں۔" وہ اس کی حالت دیکھ کر تسلی دینے والے انداز میں بولا۔

"الیاس بھائی! شام بہت ہو گئی ہے' میرا دل بیٹھا جارہا ہے' ایسا کبھی بھی نہیں ہوا اور میں نے کل شاید اس کے ساتھ کچھ زیادہ ہی سختی کر دی تھی تو شاید اس سے خائف ہو کر وہ کہیں گھر سے بھاگ تو نہیں گیا۔" وہ ڈر ڈر کر خود ہی بولی۔

الیاس لمحہ بھر کو خاموش سا ہو گیا۔

"یہ بات بھی ہوسکتی ہے اور بہن ایسے بچوں پر سختی اکثر الٹا کام ہی کرتی ہے' آپ کو گھر جا کر ایک بار تسلی سے ہر چیز کی تلاشی لینا ہوگی کہ کہیں وہ جاتے ہوئے اپنے کچھ کپڑے اور کچھ پیسے یا کوئی قیمتی شے تو ساتھ نہیں لے گیا' اگر گھر سے ایسا کچھ غائب ہے تو پھر واقعی... وہ کہیں چلا نہ گیا ہو۔"

"میرے خدا!" عاصمہ تو سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

"اور اب تو شام ہو چکی' اگر ایسا کچھ اس کا ارادہ تھا تو اب تک وہ شہر سے باہر کہیں دور نکل گیا ہوگا۔"

اور عاصمہ کی آنکھوں کے آگے گہرا اندھیرا چھا گیا۔ وہ اپنے چکراتے سر کو تھامنے لگی۔

☆ ☆ ☆

"یہ کیا ہے؟" عدیل حیران سامان کی طرف دیکھنے لگا۔ نسیم نے کچھ ناراض نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

"یہ تینوں تصویریں اچھے گھر کی لڑکیوں کی ہیں' ان میں سے یہ نیلے سوٹ والی کی صرف چار ماہ ہی شادی۔ اس کے بعد ساس' نندوں نے ظلم ستم کر کے طلاق دلوا دی اور یہ گلابی کپڑوں والی ذرا سی عمر کی زیادہ ہے' مگر ابھی شادی نہیں ہوئی اس کی۔ خوب لمبا چوڑا جہیز اور پیسہ بھی دے رہے ہیں اماں باوا شادی میں... اور یہ تیسری سفید کپڑوں والی' سچ میرے دل کو تو یہ بھائی ہے' عفت نام ہے اس کا۔ شکل کی بھی معصوم بھولی بھالی اور پڑھی لکھی بھی ہے۔ ماں باپ بچپن میں مر گئے تھے۔ ان کی محرومی دیکھ رکھی ہے اس نے۔ چچا' چچی نے پالا ہے۔ بھلے جیسا بھی پالا ہوگا۔ ماں' باپ جیسا پیار تو نہیں دے سکتے نا۔"

نسیم سب کا بائیوڈیٹا بتاتے ہوئے سانس لینے کو رکیں۔

عدیل نے اکتا کر اس دوران تصویریں میز پر الٹا دیں۔ اس کے چہرے پر سوائے کوفت اور بے زاری کے اور کچھ نہیں تھا۔

نسیم باتوں کے دوران اس کا چہرہ بھی دیکھتی جارہی تھیں۔

"پڑھی لکھی بی اے پاس ہے' سلائی کڑھائی میں ماہر' کھانا پکانا سب کچھ جانتی ہے۔ بہت فرماں بردار' ادب آداب والی بچی ہے۔ اپنی مثال کو ماں کا پیار بھی ملے گا اور اس کا خیال بھی رکھے گی۔" نسیم نے آخری لالچ دیا جس کے دھوکے میں عدیل آسکتا تھا۔

عدیل نے کچھ سوچتی نظر سے ماں کو دیکھا اور پھر ان تینوں تصویروں کے سب سے اوپر پڑی سفید کپڑوں والی عفت کو دیکھا۔

بے حد عام سی شکل' بے تاثر آنکھیں' عدیل کی نظروں کے سامنے بے اختیار بشریٰ کا خوب صورت چہرہ اس کا سڈول فگر اور شان دار پہناوا آگیا۔

وہ اس سے آگے کچھ سوچ ہی نہیں سکتا تھا۔

"بے شک عام شکل کی ہے' چہرے سے ہی مسکینی ٹپکتی ہے۔ پر میرے بچے! اچھا پہنے اوڑھے گی' خوش رہے گی محبت پیار ملے گا تو دیکھنا دنوں میں کیسے اس کا کملایا ہوا چہرہ کھلتا ہے۔"

"فار گاڈ سیک امی! میں نے کہا نا میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا بالکل بھی۔" اسے بشریٰ کے چہرے کے یاد آتے ہی اپنی اس ہتک کا احساس ستانے لگا جو اس نے احسن کمال سے شادی کرکے عدیل کے چہرے پر سجائی تھی۔

اے مسٹر عدیل.... مسٹر عدیل کہہ کر جتانے والا انداز بہت کچھ کہہ رہا تھا کہ دیکھو مجھے تم سے بہت بہتر اور شان دار مرد مل گیا ہے۔ وہ ایک دم سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"بچے! میرے دم کا بھروسا نہیں۔ اب کچھ ہی اور چند سال ہوں' پھر تیری فکر کون کرے گا۔ بہن تو بیاہ کر چلی گئی باہر' بچی کے پیچھے ساری دنیا کو بھلائے بیٹھا ہے۔ اسی بچی کی بہتری کے لیے کہہ رہی ہوں۔" وہ اس کو جاتے دیکھ کر پیچھے سے بولیں۔

"اس کی بہتری کا پہلے تو آپ کو کبھی خیال نہیں آیا۔ ایک غیر عورت اس کا بھلا کیا خیال رکھے گی۔ چھوڑ دیں امی! یہ خواب دکھانا مجھے' میری زندگی اب جیسے گزر رہی ہے گزر جانے دیں۔ میرے دل میں اب کچھ بھی نہیں۔ میں کسی کو کچھ نہیں دے سکتا۔ اندر سے خالی ہو گیا ہوں بالکل۔" وہ ہارے ہوئے لہجے میں بولا۔

"ماں صدقے۔۔۔ خدا نہ کرے ایسا کچھ ہو میرے بیٹے! اللہ تمہاری زندگی دراز کرے' عمر لمبی ہو اپنی بچی کو خود اپنے ہاتھوں سے ڈولی میں بٹھاؤ' اس کی خوشیاں دیکھو اور عدیل! بشریٰ سے تمہاری جدائی لکھی ہوئی تھی تقدیر میں اگر مجھے اس کی وجہ سمجھتے ہو تو میں اس پر تم سے معافی مانگ سکتی ہوں پر اللہ نے اس چیز کو یونہی لکھ رکھا تھا' وہ عورت تیرے ساتھ رہنے والی نہیں تھی۔ وجہ میں یا فوزیہ نہ بنتے کوئی اور بن جاتا مگر تقدیر کے لکھے کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔ یہ بات مانتا ہے نا تو؟" وہ آج سب کچھ مانتے ہوئے بہت سے اعتراف کر گئیں مگر یہ سب اب لاحاصل تھا۔

عدیل پلٹ کر کچھ بھی کہے بغیر خاموشی سے باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

"بابا! یہ روم میرا ہے۔ پلیز' اس مثال کو کوئی اور کمرہ دیں یہاں مجھے رہنا ہے۔" سیفی' احسن کمال گھر میں داخل ہوتے ہی حکمیہ انداز میں باپ کے سامنے کھڑا ہو کر بولا۔ مثال جو بشریٰ کے ساتھ کھڑی تھی۔ کچھ سہم سی گئی۔

"کیا ہوا بھئی۔ سائی سن کوئی مسئلہ ہے ڈیر؟" احسن ہلکے پھلکے انداز میں بولا۔

"بابا! آپ لوگوں کے بیڈ روم کے ساتھ والا کمرہ مجھے پسند ہے سو اٹ از مائن۔"

"تو تم لے لو۔ اس میں ناراضی کی کیا بات ہے' بھئی بشریٰ! میرا بیٹا جو کہتا ہے وہ ہونا چاہیے' میں اپنے بیٹے کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرنا چاہتا۔ اوکے۔" احسن بظاہر نرم لہجے میں بہت کچھ جتاتے ہوئے بشریٰ سے بولا۔

ایکچوئلی احسن! مثال ابھی چھوٹی ہے' اسے رات میں اکیلے میں سونے کی عادت نہیں۔ ہمارے ساتھ والے روم میں ہو گی تو اسے اتنا خوف نہیں ہو گا جبکہ سیفی تو تھوڑا بڑا ہے اور میں نے اسے جو کمرہ دیا ہے۔ وہ اس کی

اسکولنگ کے لحاظ سے۔۔۔ مطلب کافی بڑا ہے' اس کی سب چیزیں اس میں باآسانی۔" بشریٰ پہلے وضاحت دینے والے انداز میں پھر سیفی کو دیکھ کر پیار سے کہنے لگی۔

"تھینکس بشریٰ' مام! مگر مجھے جو چیز پسند آئی ہے میں اس کو کسی کے بھی کہنے پر نہیں چھوڑ سکتا۔ میں اس کمرے میں اپنا سامان سیٹ کروا رہا ہوں آپ اپنی ڈرپوک بیٹی کو اپنے کمرے میں اپنے بیڈ پر سلا لیں۔ وہاں یہ بالکل بے خوف ہو کر سوئے گی۔" وہ مذاق اڑانے والے انداز میں کہہ کر چلا گیا۔ بشریٰ کچھ شرمندہ سی کھڑی رہ گئی۔

"بہت Determinate ہے میرا بیٹا جس چیز پہ اڑ جاتا ہے پھر اسے کوئی پیچھے نہیں ہٹا سکتا۔ مجھے اس کی یہی بات پسند ہے۔ تم پلیز مثال کے لیے کوئی اور کمرہ دیکھ لو۔ یوں بھی اس کو یہاں اونلی ففٹین ڈیز تو رہنا ہے' یہ ایڈجسٹ کر لے گی۔ آفٹر دیٹ اسے اپنے فادر کے گھر جانا ہو گا۔ یوں بھی میں سمجھتا ہوں بچوں کو اتنا ہمپر نہیں کرنا چاہیے کہ وہ رات کو اپنے بیڈ روم میں سو نہیں سکیں' مثال اب اتنی بڑی ہو چکی ہے کہ اسے اکیلے سونے کی عادت ہونی چاہیے۔ کیوں مثال؟" وہ مثال کو بہت سرسری انداز میں پچکار کر بولا۔

مثال صرف اسے دیکھتی رہ گئی۔ بول کچھ بھی نہیں سکی۔ اس کے دماغ میں صرف احسن کی یہی بات گونج رہی تھی کہ اسے یہاں صرف پندرہ دن تو رہنا ہے۔ پندرہ دن بعد پاپا کے پاس۔۔۔ اس اتنے بڑے گھر میں امید کا ٹمٹماتا جگنو۔

بے اختیار وہ یونہی مسکرا کر سر ہلا گئی۔

"دیکھا۔ مثال بھی میری بات سے ایگری کر رہی ہے تو اسے کوئی اور روم دے دو۔" وہ مثال کے سر پہ ہلکا سا ہاتھ رکھ کر جانے لگا۔

"لیکن احسن! نیچے والے پورشن میں بیڈ رومز تو صرف دو ہیں' مطلب ماسٹر بیڈ روم اور ساتھ میں بچوں کے لیے ایک کمرہ' باقی بیڈ روم اوپر ہیں۔" بشریٰ کی پریشانی جیسے اس کی بات سے بڑھ سی گئی۔

"کم آن۔ تم کیا بچوں کو پریشان کر رہی ہو یار! اوپر والا بیڈ روم کون سا دوسرے ملک میں ہے' چند سیڑھیاں تو ہیں یہ وہاں رہ لے گی۔ اپنی بیٹی کو بہادر بناؤ یار! اسے بچوں کی طرح ٹریٹ کرنا چھوڑ دو اور یوں بھی صرف رات میں ہی تو سونے کے لیے اوپر جانا ہو گا۔ دن میں تو یہ یہیں نیچے تمہارے پاس ہوا کرے گی۔ اوکے۔" وہ کہہ کر رکا نہیں۔ اپنے بیڈ روم میں چلا گیا۔

بشریٰ مثال کے پریشان چہرے کی طرف دیکھنے لگی۔

"مما! میں نانو کے پاس بھی تو رہ سکتی ہوں نا!" وہ آہستگی سے بولی۔

"دیکھو بھئی۔ میری بوڑھی ہڈیوں میں تو اتنا دم نہیں کہ میں اس عمر میں ایک بچے کی ذمہ داری اٹھا سکوں ورنہ سو بار اسے اپنے پاس رکھ لیتی یوں بھی بچے تو اپنے ماں باپ کی نظروں کے سامنے ہی اچھے رہتے ہیں۔ مثال کو کب عادت ہے تمہارے بغیر رہنے کی۔" ذکیہ نے تو بشریٰ کے کہنے سے پہلے ہی یہ بات منہ پر کہہ دی تھی۔

"لیکن جان! آپ میرے پاس رہو گی' اپنی ماما کے پاس۔ نانو کے پاس کیوں؟" وہ اسے ساتھ لگا کر پیار سے بولی۔

"مگر ماما۔۔۔ میں اوپر اکیلی نہیں رہوں گی۔ یہ نیا گھر ہے میں ڈر جاؤں گی۔" وہ سہم کر بولی۔

"جانو! میں اپنی گڑیا کے ساتھ سویا کروں گی نا۔" وہ اس کے خوف زدہ چہرے کو پیار سے تھپتھپا کر بولی۔

مثال اس کی بات پہ اور بھی پریشان ہو گئی۔

"ماما۔۔۔ میں پاپا' دادو کے پاس بھی تو جا سکتی ہوں نا۔ آپ سے ملنے آجایا کروں گی۔" وہ کچھ دیر بعد ڈرے ہوئے لہجے میں بولی۔

"مثال! تم اتنا ناپسند کرنے لگی ہو مجھے تو جاؤ ابھی چلی جاؤ۔ گیٹ کھلا ہے گھر کا۔ جاؤ اپنے باپ کو فون کرو' آکر

لے جائے تمہیں۔ امی ٹھیک کہتی ہیں میں تم پر ناحق اپنی محبت ضائع کررہی ہوں۔ تم پھر بھی میری نہیں ہونے والی۔" بشریٰ کو ایک دم سے غصہ آگیا۔

"نن۔۔ نہیں مما! بالکل بھی نہیں۔ میں تو آپ کے پاس ہی رہنا چاہتی ہوں۔" وہ بری طرح سے ڈر گئی تھی۔ مما نے ابھی اسے گھر سے نکال دیا تو۔ اسے تو اس نئے علاقے کے کسی بھی راستے کا پتا نہیں اور پاپا اگر اسے لینے نہیں آئے تو۔ وہ ڈر گئی تھی۔

بشریٰ اسے خود سے الگ کرتی اندر احسن کمال کے پاس جا چکی تھی اور مثال سہمی ہوئی اس شان دار لاؤنج میں اکیلی کھڑی رہ گئی تھی۔

☆ ☆ ☆

"سوری مما! وعدہ پرامس۔ آپ کو آئندہ کبھی یوں تنگ نہیں کروں گا وعدہ کرتا ہوں۔ میں آج صرف جاوید انکل کو بتانے گیا تھا کہ میں کل سے نہیں آسکوں گا مگر انہوں نے اپنے آدمی کے ساتھ مجھے شہر سے باہر کسی کوٹھی میں بجلی کا کام کرنے بھیج دیا۔ میں نے ان سے بہت کہا بھی۔۔ مگر۔ پلیز مما! نہیں روئیں۔ میں اب کبھی آپ کی اجازت کے بغیر۔ آپ سے پوچھے بغیر گھر سے باہر نہیں نکلوں گا۔"

وہ ماں کی حالت دیکھ کر خود بھی رونے لگا تھا مگر اس کو اپنے آنسوؤں پہ بہت کنٹرول تھا۔

الیاس کے آنے سے پہلے وہ گھر واپس آگیا تھا مگر عاصمہ کی حالت دیکھ کر وہ پریشان ہو گیا تھا۔

بار بار ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ رہا تھا مگر عاصمہ تو روئے جا رہی تھی۔

"میں کل سے اسکول بھی جاؤں گا اور پوری لگن سے محنت کروں گا۔ آپ کی ہر بات مانوں گا۔ ان شاء اللہ پاس بھی ہو جاؤں گا۔ پلیز اب تو نہ روئیں۔" وہ اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے منت سے بولا تو عاصمہ نے بے اختیار اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

اس کی شرمندگی' اس کی معذرت میں بہت سچائی تھی۔ عاصمہ کو اپنے بیٹے پر دل سے یقین آگیا۔ واثق نہ جھوٹا تھا اور نہ کسی ایسی ویسی کمپنی میں مبتلا ہوا تھا۔ اسے یقین تھا۔

اگلے ہی دن وہ اس کے اسکول جا کر پرنسپل کی منت کر کے اسے ری ایڈمٹ کروا آئی تھی۔

ٹیچرز نے بھی واثق کے پچھلے ریکارڈ کو دیکھتے ہوئے ہر طرح کی مدد تعاون کرنے کا وعدہ کیا تھا۔

عاصمہ نے شکرانے کے نفل پڑھے۔ اسے لگا واثق بہت دور جاتے جاتے پلٹ آیا تھا۔

اللہ نے اس پہ بہت رحم کیا تھا۔ اس کے اثاثے کو بچا لیا تھا ورنہ الیاس بھائی نے جس طرح کا نقشہ کھینچا تھا۔ وہ تو اندر تک ہل کر رہ گئی تھی۔

واثق اگلے دن باقاعدگی سے اسکول جانے لگا۔ عاصمہ کو پھر سے اس کے ساتھ کچھ بھی کرنا نہیں پڑا تھا' اللہ نے اس آزمائش کے بعد اس کے راستے سیدھے کر دیے تھے۔

☆ ☆ ☆

اندھیرے میں وہ بہت خوفناک چہرہ تھا۔ بہت لمبی سرخ زبان تھی اس کی اور سفید ابلی ہوئی آنکھیں۔ کالا سیاہ داغ دار چہرہ اور سیاہ جسم اس کے ہاتھوں کے نوکیلے لمبے ناخن اس کے چہرے کی طرف بڑھتے جا رہے تھے۔

مثال کی نیند سے جاگی آنکھیں خوف سے بند ہونے لگیں۔ دوسرے لمحے وہ آنکھیں بند کیے زور زور سے چیختی چلی گئی۔

یکایک گھپ اندھیرے میں بے تحاشا روشنی ہو گئی تھی۔ بشریٰ اسے ساتھ لگائے چمٹائے اسے سنبھالنے کی

کوشش کر رہی تھی مگر وہ آنکھیں بند کیے چیخے جا رہی تھی۔

"چپ کر جاؤ لڑکی! بس کرو۔" احسن کمال کی دھاڑ نے اس کی چیخیں تو کیا اس کی سانسیں بھی جیسے بند کر دیں وہ شاکڈ سی دیکھتی رہ گئی۔

احسن کمال نائٹ ڈریس میں اس گھوسٹ سے مشابہ لگ رہا تھا جو کچھ دیر پہلے اس کا خون پینے لگا تھا۔

"احسن۔۔ وہ ڈری ہوئی ہے' اس طرح تو نہ چیخیں۔" بشریٰ کو بہت برا لگا۔

"یار! حد ہے۔ کیا ہے ادھر ایسا جس سے یہ ڈری ہے اور اب ہم ہیں اس کے پاس اور یہ چیخے جا رہی ہے۔ سوری بشریٰ مگر میں تمہیں صاف بتا رہا ہوں۔ تمہاری بیٹی از این ایکٹریس۔" وہ سخت ناگواری سے کچھ بھی نہ چھپاتے ہوئے بولا۔

"واٹ! بشریٰ جیسے غصے میں اچھل ہی پڑی ۔۔۔۔ "تم اس کی حالت دیکھ رہے ہو' وہ ابھی بھی خوف سے کانپ رہی ہے' اور تم کہہ رہے ہو یہ ایکٹنگ کر رہی ہے۔" وہ تیزی سے بولی۔

"اچھا اب تم اس کا خوف دور کرو۔ میں سونے جا رہا ہوں۔ آدھی رات کو سارا گھر سر پر اٹھا لیا۔ یہی تربیت ہے تمہاری۔" ہونہہ! اس نے چند دنوں میں نہیں چند گھنٹوں میں روپ بدلا تھا۔ "جلدی آجانا' میں انتظار کر رہا ہوں تمہارا۔"

بشریٰ کو یک بیک اپنی خود کردہ غلطی کا احساس ہوا تھا۔

اسے شوہر مل گیا تھا مگر اس کی بیٹی کا باپ چھن گیا تھا۔ اور اب شاید ماں بھی چھن جائے۔

اور وہ جاتے ہوئے اس سے جو کہہ کر گیا تھا اگر وہ اس کے پیچھے نہیں جاتی تو۔ دوسری بار اس کا گھر۔ عدیل کی بات ٹھیک تھی۔ مثال کی وجہ سے اس کا گھر۔

"نہیں۔۔ نہیں میں اپنی بیٹی کو کبھی خود سے دور نہیں کر سکتی۔" وہ سر جھٹک کر خود سے بولی۔

☆ ☆ ☆

سیفی کا رویہ بھی اس سے بہت بدل چکا تھا۔ وہ اس سے یوں بات کرتا جیسے وہ کوئی ملازمہ ہو۔ اور تو اور بشریٰ بھی مثال سے سیفی کی بات ماننے کو کہتی تو اسے اور بھی دکھ ہوتا۔

اسے تو یوں لگ رہا تھا' اس کی ماں اس نئے گھر میں آکر بالکل کوئی اور عورت بن گئی ہے' اس بشریٰ سے بہت مختلف۔ جو عدیل کے گھر میں تھی یا جو نانو کے گھر میں تھی۔

وہ اس کا یونیفارم دھلوانا بھول جاتی۔ یونیفارم دھلا ہوتا تو استری نہیں ہوتا تھا' وہ کتابیں پیچھے لے کر پھرتی رہتی۔ بشریٰ کو اور بہت سے کام اس کو پڑھانے سے زیادہ اہم لگتے۔

آہستہ آہستہ مثال اپنی ماں کی زندگی سے جیسے خارج ہوتی جا رہی تھی۔ صرف خارج ہی ہوتی تو اسے اتنا دکھ نہیں ہوتا۔ وہ اب اس سے بالکل اجنبیوں جیسا سلوک کرنے لگی تھی۔ مثال رونا چاہتی اور کھل کر رو بھی نہیں سکتی تھی۔

وہ کس سے گلہ کرتی۔ نانو کی طرف جاتی تو وہ بھی اس سے غیروں کی طرح ملتیں۔ زیادہ پذیرائی دونوں گھروں میں سیفی کی ہوتی تھی۔ اور پھر اس کے کانوں میں یہ بھی پڑا کہ سیفی کی بہن یا بھائی آنے والا ہے اور اس کا معصوم دماغ بہت سارے دن اس گتھی کو بھی نہیں سلجھا سکا۔

بابا کے گھر صورت حال اور بھی عجیب تھی۔ دادو اس کو دیکھتے ہی ناک بھوں چڑھانے لگتیں۔ ان کے حساب سے مثال کے آتے ہی گھر کے کام بہت بڑھ جاتے تھے۔

پہلے تو وہ باسی کھانے یا ہوٹل سے منگوا کر گزارہ کر لیتی تھیں مگر مثال کے آتے ہی ۔ عدیل مختلف فرمائشی پروگرام جاری کر دیتا جنہیں پورا کرنے میں نسیم کی حالت خراب ہو جاتی۔

عدیل ہاتھوں سے نہ نکل جائے' وہ ہر بات بلا چوں چرا مان لیتیں مگر عدیل کی غیر حاضری میں وہ مثال کو اس کی ماں کو خوب سناتیں۔ اور پاپا کے گھر تو اسے اکثر ہی گندے یونیفارم کے ساتھ اسکول جانا پڑتا۔ وہ پڑھائی میں بھی بہت عجیب ہوتی جا رہی تھی ۔

ٹیچرز کے بلانے پر بھی بشریٰ اس کے اسکول جانے کا ٹائم نہیں نکال پاتی تھی۔ عدیل دو ایک بار گیا مگر پھر اس کے بھی آفس کے کچھ ایسے ٹرپ نکل آئے جو شہر سے باہر تھے۔

مثال کے لیے ماں باپ ہی نہیں ہر چیز بدل گئی تھی۔

نسیم تو اب باقاعدہ مثال سے جھاڑو اور برتن دھلوانے کا کام عدیل کی غیر موجودگی میں لینے لگی تھیں۔ مسلسل بازار کے کھانے کھانے سے مثال کو ڈائریا ہو گیا اور اس کے بعد بخار جو بگڑ کر ملیریا بن گیا۔ بشریٰ اسے اپنے گھر بلوانا بھول گئی۔ مثال کی حالت دیکھ کر پہلی بار عدیل کو احساس ہوا کہ بچی کو سنبھالنے کے لیے گھر میں کسی عورت کا وجود کتنا ضروری ہے۔

"میں تیار ہوں امی! شادی کے لیے' آپ جہاں کہیں گی' جس سے کہیں گی میں کر لوں گا۔ میری شرط صرف یہی ہے کہ وہ مثال کا بہت خیال رکھے گی' اسے اپنی بیٹی کی طرح سمجھے گی۔"

اور نسیم کو تو جیسے شادی مرگ ہو گیا تھا۔

اگلے ہی ہفتے وہ عام سی شکل والی مرنجان مرنج عفت' مثال کی نئی ماما بن کر آ گئی۔ نسیم اور عدیل کی ہدایت کے عین مطابق اس نے گھونگھٹ اٹھاتے ہی مثال کو اپنی آغوش میں سمیٹ لیا تھا۔

اس دوران بشریٰ کے گھر ایک اور گڑیا آ چکی تھی جو سیفی کی لاڈلی بہن اور احسن کمال کی آنکھ کا تارا تھی۔

اور بشریٰ کے لیے احسن کمال کی زندگی میں قدم جمانے کی باقاعدہ سند۔ مثال تو ان بہت سارے دنوں میں کہیں گم ہو کر رہ گئی تھی۔

عفت نے اسے اتنی محبت' اتنی توجہ دی کہ وہ بشریٰ کو واقعی جیسے بھول چلی تھی۔

"ہاں میں بھجوا رہا ہوں مثال کو تھوڑی دیر میں۔" عدیل فون پر کسی سے کہہ رہا تھا۔

"عفت! مثال کا بیگ تیار کر دو' اسے اس کی ماما کے پاس جانا ہے۔" مثال صدمہ سے باپ کی طرف دیکھتی چلی گئی۔

"پاپا۔ میں نے ... مجھے ابھی نہیں جانا۔ کہیں بھی۔ میں آپ کے پاس۔ عفت ماما کے پاس رکوں گی۔ یہیں۔" وہ بہت مشکل سے آس بھرے لہجے میں بولی تھی۔

ماں کی طرف سے تو وہ بہت مایوس ہو چکی تھی۔ اب وہ بشریٰ سے کبھی کوئی فرمائش نہیں کرتی تھی مگر عدیل کی طرف ابھی اس کے دل میں بہت سی امیدیں تھیں۔

"میری بیٹی!" عدیل نے اسے خود سے لپٹا لیا۔ اور پیچھے کھڑی بنی سنوری عفت پہ نظر ڈالی جو چند دن کے لیے اپنے چچا کے گھر جانے والی تھی۔

اور نسیم کا کہا سچ ہوا تھا۔ عام سی شکل والی سادہ سی عفت پہ شادی کے چند دنوں میں ایسا غضب ناک رنگ و روپ آیا تھا اور اس کا سوکھا سڑا جسم ایسا بھرا بھرا ہو گیا تھا کہ بہت سارے دنوں سے عدیل نے ایک بار بھی بشریٰ کو یاد نہیں کیا تھا۔ اور ابھی بھی عفت کی شرمگیں نگاہیں اور دمکتا روپ اس سے بہت کچھ کہہ رہا تھا جسے وہ نظر انداز نہیں کر پا رہا تھا۔

"نہیں میری جان! آپ کی ماما کو آپ کا انتظار ہے۔ ان کے پاس آپ کے لیے ایک سرپرائز بھی ہے۔ آپ جاؤ گی تو خوش ہو جاؤ گی۔ پندرہ دن بعد تمہیں لینے آ جاؤں گا۔ تم وہاں بہت خوش رہو گی او کے میری جان۔ کچھ چاہیے تو نہیں۔"

اور مثال تو دم بخود سی رہ گئی۔ عدیل نے کس طریقے سے اسے خود سے ہٹا کر عفت کی طرف اپنی توجہ کی۔

"یار! سامان پیک کرو مثال کا۔ اس کی ماں کا ڈرائیور لینے آ رہا ہے اسے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بہت سے محبت بھرے پیغام چھوڑتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"اور میری پیکنگ ... مجھے بھی تو جانا ہے چچا جان کی طرف ... وہ بھی تو کر لوں نا!" عفت ادا سے پلکیں جھکا کر بولی۔ "مجھے بھی وہاں رہنے جانا ہے۔"

"تمہیں تو میں اچھی طرح جانے دوں گا۔ کہیں نہیں جا رہی ہو تم ... ملنے جانا ہے تو آدھے گھنٹے کے لیے ملوا لاؤں گا۔ رات رہنے کا تو سوچنا بھی نہیں۔" عدیل پیار بھری سرگوشی میں چھیڑ چھاڑ کرتے اس سے کہہ رہا تھا۔ وہ زور سے ہنس پڑی۔ باہر بشریٰ کا ڈرائیور مثال کو لینے آ چکا تھا۔

مگر یہ تو بہت شروع کی باتیں تھیں جب دونوں طرف سے اسے لینے ڈرائیور آیا کرتے تھے' اور کوئی اس کا منتظر ہوا کرتا تھا۔

زوردار چھناکے سے جیسے بہت سے کانچ کے برتن ایک ساتھ ٹوٹے تھے' اور اندر باتیں کرتے سب ہی لوگ بے اختیار ٹھٹک کر ادھر دیکھنے لگے جدھر سے آواز آئی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

رخسانہ نگار عدنان

ایک تھی مثال

عدیل اور فوزیہ نسیم بیگم کے بچے ہیں۔ بشریٰ ان کی بہو ہے اور ذکیہ بیگم کی بیٹی ہے۔ عمران بشریٰ کا بھائی ہے۔ مثال ذکیہ بیگم کی نواسی اور نسیم بیگم کی پوتی ہے۔ بشریٰ اور نسیم بیگم میں روایتی ساس بہو کا تعلق ہے۔ نسیم بیگم مصلحتاً بیٹا بہو سے لگاوٹ دکھاتی ہیں۔ دوسری طرف ذکیہ بیگم کا کہنا ہے۔ ان کی بیٹی بشریٰ کو سسرال میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ پانچ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد بشریٰ کی نند فوزیہ کا بالآخر ایک جگہ رشتہ طے پا جاتا ہے۔ نکاح والے روز بشریٰ دولہا ظہیر کو دیکھ کر چونک جاتی ہے۔

عدیل سے شادی سے قبل ظہیر کا بشریٰ کے لیے بھی رشتہ آیا تھا مگر بات نہ بن سکی تھی۔ نکاح والے دن زاہدہ اور ذکیہ بیگم بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔ بشریٰ اپنی ماں سے یہ بات چھپانے کے لیے کہتی ہے مگر عدیل کو پتا چل جاتا ہے۔ وہ ناراض ہوتا ہے مگر فوزیہ اور نسیم بیگم کو بتانے سے منع کر دیتا ہے۔ بشریٰ اور عدیل ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جاتے ہیں۔ وہاں انہیں پتا چلتا ہے کہ بشریٰ کے ہاں سات سال بعد پھر خوش خبری ہے۔

عفان اور عاصمہ اپنے تین بچوں اور والد کے ساتھ کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔ عفان کے والد فاروق صاحب سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ گریجویٹی اور گاؤں کی زمین فروخت کر کے وہ اپنا گھر خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ڈیڑھ کروڑ میں زمین کا سودا کر کے وہ عفان کے ساتھ خوشی خوشی شہر آ رہے ہیں۔ عاصمہ کو فون کے ذریعے کوئی اطلاع ملتی ہے جسے سن کر وہ بے ہوش ہو جاتی ہے۔

فون پر پتا چلتا ہے کہ شہر آتے ہوئے عفان اور فاروق صاحب ڈکیتی کی واردات میں قتل ہو گئے۔ عفان کے قریبی دوست زبیر کی مدد سے عاصمہ عفان کے آفس سے تین لاکھ روپے اور فاروق صاحب کی گریجویٹی سے سات لاکھ روپے وصول کر پاتی ہے۔ زبیر گھر خریدنے میں بھی عاصمہ کی مدد کر رہا ہے۔

اسلام آباد سے واپسی پر عدیل دونوں مقتولین کو دیکھتا ہے۔ زاہدہ، نسیم بیگم سے بیس لاکھ روپے سے مشروط فوزیہ کی رخصتی کی بات کرتی ہیں۔ وہ سب پریشان ہوجاتے ہیں۔ عدیل، بشریٰ سے ذکیہ بیگم سے تین لاکھ روپے لانے کو کہتا ہے۔

حمیدہ خالہ، عاصمہ کو سمجھاتی ہیں کہ عدت میں زبیر کا اکیلے اس کے گھر آنا مناسب نہیں ہے۔ لوگ باتیں بنا رہے ہیں جبکہ عاصمہ کی مجبوری ہے کہ گھر میں کوئی مرد نہیں۔ اس کا بیٹا ابھی چھوٹا ہے اور سارے کام اس نے خود کرنے ہیں۔ وہ جلد از جلد اپنا گھر خریدنا چاہتی ہے۔ عاصمہ کے کہنے پر زبیر کسی مفتی سے فتویٰ لے کر آجاتا ہے کہ وہ انتہائی ضرورت کے پیش نظر گھر سے نکل سکتی ہے بشرطیکہ مغرب سے پہلے واپس گھر آجائے، سو وہ عاصمہ کو مکان دکھانے لے جاتا ہے۔

رقم مہیا نہ ہونے کی صورت میں فوزیہ کو طلاق ہوجاتی ہے۔ نسیم بیگم جذباتی ہو کر بشریٰ اور اس کے گھر والوں کو موردِ الزام ٹھہرانے لگتی ہیں۔ اسی بات پر عدیل اور بشریٰ کے درمیان خوب جھگڑا ہوتا ہے۔ عدیل طیش میں بشریٰ کو دھکا دیتا ہے۔ اس کا ابارشن ہوجاتا ہے۔ عدیل شرمندہ ہو کر معافی مانگتا ہے مگر وہ ہنوز ناراض رہتی ہے اور اسپتال سے اپنی ماں کے گھر چلی جاتی ہے۔

اسی اسپتال میں عدیل عاصمہ کو دیکھتا ہے جسے بے ہوشی کی حالت میں لایا گیا ہوتا ہے۔ عاصمہ اپنے حالات سے تنگ آکر خودکشی کی کوشش کرتی ہے تاہم بچ جاتی ہے۔ نو سال بعد عاصمہ کا بھائی ہاشم پریشان ہو کر پاکستان آجاتا ہے۔ عاصمہ کے سارے معاملات دیکھتے ہوئے ہاشم کو پتا چلتا ہے کہ زبیر نے ہر جگہ فراڈ کرکے اس کے سارے راستے بند کردیے ہیں اور اب مفرور ہے۔ بہت کوششوں کے بعد ہاشم، عاصمہ کو ایک مکان دلا پاتا ہے۔ بشریٰ اپنی واپسی الگ گھر سے مشروط کردیتی ہے۔ دوسری صورت میں وہ علیحدگی کے لیے تیار ہے۔ عدیل سخت پریشان ہے۔

عدیل مکان کا اوپر والا پورشن بشریٰ کے لیے سیٹ کروا دیتا ہے اور کچھ دنوں بعد بشریٰ کو مجبور کرتا ہے کہ وہ فوزیہ کے لیے عمران کا رشتہ لائے۔ نسیم بیگم اور عمران کسی طور نہیں مانتے۔ عدیل اپنی بات نہ مانے جانے پر بشریٰ سے جھگڑتا ہے۔ بشریٰ بھی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتی ہے۔ عدیل طیش میں بشریٰ کو طلاق دے دیتا ہے اور مثال کو چھین لیتا ہے۔ مثال بیمار پڑجاتی ہے۔ بشریٰ بھی حواس کھو دیتی ہے۔ عمران بہن کی حالت دیکھ کر مثال کو عدیل سے چھین کر لے آتا ہے۔ عدیل عمران پر اغوا کا پرچا کٹوا دیتا ہے۔

عاصمہ اسکول میں ملازمت کرلیتی ہے مگر گھریلو مسائل کی وجہ سے آئے دن چھٹیاں کرنے کی وجہ سے ملازمت چلی جاتی ہے۔ اچانک ہی فوزیہ کا کہیں رشتہ طے ہوجاتا ہے۔

انسپکٹر طارق دونوں فریقین کو سمجھا بجھا کر مصالحت پر آمادہ کرتے ہیں۔ ذکیہ بیگم کی خواہش ہے کہ عدیل، مثال کو لے جائے، تاکہ وہ بشریٰ کی کہیں اور شادی کرسکیں۔ دوسری طرف نسیم بیگم بھی ایسا ہی سوچے بیٹھی ہیں۔ فوزیہ کی شادی کے بعد نسیم بیگم کو اپنی جلد بازی پر پچھتاوا ہونے لگتا ہے۔

انسپکٹر طارق، ذکیہ بیگم سے فوزیہ کا رشتہ مانگتے ہیں۔ ذکیہ بیگم خوش ہوجاتی ہیں، مگر بشریٰ کو یہ بات پسند نہیں آتی۔ ایک پراسراری عورت عاصمہ کے گھر بطور کرائے دار رہنے لگتی ہے۔ وہ اپنی حرکتوں اور انداز سے جادو ٹونے والی عورت لگتی ہے۔ عاصمہ بہت مشکل سے اسے نکال پاتی ہے۔

بشریٰ کا سابقہ منگیتر احسن کمال ایک طویل عرصے بعد امریکا سے لوٹ آتا ہے۔ وہ گرین کارڈ کے لالچ میں بشریٰ سے منگنی توڑ کر نازیہ بھٹی سے شادی کرلیتا ہے، پھر شادی کے ناکام ہوجانے پر ایک بیٹے سیفی کے ساتھ دوبارہ اپنی چچی ذکیہ بیگم کے پاس آجاتا ہے اور دوبارہ شادی کا خواہش مند ہوتا ہے۔ بشریٰ تذبذب کا شکار ہوجاتی ہے۔

بالآخر وہ احسن کمال سے شادی پر رضامند ہوجاتی ہے اور سادگی سے دو گھنٹے کے اندر نکاح بھی ہوجاتا ہے۔ عاصمہ اس جادوگر عورت کو نکالنے کے بعد اپنا مکان دوبارہ کرائے پر نہیں دیتی بلکہ پڑوس میں رہنے والی سعدیہ کے ساتھ کوچنگ سینٹر کھول لیتی ہے۔ ساتھ ہی اس کے مشورے پر بی اے کے پرائیویٹ امتحان دینے کی تیاری شروع کردیتی ہے۔

—۱۶—

سولہویں قسط

عدیل نے حیز گھورتی نظروں سے پرسکون موڈ میں گپیں لگاتی عفت کو دیکھا۔ جو خود بھی یہ شور بھری آواز سن کر بے اختیار ٹھٹکی تھی۔

"پھر کچھ توڑ ڈالا؟ اس گھر میں تو اب چیزیں بنتی کم ہیں، برباد زیادہ ہوتی ہیں۔ یہاں کسی کو اس مزدور کے خون پسینے کی کمائی کا احساس ہو تب ناں، سب نے تو اسے کاٹھ کا الو سمجھ رکھا ہے' لاتا جا' کماتا جا' کھلاتا جا۔ یہ اڑانے اور اجاڑنے والے بیٹھے ہیں۔" نسیم بیگم کو بولنے کا خبط ہوگیا تھا گزرتے سالوں کے ساتھ۔

"اٹھ جاؤ اب۔ دیکھ بھی لو۔ کیا ہوا ہے کچن میں۔ کون تھا وہاں پر؟" عدیل بظاہر مدھم آواز میں مگر گھرکتے لہجے میں عفت سے بولا جو ابھی بھی بظاہر کچھ پریشان سی اپنی جگہ پر ہی جمی بیٹھی تھی۔

"جاتی ہوں، جا رہی ہوں اور سب کچھ تو تیار تھا صرف ٹرالی میں رکھنا تھا پتا نہیں اس کمبخت نے کیا بیڑا غرق کیا ہے سب چیزوں کا۔" عفت بڑبڑاتی ہوئی باہر نکل گئی۔

"عفت بھابھی اچھی ہیں بھائی۔ ہے نا۔" فوزیہ بظاہر بڑے احساس مند انداز میں بولی، جیسے اسے بھائی کے جذبات کی بڑی فکر رہی ہو۔

"ہوں۔ اچھی ہے بہت۔" بہن کی عزت، بہنوئی کے سامنے رکھنا تو ضروری تھا بلکہ زیادہ تو اپنی عزت رکھنے کو اس نے یہ چار حرفی جواب کچھ رک کر دیا تھا۔

فوزیہ اور خالد ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرانے لگے۔ اس بار پورے سات سال بعد فوزیہ نے چکر لگایا تھا۔ پچھلی بار وہ تقریباً" پانچ سال کے وقفے کے بعد آئی تھی اس کے دونوں بچے دس گیارہ برس کے ہوچلے تھے۔

فوزیہ خوب فربہ ہوچکی تھی۔ بالکل کسی بھینس کی طرح جس پر خوب سونا چڑھایا گیا ہو۔

پھر اسے اپنے دیناروں، سونے کے زیورات اور قیمتی چیزوں کی نمائش کرنا بھی خوب آگیا تھا۔

پرس، جوتا، شال، لباس میچنگ ایئر رنگز، جو بھی چیز پہنتی دکھاتی تو پہلے اسے دیناروں میں بتاتی اور پھر فوراً" کسی کیلکولیٹر کی طرح اسے پاکستانی کرنسی میں تبدیل کرکے روپوں میں بتاتی تو سامنے والا بے حد متاثر ہوجاتا۔

نسیم کے پاس بیٹھنے کا اس کے پاس زیادہ وقت نہیں ہوتا تھا۔ یوں بھی اسے اب عفت کی برائیوں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔

عدیل اور عفت میں انتہائی محبت تھی۔ وہ اس کے ایک اشارے پر آدھی رات کو بھی اٹھ کر کچھ بھی کرنے جا سکتا تھا، ہاں ماں کی دوائیں لانا بیس بار یاد دلانے کے باوجود بھولنا اس کی پختہ عادت بن چکی تھی۔ نسیم بولتی چلی جاتیں کہ اس گھر میں سب کی پسند کے کھانے بنتے ہیں سوائے اس بڑھیا کے۔

ہر ایک کی مرضی اور پسند کے مطابق کپڑا، لتا، جوتا۔ آتا ہے صرف ان سے ان کی خواہش نہیں پوچھی جاتی۔ کسی متروک شدہ سامان کی طرح انہیں گھر کے کونے میں ڈال دیا گیا ہے۔

"فوزیہ! تو اس بار عدیل سے ذرا کھڑک کر بات کرنا۔ اسے احساس دلانا میں ماں ہوں اس کی۔" وہ آتے ہی فوزیہ کے آگے اپنے دکھڑے روتے ہوئے بولیں۔

فوزیہ اس دوران اپنے قیمتی موبائل سیٹ پر اپنی کسی سہیلی کے میسجز کا جواب بڑے انہماک سے ٹائپ کرتی رہی۔

"سن رہی ہے ناں ماں کی بکواس؟ یا تو بھی بھائی کی طرح ایک کان سے سنتی ہے، دوسرے سے اڑا دیتی ہے۔ کچھ سنا میں نے کیا بولا ہے۔" نسیم اسے متوحش انداز میں جھنجھوڑتے ہوئے بولیں۔

فوزیہ نے ناگواری سے ماں کے جنگلی انداز کو برداشت کیا تھا۔ اس کا بے حد نازک سوٹ کندھے سے مسک نہ جائے۔ وہ ماں سے ذرا پرے ہٹ کر بیٹھ گئی۔

"کر چکی ہوں آپ کے بولنے اور بتانے سے پہلے ہی یہ سب باتیں میں بھائی سے۔ آتے ہی دیکھ لیا تھا کہ کیسے اس گھر میں صرف عفت کا راج ہے آپ کو ایک کونے میں ڈال دیا گیا ہے۔ میں نے پہلے ہی عدیل بھائی سے بول دیا ہے اور امی! آپ پریشان نہیں ہوں' اس بار جاؤں گی تو آپ کو الگ سے پیسے بھیجا کروں گی۔ اس سے آپ اپنی پسند کی چیزیں منگوا لیا کریں اور جیب میں پیسہ ہو تو یہ عفت جس نے پیچھے سے کچھ نہیں دیکھا' دب کر رہے گی آپ سے۔ میں پھر بات کروں گی بھائی سے۔ آتی ہوں۔ میرے خیال میں عدیل بھائی آگئے۔" وہ ماں سے جان چھڑا کر وہاں سے بھاگ گئی۔

"آ گیا ہے تو اسے یہیں لے آ میرے پاس' دو گھڑی کو تم دونوں بیٹھ جاؤ۔ ترس جاتی ہوں۔ میرے بچے بھی میرے پاس آکر بیٹھیں۔ کچھ ماں کے دکھ درد سنیں۔ کچھ اپنی کہیں اور دیکھو لو وہ میری دوائیں لے کر آیا یا پھر بھول گیا۔ بیوی بچوں کی فرمائشوں کے تھیلے بھر کر لایا ہوگا۔ بوڑھی خبطی ماں کہاں یاد رہتی ہے۔"

نسیم پیچھے سے بولتی رہ جاتیں اور فوزیہ عفت کے ساتھ کھڑی ہنس ہنس کر باتیں کیے جاتی۔

دونوں میں خوب گاڑھی چھنتی تھی۔ بہت سے تحائف لے کر آئی تھی فوزیہ عفت اور اس کے دونوں بچوں کے لیے۔

مثال کے لیے وہ ایک سوٹ اور گڑیا لے کر آئی تھی' جسے دیتے ہوئے وہ خود بھی کچھ الجھی رہی تھی کہ مثال کا قد تو فوزیہ سے بھی بڑا ہو چکا تھا۔

اور وہ اسے ابھی بھی چھوٹی بچی سمجھ کر گڑیا اٹھا لائی تھی۔ یوں بھی پچھلے سال عروسہ کی سالگرہ پر اتنی گڑیاں اکٹھی ہو گئی تھیں کہ فوزیہ نے اس میں آدھی تو یہاں پاکستان میں اپنی دھاک جمانے کو قریبی رشتہ داروں کے بچوں میں تحفتاً" دی تھیں۔ وہ مثال کی عمر کے سال بھولی نہیں تھی۔

بس یونہی لاپروائی سے وہ مثال کے لیے بھی ان ہی گڑیوں میں سے ایک اٹھا لائی۔

"پھپھو! یہ تو مجھے دے دیں۔" بارہ سال کی پریشے نے وہ گڑیا فوراً" فوزیہ سے جھپٹ لی۔

یوں بھی مثال نے اسے لینے کے لیے ابھی ہاتھ نہیں بڑھائے تھے۔ مثال نے بے تاثر نظروں سے پریشے کو گڑیا لیتے اور خوش ہوتے دیکھا اور خاموشی سے جانے لگی۔

"ارے موڈ خراب کر کے کیوں جا رہی ہو۔ میں تمہارے لیے یہ سوٹ بھی تو لائی ہوں۔ لو۔" فوزیہ نے پیچھے سے بہت جتانے والے انداز میں آواز دی تھی۔

مثال ان ہی قدموں پہ ٹھٹک گئی مگر مڑی نہیں۔

کیونکہ وہ جانتی تھی اول تو یہ سوٹ جو اسے بہت احسان کر کے دیا جانے والا ہے' سب کا مسترد کردہ ہو گا یا اچھا بھی ہوا تو اس تک نہیں پہنچے گا۔

"کم سنتی ہے میرے خیال میں تو یہ مثال بی بی ماں کی طرح۔ بشریٰ کو بھی یہی بیماری تھی۔ مطلب کی بات فوراً" اچک لیتی' مطلب کی نہ ہو تو بہری بن جاتی۔" فوزیہ کے دل میں پرانی ناپسندیدگی نے چٹکی کاٹی تھی۔ مثال بے تاثر چہرے کے ساتھ پھوپھی کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔

بلیک کلر کا جارجٹ کا سوٹ تھا جس پر شاکنگ پنک اور سلور بہت خوب صورت چھوٹے چھوٹے پھول اور ڈیزائن تھے۔ مثال کی توقع کے برعکس سوٹ بہت خوب صورت تھا۔

"خاص میں نے اپنی پسند سے لیا ہے اپنے لیے سرخ رنگ میں اور تمہارے لیے یہ بلیک۔" وہ مثال کی آنکھوں میں پسندیدگی دیکھ کر فخریہ انداز میں بولی تھی۔ مثال نے آہستگی سے سوٹ لینے کے لیے ہاتھ بڑھائے۔

"یہ تو بہت خوب صورت کلر ہے فوزیہ اور سچ میں تو مثال کو یہ منحوس کلر کبھی نہ پہننے دوں۔ ہماری اماں بہشتن

کہا کرتی تھیں۔ کنواریوں کو یہ کلر نہیں پہننا چاہیے' خدانخواستہ آگے چل کر یہ رنگ ان کی زندگی کو بھی منحوس کر دیتا ہے اور یہ تو سارا ہی بلیک ہے۔ شلوار بھی دوپٹا بھی۔۔۔ رہنے دو بھئی! مثال نہیں پہنے گی یہ رنگ۔" مثال کے ہاتھوں میں پہنچنے سے پہلے سوٹ "حق دار" کے ہاتھوں میں پہنچ گیا۔

فوزیہ اس حملے کے لیے تیار نہیں تھی۔ فوری طور پر کچھ بول نہیں سکی۔

"میرے پاس ایک شوخ سا سوٹ پڑا ہے الماری میں' وہ میں اس کی جگہ مثال کو دے دوں گی۔ ٹھیک ہے نا۔" وہ جیسے فوزیہ کی خاموشی کو محسوس کرتے ہوئے فوراً" سے بولی۔

مثال کچھ کہے بغیر خاموشی سے جانے لگی۔

"ویسے اچھا لگتا مثال کے رنگ روپ پر اٹھتا۔ میں نے تو اس کے خیال سے لیا تھا۔" فوزیہ کو عفت کی حرکت کچھ اچھی نہیں لگی تھی۔ سرسری سے انداز میں بولی۔

"تو تم دے دو اس کو۔ میں نے تو اس کے بھلے کو لیا تھا۔" عفت فوراً" ناگواری سے بولی۔

"ارے نہیں۔ میں کوئی اور دلا دوں گی مثال کو۔ تم رکھو یہ۔" فوزیہ فوراً" سنبھل کر بولی۔

اب اتنے سارے دن تو اسے یہیں رہنا تھا۔ عفت سے تعلقات میں معمولی بگاڑ بھی وہ نہیں چاہتی تھی۔

مثال باہر چلی گئی۔ باہر اس کے کرنے کو بے شمار کام تھے۔ اس کے کندھے ابھی سے بغیر کوئی کام کیے جیسے دکھنے لگے تھے۔

"آج تیرہ تاریخ ہے۔ دو دن بعد مما کے پاس۔ اور وہاں بھی اسی طرح نہ موجود ہونے کا احساس اور بے شمار کام۔"

تھک کر ایک طرف بیٹھ گئی۔

"اس گھر میں کسی کمبخت کو یاد ہے کہ اس بڑھیا کو بھی کچھ کھانے کو دینا ہے۔ صبح سے چائے کے ساتھ ایک سوکھا توس کھلا رکھا ہے۔ اس کے بعد مجال ہے جو کسی مردود کو خیال بھی آیا ہو کہ اس مریضہ کو بھی کچھ کھانے' پینے کی ضرورت ہوگی۔ مر گئے سارے کہیں پر۔ کوئی میری بکواس سنتا ہے یا نہیں۔"

نسیم ایک دم پوری طاقت لگا کر چیخنے لگی تھیں۔

انہیں ہر دو گھنٹے بعد کچھ نہ کچھ کھانے کو چاہیے ہوتا تھا اور کھانے کے بعد خود بھی بھول جایا کرتی تھیں کہ کب کیا کھایا تھا۔

مثال تھکے تھکے قدموں سے اٹھ کر کچن میں آگئی۔

ظاہر ہے عفت اور فوزیہ میں سے تو کسی نے نسیم کی یہ تقریر سنی بھی نہیں ہوگی۔ سنی بھی ہوگی ان سنی کر دی ہوگی۔

وہ نسیم کے لیے سوپ گرم کرنے لگی۔

"تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آؤ گی؟" پیچھے سے عفت آکر بجلی کی طرح اس کے سر پہ کڑکی تھی۔

مثال حیرت زدہ سی کھڑی رہ گئی۔

"کیسے شکل پر بارہ بجائے نحوست پھیلائے پھرتی ہو' ذرا سا سوٹ کیا لے لیا۔ ایسی شکل بنائی جیسے ہمیشہ ہی تم سے اس گھر میں ایسا سلوک کیا جاتا ہے' کچھ نہیں دیا جاتا۔ یہی ظاہر کرنا چاہ رہی تھیں نا تم؟" وہ جانتی تھی' عفت اس طرح آکر اسی پر چڑھ دوڑے گی۔

لیکن اس بار اس نے حتی الامکان کوشش کی تھی کہ اپنے چہرے کے تاثرات نارمل رکھے مگر پھر بھی۔۔۔ یہ جرم بھی اس کے کھاتے میں آ ہی گیا۔

"کیا بہتر نہیں ہوگا مہمانوں کے سامنے آپ مجھ سے یوں بلاوجہ میں نہ الجھیں۔ میں کچھ کہہ دوں گی تو آپ ہسٹریائی مریضوں کی طرح چیخنے چلانے لگیں گی۔" وہ کھولتے سوپ کو دیکھتے ہوئے سرد لہجے میں بولی۔ عفت کو تو جیسے ہزار والٹ کا کرنٹ لگا۔

مثال بہت کم بولتی تھی بلکہ کبھی کبھی تو پورا دن کچھ نہیں بولتی تھی۔ عفت اس پر چیختی چلاتی۔ سارے گھر کا کام کروانے کے باوجود کسی نہ کسی بات پر یہ برہم ہوتی رہتی مگر وہ جواب میں خاموش رہتی اور آج۔۔۔

"کیا میں مریضہ ہوں ہسٹریا کی مریضہ؟ پاگل ہوں چیختی چلاتی ہوں۔ تم نے یہ بکواس کی ابھی۔" وہ جیسے غصے میں پاگل ہی تو ہوگئی۔

"پریشے کل اپنا ڈول ہاوس ٹوٹ جانے پر اسی طرح چیخ چلا رہی تھی جب فوزیہ پھپھو نے کہا تھا کہیں اسے دورے تو نہیں پڑتے۔۔۔ آپ اس طرح چیخیں گی تو سوچ لیں۔ آپ کے بارے میں ان کے خیالات کیسے ہوسکتے ہیں آگے آپ کی مرضی۔ بس دادو کو کر سوپ دے کر آتی ہوں۔" عفت تو جیسے کھڑے کھڑے پتھر کی ہوگئی تھی۔

یہ وہ مثال تو نہیں تھی' جو اتنے سالوں سے بے دام کی غلام بنی گونگی بہری بس کام کیے جاتی تھی۔ کبھی پلٹ کر جواب نہیں دیتی تھی۔۔۔ یہ تو۔۔۔

"کمینی کو ایک کالا سوٹ لے لینے کا اتنا صدمہ لگا ہے کہ مجھ سے زبان چلانے لگی ہے مگر یہ پریشے کے بارے میں کیا بکواس کرکے گئی ہے۔ اللہ نہ کرے میری بچی میں ایسا کوئی عیب ہو یا کوئی اس کے بارے میں ایسی بات کرے۔ فوزیہ تو ایسا سوچ بھی نہیں سکتی۔"

عفت پریشان سی ہوگئی۔

"ضرور اسی کمینی نے یہ بات اپنے دل سے گھڑی ہے صرف میرا جی جلانے کو۔"

وہ بے قرار سی سارے گھر میں ٹہلنے لگی۔

"جلتی ہے یہ پریشے سے' میری بیٹی پریوں جیسی ہے جو اسے دیکھتا ہے اسی کو دیکھتا رہتا ہے۔ یہ مثال کسی کو کیا نظر آئے گی۔ اپنی ہی جلن نکال رہی ہوگی۔ فوزیہ لٹو جو ہوگئی ہے پریشے پر۔ ابھی سے مذاق مذاق میں اپنے فیصل کے لیے مانگ رہی تھی۔ بس اسی دم جل بھن گئی ہوگی چڑیل ماں کی بیٹی۔۔۔" عفت کا غصہ کم نہیں ہو رہا تھا۔

اور جو فوزیہ اور خالد کی آمد کے دن شام کی چائے میں اس گھٹیا لڑکی نے عفت کی شادی کا سب سے قیمتی ٹی سیٹ توڑ ڈالا تھا۔

جب عفت کچن میں آئی تو ٹرے پورے سیٹ کے ساتھ زمین بوس ہوچکی تھی۔

سارے ہی برتن چکنا چور تھے اور مثال نیچے بیٹھی کرچیاں اٹھا رہی تھی۔

عفت نے پیچھے سے اسے دوہتھڑ مارے تو وہ انہیں کرچیوں کے اوپر جا گری۔ اس کے ہاتھ زخمی ہوگئے۔

اور جیسے ہی عدیل بھی عفت کے پیچھے آیا۔ وہ فوراً" وہیں زمین پر بیٹھ کر مثال کے ہاتھوں میں خون کے ساتھ چپکی کرچیاں دیکھنے لگی تھی۔

"میں نے تو کہا ہماری بچی کا صدقہ گیا' جو یہ چار برتن ٹوٹ گئے۔ میں تو عدیل ڈر گئی تھی کہ کہیں خدانخواستہ اس کو کہیں چوٹ نہ لگ گئی ہو اور دیکھیں! پھر بھی اس نے ہاتھ زخمی کرلیے۔ درد تو نہیں ہو رہا۔"

وہ بہت حساس لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

مثال اس کے یوں گرگٹ کی طرح رنگ بدلنے اور اس کے اتنے سارے روپ' بہروپ دیکھنے کی عادی ہوچکی تھی۔

"نہیں۔ میں ٹھیک ہوں۔" وہ درد سہتی آہستگی سے کہہ کر ٹوٹی کے نیچے خون رستے ہاتھوں کو رکھ کر بیٹھنے لگی۔

عدیل اسے دیکھے جا رہا تھا۔

"چلو' میں تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے جاتا ہوں مثال! آؤ میرے ساتھ۔" کوئی ایسا لمحہ بھی ہوتا تھا' جب عدیل اس کی فکر میں بہت سال پہلے والا باپ بن جایا کرتا تھا۔

"نو پاپا! اس کی ضرورت نہیں۔ میں ٹھیک ہوں بالکل۔" وہ اسی طرف رخ کیے حلق میں گھلتے نمکین پانیوں کو پیتی ہوئی بظاہر بڑے ٹھہرے لہجے میں بولی۔

"عدیل! آپ جا کر مہمانوں کے پاس بیٹھیں۔ کیا سوچیں گے خالد بھائی۔ ہم دونوں ہی اندر آگئے ہیں۔ میں چائے سرو کروں تو پھر خود اسے ڈاکٹر کے پاس لے جاتی ہوں۔ آپ پلیز مہمانوں کے پاس جا کر بیٹھیں۔"

عفت فوراً" عدیل کو احساس دلاتے ہوئے بولی تو وہ سرہلا کر وہاں سے چلا گیا۔ عفت نفرت بھری نظروں سے مثال کو دیکھتے ہوئے بڑبڑاتے ہوئے چائے کا پانی بھرے رکھنے لگی۔

پریشے اور دانی یہ دو اضافے تھے جو اس کے باپ کے گھر میں آئے۔

جن کے آتے ہی اس کی اہمیت جو عفت پہلے ہی مختلف طریقوں سے کم کرتی چلی گئی تھی اور بھی کم ہوتی گئی۔

پریشے یوں بھی اتنی خوب صورت' اتنی دودھیا سفید صحت مند بچی تھی کہ وہ فوراً" ہی ہر کسی کی توجہ کھینچ لیتی۔

خود مثال کی کوشش ہوتی وہ جو پندرہ دن یہاں رہے' اسکول سے آنے کے بعد سارا وقت صرف پریشے کے گرد منڈلائے۔

جب پریشے چھوٹی تھی تو عفت اسے مثال کو نہیں پکڑاتی تھی۔ ہاتھ لگانے پر بھی جھڑک کر روک دیتی کہ اس کے گندے ہاتھوں سے جراثیم بچی کو لگ جائیں گے۔

عدیل بھی آفس سے آنے کے بعد سارا وقت پریشے میں ہی لگا رہتا۔ وہ دادی کی بھی لاڈلی تھی۔

بالکل ویسے جیسے کبھی مثال ہوا کرتی تھی۔

کبھی کبھی پریشے کو بھی سب کی محبتوں کا مرکز بنے دیکھ کر اس کے دل میں بہت جلن ہوتی۔ آنکھوں میں کچھ نہ چبھنے کے باوجود نمی آجاتی۔ اس کا جی چاہتا۔ وہ پریشے کو کہیں چھپا دے۔

کئی بار اس نیت سے اس کے پاس جاتی مگر پھر اس کی موہنی صورت دیکھ کر بے اختیار اسے پیار کرنے لگتی۔

جیسے ہی مثال کچھ بڑی ہوئی' پریشے اس کی ذمہ داری بنتی چلی گئی۔

یوں بھی دانیال اس گھر کا دوسرا خوب صورت اور بہت دیر کا خدا سے مانگا ہوا اضافہ تھا۔

دانی نے ماں اور باپ کو خود میں مصروف کرلیا۔

پریشے کی اہمیت کم تو نہیں ہوئی لیکن دانیال تو سب کی آنکھ کا تارا تھا' خود پریشے کا بھی۔

مثال کو بھی وہ اچھا لگتا' مگر پریشے پر اسے زیادہ پیار آتا تھا۔ پریشے کو سنبھالنے کی ذمہ داری اس کے سپرد ہوئی۔

پھر برتن دھونے کی۔۔۔ پھر ڈسٹنگ اور گھر کا پھیلاوا سمیٹنے کی۔۔۔

پھر ایک کے بعد دوسرا کام خود بخود مثال کے ذمے ہوتا گیا۔ حتیٰ کہ عفت کوکنگ میں بھی اس سے خوب کام کروانے لگی' لیکن سب کے سامنے یہی کہا جاتا۔ "میں اسے اس لیے ساتھ لگائے رکھتی ہوں کہ پرائی بچی ہے نظروں کے سامنے رہے۔ کل کوئی اونچ نیچ ہوگئی خدانخواستہ تو اس کی ماں آکر تو مجھے پکڑے گی نا۔"

اور عدیل نے کبھی بھی عفت کو پرائی بچی کہنے پر نہیں ٹوکا۔ وہ باپ کے چہرے کی طرف دیکھتی رہتی۔

یوں لگتا جیسے وہ خود بھی دل سے اسے پرائی بچی تسلیم کرچکا ہے۔ پریشے بھی اس سے پیار تو کرتی تھی مگر جب اس کا اپنا دل ایسی خواہش کرتا۔

یوں بھی کوئی پندرہ دن کے لیے کسی سے جی لگائے اور پندرہ دن کے لیے اجنبی بن جائے۔ اس کی زندگی اس

بٹوارے سے بہت عجیب تر ہو گئی تھی۔
وہ کوئی بھی کام جم کر دل لگا کر کر ہی نہیں پاتی تھی۔
اسکول بشریٰ کے گھر سے قریب تھا تو عدیل کے گھر سے دور!
اکثر ہی اس بات کو بہانہ بنا کر عفت اس کی چھٹی کروالیا کرتی تھی۔ پھر اکثر رنج' دکھ اور پریشانی میں اس کی کوئی نہ کوئی ضروری چیز کبھی بشریٰ کے گھر رہ جاتی تو کبھی عدیل کے۔۔۔
کوئی ٹیسٹ کاپی' کوئی نوٹس فائل' کبھی کوئی ضروری کتاب۔ آہستہ آہستہ اس کا پڑھائی سے بھی دل اچاٹ ہوتا جارہا تھا۔
وہ ہر چیز' ہر معاملے میں اکھڑی اکھڑی رہتی تھی۔
کوئی بھی اس سے وہ کام نہ کہتا جو کچھ دنوں میں مکمل ہونا ہوتا کیونکہ اگلے ہفتے تو وہ چلی جاتی۔
وہ خود بھی پر اعتماد نہ رہی تھی اور دوسرے بھی اس پر جی سے بھروسا نہ کرتے تھے۔
مثال تو سب کے لیے ایک مثال ہی بنتی جارہی تھی۔
اس کے اکھڑے اکھڑے رویے کے سبب کوئی بھی اس سے خوش نہیں تھا۔ وہ خود بھی کسی سے خوش نہیں تھی۔ کسی کے ساتھ کسی جگہ یہ اس کا دل نہیں لگتا تھا۔ کیونکہ وہ جانتی تھی یہ جگہ' یہ لوگ۔۔۔ عارضی ہیں۔ اسے چاہتے ہوئے نہ چاہتے ہوئے ٹھیک پندرہ دن بعد یہاں سے چلے جانا ہوتا تھا۔
وہ پڑھائی میں واجبی سی رہ گئی تھی۔ بس نارمل نمبروں کے ساتھ بمشکل پاس ہو کر اگلی کلاس میں چلی جاتی۔
بشریٰ نے شروع میں اس کے یوں گریڈز گرنے کا غم کھایا پھر جیسے اسے اس کے حال پہ چھوڑ کر اپنی نئی زندگی نئی دنیا میں مگن ہو گئی۔
وہاں اس کے لیے بھی ایک دوسری مثال آئینہ موجود تھی۔ احسن کمال' بشریٰ اور سیفی کی آنکھوں کا تارہ۔ آئینہ۔
جس کے آتے ہی اس گھر میں پہلے سے نظرانداز مثال کو بالکل جیسے بھلا دیا گیا تھا۔
پتا نہیں کیوں کوشش کے باوجود بشریٰ کے اکسانے پر بھی اس کو یہ عام سے نقوش والی کمزور سی بچی پہ بالکل بھی پیار نہیں آیا تھا۔
شاید اسے آئینہ سے انسیت ہو بھی جاتی مگر سیفی اسے آئینہ کے قریب نہیں پھٹکنے دیتا تھا۔
وہ بہت خود پسند' ضدی' جھگڑالو اور لڑاکا تھا۔
مثال سے اسے خاص ضد اور چڑ سی تھی۔ وہ اس کو جھڑکنے' ذلیل کرنے کے بہانے ڈھونڈتا تھا۔
وہ لاؤنج سے گزرتی' آئینہ رو رہی ہوتی اپنی کاٹ میں پڑی۔ سیفی وہیں سے شور مچا دیتا کہ مثال نے آئینہ کو مارا ہے۔ اگر احسن کمال گھر پر ہوتا تو وہ جن خاموش' سرد' بے مہر نظروں سے اسے گھورتا۔ مثال کی وہیں جان نکل جاتی۔
وہ اس درجہ گھبرا جاتی کہ اپنے دفاع کے لیے ایک لفظ بھی بول نہیں پاتی تھی۔ بس ہاتھ مسلتی ہوئی تھر تھر کانپنے جاتی۔
بشریٰ شروع میں اس کی حالت پر پریشان ہو کر اس کا دفاع کرنے کی کوشش کرتی' مگر پھر وہ بھی جیسے مثال کی غلطی جان کر اسے ڈپٹنے لگتی۔
نتیجتاً" مثال آئینہ سے دور ہوتی چلی گئی۔
اس عام سی شکل صورت کی بچی سے اسے کوئی رغبت نہیں تھی۔ ہاں جب گھر میں کوئی نہیں ہوتا تھا اور ایسا

بہت کم ہوتا تھا جب مثال کے اسکول میں آف ہوتا اور سیفی گھر پر نہیں ہوتا تھا تو بشریٰ پہلے کی طرح اسے ساتھ لپٹا کر پیار کرتی۔ اس سے باتیں تو بہت کم کرتی' مگر اسے سننے کی خواہش مند ہوتی۔
مگر مثال تو جیسے ماں سے بات کرنا بھی بھول چکی تھی۔
اب تو اسے بشریٰ کا یہ پیار بھی مصنوعی اور جھوٹا سا لگتا۔ وہ بس سر جھکائے ماں کے پاس خاموش بیٹھی رہتی منتظر کہ کب بشریٰ کو اپنے گھر کے بہت سے ادھورے کام یاد آتے ہیں اور وہ خود ہی اٹھ کر اس کے پاس سے چلی جائے۔
اسے تو اب عدیل کی قربت سے بھی عجیب وحشت ہوتی تھی۔ اس قربت میں بھی اتنی بیگانگی' اتنی اجنبیت ہوتی تھی کہ وہ کھل کر اپنی کسی بھی خواہش کا اظہار کرنا بھول گئی تھی۔
فرمائش کرنا اسے بھول چکا تھا۔ اب تو وہ بہت ضرورت کی چیز بھی یہ سوچ کر کہ کل ماما کے پاس جاؤں گی تو ان کو کہہ دوں گی۔
اور وہاں جا کر اگلے کئی دنوں تک اسے بشریٰ کا موڈ دیکھنا پڑتا کہ اس سے یہ فرمائش کی بھی جائے یا نہیں۔
اور اکثر ہی وہ کچھ نہ کہہ پاتی اور یہ سوچ کر باپ کے گھر آجاتی کہ پاپا سے بات کرنے میں زیادہ سہولت ہے۔ ان سے کہہ دے گی۔ وہ جھٹ پٹ لا دیں گے' مگر جانے ان دونوں انتہائی قریبی رشتوں کے بیچ کتنی بڑی بڑی دیواریں اٹھ آئی تھیں کہ وہ دونوں کے سامنے اپنا کوئی تقاضا بھی نہ رکھ پاتی۔
وہ دونوں ہی اپنی نئی گھرداری میں الجھ کر رہ گئے تھے۔
مثال کہیں بہت پیچھے ان کے ماضی کا وہ حصہ بن کر رہ گئی تھی' جسے سوچنے سے دونوں کتراتے تھے کہ کہیں ان کے شریک سفر کو ان کی خلوص بھری رفاقت پر شک نہ ہو جائے اور ان کے گھروں میں بدمزگی نہ ہو جائے اور مثال ۔۔۔ وہ دونوں کے دن بدن بدلتے مزاجوں سے جیسے سہم سی گئی تھی۔
اس کے گرمیوں سردیوں کے کپڑے پہلے چھوٹے پھر بے حد چھوٹے ہوتے چلے گئے۔ پہلے پہل بشریٰ کو خیال آجاتا تھا۔ وہ اپنی سیفی اور آئینہ کی شاپنگ کے ساتھ کچھ نہ کچھ اس کا بھی لے ہی آتی تھی' مگر پھر جانے کب اور کیسے وہ یہ بات فراموش کرتی چلی گئی۔ آئینہ کے بیمار ہونے پر کچھ ماہ احسن کمال گھر کی شاپنگ سیفی کے ساتھ کرنے لگے اور اس لسٹ میں مثال کی چیزیں اگر کہیں ہوتی بھی تھیں تو اکثر "بھول گئے بھئی" کی نذر ہو جاتی۔ عدیل بھی پریشے' وانی اور عفت میں تقسیم ہو چکا تھا۔ اسے مثال نظر بھی آتی تھی تو وہ سرسری سا مسکرا کر حال چال پوچھ کر یا "مثال بیٹا! کچھ چاہیے تو نہیں۔"
"سب کچھ موجود ہے مثال کے پاس۔ اپنی اور اپنے بچوں کی ضرورتوں سے پہلے میں مثال کا سب کچھ پورا کرتی ہوں۔ سوتیلی نہ سمجھئے گا آپ مجھے۔" عفت کو جانے کیسے خبر ہو جاتی کہ عدیل اس سے ضرور کچھ ایسا پوچھے گا۔ فوراً" پیچھے سے آکر بول پڑتی۔
"ہاں مجھے پتا ہے تم مثال کا کتنا خیال رکھتی ہو۔ میں نے تو یونہی پوچھا تھا۔ مثال! اسٹڈیز کیسی جارہی ہیں بیٹا! اگر ٹیوشن کی ضرورت ہو تو مجھے بتا دینا۔ میں کسی ٹیوٹر کا یا کوچنگ سینٹر کا بندوبست کروا دوں گا۔" اب اچھا موڈ عدیل کا خال خال ہی ہوتا تھا۔
"پندرہ دن کے لیے بھلا کون سا ٹیوٹر لگے گا۔ وہ یہاں پندرہ دن ہی رہتی ہے۔ پندرہ دن بعد اتنی دور کون جائے گا اسے پڑھانے۔" عفت جل کر بڑے مدبرانہ انداز میں جتا کر کہتی۔
اس پر عدیل ایک دم چپ کر جاتا۔
"پاپا! آپ سے ایک بات کہوں؟" اس رات وہ اسٹڈی میں اکیلا بیٹھا اپنے آفس کا کچھ کام کر رہا تھا۔ جب وہ

آہستگی سے اس کے پاس آ کر بولی۔ عفت دانی کو سلاتے سلاتے خود بھی سو چکی تھی۔ پریشے دادی کے ساتھ لیٹی تھی۔ مثال باپ کے پاس آ گئی۔

"بولو میری جان! کچھ چاہیے؟" عدیل شفقت بھرے لہجے میں بولا۔ اس نے بہت دنوں بعد اسے نظر بھر کر دیکھا تھا۔

"یہ آپ نے پریشے کے کپڑے پہن رکھے ہیں؟" وہ اس کی طرف دیکھ کر پوچھنے لگا۔

مثال نے جلدی سے خود کو دیکھا۔

تیرہ سال کی عمر میں نکلتے قد کے ساتھ اس کے تین چار سال پرانے کپڑے بہت چھوٹے ہو رہے تھے۔

"نہیں پاپا! میرے ہیں۔" وہ جلدی سے قمیص کو کچھ کھینچ کر بولی۔

"ہوں!" عدیل کچھ سوچنے لگا۔

"کیا کہہ رہی تھیں آپ؟" اسے خیال آیا تو پوچھنے لگا۔

"پاپا! اگر میں یہیں رہ جاؤں۔ آئی مین فل منتھ۔ سارا مہینہ آپ کے پاس یہاں رہوں۔ میں مما سے کبھی کبھی ملنے چلی جایا کروں گی۔ مجھے آپ کے پاس رہنا اچھا لگتا ہے۔" وہ بہت ڈر ڈر کر اٹک اٹک کر بولی تھی۔

عدیل کو کچھ رنج سا ہوا کہ مثال واقعی وہ نہیں رہی تھی جیسی ان دونوں کے ساتھ تھی۔ صحت مند، پُراعتماد، شوخ اور ہر بات منہ پہ کہہ دینے والی یہ وہ مثال تو نہ تھی۔

"آپ کو وہاں کوئی مسئلہ ہے جان؟" وہ سنجیدگی سے بولا۔

اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"ممی آپ کو توجہ نہیں دیتیں؟"

وہ کچھ نہیں بولی۔

عدیل خاموش اسے دیکھتے ہوئے کچھ سوچتا رہا پھر گہری سانس لے کر یونہی سر ہلانے لگا۔

"میں آپ کی مما کو کال کروں گا کہ وہ آپ کا خیال رکھا کریں اور میں آپ کو مستقل یہیں رکھنے کی بات بھی کروں گا۔ اگر وہ مان گئیں تو آپ یہیں رہیں گی۔ مجھے اس بات کی خوشی ہوگی۔" عدیل رک رک کر بولتے ہوئے اس کے چہرے کے بدلتے تاثرات کو نوٹس کر رہا تھا۔

اس کا مرجھایا ہوا چہرہ ایک دم سے کھل اٹھا تھا۔

"پاپا! آپ بات کریں گے سچ۔ میں ماما سے یہ کہیں گے کہ وہ مجھے یہیں آپ کے پاس رہنے دیں۔" وہ بے یقین سی باپ کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر دو زانوں بیٹھتے ہوئے بولی۔

"کیوں نہیں کروں گا بیٹا! ہماری یہی بات طے ہوئی تھی کہ جو کچھ بھی ہوگا۔ مثال کی خوشی اور مرضی سے ہوگا اگر آپ کی خواہش یہی ہے تو مجھے اس کی خوشی ہے۔ میں ایک دو دن میں آپ کی مما کو کال کرتا ہوں۔"

"پاپا۔ ایکچوئلی بار بار کبھی ادھر کبھی ادھر۔ میں بہت ڈسٹرب ہوتی ہوں۔ ابھی میں نے لاسٹ ویک اپنے انگلش کے "ڈوائیسے" لکھے تھے مگر نوٹ بک مما کی طرف رہ گئی اور ٹیچر نے مجھے سارا دن پنشش (سزا) میں کھڑا رکھا۔ ان کے نزدیک میں ہر وقت یہی ایکسکیوز کرتی ہوں کہ مما کے گھر رہ گئی نوٹ بک یا پاپا کے گھر۔ اور پاپا!" بولتے ہوئے اس کی آواز میں نمی سی گھل گئی۔

"بچے میرا مذاق بھی اڑاتے ہیں کہ ماما پاپا کے گھر الگ الگ کیسے ہو سکتے ہیں۔ اگر تمہارے پیرنٹس میں سپریشن بھی ہو چکی ہے تو بھی تم ایک ہی کے پاس رہتی ہو گی یا آدھی آدھی دونوں طرف۔" اس کی آنکھوں میں جمع ہونے والے آنسو بہہ نکلے۔

عدیل کے دل پر جیسے گھونسا سا پڑا۔

"میرا بچہ۔" وہ بے اختیار اس کو ساتھ لگا کر اپنے جذبات پر قابو پاتے ہوئے اس کی تکلیف سے نظریں چرانے لگا، جو اس بچی کو اپنے ماں باپ کے جذباتی پن کی وجہ سے پہنچی تھی۔

"آپ بات کریں گے نا مما سے؟" وہ خود ہی سنبھل کر آنکھیں رگڑتے ہوئے سرخ چہرے کے ساتھ بولی۔

عدیل اثبات میں سر ہلا کر رہ گیا۔

"تھینک یو پاپا۔ ہر پندرہ دن بعد یہاں وہاں جانا۔ بہت انسلٹنگ لگتا ہے۔" وہ پھر سے نظریں جھکا کر لرزتی پلکوں کے ساتھ نم لہجے میں بولی۔

عدیل تڑپ کر رہ گیا۔ اتنی چھوٹی سی عمر میں وہ کتنے بڑے بڑے احساسات کی بھٹی سے صرف اپنے پیدا کرنے والوں کی وجہ سے گزر رہی تھی۔

"تم اب جا کر ریسٹ کرو۔ صبح اسکول بھی جانا ہوگا۔"

وہ مزید مثال کا سامنا نہیں کر سکتا تھا۔ نرمی سے بولا۔

وہ خاموشی سے چلی گئی اور عدیل اس رات بہت دیر تک جاگتا رہا۔

☼ ☼ ☼

"دماغ تو نہیں خراب ہو گیا آپ کا عدیل! اول تو اس کی ماں کبھی نہیں مانے گی پھر میں ماں ہو کر اس کی بچی کو اس سے چھین لوں۔ یہ میں کبھی نہیں کر سکتی اور پھر دیکھیں! یہ جو ایج ہے نا تھرٹین سے ایٹین کے درمیان۔ مثال کو جتنا اچھا اس کی اپنی ماں سمجھ سکتی ہے، میں لاکھ چاہوں تو ایسا نہیں کر سکتی۔ اپنی ماں تو اپنی ماں ہوتی ہے۔ لاکھ سوتیلی مائیں سگی بننے کی کوشش کریں۔"

عفت عدیل کے منہ سے سب سنتے ہی جیسے بھڑک اٹھی۔ عدیل لمحہ بھر کو کچھ بول ہی نہیں سکا۔

"آپ کا دل چاہتا ہے تو سو بار بشریٰ سے بات کریں، لیکن میں سمجھتی ہوں وہ اس بات کے لیے نہیں مانے گی۔ یوں بھی عدیل اس کی ساری ذمہ داری آپ پر آ جائے گی۔ اس کی ماں جان چھڑا کر پیچھے ہو جائے گی۔ کل کلاں کو اس کی شادی ہوگی۔ رشتے کا معاملہ، جہیز کا معاملہ اور خدانخواستہ کوئی اونچ نیچ ہو گئی تو اس وقت یہی بشریٰ واویلا کرتی آ جائے گی کہ باپ نے ظلم کیا اس کی بچی کی زندگی خراب کر دی۔ آپ سوچ لیں اچھی طرح۔ ایک جذباتی غلطی کے بعد دوسری کو نہ دہرائیں۔ مثال کو ان باتوں کی کیا سمجھ۔ اسے تو یہاں سکون اور سکھ ہے میں تو اسے ہل کر پانی نہیں پینے دیتی۔ اس دن مجھ سے کہہ رہی تھی کہ اس کی ماں وہاں اس سے کام کرواتی ہے سارا دن۔ ظاہر ہے۔ وہ ماں ہے اس کی بہتری کے لیے ابھی سے اسے کام میں ڈالنا چاہتی ہے۔ میں ایسا کروں گی تو ظالم کہلاؤں گی۔ لڑکی کا معاملہ ہے، کچھ گھر کے کام وام آ جائیں گے تو کل کو اس کی اگلی زندگی اچھی گزرے گی اور یہ سب صرف سگی ماں ہی کر سکتی ہے۔ میں تو بابا اس سے کام وام نہیں کرواؤں گی۔ کہیں مجھ سے بھی بدظن ہو جائے یہ۔"

وہ بغیر رکے سب کچھ کہہ گئی بہت ہوشیاری اور بہت طریقے سے۔

مثال اسکول گئی ہوئی تھی۔ اسے عفت کی اس کارگزاری کا پتا نہ چل سکا۔

"پاپا!" اس کا چہرہ اتر گیا تھا۔

باہر بشریٰ کا ڈرائیور اسے لینے آیا ہوا تھا۔

"میں نے بات کی تھی تمہاری ماں سے۔ وہ بہت ناراض ہوئی اس بات پر۔ بیٹا! ہمارے قانون میں سارا تحفظ صرف ماں کو ہے۔ باپ کو ایسا کوئی حق نہیں۔ اس نے اگر مجھے پندرہ دن کے لیے تمہیں دے رکھا ہے تو یہ اس کی

مہربانی ہے۔ اس نے صاف انکار کردیا ہے کہ وہ تمہیں مستقل میرے پاس نہیں چھوڑ سکتی۔ اب بتاؤ بھلا میں کیا کہتا۔"

عدیل سخت لاچاری سے بولا۔

مثال گم صم سی باپ کی شکل ہی دیکھتی رہ گئی۔

وہ راستہ بھر اپنے آنسو ضبط کرتی رہی۔

☼ ☼ ☼
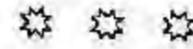
"نہیں۔ تم کیوں پوچھ رہی ہو مثال!" بشریٰ کچن میں بری طرح مصروف تھی' جب اس نے جاتے ہی اس سے عدیل کے فون کے بارے میں پوچھا۔

بشریٰ کے انکار پر وہ لحہ بھر کے لیے کچھ بول ہی نہ سکی۔

"آپ سے پاپا نے کوئی بات نہیں کی؟" وہ کچھ پریشان سی ہو کر بولی۔

"کیا بات کرنی تھی۔ تمہارے اسکول سے متعلق تو کوئی بات نہیں ہے کوئی گڑبڑ تو نہیں ہوئی رزلٹ میں۔" وہ چونک کر بولی۔

رات کو احسن کمال کے بزنس پارٹنر کو ڈنر پر بلایا گیا تھا۔ بشریٰ کک کے ساتھ مصروف تھی۔ اوپر سے مثال کے سوال جواب۔ وہ کچھ جھلا کر رہ گئی۔

"نہیں مما! ایسی کوئی بات نہیں۔" وہ دل گیری سے بولی۔

"اچھا مثال پلیز! جاکر تم نے جو کرنا ہے وہ کرو' پھر آکر کچن میں میری تھوڑی ہیلپ کرانی ہے تو کراؤ' ورنہ آئینہ کو جاکر دیکھ لو۔ میں اس وقت بہت مصروف ہوں۔ تم سے بعد میں بات کرتی ہوں۔" بشریٰ نے اسے وہاں سے چلتا کیا۔

اور اگلے گیارہ دن تک بشریٰ کو اس سے بات کرنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔

"مگر احسن! مثال کے اسکول میں تو ٹیسٹ سیشن چل رہا ہے پندرہ دن بعد ان کا سمسٹر اسٹارٹ ہوجائے گا۔"

بشریٰ کھانے کی میز پر احسن کمال سے بولی۔

"نو پرابلم۔ دیکھو مجھے یہ ایک ہفتے کی ویکیشنز یوں سمجھو ایک بلیسنگ کے طور پر ملی ہیں کہ ہم ملائیشیا کا ایک وزٹ کرکے آسکیں۔ اس کے بعد پورا سال میرے پاس بالکل بھی ٹائم نہیں ہوگا۔ مثال کو ہم نیکسٹ ٹائم لے جائیں گے۔ یوں بھی ابھی اس کا ویزا وغیرہ نہیں ہے۔"

احسن کمال نے بہت صفائی سے مثال کو اپنی فیملی سے الگ کردیا تھا ورنہ ویزا تو بشریٰ کے ویزے کے ساتھ بھی بنوایا جاسکتا تھا۔

"یس پاپا... میری ویکیشنز بھی بہت کم ہیں' ہم خوب انجوائے کریں گے۔

اور... آئینہ کا تو پہلا ایئر ٹریول ہوگا نا پاپا!" وہ اسی جوش سے بولا۔

مثال تو خیر یوں بھی ان کے ساتھ جانے پر خوش نہیں ہوتی کیوں کہ بشریٰ کے پاس مثال کے لیے ٹائم نہیں ہوتا تھا۔

"بشریٰ بھئی! پیکنگ آج ہی کرلینا ساری۔ کل رات گیارہ بجے کی ٹکٹس کنفرم ہوئی ہیں۔ اس کے بعد تین دن بعد کی فلائٹ مل رہی تھیں۔" وہ اب آپس میں گفتگو کررہے تھے یوں جیسے مثال وہاں موجود نہیں۔

"مگر ابھی تو مثال کو یہاں چار دن اور رکنا تھا۔" بشریٰ کو خیال آیا تو کچھ پریشان ہو کر بولی۔

"نو پرابلم! یہ رُکے اس کا اپنا گھر ہے۔ بعد میں ڈرائیور اسے اس کے باپ کے گھر چھوڑ آئے گا۔"

"نو مما! میں یہاں اکیلی نہیں رہوں گی۔" وہ "فوراً" ہی گھبرائی تھی۔

"چھوٹی ہے احسن! یہ ابھی۔" بشریٰ بھی پریشانی سے بولی۔

"اتنی بھی ننھی نہیں مما! شی پریٹینڈز۔" سیفی اس کا منہ چڑا کر بولا۔

"تو ٹھیک ہے چار دن کی کیا بات ہے۔ یہ نیکسٹ ٹائم یہ چار دن پہلے یہاں آجائے' مگر اتنا ہی سخت حساب کتاب ہے تو۔" احسن کمال سرسری لہجے میں کندھے اچکا کر بولا۔

بشریٰ کچھ پریشان اور رنجیدگی سے مثال کو دیکھنے لگی' جو مسلسل نظریں جھکائے ہوئے تھی اور جس کی لرزتی کانپتی لمبی پلکیں اس کے آنسو روکنے کی کوشش کی گواہ بنی ہوئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

ایک بار پھر شفٹنگ اس کی منتظر تھی۔

یہ والا گھر کوچنگ سینٹر کے لیے بہت چھوٹا پڑ گیا تھا۔

عاصمہ نے گزرتے سالوں میں ماسٹرز اور ایم ایڈ تک تعلیم حاصل کرلی تھی اس نے اپنے کوچنگ سینٹر میں بہت اچھے تعلیم یافتہ ٹیچرز رکھے تھے۔ اس کے سینٹر کا شہر بھر میں ایک نام ہوگیا تھا۔

بہت سوچ بچار کے بعد شہر کے اچھے علاقے میں یہ بنگلہ کرائے پر لیا گیا تھا۔

انہوں نے اپنا گھر کرائے پر دے دیا تھا۔ اپنی بچت سے پوش علاقے میں پلاٹ خرید رکھا اور کچھ پیسے جمع ہونے پر اس پر تعمیر شروع کرانے کا ارادہ تھا۔ واثق پری انجینئرنگ سیکنڈ ایر میں تھا۔

اریبہ اور اریشہ بھی میٹرک اور آٹھویں درجے میں تھیں۔

ورنہ بھی تینوں بہن بھائیوں کی طرح پڑھائی میں بہت اچھی تھی۔ عاصمہ کا گھر محبت اور سکون کا گہوارہ تھا۔

ان گزرتے سالوں میں اس نے دن رات محنت کی تھی۔ اس نے بھی اور اس کے بچوں نے بھی۔

"اللہ کسی کی محنت کبھی ضائع نہیں کرتا۔" عاصمہ کو دیکھ کر اس کی ہمت کو دیکھ کر لوگ یہی کہا کرتے۔

بنگلہ زیادہ بڑا نہیں تھا مگر اتنا تھا کہ ان کی رہائش کوچنگ سینٹر کے طور پر آسانی سے کام ہوسکے۔

اوپر کی طرف ایک گیسٹ روم تھا اور ایک ہال' چھوٹا سا کمرا جس میں واثق نے اپنی پینٹنگ اور اسکیچنگ کا سامان جمع کر رکھا تھا۔ اس کی فراغت کا مشغلہ جو اسے بہت دنوں بعد نصیب ہوئی تھی۔

اس شام بھی شفٹنگ کے تھکا دینے والے کام کے بعد اسے کچھ فراغت میسر آئی تھی۔ وہ سب سے نظر بچا کر ادھر رہتا تھا۔

اپنا کمرہ صاف کیا۔ سامان ترتیب سے لگایا اور پھر تھک کر باہر ٹیرس کی طرف آگیا۔

وہ گھر ان کے ٹیرس سے کافی اونچا تھا مگر دیواریں کافی چھوٹی تھیں۔

اور وہاں اس نے پہلی بار مثال کو سیڑھیوں پر بیٹھے دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کے روتے دیکھا تھا۔

پہلے تو اسے لگا کوئی لڑکی وہاں بیٹھی شاید سو رہی ہے۔

پھر وہ ذرا آگے ہو کر غور کرنے لگا تو مثال نے چہرے سے ہاتھ ہٹائے۔ دونوں آنکھیں اور چہرے کو رگڑا اور کسی بھی طرف دیکھے بغیر وہ تیز رفتاری سے نیچے سیڑھیاں اتر گئی تھی۔ اسے لگا اس کی دھیان کی سیڑھیاں چڑھ آئی تھی۔

وہ بہت دیر تک اس خالی چھت کو دیکھتا رہا تھا۔ اگرچہ ابھی نہ تو اس کی اتنی عمر تھی کہ محبت' چاہت یا اس طرح

کے کسی جذبے کو ڈھنگ سے سمجھ سکتا۔ بس اس لڑکی کے آنسو جیسے اسے تڑپا گئے تھے۔ پھر جانے کیسے اتفاق ہوا کہ وہ اگلے چار سال تک اس لڑکی کو وہاں نہیں دیکھ سکا تھا۔

اس کا انجینئرنگ کالج میں داخلہ ہو گیا تھا اور عاصمہ کے کہنے پر وہ کچھ عرصہ مکمل یکسوئی سے پڑھنے کے لیے ہاسٹل میں چلا گیا تھا۔

وہ اس لڑکی کو اور اس شام کو قطعاً" فراموش کر چکا تھا انجینئرنگ کے تیسرے سال کے اختتام پر وہ گھر آگیا تھا۔ اس کے کالج میں چھٹیاں تھیں۔

یوں بھی اس نے فیصلہ کر لیا تھا وہ اب گھر پر ہی رہے گا۔ ہاسٹل کے اخراجات کافی بڑھ گئے تھے۔ عاصمہ کچھ بیمار رہنے لگی تھی۔ مسلسل محنت نے اسے بہت کمزور کر دیا تھا۔

پھر پے در پے شہر بھر میں کھلنے والے کوچنگ سینٹرز کی بدولت اس کے سینٹر میں کچھ رش کم ہو گیا تھا۔

عاصمہ کو اریبہ اور اریشہ کی شادی کی فکر دن رات ستانے لگی تھی۔

اس نے کئی جگہ ان کے رشتوں کے لیے کہہ رکھا تھا مگر کہیں بات نہیں بن رہی تھی۔ واثق اور عاصمہ کافی پریشان تھے۔

ڈرائیور اسے عدیل کے گھر کے باہر اتار کر چلا گیا تھا۔ پندرہ دن ہونے میں ابھی چار دن باقی تھے۔

وہ پاپا کو فون کیے بغیر واپس آگئی تھی۔

شاید عدیل نے سیل نمبر چینج کر لیا تھا کیونکہ اس کا سیل مسلسل آف جا رہا تھا۔

"عدیل بھائی اپنی مسز اور بچوں کو لے کر اسلام آباد گئے ہیں۔ ان کی مسز کی فیملی میں کوئی شادی تھی۔ کہہ کر گئے تھے کہ وہ چار دن بعد آئیں گے واپس۔"

ساتھ والی آنٹی کے ہوش ربا انکشاف نے مثال کی ٹانگوں سے جیسے جان نکال دی تھی۔

"تم نے اپنے ڈرائیور کو روکنا تھا نا' وہ تمہیں ساتھ واپس لے جاتا کیونکہ ہم بھی آج ثاقب اور ثنا کی نانو کی طرف جا رہے ہیں۔" وہ فوراً" اسے بتانے لگیں۔

"وہ تو چلا گیا آنٹی! اور وہاں مما کے گھر میں تو کوئی بھی نہیں۔ وہ لوگ ملائیشیا چلے گئے ہیں۔ رات میں ان کی فلائٹ ہے اس لیے مما نے مجھے اس وقت یہاں بھیج دیا۔" وہ کانپتی آواز میں بولی۔

"تمہارے پاپا کو کال کر کے بتا دیا تھا تمہاری ماں نے۔" وہ اب کے کچھ برہمی سے بولیں۔

مثال نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"مجھے نہیں پتا آنٹی!" وہ بہت ڈر گئی تھی۔

دوسری طرف کا گھر تو کئی سالوں سے بند تھا۔ وہ لوگ کسی دوسرے ملک جا کر سیٹل ہو گئے تھے اب اگر نبیلہ آنٹی بھی چلی جاتی ہیں تو وہ کہاں جائے گی۔

"تو اب کیا کرو گی تم؟" وہ بے لحاظ سے لہجے میں بولیں تو مثال خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئی۔

"تمہاری نانو ہیں نا۔ ان کے گھر چلی جاؤ۔ ماموں بھی۔" نبیلہ کو جیسے خیال آیا تو وہ کہنے لگیں۔

"ماموں اور نانو تو پچھلے ماہ حج کرنے گئے ہیں۔ وہاں ممانی کی خالہ رہتی ہیں نا۔" وہ ہولے سے بولی۔

نبیلہ یوں کھڑی ہو گئیں کہ اب کیا کیا جائے۔

"آنٹی! میں... اب کیا کروں؟" وہ ڈر کر خود ہی پوچھنے لگی۔

"میں کیا بتاؤں۔ دیکھ لو۔ اپنے پاپا کو کال کر کے ان سے پوچھو کہ تمہیں کیا کرنا چاہیے۔" وہ رکھائی سے بولی۔ اور پھر کچھ سوچ کر اپنے ہاتھ میں پکڑا سیل اس کی طرف بڑھایا۔ مثال کانپتے ہاتھوں سے باپ کا نمبر ملانے لگی۔

دوسری طرف سیل آف جا رہا تھا۔

اس نے ہر کوشش کی اور مایوسی پر سیل نبیلہ کو واپس کرنے لگی۔

"پاپا کا سیل آف ہے۔ شاید ان کا نمبر چینج ہو گیا ہے۔" وہ رندھی آواز میں بولی۔

"مائی گاڈ! کیسے لاپروا پیرنٹس ہیں۔ بچی کی کوئی فکر نہیں۔ اپنی اپنی دوسری فیملیوں کو لے کر سیر سپاٹے کو نکل گئے۔ اب بتاؤ میں تمہارا کیا کروں۔ ہم نے آؤٹ آف سٹی جانا ہے۔ تمہیں ساتھ تو نہیں لے جا سکتے۔" وہ کوفت بھرے لہجے میں بولیں۔

دوسرے لمحے ان کے گیٹ سے گاڑی باہر نکلی۔ ان کے دونوں بچے اور شوہر تیار حلیے میں گاڑی میں بیٹھے تھے اور نبیلہ آنٹی کو بیٹھنے کا کہہ رہے تھے۔

"رکو میں آتی ہوں۔" وہ بے زاری سے کہہ کر شوہر کے پاس گئیں کچھ دیر شوہر سے بات کرتی رہیں۔

مثال کی آنکھوں میں آنسو آتے جا رہے تھے۔ اطراف میں شام کے سائے گہرے ہو چکے تھے۔ رات ہونے کو تھی۔ وہ کہاں جائے گی اس وقت اگر یہ لوگ بھی نکل گئے تو۔

اس کے ضبط کرتے کرتے بھی آنسو نکل ہی پڑے۔

"سنو! تمہاری دادی کی کزن ہیں نا یہاں تیسری چوتھی گلی میں رہتی ہیں۔ تمہاری دادی بھی شاید وہیں رکی ہوں تم وہاں چلی جاؤ ناں۔ معلوم ہے نا تمہیں ان کا گھر؟" شوہر سے مشورے کے بعد نبیلہ آنٹی اس کے پاس آکر بولیں۔

"یا ہم تمہیں چھوڑ دیں؟ اس کی خاموشی پر وہ کچھ بے زاری سے بولیں۔

"آپ... رہنے دیں۔ میں خود سے چلی جاؤں گی۔ مجھے دادو کی کزن کا گھر معلوم ہے۔" وہ رک رک کر بمشکل بولی تھی۔

"دیکھ لو! اگر جا سکتی ہو تو جانا' ورنہ بتا دو یہ نہ ہو کہ رستہ بھول جاؤ یا پھر کہیں اور نکل جاؤ۔" وہ احتیاطاً" بولیں ورنہ ان کا موڈ ایسی کوئی بھی ہمدردی جتانے کا نہیں تھا۔ ان کے شوہر اب گاڑی کا ہارن بجائے جا رہے تھے۔

"چلی جاؤ گی نا۔ بتا دو مجھے ویسے بھی تمہارے پیرنٹس کون سا مجھے کہہ کر گئے تھے تمہارا خیال رکھنے کو۔" وہ اس خواہ مخواہ کی سر پڑی مصیبت سے جھنجلا رہی تھیں۔

"آنٹی! میں چلی جاؤں گی دادو کی طرف پلیز۔ آپ پریشان نہیں ہوں۔ یہاں سے تین گلیاں چھوڑ کر ان کا گھر ہے۔ مجھے راستہ آتا ہے۔" وہ کچھ خود اعتمادی سے بولی۔

"گڈ۔ تو میں پھر جاؤں؟" وہ جیسے ہلکی پھلکی ہو کر بولیں۔

"جی!" مثال رخ پھیر کر ہاتھ میں پکڑے بیگ کو سنبھالتے ہوئے آہستگی سے بولی۔

نسرین دادو کے گھر وہ ایک بار یا شاید دو بار پاپا کے ساتھ گئی تھی۔ اسے بالکل بھی ان کے گھر کا راستہ نہیں آتا تھا مگر اس کی خوددار طبیعت یہ گوارا نہیں کر رہی تھی کہ ساتھ والی آنٹی اس کی وجہ سے خواہ مخواہ پریشان ہوں جب اس کے اپنے والدین کو اس کی فکر نہیں تھی۔

وہ اندھیری گلیوں میں تیز تیز چلنے لگی۔

اندھیرا بڑھتا جا رہا تھا۔ اس کے قدموں کی رفتار بھی تیز ہوتی جا رہی تھی۔ "مجھے ان سے نانو کے یہاں نہ ہونے کا جھوٹ نہیں بولنا چاہیے تھا۔ وہ مجھے نانو کی طرف ڈراپ کر دیتے۔"

وہ اب تقریباً" بھاگ رہی تھی جب کوئی اندھیرے میں اس کے پیچھے بھاگنے لگا۔ اس نے مڑ کر دیکھا اور اس کی چیخ نکل گئی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

رخسانہ نگار عدنان

عدیل اور فوزیہ نسیم بیگم کے بچے ہیں۔ بشریٰ ان کی بہو ہے اور ذکیہ بیگم کی بیٹی ہے۔ عمران بشریٰ کا بھائی ہے۔ مثال ذکیہ بیگم کی نواسی اور نسیم بیگم کی پوتی ہے۔ بشریٰ اور نسیم بیگم میں روایتی ساس بہو کا تعلق ہے۔ نسیم بیگم مصلحتاً بیٹا بہو سے لگاوٹ دکھاتی ہیں۔ دوسری طرف ذکیہ بیگم کا کہنا ہے۔ ان کی بیٹی بشریٰ کو سسرال میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ پانچ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد بشریٰ کی نند فوزیہ کا بالآخر ایک جگہ رشتہ طے پا جاتا ہے۔ نکاح والے روز بشریٰ دولہا ظہیر کو دیکھ کر چونک جاتی ہے۔

عدیل سے شادی سے قبل ظہیر کا بشریٰ کے لیے بھی رشتہ آیا تھا مگر بات نہ بن سکی تھی۔ نکاح والے دن زاہدہ اور ذکیہ بیگم بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔ بشریٰ اپنی ماں سے یہ بات چھپانے کے لیے کہتی ہے مگر عدیل کو پتا چل جاتا ہے۔ وہ ناراض ہوتا ہے مگر فوزیہ اور نسیم بیگم کو بتانے سے منع کر دیتا ہے۔ بشریٰ اور عدیل ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جاتے ہیں۔ وہاں انہیں پتا چلتا ہے کہ بشریٰ کے ہاں سات سال بعد پھر خوش خبری ہے۔

عفان اور عاصمہ اپنے تین بچوں اور والد کے ساتھ کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔ عفان کے والد فاروق صاحب سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ گریجویٹی اور گاؤں کی زمین فروخت کر کے وہ اپنا گھر خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ڈیڑھ کروڑ میں زمین کا سودا کر کے وہ عفان کے ساتھ خوشی خوشی شہر آ رہے ہیں۔ عاصمہ کو فون کے ذریعے کوئی اطلاع ملتی ہے جسے سن کر وہ بے ہوش ہو جاتی ہے۔

فون پر پتا چلتا ہے کہ شہر آتے ہوئے عفان اور فاروق صاحب ڈکیتی کی واردات میں قتل ہو گئے۔ عفان کے قریبی دوست زبیر کی مدد سے عاصمہ عفان کے آفس سے تین لاکھ روپے اور فاروق صاحب کی گریجویٹی سے سات لاکھ روپے وصول کر پاتی ہے۔ زبیر گھر خریدنے میں بھی عاصمہ کی مدد کر رہا ہے۔

اسلام آباد سے واپسی پر عدیل دونوں مقتولین کو دیکھتا ہے۔ زاہدہ، نسیم بیگم سے بیس لاکھ روپے سے مشروط فوزیہ کی رخصتی کی بات کرتی ہیں۔ وہ سب پریشان ہوجاتے ہیں۔ عدیل بشریٰ سے ذکیہ بیگم سے تین لاکھ روپے لانے کو کہتا ہے۔

حمیدہ خالہ، عاصمہ کو سمجھاتی ہیں کہ عدت میں زبیر کا اکیلے اس کے گھر آنا مناسب نہیں ہے۔ لوگ باتیں بنارہے ہیں جبکہ عاصمہ کی مجبوری ہے کہ گھر میں کوئی مرد نہیں۔ اس کا بیٹا ابھی چھوٹا ہے اور سارے کام اس نے خود کرنے ہیں۔ وہ جلد از جلد اپنا گھر خریدنا چاہتی ہے۔ عاصمہ کے کہنے پر زبیر کسی مفتی سے فتویٰ لے کر آجاتا ہے کہ وہ انتہائی ضرورت کے پیش نظر گھر سے نکل سکتی ہے بشرطیکہ مغرب سے پہلے واپس گھر آجائے، سو وہ عاصمہ کو مکان دکھانے لے جاتا ہے۔

رقم مہیا نہ ہونے کی صورت میں فوزیہ کو طلاق ہوجاتی ہے۔ نسیم بیگم جذباتی ہوکر بہو اور اس کے گھر والوں کو موردِ الزام ٹھہرانے لگتی ہیں۔ اسی بات پر عدیل اور بشریٰ کے درمیان خوب جھگڑا ہوتا ہے۔ عدیل طیش میں بشریٰ کو دھکا دیتا ہے۔ اس کا ابارشن ہوجاتا ہے۔ عدیل شرمندہ ہوکر معافی مانگتا ہے مگر وہ ہنوز ناراض رہتی ہے اور اسپتال سے اپنی ماں کے گھر چلی جاتی ہے۔

اسی اسپتال میں عدیل عاصمہ کو دیکھتا ہے جسے بے ہوشی کی حالت میں لایا گیا ہوتا ہے۔ عاصمہ اپنے حالات سے تنگ آکر خودکشی کی کوشش کرتی ہے تاہم بچ جاتی ہے۔ نو سال بعد عاصمہ کا بھائی ہاشم پریشان ہوکر پاکستان آجاتا ہے۔ عاصمہ کے سارے معاملات دیکھتے ہوئے ہاشم کو پتا چلتا ہے کہ زبیر نے ہر جگہ فراڈ کرکے اس کے سارے راستے بند کردیے ہیں اور اب مفرور ہے۔ بہت کوششوں کے بعد ہاشم، عاصمہ کو ایک مکان دلا پاتا ہے۔ بشریٰ اپنی واپسی الگ گھر سے مشروط کردیتی ہے۔ دوسری صورت میں وہ علیحدگی کے لیے تیار ہے۔ عدیل سخت پریشان ہے۔

عدیل مکان کا اوپر والا پورشن بشریٰ کے لیے سیٹ کروادیتا ہے اور کچھ دنوں بعد بشریٰ کو مجبور کرتا ہے کہ وہ فوزیہ کے لیے عمران کا رشتہ لائے۔ نسیم بیگم اور عمران کسی طور نہیں مانتے۔ عدیل اپنی بات نہ مانے جانے پر بشریٰ سے جھگڑتا ہے۔ بشریٰ بھی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتی ہے۔ عدیل طیش میں بشریٰ کو طلاق دے دیتا ہے اور مثال کو چھین لیتا ہے۔ مثال بیمار پڑجاتی ہے۔ بشریٰ بھی حواس کھودیتی ہے۔ عمران بہن کی حالت دیکھ کر مثال کو عدیل سے چھین کرلے آتا ہے۔ عدیل، عمران پر اغوا کا پرچا کٹوادیتا ہے۔

عاصمہ اسکول میں ملازمت کرلیتی ہے مگر گھریلو مسائل کی وجہ سے آئے دن چھٹیاں کرنے کی وجہ سے ملازمت چلی جاتی ہے۔ اچانک ہی فوزیہ کا کہیں رشتہ طے ہوجاتا ہے۔

انسپکٹر طارق دونوں فریقین کو سمجھا بجھا کر مصالحت پر آمادہ کرتے ہیں۔ ذکیہ بیگم کی خواہش ہے کہ عدیل، مثال کو لے جائے، تاکہ وہ بشریٰ کی کہیں اور شادی کرسکیں۔ دوسری طرف نسیم بیگم بھی ایسا ہی سوچ بیٹھی ہیں۔ فوزیہ کی شادی کے بعد نسیم بیگم کو اپنی جلد بازی پر پچھتاوا ہونے لگتا ہے۔

انسپکٹر طارق، ذکیہ بیگم سے فوزیہ کا رشتہ مانگتے ہیں۔ ذکیہ بیگم خوش ہوجاتی ہیں، مگر بشریٰ کو یہ بات پسند نہیں آتی۔ ایک پراسراری عورت عاصمہ کے گھر بطور کرائے دار رہنے لگتی ہے۔ وہ اپنی حرکتوں اور انداز سے جادو ٹونے والی عورت لگتی ہے۔ عاصمہ بہت مشکل سے اسے نکال پاتی ہے۔

بشریٰ کا سابقہ منگیتر احسن کمال ایک طویل عرصے بعد امریکا سے لوٹ آتا ہے۔ وہ گرین کارڈ کے لالچ میں بشریٰ سے منگنی توڑ کر نازیہ بھٹی سے شادی کرلیتا ہے، پھر شادی کے ناکام ہوجانے پر ایک بیٹے سیفی کے ساتھ دوبارہ اپنی چچی ذکیہ بیگم کے پاس آجاتا ہے اور دوبارہ شادی کا خواہش مند ہوتا ہے۔ بشریٰ تذبذب کا شکار ہوجاتی ہے۔

بالآخر وہ احسن کمال سے شادی پر رضامند ہوجاتی ہے اور سادگی سے دو گھنٹے کے اندر نکاح بھی ہوجاتا ہے۔ عاصمہ اس جادوگر عورت کو نکالنے کے بعد اپنا مکان دوبارہ کرائے پر نہیں دیتی بلکہ پڑوس میں رہنے والی سعدیہ کے ساتھ کوچنگ سینٹر کھول لیتی ہے۔ ساتھ ہی اس کے مشورے پر بی اے کے پرائیویٹ امتحان دینے کی تیاری شروع کردیتی ہے۔

سترہویں قسط

اندھیرے میں پیچھے آنے والے کی شکل کچھ اور بھی خوف ناک لگ رہی تھی یا وہ چہرہ تھا ہی اتنا ڈراؤنا۔ نشے میں سرخ آنکھیں لیے جھومتا جھامتا کوئی لڑکا تھا، جو دیکھنے میں اتنا مریل تھا کہ ہیولے کی طرح لگتا تھا مگر اس کی سرخ آنکھوں کے ڈورے اور ان میں چھلکتی ہوس۔

مثال کو لگا۔ آج یہاں اس اندھیری اکیلی گلی میں وہ کچھ ہوجائے گا جو اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا ہوگا۔ صرف ایک قدم کا فاصلہ تھا۔ اس نشئی نے مثال کی کلائی کی طرف ہاتھ بڑھایا۔

مثال کے منہ سے ایک تیز چیخ نکلی اور پھر وہ اس جگہ کھڑی خوفزدہ سی چیختی چلی گئی۔

اس کی ٹانگوں سے جان سی نکل گئی تھی۔ اسے یوں لگ رہا تھا، جیسے وہ اب یہاں سے ایک انچ بھی نہیں ہل سکے گی۔

وہ لڑکا اس کے منہ پہ ہاتھ رکھ اسے کھینچنے لگا کہ اسی وقت پیچھے موجود گھر کا سیاہ گیٹ ایک دم سے کھلا اور کوئی ان دونوں کے درمیان آکر کھڑا ہوگیا۔

مثال خوف سے لہرا کر گرنے کو تھی۔ جب ان دو مہربان ہاتھوں نے بے اختیار اسے تھام لیا تھا۔

"کون ہو تم... جاتے ہو یا تمہارا حشر کروں میں... دفع ہوجاؤ۔"

عاصمہ اس نشئی پہ پوری قوت سے چیخی تھی۔ وہ ڈر کر فوراً ہی الٹے قدموں بھاگ گیا۔

عاصمہ مثال کو ساتھ لگائے اسے تھپکتے ہوئے کھلے گیٹ سے اندر لے گئی۔

☆ ☆ ☆

عاصمہ پلکیں جھپکائے بغیر اس معصوم، سادہ، حسین بے ریا چہرے کو دیکھے جارہی تھی، جو خود پر قابو پاتے ہوئے گویا بہت جبر کے مرحلوں سے گزر رہی تھی۔

"بیٹا! اگر تمہیں رونا آرہا ہے تو تم رو لو۔ تمہارا جی ہلکا ہوجائے گا مگر اتنا خود پہ جبر نہیں کرو... یہ لو پانی پیو۔"

وہ اس کے سامنے ٹھنڈے پانی کا گلاس رکھتے ہوئے نرمی اور پیار سے بولی۔ مثال ایک ہی سانس میں سارا گلاس چڑھا گئی اور جیسے جبر کے سارے مرحلوں سے گزر آئی۔

"نہیں میں رو نہیں رہی، میں ڈر گئی تھی۔ وہ شخص جو میرے پیچھے آرہا تھا وہ بہت خوفناک تھا۔ مجھے ڈر لگا تھا بہت۔"

وہ سنبھل چکی تھی اور اب قدرے اعتماد سے بول رہی تھی۔

اس وقت اکیلی کہاں سے آرہی تھیں۔ بلکہ کہاں جارہی تھیں۔ شام گہری ہوچکی ہے بلکہ رات... تو تم اکیلی؟"

عاصمہ بات کرتے ہوئے اس کے بھاری سے بیگ کو دیکھ کر کچھ ٹھٹک کر بولی۔

"میں اپنے پاپا کے گھر آئی تھی مگر وہ لوگ گھر پر نہیں تھے۔ اپنی دادو کے ایک رشتہ دار کے گھر جارہی تھی کہ راستہ بھول گئی تو بس۔"

وہ رک رک کر کچھ اٹک کر بولی۔

"پاپا کے گھر... مطلب تمہاری ماں۔"

"ماما کے گھر سے تو آئی تھی۔ ڈرائیور مجھے باہر ہی ڈراپ کر گیا۔ اسے بھی پتا نہیں تھا کہ پاپا لوگ گھر نہیں ہیں۔" وہ ذرا وضاحت سے بولی عاصمہ الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔ کچھ دیر کمرے میں خاموشی رہی۔

"کچھ کھاؤ گی؟" کچھ دیر بعد عاصمہ کو خیال آیا تو پوچھنے لگی۔

"نہیں۔ مجھے جانا ہے۔" وہ بے چین ہوکر بولی مگر فوری طور پر اسے کچھ سمجھ میں نہیں آیا کہ اسے اب کہاں

جانا چاہیے۔

"اپنی ماما کے گھر جاؤگی؟" عاصمہ نے ذرا سوچ کر کہا۔

اس نے افسردگی سے نفی میں سر ہلادیا۔

اب وہ اس عورت کو کیا بتائے۔ اس کے دو گھر ہیں مگر کہیں بھی اسے بصد محبت نہیں رکھا جاتا۔ وہ تو ایک زبردستی کی مصیبت تھی، جو دونوں گھروں کو بھگتنا پڑتی تھی۔

"ماما کہاں ہیں تمہاری؟" عاصمہ پھر سے بولی۔

"وہ ملائیشیا گئی ہیں اپنے بچوں اور شوہر کے ساتھ۔" بہت آہستگی سے مجرمانہ انداز میں سر جھکا کر بولی۔

عاصمہ کو معاملہ کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا مگر اس ڈری سہمی بچی سے مزید کریدنا بھی اسے اچھا نہیں لگا۔

"اچھا بیٹا! آپ کو جہاں جانا ہے آپ مجھے بتادیں۔ میں آپ کو بھجوادوں گی۔ اگر کہیں فون کرکے کسی کو بلانا ہے تو میں آپ کی بات کروا دیتی ہوں لیکن بہتر ہے پہلے آپ کچھ کھالیں، مجھے لگ رہا ہے آپ نے کافی دیر سے کچھ نہیں کھایا۔" وہ ماں تھی اور پھر بہت سالوں سے بچوں کی استاد بھی۔

بچوں کو کب بھوک لگتی ہے اور کب وہ بھوک کو چھپاتے ہوئے بھی چھپا نہیں پاتے۔ وہ جانتی تھی۔

"نہیں مجھے بھوک تو نہیں ہے۔" وہ انگلیاں مسل کر آہستگی سے بولی۔ عاصمہ کو اس لڑکی پہ جانے کیوں پیار سا آیا۔ جی چاہ رہا تھا اسے گلے سے لگا کر پیار کرے مگر۔۔۔ وہ چلی گئی۔

"کیا کروں۔ مجھے اب کہاں جانا چاہیے؟" عاصمہ کے اٹھ کر جاتے ہی وہ مضطرب سی سوچنے لگی۔

عاصمہ جلدی سے اس کے لیے کباب، فرنچ فرائز اور کیچپ لے کر آئی تھی اور اشتہا انگیز خوشبو والی پلیٹ اس کے سامنے رکھ دی۔

"میں چائے لے کر آتی ہوں۔ تم اتنی دیر میں یہ کھاؤ۔ میری بیٹیاں اپنے اسکول۔ ٹرپ پہ ۔۔۔ گئی ہیں۔ وہ آنے والی ہیں، تم بالکل بور نہیں ہوگی۔" عاصمہ کہہ کر جانے لگی۔

"وہ آنٹی! مجھے جانا ہے پلیز۔" جلدی سے بولی۔ عاصمہ نے کچھ چونک کر اسے دیکھا۔

"اوکے، آپ یہ کھالیں پھر آپ جہاں کہیں گی۔ میں آپ کو خود چھوڑ آؤں گی۔ اگر ہاتھ منہ دھونا ہے تو یہ ساتھ ہی واش روم ہے۔ میں آتی ہوں چائے لے کر۔" وہ کہہ کر باہر نکل گئی۔

مثال سادگی سے سجے چھوٹے سے ڈرائنگ روم کو دیکھنے لگی۔ "کتنی نائس آنٹی ہیں اور سب سے بڑھ کر انہوں نے اوروں کی طرح مجھ سے بے ہودہ سوال نہیں پوچھے۔ ماما کا گھر الگ کیوں اور پاپا کا الگ کیوں؟"

وہ تنہائی میں خود ہی نادیدہ سوال پوچھنے والوں کو منہ چڑھا کر واش روم میں ہاتھ دھونے چلی گئی۔

عاصمہ جب تک چائے لے کر آئی۔ مثال آدھی سے زیادہ پلیٹ خالی کرچکی تھی۔

"آنٹی! مجھے اپنی نانو کے گھر جانا ہے۔ ماموں کی طرف۔" وہ کھانے کے دوران فیصلہ کرچکی تھی۔

اگرچہ حنا مامی بہت بری تھیں۔ منہ پھٹ اور سخت سنانے والی مگر اس وقت یوں آوارہ پھرنے سے تو بہتر تھا کہ وہ وہاں جاکر حنا مامی کی کڑوی کسیلی باتیں سن لیتی۔

"اچھی بات ہے۔ آپ کی نانو کا گھر کہاں ہے۔ آپ کو ایڈریس معلوم ہے ان کے گھر کا؟" عاصمہ سر ہلا کر کچھ مطمئن سے لہجے میں پوچھنے لگی۔

"جی معلوم ہے مجھے۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"نانو کے ساتھ اور کون ہوتا ہے ان کے گھر میں؟"

"ماموں، ممانی، ان کے بچے۔" وہ کچھ تفصیل سے بتا گئی۔

"تو آپ اپنے ماموں سے پہلے بات کرلو یا وہ تمہیں آکر لے جانا چاہیں تو زیادہ بہتر ہے۔" عاصمہ نے کچھ سوچ کر کہا۔

"جی، میں کرلیتی ہوں ان سے بات۔" وہ تابع داری سے بولی۔ یوں بھی اسے ڈر تھا کہ وہ نانو کے گھر کا ایڈریس بھول نہ جائے۔ وہ تو ادھر سالوں سے نہیں گئی تھی۔

"لو نمبر ملا کر بات کرو۔ اگر وہ تمہیں لینے کے لیے آتے ہیں تو میں انہیں یہاں کا ایڈریس سمجھا دیتی ہوں۔ تم مجھ سے بات کرا دینا۔" عاصمہ نے سیل فون لا کر مثال کو دیا۔

مثال فون لے کر لمحہ بھر سوچتی رہی۔ پہلے جی میں آیا پاپا کا نمبر ملا کر انہیں ذرا سنائے۔ لیکن پھر خیال آیا کہ پاپا تو اپنا نمبر اسے بتائے بغیر ہی تبدیل کرچکے ہیں۔

درد کی ایک لہر سی اس کے سینے میں اٹھی۔ جسے دبا کر اس نے جلدی سے عمران کا نمبر ملا کر اسے مختصراً صورت حال بتائی، جس کا موڈ یہ سن کر آف ہوگیا تھا کہ اب اسے مثال کو لینے کے لیے آنا پڑے گا۔

عاصمہ نے عمران کو گھر کا ایڈریس سمجھایا۔

عمران نے آدھے گھنٹے میں آنے کا کہا اور پورے گھنٹے بعد پہنچا۔

اس دوران عاصمہ اس سے ادھر ادھر کی ہلکی پھلکی باتیں کرتے ہوئے اس کا سارا احوال جان چکی تھی۔

اسے اس معصوم سی لڑکی پر جی بھر کر رحم آیا۔ جس کے ماں باپ نے اسے یوں بے سہارا چھوڑ دیا تھا۔

وہ دونوں اس کے پاس تھے مگر کتنے دور تھے۔

کاش میں اسے اپنے پاس رکھ لیتی ہمیشہ کے لیے۔ انوکھی سی خواہش، جو وہ جانتی تھی کسی بھی طرح پوری نہیں ہو سکتی، اس کے دل میں جاگی تھی۔

"سنو مثال بیٹی! آپ کا جب دل چاہے، آپ میری طرف آجایا کریں۔ میرا کوچنگ سینٹر بھی ہے اگر آپ کو اسٹڈیز میں کوئی پرابلم ہو، ٹیوشن کے خیال سے نہیں، آپ یونہی آکر مجھ سے یا کسی بھی ٹیچر سے ڈسکس کرلیں، اگر نوٹس چاہیے ہوں تو بھی آپ آسکتی ہیں میرے پاس بلا جھجک۔"

مثال کی شفاف آنکھوں میں نمی سی جھلکنے لگی۔

"یہ زندگی ایک امتحان گاہ بھی ہے بیٹی! کچھ لوگوں کو بہت شروع ہی سے اس میں سخت سوالوں کا سامنا کرنا پڑجاتا ہے اور کسی کو آخر میں۔۔۔ مشکلیں تو سب کو پیش آتی ہیں مگر ان کے لیے یہ مشکلیں جلد آسان ہوجاتی ہیں جو بہت بہادری سے ان کا سامنا کرنے کا فیصلہ کرلیتے ہیں۔ آپ سمجھ رہی ہیں نا؟" عاصمہ اسے ساتھ لگائے ہولے ہولے کسی مشفق مہربان ماں کی طرح سمجھا رہی تھی۔

مثال نے جھکے سے اپنے آنسو صاف کرلیے۔

"ضرور آنٹی! میں آجایا کروں گی۔ آپ کا گھر پاپا کے گھر سے زیادہ دور نہیں۔ میں جب ففٹین ڈیز کے لیے پاپا کے پاس آیا کروں گی تو آپ کے پاس بھی آجایا کروں گی۔"

وہ لرزتی پلکوں کے ساتھ آنسو ضبط کرتے ہوئے معصوم لہجے میں کہتی سیدھی عاصمہ کے دل میں اتر گئی۔

اس نے اسے کھینچ کر اپنے سینے سے لگالیا۔

باہر عمران کی گاڑی کا ہارن بجا تو عاصمہ نے اسے بہت سی دعاؤں کے ساتھ رخصت کردیا جیسے وہ صبح اریبہ اور اریشہ کو اسکول ٹرپ پر جانے کے لیے رخصت کررہی تھی۔

اس کی گاڑی کی نیلی لائٹس دور جارہی تھیں اور عاصمہ بھیگی آنکھوں کے ساتھ انہیں دور تک تکے جارہی تھی۔ جب واثق کی بائیک دروازے کے پاس آکر رکی۔

وہ بھی ماں کی نظروں کے تعاقب میں دور جاتی شیراڈ کو دیکھنے لگا۔

"کوئی آیا تھا مما؟" وہ ماں کے پیچھے ڈرائنگ روم میں چلا آیا۔ جہاں فرنچ فرائز اور بچے ہوئے دو کبابوں کے ساتھ کیچپ کی پلیٹ رکھی تھی۔

وہ عادتاً کباب اٹھا کر کھانے لگا۔

"ہاں۔۔۔ تھا کوئی۔" عاصمہ گہرا سانس لے کر کچھ سحر زدہ سے لہجے میں بولی۔

"کون۔۔۔ آپ کا گیسٹ تھا کوئی؟" وہ ذرا متجسس لہجے میں پوچھنے لگا۔ عاصمہ کے شاگردوں کے والدین آتے رہتے ہیں۔ اس نے اسی خیال سے پوچھ لیا۔

"ہاں یہی سمجھ لو۔ تم نے آج دیر لگا دی جم میں؟"

"ہاں بس یونہی۔۔۔ یہ اریشہ، اریبہ ابھی تک نہیں آئیں، آپ نے فون کرکے معلوم کیا؟" گھر کی خاموشی پر وہ ماں سے بولا۔

"نہیں، وہ لوگ پہنچنے والی ہوں گی جب میں نے کال کی ان کی کوچ وہاں سے نکل پڑی تھی۔"

"مما۔۔۔ یہ کیا ہے؟" وہ اٹھ کر جانے لگا کہ صوفے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کچھ محسوس ہوا۔

قرمزی نگینے کے ساتھ چھوٹا سا ٹاپس تھا۔

عاصمہ کو یاد آیا۔ یہ ابھی اس نے مثال کے کانوں میں دیکھا تھا۔

"اوہ شاید اس کے کان سے گر گیا۔" وہ جلدی سے ہاتھ میں لے کر بولی۔

"کس کے؟" وہ کچھ حیرانی سے بولا۔

"تھی میری ایک اسٹوڈنٹ۔ مجھ سے ملنے آئی تھی۔ شاید اس کے کان سے گر گیا ہو۔ اب آئے گی تو واپس کردوں گی۔ تم منہ ہاتھ دھولو میں تمہارے لیے جوس لاتی ہوں۔"

وہ ٹاپس واثق کے ہاتھ سے لے کر اندر چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

ذکیہ بیگم کو فالج ہوچکا تھا۔

وہ بستر پر لاچار ہوکر گزشتہ تین سال سے پڑی تھیں۔ حنا کے یکے بعد دیگرے چار بچے ہوئے تھے کہ اسے سانس لینے کی مہلت نہیں مل سکی تھی۔

چار بچوں کے ان گنت کام پھر بستر پر پڑی مفلوج ساس کی ہر لمحہ خدمت، دو ملازماؤں کے ساتھ بھی حنا کے کام نپٹتے نہیں تھے۔

پھر مسلسل کام اور ذمہ داریوں نے اسے بہت چڑچڑا، بدمزاج اور بدزبان بنا دیا تھا۔

بشریٰ تو اسے ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی جب وہ اپنے دولت مند شوہر کی لمبی گاڑی میں سجی سجائی کبھی کبھی ماں سے ملنے آتی تو کسی مہمان کی طرح دو گھڑی بیٹھ کر چلتی بنتی۔

اسے ذکیہ کے پاس بیٹھنے ان کی خدمت کرنے کا نہ تو کوئی شوق تھا نہ احسن کمال اسے چند گھنٹے سے زیادہ یہاں رکنے کی اجازت دیتا تھا۔

وہ بڑے تکلف بھرے انداز میں آتی اور چائے اسنیکس کے ساتھ ماں کا حال احوال پوچھ کر کچھ تحفے بچوں کے حوالے کرکے چلتی بنتی تو ایسے میں حنا کا جی چاہتا اسے دھکے دے کر گھر کے دروازے اس پر ہمیشہ کے لیے بند کردے۔ وہ دوبارہ یہاں اس کا جی جلانے کے لیے نہیں آئے۔

مگراس کے جلے دل کی یہ خواہش بھی پوری ہونا ناممکن تھی بہرحال عمران' ذکیہ ابھی بھی بشریٰ کو چاہتے تھے اور اس کی آمد کے منتظر رہتے تھے۔

حنا کو جب بشریٰ اچھی نہیں لگتی تھی تو پھر اس کی بیٹی مثال کیونکر اچھی لگ سکتی تھی۔

جب وہ ماموں کے ساتھ گھر میں داخل ہوئی' حنا سب سے چھوٹے بیٹے کی ڈنر سیٹ کی پلیٹ توڑنے پر ٹھیک ٹھاک دھنائی کر رہی تھی۔

بچے کو مارنے پیٹنے کے دوران اس نے جی بھر کر اپنے نصیبوں کو اور بچوں کی بدتمیزی کو کوسا۔

اور اسی طرح چیختی چلاتی غصیلے مزاج کے ساتھ کچن میں چلی گئی۔

عمران بیوی کا آف موڈ دیکھ کر دوست سے ملنے کا بہانہ کرکے کھسک گیا۔ مثال کسی مجرم کی طرح پہلے لاؤنج میں بیٹھی رہی' اندر کچن میں حنا ابھی بھی برتن پٹختے ہوئے اسی طرح کرختی سے بول رہی تھی جانے اب کچن میں کون سے نمبر والا بچہ تھا۔

"یہ لو پکڑو۔ اپنی اس بیمار' بدمزاج' نانی کو کھلا دو یہ چاول۔ سال کے تین سو پینسٹھ دن میری ہی ڈیوٹی نہیں کہ میں اس بیگار کیمپ میں جتی رہوں۔ تمہاری احسان فراموش ماں اور عیاش ماموں کو تو کوئی شرم ہے نہ حیا کہ اس بیمار بڑھیا کو میں اپنے جہیز میں نہیں لے کر آئی تھی' دو گھڑی کو وہ بھی اس کی خدمت کرلیں۔"

وہ پلیٹ اس کے آگے پٹخ کر جس طرح بولتی ہوئی آئی تھی اسی طرح بولتی بکتی چلی گئی۔

مثال چاولوں کی پلیٹ لے کر نانی کے کمرے میں چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

ذکیہ بیگم بستر پر عبرت کی تصویر بنی پڑی تھیں۔

اور ان کے کمرے میں کس قدر تعفن' گندگی اور بدبو تھی کہ مثال کو لگا اسے ابھی قے آجائے گی۔

کمرے کے پردے گرے ہوئے تھے۔ کمرے میں عجیب سی گیلی گیلی بساند تھی۔ ذکیہ کی زبان پر بھی فالج گرا تھا وہ جو بھی بولتی تھیں کسی کی بھی سمجھ میں نہیں آتا تھا۔

سو وہ بغیر بتائے بستر خراب کردیتیں بغیر بتائے کھایا پیا اگل دیتیں اور حنا گھر کے دوسرے کاموں میں مصروف کئی کئی گھنٹے اس کمرے میں جھانکنا ہی بھول جاتی۔

ملازمہ موجود تھی مگر جب مالکن کو کوئی دلچسپی نہیں تھی تو وہ کیوں دل سے کام کرتی۔

اوپر اوپر سے کمرہ صاف رکھتی اور بیچاری ذکیہ کے کمر کے نیچے بننے والے زخم پھیلتے ہی چلے جا رہے تھے۔

مثال کو دیکھ کر ذکیہ حلق سے عجیب سی آوازیں نکالتی روتی چلی گئیں۔

وہ غوں غاں کرتی کیا بولے جا رہی تھی۔ مثال کی کچھ سمجھ میں نہیں آرہا تھا مگر وہ نانی کی بے بسی' ان کی لاچاری کو دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"میرے اللہ! میں ہر وقت اپنی حالت کو' اپنی بے بسی' بے چارگی کو روتی رہتی مگر نانی۔۔۔ جو کسی گندے شخص کو جس کے کپڑوں سے' منہ سے اسمیل آرہی ہوتی تھی پاس نہیں بیٹھنے دیتی تھیں وہ اس حال میں ہیں کہ اپنے جسم سے پھوٹتی ان غلیظ بدبوؤں کے لیے کچھ بھی نہیں کرسکتیں۔"

وہ اتنے بدبودار ماحول اور ذکیہ کو خستہ حال میں دیکھ کر کس طرح انہیں چاول کھلا سکتی تھی۔

وہ کتنی دیر تک پلیٹ ہاتھ میں لیے یونہی بیٹھی رہی۔

ذکیہ کو شاید بھوک لگی تھی۔ وہ پلیٹ کو دیکھ کر غوں غاں کرتی جا رہی تھیں۔

مثال نے اپنی سانسوں کو بمشکل روکتے ہوئے ذکیہ کو چند نوالے کھلائے کہ وہ ٹھیک سے غذا کھا بھی نہیں سکتی تھیں۔

ان کی آتی جاتی سانسیں کسی عذاب سے کم نہیں تھیں۔

عمران تو ماں کے کمرے میں کئی کئی دن جھانکتا بھی نہیں تھا مثال کو حنا کی پریشانیوں کا ان چار دنوں میں اندازہ ہوا۔ کم از کم وہ بشریٰ اور عمران سے تو اچھی تھی جیسے تیسے سہی ذکیہ کو تین ٹائم کھانا کھلاتی تھی۔ دوا دیتی تھی ملازمہ کے سر پر چیخ کر حتی الامکان ان کا کمرہ صاف کرواتی۔ ان کے کپڑے روز بدلواتی۔ ان کے زخموں پر مرہم لگاتی اور کسی دن اس کے پاس ٹائم ہوتا تو وہ ملازمہ کے ساتھ مل کر ذکیہ کو کرسی پہ بٹھا کر باہر بھی لے جاتی۔

مگر ایسا بہت کم ہوتا تھا اگرچہ روز بھی ہو سکتا تھا اگر عمران دلچسپی لیتا تو۔۔۔

مگر اس نے تو جیسے ماں کو بالکل بھلا دیا تھا ایسے میں حنا واقعی ذکیہ کے لیے کسی فرشتے سے کم نہیں تھی۔

مثال نے ان چار دنوں میں ماسی کے ساتھ مل کر جتنی ہو سکی ذکیہ کی خدمت کی۔ ملازمہ کے ساتھ مل کر سارا کمرہ دھلوایا۔ پردے اتروا کر بدلوائے۔ بستروں کی چادریں کرسیاں میزیں سب صاف کروا کے رکھوائیں۔

ذکیہ کی کمر کے زخم چار دن میں بہتر ہونے لگے تھے کہ وہ اب دن میں دو بار کرسی پر بیٹھ کر کھانا کھاتی تھیں اور ٹی وی دیکھتی تھیں۔ پانچویں دن کی شام عدیل اسے لینے کے لیے آگیا۔

عدیل کا موڈ سخت آف تھا۔ مثال باپ کا چہرہ دیکھ کر ڈر سی گئی۔

"کیوں آئی ہو تم ادھر رہنے کے لیے؟" وہ کچھ دیر ہی خود پر ضبط کر سکا۔ تھوڑا آگے جاتے ہی برہم موڈ میں بولا۔

"وہ پاپا۔۔۔ گھر میں کوئی بھی نہیں تھا تو۔۔۔ میں۔" وہ کچھ بھی ٹھیک طرح سے نہیں بتا سکی اس شام کی سنگین صورت حال اور اس فرشتے جیسی آنٹی کے بارے میں اور اس شیطان جیسے نشئی کے بارے میں جو اس کے پیچھے آیا تھا اور نہ ماں کی بے بسی کے بارے میں کہ وہ اپنا ملائیشیا کا ٹرپ اس کی وجہ سے کینسل تو نہیں کر سکتی تھی۔

"جانتی ہو ناں، مجھے ان ماں بیٹے سے کتنی نفرت ہے۔ ان ہی کی وجہ سے ہوا تھا۔ جو کچھ بھی ہوا تھا۔ میں چاہوں بھی تو اس تلخ حقیقت کو بھلا نہیں سکتا۔ تم جو آج پندرہ پندرہ دن کے لیے کبھی ماں کے گھر دھکے کھاتی ہو۔ کبھی باپ کے گھر اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ماں بیٹا تھے۔" مثال اسے دیکھتی رہ گئی۔

وہ نفرت بھرے لہجے میں پھنکار رہا تھا۔

"پاپا! جب ماما مجھے چار دن پہلے آپ لوگوں کو بتائے بغیر آپ کے گھر کے دروازے پر چھوڑ گئیں اور آپ لوگ۔۔۔ مجھے بتائے بغیر یہاں نہیں تھے تو پھر میں کہاں جاتی اس رات اگر یہاں نہ آتی تو؟"

وہ بھی تلخی سے بولی کہ شاید باپ کو اپنی غلطی کا کچھ احساس ہو سکے۔

مثال! میری ایک بات یاد رکھنا، یہ دونوں ماں بیٹے کبھی بھی تمہارے ساتھ مخلص نہیں ہو سکتے اور تم کسی ایسے موقع پہ کسی دشمن کے پاس رک جانا مگر ان کے پاس نہیں آنا۔ اور آج تو میں تمہیں یہاں لینے آگیا ہوں اگلی بار تم نے ایسی حرکت کی تو میں کبھی تمہیں لینے نہیں آؤں گا، اوکے۔"

مثال ساکت سی باپ کے سرد چہرے کو دیکھتی رہ گئی۔

حنا اس سے بہت متاثر ہوئی تھی۔ جس طرح ان چار دنوں میں اس نے ذکیہ کی خدمت کی تھی۔

"ماسی! میں اب جب بھی پاپا کی طرف آؤں گی، ایک دو راتیں ضرور یہاں آ کر رکا کروں گی پھر دیکھیے گا ہم نانی کو چند دنوں میں کرسی پر خود بیٹھنے کے قابل کر دیں گے۔۔۔ ہے نا۔" وہ بہت جوش سے حنا سے وعدے وعید کر کے آئی تھی۔

"مثال! تم اپنی ماں سے بہت مختلف ہو، بہت سمجھ دار، بہت سلجھی ہوئی اور بہت حساس ورنہ تمہاری عمر کی بچیاں اس طرح کب کسی کا خیال رکھتی ہیں۔ تم بہت اچھی ہو اور مجھے تمہارا انتظار رہے گا صرف مجھے ہی نہیں تمہاری نانی کو بھی۔ وہ بھی تم سے بہت پیار کرتی ہیں اور ان چار دنوں میں تو اور بھی تم سے مانوس ہو گئی ہیں۔"

حنا بہت متاثر لہجے میں کہہ رہی تھی۔

اور جو پاپا کہہ رہے تھے۔

وہ دکھ سے صرف آنسو پی کر رہ گئی۔

"پاپا اگر آپ نانو کی حالت دیکھتے، ان کی بے بسی، ان کی بے چارگی تو شاید آپ کو یہ سب کہنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ یہ وہ نانو نہیں تھیں جو بہت کروفر سے بات کرتی تھیں جن کا مغرور انداز انہیں ساری محفل میں الگ کرتا تھا۔ یہ تو بہت بے چاری سی بہت مسکین عورت تھیں جو آپ کی، میری ہم سب کی تھوڑی سی ذرا سی توجہ چاہ رہی ہیں اور بس۔" وہ دل میں سوچتی رہ گئی۔

پھر رات بھر عدیل نے اس سے کوئی بات نہیں کی۔ ایک بار اس بات پہ ہلکی سی معذرت بھی نہیں کی کہ وہ لوگ بتائے بغیر چلے گئے تھے تو اسے تکلیف ہوئی ہوگی۔

عفت کا موڈ گھر میں الگ آف تھا۔

دن بھر اسے اکیلے گھر میں کام کرنا پڑا تھا۔ عدیل تاکید کے باوجود اسے رات گئے واپس لے کر آگیا تھا جب وہ رات کے کھانے کے برتن پٹخ پٹخ کر دھو رہی تھی۔

مثال خود بہت تھکی ہوئی تھی، وہ خاموشی سے دادی کے کمرے میں چلی گئی۔

پورے گھر میں اس کے بستر کی جگہ صرف نسیم کے کمرے میں ہی بن سکی تھی۔

وہاں نسیم کی بک بک اور یہ جان کر کہ وہ چار دن ذکیہ کے گھر میں گزار کر آئی ہے، وہ آدھی رات تک غصے اور نفرت سے مثال پر چلاتی رہی تھیں۔

اور مثال دونوں کان تکیے کے اندر گھسیڑے ساری رات یوں پڑی رہی جیسے وہ اس کمرے میں موجود ہی نہیں۔

اس کا جی ہر شخص سے اچاٹ ہو گیا تھا۔

یہاں ہر کوئی مطلبی، دوغلا اور خود غرض تھا، خواہ وہ اس کی ماں تھی، اس کا باپ، نانی، دادی، ماموں، سوتیلا باپ، سوتیلی ماں۔ وہ ہر رشتے سے مایوس ہو چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

"کل بیس اکتوبر ہے نا مام؟" آئینہ تیرہ سال کی ہو چکی تھی۔ اپنے ہوم ورک کی کاپی پہ ڈیٹ لکھتے ہوئے وہ رک کر بشریٰ سے پوچھنے لگی۔

بیس اکتوبر۔۔۔ تو مثال کی برتھ ڈے ہے۔" وہ عجیب دھیان سے چونکی تھی۔

اور بیٹھے بیٹھے انگلیوں پر کچھ گننے لگی۔

"بیس سال کی ہو گئی مثال۔۔۔ مائی گاڈ!" اسے جیسے بیٹھے بیٹھے جھٹکا سا لگا تھا۔

یوں بھی آج کل اسے بہت کچھ بھولنے لگا تھا۔

احسن کمال کے پیروں کو پھر باہر کے چکر نے اپنی جانب کھینچنا شروع کر دیا تھا۔

سیفی دو سال پہلے انگلینڈ چلا گیا تھا ہائر اسٹڈیز کے لیے مگر آج کل وہ آیا ہوا تھا۔

احسن کمال کا کسی آسٹریلین کمپنی کے ساتھ بزنس بہت زبردست طریقے سے چل رہا تھا اور بہت سوچ بچار اور

حساب کتاب کے بعد اس نے آسٹریلیا شفٹ ہونے کا ارادہ کرلیا تھا۔
بشریٰ اس تبدیلی کے لیے رضامند نہیں تھی۔
دونوں کے درمیان روز ہی اس بات پر بحث ہوتی اور بغیر کسی نتیجے کے ختم ہوجاتی۔ وہ آج کل بہت ڈسٹرب تھی۔
مثال کہاں ہوتی ہے آج کل؟ ادھر ہے یا باپ کی طرف' وہ اکثر یہ بھی بھول جاتی۔
سیفی بھی باپ کا ہم خیال تھا اور دونوں ہی چند مہینوں میں یہاں سے سب کچھ وائنڈ اپ کرکے آسٹریلیا شفٹ ہونے کے حق میں تھے۔ بشریٰ نے اپنی مرضی اور خواہش کا اختیار دوسری بار گھر بچانے کے خیال سے' جو چھوڑا تھا۔ وہ آج تک اسی طرح احسن کمال کی مرضی اور خواہش پر چلتی آرہی تھی۔
"مثال کہاں ہے آئینہ؟" وہ بے چین سی ہوکر اٹھ کھڑی ہوئی۔
"آئی ڈونٹ نو مام۔" آئینہ ہوم ورک کرتے ہوئے لاپروائی سے بولی۔
"ٹھیک ہے اگر احسن کمال کو یہاں سے جانا ہی ہے تو میں مثال کی شادی کرکے ہی جاؤں گی۔ اس کا گریجویشن تو ہونے ہی والا ہے۔" وہ سیڑھیاں اترتی چڑھتی سارے گھر میں مثال کو دیکھتی خود سے باتیں کررہی تھی۔
مثال اس کی توقع کے عین مطابق اوپر ٹیرس پر تھی اور ڈوبتے سورج کی قرمزی شعاعوں کو تکتے ہوئے جانے کیا سوچ رہی تھی حال کے بارے میں ماضی کے بارے میں یا اپنے آنے والے کل کے بارے میں۔
بشریٰ کتنی دیر اس کے پیچھے کھڑی اسے دیکھتی رہی۔
مثال نے کتنا اچھا قد کاٹھ نکالا تھا' اس کی رنگت دودھیا نہیں تھی مگر گندمی سنہری مائل جس میں عجیب سی کشش تھی۔ اس کی سنہری مائل آنکھیں اور لائٹ براؤن سے بال اس کے چہرے کو اور بھی پرکشش بناتے تھے۔
بشریٰ کو بے اختیار اپنی بیٹی پر پیار آگیا۔
"ہیپی برتھ ڈے مائی ڈیئر مثال ـــــ میری جان!" وہ بے اختیار اس کے پیچھے سے لپٹتے ہوئے مسرور لہجے میں بولی۔
مثال کے لیے ماں کا یوں وش کرنا کسی شاک سے کم نہیں تھا۔ وہ ماں کے یوں لپٹنے پر بھی ساکت سی رہ گئی' فوراً کوئی ردعمل نہ دے سکی۔
بشریٰ اب اس کا ماتھا' اس کے رخسار چوم رہی تھی۔ مثال اسی طرح بغیر پلکیں جھپکائے ماں کو دیکھے جارہی تھی۔
"مثال! میری جان! تم نے مجھے یاد کیوں نہیں دلایا کہ آج تمہاری برتھ ڈے ہے۔" وہ اسے پیار کرتے ہوئے شکایتی لہجے میں بولی۔
"کیونکہ مجھے یہ بات خود بھی یاد نہیں تھی۔" وہ عجیب روکھے میکانکی انداز میں بولی۔
بشریٰ لمحہ بھر کو کچھ بول ہی نہیں سکی۔
کتنے سالوں سے وہ خود بھی مثال کی برتھ ڈے نہ تو منا سکی تھی نہ یاد رکھ کر اسے وش ہی کرسکی تھی۔
"آج آپ کو کیسے یاد آگیا۔" وہ گلہ کرنا تو نہیں چاہتی تھی مگر جانے کیسے اس کے لبوں سے پھسل گیا۔
"میری مثال بیس سال کی ہوگئی۔ میں صرف یہ سوچ کر حیران ہوں کہ میری بیٹی اتنی بڑی ہوگئی اور مجھے پتا بھی نہیں چلا۔"
وہ عجیب جذباتی پن میں بیٹی کو پیار کررہی تھی۔
"اس سے کیا ہوتا ہے ماما؟" وہ مایوس سے لہجے میں بولی۔

بشریٰ اس کے چہرے کے اطراف میں بکھرے بال سمیٹنے لگی۔

"تمہارا فائنل کب ہے گریجویشن کا؟" وہ یوں عام سے لہجے میں پوچھ رہی تھی جیسے وہ دونوں ماں بیٹی روز اسی طرح ایک دوسرے کے پاس بیٹھ کر۔ روزمرہ کی باتیں کرتی ہیں۔

"تین چار ماہ ہیں ابھی تو۔" وہ سرسری لہجے میں بولی۔

بشریٰ اسی طرح محبت لٹاتی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔

"ایک بات پوچھوں مثال؟" وہ بہت رازدرانہ انداز میں بولی۔ مثال کچھ حیرانی سے ماں کو دیکھنے لگی۔

"تم میری بات کا غلط مطلب نہیں لینا جان!" وہ جلدی سے صفائی دیتے ہوئے بولی۔

"میں سمجھی نہیں مما!" وہ آہستگی سے بولی۔ اسے بشریٰ کے رویے سے الجھن سی ہو رہی تھی۔

"تم اب بڑی ہو چکی ہو اور میں جانتی ہوں۔ بحیثیت ماں میں نے تمہاری ذمہ داریاں اس طرح نہیں نبھائیں جس طرح مجھے نبھانی چاہیے تھیں' تمہارے بہت سے حقوق میں نے نظر انداز کیے اور تمہیں وہ محبت بھی نہیں دی جس کی تم حق دار تھیں۔ مجھے اپنی تمام تر کوتاہیوں کا احساس ہے مثال؟" وہ نم لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"لیکن میں چاہتی ہوں۔ اب آئندہ آنے والے دنوں میں میں تمہارے ساتھ جانے یا انجانے میں کچھ برا نہ کروں۔ کیا تم اپنی ماں پر بھروسا کرو گی مثال؟"

وہ جانے کس بات کے لیے اتنی لمبی تمہید باندھ رہی تھی مثال کو الجھن سی ہونے لگی تھی۔

"آپ کو جو کہنا ہے' آپ مجھ سے کہہ سکتی ہیں مما!" وہ آہستگی سے بولی بشریٰ اسے دیکھتے ہوئے کچھ سوچ رہی تھی۔

اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے نوخیز بشریٰ اس کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی ہو۔

"تم۔۔۔ تمہیں کوئی پسند ہے مثال! میرا مطلب ہے تم کسی کو پسند کرتی ہو۔"

بشریٰ کی تمہید جتنی لمبی اور اکتا دینے والی تھی۔ سوال اتنا ہی چونکا دینے والا اچانک سا تھا۔

"ماما!" وہ پریشان ہو گئی۔

"میری جان! ماں پہ شک نہیں کرنا میں تمہیں غلط نہیں سمجھ رہی میں صرف یہ چاہتی ہوں کہ میری بیٹی کو آنے والی زندگی میں بہت سے خوشیاں' بہت محبتیں ملیں اور اگر تم کسی کو پسند کرتی ہو یا تمہیں کوئی چاہتا ہے تو تم مجھے بلا جھجک بتا سکتی ہو میں خود ان لوگوں سے ملوں گی۔ بات کروں گی اور تمہارا رشتہ۔"

مثال ایک جھٹکے سے ماں کو خود سے الگ کرتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔

"جو ذمہ داری آپ نہیں نبھا سکیں۔ آپ چاہتی ہیں کوئی دوسرا اسے نبھائے تاکہ آپ خود اپنی نظروں میں سرخ رو ہو سکیں۔" وہ کٹیلے لہجے میں بولی۔

بشریٰ ساکت سے اسے دیکھتی رہ گئی۔ مثال کی آنکھوں میں ایک دم سے اجنبیت اتر آئی تھی۔

"مثال تم میری بات نہیں سمجھیں۔"

"میں آپ کو بھی سمجھ چکی ہوں اور آپ کی ذہنیت کو بھی اور آپ کی بات کو بھی۔ اس سے زیادہ میں کچھ بھی سمجھنا نہیں چاہتی۔" وہ تیزی سے وہاں سے چلی گئی۔

بشریٰ گم صم سی وہیں بیٹھی رہ گئی۔

یہ تو اسے اندازہ تھا کہ ایک روز جب کبھی بھی اس نے مثال کے ساتھ پچھلا حساب کتاب کھولا تو وہ یونہی تہی دامن بیٹھی رہ جائے گی۔ خالی جھولی لیے۔

جب اس نے مثال کو کبھی کچھ دیا نہیں تو اس کے دل نے یہ توقع کیسے لگائی کہ وہ جواب میں اسے محبت' چاہت

اور وہ خوشی دے گی جو وہ خود اسے کبھی دے ہی نہیں سکی۔

وہ اپنے سارے جذبے تو سیفی اور آئینہ پر لٹا چکی تھی۔ مثال تو اس کے ماضی کی تلخ یادوں کا حصہ تھی جو جب بھی اسے نظر آتی' وہ اس سے نظریں چرا لیا کرتی تھی پھر اب کس بھروسے پر وہ اس کے سامنے اپنے جذبات رکھ رہی تھی۔ اعتماد یا بھروسا لمحے بھر کا کھیل نہیں ہوتا۔ جب وہ ماں ہونے کی حیثیت جتا کر بیٹی کے آگے رکھے گی' وہ آنکھیں بند کر کے اس کی انگلی تھام کر چل پڑے گی۔

"اسے اب یوں بھی میرے سہارے' میری انگلی تھامنے کی ضرورت نہیں اور مثال کسی کو پسند نہیں کرتی۔ یہ تو مجھے اندازہ ہو ہی گیا ہے لیکن پتا نہیں کیوں مجھے چند دنوں سے یہ محسوس ہو رہا ہے اگرچہ میں گھر کی ذمہ داریوں اور احسن کمال کی اس نئی بحث میں بہت الجھی رہتی ہوں' پھر بھی مجھے کئی بار لگا سیفی مثال کو بہت الگ سی نظروں سے دیکھتا ہے جیسے وہ اسے دل ہی دل میں پسند کرنے لگا ہو۔ اسے چاہنے لگا ہو' جب سے وہ یوکے سے واپس آیا ہے۔ اس کی نظریں مثال کے لیے بدلی ہوئی ہیں۔

اگر ایسا کچھ ہو جائے تو میری مثال ہمیشہ کے لیے میرے پاس ہی رہ جائے گی اور میں ہمیشہ کے لیے اپنی بیٹی کی محرومیاں دور کرنے کی کوشش کروں گی۔ میں آج کل ہی کسی بہانے سے سیفی کو ٹٹولتی ہوں تو پھر اس سے بات کروں گی۔" اس کے دل میں انوکھا خیال جاگا تھا' وہ بیٹھے بیٹھے مسکرانے لگی۔

☼ ☼ ☼

اور یہ ٹھیک ان ہی دنوں کی بات ہے' جب واثق انجینئرنگ کرنے کے بعد نوکری کی تلاش میں دربدر بھٹک رہا تھا۔

اور اکثر وہ دور چھت پر بیٹھی مثال کو دیکھتا اور اس کے اسکیچ بناتا تھا۔

پھر ایک رات جب وہ یونہی بگلی پون کے ساتھ کسی خوشبودار جھونکے کی طرح اس سے آٹکرائی تھی۔

دونوں سحر زدہ سے ایک دوسرے کو دیکھتے رہ گئے تھے۔

اور ان ہی دنوں میں جب اسے ایک معمولی سی کمپنی میں ایک بہتر جاب ملی تھی اور مثال اسے اکیلی ملی اور وہ اس کو مخاطب کرنے کی جرات کر بیٹھا اور اس نے کس بے خوفی سے اس کے منہ پر تھپڑ جڑ دیا تھا۔

اب تو اتنی ملاقاتیں واسطہ' بلاواسطہ ہو چکی تھیں کہ واثق کو وہ بہت اپنی اپنی سی لگنے لگی تھی۔

مثال کے حافظے سے بھی وہ محو نہیں ہو سکا تھا۔

جس رات وہ اس سے ٹکرائی تھی۔ اس رات اور بعد میں آنے والی بہت سی راتوں میں اس کی مضبوط بانہوں کا حصار اسے بہت بے چین رکھتا رہا تھا۔ اتنے سارے اپنوں کے درمیان اجنبی رویے اسے اندر ہی اندر بہت کمزور کر چکے تھے۔

بظاہر وہ لاتعلق' بے نیاز رہتی۔ بے حس' بے تاثر چہرہ لیے۔ عفت کو اور بھی غصہ آتا کہ اس لڑکی پر کسی بات کا اثر کیوں نہیں ہوتا مگر وہ اندر سے بہت ڈرپوک اور سہمی ہوئی تھی۔

وہ دوبارہ کبھی عاصمہ کے گھر نہیں گئی تھی۔

اگرچہ دو ایک بار وہ دن کی روشنی میں وہاں سے گزری تھی مگر وہ مشفق عورت اس کے قدموں کو اور بھی تیز کر گئی۔

اسے اچھا نہیں لگتا تھا کہ وہ اس کے حالات جان کر اس پر ترس کھائے اس سے ہمدردی کرے۔ وہ اب کسی کو بھی یہ نہیں بتاتی تھی کہ پاپا کے گھر سے آرہی ہے یا ماما کے گھر۔۔۔

وہ آج کل صرف ایک ہی بات سوچ رہی تھی کہ ــــ جلد سے جلد گریجویشن کرتے ہی اپنے لیے کوئی جاب تلاش کرنا ہے اور اپنے پیروں پہ خود کھڑے ہونا ہے۔

احسن کمال اور بشریٰ کے درمیان روز ہونے والی بحث بھی اسے چوکنا کر گئی تھی۔ وہ جانتی تھی جلد یا بدیر احسن کمال کی جیت ہوگی اور بشریٰ کو سب کچھ سمیٹ کر اس کے ساتھ آسٹریلیا جانا ہی پڑے گا۔

اور اس سب کچھ میں مثال تو کہیں بھی نہیں ہوگی اور عفت اسے مستقل اپنے گھر میں ٹھہرانے پہ کبھی بھی راضی نہیں ہوگی۔

تو ایسے میں اسے ــ خود کو مضبوط کرنا تھا۔ وہ ہمدردی اور بے چارگی کا نشان بن کر لوگوں کے لیے مثال نہیں بننا چاہتی تھی۔

نسیم کا پانچ سال پہلے انتقال ہوگیا تھا اور ذکیہ تو وہ جب آخری باران کی خدمت کر کے آئی تھی۔ اس کے ایک ماہ بعد ہی زندگی کے آزار سے رہائی پا گئیں۔ عدیل کو دوبارہ کبھی اسے ٹوکنا نہیں پڑا تھا کہ وہ ذکیہ اور عمران سے کبھی نہیں ملے گی۔

پریشے بہت خوب صورت نکلی تھی۔ قد کاٹھ میں بھی تیرہ چودہ سال کی عمر میں وہ مثال کے برابر آگئی تھی جو دیکھتا وہی اس کے حسن کا مداح ہو جاتا عفت کا سر فخر سے اٹھ جاتا۔

پریشے کا اصل حسن اس کی معصومیت تھی۔ وہ اس حسن پر مغرور نہیں تھی لیکن اس معصومیت میں بھی بہت بے نیازی تھی وہ جب موڈ ہوتا مثال سے ٹھیک طرح بات کرتی موڈ نہ ہوتا تو مثال کے بلانے پر اس کی طرف دیکھتی بھی نہیں تھی۔

دانی ایک لاپرواہ سا لڑکا تھا جسے مثال میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ وہ شروع سے عفت کی یہ بات سمجھ گیا تھا کہ یہ تمہاری سوتیلی بہن ہے۔ تم اس سے جتنا بھی لگاوٹ کا مظاہرہ کرو گے یہ ٹھیک پندرہ دن بعد یہاں سے چلی جائے گی۔

دانی نے کبھی اسے دل سے بہن نہیں سمجھا تھا۔

ان لوگوں کی ایک مکمل فیملی تھی جس میں مثال کی جگہ نہیں تھی۔ نسیم بیگم کی وفات کے بعد اس کا کمرہ پریشے کے حصے میں آگیا تھا۔ اوپر والا پورشن کرائے پر تھا۔ صرف چھت ان کے پاس تھی جس پر مثال کبھی کبھی تنہائی کی تلاش میں جا کر بیٹھ جایا کرتی تھی۔

اور آج بھی وہیں بیٹھی بشریٰ کی بات کو نئے سرے سے سوچ رہی تھی۔

"مثال تم کسی کو پسند کرتی ہو؟" اس نے ماں کی بات کو کس طرح سختی سے رد کیا تھا مگر اب چھم سے وہ چہرہ اس کے سامنے آگیا تھا جو اس کے اچانک بہت قریب تھا۔

"نہیں مجھے اس کے بارے میں نہیں سوچنا۔" وہ سر جھٹک کر اٹھی اور یونہی چھت پہ ٹہلنے لگی۔

اور دوسرے لمحے وہ ساکت سی رہ گئی۔

وہی لڑکا یک ٹک اس کو دیکھے جا رہا تھا مثال کے قدم جیسے وہیں جکڑے رہ گئے۔

دونوں بہت دور سے ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے جیسے بہت قریب محسوس کر رہے تھے۔

واثق نے دور سے ہاتھ ہلا کر اسے وش کیا تھا۔

وہ جھینپ کر بھاگتی ہوئی سیڑھیاں اتر کر نیچے چلی گئی۔

نہ چاہتے ہوئے بھی رات تک اس کے دل کی دھڑکنیں اس کے مسکراتے چہرے کو دیکھ کر اتھل پتھل ہوتی رہی تھیں۔

"کدھر دھیان ہے تمہارا؟ کھانے میں نمک کی جگہ چینی ڈالنے لگی تھیں مثال! تم جب بھی اپنی ماں کے گھر سے ہو کر آتی ہو' مجھے زچ کر کے رکھ دیتی ہو۔ کیا پٹیاں پڑھا کر بھیجتی ہے وہ عورت تمہیں؟" عفت کو جی بھر کر اس پر غصہ آرہا تھا۔ زور زور سے بولتی چلی گئی۔

"ماما کہتی ہیں' جب آپ بابا کی ساری تنخواہ۔ ان کی ہر چیز پر قابض ہیں۔ ان کی سیلری میں سے ایک جوڑا کپڑوں کا تمہیں نہیں بنا کر دیتیں تو پھر تم بھی مثال اس گھر کا کوئی کام نہیں کیا کرو۔ تم نوکرانی نہیں ہو عفت بیگم کی۔"

وہ باقاعدہ کمر پر ہاتھ رکھے نڈر لہجے میں بول رہی تھی۔ عفت کی آنکھیں تو جیسے پھٹنے کو تھیں۔

"یہ۔ یہ تمہاری ماں نے بکواس کی؟" وہ شاکڈ زدہ سی تھی۔

"بالکل سچ کہا ماما نے' لیکن میں نے ان سے کہا چونکہ میں پاپا سے بہت محبت کرتی ہوں تو صرف اس لیے کہ عفت ماما' پاپا کو میرے خلاف اکسائیں نہیں۔ میں ان کے گھر کا کام کر دیتی ہوں ورنہ کوئی میرے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتا۔" وہ ٹونٹی سے ہاتھ دھو کر کھانا ادھورا چھوڑ کر باہر نکل گئی۔ پتا نہیں کیوں آج اس کا جی ہر کام کو الٹا کرنے کو چاہ رہا تھا اور اب عفت کچن میں کس طرح جل بھن رہی ہو گی۔ سوچ کر ہی مثال کو ہنسی آرہی تھی۔

"مگر وہ لڑکا!" اس نے بے اختیار آنکھیں رگڑیں' وہ تو اس کے دھیان کی تکنکی سنبھال کر بیٹھ گیا تھا۔

"مجھے بھولتا کیوں نہیں؟" وہ بے بسی سے سیڑھیوں میں بیٹھ کر پھر اسی کو سوچنے لگی۔

☼ ☼ ☼

عاصمہ پر تو جیسے شادیٔ مرگ طاری ہو گیا تھا۔

ہاشم بھائی' ان کی بیوی صاعقہ اپنے دونوں بیٹوں وقار اور وقاص کے ساتھ اتنے سالوں بعد پاکستان آئے تھے۔ اور دونوں میاں بیوی نے آتے ہی اریبہ اور اریشہ کا ہاتھ مانگ لیا تھا۔

"اور ہم پندرہ دن میں نکاح' رخصتی کروا کے اپنی بیٹیوں کو ساتھ لے کر جائیں گے۔" صاعقہ بھابھی کی بات پر عاصمہ کو لگا' ابھی خوشی سے اس کا دل بند ہو جائے گا۔

"بھابھی! یہ کیا کہہ رہی ہیں آپ! میں تو ابھی۔۔۔ میں نے تو ایسا کچھ بھی نہیں سوچا۔"

وہ کانپتی آواز میں بول رہی تھی۔

"واثق! تم بھی تو بولو ناں کچھ؟" ہر ایسے مشکل وقت میں وہ واثق کو پکارا کرتی تھی' سو اب بھی یہی کیا۔

"میرے خیال میں امی! اس میں کچھ ایسا حرج بھی نہیں' صرف ایک بار اریشہ اور اریبہ سے پوچھ لیتے ہیں' انہیں اگر کوئی اعتراض نہیں ہو تو۔۔۔ کیوں ماموں؟" واثق ہاشم کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔

"تمہاری ماں شروع ہی سے ایسی ہے واثق! اچانک اس کے سر پہ خدانخواستہ غم کی خبر ہو یا خوشی کی بات پڑ جائے تو یہ ہاتھ پاؤں چھوڑ دیتی ہے۔ بہت ننھا دل ہے اس کا۔ اماں کہا کرتی تھیں۔ میری بیٹی کا دل تو چڑیا جیسا ہے۔" ہاشم بہت پرانی بات یاد کرتے ہوئے بولے تو عاصمہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"سچی بات تو یہ ہے عاصمہ باجی! کہ مجھے گٹھیا کے اس مرض نے کہیں کا بھی نہیں چھوڑا' یوں سمجھیں جیسے تیسے زندگی کی گاڑی کو کھینچ رہی ہوں۔ پہلے ہاشم کی صرف جاب تھی سعودی عرب میں تو ارادہ تھا' کبھی نہ کبھی یہاں آجائیں گے مگر اب تو ان کا اور دونوں بیٹوں کا بزنس اللہ کے فضل سے جم گیا ہے وہاں تو واپسی تو مشکل ہے اور گھر چلانے کے لیے تو ہمیں صرف آپ کی بیٹیوں کا خیال آیا کہ جس طرح کی سلجھی ہوئی' سمجھ دار آپ ہیں ویسی ہی اریبہ اور اریشہ ہوں گی۔ بس آپ ہمیں انہیں دے دیں۔ ہم سمجھیں گے آپ نے ہمارا مان رکھ لیا۔"

صاعقہ کم گو عورت تھی پھر عمر بھر اپنی بیماری کے ہاتھوں عاجز رہی۔

اور آج وہ جس طرح عاجزی سے بات کر رہی تھی۔ عاصمہ کو لگا' اللہ نے اس کی عمر بھر کی ریاضتوں کا حساب یک مشت چکا دیا ہو' وہ بھابھی کے گلے لگ کر روتے ہوئے مسکرانے لگی۔

☼ ☼ ☼

وہ لائبریری سے باہر نکل رہی تھی۔

پیلے رنگ کے گھسے ہوئے کاٹن کے سوٹ میں دوپٹہ اچھی طرح لپیٹے پسینے کے قطرے اس کی پیشانی پہ چمک رہے تھے جب بے دھیانی میں تیزی سے سیڑھیاں اترتے وہ اوپر آتے واثق سے ٹکرا گئی۔

دونوں کے ہاتھوں میں موجود کتابیں گر گئیں۔ واثق نے دونوں کتابیں اٹھالیں۔

وہ سیدھی ہو کر پیچھے ہٹ کر کھڑی ہو گئی تھی۔ وہ دلچسپ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"پلیز' میری کتابیں واپس کریں۔" وہ اس کی نظروں کے ارتکاز سے گھبرا کر بولی۔

"آپ مان کیوں نہیں لیتیں کہ قدرت واقعی ہم دونوں کو بار بار ملانے سے یوں سر راہ ٹکرانے سے کوئی خاص بات بتانا چاہتی ہے۔" وہ شوخی سے بولا۔

"لگتا ہے' آپ کو وہ تھپڑ بھول گیا ہے۔" وہ طنزیہ لہجے میں جتا کر بولی۔

وہ بے اختیار ہنس پڑا۔

"مجھے لگتا ہے' آپ بہت ہتھ چھٹ ہیں۔ یونہی ہر راہ چلتے کو تھپڑ جڑ دیتی ہیں۔" وہ بھی طنزیہ لہجے میں بولا۔

"آپ نے کیا' مجھے ایسی ویسی لڑکی سمجھ رکھا ہے۔"

"جو سمجھ رکھا ہے' وہ تو آپ مجھے سمجھنے نہیں دے رہیں اور میں آپ کو کیا سمجھوں گا۔" وہ معنی خیزی سے بولا۔

"پلیز میری کتاب واپس کریں۔" وہ زچ ہو کر بولی۔

"انٹرویو میں کامیاب ہونے کے سو گر۔" وہ کتاب کا ٹائٹل پڑھنے لگا مثال چڑ کر اسے کہنے لگی۔

"ویسے ایک مشورہ دوں، آپ یہ کتاب واپس کر آئیں۔ اس کتاب میں بے کار قسم کے سوگر ہوں گے۔ میں آپ کو پریکٹکلی ہزار ٹپس دے سکتا ہوں انٹرویو میں کامیاب ہونے کے لیے۔ آخر تجربہ بھی کوئی چیز ہے۔" وہ سینہ پھلا کر بولا۔

مثال نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے کتاب جھپٹ لی اور جانے کے لیے مڑی۔

"تو آپ کو جاب کی تلاش ہے۔ کیا میں آپ کی کچھ مدد کر سکتا ہوں اس سلسلے میں؟" وہ پیچھے سے سنجیدگی سے بولا تو مثال ٹھٹک کر اسے دیکھنے لگی۔

واثق نے آہستگی سے کارڈ نکال کر اس کے سامنے کیا۔

"اگر میری مدد کی ضرورت ہو تو اس نمبر پر کال کر لیجئے گا، جاب خود چل کر آپ کے پاس آجائے گی۔"

وہ کارڈ کتاب کے کونے میں رکھ کر تیزی سے وہاں سے چلا گیا۔

مثال کچھ دیر یونہی کھڑی رہی، پھر کونے سے وہ کارڈ نکال کر پڑھنے لگی اور کچھ سوچتے ہوئے باہر نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

وہ بہت گہری نیند سو رہی تھی۔

اتنی گہری کہ وہ یہ بھی بھول گئی کہ وہ کس گھر میں سو رہی ہے۔ بشریٰ کے یا عدیل کے۔

اس کے چہرے پر کوئی سرسراہٹ ہو رہی تھی۔

اور پھر وہ سرسراہٹ اس کی گردن تک آگئی۔ اس کا دم جیسے گھٹنے لگا تھا۔

اس نے گہری نیند میں خود کو جیسے آزاد کرانے کے لیے ادھر ادھر سر مارا مگر اس کا وجود جیسے کسی شکنجے میں کستا چلا جا رہا تھا۔

وہ بے بس سی ہو گئی مگر نیند کا غلبہ اس مزاحمت میں کچھ کم ہو گیا۔ کوئی اسے کھینچ رہا تھا۔ گھسیٹ رہا تھا۔

اس نے ایک زوردار چیخ ماری۔

کسی نے اس کے منہ کے آگے ہاتھ رکھ کر اس کی آواز بند کرنے کی کوشش کی اس کا دوپٹہ اس کے کپڑے۔

دوسرے لمحے ایک قیامت ٹوٹ پڑنے کا احساس تھا جو وہ چیختی چلی گئی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

رخسانہ نگار عدنان

عدیل اور فوزیہ نسیم بیگم کے بچے ہیں۔ بشریٰ ان کی بہو ہے اور ذکیہ بیگم کی بیٹی ہے۔ عمران بشریٰ کا بھائی ہے۔ مثال ذکیہ بیگم کی نواسی اور نسیم بیگم کی پوتی ہے۔ بشریٰ اور نسیم بیگم میں روایتی ساس بہو کا تعلق ہے۔ نسیم بیگم مصلحتاً بیٹا بہو سے لگاوٹ دکھاتی ہیں۔ دوسری طرف ذکیہ بیگم کا کہنا ہے۔ ان کی بیٹی بشریٰ کو سسرال میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ پانچ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد بشریٰ کی نند فوزیہ کا بالآخر ایک جگہ رشتہ طے پا جاتا ہے۔ نکاح والے روز بشریٰ دولہا قمیر کو دیکھ کر چونک جاتی ہے۔

عدیل سے شادی سے قبل قمیر کا بشریٰ کے لیے بھی رشتہ آیا تھا مگر بات نہ بن سکی تھی۔ نکاح والے دن فوزیہ کی ساس زاہدہ اور ذکیہ بیگم بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔ بشریٰ اپنی ماں سے یہ بات چھپانے کے لیے کہتی ہے مگر عدیل کو پتا چل جاتا ہے۔ وہ ناراض ہوتا ہے مگر فوزیہ اور نسیم بیگم کو بتانے سے منع کر دیتا ہے۔ بشریٰ اور عدیل ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جاتے ہیں۔ وہاں انہیں پتا چلتا ہے کہ بشریٰ کے ہاں سات سال بعد پھر خوش خبری ہے۔

عفان اور عاصمہ اپنے تین بچوں اور والد کے ساتھ کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔ عفان کے والد فاروق صاحب سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ گریجویٹی اور گاؤں کی زمین فروخت کر کے وہ اپنا گھر خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ڈیڑھ کروڑ میں زمین کا سودا کر کے وہ عفان کے ساتھ خوشی خوشی شہر آ رہے ہوتے ہیں کہ ڈکیتی کی واردات میں قتل ہو جاتے ہیں۔

عفان کے قریبی دوست زبیر کی مدد سے عاصمہ عفان کے آفس سے تین لاکھ روپے اور فاروق صاحب کی گریجویٹی سے سات لاکھ روپے وصول کر پاتی ہے۔ زبیر گھر خریدنے میں بھی عاصمہ کی مدد کر رہا ہے۔

اسلام آباد سے واپسی پر عدیل دونوں مقتولین کو دیکھتا ہے۔ زاہدہ نسیم بیگم سے بیس لاکھ روپے سے مشروط فوزیہ کی

رخصتی کی بات کرتی ہیں۔ وہ سب پریشان ہو جاتے ہیں۔ عدیل بشریٰ سے ذکیہ بیگم سے تین لاکھ روپے لانے کو کہتا ہے۔

حمیدہ خالہ عاصمہ کو سمجھاتی ہیں کہ عدت میں زبیر کا اکیلے اس کے گھر آنا مناسب نہیں ہے۔ لوگ باتیں بنا رہے ہیں جبکہ عاصمہ کی مجبوری ہے کہ گھر میں کوئی مرد نہیں۔ اس کا بیٹا ابھی چھوٹا ہے اور سارے کام اس نے خود کرنے ہیں۔ وہ جلد از جلد اپنا گھر خریدنا چاہتی ہے۔ عاصمہ کے کہنے پر زبیر کسی مفتی سے فتویٰ لے کر آجاتا ہے کہ دوران عدت انتہائی ضرورت کے پیش نظر گھر سے نکل سکتی ہے بشرطیکہ مغرب سے پہلے واپس گھر آجائے' سو وہ عاصمہ کو مکان دکھانے لے جاتا ہے۔ اور موقع سے فائدہ اٹھا کر اسے اپنی ہوس کا نشانہ بناتا ہے اور وہیں چھوڑ کر فرار ہو جاتا ہے۔

رقم مہیا نہ ہونے کی صورت میں فوزیہ کو طلاق ہو جاتی ہے۔ نسیم بیگم جذباتی ہو کر سو لور اس کے گھر والوں کو مورد الزام ٹھہرانے لگتی ہیں۔ اسی بات پر عدیل اور بشریٰ کے درمیان خوب جھگڑا ہوتا ہے۔ عدیل طیش میں بشریٰ کو دھکا دیتا ہے۔ اس کا ابارشن ہو جاتا ہے۔ عدیل شرمندہ ہو کر معافی مانگتا ہے مگر وہ ہنوز ناراض رہتی ہے اور اسپتال سے اپنی ماں کے گھر چلی جاتی ہے۔

اسی اسپتال میں عدیل عاصمہ کو دیکھتا ہے جسے بے ہوشی کی حالت میں لایا گیا ہوتا ہے۔ عاصمہ اپنے حالات سے تنگ آکر خود کشی کی کوشش کرتی ہے تاہم بچ جاتی ہے۔ نو سال بعد عاصمہ کا بھائی ہاشم پریشان ہو کر پاکستان آجاتا ہے۔ عاصمہ کے سارے معاملات دیکھتے ہوئے ہاشم کو پتا چلتا ہے کہ زبیر نے ہر جگہ فراڈ کر کے اس کے سارے راستے بند کر دیے ہیں اور اب مفرور ہے۔ بہت کوششوں کے بعد ہاشم عاصمہ کو ایک مکان دلا پاتا ہے۔

بشریٰ اپنی واپسی الگ گھر سے مشروط کر دیتی ہے۔ دوسری صورت میں وہ علیحدگی کے لیے تیار ہے۔ عدیل سخت پریشان ہے۔ عدیل مکان کا اوپر والا پورشن بشریٰ کے لیے سیٹ کروا دیتا ہے اور کچھ دنوں بعد بشریٰ کو مجبور کرتا ہے کہ وہ فوزیہ کے لیے عمران کا رشتہ لائے۔ نسیم بیگم اور عمران کسی طور نہیں مانتے۔ عدیل اپنی بات نہ مانے جانے پر بشریٰ سے جھگڑتا ہے۔ بشریٰ بھی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتی ہے۔ عدیل طیش میں بشریٰ کو طلاق دے دیتا ہے اور مثال کو چھین لیتا ہے۔ مثال بیمار پڑ جاتی ہے۔ بشریٰ بھی حواس کھو دیتی ہے۔ عمران بہن کی حالت دیکھ کر مثال کو عدیل سے چھین کر لے آتا ہے۔ عدیل عمران پر اغوا کا پرچا کٹوا دیتا ہے۔

عاصمہ اسکول میں ملازمت کر لیتی ہے مگر گھریلو مسائل کی وجہ سے آئے دن چھٹیاں کرنے کی وجہ سے ملازمت چلی جاتی ہے۔ اچانک ہی فوزیہ کا کہیں رشتہ طے ہو جاتا ہے۔

انسپکٹر طارق دونوں فریقین کو سمجھا بجھا کر مصالحت پر آمادہ کرتے ہیں۔ ذکیہ بیگم کی خواہش ہے کہ عدیل 'مثال کو لے جائے' تاکہ وہ بشریٰ کی کہیں اور شادی کر سکیں۔ دوسری طرف نسیم بیگم بھی ایسا ہی سوچے بیٹھی ہیں۔ فوزیہ کی شادی کے بعد نسیم بیگم کو اپنی جلد بازی پر پچھتاوا ہونے لگتا ہے۔

انسپکٹر طارق ذکیہ بیگم سے بشریٰ کا رشتہ مانگتے ہیں۔ ذکیہ بیگم خوش ہو جاتی ہیں' مگر بشریٰ کو یہ بات پسند نہیں آتی۔ ایک پراسرار سی عورت عاصمہ کے گھر بطور کرائے دار رہنے لگتی ہے۔ وہ اپنی حرکتوں اور انداز سے جادو ٹونے والی عورت لگتی ہے۔ عاصمہ بہت مشکل سے اسے نکال پاتی ہے۔

بشریٰ کا سابقہ منگیتر احسن کمال ایک طویل عرصے بعد امریکا سے لوٹ آتا ہے۔ وہ گرین کارڈ کے لالچ میں بشریٰ سے منگنی توڑ کر نازیہ بھٹی سے شادی کر لیتا ہے' پھر شادی کے ناکام ہو جانے پر ایک بیٹے سیفی کے ساتھ دوبارہ اپنی چچی ذکیہ بیگم کے پاس آجاتا ہے اور دوبارہ بشریٰ سے شادی کا خواہش مند ہوتا ہے۔ بشریٰ تذبذب کا شکار ہو جاتی ہے۔

بشریٰ اور احسن کمال کی شادی کے بعد عدیل مستقل طور پر مثال کو اپنے ساتھ رکھنے کا دعوا کرتا ہے مگر بشریٰ قطعی نہیں مانتی' پھر احسن کمال کے مشورے پر دونوں بمشکل راضی ہو جاتے ہیں کہ مہینے کے ابتدائی پندرہ دنوں میں مثال بشریٰ کے پاس رہے گی اور بقیہ پندرہ دن عدیل کے پاس۔ گھر کے حالات اور نسیم بیگم کے اصرار پر بالآخر عدیل عفت سے شادی کر لیتا ہے۔ والدین کی شادی کے بعد مثال دونوں گھروں کے درمیان گھن چکر بن جاتی ہے۔ بشریٰ کے گھر میں سیفی اور احسن اس کے ساتھ کچھ اچھا برتاؤ نہیں کرتے اور عدیل کے گھر میں اس کی دوسری بیوی عفت۔ مثال کے لیے مزید زمین تنگ۔ بشریٰ

اور عدیل کے ننھے بچوں کی پیدائش کے بعد بڑھ جاتی ہے۔ مثال اپنا احتجاج کھو بیٹھتی ہے۔ احسن کمال اپنی فیملی کو لے کر ملائشیا چلا جاتا ہے اور مثال کو تاریخ سے پہلے عدیل کے گھر بھجوا دیتا ہے۔ دوسری طرف عدیل اپنی بیوی بچوں کے مجبور کرنے پر مثال کے آنے سے قبل اسلام آباد چلا جاتا ہے۔ مثال مشکل میں گھر جاتی ہے۔ پریشانی کی حالت میں اسے ایک نشئی تنگ کرنے لگتا ہے تو عاصمہ آکر اسے بچاتی ہے۔ پھر اپنے گھر لے جاتی ہے۔ جہاں سے مثال اپنے ماموں کو فون کرکے بلواتی ہے اور اس کے گھر چلی جاتی ہے۔

عاصمہ کے حالات بہتر ہو جاتے ہیں۔ وہ نسبتاً "پوش ایریا" میں گھر لے لیتی ہے۔ اس کا کوچنگ سینٹر خوب ترقی کر جاتا ہے۔ اسے مثال بہت اچھی لگتی ہے۔ مثال، واثق کی نظروں میں آچکی ہے تاہم دونوں ایک دوسرے سے واقف نہیں ہیں۔

عاصمہ کا بھائی ہاشم ایک طویل عرصے بعد پاکستان لوٹ آتا ہے اور آتے ہی عاصمہ کی بیٹیوں اریشہ اور اریبہ کو اپنے بیٹوں وقار، وقاص کے لیے مانگ لیتا ہے۔ عاصمہ اور واثق بہت خوش ہوتے ہیں۔

مثال کو نیند میں محسوس ہوتا ہے کہ کوئی اسے گھسیٹ رہا ہے۔

—۱۸—

اٹھارہویں قسط

بشریٰ گہری نیند سو رہی تھی۔

احسن کمال کے فون پر کوئی میسج آیا۔ ہلکی سی میسج ٹون پر بشریٰ نے کچھ ناگواری سے کروٹ بدلی تھی۔

بہت مہینوں سے اس کی نیند کم ہوتی جا رہی تھی۔ اور کروٹ بھی بدلتا تو فوراً" اس کی آنکھ کھل جاتی اور پھر بہت کوشش کے باوجود کافی دیر تک وہ سو نہیں پاتی تھی۔

تنگ آکر اس نے سلیپنگ پلز لینا شروع کردی تھیں مگر احسن کمال نے اسے ایسا کرنے سے سختی سے ٹوکا تھا۔

کچھ دنوں کی بے چینی کے بعد اس کی نیند کچھ بہتر ہو ہی چلی تھی مگر ابھی جو میسج ٹون سے آنکھ کھلی تھی۔ وہ مکمل طور پر جاگ چکی تھی۔

"مجھے احسن سے سیفی اور مثال کے بارے میں بات کرنی چاہیے۔ احسن نے کبھی مثال کو ناپسند تو نہیں کیا۔ بس اس کے انداز میں مثال کے لیے ایک سرد مہری سی ہے۔ جو کہ ایک نیچرل عمل ہے، وہ مثال کا سگا باپ تو ہے نہیں۔

ہاں اگر سیفی اور مثال کا رشتہ طے ہو جاتا ہے تو احسن خود بخود مثال کو پسند کرنے لگے گا جیسے آج کل سیفی۔۔۔"

اس کے ہونٹ خود بخود مسکرانے لگے۔

شام میں جب مثال لان میں اپنی کتاب لیے کوئی سوال رٹنے میں بری طرح سے مگن تھی تو سیفی کے لیے جوس لے کر آتی بشریٰ نے خود دیکھا تھا وہ کس محویت سے مثال کو دیکھنے میں مگن تھا۔

سیفی کی مثال کے لیے پسندیدگی بہت دنوں سے کم از کم بشریٰ سے ڈھکی چھپی نہیں تھی۔ وہ مثال پر بہت توجہ دے رہا تھا اور پہلے کی طرح بات بات پر اس سے الجھتا بھی نہیں تھا۔ مثال کچھ بات کرتی تو بہت متوجہ ہو کر اس کی طرف دیکھتا رہتا تھا۔ بلکہ آئمنہ نے بھی ایک دو بار طنزیہ کہہ دیا کہ "مما! لگتا ہے بھائی بہت شریف ہو گئے ہیں۔ اب وہ مثال آپی سے بالکل بھی دنگا فساد نہیں کرتے۔"

اور سچی بات تو یہی ہے کہ آئینہ کے یوں کہنے پہ ہی بشریٰ نے سیفی کے رویے کی تبدیلی کو محسوس کرنا شروع کیا تھا۔

"ہو سکتا ہے مثال بھی اس تبدیلی کو محسوس کر چکی ہو' وہ بھی تو اب سیفی سے جھگڑا نہیں کرتی۔"

"تو گویا معاملہ دو طرفہ ہے۔" وہ بے اختیار ہی مسکرانے لگی۔

"اگر ایسا ہے تو پھر احسن کمال کی مخالفت خواہ کتنی ہی زیادہ کیوں نہ ہو' زیادہ دیر جم نہیں سکے گی۔ یوں بھی وہ سیفی کی پسند کو رد کرنے کی ہمت نہیں رکھتا۔ ائی گاڈ۔ اگر ایسا ہو جائے تو میری مثال پھر ہمیشہ کے لیے میرے پاس میرے گھر میں رہ جائے گی۔"

ایک بہت ہی خوش کن' دل فزا احساس۔

وہ کہنیوں سے ٹیک لگا کر اب بیڈ کے کراؤن سے ٹیک لگا چکی تھی۔ احسن کمال گہری نیند میں تھا۔

"یہ بھی ہو سکتا ہے سیفی مثال کو اپنے ساتھ یو کے لے جانا چاہے۔ اگر ایسا ہو گیا تو یہ بھی برا نہیں۔ اچھا ہے' دونوں ایک دوسرے کے قریب رہیں گے۔ ایک دوسرے کے ساتھ بہت اچھا وقت گزاریں گے۔ اس گھر میں تو ہو سکتا ہے سیفی کی دلہن بنا دینے کے بعد بھی احسن میری مثال کو وہ مقام نہ دے سکے' جو وہ ڈیزرو کرتی ہے۔"

وہ اپنے خیالوں میں بہت دور نکل گئی تھی۔

"بہت سادہ' معصوم اور بے زبان سی ہے میری مثال' اللہ کو اس کی سادگی پہ رحم آیا ہے' جو اتنا اچھا رشتہ جیسے خود چل کر اس تک آیا ہے۔ اب میں عدیل کو بتاؤں گی کہ اصل میں مثال سے پیار کس کو ہے۔" اس نے زعم بھرے طنطنے سے سوچا۔

"اور اس عدیل کو تو کبھی بھی اپنی ذمہ داریاں ڈھنگ سے نبھانی نہیں آئیں۔ اس نے تو ابھی مثال کی شادی یا رشتے کی بات کے بارے میں سوچا بھی نہیں ہوگا۔ یہ تو صرف ماں ہوتی ہے' جو ایسی باتیں سوچتی ہے' جسے بیٹیوں کی فکر ہوتی ہے اور میں نے تو دیکھا ہے بلکہ اس بات کو برداشت کیا ہے کہ وہ اپنی نئی شادی اور بچوں میں مگن ہو کر مثال کو بالکل بھلا بیٹھا ہے۔ وہ جب بھی وہاں سے آتی ہے تو کیسی زرد اور اکھڑی سی ہوتی ہے' اسے عدیل کے گھر میں نہ توجہ ملتی نہ پوری خوراک۔

عدیل تو تھا ہی شروع سے ایسا۔ جب اس کا جھکاؤ ایک طرف ہوتا تھا تو دوسرے کو بالکل بھول جاتا تھا۔ اچھا ہے مثال کے رشتے کے لیے مجھے اس کی منتیں نہیں کرنا پڑیں گی۔

اور جب سیفی اور مثال کے رشتے کا اس کو پتا چلے گا تو اس کے منہ پر پڑے گی اور ــــ"

"کیا بات ہے' بشریٰ! کیا نیند نہیں آرہی۔ اس طرح کیوں بیٹھی ہو؟" احسن کمال نے کروٹ لیتے ہوئے اسے یوں بیٹھے دیکھا تو نیند میں بھاری آواز میں پوچھنے لگا۔

بشریٰ اس کی طرف دیکھ کر یوں کھل کر مسکرائی' جیسے رات کی نیند پوری کر چکی ہو اور وہ دونوں صبح دم کی سیر کے بعد واپس لوٹے ہوں اور کسی بہت دلچسپ موضوع پر کلفی دیر سے بات کر رہے ہو۔

"نہیں بس آنکھ کھل گئی تو پھر نیند نہیں آئی اور میں نے بھی سونے کی کوشش نہیں کی۔"

وہ خوش دلی سے مسکرا کر نظروں میں احسن کے لیے پیار سمو کر بولی۔

"سو جاؤ' سونے کی کوشش کرو۔" وہ اس کے انداز سے بے خبر لمبی سی جمائی لیتے ہوئے بولا۔

"کچھ دیر جاگ لو ناں میرے ساتھ۔ مجھے نیند نہیں آرہی۔" وہ پھر سونے جا رہا تھا۔ اس کے ارادے کو بھانپتے ہی وہ جلدی سے اس کا بازو پکڑ کر کچھ دلبری سے بولی۔

"یار۔ نیند آرہی ہے بہت۔ تمہیں پتا ہے پھر آفس کا بھی نکلنا ہے۔ صبح اٹھنا مشکل ہو جائے گا۔" بھاری بوجھل آواز میں کہہ کر وہ سستی سے اٹھتے ہوئے بولا۔
"ٹائم کیا ہو رہا ہے؟" وہ سائیڈ ٹیبل پر پڑا اسیل فون اٹھا کر ٹائم دیکھنے لگا۔
"ڈھائی بجے ہیں۔ اچھی بھلی نیند خراب کر دی ہے تم نے میری بھی اور اپنی بھی۔" وہ کچھ کوفت بھرے لہجے میں بولا۔
"مجھے تو خیر نیند آہی نہیں رہی تو خراب کیا ہو گی۔ تھوڑی دیر باتیں کر لیتے ہیں تو پھر نیند آنے لگے گی۔" وہ آخر میں کچھ معصومیت سے بولی۔
"بھلا اس وقت کوئی کیا بات کر سکتا ہے؟" وہ اسی بے زار لہجے میں کوفت سے بولا۔
"بہت سی ایسی باتیں جنہیں دن میں کرنے کا موقع ملتا ہے نہ ٹائم مصروفیت اور دوسرے کاموں کی وجہ سے۔" بشریٰ کچھ جتانے والے انداز میں اسے دیکھ کر بولی۔
وہ کچھ چونک سا گیا۔
"اچھا ایسی کون سی باتیں ہوتی ہیں جو رہ جاتی ہیں۔ میرا تو خیال ہے میں بزنس کے ساتھ تمہیں گھر اور بچوں کو بالکل پراپر ٹائم دے رہا ہوں۔" وہ سر کھجا کر ہمیشہ کی طرح ایک ذمہ دار رویے کو ظاہر کرتے ہوئے کچھ غرور سے بولا۔

"بچوں ہی کے بارے میں میں بھی سوچ رہی تھی۔" بشریٰ اسے کن اکھیوں سے دیکھ کر بولی۔
احسن کمال نے اسے کچھ حیرانی سے دیکھا۔

"میں سمجھا نہیں۔ بچوں کے بارے میں ایسی کون سی بات ہے، جو تم مجھے ری مائنڈ کروانا چاہتی ہو۔" وہ بشریٰ کے یوں جتانے والے انداز پر قدرے ناگواری سے بولا۔
"کچھ سیریس نہیں۔" بشریٰ اس کے ایسے انداز پر ہمیشہ ہی سے کچھ گھبرا جایا کرتی تھی۔
"بچے بڑے ہو گئے ہیں۔" وہ اسے دیکھ کر ذرا رک کر بولی۔
احسن کمال اسے عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگا۔
"یہ وہ بات ہے جو دن بھر میں کرنے سے رہ جاتی ہے تمہارے خیال میں یا جسے میں نظرانداز کر رہا ہوں۔" وہ کچھ کڑوے پن سے بولا۔
"نہیں بالکل نہیں۔ میں نے یہ نہیں کہا کہ تم نظرانداز کر رہے ہو۔ یونہی۔ ابھی نیند نہیں آرہی تھی تو مجھے خیال آیا کہ بچے بڑے ہو گئے ہیں۔ سیفی کی اسٹڈیز مکمل ہونے میں بس سال ڈیڑھ سال کا تو ٹائم رہ گیا ہے۔" وہ جلدی جلدی صفائی دینے والے انداز میں بولی۔
"ہوں وقت۔ تو واقعی کافی تیزی سے گزرا ہے۔" احسن کمال نے اس تمام وقفے میں پہلی بار کچھ سکون بھرے لہجے میں کہا۔
"ابھی سیفی بچہ تھا اور میری انگلی پکڑ کر اسکول میں ایڈمٹ ہونے جا رہا تھا اور مجھے تو وہ دن بھی بہت اچھی طرح سے یاد ہیں' جب اس نے کتنی جلدی تمہیں ماں کی جگہ قبول کر لیا تھا اور اس کے بعد ہمیشہ تمہیں اپنی سگی ماں ہی سمجھا بلکہ میں تو سمجھتا ہوں وہ مجھ سے زیادہ تم سے۔ قریب ہے۔ جو بات مجھ سے نہیں کرتا تم سے کر لیتا ہے۔"

وہ پہلی بار مسکرا کر بہت لگاوٹ سے بولا۔ بشریٰ نے دل میں اطمینان بھرا سانس لیا کہ اب اگر وہ مثال اور سیفی کے رشتے کی بات کرتی بھی ہے تو احسن اس کو کسی طرح کی بدنیتی خیال نہیں کرے گا۔

"ہوں۔۔۔ یہ تو ہے۔ میرے بہت قریب ہے وہ۔ بہت محبت بھی کرتا ہے بلکہ میں آج کل دیکھ رہی تھی وہ کسی میں دلچسپی بھی لے رہا ہے۔ اس کی ڈریسنگز ڈویلپ ہو رہی ہیں ایک بالکل نئے انداز میں۔" وہ بہت مسکراہٹ کے ساتھ بولی تھی۔

احسن کو بشریٰ کا انداز کچھ دھماکا خیز سا لگا تھا۔ وہ اسے کچھ حیرانی سے دیکھنے لگا۔

کون ہے وہ؟" وہ بہت آہستگی سے بولا جیسے اسے ڈر ہو کہ اس کی سماعتیں بہت غیر متوقع نام سنیں گی۔

اس کا انداز ذرا ڈرا سا تھا۔ بشریٰ یونہی مسکرانے لگی کہ دوسرے لمحے گھر میں ایک دل دوز چیخ گونجی۔

"یہ کون ہے؟ آئینہ کی آواز تھی۔ وہ ڈر گئی شاید۔" احسن بستر سے چھلانگ لگا کر اترا۔

"یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ تو مثال کی آواز ہے۔ اوپر سے آئی ہے۔ آئینہ تو ساتھ والے بیڈ روم میں ہے۔"

بشریٰ کی آواز کانپنے لگی تھی۔۔۔ جانے کیوں۔

وہ بے ربط قدموں سے گرتی پڑتی کمرے سے باہر نکل کر اندھیرے میں اوپر کی طرف بھاگی تھی۔

☼ ☼ ☼

جب وہ احسن کمال کے مثال کے بیڈ روم میں داخل ہونے کے ڈیڑھ منٹ بعد داخل ہوئی تو وہاں کا منظر دیکھ کر اسے لگا' وہ وہیں کھڑی کھڑی پتھر کی طرح آدھی زمین کے اندر گڑ گئی ہے۔

ایسا منظر تو اس نے کبھی خواب میں' خیال میں' کسی برے گمان' بدترین دھیان میں بھی نہیں سوچا تھا۔۔۔ نہ دیکھا تھا۔

مگر جو کچھ نظر آ رہا تھا' وہ آنکھ کا دھوکا تھا نہ سراب۔۔۔ نہ کوئی برا خواب۔ کبھی نہ بھلائی جانے والی ٹھوس حقیقت۔۔۔ کسی بھیانک خواب سے زیادہ خوفناک۔۔۔ مگر خواب سے بہت آگے کی چیز!

بشریٰ کا دل بند سا ہونے لگا تھا۔

اس کی مثال۔۔۔ اس کی زندگی۔۔۔ اس کا مان۔۔۔ اس کا سب کچھ' اس کی تمام عمر کی کمائی۔۔۔ جیسے اپنے بیڈ روم میں نہیں' سڑک کے کنارے فٹ پاتھ پہ بالکل بے آسرا پڑی تھی۔ بشریٰ کو لگا۔ وہ یہ منظر دیکھنے کے بعد اب بہت دن جی نہ پائے گی۔

مثال کا دوپٹا تو جانے کہاں تھا مگر اس کی سرخ شرٹ گریبان کے پاس سے نیچے تک ادھڑی ہوئی۔۔۔ نہیں بری طرح سے پھٹی ہوئی تھی۔

آستین کہنی سے یوں لٹک رہی تھی جیسے درزی اتنا ہی آستین کے ساتھ تو دھاگا ٹانکا لگانے کے بعد جوڑنا بھول گیا ہو۔

اس کے رخسار کے پاس سرخ کھرونچ تھی۔

اور آنکھوں میں اتنی بے بسی' بے کسی' ویرانی اور خالی پن جیسے وہ انیس بیس سال کی کوئی لڑکی نہ ہو' برسوں سے ویران پڑا اُجڑا اُجاڑ گھر ہو۔۔۔ کھنڈر بننے کو' ڈھے جانے کو بس گر جانے کو تیار!

"قسم۔۔۔ قسم لے لیں پاپا۔۔۔ اس لڑکی نے خود مجھے اپنے فون سے ابھی۔۔۔ کچھ دیر پہلے خود کال کر کے۔۔۔ اپنے روم میں خود۔۔۔ خود بلوایا۔ میں تو سو رہا تھا گہری نیند میں تھا۔۔۔ آپ تو جا۔۔۔ جانتے ہیں میں رات میں جلدی سوتا

ہوں۔۔۔ اس نے فون کیا مجھے۔ یہ مجھ سے کوئی بہت ضروری بات کرنا چاہتی ہے۔ بہانے سے۔ جھوٹ سے دھوکے سے۔ اس نے خود مجھے بلایا۔

میں نہیں سمجھا۔۔۔ سمجھ نہیں سکا کہ اس نے مجھے کیوں بلایا ہے۔ میں نیند سے اٹھ کر آگیا اور۔۔۔ اس نے۔۔۔ اس کی نیت بری تھی۔

یہ۔۔۔ اچھی لڑکی نہیں ہے۔۔۔ آپ تو جانتے ہیں پہلے بھی میں۔ میں نے بتایا تھا آپ کو۔۔۔ یہ مختلف لڑکوں کے ساتھ۔۔۔ پھرتی ہے میں نے خود دیکھا ہے اسے۔ سوری پاپا۔۔۔ سوری۔"

سیفی اپنے گریبان کے ٹوٹے بٹنوں کو اس بے ربط گفتگو کے دوران دزدیدہ نظروں سے تلاشتا رہا تھا۔

اس کی شرٹ کے گریبان کے اوپر کے تین بٹنوں میں سے ایک مثال کے تکیے پہ پڑا تھا۔ دوسرا کمبل کے اوپر اور تیسرا احسن کمال کے قدموں میں۔

"میں نے کچھ بھی نہیں کیا پاپا۔۔۔ میں تو آیا اس کے روم میں۔۔۔ یہاں اندھیرا تھا۔۔۔ اور پھر یہ خود مجھ سے

میں نے خود کو چھڑانے کی کوشش کی۔۔۔ تو یہ مجھ۔۔۔ مجھے بلیک میل کرنے لگی۔۔۔ مجھے کہنے لگی کہ میں اس سے شادی کرلوں۔۔۔ اور یہ۔۔۔ میں نے اسے پیچھے ہٹایا۔۔۔"

سخت سردی میں سیفی کے ماتھے پر پسینے کے قطرے تھے۔

احسن کمال بالکل خاموش تھا۔ اس کی آنکھوں میں غصہ اور طیش تھا مگر کس کے خلاف۔۔۔ بشریٰ اندازہ نہیں کرپائی۔

مثال آنکھیں بند کیے چہرہ جھکائے اب بالکل ساکت تھی۔ وہ رو بھی نہیں رہی تھی۔

معلوم نہیں وہ چیخی کیسے تھی۔۔۔ یا پھر سیفی ٹھیک کہہ رہا تھا۔ یہ سب کچھ مثال نے جان بوجھ کر۔

"نہیں۔۔۔ نہیں ایسا کبھی نہیں ہو سکتا اور مثال ایسا کرے گی۔ کبھی ممکن نہیں۔" بشریٰ وہیں ساکت کھڑی

آندھی کی طرح چلتے خدشوں کے طوفان کو جھٹلائے جا رہی تھی۔

"یہ۔۔۔ میں نے اس کی بات نہیں مانی۔۔۔ میں نے۔۔۔ میں اسے سمجھا رہا تھا۔ یہ ٹھیک نہیں ہے۔ سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر اس نے جب دیکھا۔۔۔ میں بالکل ایگری نہیں ہوں۔

ڈھونگ رچایا۔۔۔ اس نے زور زور سے خود ہی چیخنا شروع کر دیا اور خود اس نے اپنے کپڑے بھی۔۔۔ اس نے اپنا یہ حال خود سے کیا تو۔۔۔ میں بالکل بھی نہیں سمجھ سکا کہ یہ اس طرح مجھے ٹریپ کرنا چاہتی ہے سی از سو کننگ۔"

سیفی کا وضاحتیں دیتے دیتے اب سانس پھولنے لگا تھا۔

مثال نے بہت آہستگی کے ساتھ۔۔۔ کانپتے ہاتھوں سے۔۔۔ اپنے پاؤں کے پاس پڑا آدھا بیڈ سے لٹکا کمبل بمشکل کھینچ کر اپنی گردن تک خود کو اس میں چھپا لیا۔

"پاپا! آپ نہیں۔۔۔ مجھے تو غلط نہیں سمجھ رہے۔ جبکہ میں نے ایسا کچھ نہیں کیا۔۔۔ میں اس لڑکی کو پسند کرتا ہوں۔ یونو۔۔۔ مجھے یہ کبھی اچھی نہیں لگی۔"

وہ اب کے باپ کے بالکل سامنے دو قدم کے فاصلے پر کھڑا ہو گیا تھا۔ باپ کی مسلسل خاموشی نے اسے کچھ کنفیوز کر دیا تھا مگر پھر بھی وہ سنبھل سا گیا تھا۔

احسن کمال نے ذرا سی گردن ترچھی کر کے پیچھے مجسمہ کی طرح ساکت کھڑی بشریٰ کو دیکھا۔

وہ آہستگی سے ایک قدم آگے بڑھ کر مثال کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اس کی نظریں مثال کے جھکے چہرے پہ تھیں۔

"تمہیں۔۔۔ ایسا کرتے ہوئے ایک پل کو بھی خیال نہیں آیا کہ اس گھر کے تم پہ کیا کیا احسانات ہیں۔۔۔ بغیر کسی احسان جتائے میں نے ہمیشہ تمہیں اپنی سگی اولاد کے برابر کھڑا کیا۔ ہر وہ چیز لے کر دی جسے میں نے اپنے بچوں کے لیے پسند کیا ان کی ہر خوشی اور پسند میں تمہیں بھی شامل کیا۔ تمہاری ہر ضرورت کا خیال رکھا۔۔۔ اور تم نے یہ صلہ دیا ہمیں؟"

تمہیں شاید ہماری عزت اور احسان کا پاس نہیں تھا۔ تم نے اپنی ماں کی عزت کا بھی خیال نہیں کیا لڑکی!"

اور سارا معاملہ صاف ہو گیا۔

پھٹے گریبان اور مجروح حالت کے باوجود سارا جرم مثال کے سر تھوپ دیا گیا تھا۔۔۔ وہی غلط تھی اور خطاوار بھی!

بشریٰ پہ یہ دوسرا پہاڑ ٹوٹا۔ وہ تڑپ کر رہ گئی۔

پہلے خوفناک منظر نے اگر اسے پتھر کا کر دیا تھا تو احسن کمال کے اس الزام نے جیسے اسے ہلا کر رکھ دیا۔

"احسن! یہ تم کیا کہہ رہے ہو تم جانتے ہو۔۔۔ تمہیں نظر آ رہا ہے۔ مثال ایسا کیونکر کر سکتی ہے۔۔۔ وہ میری بیٹی ہے۔۔۔ وہ اس طرح کی گھٹیا حرکت کبھی نہیں کر سکتی۔۔۔ وہ۔۔۔ یہ اس ٹائپ کی لڑکی نہیں۔۔۔ میری مثال ایسا کبھی نہیں کر سکتی۔" وہ جیسے پھٹ پڑی۔

"اور یہ سیفی۔۔۔ میں جانتی ہوں اسے۔۔۔ یہ بہت دنوں سے مثال پہ بری نظر رکھے ہوئے تھا اور اب اپنے اس گھناؤنے جرم کو چھپانے کے لیے میری بیٹی پہ ایسا گھٹیا الزام لگا رہا ہے۔"

بہت دنوں، بہت سالوں بعد لیکا یکی بشریٰ کو محسوس ہوا تھا کہ اس کی مثال کو اس وقت جتنی اپنی ماں کی ضرورت ہے زندگی میں کبھی نہیں رہی ہو گی۔

اسے اپنی بانہوں میں، دل میں چھپا کر اس دنیا کی گندگی سے دور لے جانا چاہیے۔

وہ بے اختیار آگے بڑھی اور مثال کو اپنے سینے میں چھپا کر اپنے ساتھ بھینچنے لگی۔

مشال کا جسم ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔

"پوچھیں اس سے۔ اس نے یہ گھٹیا حرکت کرنے کی جرات کیسے کی۔ میری بیٹی کوئی لاوارث یا بے سہارا نہیں۔ یتیم نہیں یا راہ میں پڑا لاٹ کا کوئی مال نہیں جس پر اس نے ایسی بے خوفی سے ہاتھ ڈالا۔" وہ غصے میں بغیر سوچے سمجھے بولے چلے جا رہی تھی۔

"تمہیں بے یتیم تو اس کے بے شرم باپ سے کہواسے لے جائے۔ میں نے کیا اس لڑکی کی ذمہ داری کا ٹھیکہ اٹھا رکھا ہے عمر بھر کے لیے اور بشریٰ۔۔۔ تم۔۔۔ تمہیں ہوش ہے کہ تم کیا بکواس کر رہی ہو۔ کس پر اس دیدہ دلیری سے الزام رکھ رہی ہو؟ تمہاری بیٹی ایسی پاک باز اور باحیا ہے تو میرا بیٹا بھی ایسا نہیں۔ میں اس کے کردار کی قسم اٹھانے کو تیار ہوں۔ میرا خون ایسا گندہ اور گھٹیا نہیں ہو سکتا۔ یہ شر، یہ فساد صرف تمہاری بیٹی کا پھیلایا ہوا ہے۔ سیفی کو اس نے دھوکے سے کال کر کے اپنے کمرے میں رات کے اس پہر گندی نیت سے بلایا ہے۔"

احسن کمال بیٹے کو بچانے کی خاطر بشریٰ کو نیچا دکھانے کے خیال سے یا پھر مشال سے پیچھا چھڑانے کے اس سنہری موقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے سامنے نظر آتی ننگی سچائی سے یوں نظریں چرائے گا۔ لمحہ بھر کو بشریٰ ششدر سی رہ گئی۔

"تم۔۔۔ کہہ رہے ہو کہ۔۔۔ یہ سب کچھ مشال نے خود کیا ہے۔۔۔ اپنی عزت خود۔۔۔ نہیں احسن! تم ایسا سوچ بھی کیسے سکتے ہو۔ تم نے میری بیٹی کو اتنا ہلکا' اتنا گرا ہوا سمجھا ہے۔ یہ ایسا کبھی نہیں کر سکتی۔ یہ مر تو سکتی ہے مگر۔۔۔ ایسا۔۔۔ کبھی نہیں۔ میں نہیں مان سکتی۔" بشریٰ مشال کو اپنے ساتھ چمٹائے اب کے مضبوط اور بے لچک لہجے میں بول رہی تھی۔

"تم مجھے جھٹلاؤ گی۔۔۔ میں جھوٹ بول رہا ہوں۔ یہ میرے بیٹے نے کیا ہے؟ تم یہ کہہ رہی ہو۔" وہ جیسے غصے میں بے قابو ہو رہا تھا۔

سیفی کے چہرے پر اب اطمینان اور سکون تھا۔ اس نے اپنے کھلے گریبان کو بند کرنے کی کوشش بھی ترک کر دی تھی۔

وہ بشریٰ اور مشال کو بہت تمسخر بھری نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"پاپا! یہ بہت دنوں سے ایسا کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ مجھے اکسانے کی' میری توجہ حاصل کرنے کی۔" وہ جیسے جلتی پہ اور بھی تیل چھڑک کر مزے لینے کو بولا۔

"تم۔۔۔ تم ایسی گھٹیا سوچ رکھتے ہو سیفی! مجھے معلوم نہیں تھا۔ میں نے تمہیں اپنی سگی بیٹی سے بڑھ کر توجہ دی۔ پیار دیا تھا۔ بھول گئی کہ تم کسی دوسری پرائی عورت کے بیٹے ہو۔ اور تم نے یہ صلہ دیا مجھے۔ میری بے لوث محبت کا میری سگی۔۔۔ معصوم بیٹی پہ ہاتھ ڈالا۔ اسے رسوا کرتے ہوئے تم نے یہ کیوں نہیں سوچا۔ اصل میں تم نے میری عزت پہ ہاتھ ڈالا ہے۔ تم نے مجھے رسوا اور ذلیل کرنے کی کوشش کی ہے۔ مجھے تم سے ایسی امید نہیں تھی۔"

بشریٰ کی آواز غم' صدمے اور غصے سے پھٹ رہی تھی۔ اسے لگ رہا تھا جیسے اس کی دنیا ہی ختم ہو گئی ہو۔۔۔ اس کی اتنے سالوں کی ریاضت' محنت سب ان چند لمحوں میں برباد ہو کر رہ گئی ہو۔

آئینہ جانے کب ان سب کے پیچھے آہستگی سے آ کر کھڑی ہو گئی تھی اور منظر کے سیاق و سباق۔ کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

"تم نے کوئی احسان نہیں کیا اگر میرے بیٹے کو پیار اور توجہ دی' ورنہ تم جیسی طلاق یافتہ ایک بچی کی ماں کو کیا مجھ جیسا صاحب حیثیت شخص ایسی فراخدلی سے کبھی اپناتا۔۔۔ تمہیں اپنے عالیشان گھر میں کسی ملکہ کی طرح عیش و

کے نام سے رکھا جبکہ تم اس قابل نہیں تھیں۔"
وہ احسن کمال ایک بالکل بدلا ہوا اجنبی شخص بشریٰ کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ بہت سالوں پہلے جس نے منگنی کے بعد مغرور رویہ اپنایا تھا۔ بالکل وہی احسن کمال۔
بشریٰ بے یقینی سی پھٹی پھٹی آنکھیں لیے اسے دیکھتی جارہی تھی۔
"میں۔۔۔ یہ میں تھا جس نے تمہاری اس بے آسرا بیٹی کو 'جس کا سگا باپ بھی اسے چند روز سے زیادہ برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں تھا۔ میں نے اپنے گھر میں پناہ دی۔ اس کی ہر ضرورت' ہر خواہش پوری کی اور بدلے میں آج تم میرے سامنے کھڑے ہو کر میرے بیٹے کو پروان چڑھانے کا احسان جتلا رہی ہو۔" وہ غصے میں جیسے دیوانہ ہو چکا تھا۔
لمحہ بھر کو بشریٰ کو لگا اس گھر میں وہ اور مثال اجنبی ہیں اور ان کی حیثیت اس گھر کے ملازموں کے برابر یا شاید ان سے بھی بدتر ہے۔ اور گھر کے مالک ان پر برس رہے ہیں۔ وہ سہم کر رہ گئی۔
بہت سالوں پہلے والا منظر جزئیات کے ساتھ اس کی نظروں کے سامنے آگیا۔
جب ایک پہلے ہوتے اپنے سگے خون کی خاطر اسے اور اس کی بیٹی کو دھتکار دیا تھا۔ انہیں زمانے کی ٹھوکروں میں ڈال دیا تھا۔
اور ابھی چند لمحوں بعد پھر وہی منظر دہرایا جائے گا۔ وہ ابھی ذرا دیر میں اس غصیلے جذباتی احسن کمال کی نفرت کے ہاتھوں اپنے اس دوسرے گھر سے بھی بے دخل کر دی جائے گی۔
لیکن اس وقت میں اور اس میں بہت۔۔۔ بہت فرق ہے' تب مثال چند سال کی کمسن بچی تھی۔
اور بشریٰ کے پیچھے اس کی مضبوط ماں اور بھائی کا سہارا موجود تھا اور آج۔۔۔ تو پیچھے کچھ بھی نہیں تھا۔ اگر وہ یہاں سے نکال دی جاتی تو اس بھرپور جوانی اور قیامت خیز حسن کی مالک بیٹی کو زمانے کی گندی نظروں سے چھپا کر کہاں لے جائے گی۔۔۔ وہ چلا رہا تھا۔
"تمہاری بیٹی اور تم۔۔۔ اصل میں تو ان سب آسائشوں کی حق دار تھیں ہی نہیں اور غلطی سراسر میری ہے ایک پرائے مرد کی اولاد کو اس گھر میں جگہ دینے دی اور آج میرے ہی بیٹے کو مجرم ٹھہرایا جارہا ہے۔۔۔"
تو احسن کمال فیصلہ کر چکا تھا۔۔۔ وہ شاکڈ سی تھی۔
کون مجرم ہے اور کون بے قصور!
"تو ٹھیک ہے۔ اگر یہ سب کچھ کیا دھرا میرے بیٹے کا ہے تو بشریٰ بیگم! تم اپنی اس پاکباز بیٹی کو اپنے ساتھ لو اور اس کے باپ کے گھر یا جہاں تمہیں جگہ ملے چلی جاؤ۔ کیونکہ میں تو ایسے احسان فراموش لوگوں کو اپنے گھر میں ایک لمحے کے لیے بھی برداشت نہیں کر سکتا۔ جو عمر بھر پیٹھے چاٹنے کے بعد مجھ ہی پہ ایسا الزام لگائیں۔۔۔ چلو سیفی بیٹا! ہمیں اب اور کوئی بات نہیں کرنی۔" کہہ کر اس نے یوں سیفی کو بازو سے تھام کر ساتھ لگا کر باہر کا رخ کیا جیسے بشریٰ اور مثال نے اس کے ساتھ بہت برا کر ڈالا ہو۔
"پاپا! کیا ہوا ہے؟" آئینہ کوشش کے باوجود پورے معاملے کو مکمل طور پر سمجھ نہیں سکی تھی۔
کچھ سہمے ہوئے انداز میں باپ کے اجنبی تیور دیکھتے ہوئے آہستگی سے پوچھنے لگی۔
"کچھ نہیں جان۔ تم چلو اپنے روم میں' چل کر آرام کرو۔ ہم صبح بات کریں گے۔" وہ اس پیار اور استحقاق سے اسے دوسرے پہلو میں ساتھ لگائے لے جانے لگا۔
آئینہ نے پیچھے مڑ کر الجھی نظروں سے ماں اور مثال کو دیکھا۔ مثال سے اسے کوئی انسیت تھی نہ لگاؤ اور اب وہ جو اس برے حال میں نظر آرہی تھی تو بھی آئینہ کو اس سے کچھ خاص ہمدردی محسوس نہیں ہوئی تھی۔

مگر اس کا باپ جس طرح اس کی ماں سے چیخ چیخ کر بات کر رہا تھا وہ سب اسے بالکل بھی اچھا نہیں لگا تھا۔

"پاپا۔۔۔ ماما نے کچھ غلط کیا ہے کیا؟ آپ دونوں میں جھگڑا کیوں ہوا ہے اور سیفی بھائی کی شرٹ کیسے پھٹ گئی؟" تین بنیادی سوال۔۔۔ جن کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں تھی احسن کمال میں۔۔۔ اسی لیے تو وہ بے بشریٰ لئے کے لیے بشریٰ کو خوفزدہ کرنے کے لیے چیخ چیخ کر بات کرتا رہا تھا۔

"کچھ نہیں جان۔۔۔ تم بلاوجہ پریشان نہیں ہو۔ جا کر اچھی نیند لو اپنے روم میں۔۔۔ صبح ہو گی تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ اوکے۔" وہ اسے ساتھ لگائے باہر نکل گیا۔

کمرے میں گمبھیر خاموشی تھی۔ منال تو اس سارے ڈرامے کے دوران ایک لفظ بھی نہیں بولی تھی۔ بشریٰ احسن کمال کے رویے پہ پھر سے پتھر کی بن کر رہ گئی تھی۔

✿ ✿ ✿

"پاپا! کیا حرج ہے پلیز! مان جائیں ناں!" پری نے۔۔۔ عدیل کے گلے میں بانہیں ڈالتے ہوئے لاڈ سے بولی۔ عدیل کے چہرے پہ گہری سنجیدگی تھی۔

عفت نے کچھ ناگواری سے شوہر کی طرف دیکھا۔ لاکھ محبت و اپنائیت کے باوجود بھی کبھی عفت کو لگتا جیسے عدیل بیچ میں کہیں صدیوں کے فاصلے پہ جا کھڑا ہوتا ہے کہ وہ خود بھی چاہتے ہوئے اس تک پہنچ نہیں پاتی۔

"پری ضد کر رہی ہے۔ اس کا دل ہے تو آپ مان جائیں ناں۔" لاڈلی بیٹی کے منہ بسورنے پر عفت کے دل کو کچھ ہوا تو رہ نہ سکی۔

"عفت! میں اس بار منال کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہتا۔ پچھلی بار بھی۔۔۔" وہ بولتے ہوئے ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔

"چار پانچ سال ہو گئے اس پچھلی بار کو بھی جسے آپ بھلائے نہیں بھول رہے۔ جب ہمارے اچانک پنڈی جانے کی وجہ سے اسے اپنی نانی کے گھر جا کر چند دن رہنا پڑ گیا تھا۔۔۔ سگی نانی تھیں اس کی۔ کوئی غیر نہیں تھیں وہ۔۔۔ اگر منال چلی بھی گئی تھی تو اب تو۔۔۔" عفت سخت کوفت بھرے لہجے میں بولتی گئی۔

"اور اب تو اس کی نانی بھی زندہ نہیں۔۔۔ یوں بھی مجھے ایک ہفتے کی چھٹی نہیں مل سکتی آفس سے۔ میں کیسے لے کر جا سکتا ہوں تم لوگوں کو ناردرن ایریاز۔" پتا نہیں کچھ دنوں سے ہی عجب تھکا تھکا سا رہنے لگا تھا۔ عدیل کو کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ دل اچاٹ سا تھا۔

نسیم بیگم کا دو سال پہلے انتقال ہو گیا تھا۔ اس کے بعد سے عدیل کچھ ایسے ہی اکھڑا اکھڑا رہنے لگا تھا۔ عفت کو کم از کم ایسا ہی لگتا۔

"پہلی بیوی کے ساتھ تو میں نے سنا ہے آپ کو تین چھٹیاں بھی ملتی تھیں تو آپ انہیں سیر کے لیے لے جاتے تھے۔ پری نے تو پہلی بار ضد کی ہے۔ میری صابر بچی نے چھٹیاں ہمیشہ گھر میں گزاری ہیں۔ کبھی ضد نہیں کی۔۔۔ اس بار۔۔۔ پری! رہنے دو۔ کوئی ضرورت نہیں پاپا کی منتیں کرنے کی۔ ایک ڈیڑھ ماہ کی چھٹیاں ہیں تمہاری۔ کوئی شارٹ کورس کر لو۔ گزر جائیں گی مصروفیت میں۔" عفت کو سخت برا لگا تھا عدیل کا یوں پری کو چھٹیوں میں گھمانے کے لیے لے جانے سے منع کرنا۔

عدیل بیوی کو دیکھ کر رہ گیا۔

وہ تو گئے زمانوں کی بھولی بسری بات تھی جب عدیل اور بشریٰ کی چھٹیاں اکثر سیر سپاٹے میں گزرتی تھیں۔ نسیم اور فوزیہ کی سخت مخالفت کے باوجود!

اور آج اتنے سارے سالوں بعد جوان ہوتی بیٹی کے سامنے عفت نے یہ کیسا طعنہ مارا تھا۔

طعنہ ناقابل برداشت تھا یا اس بیاد کی چوٹ۔ عدیل نے تڑپ کر عفت کی طرف دیکھا اور کچھ کہے بغیر تیزی سے وہاں سے اٹھ کر چلا گیا۔
پری شے نے برا سا منہ بنا کر باپ کو جاتے دیکھا۔
"کیا ضرورت تھی آپ کو یہ سب کہنے کی بیا کا موڈ آف ہو گیا حالانکہ وہ ان جاتے ہیں وہ ایک بار اور کہتی تو۔"
وہ آف موڈ کے ساتھ بولی۔
"تو جاؤ جا کر پاؤں پکڑ لو اپنے باپ کے اگر لے کر جاتا ہے تو۔" عفت غصے میں کہہ کر اٹھ کر چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

مثال دیوار کی طرف کروٹ لیے دیوار کو یک ٹک دیکھتے ہوئے بے آواز آنسوؤں کے ساتھ روئے جا رہی تھی۔
رات کا کریہہ منظر بار بار اس کے دل کو سہمائے جا رہا تھا۔
سیفی کسی عفریت کی طرح جس طرح اندھیرے میں اس پر جھپٹا تھا' وہ شاید تباہ ہی ہو جاتی۔ اگر وہ پوری قوت لگا کر اس کی مزاحمت کو روکتے ہوئے زور سے چیخی نہیں تو!
لیکن جو کچھ احسن کمال نے کہا۔ وہ سیفی کی حرکت سے بھی زیادہ تکلیف دہ تھا۔
ان کے جانے کے بعد وہ بشریٰ کے سینے میں منہ چھپا کر پھوٹ پھوٹ کر روئی تھی اور بہت دیر تک روتے رہنا چاہتی تھی مگر اسے لگا۔ بشریٰ پتھر کی بنے ہے جیسے سرد برفوں میں ڈھل گئی ہے۔ اس کا جسم سرد ہو گیا تھا۔
اس نے ذرا بھی مثال کو اپنی ساتھ نہیں لگایا تھا نہ اس کا سر تھپکا تھا۔ نہ اسے کوئی تسلی دی تھی نہ کوئی دلاسا۔ نہ کوئی پیار بھری ہمدردی کا کوئی بول۔
وہ کچھ بھی تو نہیں بولی تھی۔ بالکل خاموش' ساکت اور بے حس تھی۔ جس طرح وہ احسن کے سامنے بولی تھی۔ وہ ساری ہمدردی کہیں سو گئی تھی۔ مثال بہت دیر تک ہچکیوں سے روتی رہی پھر بشریٰ کی خاموشی پر وہ خود ہی کچھ دیر میں خاموش ہو گئی۔
اس نے آہستگی سے خود کو بشریٰ سے الگ کیا۔ بشریٰ بالکل بے دھیان سی گم صم بیٹھی تھی۔ کمرے میں گمبھیر چپ تھی۔ مثال کی سسکیاں بھی خاموش ہو چکی تھیں۔
صرف سرما کی رات کے آخری پہر کی گمبھیر چپ میں ٹک ٹک کر کے گزرتی گھڑی کی سوئیوں کی چاپ تھی۔
بے آواز قدموں کے ساتھ دھیرے دھیرے گزرتا وقت جیسے بہت کچھ اپنے ساتھ بہا کر لے جا رہا تھا۔
سوائے بشریٰ کی بے چارگی' بے بسی اور ذلت کے اسباب! اسباب وہی تھے' صرف ذلت دینے والا شخص بدلا تھا۔
عدیل کی جگہ احسن کمال!
ورنہ اب بھی اس کی حیثیت اتنے سالوں کی گھر ہستی کے بعد وہی تھی۔ صرف تین بولوں سے اس کے وجود کی عمارت کھڑی تھی۔ تین بولوں کا جھٹکا۔۔۔ اور اس کا وجود دھڑ دھڑاتا اپنے ہی قدموں پر گر جاتا۔
"ماما! میں نے سیفی کو کال نہیں کی تھی۔۔۔ آپ چاہیں تو میرا فون چیک کر لیں۔۔۔ میں تو گہری نیند سو رہی تھی اور میں تو کمرا لاک کر کے سوتی ہوں۔ کمرا لاک تھا۔
مجھے نہیں معلوم اس نے لاک کیسے کھولا اور اندھیرے میں ماما۔۔۔ میں بہت ڈر گئی تھی۔۔۔ اور میں سیفی کو کیوں بلاؤں گی ماما۔۔۔ آپ جانتی ہیں نا میں ایسا نہیں ہے۔۔۔ میں نے کچھ نہیں کیا۔"
مثال کو ماں کی خاموشی کسی بڑے طوفان کا پیش خیمہ لگ رہی تھی۔ وہ رک رک کر صفائی پیش کرنے والے

انداز میں بولی۔ بشریٰ نے اس سارے کے دوران پہلی بار بہت کٹیلی نظروں سے اسے دیکھا۔
"تم یہ ساری بکواس اس شخص کے سامنے نہیں کر سکتی تھیں' جو بیٹی کی پارسائی میں زمین آسمان کے قلابے ملا رہا تھا۔ اس وقت تو گونگی بنی بیٹھی تھیں۔ منہ میں گھنگنیاں ڈالے بالکل خاموش تھیں تم۔۔۔ صرف مجھے نیچا دکھانا تھا۔ مجھے جھوٹا بنوانا تھا۔ تمہاری چپ۔۔۔ تمہاری خاموشی کی وجہ سے وہ دونوں شیر ہو گئے۔ اس وقت تو تم یوں سر جھکائے بیٹھی تھیں جیسے واقعی تم نے اس خبیث کو اپنے کمرے میں بلایا ہو۔" وہ جیسے ڈپٹ کر بولی۔
"ماما!" مشال کے سر پر جیسے کوئی بھاری پتھر آکر گرا ہو۔ وہ تکلیف سے بلبلا اٹھی تھی۔
احسن کمال کے لفظوں کے تازیانے نرم پڑنے لگے تھے بشریٰ کے طعنے کے آگے۔ وہ بس آنکھیں پھاڑے ماں کو دیکھتی رہ گئی۔
"ایک بار پھر۔۔۔ ایک بار پھر جانے میرے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ پتا نہیں۔ میں نے کسی کا کیا بگاڑا ہے کہ ہزار کوششوں اور اتنی قربانیوں کے بعد بھی ہر بار ذلت کے اس گڑھے میں مجھے ہی کیوں دھکا دیا جاتا ہے۔"
بشریٰ خود اذیتی سے منہ میں بڑبڑاتے ہوئے بول رہی تھی۔ مشال نا سمجھی سے ماں کی طرف دیکھتی جا رہی تھی۔
"اب میرے ساتھ کون ہے۔۔۔ نہ کوئی گھر نہ کوئی آسرا۔ اگر یہ احسن کمال۔۔۔ جانتی ہوں میں اس کو کتنا بے دید اور بے لحاظ شخص ہے۔ ابھی تین بول کے اور مجھے اپنے گھر سے چلتا کر دے تو میں کہاں جاؤں گی۔ تمہیں ساتھ لے کر۔ کون پناہ دے گا مجھے۔۔۔ اور یہ منحوس دن بھی مجھے تمہارے باپ کی وجہ سے دیکھنا پڑ رہا ہے' جس نے تمہیں اور مجھے اس حال تک پہنچایا۔ اللہ کرے ساری زندگی وہ خوشیوں کا منہ دیکھنے کو ترسے جس کی وجہ سے میں نے ہمیشہ دکھ جھیلے۔"
بہت پرانے زخموں پہ جما کھرنڈ کسی نے زور سے کھرچا تھا۔ بشریٰ کے منہ سے تکلیف کے ساتھ کوسنے اور بددعائیں نکل رہی تھیں۔
مشال پھٹی پھٹی آنکھوں سے صرف ماں کو دیکھے جا رہی تھی۔
اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ بشریٰ اس کے ساتھ ہونے والے سانحے پر رنجیدہ ہے یا احسن کمال کی دھمکی نے اسے سخت خوف زدہ کر دیا ہے کہ اسے اپنا اور مشال کا بندوبست کہیں اور کرنا پڑے گا۔
"پتا نہیں کیا ہو گا۔ بالکل الٹی کھوپڑی کا آدمی ہے یہ۔۔۔ اور تمہیں چاہیے تھا۔ کمرے کا لاک لگانے کے علاوہ یہ چٹخنی بھی تو ہے اس دروازے کی۔ اسے بند کر کے نہیں سو سکتی تھیں تم۔۔۔ جوان ہو' سمجھ دار ہو۔ ان معاملات کی نزاکت کو سمجھ سکتی ہو کہ تمہیں اپنی حفاظت اب خود کرنی ہے۔ اپنا خیال رکھنا ہے۔۔۔ لیکن نہیں! سارے عذاب سارے مصیبتیں تو خدا نے میری قسمت میں لکھ رکھی ہیں۔" وہ سخت پریشان تھی۔ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا بولے جا رہی ہے۔
"اٹھو اور چینج کرو۔ اپنا حلیہ ٹھیک کرو اور کمرے کا دروازہ اور کنڈی دونوں اچھی طرح لاک کرو۔ میں آتی ہوں کچھ دیر میں۔" وہ پریشان سی کمرے سے باہر نکل گئی۔ مشال ساکت سی بیٹھی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

سب کچھ اتنی جلدی جلدی اور اچانک ہو رہا تھا کہ عاصمہ اور واثق کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ سب کیسے ہو گا۔
اگرچہ ہاشم اور اس کی بیوی نے سختی سے منع کیا تھا کہ انہیں جہیز کے نام پہ کچھ بھی نہیں چاہیے۔
یوں بھی دس بارہ دن کے اندر جہیز کے نام پہ کوئی تیاری تو ہو بھی نہیں سکتی تھی لیکن عاصمہ کو لگ رہا تھا۔

بیٹیوں کے لیے ماؤں کا دیا ہوا جہیز تھوڑا ہو یا زیادہ بہت قیمتی اور انمول ہوتا ہے۔
ہاشم کے علاوہ اریبہ اور اریشہ بھی ماں کو منع کررہی تھیں مگر وہ پھر بھی۔ دن میں کم از کم بازار کے دو چکر تو ضروری لگاتی تھی۔
دونوں بیٹیوں کے لیے بہت نایاب اور قیمتی مگر استعمال ہونے والی چیزیں بہت دل سے خریدی تھیں۔
تھوڑے سے کپڑے، تھوڑی سی جیولری، تھوڑے سے مگر بہت منتخب کردہ برتن، جوتے اور کچھ دوسرا ضرورت کا سامان، اس نے تھوڑا تھوڑا کرکے ان دس بارہ دنوں میں اکٹھا کرہی لیا تھا۔
واثق ماں کے خیال سے واقف بھی تھا اور متفق بھی!
وہ بھی یہی چاہتا تھا اس کی دونوں بہنیں بہت بھر کر نہ سہی مگر حسب توفیق اپنے حصے کا کچھ نہ کچھ سامان لے کر جائیں۔
"مما! بس کریں نا آپ، تھک جائیں گی جو کام باقی رہ گئے ہیں میں اور اریشہ کرلیں گے۔ آپ ہم پر بھی بھروسا کریں ہم بھی یہ سب کچھ کرسکتے ہیں۔"
عاصمہ دونوں کے کپڑے پیک کررہی تھی، جب اریبہ نے محبت سے ماں کے ہاتھ تھام کر انہیں چومتے ہوئے کہا۔
"میری جان! بھروسا مجھے تم دونوں پہ خود سے زیادہ ہے کہ تم دونوں کبھی بھی زندگی کے کسی موڑ پر میری تربیت پہ حرف نہیں آنے دوگی۔ زندگی کے کٹھن مراحل اللہ نہ کرے تمہاری زندگی میں کبھی بھی آئیں لیکن تم ان سے مجھ سے زیادہ بہتر طریقے سے نبرد آزما ہوسکتی ہو، لیکن ابھی یہ کام میرا ہے اسے مجھے ہی کرنے دو۔"
وہ بیٹی کو ساتھ لگا کر بیٹھے لہجے میں بولی۔
"تم دونوں کے چھوٹے چھوٹے کام جس طرح آج تک مجھے اپنے ہاتھ سے کرنے پہ جو خوشی ملتی تھی، یہ سکون میرے ساتھ آخری سانسوں تک رہے گا کہ میں نے اپنی بیٹیوں کے سارے کام خود کیے ہیں۔ تم اس بات کو نہیں سمجھو گی، جب تک خود ماں نہیں ہوگی۔" وہ اس کی ناک کھینچ کر اسے پرے ہٹاتے ہوئے بولی۔
"مما... کیا ہے بس کریں نا۔ مجھے آپ سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ چھوڑیں یہ سب اور میرے ساتھ باتیں کریں۔" وہ ڈھیر سے ساری چیزیں ایک طرف ہٹا کر ماں کو ساتھ لپٹاتے ہوئے بولی۔
عاصمہ کچھ سخت بولتے ہوئے رک گئی۔
اس نے ہاتھ سے سب پرے ہٹادیا اور دیوار کے ساتھ ٹیک لگا کر اریبہ کا سر اپنی گود میں رکھ کر سکون بھرے انداز میں بیٹھ گئی۔
"ہاں اب بولو۔ کیا باتیں کرنی ہیں تم نے مجھ سے؟" وہ اس کے بال سہلاتے ہوئے پیار سے بولی۔
"مما... اگر پاپا ہوتے تو کیا وہ بھی اسی طرح ہم دونوں کی شادی ایک ساتھ طے کردیتے۔" وہ آہستگی سے بولی۔
"اریبہ! تم خوش نہیں ہو بیٹا؟" وہ چونک کر بولی۔
"آپ کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہتی بس۔" وہ اس کی گود میں منہ چھپا کر سسکی، عاصمہ افسردگی سے بیٹی کو دیکھ کر رہ گئی۔
اس درد کو تو وہ خود اتنے دنوں سے دل میں چھپائے پھر رہی تھی کہ خوشی کے ان لمحوں میں یہ سسکی لبوں تک آکر خدانخواستہ کوئی بدشگونی نہ ہوجائے۔
وہ اریبہ کو ہولے ہولے تھپکتے ہوئے کچھ سوچنے لگی۔

☆ ☆ ☆

"یہ کیا کہہ رہے ہو احسن تم؟" بشریٰ احسن کی بات پر دم بخود سی رہ گئی۔ احسن کے چہرے پہ وہی اجنبیت اور بیگانگی تھی' جو گزری رات کے آخری پہر میں بشریٰ نے اس کے چہرے پر دیکھ کر بہت دور تک بہت کچھ سوچ لیا تھا۔

"اس کے علاوہ تمہارے پاس اور کوئی راستہ نہیں ہے۔ میرا بیٹا سخت ہرٹ ہوا ہے تمہاری اور تمہاری بیٹی کی اس گھٹیا حرکت سے۔ وہ دو ماہ کے لیے گھر آیا تھا اور اب وہ کل واپس جا رہا ہے صرف تم دونوں ماں بیٹی کی وجہ سے۔"

وہ سخت طعن باز عورت کی طرح حقارت سے بول رہا تھا۔

اور بشریٰ سے تو کچھ بولا ہی نہیں جا رہا تھا۔

"کان کھول کر سن لو بشریٰ! یہ گھر میرے بعد میں پہلے یہ سب کچھ سیفی کا ہے۔ میرا ایک ہی بیٹا ہے اور مجھے اپنی ہر چیز سے پیارا ہے۔ میرے بعد میری ہر چیز کا وارث ہے وہ۔ اس کو ناراض کرنے کا مطلب تم سمجھ سکتی ہو۔" وہ مت جتا دینے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔

"وہ یہاں سے ناراض ہو کر جا رہا ہے اور وہ اتنی بری طرح سے ڈسٹرب ہے کہ اس نے مجھے صاف لفظوں میں کہہ دیا ہے کہ وہ اب شاید ہی کبھی واپس آئے گا۔ مت پوچھو اس وقت سے میرے دل کا کیا حال ہے۔ میرا سیفی اتنے مہینوں بعد گھر آیا اور اب یوں ناراض ہو کر جا رہا ہے۔ اس بات سے میں سخت پریشان ہوں۔" وہ بے کل سے لہجے میں ادھر ادھر ٹہلتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"تم اور تمہاری بیٹی اس سے معذرت کرو۔ اسے روکنے کی کوشش کرو اور جب تک سیفی یہاں ہے اور جب بھی وہ یہاں آیا کرے گا۔ تمہاری بیٹی یہاں نہیں رہے گی۔ وہ اپنے باپ کے گھر جا کر رہا کرے گی۔ میں اسے یہاں سے نکال نہیں رہا مگر وہ تب ہی اس گھر میں رہ سکتی ہے جب وہ سیفی سے ایکسکیوز کرے گی اور اس کی موجودگی میں یہاں نہیں رہے گی۔" وہ بے لچک لہجے میں کہتا ہوا ایک غیر اجنبی مرد لگ رہا تھا جسے بشریٰ آج سے پہلے بالکل بھی نہیں جانتی تھی۔

"احسن! یہ ایک بالکل ناحق بات ہے۔ مشال کا اس میں بالکل قصور نہیں ہے اور۔" بشریٰ نے تھوک نگل کر کہنا شروع کیا۔

"تم ابھی بھی اپنی بیٹی کی فیور کرو گی جبکہ میرا بیٹا۔ میرا اکلوتا بیٹا ناراض ہو کر گھر چھوڑ کر جا رہا ہے۔ میرے ہاتھوں سے نکلا جا رہا ہے اور تم ابھی بھی اس پرائے آدمی کی بیٹی کی فیور میں مری جا رہی ہو۔ اتنی محبت تھی اس سے اس کی اولاد سے تو کیوں چھوڑ آئیں اس کے پاؤں پکڑ لیتے تھے اس کی زندگی میں دوبارہ شامل ہونے کے لیے طلالہ کر لیتا تھا۔ جو تم سے بن پڑتا کر لیتیں اگر اتنی الفت تھی تمہیں اس کے خون سے۔" وہ جاہلوں کی طرح حلق کے بل چیخا تھا۔

بشریٰ ششدر سی رہ گئی۔

"بس۔ تمہیں صاف لفظوں میں بتا چکا ہوں۔ اگر تم نے اس گھر میں رہنا ہے تو تمہیں سیفی سے معافی مانگنا ہوگی۔ اسے جانے سے روکنا ہوگا ورنہ اپنی بیٹی کو لے کر یہاں سے نکل جاؤ۔ تمہیں کوئی نہیں روکے گا اور یہ تمہارے لیے کوئی نئی بات نہیں ہوگی بشریٰ بیگم! عادی ہو تم اور تمہاری بیٹی گھر بدلنے کی۔" وہ چلاتا ہوا کہہ رہا تھا۔

بشریٰ کے لیے ایک ایک کر کے وہ سارے راستے بند کرتا چلا جا رہا تھا۔

"اگر وہ سیفی سے معافی بھی مانگ لیتی ہے اسے یہاں سے جانے سے روک بھی لیتی ہے۔ مشال کو عدیل کے گھر بھی چھوڑ آتی ہے تو کیا وہ اس احسن کمال جیسے خود غرض' بے حس شخص کے ساتھ باقی کی زندگی پہلے کی طرح گزار سکے گی؟ جس کی نظروں میں اس کی وقعت دو کوڑی کی بھی نہیں۔" بشریٰ نے کھڑے کھڑے حساب کتاب

کیا تو جیسے اسے خود ہی سے گھن آنے لگی۔
وہ اگر اس کے بعد یہاں رکی بھی تو خود سے نظریں ملانے کے قابل نہیں رہے گی۔
اسے خود پہ بے تحاشا ترس آنے لگا۔
اور سیفی کے اتنے دن یہاں رہنے تک وہ مشل کو کہاں چھوڑ کر آئے اور اتنے انسلٹنگ طریقے سے کہ سیفی کے آنے پر اسے یہاں سے جانا پڑے۔
اور کچھ یہ باہر کھڑی مشل بھی سوچ رہی تھی۔
اس نے جو کچھ دن پہلے بشریٰ اور احسن کمال کے گھر پہ نہ ہونے پر جاب کرنے کا سوچا تھا' اسے اپنا فیصلہ بالکل درست لگ رہا تھا مگر ابھی اسے بشریٰ کے فیصلے کا انتظار کرنا تھا۔ وہ آہستگی سے واپس مڑ گئی۔
بشریٰ تو وہیں نڈھال سی صوفے پر بیٹھ گئی۔ احسن کمال اسے حکم سنا کر جا چکا تھا۔
اور وہ بہت کچھ سوچتے ہوئے بھی کچھ سوچ نہیں پا رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

دونوں دلہنیں بڑی کسی اور دیس کی شہزادیاں لگ رہی تھیں۔
عاصمہ تو انہیں نظر بھر کر نہیں دیکھ رہی تھی۔
دیکھتی بھی کیسے' ایک عمر کا خواب تھا۔ لگتا تھا اسے تعبیر بننے میں اس کی ایک اور عمر کام آجائے گی مگر اللہ یوں بھی معجزے دکھاتا ہے۔ وہ بار بار خود کو باور کرا رہی تھی۔
اریبہ اور ارشہ کی شادی یوں اتنی جلدی' اتنی آسانی سے اور اتنی اچھی جگہ ہو جانا' اس کے نزدیک اس صدی کے بہت بڑے معجزے سے کم نہیں تھا۔
گزری رات میں دونوں کو مہندی لگانے کے بعد جب ایک خوشگوار رت جگے کے بعد گھر بھر کے مہمان اور اس کے بچے پلکوں پہ اتنی نیند کے جھولے میں ذرا کی ذرا ہنڈولے لینے لگے تو عاصمہ کی آنکھ پل بھر کو بھی نہیں لگی تھی۔
وہ تو بس گزرے سالوں کی سیاہ راتوں اور تاریک دنوں کو شمار کرتی رہی اور روتی رہی۔ وہ شیطان صفت زبیر جس نے اس کا اور اس کے یتیم بچوں کا سرمایہ حیات ہی نہیں چھینا تھا' اس کے عزت کی چادر بھی تار تار کی تھی۔ اس کی زندگی کا وہ سیاہ ترین پہلو جس سے وہ خود بھی عمر بھر آنکھ چراتی آئی تھی۔
اور اکثر وہ اریبہ کے اچانک کچھ پوچھنے پہ ڈر سی جاتی' کہیں اریبہ کو وہ اندھیری رات یاد تو نہیں آگئی۔ کہیں وہ اس کے بارے میں تو سوال پوچھنے نہیں جا رہی۔
اریبہ کی سوچی آواز پر اس کا دل پل بھر کو تھم کر رہ جاتا تھا پر صد شکر کہ اس کا ذہن بچپن کی اس تاریک شام کو بھلا چکا تھا۔
اور پھر اس کے بعد ایک کے بعد ایک تکلیف دینے والا مرحلہ۔ جب وہ بچوں کی گزر اوقات کے لیے کیسے نوکری کی خاطر دھکے کھاتی پھرتی تھی۔ یوں حالات کے ہاتھوں روندی ہوئی ٹھوکریں کھا رہی تھی کہ کوئی بھی زندگی سے درست ملنے کی نشاندہی کرتا' وہ اس کے پیچھے چل پڑتی۔
رب نے وہ سارے سیاہ دن اور کالی راتیں کیسے کلٹ دیں کہ پتا بھی نہیں چلا۔ اس کا وعدہ یقیناً" سچا ہے کہ میں تمہارے بیچ کے دنوں کو یوں مٹا دوں گا' جیسے وہ کبھی آئے ہی نہیں تھے۔
وہ آنکھوں میں امڈتے آنسوؤں کو پونچھ رہی تھی' جب واثق آہستگی سے اس کے قدموں کے پاس آکر بیٹھ گیا۔

"کیا یہ بہتر نہیں تھا امی! کہ آپ گئے دنوں کو یاد کرکے یوں رونے کے بجائے ایسے خوش بخت لمحوں کا شکر ادا کرتیں کہ اللہ نے کس طرح بن مانگے ہماری جھولی میں اتنی ساری خوشیاں بھر دی ہیں؟" وہ انگلیوں کی نرم پوروں سے ماں کی آنکھیں صاف کرتے ہوئے بولا۔

"بے شک اس نے مجھے... ہمیں ہماری بساط 'ہماری اوقات سے بہت زیادہ دیا ہے کہ شکرانے کے لیے میں پورا وجود بھی آنسوؤں میں بہا دوں تو کم ہے۔ واثق...! یہ شکر کے آنسو ہیں 'جو میری آنکھوں سے روکنے کے باوجود رک نہیں رہے تو سوچا اس اکیلے کونے میں بیٹھ کر اس کو یاد بھی کرلوں اور اس کا شکر بھی ادا کرلوں۔"

وہ بیٹے کو ساتھ لگا کر آنکھیں صاف کرتی کبھی ہنستی کبھی روتی واثق کو بہت معصوم کسی بچی کی طرح سادہ اور بے ریا لگیں۔ وہ ماں کے ہاتھ چوم کر انہیں آنکھوں پر رکھ کر یونہی پُرسکون ہو کر لیٹ گیا۔

☼ ☼ ☼

سیفی نے اس کے ہاتھ ایک بار نہیں کئی بار جھٹک کر حقارت سے پرے کیے۔

وہ بار بار اس کے سوٹ کیس سے کپڑے نکال کر اسے جانے سے منع کرتے ہوئے 'کچھ محبت بھری دھونس جما کر کچھ محبت جتاتے ہوئے روکتی اور وہ بہت طنزیہ 'حقارت بھری نظروں سے اسے دیکھ کر پھر سے سوٹ کیس بھرنے لگتا۔

بشریٰ نے اپنی عمر کے کسی حصے میں خود کو اتنا ہلکا 'اتنا کمتر اور ذلیل محسوس نہیں کیا تھا جتنا وہ اس لمحے محسوس کر رہی تھی کہ اس شخص نے جس نے اس کی کم سن بیٹی کی زندگی تباہ کرنے کی کوشش کی تھی 'اسے اس کی منتیں اور خوشامدیں کرکے روکنا پڑ رہا تھا۔

وہ ہنس رہی تھی مگر اندر سے رو رہی تھی۔ اس کے لہجے میں ٹوٹے ہوئے کانچ کی کرچیاں تھیں۔

"میری جان! کیا اپنی مما سے خفا ہو کر جاؤ گے تو جاؤ پھر مما کو چین کیسے ملے گا' جانتے تو ہو تمہاری ماما کو کتنے مہینوں سے تمہارا انتظار تھا۔ اب یوں چلے جاؤ گے تو میرا دل کتنا برا ہو گا۔ اب بس کرو ناں ناراضی۔" وہ تھک کر' نڈھال سی ہو کر اس کے پاس ہی بیٹھ گئی۔

"آپ نے تو ایک بار بھی اپنی لاڈلی کو اس حرکت پر نہیں جھڑکا' جو اس نے میرے ساتھ کی... آپ۔" وہ کدورت بھرے لہجے میں بولا۔

"سیفی اس بات کو... اب ختم کرو... میں بہت تھک گئی ہوں۔ مجھے لگتا ہے میری سانسیں گھٹ رہی ہیں۔ میں... میں نے یہ سب کبھی بھی نہیں سوچا تھا۔"

اس کا بھرا ہوا دل بہت ضبط' بہت برداشت کے باوجود بھی آنکھوں سے جیسے چھلک پڑا۔

"تو آپ کو اس بات پر یقین نہیں کہ آپ کی بیٹی نے کچھ غلط کیا ہے؟" وہ ضدی باپ کا ضدی بیٹا اسی کمینگی اور ہٹ دھرمی سے اپنی ضد پر جما کھڑا تھا۔

بشریٰ کو منہ کے بل گرا دیکھنے کے شوق میں اس نشتر کو ہاتھ میں لیے بار بار اس کے زخموں کو ادھیڑے جا رہا تھا۔

بشریٰ کی آنکھوں میں مرچیں سی لگ رہی تھیں۔

اس نے اپنے یخ سرد ہاتھوں میں سیفی کا ہاتھ ذرا سا لیا اور حلق میں پھنسے گولے کو پرے دھکیلا۔

"وہ یہاں نہیں رہے گی۔ چلی جائے گی۔ اب اس کو بھول جاؤ تم۔"

وہ کہہ کر جیسے ضبط کھو کر تیزی سے باہر نکل گئی۔ سیفی کے ہونٹوں پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔

☼ ☼ ☼

عدیل ناشتا کرنے کے بعد یونہی ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھا تھا۔ ایک طرف پڑا اخبار بھی وہ کافی تفصیل سے۔ پڑھ چکا تھا۔ دوبار گرم چائے منگوا کر پی چکا تھا۔ عفت اس کے یوں بیٹھے رہنے پر کچھ حیران تھی۔

مگر اس سے خفگی کی وجہ سے کچھ پوچھ نہیں رہی تھی۔ پریشے بھی عدیل سے خفا تھی کہ اس نے چھٹیوں پر کہیں بھی لے جانے کی اس کی ضد پوری نہیں کی تھی۔

"پتا نہیں آج مشال کو دیر کیوں ہو گئی' ورنہ اس وقت تک تو وہ آجایا کرتی تھی اور آج جانے کیوں دل عجیب سا ہو رہا ہے کہ ایک بار ایک نظر اسے دیکھ کر آفس جاؤں۔" وہ خود سے باتیں کر رہا تھا۔

آج سولہ تاریخ تھی اور مشال کو ادھر آنا تھا۔ تین چار دن سے عدیل کا دھیان مشال کی طرف لگا تھا۔ اس نے ایک بار نمبر بھی ملایا پھر رک گیا۔ کہیں مشال اس کے یوں فون کرنے پر فوراً" آنے کا نہ کہہ دے اور گھر میں عفت بہانے بہانے سے دس باتیں سنائے۔

وہ چار دن بعد اس نے آتو جانا ہے۔ وہ یہی سوچ کر رک گیا تھا۔ اور اب جانے کیوں بے چینی سی ہو رہی تھی۔

"آج آفس جانے کا پروگرام نہیں؟" عفت روم سے نکل تو پاس سے گزرتے ہوئے سرسری مگر طنزیہ لہجے میں کہہ گئی۔

"ہوں۔۔۔ کسی نے آنا تھا ملنے کے لیے' اسی کا انتظار کر رہا ہوں۔۔۔ پری اٹھی نہیں ابھی سو کر۔"

"نہیں۔۔۔ یوں بھی اس نے دن بھر کرنا کیا ہوتا ہے۔ اٹھ بھی جائے تو ٹی وی دیکھتی ہے یا نیٹ پر بیٹھی رہتی ہے۔" وہ جلے بھنے لہجے میں بولی۔

"میں نے چھٹی کے لیے اپلائی کیا ہوا ہے۔ اس سے کہو تیاری کرے اگلے ہفتے ہم جائیں گے۔" کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔

"واقعی جائیں گے۔۔۔ کاغان لے کر جائیں گے نا۔ پری کو بہت شوق ہو رہا ہے۔ اس کی ساری فرینڈز تو ملک سے باہر جاتی ہیں چھٹیاں گزارنے کوئی ملائیشیا' کوئی بنکاک' کوئی سنگاپور۔ رمشا تو لندن گئی ہے اپنے ماموں کے پاس یہاں ہماری بچی نے صرف اپنے ملک میں ہی گھومنے کی تو فرمائش کی ہے۔۔۔ چلیں اچھا ہے خوش ہو جائے گی پری اور روحائی کو بہت خوشی ہوگی۔"

عدیل اس کی پوری بات سننے سے پہلے ہی کمرے سے باہر جا چکا تھا۔ عفت نے مڑ کر خالی کمرے کو دیکھا اور کوفت سے بڑبڑاتے ہوئی باہر نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

مشال سیل فون ہاتھ میں لے کر کسی گہری سوچ میں گم بیٹھی اسے دیکھتی جا رہی تھی۔

"میں پاپا کو کال کر کے کہتی ہوں وہ مجھے آکر لے جائیں۔ یوں بھی آج سولہ تاریخ تو ہے۔۔۔ وہ مجھے انکار تو نہیں کریں گے۔ پتا نہیں ماما کیا سوچ رہی ہیں۔ وہ میرے پاس بھی نہیں آتیں۔ تین دن سے میں کمرے میں بند ہوں۔۔۔ میں تین راتوں سے سوئی نہیں اور ماما صرف میرا کھانا کمرے میں بھیج کر ہر فرض سے آزاد ہو جاتی ہیں۔ انہیں ایک بار بھی میرا خیال نہیں آیا کہ وہ مجھ سے پوچھیں آکر کہ میں کس حال میں ہوں۔" اس کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔

"یہ میری وہ ماما ہیں' جو پاپا کے گھر میں صرف میری خاطر دادو سے پھپھو سے لڑ پڑتی تھیں اور آج۔۔۔ اس سیفی نے۔۔۔ ممانے اسے کچھ بھی نہیں کہا ہوگا۔۔۔ ماما کو یہ لوگ مجھ سے زیادہ پیارے ہیں۔ کوئی بھی تو ان تین دنوں میں میرے پاس نہیں آیا۔ میں کہاں جاؤں۔ اگر خود پاپا کے پاس چلی جاؤں۔ انہوں نے وجہ پوچھی اور میں نے بتا

دیا۔ نہیں نہیں پھر عفت ماما کہیں گی میں خراب ہوں۔ میں نے اس لڑکے کو ایسا کرنے کے لیے کہا ہو گا۔

وہ تو پہلے ہی مجھے ہر وقت سب کے سامنے برا کہتی ہیں۔ کوئی بھی تو مجھے نہیں سمجھتا۔ کسی کو بھی مجھ سے پیار نہیں۔ کسی کو میری ضرورت نہیں۔ وہ رونا نہیں چاہتی تھی۔ زور سے آنکھیں رگڑ کر اس نے دوسری طرف دیکھنا شروع کر دیا۔

"تم یہاں کیوں بیٹھی ہو میں نے تمہیں کہا تھا نا کہ اب جتنے دن ادھر ہو تم نے کمرے سے باہر نہیں نکلنا۔" بشریٰ عجلت بھرے انداز میں آئی تھی اسے کمرے کے باہر سیڑھیوں پہ بیٹھے دیکھ کر خفا لہجے میں بولی۔

"آجاؤ جلدی سے۔ تم نے ناشتا بھی نہیں کیا۔ اس طرح سب کچھ پڑا رہے گا چائے تو ٹھنڈی بھی ہو گئی۔ کیوں تنگ کر رہی ہو تم مجھے مثال لیتا۔" وہ عجیب جھنجلائے ہوئے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ جس میں نہ فکر تھی نہ پریشانی صرف کوفت بیزاری اور جھلاہٹ۔ مثال دروازے کے فریم میں جڑی ماں کو حسرت بھری نظروں سے دیکھتی رہ گئی۔

"اور مصیبتیں کم ہیں میری زندگی میں کہ تم بھی مجھے پریشان رکھنے کی ٹھان لو۔ کم سے کم ناشتا تو کر لو تاں اور یہ ڈرائیور منحوس خدا جانے کہاں مر گیا ہے۔ میں نے اسے کہا بھی تھا کہ آدھے گھنٹے کے اندر آجائے پھر اسے مثال کو چھوڑنے جانا ہے۔ تو اب ناشتا بعد میں کر لینا پہلے میرے ساتھ اپنا سامان پیک کرا لو۔"

وہ خود ہی بولتی تیزی سے اس کی الماری کے اوپر خانوں سے بے سوکھی کپڑوں کے تھیلے اور شاپرز بھی کھینچ کر نیچے اتارنے لگی۔ مثال پریشان سی ماں کو دیکھتی رہی۔

☼ ☼ ☼

"شکر ہے خدا کا مما! وہ نک چڑھی مثال آپی ہمارے ساتھ نہیں جا رہیں۔ عجب گو تمیز وہ جیسا مزاج ہے ان کا۔ نہ کچھ منہ سے بولتی ہیں نہ کسی بات میں حصہ لیتی ہیں۔ وہ ساتھ ہوں تو عجیب الجھن ہونے لگتی ہے مجھے۔"

پری تو ماں کی زبانی باپ کی رضامندی جان کر ہی اچھل پڑی تھی۔

"ہاں تو وہ کوئی ہماری فیملی کا حصہ ہے جو ہمارے ساتھ جائے گی۔ اس کی ماں ہے نا۔ وہ رکھے اسے اپنے پاس اتنی دولت اتنا پیسہ۔ چاہے تو بیٹی کو دبئی لندن امریکہ کہیں بھی سیر سپاٹے کے لیے بھجوا سکتی ہے۔ اس کے لیے یہ ناردرن ایریا کیا چیز ہیں۔ مثال تھی اپنی ماں اور سوتیلے باپ کے ساتھ سیر سپاٹے کرتی رہتی ہے۔ ایک تمہارا باپ ہے سارے زمانے کا کنجوس پیسے کو دانتوں سے کھینچ کر خرچ کرنے والا۔ یہ تو میری ہمت ہے جو اس کی اتنی کم تنخواہ میں اس خوش اسلوبی سے گھر چلا رہی ہوں۔ لوگ دن بدن ترقی کرتے ہیں۔ ان کی آمدنی بڑھتی ہے۔ تمہارے باپ کا الٹا حساب ہے ہر مہینے پیسے گھٹا کر ہی مجھے دیتا ہے۔ پوچھ لو تو لڑائی۔"

عفت بانو اناپ شناپ بولے جا رہی تھی۔ کئی مہینوں سے عدیل اسے پہلے کی نسبت کم پیسے دینے لگا تھا۔ بہت بار وہ لڑائی بھی کر چکی تھی مگر وہ جواب میں خاموش ہی رہتا۔

"اف مما! یا نے یہ تو پوچھنا تھا جانا کب ہے۔ ظاہر ہے پیکنگ میں بھی تو ٹائم لگے گا۔"

پری خود کو مختلف زاویوں سے آئینے میں دیکھتے ہوئے ماں کی باتیں ان سنی کرتے ہوئے بولی۔ اسے آج کل یوں بھی ہمہ وقت خود کو دیکھنے اور دیکھتے رہنے کی عادت ہو چلی تھی۔ اس میں شک نہیں تھا اس کی اٹھان غضب کی تھی اس کا چاند سا دمکتا چہرہ اس کی صراحی دار گردن پر سجا عجیب شان سے دوسروں کو اپنی طرف متوجہ کرتا تھا۔

پندرہ سولہ سال کی عمر میں ہی اسے اپنی اس بے تحاشا خوب صورتی کا بہت شدت سے احساس ہونے لگا تھا۔ مثال کمزور صحت اور عام سی رنگت پھیکے نقوش اور نارمل قد کے ساتھ اس کے سامنے کچھ دب سی جاتی۔

اکثر تو اسے مشال سے بڑی سمجھنے لگتے تھے۔ اس کا قد اور جسم دونوں ہی بہت نمایاں ہونے والے تھے۔

"میں سوچ رہی ہوں ماما! میں اپنا ہیئر اسٹائل چینج کروالوں۔ پرم کروالوں۔" وہ آگے پیچھے سے خود کو دیکھتی اپنے بالوں پہ تنقیدی نظر ڈالتے ہوئے بولی۔

باہر گاڑی کا مخصوص ہارن بجنے اور گاڑی کے دروازے کھلنے بند ہونے کی آواز نے یک لخت دونوں کو ٹھٹکا دیا۔

عفت کچھ بولتے بولتے رک سی گئی۔

پری نے پریشان نظروں سے ماں کی طرف دیکھا جو خود بھی ہراساں تھی۔

"یہ چڑیل کہاں سے آگئی ماما۔ کیا پاپا نے اسے آنے سے منع نہیں کیا تھا۔ کیا یہ اب ہمارے ساتھ جائے گی۔ نیور۔" پری کا غصہ تیزی سے ابلا تھا۔

"آج سولہ تاریخ ہے نا!" عفت کچھ بے بسی سے کھوئے کھوئے لہجے میں بولتی مڑی اور سامنے کھڑی مشال کو دیکھ کر کچھ بول ہی نہ سکی۔

☆ ☆ ☆

"پتا نہیں کیا الجھن ہے۔ کیا پریشانی ہے۔ کہیں بھی جی نہیں لگ رہا۔" عدیل نے کوفت سے فائل ایک طرف ہٹادی۔

اس کے آفس کے حالات بھی آج کل اچھے نہیں چل رہے تھے۔ اگرچہ وہ اس کمپنی کا پرانا ملازم تھا مگر کمپنی دن بدن خسارے میں جارہی تھی۔ کمپنی کے مالکان سنجیدگی سے ڈاؤن سائزنگ کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ عدیل کی جاب کو خطرہ تو بظاہر کوئی نہیں تھا لیکن اس کی چھٹی حس مسلسل اسے الارم کررہی تھی کہ خدانخواستہ ایسا کچھ ہو بھی سکتا ہے۔ وہ احتیاطاً لازم کے طور پر ابھی سے کچھ مہینوں کی سیلری تو مہے سے زیادہ بچارہا تھا جس کی وجہ سے اسے ہر مہینہ عفت کی بک بک سننا پڑ رہی تھی۔

اس نے بچت سے ایک پلاٹ لے رکھا تھا۔ بینک میں بھی تینوں بچوں کے نام۔ کچھ نہ کچھ جمع کررکھا تھا مگر وہ ایک پریکٹیکل شخص تھا۔ جانتا تھا مہنگائی کا عفریت اس کی ان تمام احتیاطی تدابیر کو با آسانی نگل سکتا ہے۔

وہ آج کل سنجیدگی سے کسی اچھی جگہ اپنا کچھ پیسہ انویسٹ کرنے کے لیے سوچ رہا تھا مگر ابھی تک اسے خاطر خواہ کامیابی نہیں ہوئی تھی۔

"مجھے اب مشال کی شادی کے بارے میں سوچنا چاہیے۔ وہ بڑی ہوگئی ہے رشتہ ڈھونڈنے میں بھی کچھ وقت لگے گا۔ پھر پری تو ابھی سے اتنی بڑی لگنے لگی ہے۔ دانیال کو پڑھنے کے لیے باہر بھیجوں گا اور۔۔۔" اس کی سوچ کسی ایک نقطے پہ مرکوز نہیں ہو پارہی تھی۔

وہ ایسی عجیب باتیں سوچے جارہا تھا جن کو وہ سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔ جیسے ابھی وہ دانیال کی پڑھائی کو سوچتے ہوئے کچھ اور سوچنے لگا۔

"مجھے ایسا کیوں لگتا ہے کہ مشال کے ساتھ میں نے اور بشریٰ نے بہت زیادتی کی ہے۔ اسے وہ سب کچھ نہیں ملا جس کی وہ حق دار تھی۔"

وہ پیشانی مسلنے لگا۔ دوسرے لمحے آفس کا دروازہ کھلا اور عدیل آنے والے کو دیکھ کر ششدر رہ گیا۔

(باقی آئندہ شمارے میں ان شاء اللہ)

رخسانہ نگار عدنان

ایک تھی مثال

عدیل اور فوزیہ نسیم بیگم کے بچے ہیں۔ بشریٰ ان کی بہو ہے اور ذکیہ بیگم کی بیٹی ہے۔ عمران بشریٰ کا بھائی ہے۔ مثال، ذکیہ بیگم کی نواسی اور نسیم بیگم کی پوتی ہے۔ بشریٰ اور نسیم بیگم میں روایتی ساس بہو کا تعلق ہے۔ نسیم بیگم مصلحتاً "بیٹا بہو" سے لگاوٹ دکھاتی ہیں۔ دوسری طرف ذکیہ بیگم کا کہنا ہے۔ ان کی بیٹی بشریٰ کو سسرال میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ پانچ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد بشریٰ کی نند فوزیہ کا بالآخر ایک جگہ رشتہ طے پاجاتا ہے۔ نکاح والے روز بشریٰ دولہا ظہیر کو دیکھ کر چونک جاتی ہے۔

عدیل سے شادی سے قبل ظہیر کا بشریٰ کے لیے بھی رشتہ آیا تھا مگر بات نہ بن سکی تھی۔ نکاح والے دن فوزیہ کی ساس زاہدہ اور ذکیہ بیگم بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔ بشریٰ اپنی ماں سے یہ بات چھپانے کے لیے کہتی ہے مگر عدیل کو پتا چل جاتا ہے۔ وہ ناراض ہوتا ہے مگر فوزیہ اور نسیم بیگم کو بتانے سے منع کر دیتا ہے۔ بشریٰ اور عدیل ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جاتے ہیں۔ وہاں انہیں پتا چلتا ہے کہ بشریٰ کے ہاں سات سال بعد پھر خوش خبری ہے۔

عفان اور عاصمہ اپنے تین بچوں اور والد کے ساتھ کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔ عفان کے والد فاروق صاحب سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ گریجویٹی اور گاؤں کی زمین فروخت کر کے وہ اپنا گھر خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ڈیڑھ کروڑ میں زمین کا سودا کر کے وہ عفان کے ساتھ خوشی خوشی شہر آ رہے ہوتے ہیں کہ ڈکیتی کی واردات میں قتل ہو جاتے ہیں۔

عفان کے قریبی دوست زبیر کی مدد سے عاصمہ عفان کے آفس سے تین لاکھ روپے اور فاروق صاحب کی گریجویٹی سے سات لاکھ روپے وصول کرپاتی ہے۔ زبیر گھر خریدنے میں بھی عاصمہ کی مدد کر رہا ہے۔

اسلام آباد سے واپسی پر عدیل دونوں مقتولین کو دیکھتا ہے۔ زاہدہ، نسیم بیگم سے بیس لاکھ روپے سے مشروط فوزیہ کی

رخصتی کی بات کرتی ہیں۔وہ سب پریشان ہوجاتے ہیں۔عدیل 'بشریٰ سے ذکیہ بیگم سے تین لاکھ روپے لانے کو کہتا ہے۔

حمیدہ خالہ 'عاصمہ کو سمجھاتی ہیں کہ عدت میں زبیر کا اکیلے اس کے گھر آنا مناسب نہیں ہے۔لوگ باتیں بنا رہے ہیں جبکہ عاصمہ کی مجبوری ہے کہ گھر میں کوئی مرد نہیں۔اس کا بیٹا ابھی چھوٹا ہے اور سارے کام اس نے خود کرنے ہیں۔وہ جلد از جلد اپنا گھر خریدنا چاہتی ہے۔عاصمہ کے کہنے پر زبیر کسی مفتی سے فتویٰ لے کر آجاتا ہے کہ دوران عدت انتہائی ضرورت کے پیش نظر گھر سے نکل سکتی ہے بشرطیکہ مغرب سے پہلے واپس گھر آجائے 'سو وہ عاصمہ کو مکان دکھانے لے جاتا ہے۔اور موقع سے فائدہ اٹھا کر اسے اپنی ہوس کا نشانہ بناتا ہے اور وہیں چھوڑ کر فرار ہوجاتا ہے۔

رقم مہیا نہ ہونے کی صورت میں فوزیہ کو طلاق ہوجاتی ہے۔ نسیم بیگم جذباتی ہوکر سوا اور اس کے گھر والوں کو مورد الزام ٹھہرانے لگتی ہیں۔اسی بات پر عدیل اور بشریٰ کے درمیان خوب جھگڑا ہوتا ہے۔عدیل طیش میں بشریٰ کو دھکا دیتا ہے۔اس کا ابارشن ہوجاتا ہے۔عدیل شرمندہ ہوکر معافی مانگتا ہے مگر وہ ہنوز ناراض رہتی ہے اور اسپتال سے اپنی ماں کے گھر چلی جاتی ہے۔

اسی اسپتال میں عدیل عاصمہ کو دیکھتا ہے جسے بے ہوشی کی حالت میں لایا گیا ہوتا ہے۔عاصمہ اپنے حالات سے تنگ آکر خودکشی کی کوشش کرتی ہے تاہم بچ جاتی ہے۔ نوسال بعد عاصمہ کا بھائی ہاشم پریشان ہوکر پاکستان آجاتا ہے۔عاصمہ کے سارے معاملات دیکھتے ہوئے ہاشم کو پتا چلتا ہے کہ زبیر نے ہر جگہ فراڈ کرکے اس کے سارے راستے بند کردیے ہیں اور اب مفرور ہے۔بہت کوششوں کے بعد ہاشم 'عاصمہ کو ایک مکان دلاپاتا ہے۔

بشریٰ اپنی واپسی الگ گھر سے مشروط کردیتی ہے۔دوسری صورت میں وہ علیحدگی کے لیے تیار ہے۔عدیل سخت پریشان ہے۔عدیل مکان کا اوپر والا پورشن بشریٰ کے لیے سیٹ کروادیتا ہے اور کچھ دنوں بعد بشریٰ کو مجبور کرتا ہے کہ وہ فوزیہ کے لیے عمران کا رشتہ لائے۔ نسیم بیگم اور عمران کسی طور نہیں مانتے۔عدیل اپنی بات نہ مانے جانے پر بشریٰ سے جھگڑتا ہے۔ بشریٰ بھی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتی ہے۔عدیل طیش میں بشریٰ کو طلاق دے دیتا ہے اور مثال کو چھین لیتا ہے۔مثال بیمار پڑجاتی ہے۔بشریٰ بھی حواس کھودیتی ہے۔ عمران بہن کی حالت دیکھ کر مثال کو عدیل سے چھین کرلے آتا ہے۔عدیل عمران پر اغوا کا پرچا کٹوادیتا ہے۔

عاصمہ اسکول میں ملازمت کرلیتی ہے مگر گھریلو مسائل کی وجہ سے آئے دن چھٹیاں کرنے کی وجہ سے ملازمت چلی جاتی ہے۔اچانک ہی فوزیہ کا کہیں رشتہ طے ہوجاتا ہے۔

انسپکٹر طارق دونوں فریقین کو سمجھا بجھا کر مصالحت پر آمادہ کرتے ہیں۔ذکیہ بیگم کی خواہش ہے کہ عدیل 'مثال کو لے جائے 'تاکہ وہ بشریٰ کی کہیں اور شادی کرسکیں۔دوسری طرف نسیم بیگم بھی ایسا ہی سوچے بیٹھی ہیں۔فوزیہ کی شادی کے بعد نسیم بیگم کو اپنی جلد بازی پر پچھتاوا ہونے لگتا ہے۔

انسپکٹر طارق 'ذکیہ بیگم سے بشریٰ کا رشتہ مانگتے ہیں۔ذکیہ بیگم خوش ہوجاتی ہیں 'مگر بشریٰ کو یہ بات پسند نہیں آتی۔ایک پراسراری عورت عاصمہ کے گھر بطور کرائے دار رہنے لگتی ہے۔وہ اپنی حرکتوں اور انداز سے جادو ٹونے والی عورت لگتی ہے۔عاصمہ بہت مشکل سے اسے نکال پاتی ہے۔

بشریٰ کا سابقہ منگیتر احسن کمال ایک طویل عرصے بعد امریکا سے لوٹ آتا ہے۔وہ گرین کارڈ کے لالچ میں بشریٰ سے منگنی توڑ کر نازیہ بھٹی سے شادی کرلیتا ہے 'پھر شادی کے ناکام ہوجانے پر ایک بیٹے سیفی کے ساتھ دوبارہ اپنی چچی ذکیہ بیگم کے پاس آجاتا ہے اور دوبارہ بشریٰ سے شادی کا خواہش مند ہوتا ہے۔بشریٰ تذبذب کا شکار ہوجاتی ہے۔

بشریٰ اور احسن کمال کی شادی کے بعد عدیل مستقل طور پر مثال کو اپنے ساتھ رکھنے کا دعوا کرتا ہے مگر بشریٰ قطعی نہیں مانتی 'پھر احسن کمال کے مشورے پر دونوں بمشکل راضی ہوجاتے ہیں کہ مہینے کے ابتدائی پندرہ دنوں میں مثال 'بشریٰ کے پاس رہے گی اور بقیہ پندرہ دن عدیل کے پاس۔گھر کے حالات اور نسیم بیگم کے اصرار پر بالآخر عدیل عفت سے شادی کرلیتا ہے۔والدین کی شادی کے بعد مثال دونوں گھروں کے درمیان گھن چکر بن جاتی ہے۔بشریٰ کے گھر میں سیفی اور احسن اس کے ساتھ کچھ اچھا برتاؤ نہیں کرتے اور عدیل کے گھر میں اس کی دوسری بیوی عفت۔مثال کے لیے مزید زمین تنگ بشریٰ

اور عدیل کے نئے بچوں کی پیدائش کے بعد پڑجاتی ہے۔مثال اپنا اعتماد کھو بیٹھتی ہے۔احسن کمال اپنی فیملی کو لے کر ملائیشیا چلا جاتا ہے اور مثال کو تاریخ سے پہلے عدیل کے گھر بھجوادیتا ہے۔دوسری طرف عدیل اپنی بیوی بچوں کے مجبور کرنے پر مثال کے آنے سے قبل اسلام آباد چلا جاتا ہے۔مثال مشکل میں گھر جاتی ہے۔پریشانی کی حالت میں اسے ایک نشئی تنگ کرنے لگتا ہے تو عاصمہ آکر اسے بچاتی ہے۔پھر اپنے گھر لے جاتی ہے۔جہاں سے مثال اپنے ماموں کو فون کرکے بلواتی ہے اور اس کے گھر چلی جاتی ہے۔

عاصمہ کے حالات بہتر ہوجاتے ہیں۔وہ نسبتاً ''پوش ایریا میں گھر لے لیتی ہے۔اس کا کوچنگ سینٹر خوب ترقی کرجاتا ہے۔اسے مثال بہت اچھی لگتی ہے۔مثال 'واثق کی نظروں میں آچکی ہے تاہم دونوں ایک دوسرے سے واقف نہیں ہیں۔

عاصمہ کا بھائی ہاشم ایک طویل عرصے بعد پاکستان لوٹ آتا ہے اور آتے ہی عاصمہ کی بیٹیوں اریشہ اور اریبہ کو اپنے بیٹوں وقار 'وقاص کے لیے مانگ لیتا ہے۔عاصمہ اور واثق بہت خوش ہوتے ہیں۔

مثال کو نیند میں محسوس ہوتا ہے کہ کوئی اسے گھسیٹ رہا ہے۔

انیسویں قسط

وہ بہت خاموشی سے گھر کے کاٹھ کباڑ سے اٹے اسٹور بنے کمرے کی صفائی میں جتی ہوئی تھی۔اس نے سارا بھاری ہلکا کاٹھ کباڑ کمرے سے باہر نکال دیا تھا۔

اسے یاد تھا۔مرنے سے کچھ ماہ پہلے عفت نے نسیم کو اس چھوٹے سے ایک کھڑکی والے تنگ کمرے میں شفٹ کروادیا تھا۔

''امی! آپ کا کمرا ہمارے بیڈ روم سے کافی فاصلے پر ہے 'جبکہ یہ کمرا ہمارے بیڈ روم کے پیچھے ہے لیکن قریب ہے۔رات میں آپ آوازیں دیتی رہتی ہیں اور مجھے پتا نہیں چلتا۔اس کمرے سے مجھے آپ کی آواز صاف سنائی دیا کرے گی۔میں نہ سہی عدیل تو سن ہی لیا کریں گے۔''عفت نے بہت چالاکی اور صفائی سے نسیم کا کشادہ کمرا پری کو دیتے ہوئے عمر رسیدہ ساس کو یوں طریقے سے بہلایا تھا۔

یہ الگ بات کہ نسیم کی آواز رات تو کیا دن میں بھی گھر کے افراد کم ہی سن پاتے تھے۔سن بھی لیتے تھے تو ان سنی کردیتے تھے۔

مثال جن دنوں یہاں ہوتی 'وہ نسیم کی فل ٹائم اٹینڈنٹ ہوتی تھی۔ نسیم کی دیکھ بھال کی وجہ سے اکثر عفت اس سے بہت سے کام نہیں کہہ پاتی تھی۔ نسیم کو پرانی باتیں دہرانے اور دہراتے چلے جانے کی عادت تھی۔جن میں مثال کی ماں کی باغی طبیعت اور فسادی فطرت جیسے بھولے بسرے سارے فسانے ہوتے تھے جنہیں مثال کے لیے سننا مشکل ہوتا۔مگر وہ کان لپیٹے کوئی کتاب ہاتھ میں لیے بیٹھی رہتی۔

اسے آج رات بھر سوچ سوچ کر اپنے باپ کے گھر میں رہنے کے قابل یہی کمرا لگا تھا۔

جب وہ پندرہ دنوں کے لیے آتی تھی تو عفت اسے کبھی برآمدے میں سلادیتی 'کبھی اوپر والے اسٹور میں۔کبھی عدیل کے سامنے دکھاوا کرنا ہوتا تو پری کی منت کرکے اسے پری کے کمرے میں میٹرس لگا کر سونے کی اجازت مل جاتی۔

اور دانیال تو مثال سے عداوت کے معاملے میں بہن سے بھی چار ہاتھ آگے تھا۔وہ چودہ 'پندرہ سال کی عمر میں سب گھر والوں سے الگ مزاج کا تھا۔

انتہائی غصیلا، خود غرض، ضدی اور جھگڑالو، بس سے پنگا لینے کی ہمت عفت میں بھی نہیں ہوتی تھی۔
عدیل کے سامنے وہ کچھ دبا رہتا۔ کم گو اور لا تعلق۔
اس کے کمرے میں جانے کی ہمت کسی میں نہیں تھی۔ وہ پری اور ماں کو بھی اس جرات پر رگید کر رکھ دیتا تھا
چودہ، پندرہ سال کا لڑکا اس پورے گھر میں دہشت کی علامت تھا۔ صرف یہی ایک کمرا تھا جو نچلے پورشن کے بالکل اختتام پر تھا اور گھر میں فالتو تھا۔
"کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ۔ کیوں آتے ہی گھر میں اٹھا پٹخ لگا دی ہے تم نے۔ کیا ان کے گھر سے کوئی ڈراؤنا خواب دیکھ کر آئی ہو۔" اور تن دہی سے دیواریں جھاڑتے مثال کے ہاتھ وہیں ٹھٹک کر رک گئے۔
عفت نے کتنا درست اندازہ لگایا تھا۔
ڈراؤنا خواب ہی تو تھا وہ سب جسے وہ بھلا دینا چاہتی تھی۔ لیکن کیا ایسا ممکن تھا۔ شاید کبھی نہیں۔
"ٹھیک کہا آپ نے بہت ڈراؤنا خواب دیکھا ہے میں نے۔" وہ پھر سے اطمینان کے ساتھ دیواریں جھاڑنے لگی۔
"کیا مطلب؟" عفت اس کے لہجے پر ٹھٹکی۔
"دادو آئی تھیں میرے خواب میں۔" وہ اب دروازہ اور کمرے کی اکلوتی کھڑکی کو پوری طاقت کے ساتھ جھاڑ رہی تھی۔
ایک تو اس کے ساتھ بڑے بڑے تین سیاہ بیگ دیکھ کر ہی وہ خوف زدہ ہو گئی تھی، اوپر سے اس لڑکی کے انداز!
"کہہ رہی تھیں۔ تم لوگوں نے میرے کمرے کو کباڑ خانہ بنا کر رکھ دیا ہے۔ میں اس کمرے میں تھوڑی بہت جتنی بھی ہو سکتی تھی اللہ کی عبادت کیا کرتی تھی۔ اس کباڑ کی وجہ سے وہ بھی مجھ تک نہیں پہنچ پا رہی۔" مثال پوری سنجیدگی سے کہہ رہی تھی۔
عفت کی آنکھوں میں الجھن بڑھ گئی۔
"کیا فضول باتیں کر رہی ہو۔" وہ جھلا کر اس کے دروازے کے پاس پڑے ہوئے خوب پھولے بیگوں کو پاؤں کی ٹھوکر سے چیک کرتے ہوئے کوفت سے بولی۔
"دادو کی عبادت اس کمرے میں پھنس کر رہ گئی ہے۔ اسے باہر نکلنے کا رستہ نہیں مل رہا۔ دادو نے خواب میں آکر میری منت کی ہے کہ جب تک یہ کمرا خوب صاف نہیں ہو جاتا، اس میں کوئی بسیرا... آئی مین... کوئی رہنے نہیں لگ جاتا۔ ان کی عبادت یہیں پھنسی رہے گی اور اس کا ثواب بھی انہیں نہیں مل سکے گا اور وہ ہماری اس سستی کی وجہ سے ہو سکتا ہے عذاب میں ہوں۔"
عفت کا جی چاہا، اسے دونوں ہاتھوں سے پیٹ ڈالے۔
"کمینی نے کیسی کہانی گھڑی ہے، عدیل تو اس بکواس پر فوراً ہی ایمان لے آئے گا۔"
ابھی تک وہ ماں کو یوں یاد کرتا تھا، جیسے وہ ابھی بھی موجود ہوں۔
"یہ تھیلے بھر بھر کر سامان کیوں لے کر آئی ہو؟ کیا ماں نے دھکے دے کر نکال دیا ہے ہمیشہ کے لیے۔" عفت بہت دیر تک اپنے تجسس کو چھپا نہ سکی۔
"ایسا ہی ہوا ہے اس بار۔" مثال نے گہرا سانس لے کر تنقیدی نظروں سے صاف دیواروں، دروازے اور کھڑکی کو دیکھا۔ فرش پر اب صرف دھلائی کا کام رہ گیا تھا۔ پھر یہ کمرا مکمل طور پر اس کو اپنانے کے لیے تیار تھا۔
"آپ اتنی اچھی ہیں، اتنی مہربان اور خیال رکھنے والی... میں جہاں بھی جاتی ہوں... آپ کی نیک طبیعت کا

چرچا کرنے سے خود کو روک نہیں پاتی۔" اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔
عفت کو اس پر بہت غصہ آ رہا تھا۔ مگر ابھی وہ برداشت کرنا چاہتی تھی۔
"تم یہ سب کیوں لے کر آئی ہو؟" وہ دانت پیس کر بولی۔
"مما نے مجھے اپنے شوہر کے گھر سے نکال دیا ہے۔" وہ چہرے پر زمانے بھر کی مظلومیت سجا کر بولی۔
"کیونکہ میں نے ان کے منہ پر صاف صاف کہہ دیا تھا کہ آپ سے اچھی تو میری عفت مما ہیں، جو میرا بہت خیال رکھتی ہیں اور وہ مجھے اپنی پری سے بڑھ کر چاہتی ہیں اور اہمیت دیتی ہیں تو میری سگی ماں کو جیسے آگ لگ گئی۔ میرا سامان اٹھا کر گھر سے باہر پھینکا اور صاف کہہ دیا کہ جاؤ اپنی عفت مما کے ساتھ ہی رہو ہمیشہ کے لیے۔ سو میں آ گئی فی الحال تو یہ سب لے کر۔" وہ دونوں بازو جھٹکتے ہوئے خود کو مطمئن ظاہر کرتے ہوئے بولی۔
عفت تو یوں ششدر سی کھڑی رہ گئی، جیسے اس نے کسی بہت قریبی عزیز کے مرنے کی خبر سن لی ہو۔
"تو... تم... اب واپس... پندرہ دن بعد بھی... واپس نہیں جاؤ گی۔" وہ اڑی رنگت کے ساتھ بمشکل بولی۔
مثال نفی میں سر ہلا کر ٹب میں موجود پانی اور سرف فرش پر بہا کر بڑی تندہی سے جھاڑو لگانے لگی۔
وہ عفت کے سر پر بم پھوڑ چکی تھی۔ عفت کی حالت اب کیا ہو گی۔ اسے اس میں دلچسپی نہیں تھی۔
اسے صرف پاپا کا رد عمل جاننا تھا۔ وہ جانے اس بات کو کیسے لیں گے۔

☆ ☆ ☆

"تم... یہاں... آپ..." عدیل اتنے برسوں بعد بشریٰ کو اپنے سامنے دیکھ کر لمحہ بھر کو تو کچھ بول ہی نہیں سکا تھا۔
اور پھر بولا تو یہ تین بے ربط سے الفاظ۔
بشریٰ کچھ کہے بغیر خاموشی سے اس کے سامنے پڑی کرسی پر بیٹھ گئی۔
اس کے چہرے پر اتنی گہری چپ اور ایسی وحشت تھی جیسے وہ کچھ بولے گی تو شاید رو ہی پڑے گی۔
اس کی آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے تھے۔ بال یوں چہرے کے ارد گرد اڑ رہے تھے جیسے انہیں کئی دنوں سے سلجھایا نہ گیا ہو۔ کہیں براؤن، کہیں سیاہ اور کہیں جھلکتی سفیدی... خشک... بے رونق بال بشریٰ کی بے توجہی کا اعلان کر رہے تھے۔
عدیل نے بشریٰ کو کبھی خود سے یوں لاپروا نہیں دیکھا تھا۔ وہ ہمیشہ اپنا بہت خیال رکھا کرتی تھی۔
اس نے دونوں ہاتھ آپس میں جکڑ رکھے تھے۔ بڑھتی عمر کا اعلان کرتی ہاتھوں میں نیلی سبز رگیں ابھری ہوئی تھیں۔
اس کی گردن کی ہڈی بہت نمایاں تھی اور جبڑے رخساروں میں یوں نمایاں تھے جیسے کئی دنوں سے اس نے کھانا پینا چھوڑ رکھا ہے۔ وہ عدیل کو بہت کمزور، مرجھائی ہوئی اپنی عمر سے کہیں بڑی نظر آنے والی عورت لگ رہی تھی۔
اس کے چہرے پر تھکن تھی۔ جیسے وہ اپنے گھر سے عدیل کے آفس تک پیدل چل کر آئی ہو۔
"تم... تم ٹھیک ہو نا۔" اس کی اتنی لمبی چپ نے عدیل کو ڈرا دیا۔
وہ کوشش کے باوجود خود کو اسے تم کہنے سے نہ روک سکا۔
"ایک گلاس پانی... مل جائے گا۔" وہ اسی طرح دونوں ہاتھ آپس میں جوڑے، چہرہ جھکائے کھردری آواز میں بولی۔

عدیل اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"یقیناً" کوئی بہت بڑی بات ہوئی ہے۔" وہ اسے دیکھ کر سوچنے لگا۔

"کہیں احسن کمال نے اسے چھوڑ تو نہیں دیا۔" برسوں پہلے کی دبی دبی سی خواہش کسی خدشے کی طرح سر اٹھا کر اس کے دل میں آئی۔

"نہیں... نہیں... اب نہیں... اس کے ساتھ کچھ ایسا برا نہیں ہونا چاہیے۔ اگر اس بار یہ ٹوٹی تو پھر شاید کبھی جڑ نہیں سکے گی۔" اس نے کانپتے دل کے ساتھ اس کے آگے پانی کا گلاس رکھ کر سوچا۔

بشریٰ ایک ہی سانس میں پورا گلاس پی گئی اور اس سارے دورانیے میں اس نے پہلی بار عدیل کی آنکھوں میں دیکھا۔

جن میں اسے اپنے لیے وہی فکر اور پریشانی نظر آئی جو کبھی بشریٰ کو موسم بدلنے پر نزلہ زکام، بخار ہونے پر عدیل کی آنکھوں میں ہوتی تھی۔

دونوں چند لمحے ایک دوسرے کو دیکھ کر نظریں چرا گئے۔ دونوں کی صدائیں تھیں یا بہت سی آوازیں جو دونوں کے ویران دلوں میں گونجی تھیں۔

"مجھے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔" بشریٰ بے بسی سے بڑبڑا کر رہ گئی۔

"سب ٹھیک تو ہے نا بشریٰ... تم... تمہارا شوہر... مثال!" عدیل اس کے پھر خاموشی میں ڈوب جانے پر کچھ بے چین ہو کر بولا۔

وہ ساکت سی بیٹھی تھی۔

"میں آج آپ سے ایک درخواست کرنے آئی ہوں عدیل!" بہت رک رک کر بہت سوچ کر جیسے پوری ہمت جمع کر کے وہ بولی۔

"کیسی درخواست... میرے پاس کیا ہے اب تمہیں دینے کے لیے۔" وہ پھیکے سے لہجے میں بولا۔ جس میں بہت کچھ کھو دینے کا پچھتاوا تھا۔ بشریٰ نے شکایتی نظروں سے اسے دیکھا۔

عدیل نظروں چرا کر بلائنڈز سے باہر دیکھنے لگا۔ اس کی شکایتی نظروں کی تلافی اب ممکن نہیں تھی۔

"میں احسن کمال... بچوں... اس کے دونوں بچوں کے ساتھ ہمیشہ کے لیے آسٹریلیا شفٹ ہو رہی ہوں۔" ایک لمبی چپ کے بعد وہ پھر سے ہارے لہجے میں بولی اور عدیل کو یوں لگا جیسے اس کے آس پاس کوئی بم پھوٹا ہو۔

"اس کے دونوں بچوں..." وہ زیرلب بڑبڑایا۔

"احسن کمال کے بیٹے سیفی اور آئینہ۔" بشریٰ نے اس کی استعجاب بھری سرگوشی سن کر شرمندہ سے لہجے میں وضاحت کی۔

"اور مثال..." وہ ایسا کہنا نہیں چاہتا تھا لیکن جانے کیسے اس کے منہ سے پھسل گیا۔

بشریٰ کی آنکھیں جھلملانے لگیں۔

مثال کے نام پر اسے لگا جیسے کسی نے اس کا دل مٹھی میں لے لیا ہو۔ وہ جتنی ہمت سے اتنا بڑا فیصلہ دل میں کر کے آئی تھی۔ اسے لگا وہ یہ فیصلہ جو عدیل کو سنائے گی تو اس کے بعد شاید وہ خود بھی زندہ نہیں رہ پائے گی۔

"وہ... میرے ساتھ... ہمارے ساتھ... نہیں جائے گی۔ وہ جانا نہیں چاہتی۔ اس نے ہمارے ساتھ جانے سے صاف انکار کر دیا ہے۔" لمحہ بھر میں اس نے جملوں میں ردوبدل کیا اور دفاعی پوزیشن پر آ گئی۔

"میں نے اس سے بہت کہا، سمجھایا... کہ میں چاہتی ہوں وہ ہمارے ساتھ چلے۔ اسے چلنا چاہیے۔ وہاں اس

کے لیے ایک برائٹ سیکیور فیوچر ہوگا۔ بٹ۔ وہ تم سے... اپنے باپ سے اتنی دور نہیں جانا چاہتی۔

وہ بے ربطگی سے جلدی جلدی بولتی چلی گئی۔

حالانکہ وہ گھر سے یہی سوچ کر نکلی تھی کہ وہ عدیل کو سارا ماجرا سیفی کی ذلیل حرکت کا قصہ اور اپنی بیٹی کے ساتھ ہونے والی زیادتی اور اپنی بے بسی... سب کچھ سچ سچ بتا دے گی۔

لیکن جانے کیوں اتنے سالوں بعد اگرچہ دل مکمل طور پر عدیل پر بھروسا کرنا چاہ رہا تھا لیکن ایک دم سے اپنے بھرم کی خاطر اس نے خود کو یہ سب کہنے سے روک دیا۔

"اب تم کیا چاہتی ہو کہ میں مثال کو سمجھاؤں کہ وہ تمہارے ساتھ چلنے کے لیے راضی ہو جائے؟" عدیل نے سکون بھرے لہجے میں جواب دیتے ہوئے جیسے بشریٰ کی بساط ہی الٹ دی۔ وہ پریشان سی اسے دیکھنے لگی اور بے ساختہ اس نے نفی میں سر ہلا دیا۔

عدیل نے اسے الجھ کر دیکھا۔

"تو... تم میرے پاس اور کون سی درخواست لے کر آئی ہو۔" اسے بشریٰ کے آنے کا مقصد سمجھ میں نہیں آیا۔

"اتنے برس گزر گئے۔ یوں سمجھیں میں نے اپنی آدھی سے زیادہ عمر بتا دی اور مجھ پر یہ عقدہ کھلا کہ عورت واقعی بہت کمزور' بہت بے بس ہے۔ وہ لاکھ خود مختار ہونے کا دعوا کرے۔" وہ گہرا سانس لے کر بے بسی سے اپنی بے چارگی کا اظہار کر گئی۔

"میں ابھی بھی نہیں سمجھا بشریٰ!" عدیل واقعی سمجھ نہیں پایا تھا' وہ کیا کہنا چاہتی ہے۔

بشریٰ پھر خاموش ہو گئی۔

جسے وہ بولنے کے لیے مناسب الفاظ کا انتخاب کر رہی ہو۔

"میں یہ جان چکی ہوں عدیل! کہ میں لاکھ مثال سے محبت اور ممتا کے دعوے کروں' میں اس کی حفاظت نہیں کر سکتی۔"

کچھ دیر پہلے جو اس نے کچھ نہ بتانے کا دل میں عہد کیا تھا۔ اس چھوٹے سے جملے میں کہہ گئی۔

عدیل کی آنکھیں پھیل سی گئیں۔

"کیا مطلب؟" وہ بہت دیر بعد پوچھ سکا تھا۔ "کیا ہوا ہے مثال کو... بتاؤ مجھے۔ کسی نے اس کے ساتھ کچھ غلط کیا ہے؟" وہ ایک دم سے وحشت زدہ سا ہو گیا تھا۔

بشریٰ آنکھوں میں پانی لیے زور' زور سے نفی میں سر ہلانے لگی۔

"اسے کچھ نہیں ہوا۔ لیکن میری خواہش... اور یہ ضروری ہے عدیل! کہ مثال اپنے باپ کی محفوظ چھت تلے رہے۔ میں جا رہی ہوں۔ میں اس کا وہ خیال نہیں رکھ سکوں گی جو شاید ایک سگا باپ رکھ سکتا ہے۔ میں اس سے رابطے میں رہوں گی۔ اس کی ضرورت کا خیال رکھنے کی کوشش کروں گی۔ لیکن میری درخواست ہے' پلیز! اسے اپنے پاس رکھ لیں اور اس کا بہت خیال رکھیں۔ وہ میرے بغیر تو رہ سکتی ہے' مگر وہ تمہاری جدائی نہیں سہہ سکے گی۔ میں اسے اپنی خوشی اور رضا سے تمہارے حوالے کر رہی ہوں۔" کہتے کہتے وہ ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

عدیل شاکڈ سا ساکت بیٹھا اسے دیکھتا رہا۔

"میں اس کی جدائی سہہ لوں گی۔ جیسے بھی ہوگا اس کے بغیر جی لوں گی۔ مجھے یہ اطمینان ہوگا کہ وہ تمہارے پاس۔ اپنے باپ کے پاس بحفاظت ہے۔ تم اس کا خیال مجھ سے بہت بہتر رکھ سکتے ہو' رکھ لو گے۔"

کہہ کر خود کو کھینچتے ہوئے وہ مردہ قدموں سے عدیل کا جواب سنے بغیر دروازہ کھول کر جیسے آئی تھی اسی طرح چلی گئی۔

عدیل تو گنگ تھا۔ نہ جانے بیچ میں کیا ہوا ہے۔ کیا احسن کمال... نے مثال کے ساتھ کچھ برا کیا؟

کسی سانپ کی طرح اس خدشے نے سر اٹھایا تھا۔ وہ تیزی سے اٹھ کر آفس کے باہر تک بشریٰ کے پیچھے گیا۔ مگر اس کی گاڑی دھول اڑاتی دور جا رہی تھی۔

شاید وہ ٹھیک کہہ گئی ہے۔ جوان بیٹی کی جیسی حفاظت ایک باپ کر سکتا ہے کہ ایک لاچار ماں نہیں کر سکتی مگر مثال کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ وہ ستون کے ساتھ ٹکا مضطرب سا ایک ہی بات سوچے جا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

سارا گھر ایک دم سے خالی ہو گیا تھا۔

اسے تو کبھی احساس ہی نہیں ہوا تھا کہ بیٹیوں نے گھر کو کس طرح سے بھر رکھا ہے۔ گھر کی ساری آبادی جیسے ان کے دم سے تھی۔

سب طرف ایک گمبھیر خاموشی گھری چپ سی تھی۔

وردہ اپنے کمرے میں سو رہی تھی۔ بہت سارے دنوں کی تھکن جمع ہو گئی تھی۔ آرام کے لیے تو وہ بھی لیٹی تھی۔ ذرا سی دیر کو اس کی آنکھ لگی' مگر پھر وہ اٹھ کر باہر آ گئی۔

واثق جاب کی تلاش میں نکلا تھا۔ پچھلے دنوں اسے جو عارضی نوکری چھ ماہ کے کنٹریکٹ پر ملی تھی' وہ پچھلے ہفتے ختم ہو چکی تھی۔

عاصمہ کی اکیڈمی میں بچے اب بہت کم رہ گئے تھے۔ معلوم نہیں کیا ہوا تھا۔ کوئی ڈھنگ کی ٹیچر چند ہفتوں سے زیادہ ٹکتی ہی نہیں تھی۔ حالانکہ عاصمہ نے اپنی جیب سے ان کی تنخواہیں بھی بہت بڑھائی تھیں مگر انہیں کسی اور اکیڈمی سے اچھا پیکج مل جاتا تو وہ چپکے سے بغیر بتائے ہی چلی جاتیں۔

بار بار ٹیچرز بدلنے سے اسٹوڈنٹس اور ان کے والدین بہت ڈسٹرب ہوتے۔ یوں بھی اس کا اپنا دھیان بھی اکیڈمی کی طرف سے خاصا کم ہو گیا تھا۔ واثق کو جاب مل جاتی تو وہ اکیڈمی بند کرنے کا ہی سوچ رہی تھی مگر ابھی تو آمدنی کا یہی ایک ذریعہ تھا۔

"مما! آپ سوئی نہیں؟" وردہ جمائیاں لیتی اٹھ کر باہر آ گئی۔

عاصمہ اسے دیکھ کر ذرا سا چونکتے ہوئے مسکرائی۔

اریبہ کی طرح وہ بھی قد کاٹھ میں دن بدن بڑھتی جا رہی تھی یا شاید وردہ ان دونوں کی موجودگی میں عاصمہ کو نظر ہی نہیں آئی تھی اور اب ایک دم اسے لگا۔ وردہ فرسٹ ایئر پاس کرتے ہی ایک دم سے بہت بڑی ہو گئی ہے۔ عاصمہ نے کوئی جواب دیے بغیر اس کی طرف بانہیں پھیلائیں۔ وہ فوراً" ماں کی بانہوں میں سما گئی۔

"مما! آپیوں کے جانے کے بعد کتنی خاموشی ہو گئی ہے گھر میں۔ وہ دونوں اتنا شور مچاتی تھیں کیا؟" وہ ماں کے سینے میں منہ گھسیڑ کر شریر لہجے میں بولی۔

عاصمہ نے ہنستے ہوئے اس کے سر پہ ہلکی سی چپت لگائی۔ دونوں پھر خاموش ہو گئیں۔

"مگر مما! ماموں تو کہہ رہے تھے' وہ پاکستان آ جائیں گے کچھ مہینوں میں سب کو لے کر۔" وردہ کو کچھ دیر بعد خیال آیا تو سر اٹھا کر پوچھنے لگی۔

"مشکل ہے وردہ! تمہارے ماموں تو کئی سالوں سے یہی کہہ رہے ہیں۔ اب تو دونوں بیٹوں کی جاب بھی وہیں

ہے۔ گھر بھی نے چکے ہیں ادھر اور ہو گئیں تو ل ہی گئیں۔" آخر میں وہ خود ہی مسکرانے لگی۔

"تو وہ اب کبھی نہیں آئیں گے یہاں؟" وردہ کچھ پریشان ہو کر بولی۔

"اللہ نہ کرے۔ آنا تو ہے انہیں جلد یا بدیر' بلکہ ابھی تو میں سوچ رہی ہوں واثق کی جاب لگ جائے تو تمہارے فرض سے ایک دو سالوں میں سبکدوش ہو کر حج کے لیے جاؤں گی۔"

"خبردار مما! آپ نے ابھی میرے متعلق ایسی ویسی کوئی بات سوچی بھی تو۔ مجھے پڑھنا ہے ابھی اور بہت پڑھنا ہے' شادی۔۔۔ بالکل بھی نہیں۔۔۔ کم از کم پانچ چھ سال تو سوچیے بھی نہیں۔" وہ خطرناک تیوروں کے ساتھ ماں کو دھمکانے والے انداز میں بولی تو عاصمہ یوں ہی مسکرا کر سرہلانے لگی۔

اسی وقت دروازہ کھول کر واثق آگیا۔

اس کے چہرے پر تھکن کے بجائے مسکراہٹ اور چمک سی تھی۔

"اللہ تیرا شکر ہے۔" عاصمہ زیر لب کہتے ہوئے سر اٹھا کر بولی تو دونوں ماں کو دیکھنے لگے۔

واثق سلام کر کے ماں کے پاس بیٹھ گیا۔

"مجھے لگتا ہے کوئی اچھی خبر ہے۔" عاصمہ یقین بھرے لہجے میں بولی۔

"اچھی سی چائے پلوائیں پہلے' پھر بتاتا ہوں۔" واثق جوتے اتارتے ہوئے مسکرا کر بولا۔

"اس کا مطلب ہے وہ خبر میرے سامنے نہیں سنائی جانے والی جو مجھے چائے بنانے کے لیے بھیجا جا رہا ہے۔" وردہ برا سا منہ بنا کر بولی۔

"بہت تیز ہو گئی ہے مما یہ۔" واثق ہنس کر بولا۔

"بھائی! بتائیں نا کیا بنا آپ کی جاب کا؟" وہ بے صبرے پن سے بولی۔

"بہنا جی! تمھیں مل بھی گئی ہے اور نہیں بھی۔" وہ ٹانگیں سامنے پھیلا کر پر سکون انداز میں بولا۔

عاصمہ اور وردہ نے الجھ کر اسے دیکھا۔

"یہ کیا بات ہوئی بھلا۔۔۔ ملی ہے یا نہیں' ٹھیک بتائیں نا۔" وردہ کچھ منہ بنا کر بولی۔

"مما! میرا ایک کالج فیلو تھا۔ کالج کے دور میں تو اتنی دوستی نہیں تھی ہمارے درمیان' لیکن آج ملا تو بہت اچھا لگا۔ بہت نائس ہے وہ' میرے بارے میں پوچھنے لگا کہ کیا کر رہا ہوں آج کل' میرے بتانے پر کچھ دیر تو خاموش رہا' پھر اس نے مجھے جاب کی آفر کر دی۔"

"جاب کی آفر۔ آفس ہے اس کا یا کوئی کمپنی۔۔۔ امیر دوست ہے کیا آپ کا؟" وردہ اسی بے صبری سے پھر بولی۔

"ہاں ہے تو۔۔۔ فیکٹری ہے اس کی کافی بڑی۔۔۔ اسے فی الحال میری ضرورت ہے۔ کل جاؤں گا' دیکھوں گا کہ جاب کیا ہے' پھر فیصلہ کروں گا کہ کرنی ہے یا نہیں۔ اب چائے مل سکتی ہے یا نہیں۔"

وہ اٹھ کر جاتے ہوئے وردہ کے سر پر چپت لگا کر کہہ گیا۔

"یہ کیا پھسپھسی جاب ہوئی بھلا۔ ملنے پہ بھی ففٹی ففٹی۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے اٹھ کر کچن میں چلی گئی۔

عاصمہ خاموش بیٹھی کچھ سوچتی رہی۔

☼ ☼ ☼

"کیا مطلب مما۔۔۔ یہ مثال آپی۔۔۔ اب کیا مستقل ہمارے سر پر پڑی رہیں گی۔ اب کبھی بھی اپنی ماں کے گھر نہیں جائیں گی۔ کیا مصیبت ہے یار!" پری بہت جھنجلائی ہوئی تھی۔ خوامخواہ کمرے کی چیزیں اٹھا پٹخ کر رہی تھی۔

اور یہ تو اب طے تھا کہ مثال اب ان لوگوں کے ساتھ ہی جائے گی۔ جس پر پاپا کی محبت کی اکیلی حصے دار پریشے پریشانی ہوئی تھی۔ عفت بالکل خاموش تھی۔

وہ پری کی شرٹ پر دھاگے سے بیل بنا رہی تھی۔

"آپ کچھ بول کیوں نہیں رہی ہیں۔ مجھے بہت غصہ آ رہا ہے۔ آپ پاپا کو فون کر کے بلائیں' انہیں کہیں فوراً اس سے آکر بات کریں۔" عفت کی خاموشی اسے اور مشتعل کر گئی۔

"پری! تمہارے پاپا آنے والے ہیں۔ وہ راستے میں ہوں گے۔ تم اس طرح ری ایکٹ کرو گی تو شاید انہیں برا لگ جائے۔ بہرحال مثال بھی ان کی بیٹی ہے اور تم سے پہلے وہ اس کے بارے میں سوچیں گے' یہ ذہن میں رکھو۔"

عفت خلاف توقع بہت ٹھہر ٹھہر کر بظاہر سلجھے ہوئے صلح جو لہجے میں کہہ رہی تھی۔ پری ششدر سی رہ گئی۔

"آپ۔۔۔ آپ اسے ہمیشہ کے لیے قبول کر لیں گی اس گھر میں۔ وہ اب یہیں رہے گی۔ کبھی نہیں جائے گی کیا؟" وہ ماں کے سر پر آکر چلاتے ہوئے بولی۔ عفت اسے تاسف سے دیکھ کر رہ گئی۔

"ہر چیز کا نتیجہ فوراً" سامنے نہیں آتا۔ اپنے اندر تھوڑا ضبط پیدا کرو۔" نہ چاہتے ہوئے بھی عفت اسے نصیحت کر گئی' جبکہ جانتی بھی تھی کہ یہ موقع بہرحال نصیحت کا نہیں ہے۔

"میں اسے اور اس کے سامان کو اٹھا کر باہر بھی پھینک سکتی ہوں تو آپ اپنی یہ نیک نصیحتیں سنبھال کر رکھیں' اس وقت مجھے کیجیے گا۔" وہ عفت کی توقع سے زیادہ غصے میں آکر بولی۔

"پری۔۔۔ پری۔۔۔ کیا ہو گیا ہے تمہیں؟" عفت بوکھلا کر قمیص ایک طرف پھینک کر غصے میں جاتی پری کے پیچھے لپکی۔

"حد ہے۔ اس لڑکی کی ذرا جو صبر' برداشت ہو اس میں خوامخواہ ہی میں کوئی نیا تماشا کھڑا کر لے گی۔ رکو۔ پری بات سنو میری بیٹا!" وہ اس کے پیچھے تک چلی گئی۔ مگر وہ ان سنی کرتی جا چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

مثال نے سخت تھکے ہوئے پیروں کو دونوں ہاتھوں سے سہلا کر انہیں کرسی پہ رکھا۔ جبکہ اس کے ہاتھوں میں بھی درد تھا۔

درد اپنی جگہ' مگر یہ چھوٹا سا کاٹھ کباڑ سے سجا کمرا اس قابل ہو چکا تھا کہ وہ اب باقی کے جتنے بھی دن خدا نے اس کے اس گھر میں رکھے تھے با آسانی گزار سکتی تھی۔ اگر اسے گزارنے دیے گئے تو۔۔۔

دادی کا پلنگ جھاڑ پونچھ کر جس قدر اسے صاف کر کے چمکایا جا سکتا تھا۔ مثال اسے چمکا کر کھڑکی کے ساتھ دیوار سے ذرا فاصلے پر لگا چکی تھی۔ پرانے پرنٹ کی گھسی ہوئی مگر صاف چادر تکیہ' پرانے میز پر اس کی کتابوں کا ڈھیر اور پلنگ کے نیچے اس کے تینوں سامان سے بھرے بیگ لگ چکے تھے۔

کمرے میں ایک ہی ٹوٹی پھوٹی الماری تھی۔ جس کے پٹ نہیں تھے۔

"پاپا کا موڈ اچھا ہو ۔ کسی دن تو انہیں کہوں گی۔ اس الماری کے پٹ لگا دیں۔ میں اس میں اپنے کپڑے' جوتے وغیرہ رکھ لوں گی۔"

وہ اب دونوں ہاتھوں سے اپنی کنپٹیاں سہلا رہی تھی۔

وہ صبح سے کام میں لگی تھی اور اب نہ صرف بہت تھک چکی تھی۔ بلکہ اسے بھوک بھی لگی تھی۔

اور کسی نے اس سے جھوٹے منہ کھانا تو کیا چائے پانی کا بھی نہیں پوچھا تھا۔
اور اسے یہ بھی معلوم تھا کہ اب جا کر اسے کچن میں بھی سارا کام کرنا پڑے گا تو ہی کھانے کو کچھ ملے گا۔ لیکن اب اس میں اٹھنے کی بھی ہمت نہیں تھی۔ وہ یوں ہی کسلمندی سے بیٹھی رہی۔
"تم یہاں مستقل آگئی ہو کیا مثال۔۔۔؟" پری اس کے پیچھے دروازے کی چوکھٹ میں کھڑی تھی۔
کچھ دیر کھڑی کمرے کا جائزہ لیتی رہی۔ جس کا چند گھنٹوں میں نقشہ بدل چکا تھا۔ پھر بہت کڑوے کسیلے لہجے میں چبا کر بولی۔
مثال نے ذرا سی گردن موڑ کر اسے دیکھا اور کوئی جواب دیے بغیر پھر سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔
"کیوں تھک گئی تمہاری ماں تمہیں اپنے گھر میں رکھ کر یا اس کے دوسرے شوہر نے تمہیں دھکے دے کر نکال دیا۔ ایسا ہی ہوا نا مثال آپی تمہارے ساتھ وہاں؟" طنزاً "اس سے جب سخت ناگوار لہجے میں بات کرتی تھی تو آپی اور مثال کو بہت حقارت سے چبا چبا کر الگ سے ادا کرتی تھی۔
مثال خون میں اٹھتے ابال کو ضبط کرتی خاموش رہی۔
"سنا ہے تمہاری ماں کے دوسرے شوہر کا جوان بیٹا بھی ہے۔ کہیں اس کے ساتھ تو رنگ رلیاں مناتی رنگے ہاتھوں نہیں پکڑی گئیں تم۔" وہ کس قدر کمینی تھی۔ اس کا اندازہ مثال کو کبھی بھی نہیں ہوا تھا۔
وہ تو ابھی اس جملے کے بولنے سے پہلے تک پری کو ایک معصوم چھوٹی باربی ڈول جیسی بہن سمجھتی تھی۔ جس کو مثال نے گودوں کھلایا تھا اور عفت سے چھپ چھپ کر اسے بہت پیار کیا تھا۔ اپنی محدود سی پاکٹ منی سے اس کے لیے چاکلیٹس اور کینڈیز لایا کرتی تھی۔
وہ پری اس سے اتنی گندی گری ہوئی بات بھی کر سکتی ہے۔ مثال کبھی سوچ نہیں سکتی تھی۔
اگرچہ وہ بات تقریباً کچھ اسی طرح وقوع پذیر ہوئی تھی جیسے پری نے حقارت بھرے لہجے میں کہا تھا۔ لیکن مثال کو یوں لگا جیسے کسی نے کیچڑ سے بھرا جوتا کھینچ کر اس کے منہ پر مار دیا ہو۔ اسے چاہنے کے باوجود غصہ بھی نہیں آیا۔ بس جیسے ڈھیر سارا نمک اس کے حلق میں گھل سا گیا۔
وہ پری کے سامنے رونا نہیں چاہتی تھی۔ بلکہ وہ تو کسی کے بھی سامنے نہیں رونا چاہتی تھی۔
لیکن ہر بار اسے اس نہج پہ پہنچا دیا جاتا تھا کہ وہ سب کے سامنے رو ہی پڑے۔
"میں چائے بنانے جا رہی ہوں تم پیو گی۔" پیروں سے اٹھتی ٹیسوں کو دبا کر بدقت اٹھتے ہوئے بظاہر سپاٹ لہجے میں آنکھوں میں آئی نمی کو چھپا کر وہ رخ پھیرے جاتے ہوئے بولی۔ اس کی اس بے تکی آفر نے پری کو اور چڑا دیا۔
وہ تیزی سے پنجوں پر گھومی تھی۔
"کیا سمجھتی ہو تم خود کو۔۔۔ یوں بے پروا ظاہر کر کے ہم سب کو بے وقوف بنا لو گی' بتاؤ' وہاں ایسا کیا کر کے آئی ہو کہ انہوں نے تمہیں ہمیشہ کے لیے یہاں پھینک دیا ہے ہمارے سروں پر کسی مصیبت کی طرح۔" پری عفت نہیں تھی کہ بہت پلاننگ کے ساتھ اپنے بغض کو نرم لفظوں اور مبہم رویے کے پیچھے چھپا لیتی۔ وہ پری تھی جو ماں اور باپ کے لاڈ سے سر چڑھی تھی۔
"بتاؤ مجھے گونگی ہو کر آئی ہو کیا وہاں سے؟" وہ مثال کی ہنوز چپ پر اور بھی برافروختہ ہو کر چلائی۔
"پری! یہ گھر جتنا تمہارا ہے اتنا ہی میرا بھی ہے یہ مت بھولو تم اگر عدیل احمد کی چھوٹی بیٹی ہو تو میں ان کی بڑی بیٹی ہوں۔ ان کی محبت' ان کے گھر' ان کی ہر چیز کی پہلی حصے دار' پہلی حق دار۔۔۔ اوکے۔"
پتا نہیں کس طرح اس نے اپنے دل کو سنبھالا تھا جو زور' زور سے رونے پر آمادہ تھا اور وہ اسے سنبھال کر اتنے روکھے لہجے میں بولی تھی کہ لمحہ بھر کو پری بھی اس کے ڈھنگ لہجے پر کچھ خائف سی ہو گئی۔
"بلیک میل کر رہی ہو مجھے' میری ماں کو۔" پری اس کے جواب میں صرف یہی کہہ سکی۔
"نہیں' صرف بتا رہی ہوں کہ میں جب جیسے میری مرضی' میری خواہش ہو گی' میں اپنی ماں کے گھر رہوں گی یا اپنے باپ کے گھر۔۔۔ تم اس پر اعتراض نہیں کر سکتیں اور جب ہمیں ایک ہی گھر میں رہنا ہے تو بہتر ہے نہ تم مجھ سے بے وجہ الجھو اور نہ میں تم سے الجھوں۔ امن سے رہو' امن سے رہنے دو' مجھے تم سے صرف یہ کہنا ہے۔
اور یہ مت سمجھنا کہ مجھے ماں کے گھر سے کسی نے نکالا ہے یا مجھے وہاں کوئی مسئلہ تھا۔ اصل میں مجھے پاپا نے زبردستی بلایا ہے۔ وہ اب یہ چاہتے ہیں کہ میں ہمیشہ کے لیے ان کے ساتھ آ کر رہوں۔ اور کبھی کبھار اپنی ماما سے ملنے چلی جایا کروں اور اب اس طرح کے جو بھی قصے' کہانیاں تمہارے دماغ میں آ رہی ہیں' وہ تم پاپا کے آنے پر ان سے شیئر کر لینا کہ مجھے وہاں سے کیوں ادھر بھیجا گیا۔ وہ یقیناً" تمہیں کوئی تسلی بخش جواب دے سکیں گے' اوکے۔"
وہ بہت ٹھنڈے ٹھار لہجے میں سکون سے کہتے ہوئے اسے پلکیں جھپکائے بغیر دیکھ رہی تھی۔
اور پری جتنی بھی نادان نا سمجھ سہی اتنا تو وہ سمجھتی تھی کہ اس طرح کی بات پاپا سے کرنے کا کیا نتیجہ ہو سکتا ہے۔
اور وہ اتنی بھی بے وقوف نہیں تھی کہ ایسے گھٹیا سوال کر کے خود کو پاپا کی نظروں سے گراتی۔
"چلو' میں بھی دیکھتی ہوں' کتنے دنوں تک تم پاپا کی گڈ بک میں رہتی ہو۔ آپی مثال!" وہ پیچھے سے چیلنج کرنے والے انداز میں بولی تو مثال ان ہی قدموں پر ٹھٹک گئی۔
اس نے گردن موڑ کر پری کی نفرت بھری نظروں کو دیکھا اور کچھ کہے بغیر باہر نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

"نہیں۔۔۔ پاپا۔۔۔ کچھ بھی نہیں۔۔۔ ایسا تو کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ نہ کوئی جھگڑا' نہ کوئی ایسی بات۔"
وہ رات کے اندھیرے میں باپ کے سامنے سر جھکائے اپنی انگلیاں مسلتی مضطرب سی بیٹھی تھی۔
عدیل کی نظریں مثال کے چہرے پر جمی تھیں۔
اسے مثال کی بات سے اتفاق تھا نہ اس کی تسلی ہوئی تھی۔ مگر اس کے چہرے سے چھلکتا اضطراب اور آنکھوں میں جھانکتا خوف اس ان کہی کہانی کی تائید کر رہا تھا جو وہ شام میں بشریٰ کے لہجے سے اخذ کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا۔
عدیل اس کی بات کے جواب میں بہت دیر سے چپ تھا۔
مثال نے آہستگی سے پلکیں اٹھا کر باپ کی طرف دیکھا۔ وہ کسی اور ہی سمت میں دیکھتے ہوئے کسی گہری سوچ میں غرق تھا۔
"پاپا۔۔۔ اگر آپ کو اچھا نہیں لگ رہا میرا یہاں آنا تو۔۔۔ میں۔۔۔" وہ کچھ دیر بعد نم لہجے میں ادھورا سا جملہ بول کر خود کو کمپوز کرنے لگی۔
"تو کیا کرو گی' کوئی تیسرا ٹھکانہ بھی ہے تمہارا؟" عدیل کے تلخ لہجے نے مثال کو گنگ سا کر دیا۔ اسے عدیل سے ایسی بات کی توقع نہیں تھی۔
مگر عدیل بھی کیا کرتا۔ شام سے آفس سے آنے کے بعد اب رات کے کھانے تک اس نے جتنی بکواس عفت اور پری کی نہ ماننے والی ناراضی کو برداشت کیا تھا۔ اسے بخوبی آنے والے دنوں کی سختی کا اندازہ ہو رہا تھا۔
عفت کبھی بھی مثال کو ہمیشہ کے لیے اس گھر میں برداشت نہیں کرے گی۔

اور پری، عفت ہی کی بیٹی ہے جسے اپنے اکلوتے ہونے کا اور ماں، باپ کے لاڈلے ہونے کا بہت زعم ہے۔ بھری محفل میں وہ اور عفت علی الاعلان کہتی تھیں کہ پریشے ان کی ایک ہی بیٹی ہے۔ ایک بیٹا دانیال اور ایک بیٹی پریشے۔

اب یہ مثال کہاں سے ٹپک پڑی ان کے گھر میں بٹوارہ ڈالنے کے لیے۔

"اس کی ماں اور باپ کو کچھ عرصے کے لیے مجبوراً" ملک سے باہر جانا پڑ گیا ہے۔ کوشش کے باوجود مثال کا ویزا نہیں لگ سکا۔ چھ، آٹھ ماہ میں وہ واپس آجائیں گے تو یہ اپنی ماں کے پاس چلی جائے گی۔ ہمیشہ کے لیے نہیں آئی۔" بہت سوچنے کے بعد عدیل کو یہی ایک مضبوط بہانہ سوجھا تھا عفت کے غصے کو کم کرنے کا۔ اس نے عدیل کی بات کا یقین نہیں کیا تھا۔

مگر فی الوقت یقین کرنے کے سوا اور کوئی راستہ بھی نہیں تھا۔

"میں چھ، آٹھ ماہ میں مثال کا کوئی اچھا رشتہ دیکھ کر اس کی شادی کردوں گا تو یہ مسئلہ ہمیشہ کے لیے حل ہو جائے گا۔"

عدیل اس بات کو سوچ کر دل میں بہت مطمئن تھا اور آج ہی سے اس نے اپنے اردگرد دور و نزدیک خاندان میں اور باہر کوئی ایسا موزوں رشتہ مثال کے لیے سوچنا شروع کردیا تھا جلد از جلد اس کی بیٹی کو بخوشی بیاہ کرلے جاسکے۔

"اگرچہ وہ ابھی کم عمر ہے۔ مگر اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں۔" وہ خود کو سمجھا چکا تھا۔

"اور تم پریشان نہیں ہو، تیسرا ایسا کوئی بھی آپشن میں سوچ چکا ہوں۔ تم عفت اور پری سے یہی کہنا کہ بشریٰ تمہیں یہاں صرف چند ماہ کے لیے چھوڑ کر گئی ہے' اوکے۔" چند لمحوں بعد معلوم نہیں اسے اپنے جملے کی سختی کا احساس ہوا تھا یا مثال کی تشفی کے لیے اس نے یہ بات کہی تھی۔ مگر مثال اسی طرح سر جھکائے خاموش بیٹھی رہی۔

بابا پر تو اسے دنیا سے زیادہ بھروسا اور مان تھا۔ وہ اسے کبھی بھی بے یار و مددگار نہیں چھوڑیں گے۔ اسے اندھا یقین تھا۔

اس کی آنکھوں سے ٹوٹ کر دو آنسو اس کی ہتھیلیوں پر گرے۔

"اور کوشش کرنا کہ عفت اور پری کے ساتھ تو تم کسی قسم کا کوئی ایشو کھڑا نہ کرو۔ وہ دونوں جو بات کہیں سخت یا نرم' اسے خاموشی سے سن لیا کرنا۔ چند ماہ کی بات ہے' پھر ان شاء اللہ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

مثال نے چونک کر باپ کو دیکھا۔

"چند ماہ بعد... کیا ہونے والا ہے' کیا بشریٰ اسے واپس لے جائے گی۔ بابا کا یہ خیال ہے تو ان کی بھول ہے' احسن کمال اب کبھی بھی مجھے اپنے گھر میں قبول نہیں کرے گا۔" اسے اور بھی رونا آنے لگا۔

اسے لگا وہ اپنے باپ پر کوئی بہت بڑی مصیبت بن کر نازل ہوئی ہے اور اس کی وجہ سے اس کے باپ کے کندھے چند گھنٹوں میں جھک سے گئے ہیں۔

"کاش میں یہاں نہ آتی۔" وہ چپکے سے عدیل کے گہری سوچ میں ڈوبے چہرے کو دیکھ کر خود سے بولی۔

"تو پھر میں اور کہاں جاتی؟" وہ سخت رنجیدہ تھی۔

"اب جاکر سو جاؤ تم اور سنو مثال! تمہارا یہ فائنل سیمسٹر ہے نا کالج میں؟" وہ بہت دیر کچھ یاد کرکے بولا تھا۔

"جی بابا!" وہ گھٹی ہوئی آواز میں آہستگی سے بولی۔

"اچھی بات ہے۔ تم اپنا فوکس صرف اپنی اسٹڈیز پر کرنا۔ عفت کے ساتھ گھر کے کاموں میں ہیلپ کرادیا کرنا

اور اپنے کام سے کام رکھنا اور کوشش کرنا پری سے بالکل نہیں الجھو، تم جتنا میری باتوں کو یاد رکھوگی اور ان پر عمل کروگی میرے لیے زندگی کچھ باسہولت ہوجائے گی۔ تم سمجھ رہی ہونا میں تم سے کیا چاہ رہا ہوں۔"

اسے ایک بار پھر اپنے باپ کی بے بسی پر شدت سے رونا آرہا تھا۔ وہ چہرہ جھکائے یوں ہی زور سے گردن اثبات میں ہلائے گئی۔

"بیٹا! میں نہیں چاہتا کہ گھر کا ماحول خراب ہو، خوامخواہ کوئی بدمزگی، کوئی رنجش ہو۔ عفت دل کی بری نہیں ہے اگر تم تحمل سے اسے اپنی ماں کی جگہ رکھ کر اس کے ساتھ رہوگی تو تمہیں اس کا برتاؤ بہت ناگوار نہیں گزرے گا۔" وہ رک رک کر اسے آنے والے دنوں کے لیے تیار کر رہا تھا۔ "پھر پری اور دانی تو تمہاری چھوٹے بہن اور بھائی ہیں جن سے تمہیں بھی بہت محبت ہے نا۔"

مثال اسی طرح سر جھکائے اثبات میں گردن ہلا گئی۔

"آپ بڑی بہن ہو ان کی۔ ان کا خیال کروگی تو وہ بھی آپ کا خیال کریں گے۔ آپ سے محبت کریں گے۔ اسی طرح گھر کی فضا اچھی رہے گی اور میں سکون سے آنے والے دنوں میں تمہارے لیے کوئی بہتر فیصلہ کرسکوں گا۔"

عدیل کی آخری بات پر مثال نے چونک کر اسے دیکھا۔

"کیسا فیصلہ پاپا؟" وہ پوچھے بغیر رہ نہ سکی۔

"میں چاہتا ہوں میری مثال بہت خوش رہے، اس کے اخلاق، اس کا رویہ دوسروں سے سلوک سب اتنا اچھا ہو، مہربان محبت کرنے والا کہ میری بیٹی ایک مثال بن سکے۔ تم سمجھ رہی ہونا۔"

وہ اس کے سوال کو ٹال کر اس کے اوپر رکھی ذمہ داری اور بردباری کی گٹھڑی میں کچھ اور بوجھ بڑھاتا چلا گیا۔ کہ اس گھر کے ماحول کو ٹھیک رکھنے کی تمام تر ذمہ داری مثال کی تھی۔ اس کا رویہ اس کا سلوک سب اتنا مثالی ہونا چاہیے کہ عفت کو اور اس کے بچوں کو اس سے کبھی کوئی شکایت نہ ہو۔ کم از کم عدیل تک ایسی کوئی شکایت نہیں پہنچے۔

"پاپا! میں اگر فرشتہ بھی بن کر رہوں گی اس گھر میں تو بھی آپ کی سیکنڈ وائف اور آپ کے بچوں کو خوش نہیں کرسکوں گی۔" وہ باپ کو دیکھتے ہوئے افسردگی سے دل میں سوچنے لگی۔

"اب تم جاؤ۔ کافی رات ہوگئی ہے کوئی بھی مسئلہ ہو، کوئی بھی ضرورت ہو۔ تم صرف مجھ سے بات کروگی۔ اوکے۔"

وہ اسے برسوں پہلے والی نصیحت یاد دلاتے ہوئے بولا۔ جس پر عمل کرنے کی نوبت آج تک نہیں آسکی تھی۔ اتنے سالوں میں جب بھی مثال اپنے مسئلے اور ضرورتیں لے کر عدیل کے پاس آئی تھی اس کے پاس ان کو سننے کے لیے ان کو حل کرنے کے لیے وقت نہیں ہوتا تھا۔ سن بھی لیے جاتے وہ مسئلے تو ان کو حل کبھی نہیں کیا گیا تھا اور اب پھر، ہی ایک باپ کے فرض سے سبک دوش ہونے والی کوشش!

مثال کچھ کہے بغیر اٹھ کر باہر نکل گئی۔

عدیل اسے جاتا دیکھتے ہوئے ابھی بھی بہت کچھ سوچ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼
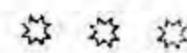
جاب واثق کی توقع سے بہت بڑھ کر تھی۔

کیمیکل بنانے کی اس فیکٹری میں شہزاد نے اسے بہت اچھی سیٹ آفر کی تھی۔ بلکہ سیلری پیکیج بھی بہت اچھا تھا۔

پھر کام کا اسکوپ بہت تھا اور واثق جو یہ سوچ کر گیا تھا کہ اگر جاب اس کے جی کو نہیں لگی تو وہ مروت اور لحاظ میں آئے بغیر شہزاد کو صاف انکار کر آئے گا۔

"یہ سیلری پیکیج اس ماہ کے لیے ہے کہ اس پیریڈ میں ہمیں بہت سے آرڈر پورے کرنے ہیں اگر ہم اس گول کو کامیابی سے اچیو کرلیں گے تو تمہارا پیکیج اس سے تقریباً" ڈبل کردیا جائے گا۔" شہزاد کی بات پر وہ ہنس پڑا۔

"نہیں یار! مجھے لالچ نہیں بناؤ میں اپنے کام کو پوری دیانت داری سے کرنا چاہتا ہوں کہ میری ماں نے مجھے ہمیشہ رزق کو حلال کرکے کھانے کا سبق پڑھایا ہے، ابھی مجھے صرف اپنے کام میں دلچسپی ہے آگے ملنے والے پیکیج میں نہیں۔" وہ صاف گوئی سے بولا۔

"ویل اینڈ گڈ اور یار ہماری فیکٹری سے کیا بلکہ ہر جگہ موجود کام کرنے والا ایسی سوچ رکھ کر اپنا کام خوب لگن سے کرے تو میرے خیال میں کہیں بھی کوئی کمی نہ رہے اور کرپشن تو جڑوں سے ہل جائے۔" شہزاد بھی اس کی سوچ سے متاثر ہوا تھا۔

"بالکل... کیا ہم آج ہی اپنے پروجیکٹس ڈسکس کرلیں جو ہمیں اگلے تین ماہ کے دوران مکمل کرنے ہیں۔" واثق کام کرنے کے لیے بے چین تھا۔ فوراً" ہی بولا۔

"کیوں نہیں۔ لیکن پہلے کافی یا چائے۔ بتاؤ کیا چلے گا؟"

"کافی ہی منگوالو۔" وہ سر ہلا کر بولا۔

"ایک سال پہلے تک پاپا ہی سب کچھ دیکھا کرتے تھے۔ میں تو کبھی کبھار جب دل چاہا آفس آجایا کرتا تھا۔ کچھ ایسی پابندی نہیں تھی مجھ پر۔ لیکن چھ سات ماہ پہلے پاپا کی طبیعت خراب ہوئی تو پھر وہ ٹھیک ہی نہیں ہوسکے تو مجبوراً" سب کچھ مجھے سنبھالنا پڑا۔ یقین کرو شروع میں تو جب سارا کچھ میرے سر پر پڑا تو یک بیک میرے ہاتھ پاؤں پھول گئے تھے۔ کافی وقت لگا مجھے سب کچھ سمجھنے میں۔" شہزاد اس کے سامنے لیپ ٹاپ کھول کر پروجیکٹس کی فائل نکالتے ہوئے بتانے لگا۔

"اوہ کیا ہوا ہے تمہارے فادر کو؟"

"پیرالائز ہیں پچھلے تین ماہ سے۔"

"اوہ ویری سیڈ۔ اللہ انہیں صحت دے۔ میں کسی وقت جاؤں گا تمہارے ساتھ انہیں دیکھنے۔"

"ہاں ضرور۔ اچھا یہ دیکھو، یہ پہلا پروجیکٹ جو ہمیں صرف چالیس دن میں مکمل کرنا ہے۔"

اس نے لیپ ٹاپ واثق کے آگے کھسکایا اور دونوں ڈسکشن کرنے لگے۔

☼ ☼ ☼

"نہیں پاپا! مجھے نہیں جانا۔" پری نے قطعیت سے کہا۔

عفت کے ساتھ عدیل نے بھی کچھ حیران ہوکر اسے دیکھا۔

"لیکن مجھے تو جانا ہے۔ یہ بات صرف تمہاری طرف سے نہیں ہوسکتی۔ پاپا! مجھے چلنا ہے سیر کے لیے۔" دانی بھی حتمی لہجے میں بولا۔

مثال سب کے لیے گرم چائے لے کر آرہی تھی۔
وہ چائے میز پر رکھ کر خاموشی سے واپس پلٹ گئی۔
عدیل نے ایک نظر اسے جاتے دیکھا۔
"تم ناشتا نہیں کر رہیں ہمارے ساتھ؟" وہ پیچھے سے مثال کو پکارنا چاہتا تھا مگر عفت کی تیز نظروں سے خائف ہو کر اس نے اپنی پکار کو وہیں خاموش کرا دیا۔
"تو ٹھیک ہے تم جاؤ مگر میں نہیں جا رہی۔" پری اسی تمکنت بھرے لہجے میں بولی۔
"لیکن کیوں پری... جان! پاپا نے یہ پروگرام صرف تمہاری وجہ سے تو بنایا تھا۔" عفت اسے چھوٹے بچوں کی طرح چمکار کر بولی۔
"تو کیا اس گھر میں سارے پلان صرف پری بیگم کو خوش کرنے کے لیے بنتے ہیں.... میری مرضی، میری خوشی کچھ بھی نہیں۔"
دانی پری کے انداز پر بھڑک اٹھا اور زور سے ہاتھ میں پکڑا جوس کا گلاس میز پر پٹخ کر بولا۔
عدیل اور عفت اس کے انداز پر لحہ بھر کو گنگ سے رہ گئے۔
"دانی۔۔۔ یہ کیا طریقہ ہے بات کرنے کا؟" عفت نے اسے گھر کا۔
"ایک بات آج آپ مجھے کلیر کردیں۔ میری اس گھر میں کیا پوزیشن ہے۔ سیکنڈ سٹیزن ہوں میں کیا اس گھر کا؟"
وہ جیسے غصے میں بھرا ہوا تھا۔
"دانیال!" عدیل کچھ شاکڈ سا رہ گیا۔
"ہر بات میں صرف پری کی رائے پوچھی جاتی ہے۔ اس کا مشورہ جانا جاتا ہے۔ اس کی پسند ناپسند کو فوقیت دی جاتی ہے۔ تو پھر میری کیا حیثیت ہے یہاں۔ پہلے پری کی وجہ سے سیر کا پروگرام بنایا گیا۔ مجھ سے کسی نے نہیں پوچھا کہ میں جانا بھی چاہتا ہوں یا نہیں، جب میں مینٹلی تیار ہو گیا تو اب آپ کی لاڈلی کے کہنے پر اس پروگرام کو کینسل کر دیا جائے گا۔ آئی نو ایسا ہی ہو گا شٹ۔ میں کون ہوں پھر۔" وہ ساڑھے پندرہ سال کا ساڑھے پانچ فٹ نکلتا قد، بھرے جسم اور میچور چہرے کے ساتھ ماں باپ کے سامنے کھڑا انہیں آنے والے سخت ترین دنوں کی جھلک دکھا رہا تھا۔
"مائی فٹ تو میں بھی اب کبھی کہیں بھی۔ کہیں بھی نہیں جاؤں گا اوکے۔" اس نے زور سے میز پر مکا مارا ناشتے کے لوازمات اور برتن بری طرح سے کھنکھنا کر رہ گئے۔
کرسی کو ٹھوکر مار کر لڑھکاتا ہوا دروازے کو لات رسید کرتا وہ کمرے سے ہی نہیں گھر سے بھی باہر جا چکا تھا۔ اور وہ چاروں بالکل گنگ تھے۔
جیسے کسی بڑے طوفان کے گزر جانے کے بعد ہر طرف خاموشی چھا جاتی ہے۔

"دیکھا تم نے اس کی حرکت کو۔ اسے یہ تمیز ہے بڑوں سے بات کرنے کی۔ کیا پڑھنے جاتا ہے یہ اتنے مہنگے اسکول میں۔ یہ لڑکا میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا عفت! تم اس کی ایسی تربیت کر رہی ہو۔ یہ۔۔۔ یہ تو بالکل ہاتھوں سے نکل چکا ہے اور تم ایسی بے خبر ہیں اس سے۔" عدیل بری طرح سے صدمے میں تھا اور عفت سے تو جواب میں کچھ بولا نہیں گیا۔ پریشے کے لیے بھی یہ سب خلاف امید تھا وہ بھی جیسے ڈر کر بالکل خاموش ہو گئی تھی۔
عدیل کچھ بھی کھائے بغیر نڈھال سا ڈائننگ ٹیبل سے اٹھ کر چلا گیا اور عفت چاہنے کے باوجود اسے روک

نہیں سکی۔
دانی کے ری ایکشن نے اسے بھی سخت خوف زدہ کر دیا تھا۔ ایسا تو وہ کبھی بھی نہیں تھا۔ پھر اسے ہوا کیا۔
وہ بس یہی سوچ رہی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ پبلک لائبریری کے باہر سیڑھیوں پر دونوں گھٹنوں کے گرد بازو کا گھیرا کیے بیٹھی کسی گہری سوچ میں گم تھی۔
وہ اندر کی طرف آتے ہوئے اسے دیکھ کر بے اختیار ٹھٹکا تھا۔
اس کے ارد گرد لوگ آجا رہے تھے۔ مگر وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر تھی شام کے سائے گہرے ہو رہے تھے۔ پرندے شور مچاتے اپنے گھونسلوں کو لوٹ رہے تھے وہ ان کے شور کو بھی سن نہیں رہی تھی۔
واثق آہستگی سے اس کے دوسری طرف جا کر بیٹھ گیا۔
وہ اسی طرح کسی اسٹیچو کی مانند ساکت تھی۔
"تو جاب ملی پھر تمہیں؟" بہت دیر بعد واثق نے اس گہرے سکوت کو آہستگی سے توڑا۔
"نہیں۔" اس نے حرکت کیے بغیر آہستگی سے جواب دیا۔
تو وہ اتنی بھی غافل نہیں بیٹھی تھی جتنا اسے واثق سمجھا تھا۔
"تو کوشش ترک کر دی؟" وہ اسے بولنے پہ اکسانے کے لیے بولا۔
"نہیں۔" جواب پھر مختصر تھا۔
"اگر میں کچھ ہیلپ کر سکوں تو؟" وہ لہجے میں کچھ اور بھی نرمی اور اپنائیت سمو کر بولا۔
"نہیں۔" وہ اسی طرح کسی نادیدہ نقطے پر نگاہیں جمائے اسی لہجے میں بولی۔
"نہیں کے سوا اور کوئی جواب نہیں ہے تمہارے پاس۔" وہ اس کی نہیں کی تکرار پر جھنجلا کر بولا۔
"نہیں۔" وہ پھر اس ٹون میں اسے چڑانے کو بولی۔
اور اگلے لمحے اس کی طرف مڑ کر دیکھے بغیر اٹھ کر جانے لگی اور واثق کو پتا بھی نہیں چلا بالکل غیر ارادی طور پر اس نے مثال کا ہاتھ اپنے مضبوط ہاتھ میں جکڑ لیا۔
مثال کو جیسے ہزار والٹ کا کرنٹ لگا۔
وہ تڑپ کر مڑی۔
وہ مسکراتے چہرے کے ساتھ اپنائیت بھری مسکراہٹ سے اسے یوں دیکھ رہا تھا جیسے وہ روز اسی طرح ملا کرتے ہیں۔
"مسٹر۔۔۔" وہ پورا زور لگا کر ہاتھ کھینچ رہی تھی۔
"واثق۔۔۔ واثق احمد نام ہے میرا اور آپ کا مثال۔۔۔ ہے نا۔" وہ اسی طرح اس کا ہاتھ اپنی مضبوط گرفت میں لیے اس کے سرخ ہوتے چہرے پر نظریں جمائے بولا۔

مثال کی آنکھیں کچھ حیرت سے پھیل سی گئیں۔
"بھئی اب اتنے مہینوں بلکہ شاید سالوں سے تو ہم مل رہے ہیں، میرا مطلب ہے آتے جاتے رستوں پر ٹکرا رہے ہیں تو اتنا حق تو ہے ایک دوسرے کے نام جان سکیں اور ایک دوسرے کے مسائل شیئر کر سکیں۔ ایم آئی رائٹ؟" وہ اس کے برابر کھڑا ہو کر اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا۔

"پلیز میرا ہاتھ چھوڑیں فوراً" - "وہ غصے میں غرا کر بولی۔
"ورنہ آپ تھپڑ کھینچ ماریں گی۔ ہے نا۔"
"میں یہ کر سکتی ہوں جانتے ہیں آپ۔ چھوڑیں مجھے۔" وہ اسے پرے دھکیل کر زور سے بولی تو اس نے ایک دم سے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔
"آپ کہیں بھی چلی جائیں۔ آپ کا ہر راستہ مجھ تک آئے گا۔ اور یہ ہر بار اتفاقاً" نہیں ہوتا۔ بہتر ہے ہم کہیں بیٹھ کر بات کرلیں میں صرف یہ چاہتا ہوں۔"
وہ بولتا ہوا اب اس کے برابر چل رہا تھا۔
"مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی؟" وہ اس سے آگے نکلنے کی کوشش میں اب تقریباً" دوڑ رہی تھی۔
"پلیز آہستہ چلیں لوگ سمجھیں گے شاید ہم دونوں کسی میراتھن میں حصہ لینے جارہے ہیں۔ سب ہماری طرف ہی دیکھ رہے ہیں۔" اس نے ڈرایا اور وہ ڈر گئی۔
بے اختیار دائیں بائیں دیکھنے لگی۔ لوگ گزر تو رہے تھے مگر ان کی طرف کوئی متوجہ نہیں تھا۔
"مثال! میں آپ کو جاب دلا سکتا ہوں بہت اچھی نہیں لیکن ایک مناسب جاب... ایک اچھی اکیڈمی کو جونیئر ٹیچرز کی ضرورت ہے اگر آپ کا موڈ ہو تو اس ایڈریس پر چلی جایئے گا۔ آئی ہوپ آپ کا کام بن جائے گا۔ ظاہر ہے اسٹڈیز کے دوران آپ نائن ٹو فائیو والی جاب تو نہیں کرسکیں گی۔ فی الحال یہ اکیڈمی کی جاب آپ کو سوٹ کرے گی۔" کہہ کر وہ وزیٹنگ کارڈ اس کے ہاتھ میں تھما کر آگے بڑھ گیا مثال وہیں کھڑی اس کو جاتے دیکھتی رہی۔
دوسری نظر اس نے وزیٹنگ کارڈ پہ ڈالی۔
"اس کو میرے بارے میں سب کچھ کیسے معلوم ہے۔ میرا نام، چلو جاب ڈھونڈنے کا پتا تو اسے میرے بک ایشو کروانے پر ہوگیا۔ میں پڑھ رہی ہوں اسے یہ بھی معلوم ہے اور پتا نہیں کیوں میں اس سے بہت سختی سے پیش نہیں آپائی۔
اور یہ ٹھیک کہتا ہے کہ ہم دونوں اتنی بار ٹکرا چکے ہیں کہ اب تو واقعی مجھے بھی اس کی عادت سی ہونے لگی ہے۔ پاپا کے گھر جب بھی آتی تھی میں انجانے پن میں اس کے کہیں نہ کہیں ملنے کی کیوں منتظر رہتی تھی۔"
وہ اب سست روی سے گھر کی طرف بڑھ رہی تھی۔
یہ پبلک لائبریری عدیل کے گھر سے پیدل کے راستے پر تھی اور کوئی نہ کوئی کتاب ایشو کروانے کے لیے وہ اکثر شام کو ادھر آجایا کرتی تھی اور آج تو سارا دن سارے گھر میں موت کا سا سناٹا رہا تھا۔ اس نے عفت کو لائبریری آنے کا بتایا تو اس نے کوئی جواب بھی نہیں دیا۔ وہ خاموشی سے باہر نکل گئی تھی۔
کل شام میں میں اس اکیڈمی جاؤں گی۔ مجھے اس کا نام بھی کچھ دیکھا دیکھا لگ رہا ہے۔"
وہ کارڈ کو سرسری نظر سے دیکھ کر مٹھی میں دباتی شام گہری ہونے کے احساس پر تیز قدموں کے ساتھ گھر کی طرف چل پڑی۔

☆ ☆ ☆

سارا گھر پیک ہوچکا تھا۔

بھاری فرنیچر اور دوسرے سامان کو دو تین کمروں میں اکٹھا کرکے بحفاظت رکھ دیا گیا تھا۔
بہت سا سامان احسن کمال کے کہنے پر ضرورت مندوں میں یونہی دے دیا گیا تھا۔

اپنی آئینہ کی اور احسن کی پیکنگ وہ مکمل کرچکی تھی۔
اور وہ یہ سارے کام کسی روبوٹ کی طرح نبٹاتی رہی تھی۔ اس کی دلچسپی اب کسی بھی کام میں نہیں رہی تھی اسے یوں لگ رہا تھا۔ اب وہ جس سفر پر جانے والی ہے اس سے کبھی واپسی نہیں ہوگی۔
اس نے تھکی ہوئی نظر سارے گھر پر ڈالی کچھ بھی نمٹنے کو نہیں رہ گیا تھا۔
رات گیارہ بجے کی فلائٹ تھی ان کی سڈنی کے لیے سیفی دو دن پہلے جاچکا تھا۔ وہ چھ سات ماہ بعد ہمیشہ کے لیے ان کے پاس آسٹریلیا آجاتا۔
آئینہ اور احسن کمال کچھ ضروری چیزوں کی شاپنگ کے لیے مارکیٹ گئے تھے۔ جہاں انہیں تین چار گھنٹے لگ سکتے تھے۔
ابھی ساڑھے چار ہوئے تھے اس کے پاس ٹائم تھا۔
وہ اس خیال کے آتے ہی بے چین سی اٹھ کھڑی ہوئی اور تیزی سے باہر نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

وہ کل کی ایشو کروائی ہوئی کتابیں لے کر چھت پر آگئی۔
بہت سوچنے کے باوجود بھی وہ اکیڈمی نہیں جاسکی تھی۔
پہلے پاپا سے بات کروں لیکن آج کل ان کا موڈ بہت آف ہے۔ اگر انہیں بعد میں پتا چلا تو ناراض ہوجائیں گے۔ وہ یہی سوچ کر نہیں گئی۔
اور گھر کا ماحول تو ابھی بھی بہت خراب تھا۔
دانی نے عفت کے لاکھ سمجھانے بجھانے کے باوجود عدیل سے معذرت کرنے سے انکار کردیا تھا۔
عفت کو پہلی بار عدیل سے بہت شرمندگی ہوئی تھی۔ وہ رات بہت دیر سے گھر آیا اور کچھ بھی کھائے بغیر خاموشی سے سونے کے لیے لیٹ گیا تھا۔ اور صبح بھی خاموشی سے خالی چائے پی کر آفس چلا گیا تھا۔ پری بھی بالکل خاموش تھی۔
اور مثال سے تو کسی کو کوئی غرض نہیں تھی۔ ان دو دنوں میں اس نے کچن کا گھر کا سارا کام سنبھال لیا تھا کہ کہیں کوتاہی ہوجانے پر بیٹے کا غصہ عفت اس پر نہ نکال دے۔
مگر عفت بالکل بھی اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔
"ماما نے اتنے دنوں سے مجھے ایک بار بھی فون نہیں کیا۔ مجھ سے بات نہیں کی جیسے انہیں ایسے کسی بہانے کی تلاش تھی کہ وہ مجھ سے پیچھا چھڑا لیتیں۔ وہ انہیں سیفی نے دے دیا تھا۔"
ایک دم سے اسے بشریٰ کی بے اعتنائی کا خیال آیا آنکھیں بھر آئیں۔ نیچے سڑک پر گاڑی کے رکنے اور گاڑی کا دروازہ کھلنے اور بند ہونے کی آواز پر وہ یونہی بے دھیان سی بیٹھی رہی۔
"وہ کہیں مما مجھے لینے تو نہیں آگئیں؟" بہت دیر بعد اسے اچانک جیسے خیال آیا تو وہ تیزی سے نیچے بھاگ گئی۔

☆ ☆ ☆

عفت سامنے کھڑی اس خوب صورت، پروقار اداس حسن والی ادھیڑ عمر عورت دیکھ کر کچھ چونکی تھی۔
"میں بشریٰ... مثال ہے گھر پر؟" وہ بہت رک رک کر بولی تھی، عفت شاکڈ سی کھڑی رہ گئی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

رخسانہ نگار عدنان

عدیل اور فوزیہ نسیم بیگم کے بچے ہیں۔ بشریٰ ان کی بہو ہے اور ذکیہ بیگم کی بیٹی ہے۔ عمران بشریٰ کا بھائی ہے۔ مثال ذکیہ بیگم کی نواسی اور نسیم بیگم کی پوتی ہے۔ بشریٰ اور نسیم بیگم میں روایتی ساس بہو کا تعلق ہے۔ نسیم بیگم مصلحتاً "بیٹا بہو سے لگاوٹ دکھاتی ہیں۔ دوسری طرف ذکیہ بیگم کا کہنا ہے۔ ان کی بیٹی بشریٰ کو سسرال میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ پانچ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد بشریٰ کی نند فوزیہ کا بالآخر ایک جگہ رشتہ طے پا جاتا ہے۔ نکاح والے روز بشریٰ دولہا ظہیر کو دیکھ کر چونک جاتی ہے۔

عدیل سے شادی سے قبل ظہیر کا بشریٰ کے لیے بھی رشتہ آیا تھا مگر بات نہ بن سکی تھی۔ نکاح والے دن فوزیہ کی ساس زاہدہ اور ذکیہ بیگم بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔ بشریٰ اپنی ماں سے یہ بات چھپانے کے لیے کہتی ہے مگر عدیل کو پتا چل جاتا ہے۔ وہ ناراض ہوتا ہے مگر فوزیہ اور نسیم بیگم کو بتانے سے منع کر دیتا ہے۔ بشریٰ اور عدیل ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جاتے ہیں۔ وہاں انہیں پتا چلتا ہے کہ بشریٰ کے ہاں سات سال بعد پھر خوش خبری ہے۔

عفان اور عاصمہ اپنے تین بچوں اور والد کے ساتھ کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔ عفان کے والد فاروق صاحب سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ گریجویٹی اور گاؤں کی زمین فروخت کر کے وہ اپنا گھر خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ڈیڑھ کروڑ میں زمین کا سودا کر کے وہ عفان کے ساتھ خوشی خوشی شہر آ رہے ہوتے ہیں کہ ڈکیتی کی واردات میں قتل ہو جاتے ہیں۔

عفان کے قریبی دوست زبیر کی مدد سے عاصمہ عفان کے آفس سے تین لاکھ روپے اور فاروق صاحب کی گریجویٹی سے سات لاکھ روپے وصول کر پاتی ہے۔ زبیر گھر خریدنے میں بھی عاصمہ کی مدد کر رہا ہے۔

اسلام آباد سے واپسی پر عدیل دونوں مقتولین کو دیکھتا ہے۔ زاہدہ، نسیم بیگم سے بیس لاکھ روپے سے مشروط فوزیہ کی

رخصتی کی بات کرتی ہیں۔وہ سب پریشان ہوجاتے ہیں۔عدیل بشریٰ سے ذکیہ بیگم سے تین لاکھ روپے لانے کو کہتا ہے۔
حمیدہ خالہ 'عاصمہ کو سمجھاتی ہیں کہ عدت میں زبیر کا اکیلے اس کے گھر آنا مناسب نہیں ہے۔لوگ باتیں بنارہے ہیں جبکہ عاصمہ کی مجبوری ہے کہ گھر میں کوئی مرد نہیں۔اس کا بیٹا ابھی چھوٹا ہے اور سارے کام اس نے خود کرنے ہیں۔وہ جلد از جلد اپنا گھر خریدنا چاہتی ہے۔عاصمہ کے کہنے پر زبیر کسی مفتی سے فتویٰ لے کر آجاتا ہے کہ دوران عدت انتہائی ضرورت کے پیش نظر گھر سے نکل سکتی ہے بشرطیکہ مغرب سے پہلے واپس گھر آجائے 'سووہ عاصمہ کو مکان دکھانے لے جاتا ہے۔اور موقع سے فائدہ اٹھا کر اسے اپنی ہوس کا نشانہ بناتا ہے اور وہیں چھوڑ کر فرار ہوجاتا ہے۔
رقم مہیا نہ ہونے کی صورت میں فوزیہ کو طلاق ہوجاتی ہے۔ نسیم بیگم جذباتی ہوکر بشریٰ اور اس کے گھر والوں کو مورد الزام ٹھہرانے لگتی ہیں۔اسی بات پر عدیل اور بشریٰ کے درمیان خوب جھگڑا ہوتا ہے۔عدیل طیش میں بشریٰ کو دھکا دیتا ہے۔اس کا ابارشن ہوجاتا ہے۔عدیل شرمندہ ہوکر معافی مانگتا ہے مگر وہ ہنوز ناراض رہتی ہے اور اسپتال سے اپنی ماں کے گھر چلی جاتی ہے۔
اسی اسپتال میں عدیل عاصمہ کو دیکھتا ہے جسے بے ہوشی کی حالت میں لایا گیا ہوتا ہے۔عاصمہ اپنے حالات سے تنگ آکر خودکشی کی کوشش کرتی ہے تاہم بچ جاتی ہے۔نو سال بعد عاصمہ کا بھائی ہاشم پریشان ہوکر پاکستان آجاتا ہے۔عاصمہ کے سارے معاملات دیکھتے ہوئے ہاشم کو پتا چلتا ہے کہ زبیر نے ہر جگہ فراڈ کرکے اس کے سارے راستے بند کردیے ہیں اور اب مفرور ہے۔بہت کوششوں کے بعد ہاشم 'عاصمہ کو ایک مکان دلا پاتا ہے۔
بشریٰ اپنی واپسی الگ گھر سے مشروط کردیتی ہے۔دوسری صورت میں وہ علیحدگی کے لیے تیار ہے۔عدیل سخت پریشان ہے۔عدیل مکان کا اوپر والا پورشن بشریٰ کے لیے سیٹ کروادیتا ہے اور کچھ دنوں بعد بشریٰ کو مجبور کرتا ہے کہ وہ فوزیہ کے لیے عمران کا رشتہ لائے۔ نسیم بیگم اور عمران کسی طور نہیں مانتے۔عدیل اپنی بات نہ مانے جانے پر بشریٰ سے جھگڑتا ہے۔بشریٰ بھی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتی ہے۔عدیل طیش میں بشریٰ کو طلاق دے دیتا ہے اور مثال کو چھین لیتا ہے۔مثال بیمار پڑجاتی ہے۔بشریٰ بھی حواس کھودیتی ہے۔ عمران بہن کی حالت دیکھ کر مثال کو عدیل سے چھین کرلے آتا ہے۔عدیل 'عمران پر اغوا کا پرچا کٹوادیتا ہے۔
عاصمہ اسکول میں ملازمت کرلیتی ہے مگر گھریلو مسائل کی وجہ سے آئے دن چھٹیاں کرنے کی وجہ سے ملازمت چلی جاتی ہے۔اچانک ہی فوزیہ کا کہیں رشتہ طے ہوجاتا ہے۔
انسپکٹر طارق دونوں فریقین کو سمجھا بجھا کر مصالحت پر آمادہ کرتے ہیں۔ذکیہ بیگم کی خواہش ہے کہ عدیل 'مثال کو لے جائے 'تاکہ وہ بشریٰ کی کہیں اور شادی کرسکیں۔دوسری طرف نسیم بیگم بھی ایسا ہی سوچ بیٹھی ہیں۔فوزیہ کی شادی کے بعد نسیم بیگم کو اپنی جلد بازی پر پچھتاوا ہونے لگتا ہے۔
انسپکٹر طارق 'ذکیہ بیگم سے بشریٰ کا رشتہ مانگتے ہیں۔ذکیہ بیگم خوش ہوجاتی ہیں 'مگر بشریٰ کو یہ بات پسند نہیں آتی۔ایک پراسرار سی عورت عاصمہ کے گھر بطور کرائے دار رہنے لگتی ہے۔وہ اپنی حرکتوں اور انداز سے جادو ٹونے والی عورت لگتی ہے۔عاصمہ بہت مشکل سے اسے نکال پاتی ہے۔
بشریٰ کا سابقہ منگیتر احسن کمال ایک طویل عرصے بعد امریکا سے لوٹ آتا ہے۔وہ گرین کارڈ کے لالچ میں بشریٰ سے منگنی توڑ کر نازیہ بھٹی سے شادی کرلیتا ہے 'پھر شادی کے ناکام ہوجانے پر ایک بیٹے سیفی کے ساتھ دوبارہ اپنی چچی ذکیہ بیگم کے پاس آجاتا ہے اور دوبارہ بشریٰ سے شادی کا خواہش مند ہوتا ہے۔بشریٰ تذبذب کا شکار ہوجاتی ہے۔
بشریٰ اور احسن کمال کی شادی کے بعد عدیل مستقل طور پر مثال کو اپنے ساتھ رکھنے کا دعوا کرتا ہے مگر بشریٰ قطعی نہیں مانتی 'پھر احسن کمال کے مشورے پر دونوں بمشکل راضی ہوجاتے ہیں کہ مہینے کے ابتدائی پندرہ دنوں میں مثال 'بشریٰ کے پاس رہے گی اور بقیہ پندرہ دن عدیل کے پاس۔گھر کے حالات اور نسیم بیگم کے اصرار پر بالآخر عدیل عفت سے شادی کرلیتا ہے۔والدین کی شادی کے بعد مثال دونوں گھروں کے درمیان گھن چکر بن جاتی ہے۔بشریٰ کے گھر میں سیفی اور احسن اس کے ساتھ کچھ اچھا برتاؤ نہیں کرتے اور عدیل کے گھر میں اس کی دوسری بیوی عفت۔مثال کے لیے مزید زمین تنگ بشریٰ

اور عدیل کے نئے بچوں کی پیدائش کے بعد بڑھ جاتی ہے۔ مثال اپنا اعتماد کھو بیٹھتی ہے۔ احسن کمال اپنی فیملی کو لے کر ملائیشیا چلا جاتا ہے اور مثال کو تاریخ سے پہلے عدیل کے گھر بھجوا دیتا ہے۔ دوسری طرف عدیل اپنی بیوی بچوں کے مجبور کرنے پر مثال کے آنے سے قبل اسلام آباد چلا جاتا ہے۔ مثال مشکل میں گھر جاتی ہے۔ پریشانی کی حالت میں اسے ایک نشئی تنگ کرنے لگتا ہے تو عاصمہ آکر اسے بچاتی ہے۔ پھر اپنے گھر لے جاتی ہے۔ جہاں سے مثال اپنے ماموں کو فون کر کے بلواتی ہے اور اس کے گھر چلی جاتی ہے۔

عاصمہ کے حالات بہتر ہو جاتے ہیں۔ وہ نسبتاً "پوش ایریا میں گھر لے لیتی ہے۔ اس کا کوچنگ سینٹر خوب ترقی کر جاتا ہے۔ اسے مثال بہت اچھی لگتی ہے۔ مثال، واثق کی نظروں میں آچکی ہے تاہم دونوں ایک دوسرے سے واقف نہیں ہیں۔

عاصمہ کا بھائی ہاشم ایک طویل عرصے بعد پاکستان لوٹ آتا ہے اور آتے ہی عاصمہ کی بیٹیوں اریشہ اور اریبہ کو اپنے بیٹوں وقار، وقاص کے لیے مانگ لیتا ہے۔ عاصمہ اور واثق بہت خوش ہوتے ہیں۔

مثال کو نیند میں محسوس ہوتا ہے کہ کوئی اسے گھسیٹ رہا ہے۔

۲۰
بیسویں قسط

سب کچھ ویسے ہی تو تھا۔

یوں جیسے وہ ابھی تھوڑی دیر کے لیے اٹھ کر کچن میں گئی تھی اور اب یہاں بیٹھی کسی مہمان کا انتظار کر رہی ہو۔

اسے لگا جیسے وقت کا پہیہ اسے بے آواز پروں پر اڑاتا بیس سال پیچھے لے آیا ہو۔

جب وہ اس گھر کی مالک تھی۔ گھر کے مالک کا سب کچھ اور سب کچھ، کتنی جلدی 'کچھ بھی نہیں' میں بدلتا ہے اس کا تلخ ترین تجربہ اسے ہو چکا تھا۔

وہ تجربے کی اس جلتی بھٹی سے گزر آئی تھی۔ اگرچہ فرنیچر بدلا جا چکا تھا۔ پردے بھی بیس سال پہلے والے نہیں تھے۔ دیواروں پر ہوا رنگ و روغن بھی پہلے جیسا نہیں تھا۔ مگر ڈرائنگ روم کی وسعت ابھی بھی اتنی ہی تھی جب وہ یہاں ہوا کرتی تھی اور سامان کی ترتیب بھی وہی تھی، جو اس نے شادی کے اولین دنوں میں عدیل اور فوزیہ کے ساتھ مل کر کی تھی۔

پھر بدلاؤ کہاں تھا؟

عجیب بہکے بہکے خیالات اسے آرہے تھے۔ اس نے زور سے دونوں کنپٹیوں کو دبایا۔ اسے چکر آرہے تھے۔

اسے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔ بیٹھے بیٹھے اسے بہت شدت سے احساس ہوا۔ جانے عدیل کیا سمجھتا۔ اس کی بیوی جس کا چہرہ اتنا سپاٹ اتنا برفیلا تھا۔

مجھے دیکھ کر اس کی آنکھوں کی الجھن کیسے بڑھی تھی۔

مثال یہاں اس گھٹے ہوئے گھر میں اس سخت رو عورت کے ساتھ باقی کی زندگی کیسے گزارے گی؟

عدیل... یہ ہم دونوں نے اپنی بیٹی کو کس امتحان میں ڈال دیا۔ اس کی پوری زندگی کو ایک آزمائش بنا دیا اور خود اسے عبرت کا نشان... دوسروں کے لیے مثال!

تم اس قسم کی مثال بنانا چاہتے تھے اسے سب دنیا کے والدین کے لیے۔

نہیں میری مثال جیسی قسمت تو کسی ماں باپ کی بیٹی کی نہیں ہو۔ کاش! اس وقت طیش، غصے اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی ضد نے ہم دونوں کو یوں اندھا نہ کر دیا ہوتا۔

صرف ایک بار.... ایک بار ہم دونوں رک کر اپنی اس معصوم بیٹی کے بارے میں کچھ تو سوچ لیتے کہ ہم دونوں الگ ہو جائیں گے تو اس کا کیا بنے گا۔
ہماری بیٹی تو رل گئی ہے اس کی زندگی تو عام لڑکیوں جیسی رہی ہی نہیں۔ اور جو کچھ اس رات اس کے ساتھ میرے گھر میں ہوا اگر وہ تمہیں بتا دیتی....
مگر نہیں کیسے بتاتی.... میں جانتی ہوں جیسی انجان ماں میں ہوں ویسے ہی بے خبر باپ تم بھی ہو۔
تم اپنی نئی بیوی اور دو بچوں کے سامنے جواب دہ ہو۔ چاہتے ہوئے بھی اپنی اس مظلوم بیٹی سے محبت پیار کے دو بول اکیلے میں بھی نہیں بول پاتے ہو گے۔ بالکل میری طرح جس نے ممتا کا گلا گھونٹتے گھونٹتے دیکھو بالکل ہی اس کی محبت کو ختم کر دیا۔
میری مثال....
"مما آپ!" وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر بے آواز سسکیوں سے روتے ہوئے خود احتسابی میں مصروف تھی۔
وہ قطعاً" بھول چکی تھی کہ وہ کہاں موجود ہے۔ مثال کی مدھم آواز نے اسے چونکا دیا۔ وہ یونہی ہاتھوں میں چہرہ چھپائے ذرا سا گھومی۔ بہت آہستگی سے اس نے اپنی بے کاجل آنکھوں کو مسلا۔
مثال ماں کے پیچھے بالکل ساکت کھڑی تھی۔
"بس گھنٹے بھر میں نکلنا تھا ہمیں تو یونہی مجھے لگا مجھے جانے سے پہلے تم سے ضرور ملنا چاہیے۔ بھلے ذرا سی دیر کے لیے ہی.... میں تم سے مل آؤں۔"
وہ رک رک کر خود کو سنبھالتے ہوئے بے ربطگی سے بول رہی تھی۔ منہ نیچے کیے پرس میں کچھ تلاشتی ہوئی مثال سے بہت کچھ چھپانے کی سعی کرتی بشریٰ۔ ایک دم سے مثال کو بہت مظلوم لگی۔
"آپ فون پر بات کر لیتیں۔" وہ ماں کی حالت سے آنکھیں چرا کر بے تاثر لہجے میں بولی۔
بشریٰ نیا ٹشو نکال کر اپنی آنکھیں اور چہرہ خشک کر چکی تھی اور ایک مصنوعی سی مسکراہٹ بھی ہونٹوں پر سجا چکی تھی۔
"جان! معلوم نہیں پھر کتنے عرصے کے بعد واپسی ہو.... ہو بھی یا...." اس سے آگے وہ چاہتے ہوئے بھی کچھ بول نہیں پائی اور متجسس عفت باہر کھڑی کچھ اور بھی دروازے کے ساتھ چپک گئی۔
مثال کچھ بھی نہ بول سکی۔ اسے بھی امید نہیں تھی کہ اب اس کی ماں بھی واپس آسکے گی۔
وہ آنکھوں میں اترتی نمی کو چھپانے کے لیے ایک طرف پڑے بے ترتیب کشنز کو ترتیب دینے لگی۔
بشریٰ بے بسی سے مثال کے نازک جسم کو دیکھے گئی۔
"کتنی کمزور ہو گئی ہے مثال ان چند دنوں میں اس خوفناک رات کا اس نے بہت اثر لیا ہے۔" اس نے دل میں خود سے سرگوشی کی۔
"مثال!" وہ اس کے پاس آکر بہت آہستگی سے بولی۔
"جی ماما!" مثال خود کو سنبھال چکی تھی۔ مڑ کر نارمل لہجے میں بولی۔
"تم نے یہاں۔ میرا مطلب ہے گھر میں۔ اپنے پاپا سے کچھ کہا تو نہیں؟" وہ اٹک اٹک کر بولی۔
مثال نے الجھن بھری نظروں سے ماں کو دیکھا اور دوسرے لمحے جیسے سمجھ کر بے اختیار نظریں چرا گئی۔
"سیفی کے بارے میں؟" بشریٰ سرگوشی میں بولی۔
مثال نے بمشکل نفی میں سر ہلایا۔ بشریٰ اسے دیکھتی رہ گئی اور پھر جیسے اس کے ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔ وہ مثال کو ساتھ لپٹائے بے آواز آنسوؤں سے روتی چلی گئی اور گھر میں داخل ہوتا عدیل عفت کو دروازے

سے یوں چپکے دیکھ کر متجسس انداز میں آگے بڑھا۔

اور کھلے دروازے سے بشریٰ کو مثال سے یوں لپٹ کر روتے دیکھ کر لمحہ بھر کو چونکا اور پھر شکستہ قدموں سے واپس مڑ گیا۔

جیسے اس کے دل نے ابھی گھر کے راستے کی طرف مڑتے ہوئے اسے خبر کی تھی کہ گھر میں بشریٰ ضرور موجود ہو گی اور وہ جاتے ہی اسے دیکھ لے گا۔ اس کا گمان یا اس کی خواہش ضرور پوری ہوئی تھی۔

مگر یہ سب چند لمحوں کا کھیل تھا۔

ایک نہ کہہ سکنے والی حسرت۔۔۔! اس کے واپسی کے قدموں نے عفت کو چونکایا۔ وہ عدیل کو جھکے کندھوں کے ساتھ واپس جاتے دیکھ کر کچھ چونکی، کچھ شرمندہ ہوئی۔

واپس مڑ جانے کے سوا اس کے پاس اور کوئی راستہ نہیں تھا جبکہ دل خواہش مند تھا کہ ان ماں بیٹی کے اس جذباتی منظر کا پس منظر ضرور جان کر رہے۔

وہ عدیل کے پیچھے ہی باہر نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

وہ بہت خوب صورت سونے کے جڑاؤ کنگن تھے، جو بشریٰ نے اپنی پرس سے نکالے تھے۔

ہاتھوں میں لیے انہیں حسرت بھری نظروں سے دیکھتی رہی۔ مثال ماں کے پاس بالکل خاموش بیٹھی تھی۔

بشریٰ نے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ لانے کی کوشش کی مگر پھر ایک سرد آہ بھر کر رہ گئی۔

"یہ کنگن میرے تھے کبھی۔۔۔ تمہارے پاپا نے دیے تھے مجھے شادی کے وقت۔" وہ بہت سوچ سوچ کر بول رہی تھی کہ کچھ ایسا اس کے منہ سے نہ نکل جائے جو اس کی ابھی بھی عدیل سے وابستگی کو ظاہر کرے۔

"میں اس گھر سے نکالی تو خالی ہاتھ گئی تھی لیکن بعد میں ڈائیورس کے بعد۔۔۔" ایک دم سے بشریٰ کے سینے میں درد کی تیز لہر اٹھی تھی۔

اس کے منہ سے بے اختیار سسکی نکلی۔ چہرے کا رنگ زرد ہو گیا۔ آنکھوں کے آگے چھاتا اندھیرا۔۔۔ اسے لگا اس کی موت اسے یہاں کھینچ کر لائی ہے۔ درد کی لہر جیسے پورے سینے میں پھیلتی چلی گئی۔ وہ نڈھال سی ہو کر صوفے کی پشت سے لگ گئی۔ مثال نے پریشان ہو کر ماں کو دیکھا۔

ماما! آر یو آل رائٹ۔۔۔ کیا ہوا ہے آپ کو۔۔۔ درد ہو رہا ہے کہیں؟" وہ بے اختیار ماں کو کندھوں سے تھام کر کانپتی آواز میں بولی۔

بشریٰ زرد چہرے کے ساتھ آنکھیں بند کیے نفی میں سر ہلاتی گئی۔

"آپ۔۔۔ آپ مجھے ٹھیک نہیں لگ رہیں۔ میں پاپا کو۔۔۔ ڈاکٹر کو بلا کر لاتے ہیں۔"

"نہیں مثال بیٹا۔۔۔ میری جان!" بشریٰ نے پورا زور لگا کر خود سنبھالا۔ اس کی پیشانی ٹھنڈے پسینے میں نہا گئی تھی۔ درد سینے میں ابھی بھی تھا مگر اس کی شدت کم تھی۔

"ماما پلیز! آپ ٹھیک نہیں ہیں۔ میں پاپا کو بلاتی ہوں کال کر کے۔" مثال کی آنکھوں میں آنسو آگئے تھے۔ بشریٰ کو اپنی بیٹی پر ٹوٹ کر پیار آیا۔

"مثال میری بیٹی! کاش میں امی کی بات نہیں مانتی۔ میں احسن کمال سے شادی نہیں کرتی تو آج مجھے یوں تمہیں خود سے جدا نہیں کرنا پڑتا اور اتنی دور کہ جہاں سے واپسی کی بھی کوئی امید نہیں۔ یہ دوری کا جان لیوا احساس جیسے مجھے ختم کر رہا ہے۔ کاش! میں نے احسن کمال پر بھروسا نہیں کیا ہوتا۔"

اتنے سالوں بعد گہرے ملال نے اسے آگھیرا تھا۔

"پلیز مما! ایسی باتیں نہیں کریں۔ یوں بھی یہ آپ کی تقدیر میں لکھا تھا آپ چاہتیں یا نہیں۔ اسی طرح ہونا تھا۔" مثال چہرہ جھکائے سنجیدگی سے بولی۔

"ہاں اسی طرح ہونا تھا۔ دو بے حس، کٹھور مردوں کی زندگی میں مجھے ایک کٹھ پتلی کی طرح آنا تھا اور..." وہ تکلیف سے کراہی۔

"مما پلیز۔" مثال کی سمجھ میں نہیں آیا وہ کیا کہے۔

"نہیں مثال! میں اپنی صفائی میں کچھ نہیں کہنا چاہتی۔ نہ تم یہ سمجھنا کہ تمہاری ماں خود کو ہر الزام سے بے گناہ ثابت کرنا چاہتی ہے۔" وہ نقاہت زدہ لہجے میں رک رک کر بول رہی تھی۔

"میں نے آپ کو کوئی الزام نہیں دیا مما!" مثال بے تاثر لہجے میں بولی۔

"تمہاری یہ بے روح زندگی جس میں کوئی خوشی، کوئی ولولہ، کوئی امنگ نہیں ہے۔ ہم دونوں نے اپنی ضد اور خود غرضی میں ایک الزام بنا دیا۔ مثال! ہم دونوں چاہیں بھی تو خود کو بری الذمہ قرار نہیں دے سکتے۔"

وہ کسی دائمی مریض کی طرح کمزور لہجے میں بول رہی تھی۔ مثال کو لگا۔ اس کی ماں شاید آخری دموں پر ہے۔ وہ ڈر کر اسے دیکھنے لگی۔

اسی وقت بشریٰ کا فون بج اٹھا۔ وہ بے تاثر آنکھوں سے احسن کمال کے بلنک کرتے نام کو دیکھتی رہی۔

"مما! فون سن لیں۔" مثال ایک بار فون بجنے کے بعد پھر بجنے پر آہستگی سے بولی۔

"میں آ رہی ہوں۔ تھوڑی دیر میں۔ راستے میں ہوں۔" اس نے میکانکی انداز میں فون کان سے لگا کر رکھا اور فون بند کر دیا۔

کمرے میں فون کی رنگ ٹون کے بند ہوتے ہی گمبھیر خاموشی چھا گئی تھی۔

"مثال! سیفی والے واقعے کے بعد میری بچی! تم اتنا تو سمجھ ہی گئی ہو گی کہ تمہیں اپنی حفاظت کس طرح کرنی ہے۔" مثال ناسمجھی سے ماں کو دیکھنے لگی۔

"کاش! میں تمہیں اپنے ساتھ لے جا سکتی۔ لیکن نہیں اگر میں تمہیں ساتھ لے بھی جاتی تو بھی تمہارا خیال نہیں رکھ پاتی۔" وہ یونہی کرب سے ہنسی۔

مثال اس کو دیکھ کر رہ گئی۔

"اپنا بہت خیال رکھنا مثال! اور زندگی اس طرح سے نہیں گزارنا جیسے گزارتی آئی ہو۔ آنکھیں بند کر کے ڈر کر اور خوف زدہ ہو کر۔" معلوم نہیں بشریٰ اصل میں اسے کیا کہنا چاہتی تھی۔

"تھوڑا انڈی پینڈنٹ ہونا سیکھو۔ یہ تمہارے باپ کا گھر ہے۔ تمہارا حق ہے یہاں۔ میں تو اپنا حق ادا نہیں کر سکی مگر یہاں تم اس طرح سے رہنا جیسے کوئی بیٹی اپنے باپ کے گھر رہتی ہے۔ جو بھی مسئلہ ہو، پاپا کو سب سے پہلے باخبر کرنا۔ عدیل بہر حال تمہیں مجھ سے زیادہ چاہتا ہے۔"

پتا نہیں اس بات کو جاننے میں، اس کا اقرار کرنے میں بشریٰ نے اتنے سال کیوں لگا دیے۔ اگر وہ یہ بات پہلے سمجھ جاتی تو مثال کی زندگی ایسی شٹل کاک جیسی نہیں ہوتی۔ وہ صرف عدیل کے ساتھ رہتی۔ بھلے ماں کو یاد کرتی مگر ایسی زندگی تو نہ جیتی۔

مگر اب اس گلے کا بھی کوئی فائدہ نہیں تھا۔ وہ خاموش ماں کو دیکھتی رہی۔

"یہ کنگن بہت حفاظت سے اپنے پاس رکھنا۔ یہ تمہارے لیے میں نے سنبھال کر رکھے تھے۔ میں فون کرتی رہوں گی اور تمہارے لیے بہت دعائیں بھی۔" وہ نم لہجے میں رخ پھیر کر بولی۔ دونوں ایک دوسرے سے بہت کچھ

چھپا رہی تھیں اور جب بشریٰ گاڑی میں بیٹھ کر جا رہی تھی۔ مثال کو لگا۔ وہ اپنے دل کی سب نہ سہی بہت باتیں تو کر گئی مگر مثال کے دل کی کوئی بات نہیں سن کر گئی۔

اس کے دل کی باتیں جو اسے اپنی ماں سے کبھی کرنا تھیں سب دل ہی میں رہ گئیں۔

مثال کو لگا یہ ساری باتیں اب اس کے ساتھ ہی کہیں اندر فنا ہو جائیں گی۔

وہ بشریٰ سے اب کبھی نہیں مل پائے گی اور نہ وہ باتیں کر پائے گی۔

اس نے آنکھوں پہ تنی دھند کی چادر میں شام کی مٹیالی روشنی میں دور جاتی بشریٰ کی گاڑی کو دیکھ کر ہاتھ بھی نہیں ہلایا۔

وہ یوں ساکت بے حس اور غم زدہ کھڑی تھی جیسے کوئی اپنے بہت قریبی عزیز کو اس دنیا سے آخری بار جاتے ہوئے دیکھ رہا ہو۔

اس کی کلائی میں بشریٰ کے ڈالے ہوئے کنگن تھے اور دل ان کہی باتوں کا بوجھ لیے بھرا ہوا تھا اور اس کی آنکھوں میں آنسو ٹھہرے ہوئے تھے۔

☆ ☆ ☆

عدیل کھڑکی کا پردہ تھامے بے حس و حرکت کھڑا بوجھل قدموں سے جاتی بشریٰ کو دیکھ رہا تھا۔

جو گاڑی کے دروازے کے پاس پہنچ رکی تھی۔ کچھ دیر یونہی کھڑی رہی، پھر جیسے اپنی ہمت جمع کر کے اس نے آخری بار مڑ کر گیٹ پر کھڑی مثال کو دیکھا۔ اور جانے کیسے اس کی نگاہ پلٹتے ہوئے بے اختیار کھڑکی میں کھڑے عدیل پہ آ کر ٹھٹک گئی۔

ایک پل..... دو پل..... بہت سے خاموش ساکت پل ان دونوں کے اردگرد جیسے دھول اڑاتے گزر گئے۔

آج اتنے سالوں میں پہلی بار بشریٰ کی آنکھوں میں عدیل کے لیے شکایت، شکوہ، نفرت، حقارت، طنز کچھ بھی نہیں تھا۔ غصہ بھی نہیں۔ دکھ بھی نہیں۔

صرف جدائی تھی..... دائمی جدائی۔

اور عدیل کی آنکھیں تو جیسے برسوں سے کچھ بھی کہنا بھول چکی تھیں قریب سے کوئی گاڑی ہارن بجاتی گزری۔

اور بشریٰ نے بے اختیار ان ان کہی آنکھوں سے نظریں چرائیں اور میکانکی انداز میں گاڑی میں بیٹھ گئی۔ دونوں طرف کے شیشے چڑھ گئے اور گاڑی چل پڑی۔

عدیل اسے دور تک جاتا دیکھتا رہا۔

"کافی خوب صورت رہ چکی ہے آپ کی پہلی بیوی، بلکہ میں تو کہوں گی اس میں ابھی بھی ایک چھوڑ دو دو مردوں کو لبھانے بلکہ ٹھکانے کے لیے کافی حسن، پرسوز حسن موجود ہے۔"

عفت جانے کب اندر آئی تھی۔ عین عدیل کے کندھوں کے پیچھے سے باہر کی طرف جھانکتے ہوئے سرسراتی آواز میں بولی۔

باہر بشریٰ کی گاڑی کی ٹیل لائٹیں مٹیالی روشنی میں گم ہو رہی تھیں۔

عفت کو کچھ عرصے سے نسیم بیگم کے لہجے میں بات کرنے کی عادت ہو چلی تھی۔ اگرچہ دونوں میں پیچھے سے بھی کوئی قریبی یا دور کا رشتہ نہیں تھا لیکن پھر بھی عادتیں نہ سہی خصلتیں جہاں ملتی ہوں وہاں رشتوں کے قریبی یا دور ہونے سے بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔

"کیا ہمیشہ کے لیے چلی گئی وہ؟" عدیل کی خاموشی بہت گہری خاموشی عفت کو چبھ رہی تھی۔ وہ چائے میں چینی

گھول رہی تھی اور لہجے میں زہر۔
وہ جواب میں پھر خاموش رہا، صرف منتظر نظروں سے چائے کے ملنے والے اس کپ کو تکتا رہا جس میں عفت مسلسل چمچہ چلائے جا رہی تھی۔
"پری کی کلاسز کب سے اسٹارٹ ہو رہی ہیں۔" بہت دیر بعد جب عفت جی بھر کر اپنا جی جلا چکی تو عدیل نے بہت غیر ضروری سوال کیا تھا۔ بہت بے نیاز لہجے میں۔
"پری سے پوچھ لیجئے گا۔ مجھے نہیں پتا۔" وہ جلے بھنے لہجے میں کلس کر بولی۔
کمرے کا ماحول بہت اجنبی سا ہو رہا تھا۔
ورنہ آج تو عفت نے سوچا تھا کہ وہ شام میں عدیل سے دانیال کے بارے میں بات کرے گی کہ اگر وہ اپنے بچپنے میں ضد پہ اڑ گیا ہے تو عدیل کو دل بڑا کر کے بچے کو خود سے بلا لینا چاہیے اور آئندہ اپنا زیادہ وقت دانی کے ساتھ گزارنا چاہیے۔ بہرحال وہ ان کا اکلوتا بیٹا ہے۔
مگر اس منحوس بشریٰ نے تو اسے جیسے سب کچھ بھلا ڈالا تھا۔
وہ تیز تیز گرم چائے پیتی چلی جا رہی تھی۔ ایک کے بعد دوسرا کپ بھی بغیر شکر ڈالے پی گئی۔
عدیل تو وہاں موجود ہی نہیں تھا جو نوٹس کرتا کہ عفت کے چہرے پر غصہ بڑھتا ہی جا رہا ہے۔
"دانیال کو میرے پاس بھیجو۔" وہ جل کڑھ کر برتن اٹھا کر لے جا رہی تھی جب عدیل نے سرد لہجے میں کہا۔
عفت بے اختیار ٹھٹک کر رک گئی۔ عدیل کے چہرے کا بغور جائزہ لینے لگی کہ کہیں دانی کی کلاس تو نہیں ہونے والی۔
"اکیڈمی تو وہ جا نہیں رہا تو پھر گھر پر ہی ہو گا ناں تو بھیجو اسے میرے پاس۔" عدیل اسے یوں کھڑے دیکھ کر جتانے والے انداز میں بولا۔
"ہاں مگر۔۔۔" عفت کچھ متذبذب سی ہوئی۔
"کیا وہ یہاں میرے پاس نہیں آئے گا؟" عدیل کچھ ترش سے بولا۔
"نہیں یہ بات نہیں ہے عدیل!" وہ اب کے کچھ صلح جو نرم لہجے میں بولی۔
"بچہ ہے تو۔۔۔" وہ لجاجت سے کچھ کہنے جا رہی تھی۔
"تو کیا اس نواب کے پاس مجھے چل کر جانا چاہیے۔ یہ کہنا چاہتی ہو تم؟" عدیل نے اس کے لہجے سے اخذ کرتے ہوئے سخت انداز میں کہا۔
"اس وقت اسے کچھ بھی کہنا بے کار ہو گا۔" عفت اجنبی سے عدیل کو دیکھ کر رہ گئی۔
"بھیجتی ہوں میں ابھی اسے۔" وہ سر ہلا کر مزید کچھ کہے بغیر باہر نکل گئی۔
اور عدیل کے پاس تو اب جیسے سوچنے کو بھی کچھ نہیں رہ گیا تھا۔ وہ خالی خالی سا بیٹھا سامنے کھڑکی سے باہر اندھیرے کی گود میں اترتی شام کو دیکھتا رہ گیا۔

☼ ☼ ☼
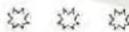
"یہ تو بہت خوشی کی بات ہے۔ میرا تو بہت دل خوش ہوا ہے واثق۔ اس لیے کہ تمہیں اپنی جاب بھی پسند آ گئی ہے اور کام کرنا بھی اچھا لگ رہا ہے۔"
عاصمہ بہت خوش تھی۔ واثق کے چہرے پر بھی ایک ٹھہری ہوئی مسکراہٹ اس کے مطمئن ہونے کا اعلان کر رہی تھی۔

"اور میرے خیال میں پیکج تو ہے ہی بہت اچھا۔" عاصمہ نے خوش گوار لہجے میں آخری بات کی۔
"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ شہزاد اتنا ٹوکسڈ بزنس مین بن جائے گا۔ بہت محنتی اور کری ایٹو۔ مجھے بہت مزا آیا اس کے ساتھ کام کرکے۔ حالانکہ اسٹوڈنٹ تو وہ ایویں سا ہوتا تھا۔" واثق کی ہمیشہ والی عادت کہ ہر بات عاصمہ سے شیئر کرنا۔
"ہوتا ہے۔ اکثر جو اسٹوڈنٹ بہت اچھے' ذہین طالب علم نہ ہوں مگر عملی زندگی میں ان کا رویہ بالکل مختلف ہو۔" عاصمہ سرہلا کر بولی۔
"افوہ بھئی! آپ دونوں کیا یہ بور باتیں کیے جا رہی ہیں آدھے گھنٹے سے۔ خوشی کی بات یہ ہے کہ بھائی کو اتنی اچھی جاب مل گئی۔ دیٹس آل! اب کیا سارا وقت مسٹر شہزاد کو ہی یاد کرتے رہیں گے۔" وردہ نے چائے ان کے آگے رکھتے ہوئے کوفت و بے زاری سے کہا تو عاصمہ اور واثق ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر ہنس پڑے۔
دونوں بہنوں کے چلے جانے کے بعد وردہ اب خود کو بہت اکیلا محسوس کرنے لگی تھی۔ یہ بات دونوں کو محسوس ہوئی تھی۔
"اچھا تو آپ بتادیں ہم کیا باتیں کریں۔ مثلاً" آپ کی اسٹڈیز کیسی جارہی ہیں اور ایگزام..." واثق مسکرا کر چائے کا کپ اٹھا کر بولا۔
"فار گاڈ سیک بھائی! اس دنیا میں پڑھائی امتحان اور اس جیسے ڈرائی ٹاپک کے علاوہ بھی بہت سی اچھی اچھی چیزیں ہیں سوچنے کے لیے۔ بات کرنے کے لیے۔" وہ بے اختیار اس کے آگے ہاتھ جوڑ کر بولی وہ دونوں ہنس پڑے۔
"اچھا تو کون سی اچھی اچھی چیزیں اور باتیں ہیں ایسی جن پر ہم بات نہیں کرتے" آپ بتادیجیے۔"
واثق سرہلا کر مزے سے بولا۔
"یہ بات!" وہ جیسے منتظر تھی اس کی دعوت کی۔ فوراً" ہی خوش ہو کر بولی۔
"مما... ویسے جس طرح بھائی کو جاب مل گئی بقول آپ دونوں کے بہت شان دار' زبردست وغیرہ وغیرہ تو ایسے میں کسی بھی ماں کو اپنے خوبرو' ہینڈسم بیٹے کے لیے پہلا خیال بھلا کیا سوجھتا؟"
وہ ماں کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر شوخی سے بولی۔
عاصمہ نے کچھ ناسمجھی سے اسے دیکھا۔ واثق بھی کچھ چونکا تھا وہ کچھ سمجھ گیا تھا کہ وردہ کا اشارہ کس طرف ہے۔
"نہیں سمجھیں مما جان؟" وہ پھر سے بولی۔
عاصمہ نے نفی میں سرہلا دیا۔
"افوہ! یہ بھی میں بتاؤں۔" وہ جھلا کر بولی۔
"بھائی کے لیے بہت پیاری سی خوب صورت سی ان کے جیسی حسین و جمیل دلہن ہماری بھابھی اور آپ کی بہو ... کیا کہتی ہیں؟" وہ خوب مزا لے کر بولی۔
عاصمہ نے بہت حیرانی سے واثق کی طرف دیکھا جس کے لبوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔
"ارے یہ اتنی قریب کی اتنی اچھی بات مجھے کیوں نہیں سوجھی بھلا؟" وہ حیرانی سے بولی۔
"تو پھر مانتی ہیں ناکہ آپ کی بیٹی کتنی جینئس ہے۔ صرف تعلیمی قابلیت ہی ذہانت کی علامت نہیں ہوتی۔ پریکٹیکل لائف میں اس طرح کی باتیں سوچنا ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔" یہ وہ خود کو سراہتے ہوئے بولی۔
"جی یہ صرف، بہت ہی نکمے لوگوں کا مشغلہ ہے ورنہ ذہین لوگ تو ایسی فضول باتیں سوچ بھی نہیں سکتے۔" واثق

نے اسے چھیڑا۔

"مما!" وہ چڑ کر بولی "ایک تو ان کے فائدے کی بات کر رہی ہوں اور یہ آگے سے مجھے نکما کہہ رہے ہیں تو بیٹھے رہیں پھر اس فضول سے شہزاد کی تعریفیں کرنے۔" وہ ناراضی سے اٹھ کر چلی گئی۔

"ارے بات تو سنو جھنجھنٹس صاحبہ! رکو تو۔" واثق نے اسے پیچھے سے چھیڑا۔ وہ ان سنی کرتے چلی گئی۔

"ویسے واثق! وردہ نے بہت پتے کی بات کہی ہے۔ میرے دل کو بھی بہت لگی ہے یہ بات۔" عاصمہ بہت مگن سی مسکرا کر بولی۔

"اُفوہ ماما! آپ بھی اس کے پیچھے چل پڑیں۔" واثق کچھ جھنجلا کر بولا۔

"چلوں گی تو میں ضرور اب تمہارے لیے پیاری سی من موہنی لڑکی دیکھنے۔" وہ اسی مسرور لہجے میں بولی۔

"یوں بھی اریبہ اور اریشہ کے جانے کے بعد گھر ایک دم سے خالی ہو گیا ہے۔ یہ وردہ تو کالج چلی جایا کرے گی تو میں بالکل گھر میں اکیلی اور تم تو ابھی سے شام گئے آنے لگے ہو۔" عاصمہ خود ہی سب کچھ سوچ کر بولی۔

"لیکن مما پلیز! ابھی نہیں۔ ابھی تو میری جاب سمجھیں اسٹارٹ بھی نہیں ہوئی۔ میں ابھی ان جھنجھٹوں میں نہیں پڑنا چاہتا ریئلی۔" وہ کچھ گھبرا کر بولا۔

"ابھی نہیں میری جان! لڑکی تلاشنے میں تو پھر بہت ٹائم لگے گا۔" عاصمہ نے جیسے اسے تسلی دی۔

"اب یہ تو نہیں کہ لڑکی سامنے پڑی ہے اور میں اسے اپنے شہزادے بیٹے کی دلہن بنا کر لے آؤں۔" عاصمہ کو اس نئی بات سے انوکھی سی توانائی ملی تھی۔ وہ اسی لائن پر چل پڑی۔

"پھر بھی مما! ابھی تو بالکل بھی نہیں۔ کم از کم چھ سات ماہ تو نہیں اور لڑکی تو....." وہ اپنی دھن میں کچھ بولتے بولتے رک سا گیا۔

"کوئی ہے تمہاری نظر میں..... آئی مین جو تمہیں پسند ہو۔" عاصمہ فوراً اس کی بات پکڑ کر بولی۔

واثق کچھ گڑبڑا سا گیا۔

"نہیں ایسا تو کچھ نہیں۔" وہ کچھ گھبرا سا گیا جیسے اس کی کوئی چوری پکڑی گئی ہو۔

"اگر ایسا ہو جائے واثق! تو میرے لیے یہ بہت خوشی اور سکون کی بات ہوگی۔ بھئی میری جوتیاں گھسنے سے بچ جائیں گی لڑکی کی تلاش میں۔ اگر تم خود یہ نیک کام کر لو تو۔" عاصمہ نے فوراً ہی کہہ ڈالا۔ واثق کچھ نہیں بولا تو عاصمہ بھی چائے پینے لگی۔

☼ ☼ ☼

"تو یہ کچھ پڑھ رہے ہو تم اسکول میں..... بولو۔" عدیل سخت غصے میں تھا۔

سامنے کھڑے لمبے تڑنگے دانی کو دیکھ کر گرج کر بولا اور ہاتھ میں پکڑی اس کی رپورٹ اٹھا کر اس نے دانی کے منہ پر مار دی۔

"میں پڑھنا نہیں چاہتا..... میرا دل نہیں لگتا اسٹڈیز میں۔" وہ بغیر ڈر خوف کے باپ کی آنکھوں میں دیکھ کر کہہ رہا تھا۔

اور اندر آتی عفت وہیں ٹھٹھک کر رک گئی۔ وہ تو مثال کو کچھ طعنے مارنے جا رہی تھی کہ عدیل کی تیز آواز پر کچھ گھبرا کر ادھر آگئی۔

بہت منتوں سے اس نے دانی کو باپ کے پاس راضی کر کے بھیجا تھا اور عدیل نے اسے بلا کر چیخ پکار شروع کر دی۔ وہ ناگواری سے اندر آئی اور دانی کی بات سن کر جیسے وہیں جم کر رہ گئی۔

یہ دانی کس وقت اتنا زیادہ بدل گیا۔ اسے پتا کیوں نہیں چلا..... وہ دل میں ڈر سی گئی اس کا بے خوف لہجہ سن کر۔

اچھا تو کیا کرنے کو دل کرتا ہے تمہارا۔ ذرا میں بھی تو سنوں۔" عدیل ابلتے غصے کو دبا کر بولا۔
"کچھ بھی نہیں۔" وہ اسی بے خوفی سے کندھے اچکا کر بولا۔ عدیل اسے دیکھتا رہ گیا۔ پھر کچھ محسوس کر کے آگے بڑھ کر کچھ سونگھتے ہوئے بولا "تم اسموکنگ کرنے لگے ہو۔" وہ پریشان لہجے میں اس سے پوچھ رہا تھا۔
"کبھی کبھار۔" وہ بغیر ڈرے خوف کھائے اعتراف کرتے ہوئے بولا۔
اور عدیل کو لگا جیسے دانیال کو وہ کھو چکا ہے۔ وہ چودہ پندرہ سال کا لڑکا اس سے بہت دور جا چکا ہے۔ وہ اسے خالی خالی نظروں سے دیکھتا رہ گیا۔ اس کے کندھے کچھ اور بھی جھکنے لگے تھے۔
"بیٹھو۔" بہت دیر بعد وہ شکست خوردہ لہجے میں بولا وہ ــــ ٹانگ سے کرسی اپنے آگے کھینچ کر بیٹھ گیا۔ اس کے انداز میں کچھ تھا۔ عدیل کو لگا اب اسے سمجھانے کا یا کچھ بھی کہنے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔
"کیا چاہتے ہو تم۔" وہ بہت دیر بعد اس سے بولا۔

☆ ☆ ☆
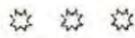
مثال ان کنگنوں کو ہاتھ میں لیے کمرے میں اندھیرا کیے گم صم سی بیٹھی تھی۔
اس نے بشریٰ کی کلائیوں میں یہ کنگن دیکھے تھے۔ جب تک وہ اس گھر میں پاپا کی بیوی بن کر رہی تھیں۔ بعد میں اس نے یہ کنگن بشریٰ کے پاس کبھی نہیں دیکھے۔ اس نے گہرا سانس لے کر اس پھولے ہوئے لفافے کو دیکھا جس میں یقیناً" رقم تھی.... کتنی؟
مثال چاہتے ہوئے بھی نہیں گن سکی تھی۔
تو بشریٰ نے اس طرح ایک ماں ہونے کا حق ادا کرنے کی کوشش کی تھی؟
یہ دو کنگن سونے کے اور یہ روپوں کا لفافہ!
بس یہی قیمت تھی مثال کی اس کی ماما کے نزدیک۔ اس کا جی چاہ رہا تھا ان دونوں چیزوں کو آگ لگا دے۔
"میں یہ پاپا کو دے آتی ہوں میں اس کو نہیں سنبھال سکتی۔" اس نے تیزی سے آنکھیں پونچھیں اور دونوں چیزیں سمیٹ کر جانے لگی۔
"تو تمہاری ماں آئی تھی تم سے ملنے آپی؟" پری اس کے سامنے دروازے میں کھڑی تھی۔
عفت اور پری دروازے میں کھڑے ہو کر ہی اس سے بات کرتی تھیں۔ جیسے اندر کمرے میں کچھ تھا انہیں خوفزدہ کرنے کے لیے۔
مثال نے پھیلے ہوئے دوپٹے کو کچھ اور پھیلاتے ہوئے دونوں ہاتھ پشت سے پیچھے باندھ لیے۔ پری وہ دونوں چیزیں نہیں دیکھ سکی تھی۔
"تمہیں ملنا تھا میری ماما سے؟" وہ نارمل لہجے میں بولی۔
"تم نے نہیں ملایا تو مجھے لگا، خود سے آؤں گی تو شاید ان محترمہ کو بھی اچھا نہ لگے۔ ظاہر ہے تم ماں بیٹی میں بہت رازونیاز کی باتیں ہوں گی۔ آئی مین کچھ سیکریٹس، جو شاید میرے سامنے نہ کہے جا سکتے ہوں۔"
پری چند ہی دنوں میں مثال کو اپنی عمر سے بہت بڑی بڑی لگنے لگی تھی۔
"تم آجاتیں میں ملوا دیتی۔" وہ سادگی سے بولی۔
"وہ پاپا سے بھی ملی ہیں نا؟" وہ متجسس لہجے میں پوچھ رہی تھی۔
مثال نے نفی میں سر ہلا دیا۔
"مما بتاتی ہیں دونوں میں بہت محبت تھی کبھی۔" وہ عجیب چبھتے ہوئے لہجے میں بول رہی تھی۔

مثال کو اس کی بات بہت بری لگی۔

"بہتر ہے تم یہ ساری باتیں جا کر اپنی ماما سے ہی پوچھ لو کیونکہ وہ زیادہ جانتی ہیں اس بارے میں۔ مجھے کچھ نہیں معلوم۔" وہ رکھائی سے کہہ کر اسے جیسے جانے کا اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

"جھگڑے ہوتے تھے بہت دونوں میں سنا ہے' دادو بتایا کرتی تھیں کہ تمہارے لیے دونوں میں بہت لڑائیاں ہوئیں۔ سارا محلہ گواہ ہے پھر وہ کیسے آج تمہیں ہمیشہ کے لیے یہاں چھوڑ کر چلی گئیں۔ بس یہی تھی اس عورت کی دکھاوے کی محبت؟" وہ کڑوے کسیلے انداز میں کہہ رہی تھی۔

اف یہ پری کمینی۔۔۔ مثال کا جی چاہا آگے بڑھ کر اس کا منہ نوچ لے۔

"تمہیں اگر کچھ اور نہیں کہنا تو تم جا سکتی ہو کیونکہ مجھے پڑھنا ہے۔ کل میرا بہت امپورٹنٹ ٹیسٹ ہے۔" اس نے کہہ کر تقریباً" پری کو دہلیز سے پرے دھکیل کر ایک دم سے کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔ پری باہر کھڑی چیخ رہی تھی اور مثال جیسے اتنی دیر سے باندھا ضبط خود پہ کھو بیٹھی۔ دونوں ہاتھ منہ پہ رکھے وہ بے اختیار روتی چلی گئی۔ جانے یہ آنسو بشریٰ کے چلے جانے کے تھے۔ اپنی بے وقعتی کے یا پری کی دل جلانے والی باتوں سے ہرٹ ہو کر وہ رو رہی تھی یا اپنے اکیلے پن کے لیے۔۔۔

وہ سمجھ نہیں سکی مگر روتی چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

"کیا۔۔۔؟" عدیل کے لیے دانی کی بات بالکل غیر متوقع تھی۔

وہ شاکڈ سا ہو کر بولا۔ دانی کے چہرے کے تاثرات ہنوز ویسے ہی تھے۔ عدیل اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔

عفت نے بھی خود کو سہارا دینے کے لیے دیوار سے ٹیک لگائی۔

"تم یہاں نہیں پڑھ پا رہے اور تم کہہ رہے ہو تم باہر جا کر پڑھنا چاہتے ہو۔ ابھی تم نے کہا کہ تم پڑھنا ہی نہیں چاہتے تو پھر باہر جانے کا مطلب؟" عدیل کو ٹھیک ٹھاک غصہ آ گیا تھا وہ پھر بھی خود پر بہت ضبط کرتے ہوئے بولا۔

"میں باہر جا کر پڑھ لوں گا۔ آئی پرامس۔" دانیال نے یوں مزے سے کہا جیسے "باہر۔" تو ساتھ والی گلی میں پڑا ہو۔

عدیل نے خود کو بہت سخت گالی دینے سے روکا۔

کچھ دیر کے لیے کمرے میں خاموشی چھا گئی۔

"کیسے پڑھو گے باہر جا کر' ابھی تو تم او لیول میں اٹکے ہوئے ہو۔ یہ کلیئر کر لو۔ اے لیول ہوتے ہی جہاں تم کہو گے بھجوا دوں گا۔" عدیل نے کچھ دیر بعد خود کو کمپوز کر کے قدرے نرم لہجے میں کہا۔

شاید وہ کسی غلط صحبت میں پڑ کر رستے سے بھٹک رہا تھا۔ عدیل کو لگا یہاں بھی غلطی اس کی ہے۔ اسے کچھ تو ٹائم بہر حال بیٹے کو بھی دینا چاہیے تھا۔

وہ کئی مہینوں بعد اسے یوں اپنے کمرے میں اکیلا لے کر بیٹھا تھا۔ کہیں نہ کہیں کوتاہی تو بہر حال اس سے بھی ہوئی تھی بلکہ شاید زیادہ غفلت اس کی طرف سے ہوئی تھی۔

"میں نے کہا ناں میں یہاں نہیں پڑھنا چاہتا۔ مجھے آپ لندن بھجوا دیں۔ میں آپ کو شرمندہ نہیں ہونے دوں گا۔ آئی مین! خوب جی لگا کر پڑھوں گا جیسا آپ چاہتے ہیں۔" وہ ایک دم سے ٹون بدل کر سعادت مند لہجے میں بولا۔

عدیل اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"مجھے کل ہی اس کے اسکول جا کر اس کے دوستوں کے بارے میں معلومات کرنا ہوں گی۔" عدیل اسے دیکھتے

ہوئے دل میں فیصلہ کر رہا تھا۔

"دانی! میں نے پرامس کیا ناں تم سے کہ جہاں کہو گے بھجوا دوں گا۔ ایٹ لیسٹ تمہیں اولیول تو کرنا ہو گا۔ تمہارے ڈاکومنٹس بنوانے میں کچھ ٹائم تو لگے گا۔ تمہیں خود کو پروف کرنے کے لیے یہاں اولیول مکمل کرنا ہو گا۔" وہ خود کو سمجھا چکا تھا کہ اب اسے دانی سے غصے میں بات نہیں کرنی' سو نرم لہجے میں کہا۔

"پاپا! ڈاکومنٹس کا مسئلہ نہیں۔ میرے دوست کے فادر ویزا آفس میں کام کرتے ہیں۔ بہت جلد وہ میرے ڈاکومنٹس بنا دیں گے۔ اگر آپ ان سے کہیں گے تو۔" وہ جوش بھرے لہجے میں فوراً ہی بولا۔

عدیل اسے بغور دیکھتا رہ گیا۔

اس بات کے پیچھے کیا مقصد ہے اسے معلوم کرنا تھا' اس نے پل میں طے کیا۔

"اوکے۔ میں کل آفس سے آتا ہوں تو تم مجھے اپنے فرینڈ کے فادر سے ملوا دو۔ میں ان سے بات کروں گا' جو وہ کہیں گے میں انہیں اتنی رقم دے دوں گا اوکے!"

"رئیلی پاپا! آپ ایسا کریں گے؟" وہ بے یقینی سے بولا۔

"آف کورس مائی سن! تمہارے ایگزام میں صرف تین ماہ ہیں۔ کل سے میں تمہارے لیے ٹیوٹر کا ارینج گھر میں کر رہا ہوں۔ وہ تمہیں گھر آ کر پڑھایا کریں گے۔ اب آپ اکیڈمی نہیں جاؤ گے۔ جیسے ہی آپ کے ایگزام ختم ہوتے ہیں۔ میں آپ کو لندن بھجوا دوں گا۔ آپ کے ڈاکومنٹس بھی تو بن جائیں گے اس دوران۔ ہے نا۔" وہ اب کے دوستانہ مسکراہٹ کے ساتھ بولا تو دانیال نے پہلی بار بچوں کی سی مسکراہٹ کے ساتھ باپ کی طرف دیکھ کر سر ہلایا۔

"ویل اینڈ گڈ تو کل آپ ٹیچر سے گھر میں پڑھیں گے۔" اس نے کنفرم کرنے کے لیے پھر سے بات کی۔

"اکیڈمی بھی ٹھیک ہے پاپا!" وہ کچھ متذبذب ہو کر بولا۔

"آئی نو جان! لیکن آپ کی رپورٹ جیسی آئی ہے' آپ کو اب اسپیشل اٹینشن کی ضرورت ہے۔ وہ صرف گھر پر آنے والے ٹیوٹر ہی دے سکیں گے۔ آپ سمجھ رہے ہیں نا؟"

کچھ دیر پہلے والی تلخی اور بے یقینی ختم نہیں بھی ہوئی تھی تو کم ضرور ہو چکی تھی۔

عفت کو لگا جیسے اس کے کمزور پڑتے جسم و جاں میں کسی نے نئی روح پھونک دی ہو۔

بشریٰ اور مثال کتنی ہی عدیل پسندیدہ رہ چکی ہوں لیکن وہ دونوں اب ماضی کا قصہ ہیں۔ عدیل کا حال' اس کا مستقبل بہرحال دانی تھا۔ پری اور عفت یقیناً! وہ ایک دم سے مطمئن ہو گئی۔

جس خاموشی سے وہ کھلے دروازے سے کمرے کے اندر آئی تھی' اسی خاموشی سے باہر نکل گئی۔

عدیل ابھی بھی دانی سے باتیں کر رہا تھا مگر اب اسے کوئی ٹینشن نہیں تھی۔

☼ ☼ ☼

"نہیں ابھی جلدی ہے' بہت جلدی۔ مجھے جلد بازی نہیں کرنا چاہیے ان کو یہ سب بتانے میں' پھر پتا نہیں مثال۔۔۔ وہ مجھے پسند بھی کرتی ہے یا نہیں۔"

وہ لیپ ٹاپ پہ کام کر رہا تھا مگر اس کی ذہنی رو بار بار بھٹک کر وہ رہ کے شام کے چھوڑے ہوئے شوشے کی طرف جا رہی تھی۔

مگر وہ اسے ناپسند بھی نہیں کرتی۔ یہ تو اسے معلوم تھا۔ اس نے تصور میں ہی اس کا صبیح چہرہ لبوں پر مسکراہٹ لاتے ہوئے سوچا۔

"اور امی سے بات کرنے سے پہلے مجھے مثال کو اعتماد میں لینا ہو گا۔ اس سے اس کی رائے معلوم کرنا ہو گی۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے وہ کسی اور میں انوالو ہو۔" دل شکن خیال...

"نہیں ایسا نہیں ہو سکتا۔"

"مے بی وہ کہیں انگیجڈ ہو۔" دوسرا تکلیف دہ خیال!

"نہیں! میرے دل کو یقین ہے۔ ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔ وہ لڑکی اس کی بے ریا آنکھیں تو کوئی اور ہی کہانی کہتی ہیں۔ جیسے اس کی توقعات کے آئینے کو کسی نے بہت بری طرح سے کرچی کرچی کیا ہو۔

جیسے وہ اس بھرے جہان میں بالکل اکیلی ہو.... میں جب بھی اس سے ملا وہ اکیلی اور تنہا ہی تو تھی....

"مجھے پھر اس سے ملنا چاہیے۔ اگر میرے پاس اس کا سیل نمبر ہوتا تو میں ابھی.... ابھی میرا کتنا جی چاہ رہا ہے میں اس سے بات کروں اس کی آواز سنوں.... اس کو دیکھوں۔" وہ بے چین ہو کر کھڑا ہو گیا۔

اس کی الماری کے لاکر میں وہ ادھورے اسکیچز پڑے تھے جو وہ دو تین سال پہلے اسے دور سے دیکھ کر بناتا رہا تھا۔ اس نے الماری کھول کر انہیں دیکھنا شروع کر دیا۔

مگر تھوڑی دیر میں بے چین ہو کر وہ کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

"نہیں.... کچھ بھی نہیں۔ ایسا کچھ بھی نہیں کہا ماما نے مجھ سے۔" وہ سر جھکا کر آہستگی سے بولی۔

عدیل اسے دیکھ کر رہ گیا۔

وہ سر جھکائے اسی پلنگ کے کنارے پہ بیٹھی تھی جہاں زندگی کے آخری کئی سال نسیم بیگم نے تنہائی اور اکیلے پن میں گزارے تھے۔

ان دنوں عفت اور بچوں کی مصروفیت بہت بڑھی ہوتی تھیں اور وہ چاہتے ہوئے بھی نسیم بیگم سے کئی کئی دن ملنے کے لیے نہیں آپاتا تھا۔ بس دروازے میں ہی رک کر ماں کا حال احوال پوچھ کر زیادہ سے زیادہ دواؤں کے نسخے لے کر باہر سے نکل جاتا۔

کاش وہ دن لوٹ آتے اور وہ کچھ دیر کے لیے ماں کے پاس ساری دنیا کے غم بھلا کر بیٹھ سکتا۔

"تو پھر کیا کہا تمہاری ماں نے تم سے؟" بہت دیر بعد جب اس کی مسلسل خاموشی پہ مشال نے بے چین ہو کر اسے دیکھنا شروع کیا تھا، سر اٹھا کر کہا۔

"کچھ بھی نہیں پاپا! صرف ملنے آئی تھیں۔" وہ شرمسار سے لہجے میں بولی۔

جیسے اس میں بھی مشال کی غلطی ہو کہ بشریٰ بے وجہ اس سے ملنے کیوں آئی تھی۔

"اور آنے کا بھی کچھ نہیں بتایا؟" وہ مدھم لہجے میں سرسرایا۔ مشال نے نفی میں سر ہلا دیا۔

دونوں پھر خاموش ہو گئے۔

"یہاں رہو گی تم اس کمرے میں۔" وہ ذرا دیر بعد پھر سے بولا اور بولتے ہی اسے جیسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔

"ہاں اچھا ہے۔ یہ کمرا بھی برا نہیں صرف رات میں آکر سونا ہی تو ہوتا ہے تم نے یہاں.... دن میں تو باقی گھر میں ہی ہوتی ہو۔" وہ پتا نہیں اسے سمجھا رہا تھا یا تسلی دے رہا تھا۔

"پاپا! آپ سے ایک بات پوچھنا تھی مجھے۔" وہ ذرا دیر بعد ہمت کر کے بولی۔

عدیل نے کچھ پریشان نظروں سے اسے دیکھا۔ جانے کیوں عدیل کو لگ رہا تھا آج کل اس کے دن اچھے نہیں چل رہے۔ نہ آفس میں نہ گھر میں نہ ذاتی زندگی میں۔ کہیں بھی اچھی خوشی یا سکون کی کوئی خبر نہیں۔

"پاپا! میں کالج سے آنے کے بعد شام میں گھر کے کام کرنے کے بعد بھی دو تین گھنٹے فارغ ہوتی ہوں۔" وہ اٹک کر بولی۔

عدیل نے اسے کچھ ناگواری سے دیکھا۔

"میری ایک فرینڈ ایک اکیڈمی میں شام میں پڑھاتی ہے۔ وہ چاہتی ہے کہ میں بھی اکیڈمی جوائن کرلوں۔ ایک تو ٹائم اچھا اسپینڈ ہو جائے گا۔ کچھ تجربہ ہو جائے گا اور تھوڑی انکم ہو جائے گی۔ آئی مین پاکٹ منی.... اگر آپ مجھے پرمیشن دیں تو۔"

لیکن اسے عدیل کا چہرہ دیکھ کر بات ادھوری چھوڑنا پڑی۔ اس کے چہرے پر سرخی اور جذباتی پن تھا۔

"کیا جتانا چاہتی ہو تم مجھ پر اپنی ماں کی طرح کہ میں ایک بہت غیر ذمہ دار شخص ہوں۔ ساری فیملی کا بوجھ تو اٹھا سکتا ہوں صرف تمہارا نہیں اٹھا سکتا۔ یہ کہنا چاہتی ہو تم مثال؟" وہ ساری شام جس تکلیف اور کرب سے گزرا تھا۔ اس کا کتھارسس اسے ان ہی لمحوں میں ہوتا نظر آیا۔

"یہی.... یہی تمہاری ماں تمہیں سمجھانے آئی تھی کہ جی بھر کر اس شخص کو ذلیل کرنا اور ستانا کہ وہ جو بدلے مجھ سے نہ لے سکی، وہ تم لینا اس سے۔ اب میں سمجھا ہوں وہ کیوں تمہیں مستقل میرے پاس چھوڑ کر گئی ہے۔ صرف اس لیے کہ تم مجھے مسلسل ٹارچر کرتی رہو۔" وہ طیش میں بولتا چلا گیا۔

مثال آنکھوں میں نمی لیے بے یقین نظروں سے باپ کو دیکھتی رہ گئی۔

"آج تم نے یہ بے ہودہ بات کی ہے۔ آئندہ میں تمہارے منہ سے نہیں سنوں۔" وہ کھڑے ہو کر کڑے تیور سے بولا۔

مثال سہم کر اثبات میں سرہلانے لگی۔

وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکل گیا۔

مثال یک ٹک باپ کو جاتا دیکھتی رہی۔

"تو اس لیے ماما مجھے یہاں چھوڑ کر گئیں کہ مجھے جو پاپا پہ اندھا اعتماد اور بھروسا ہے میں اس کا بھی اصل چہرہ دیکھ لوں۔" اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپکا۔

"لیکن صرف میرے ساتھ ہی کیوں یہ سب کچھ ہو رہا ہے۔ میں نے تو ان دونوں میں علیحدگی نہیں کروائی تھی۔ میری وجہ سے تو ان دونوں کی زندگیاں مشکل میں نہیں، پھر یہ دونوں میرے ساتھ ہی ایسا سلوک کیوں کرتے ہیں اور کبھی مجھے کیوں لگتا ہے کہ یہ دونوں میرے اصلی پیرنٹس نہیں ہیں۔" اس کے اندر جوار بھاٹا سلگنے لگا تھا کچھ اس شدت سے کہ اسے خود پر ضبط کرنا مشکل ہو گیا۔

"ماما چلی گئیں اپنی جان چھڑا کر، اپنا دوسرا گھر بچا کر۔ میری وجہ سے ان کا گھر دوسری بار ٹوٹنے لگا تھا۔ اور پاپا کو بھی شاید یہی ٹینشن ہے کہ میں اب یہاں آگئی ہوں تو ان کی مسز، ان کے بچے مجھے برداشت نہیں کریں گے۔ ان کے گھر کا سکون تباہ ہو جائے گا۔ سب کچھ جو اتنے سالوں میں انہوں نے بنایا جوڑا، فقط میری وجہ سے برباد ہو جائے گا۔

یہی غصہ پاپا مجھ پر نکال رہے ہیں.... کیوں ہوں میں دونوں کے لیے ایک مسلسل عذاب ایک مسلسل اذیت کا باعث۔ دنیا میں آنے میں تو میرا اختیار نہیں تھا مگر یہاں رہنا اور رہتے چلے جانا ذلت اور لگاتار اذیت سہنا کیوں برداشت کروں میں۔

اور یہ سب کرنے سے بھی مجھے کیا ملے گا۔ نہ ان کی شاباشی نہ ان کی محبت نہ ان کا ساتھ۔ اور پاپا ان کی نظروں میں ان دو دنوں میں جتنی اجنبیت میں نے دیکھی ہے، انہیں اس بات سے کچھ فرق نہیں پڑے گا کہ میں زندہ

رہوں یا مرجاؤں۔" وہ خود اذیتی کی انتہا پر تھی۔
اس نے ہاتھ کی پشت سے اپنا چہرہ اور آنکھیں رگڑیں۔ پیروں میں چپلیں اڑسیں اور کسی بھی طرف دیکھے بغیر وہ تیزی سے گھر کے صحن اور بیرونی حصے سے گزرتی کھلے گیٹ سے باہر نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

"آپ سوگئے ہیں عدیل؟" عفت - عدیل کے لیے گرم دودھ کا گلاس لے کر اندر آئی تو وہ کروٹ لیے شاید سو رہا تھا۔
"ہوں... نہیں۔" وہ اسی طرح کروٹ لیے ہوئے بولا۔
"یہ دودھ لائی تھی آپ کے لیے گرم ہے پی لیجئے۔" اسے لگا کہ عدیل آج بہت تھکا ہوا ہے۔ کھانا بھی اس نے دو چار لقموں میں ہی ختم کردیا تھا۔
دانی والا معاملہ جس طرح عدیل نے ہینڈل کیا تھا۔ عفت کو بہت دنوں بعد عدیل پہ پیار آیا تھا۔
"رکھ دو' ابھی جی نہیں چاہ رہا۔" وہ اسی طرح کروٹ کے بل لیٹا رہا۔ وہ گلاس ایک طرف رکھ کر یونہی کھڑی رہی۔

"میں مین گیٹ لاک کر آؤں اور دیکھوں بچے سوئے یا نہیں۔" وہ کچھ دیر بعد کہہ کر باہر نکل گئی۔ عدیل اسی طرح لیٹا رہا۔ وہ مثال کے کمرے کے پاس آکر ٹھٹک کر رک گئی۔

کمرا خالی تھا۔ ملحقہ باتھ روم کا دروازہ بھی کھلا تھا۔
"مثال!" عفت نے پکارا۔
جواب میں خاموشی تھی۔
عفت کے دل میں عجیب سا وسوسہ آیا۔
وہ تیزی سے پلٹی اور اگلے پانچ منٹوں میں اس نے گھر کی چھت سمیت ہر جگہ دیکھ لی۔ مثال کہیں بھی نہیں تھی۔
"میرے خدا! تو یہ لڑکی بھاگ گئی... حرام خوراں جیسی خصلت۔ ضرور کسی کے ساتھ لگا رکھی ہوگی' اسی لیے تو ماں یہاں پھینک گئی اور اب سر پر الزام لگے گا کہ سوتیلی ماں کی وجہ سے نکل گئی کہیں منحوس!"
عفت کو سخت غصہ آرہا تھا۔
"عدیل... مثال پورے گھر میں نہیں ہے۔ میں سارے میں دیکھ آئی ہوں۔ آپ دیکھیں اٹھ کر۔" وہ اندر آکر گھبرائی ہوئی آواز میں بولی۔
عدیل کو جیسے ہزار والٹ کا کرنٹ لگا تھا۔ وہ ایک ہی جست میں اٹھ کر کھڑا ہوگیا۔
"کیا بکواس کررہی ہو؟" وہ عفت کو غصے سے دیکھ کر چلایا۔ عفت کچھ بھی نہ بول سکی۔ عدیل کے چہرے پر سخت تشویش کی کیفیت تھی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

رخسانہ نگار عدنان

ایک تھی مثال

عدیل اور فوزیہ نسیم بیگم کے بچے ہیں۔ بشریٰ ان کی بہو ہے اور ذکیہ بیگم کی بیٹی ہے۔ عمران بشریٰ کا بھائی ہے۔ مثال ذکیہ بیگم کی نواسی اور نسیم بیگم کی پوتی ہے۔ بشریٰ اور نسیم بیگم میں روایتی ساس بہو کا تعلق ہے۔ نسیم بیگم مصلحتاً "بیٹا بہو سے لگاوٹ دکھاتی ہیں۔ دوسری طرف ذکیہ بیگم کا کہنا ہے۔ ان کی بیٹی بشریٰ کو سسرال میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ پانچ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد بشریٰ کی نند فوزیہ کا بالآخر ایک جگہ رشتہ طے پاجاتا ہے۔ نکاح والے روز بشریٰ دولہا ظہیر کو دیکھ کر چونک جاتی ہے۔

عدیل سے شادی سے قبل ظہیر کا بشریٰ کے لیے بھی رشتہ آیا تھا مگر بات نہ بن سکی تھی۔ نکاح والے دن فوزیہ کی ساس زاہدہ اور ذکیہ بیگم بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔ بشریٰ اپنی ماں سے یہ بات چھپانے کے لیے کہتی ہے مگر عدیل کو پتا چل جاتا ہے۔ وہ ناراض ہوتا ہے مگر فوزیہ اور نسیم بیگم کو بتانے سے منع کردیتا ہے۔ بشریٰ اور عدیل ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جاتے ہیں۔ وہاں انہیں پتا چلتا ہے کہ بشریٰ کے ہاں سات سال بعد پھر خوش خبری ہے۔

عفان اور عاصمہ اپنے تین بچوں اور والد کے ساتھ کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔ عفان کے والد فاروق صاحب سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ گریجویٹی اور گاؤں کی زمین فروخت کرکے وہ اپنا گھر خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ڈیڑھ کروڑ میں زمین کا سودا کرکے وہ عفان کے ساتھ خوشی خوشی شہر آرہے ہوتے ہیں کہ ڈکیتی کی واردات میں قتل ہوجاتے ہیں۔

عفان کے قریبی دوست زبیر کی مدد سے عاصمہ عفان کے آفس سے تین لاکھ روپے اور فاروق صاحب کی گریجویٹی سے سات لاکھ روپے وصول کرپاتی ہے۔ زبیر گھر خریدنے میں بھی عاصمہ کی مدد کررہا ہے۔

اسلام آباد سے واپسی پر عدیل دونوں مقتولین کو دیکھتا ہے۔ زاہدہ، نسیم بیگم سے بیس لاکھ روپے سے مشروط فوزیہ کی

رخصتی کی بات کرتی ہیں۔وہ سب پریشان ہوجاتے ہیں۔عدیل بشریٰ سے ذکیہ بیگم سے تین لاکھ روپے لانے کو کہتا ہے۔

حمیدہ خالہ ٗعاصمہ کو سمجھاتی ہیں کہ عدت میں زبیر کا اکیلے اس کے گھر آنا مناسب نہیں ہے۔لوگ باتیں بنا رہے ہیں جبکہ عاصمہ کی مجبوری ہے کہ گھر میں کوئی مرد نہیں۔اس کا بیٹا ابھی چھوٹا ہے اور سارے کام اس نے خود کرنے ہیں۔وہ جلد از جلد اپنا گھر خریدنا چاہتی ہے۔عاصمہ کے کہنے پر زبیر کسی مفتی سے فتویٰ لے کر آجاتا ہے کہ دوران عدت انتہائی ضرورت کے پیش نظر گھر سے نکل سکتی ہے بشرطیکہ مغرب سے پہلے واپس گھر آجائے ٗسو وہ عاصمہ کو مکان دکھانے لے جاتا ہے۔اور موقع سے فائدہ اٹھا کر اسے اپنی ہوس کا نشانہ بناتا ہے اور وہیں چھوڑ کر فرار ہوجاتا ہے۔

رقم مہیا نہ ہونے کی صورت میں فوزیہ کو طلاق ہوجاتی ہے۔ نسیم بیگم جذباتی ہو کر بشریٰ اور اس کے گھر والوں کو موردالزام ٹھہرانے لگتی ہیں۔اسی بات پر عدیل اور بشریٰ کے درمیان خوب جھگڑا ہوتا ہے۔عدیل طیش میں بشریٰ کو دھکا دیتا ہے۔اس کا ابارشن ہوجاتا ہے۔عدیل شرمندہ ہو کر معافی مانگتا ہے مگر وہ ہنوز ناراض رہتی ہے اور اسپتال سے اپنی ماں کے گھر چلی جاتی ہے۔

اسی اسپتال میں عدیل عاصمہ کو دیکھتا ہے جسے بے ہوشی کی حالت میں لایا گیا ہوتا ہے۔عاصمہ اپنے حالات سے تنگ آکر خودکشی کی کوشش کرتی ہے تاہم بچ جاتی ہے۔نو سال بعد عاصمہ کا بھائی ہاشم پریشان ہو کر پاکستان آجاتا ہے۔عاصمہ کے سارے معاملات دیکھتے ہوئے ہاشم کو پتا چلتا ہے کہ زبیر نے ہر جگہ فراڈ کر کے اس کے سارے راستے بند کردیے ہیں اور اب مفرور ہے۔بہت کوششوں کے بعد ہاشم ٗعاصمہ کو ایک مکان دلاپاتا ہے۔

بشریٰ اپنی واپسی الگ گھر سے مشروط کردیتی ہے۔دوسری صورت میں وہ علیحدگی کے لیے تیار ہے۔عدیل سخت پریشان ہے۔عدیل مکان کا اوپر والا پورشن بشریٰ کے لیے سیٹ کروادیتا ہے اور کچھ دنوں بعد بشریٰ کو مجبور کرتا ہے کہ وہ فوزیہ کے لیے عمران کا رشتہ لائے۔ نسیم بیگم اور عمران کسی طور نہیں مانتے۔عدیل اپنی بات نہ مانے جانے پر بشریٰ سے جھگڑتا ہے۔بشریٰ بھی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتی ہے۔عدیل طیش میں بشریٰ کو طلاق دے دیتا ہے اور مثال کو چھین لیتا ہے۔مثال بیمار پڑجاتی ہے۔بشریٰ بھی حواس کھو دیتی ہے۔ عمران بہن کی حالت دیکھ کر مثال کو عدیل سے چھین کر لے آتا ہے۔عدیل عمران پر اغوا کا پرچا کٹوا دیتا ہے۔

عاصمہ اسکول میں ملازمت کرلیتی ہے مگر گھریلو مسائل کی وجہ سے آئے دن چھٹیاں کرنے کی وجہ سے ملازمت چلی جاتی ہے۔اچانک ہی فوزیہ کا کہیں رشتہ طے ہوجاتا ہے۔

انسپکٹر طارق دونوں فریقین کو سمجھا بجھا کر مصالحت پر آمادہ کرتے ہیں۔ذکیہ بیگم کی خواہش ہے کہ عدیل ٗمثال کو لے جائے ٗتاکہ وہ بشریٰ کی کہیں اور شادی کرسکیں۔دوسری طرف نسیم بیگم بھی ایسا ہی سوچے بیٹھی ہیں۔فوزیہ کی شادی کے بعد نسیم بیگم کو اپنی جلد بازی پر پچھتاوا ہونے لگتا ہے۔

انسپکٹر طارق ٗذکیہ بیگم سے بشریٰ کا رشتہ مانگتے ہیں۔ذکیہ بیگم خوش ہوجاتی ہیں ٗمگر بشریٰ کو یہ بات پسند نہیں آتی۔ایک پراسرار سی عورت عاصمہ کے گھر بطور کرائے دار رہنے لگتی ہے۔وہ اپنی حرکتوں اور انداز سے جادو ٹونے والی عورت لگتی ہے۔عاصمہ بہت مشکل سے اسے نکال پاتی ہے۔

بشریٰ کا سابقہ منگیتر احسن کمال ایک طویل عرصے بعد امریکا سے لوٹ آتا ہے۔وہ گرین کارڈ کے لالچ میں بشریٰ سے منگنی توڑ کر نازیہ بھٹی سے شادی کرلیتا ہے ٗپھر شادی کے ناکام ہوجانے پر ایک بیٹے سیفی کے ساتھ دوبارہ اپنی چچی ذکیہ بیگم کے پاس آجاتا ہے اور دوبارہ بشریٰ سے شادی کا خواہش مند ہوتا ہے۔بشریٰ تذبذب کا شکار ہوجاتی ہے۔

بشریٰ اور احسن کمال کی شادی کے بعد عدیل مستقل طور پر مثال کو اپنے ساتھ رکھنے کا دعوا کرتا ہے مگر بشریٰ قطعی نہیں مانتی ٗپھر احسن کمال کے مشورے پر دونوں بمشکل راضی ہوجاتے ہیں کہ مہینے کے ابتدائی پندرہ دنوں میں مثال ٗبشریٰ کے پاس رہے گی اور بقیہ پندرہ دن عدیل کے پاس۔گھر کے حالات اور نسیم بیگم کے اصرار پر بالآخر عدیل عفت سے شادی کرلیتا ہے۔والدین کی شادی کے بعد مثال دونوں گھروں کے درمیان گھن چکر بن جاتی ہے۔بشریٰ کے گھر میں سیفی اور احسن اس کے ساتھ کچھ اچھا برتاؤ نہیں کرتے اور عدیل کے گھر میں اس کی دوسری بیوی عفت۔مثال کے لیے مزید زمین تنگ ٗبشریٰ

اور عدیل کے نئے بچوں کی پیدائش کے بعد پڑجاتی ہے۔مثال اپنا اعتماد کھو بیٹھتی ہے۔احسن کمال اپنی فیملی کو لے کر ملائیشیا چلا جاتا ہے اور مثال کو تاریخ سے پہلے عدیل کے گھر بھجوادیتا ہے۔دوسری طرف عدیل اپنی بیوی بچوں کے مجبور کرنے پر مثال کے آنے سے قبل اسلام آباد چلا جاتا ہے۔مثال مشکل میں گھر جاتی ہے۔پریشانی کی حالت میں اسے ایک نشئی تنگ کرنے لگتا ہے تو عاصمہ آکر اسے بچاتی ہے۔پھر اپنے گھر لے جاتی ہے۔جہاں سے مثال اپنے ماموں کو فون کرکے بلواتی ہے اور اس کے گھر چلی جاتی ہے۔

عاصمہ کے حالات بہتر ہوجاتے ہیں۔وہ نسبتاً "پوش ایریا" میں گھر لے لیتی ہے۔اس کا کوچنگ سینٹر خوب ترقی کرجاتا ہے۔اسے مثال بہت اچھی لگتی ہے۔مثال ٗواثق کی نظروں میں آچکی ہے تاہم دونوں ایک دوسرے سے واقف نہیں ہیں۔

عاصمہ کا بھائی ہاشم ایک طویل عرصے بعد پاکستان لوٹ آتا ہے اور آتے ہی عاصمہ کی بیٹیوں اریشہ اور اریبہ کو اپنے بیٹوں وقار ٗوقاص کے لیے مانگ لیتا ہے۔عاصمہ اور واثق بہت خوش ہوتے ہیں۔

مثال کو نیند میں محسوس ہوتا ہے کہ کوئی اسے گھسیٹ رہا ہے۔

—۲۱—
اکیسویں قسط

"میں جھوٹ نہیں کہہ رہی۔وہ واقعی پورے گھر میں کہیں نہیں ہے۔وہ چلی گئی ہے کہیں۔۔۔اور عدیل! آپ کو شاید بہت برا لگے لیکن مجھے کئی دنوں سے مثال پر شک تھا۔"عفت مخصوص نرم تسلی دینے والے لہجے میں بول رہی تھی جس میں کوئی بہت بمباسٹک خبر پوشیدہ تھی۔

"کیا کیا کہنا چاہتی ہو تم! کیا شک تھا تمہیں؟"عدیل باہر کی طرف جاتے ہوئے بے اختیار ٹھٹک کر رک سا گیا تھا۔

"اور پلیز کوئی بھی الٹی سیدھی بے بنیاد بات نہیں کرنا۔میرا دماغ آل ریڈی بہت ڈسٹرب ہے۔"وہ آخر میں کچھ اکتائے ہوئے لہجے میں اسے وارن کرتے ہوئے بولا تھا۔

"میں جانتی ہوں آپ کی ڈسٹربنس کو۔بشریٰ۔۔۔مثال کی ماں جو اپنی بیٹی سے کبھی بھی جدا نہیں ہونا چاہتی تھی ٗکس طرح کس وجہ سے اسے ہمیشہ کے لیے یہاں چھوڑ کر چلی گئی۔کوئی تو وجہ ہوگی ناں۔آپ نے یہ بات نہیں محسوس کی۔۔۔اتنے سال تو اسے یہ بات ایک دن کے لیے بھی گوارہ نہیں تھی کہ مثال یہاں رہتی۔"وہ جتا جتا کر کوئی بھی واضح بات کیے بغیر بہت کچھ واضح کرتی چلی جارہی تھی۔

عدیل نے اسے سخت ناراض نظروں سے دیکھا۔

"مجھے ان فضول پہیلیوں میں مت الجھاؤ۔جو بات ہے وہ کرو۔"عدیل لہجے میں درشتی لیے ہوئے جھنجلا کر بولا۔

"مجھے لگتا ہے وہ کسی میں انوالو ہے اور ابھی بھی وہ جو نکلی ہے۔تو وہ چلی گئی ہے۔"وہ رک رک کر دھماکے دار لہجے میں بولی۔

"واٹ۔۔۔چلی گئی۔۔۔کہاں چلی گئی ہے وہ۔"عدیل تو جیسے اچھل ہی پڑا اس کی بات سن کر!

"جس کے ساتھ انوالو ہوگی۔اس کے کمرے میں جا کر دیکھ لیتے ہیں۔اگر اس کا ضروری سامان وہاں نہیں ہوگا تو پھر اسے تلاش کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔"عفت جیسے کچھ طے کیے بیٹھی تھی کہ اب یہ ہونے والا ہے۔

"عفت! میرا دماغ خراب نہیں کرو۔ میری بیٹی ایسی نہیں ہے۔ سنا تم نے۔" وہ پاگلوں کی طرح زور سے چیخا تھا۔ عفت ڈر کر بے اختیار پیچھے ہو گئی۔

"تو ڈھونڈ لیں اسے جا کر۔ یوں آدھی رات کو غائب ہونے کا مطلب۔۔۔ مجھے جو لگا میں نے کہہ دیا۔" وہ ذرا دیر بعد ڈھٹائی سے بولی۔ عدیل اسے پرے دھکیل کر تیزی سے باہر نکل گیا۔

"ہونہہ! میری بیٹی ایسی نہیں ہے۔ شیشے کی طرح بے داغ شفاف ہے نا یہ مثال بی بی۔ جیسی ماں۔۔۔ ماں نے طلاق کے پانچویں مہینے پرانے عاشق سے شادی رچالی فوراً" تو کیا بیٹی دودھ کی دھلی ہوگی۔" بڑبڑا کر باہر نکل گئی۔

مثال کسی بھی سمت کا تعین کیے بغیر یونہی دوپٹہ سینے پر پھیلائے تیز تیز منتشر قدموں کے ساتھ چلی جا رہی تھی۔

وہ اب تنگ گلی سے نکل کر کھلی جگہ پر آ گئی تھی۔ خنک ہوا اس کے گھسے ہوئے کپڑوں کو کاٹتی اب اس کے جسم سے ٹکرا رہی تھی۔ اس کے بال ہوا میں اڑ رہے تھے۔

"مجھے اب واپس نہیں جانا۔۔۔ یوں بھی وہ کون سا میرا گھر ہے اور وہاں کسی کو بھی میری ضرورت نہیں۔ میں یہاں سے کہیں چلی بھی جاؤں، مر بھی جاؤں تو بھی کسی کو پریشانی نہیں ہوگی بلکہ سب کو خوشی ہوگی کہ ان کی جان چھوٹ گئی مجھ سے۔۔۔ پتا نہیں اللہ نے مجھے پیدا کیوں کیا تھا۔ ایک مثال، ایک عبرت بنانے کے لیے۔۔۔" اس کی آنکھوں سے بے آواز آنسو بہتے چلے جا رہے تھے۔

وہ دائیں بائیں کہیں بھی دیکھے بغیر اب اور بھی تیز رفتاری کے ساتھ چلی جا رہی تھی کہ ایک دم سے سامنے سے ادھر آتے ہوئے کسی سے ٹکرا گئی۔

ایک دم سے اسے لگا جیسے وہ کسی محفوظ پناہ میں آ گئی ہو۔ خنک سرد ہواؤں سے گرم ڈھارس بھری پناہ گاہ میں! مضبوط گرم بازوؤں کی پناہ نے صرف چند ساعتوں کے لیے اسے گہرے سکون کا احساس دیا تھا۔ کسی کی گرم سانسوں کا ادراک ہوتے ہی وہ ایک جھٹکے سے سیدھی ہوئی۔

وہ زور لگا کر پیچھے ہونا چاہتی تھی مگر کسی مضبوط گرفت میں تھی۔ اس نے یوں لائٹ میں سامنے اتنے قریب کھڑے شخص کو حیران نظروں سے دیکھا اور دوسرے لمحے وہ شاکڈ سی رہ گئی۔

"یہ تو وہی ہے۔" اس کے لب ہولے سے کانپے تھے۔

"واثق عفان!" وہ اس کی نظروں کا مفہوم پڑھتے ہوئے بڑی اپنائیت سے بولا۔

"کتنی بار مجھے اپنا تعارف کرانا پڑے گا آپ سے؟" وہ اب کے مسکرایا تھا۔

مثال نے پوری طاقت سے اسے دھکا دے کر پرے کیا اور وحشت بھری نظروں سے کچھ کہے بغیر اسے دیکھتی وہاں سے بھاگ پڑی۔ واثق اسے یوں دیوانہ وار بھاگتے دیکھ کر حیران سا رہ گیا۔

دوسرے لمحے وہ بھی اس کے پیچھے تیزی سے گیا۔ وہ بھاگتے ہوئے پیچھے مڑ کر دیکھے بغیر چلی جا رہی تھی۔

"مجھے لگ رہا ہے یہ اپنے حواس میں نہیں۔ اسے معلوم ہی نہیں یہ اس وقت کہاں ہے۔ مجھے اس کے پیچھے جانا چاہیے۔" وہ اب کے کچھ پریشان سا ہو کر تیز قدموں سے اس کے پیچھے چل پڑا۔

تیز ہوا میں اڑتا گلابی آنچل اس کی رہنمائی کر رہا تھا!

☼ ☼ ☼

وہ کھلے گیٹ سے اندر آ رہی تھی۔

عفت اور عدیل اس کے سامنے کھڑے تھے۔ وہ سر جھکائے ان کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔

"کہاں سے آ رہی ہو تم اس وقت؟" عدیل کی آواز میں سرد مہری تو تھی عجیب سا کھردرا پن بھی تھا۔

مثال نے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو آپس میں پکڑ کر ان کی کپکپاہٹ پر قابو پانے کی کوشش کی مگر۔۔۔ اس کی ٹانگیں۔۔۔ ان سے جیسے جان نکلی جا رہی تھی۔ یوں جیسے وہ ابھی گر پڑے گی۔

"کیا پوچھ رہا ہوں میں تم سے مثال؟" عدیل کی گرج دار آواز نے اس کی رہی سہی ہمت بھی ختم کر دی۔

"کیا وہ چھوڑ کر بھاگ گیا جس کے بھروسے پر تم نے یہ دہلیز عبور کی تھی۔۔۔ بس اتنی سے محبت تھی اسے تم سے۔" عفت نے بہت عجیب سے لہجے میں چٹخارہ لے کر یوں کہا جیسے وہ اس کہانی کے آگے پیچھے ہونے والے ہر واقعے کی چشم دید گواہ ہے۔

مثال حیرت بھری نظروں سے چہرہ اٹھا کر اسے دیکھنے لگی۔

"عفت! تم جاؤ کمرے میں۔۔۔ میں بات کر رہا ہوں مثال سے۔" عدیل نے ہمیشہ کی طرح عفت کو اپنے اس انتہائی ذاتی معاملے سے دور ہٹانے کی کوشش کی۔

"کیوں جاؤں میں اندر یہ اب آپ کا ہی نہیں میرا بھی معاملہ ہے۔ کیونکہ یہ لڑکی اب میرے گھر پر رہ رہی ہے۔ میری بھی اتنی ہی ذمہ داری بنتی ہے جتنی آپ کی۔ اور جیسے یہ آج رات کو نکل گئی کل دن میں کسی بھی ٹائم پھر سے نکل گئی تو شام میں آ کر تو آپ مجھ سے ہی سوال کریں گے نا۔ اس وقت بھی تو مجھے ہی ذمہ دار ٹھہرایا جائے گا تو پلیز مجھے بھی معلوم ہو لینے دیجیے کہ اس لڑکی کے ارادے کیا ہیں۔ کیوں یہ سب کچھ کر رہی ہے جبکہ میں نے، ہم نے اسے اس گھر میں ہر طرح کا آرام سہولت دے کر اپنی اولاد کی طرح ہی رکھا ہوا ہے پھر یہ سب کیوں کر رہی ہے کہ اسے اپنے باپ کی عزت کا ذرا بھی پاس نہیں۔" عفت بہت استحقاق بھرے انداز میں کہتی چلی گئی اور عدیل کی سمجھ میں آ گیا کہ وہ عفت کو اب کسی بھی طرح یہاں سے بھیج نہیں سکے گا۔

"ہوتی اگر اس کی جگہ میری پری قسم خدا کی میں اب تک اس کی ٹانگیں توڑ کر ہاتھ میں پکڑا چکی ہوتی۔" وہ منہ پر ہاتھ پھیر کر پرعزم لہجے میں بولی جیسے وہ واقعی پری کی ٹانگیں توڑ ہی تو چکی ہے۔

"تم سے میں کیا پوچھ رہا ہوں۔ تم مجھے جواب دو گی یا میں خود ہاتھ پکڑ کر تمہیں اس دروازے کے باہر کروں جس سے تم ابھی اندر آئی ہو۔" اور عدیل یہ سب کر سکتا تھا۔ مثال کو اس بات کا پتا تھا۔

اس وقت مسئلہ صرف عدیل کی عزت اور غیرت کا نہیں تھا' عفت جس طرح بڑھ بڑھ کر باتیں کر رہی تھی اور جس طرح اس نے "تمہاری اور میری بیٹی" کے بیچ میں لکیر کھینچی تھی' اس نے عدیل کو کچھ اور بھی غضب ناک سا کر دیا تھا۔

"پاپا۔۔۔ میں۔" وہ کانپتے لہجے میں اتنا ہی گھٹی آواز میں بول سکی تھی۔

"کس کے ساتھ گئی تھیں تم؟" وہ گرج کر بولا۔

"یہ بھی ہو سکتا ہے وہ ابھی باہر ہی موجود ہو اور یہ چپکے سے کچھ سامان سمیٹنے کے لیے آئی ہو۔" عفت کہہ کر تیزی سے باہر کی طرف لپکی اور باہر جھانکتے ہوئے دور تک دیکھنے لگی۔ واثق جو دور اندھیرے میں کھڑا تھا کچھ اور بھی پیچھے ہو گیا۔

عفت کچھ دیر کھڑی ادھر ادھر دیکھتی رہی پھر مایوس ہو کر گیٹ بند کر کے اندر آ گئی۔

"میرا۔۔۔ دم گھٹ رہا تھا کمرے میں۔۔۔ تو میں۔۔۔ کھلی ہوا میں۔۔۔" وہ بہت رک رک کر ڈرے ہوئے لہجے میں بولی۔

اور عدیل نے شدید غصے میں اسے تھپڑ مارنے کے لیے ہاتھ اٹھایا تھا مگر جانے کیسے وہ فضا میں ہی رک گیا۔ اس نے ہونٹ زور سے بھینچ لیے تھے۔ مثال آنکھوں میں آنسو حیرت اور دکھ لیے خود سے بہت محبت کرنے والے باپ کی اس تشنجی کیفیت کو دیکھ رہی تھی۔

"اللہ میری توبہ۔۔۔ بہانہ بھی دیکھو کیسا بودا گھڑا۔۔۔ دم گھٹ رہا تھا۔ تم کیا قبر میں پڑی تھیں' جو تمہارا کمرے میں دم گھٹنے لگا۔ سارے گھر میں سب سے ہوادار کمرہ ہے وہ' اللہ مغفرت کرے اماں جان کا۔ اتنے سال اپنی آخری عمر کے انہوں نے اس کمرے میں گزارے' اس بہشتن نے تو کبھی ایسی شکایت نہ کی۔ اور پوتی کی حالت دیکھیں۔ دو دنوں میں اس کا کمرے میں دم گھٹنے لگا۔ آگے آگے کیا ہونے والا ہے عدیل! آپ یہیں سے اندازہ کرلیں میں تو کہتی ہوں۔۔۔"

عفت کو برداشت کرنا نسیم بیگم سے بھی زیادہ مشکل تھا۔ اتنے سالوں میں آج پہلی بار اتنی شدت سے عدیل کو اندازہ ہوا تھا۔

"بابا۔۔۔ آئی ایم سوری۔۔۔ سوری بابا!" اس نے بے اختیار روتے ہوئے باپ کے آگے دونوں ہاتھ جوڑ دیے۔ اس کی بند آنکھوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے۔

اور عدیل کو لگا' یہ آنسو نیچے مثال کے پیروں پر نہیں' اس کے دل پر گر رہے ہیں۔ وہ شکست خوردہ سا خاموش اندر چلا گیا۔

"بہت خوب! کیا ڈرامے بازی ہے۔۔۔ ماشاء اللہ' مثال بی بی! تم تو کچھ اور ہی نکلیں۔ جیسے میں نے سوچ رکھا تھا۔" عفت جلے کٹے لہجے میں بولی۔

اس کی توقع کے برعکس عدیل نے کوئی بھی سخت رد عمل ظاہر نہیں کیا تھا اس اتنے بڑے واقعے پر۔ وہ سخت مایوس ہوئی تھی۔

مثال کچھ بھی کہے بغیر اس کے پاس سے گزر کر اندر چلی گئی۔ عفت وہیں کھڑی اسے جاتے دیکھ کر کچھ سوچتی چلی گئی۔

"عدیل جتنا بھی اس لڑکی سے ناراض ہو جائے۔ چیخ چلالے اور یہ کتنی بھی بڑی غلطی کرلے۔ وہ اسے کبھی کچھ نہیں کہے گا۔ یہ لڑکی اس کی کمزوری ہے۔ اور یہ عنقریب اس گھر میں میرے بچوں کی جگہ لے لے گی۔ مجھے اس کو یہاں سے دفعان کرنے کے لیے کچھ نہ کچھ فوری طور پہ کرنا ہوگا ورنہ پھر۔۔۔ یہ معاملہ میرے ہاتھوں سے نکل گیا تو سب کچھ اس کے ہاتھوں میں چلا جائے گا۔"

وہ کچھ دیر وہیں کھڑی غور کرتی رہی کہ مثال سے جان چھڑانے کا بہترین طریقہ کون سا ہو سکتا ہے کہ سانپ بھی مر جائے اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے مگر فوری طور پر اسے کوئی موزوں حل نہیں سوجھ سکا مگر اسے یقین تھا وہ کوئی نہ کوئی راستہ ڈھونڈے گی۔

☼ ☼ ☼
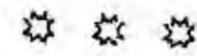
پھر کئی دن خاموشی سے سرک گئے۔

عدیل نے مثال سے کوئی بات نہیں کی۔ وہ بالکل خاموش تھا۔ اس کی باتوں کا جواب دیتا مگر خود سے کوئی بات نہیں کرتا تھا۔

مثال اس کے رویے سے افسردہ اور الجھی ہوئی تھی مگر یہ بھی غنیمت تھا کہ آج کل عفت نے بھی جلی کٹی

سنانے کا پروگرام ملتوی کر رکھا تھا۔

پری کی کلاسز شروع ہو چکی تھیں۔ اس نے الگ سے وین لگوائی تھی۔ وہ مثال کی وین میں نہیں جاتی تھی۔

"بابا! میری کلاسز دیر سے ختم ہوں گی۔ آپی کی کلاسز جلدی ختم ہو جاتی ہیں۔ ان کی وین میں یوں بھی لڑکیاں بہت زیادہ ہیں اور سب سینئر کلاسز سے ہیں۔ مجھے اپنی کلاس فیلوز کے ساتھ وین میں جانا ہے' جس میں سب جاتی ہیں۔" اس نے بہت معصومیت اور سادگی سے مثال سے دور رہنے کے لیے الگ وین لگوانے کی باپ کو وجہ بتائی تو عدیل نے جواب میں کچھ بھی نہیں کہا۔

وہ صبح مثال سے پہلے کالج چلی جاتی اور دوپہر میں بہت دیر میں واپس آتی تھی۔

آج اتفاق کی بات تھی کہ مثال کی وین والے نے واپسی پر انہیں خود آنے کے لیے کہہ دیا تھا کہ اسے کسی ضروری کام سے شہر سے باہر جانا تھا۔

"سوری آپی! میری تو کلاسز ہیں' پھر اس کے بعد پریکٹیکل بھی ہیں تو بہت لیٹ ہو جاؤں گی۔ تم بس میں یا رکشے میں چلی جانا۔"

مثال کو پری کلاس میں ملی تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ مثال خاموشی سے واپس آگئی۔

لوکل بس یا وین سے وہ کبھی اکیلی نہیں گئی تھی اور رکشے میں بھی اکیلی نہیں جاتی تھی' پھر اس کے پاس پیسے بھی بہت کم تھے۔

چھٹی کے بعد وہ پریشان سی باہر نکل کر یونہی پیدل چلنے لگی۔

"میں نے غلطی کی' میں عروسہ سے کہتی' وہ گھر کی طرف سے گزر کر جاتی ہے۔ وہ مجھے ڈراپ کر دیتی راستے میں۔"

اسے خیال ستانے لگا۔

"لیکن اب تو وہ جا چکی ہوگی اور پیدل تو گھر نہیں جایا جا سکتا۔ کیا مصیبت ہے' اگر یہ وین والے انکل صبح گھر ہی بتا دیتے تو میں آج چھٹی ہی کر لیتی۔" وہ یونہی سڑک کے کنارے فٹ پاتھ پہ الجھتی ہوئی چلی جا رہی تھی جب ایک گاڑی اس کے پاس سے گزری اور پھر ریورس کرتے ہوئے اس کے پاس آکر ہلکا سا ہارن دیتی رک گئی۔

مثال کو متوجہ ہونا پڑا۔

واثق اسے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا اپنائیت بھری نظروں سے دیکھتا گاڑی میں بیٹھنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

وہ سینے سے لگی فائل پر گرفت مضبوط کرتی اس سے نظریں چرا کر تیزی سے آگے بڑھنے لگی۔ وہ گاڑی سے اتر کر اس کے پاس آگیا۔

"پلیز! اتنا تو بھروسے کے لائق سمجھ سکتی ہیں مجھے۔ ہم بہت دنوں سے مل رہے ہیں۔ مطلب ٹکرا رہے ہیں۔ ٹرسٹ می۔ میں آپ کو آپ کے گھر تک ہی ڈراپ کروں گا۔" وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے ملتجی لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"مجھے نہیں جانا آپ کے ساتھ تو کیوں خوامخواہ میرے ساتھ چل رہے ہیں۔" وہ اس کی طرف براہ راست دیکھے بغیر جھلا کر بولی۔

"میں صرف ساتھ چلنا ہی نہیں چاہتا۔۔۔ بلکہ آپ کا ہاتھ بھی تھام لینا چاہتا ہوں اور مثال! اب اگر تم نہیں رکیں اور میرے ساتھ گاڑی میں نہیں بیٹھیں تو میں تمہارا ہاتھ پکڑ لوں گا اور پھر تمہیں ساتھ لے جاؤں گا۔ کیا کرو گی تم۔"

"اس کی اتنی جرات!" مثال شاکڈ سی آنکھیں پھاڑے اسے دیکھتی رہ گئی۔

"تو پکڑلوں ہاتھ؟" وہ شرارت سے بولا۔

"شٹ اپ! میں اتنا شور مچاؤں گی۔" وہ غصے میں بولی۔

"نہیں مچا سکوگی۔ اگر مچاؤ گی تو دیکھو! یہاں سڑک پر تو کوئی بھی نہیں ہے۔ میں تمہارے شور مچانے سے پہلے تمہیں اٹھا کر لے جاؤں گا پھر کیا کرو گی؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بولا وہ تو جیسے حیرانی سے مرنے والی ہو گئی۔

"تو اب چل پڑو ناں یا واقعی اٹھا کر لے جاؤں۔" کہہ کر اس نے تیزی سے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے کھینچتا ہوا اپنے ساتھ لے گیا۔

"پلیز چھوڑیں... چھوڑیں میرا ہاتھ ورنہ میں۔" اس نے زندگی میں کبھی خود کو اتنا بے بس محسوس نہیں کیا تھا' جتنا اس لمحے کر رہی تھی۔

اس کا نازک ہاتھ واثق کی بہت مضبوط گرفت میں تھا۔

"پلیز چھوڑیں۔" وہ آخر میں رونے لگی۔

واثق نے اسے پسنجر سیٹ پر بٹھاتے ہوئے دروازہ بند کر کے تیزی سے آکر ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی۔

"پلیز رونا نہیں۔ میں قسم کھا کر کہتا ہوں تمہیں اغوا کرنے کا میرا کوئی ارادہ نہیں۔" وہ اس کی بھیگتی آنکھوں کو دیکھ کر فوراً" ملتجی لہجے میں بولا۔

گاڑی روانہ ہو چکی تھی اور مشال کے آنسو بھی!

"پلیز... دیکھو' تمہیں تو میرا تھینک فل ہونا چاہیے کہ میں نے تمہیں لفٹ آفر کی' ورنہ اس سڑک پر اس وقت کنوینس ملنا آسان نہیں ہے۔" کہہ کر اس نے ٹشو باکس سے ٹشو نکال کر اس کی طرف بڑھایا اور مشال کو بھی فوراً" اپنی حماقت کا احساس ہوا۔

وہ کیوں بھلا ایک اجنبی کے ساتھ بیٹھی اس طرح آنسو بہا رہی ہے۔ کوئی دیکھے تو کیا سمجھے۔ اس نے جلدی سے ٹشو سے آنکھیں اور چہرہ رگڑ ڈالا۔

"شاباش... بات تو سمجھ میں آگئی ہوگی کہ آنسو کسی بھی مسئلے کا حل نہیں ہوتے... ہے ناں۔" وہ مسکرا کر نصیحت کرنا نہیں بھولا تھا۔

مشال خاموشی سے ٹشو کو انگلیوں میں مسلتی رہی۔ گاڑی میں کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔

"آپ اس اکیڈمی میں گئی تھیں۔" اس خاموشی کو بھی واثق نے ہی توڑا تھا۔

"نہیں۔" وہ مختصراً" بولی۔

"کیوں؟" واثق کو جواب میں یہی کہنا تھا۔

مشال نے پورا چہرہ گھما کر اسے یوں دیکھا جیسے وہ اس کے سوال کرنے پر حیران ہوئی ہو۔

"مشال! ہم اتنی بار مل چکے ہیں تو اجنبی بالکل بھی نہیں۔ کم از کم تم تو میرے لیے بالکل بھی نہیں ہو۔" وہ رک کر اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"بلکہ تم میرے لیے جتنی اپنی ہو... مطلب محسوس ہوتی ہو... میں اب کچھ بھی سوچوں... تم میری سوچ میں کہیں نہ کہیں موجود ہوتی ہو۔" وہ جیسے خود کلامی کر رہا تھا۔ کندھے اچکا کر بولا۔

"یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ۔" وہ کچھ بوکھلا سی گئی۔

"میں آپ کے بارے میں ایسا کچھ نہیں سوچتی۔" وہ جلدی سے صفائی دینے والے انداز میں بولی۔ وہ بے

اختیار ہنس پڑا۔

"میں نے کوئی لطیفہ نہیں سنایا۔" وہ چڑ کر بولی۔

"وہ تو میں نے سنایا ہے۔" وہ جیسے محظوظ ہو کر بولا۔

"کیا مطلب؟" وہ اسے خفا نظروں سے دیکھ کر بولی۔

"بھئی جو میری فیلنگز تھیں تمہارے متعلق' وہ میں نے تم سے شیئر کی ہیں لیکن میں نے تمہیں مجبور تو نہیں کیا کہ تم بھی ایسا ہی محسوس کرو میرے بارے میں' لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ میں ایسا چاہتا ہوں۔" وہ ذرا رک کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے گہری آواز میں بولا۔

"کیا؟" بے اختیار مشال کے منہ سے نکلا۔

"کہ تم میرے بارے میں بھی ایسا سوچو جیسے میں تمہارے بارے میں سوچتا ہوں... میری خواہش ہے یہ اور دعا بھی۔"

"پلیز آپ یہیں ڈراپ کردیں۔ میں آگے خود چلی جاؤں گی۔" وہ ناراض لہجے میں کہنے لگی۔

"خیر ڈراپ تو اب میں آپ کو کسی صورت نہیں کرسکتا۔" وہ معنی خیزی سے بولا۔

"کیا... کیا کہہ رہے ہیں یہ آپ؟" وہ ایک دم پریشان سی ہو کر اسے دیکھنے لگی تو واثق بے ساختہ ہنس پڑا۔

"آپ کی کوئی دوست ہے؟" وہ اسے دیکھتے ہوئے پوچھنے لگا۔ مشال کی گردن بے اختیار نفی میں ہل گئی۔

"چچ چچ... کیسا اکیلا وہ شخص ہوگا اس دنیا میں جس کا کوئی ایک بھی دوست نہیں ہے۔" وہ مصنوعی تاسف بھرے لہجے میں بولا۔

"آپ مجھے یہیں ڈراپ کردیں پلیز۔"

"مشال! ایک بات پوچھوں۔" وہ سنجیدگی سے اس کی فرمائش ان سنی کرتے ہوئے بولا۔ وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"اس رات تم اکیلی... بالکل اکیلی عجیب ذہنی کیفیت میں راستوں میں بھٹک رہی تھیں... ایسا ہی تھا ناں؟" وہ اسے دیکھ کر بولا۔ مشال نظریں چرا گئی۔

"مجھے اس لمحے پتا ہے کیا ڈر لگا۔" وہ جیسے سرگوشی میں بولا۔

"مجھے لگا میں کہیں تمہیں کھو نہ دوں۔" وہ گہری نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا۔

"اور جب میں نے یہ محسوس کیا تو مجھے لگا اگر ایسا ہو گیا تو شاید میں خود کو بھی کھو دوں گا... گم کردوں گا خود کو بھی۔" وہ عجیب کھوئے کھوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"مجھے اقرار کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں ہو رہی۔ میں واقعتاً" تمہارے بارے میں بہت سنجیدہ ہوں۔" وہ گمبھیر لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"اگر بابا نے مجھے اس اجنبی کے ساتھ جو اس وقت مجھ سے ایسی باتیں کر رہا ہے۔ جو میرے دل کے تار ہلائے جا رہا ہے' دیکھ لیا تو وہ میرے بارے میں کیا سوچیں گے۔ کم از کم انہیں عفت ماما کی سب باتیں' جو وہ میرے بارے میں اس رات کہہ رہی تھیں' بالکل سچ لگنے لگیں گی اور میں اعتبار کھو بیٹھوں گی۔"

وہ بابا کا اعتبار کھو دے گی' اس خیال سے اس کا دل بند ہونے لگا۔

"پلیز گاڑی روکیں یہیں۔" اس نے ایک دم سے اس کے اسٹیئرنگ پر رکھے ہاتھ پر زور سے اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

"روکیں۔" وہ زور سے چیخی تھی۔

واثق نے ایک دم گھبرا کر گاڑی روک دی اور اس سے پہلے وہ اس سے وجہ پوچھتا' وہ تیزی سے اپنی طرف کا

دروازہ کھول کرباہر نکل گئی۔

"مثال پلیز میری بات توسنو۔" وہ اسے پکارتا رہ گیا۔ وہ دوپٹا ٹھیک کرتی تیزی سے سڑک کے دوسری طرف چلی گئی۔

"پتا نہیں میں اس الجھی ڈور جیسی لڑکی کو کبھی سمجھ بھی پاؤں گا یا نہیں۔ جو قریب آتی ہے اور ایک دم سے دور بہت دور چلی جاتی ہے کہ مجھے لگتا ہے یہ پھر مجھے کبھی نہیں ملے گی۔"

وہ افسردہ سا اس خالی راستے کو دیکھتے ہوئے سوچتا چلا گیا' جہاں کچھ دیر پہلے مثال مڑگئی تھی۔ اس نے گہرا سانس لیتے ہوئے گاڑی اسٹارٹ کرنے کے بعد گیئر کی طرف ہاتھ بڑھایا اور ٹھٹک گیا۔

مثال کا موبائل فون سیٹ کے پاس نیچے گرا ہوا تھا تو وہ بے اختیار مسکرا اٹھا۔

"تو ملنے کا بہانہ تو وہ چھوڑ گئی۔ اب تو وہ مجھ سے ضرور ملے گی۔" وہ سیل فون ہاتھ میں لے کر دیکھتے ہوئے سوچنے لگا۔

"اور اب مجھے امی سے بات کرنا ہوگی مثال کے بارے میں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ خدانخواستہ مجھ سے بچھڑ جائے' کھو جائے میرا وہم حقیقت نہ بن جائے۔" وہ سر جھٹک کر گاڑی ڈرائیو کرنے لگا۔

☆ ☆ ☆
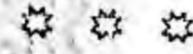
مثال اپنا بیگ پورا الٹ کر سب چیزیں دیکھتے ہوئے موبائل فون ڈھونڈ رہی تھی۔

کتابیں الٹ پلٹ کر دیکھ لیں۔ بیگ سارا چھان لیا۔

"کہاں گیا میرا موبائل۔" وہ پریشان ہو کر سوچنے لگی۔

"کہیں وہ اس واثق کی گاڑی میں تو نہیں گر گیا کیونکہ روڈ پر چلتے ہوئے تو وہ میرے ہاتھ میں ہی تھا۔ گاڑی میں بیٹھی تو بھی میرے پاس تھا۔ ہاں۔۔۔ یقیناً" وہیں اس کی گاڑی میں رہ گیا ہوگا۔" وہ سر پکڑ کر سوچتی چلی گئی۔

"اب اس سے واپس کیسے لوں گی۔ مجھے اس کا گھر ٹھکانا کچھ بھی تو معلوم نہیں۔" وہ مضطرب سی چیزیں واپس بیگ میں رکھتے ہوئے سوچنے لگی۔

"لائبریری تو وہ جاتا ہوگا۔ مگر ریگولر نہیں۔ کل شام کو وہ وہاں نہیں تھا۔" وہ موبائل لینے کے طریقے سوچنے لگی۔

"تم آج واپسی میں کس لڑکے کی گاڑی میں بیٹھ کر گھر آئی ہو مثال؟" اگر اس کے قریب آکر کوئی بم پھوڑتا تو مثال کو اتنی حیرت نہ ہوتی جتنی اسے عفت کی اس اچانک بات سے ہوئی۔ وہ اس کے سر پر کھڑی بہت جارحانہ انداز میں پوچھ رہی تھی اس کے پیچھے پری کھڑی تھی۔

"اب یہ مت کہنا کہ میں گپ مار رہی ہوں یا یہ میرا وہم ہے۔ ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔" وہ مثال کی گمبھیر چپ پر بڑے طنزیہ لہجے میں بولی مثال کچھ بول ہی نہیں سکی۔

"مما! میری دوست فریال نے خود دیکھا مثال آپی کو کسی لڑکے کی گاڑی میں جاتے ہوئے۔ اس نے مجھے فون کر کے فوراً" بتایا ہے۔" مثال کو پری کی بات پر معاملہ سمجھ میں آگیا۔

"جی اس میں جھوٹ تو واقعی کچھ نہیں ہے۔ وہ میری کلاس فیلو ایمان کا بھائی تھا۔ اس نے مجھے باہر مین روڈ پر ڈراپ کیا تھا کیونکہ وین والے انکل نے واپسی پر نہیں آنا تھا اور میں نے پری سے کہا تھا کہ وہ مجھے واپسی پر اپنی وین میں ساتھ لے جائے لیکن اس نے انکار کر دیا۔ پوچھ لیں آپ اس سے۔" وہ پہلے کی طرح کمپوزڈ لہجے میں بولی' جس سے عفت کو چڑ تھی۔

بہت پہلے جب مثال عفت کے سرد چہرے اور غصیلی آنکھوں سے سخت خوف زدہ ہو کر کانپتی آواز میں اس کی کسی کسی بات کا جواب دیا کرتی اور کسی پر بالکل گھبرا کر خاموش رہتی تو عفت کو بڑی کمینی سی خوشی ملتی تھی۔ مگر اب کچھ مہینوں سے وہ بہت بے نیاز لاتعلق سے لہجے میں عفت سے بات کرنے لگی تھی۔ جس سے صاف لگتا تھا کہ اسے عفت کی باتوں کی اس کی دہشت کی ذرا بھی پروا نہیں۔

"ہاں تو میں کیوں لے کر آتی ساتھ۔ ہماری کلاسز تھیں۔ پھر ہماری وین میں ایک بھی سیٹ خالی نہیں ہوتی۔" پری فوراً" جتانے والے انداز میں بولی۔

"لیکن اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ تم کسی بھی ایرے غیرے کے ساتھ گاڑی میں بیٹھ کر لفٹ لے لو۔" عفت رعب بھرے انداز میں بولی۔

"کیا تم نے اپنے باپ سے اس بات کی اجازت لے رکھی ہے۔" وہ دھونس جمانے والے لہجے میں بولی۔

"کیا آج گھر میں کھانے کے لیے کچھ نہیں ملے گا۔ جب بھی آؤ یہاں کوئی نہ کوئی ایشو چل رہا ہوتا ہے۔ سب کھڑے کسی نہ کسی بحث میں الجھ رہے ہوتے ہیں۔ کیا میں ہوٹل سے کھا کر آیا کروں۔" دانی بہت اونچی آواز میں کمرے کے باہر کھڑے ہو کر چیخا تھا۔

"ارے نہیں' نہیں۔ کچھ بھی نہیں میں تو ابھی کچن میں ہی تھی تم دیر سے آئے ہو۔ چلو میں نکالتی ہوں تمہارے لیے کھانا میں نے تمہارے انتظار میں کھایا بھی نہیں تھا ابھی تک۔" عفت بے اختیار لجاجت بھرے انداز میں کہتے ہوئے مثال کو بھول کر دانی کے ساتھ باہر نکل گئی۔ وہ اس کے ساتھ جاتے ہوئے بھی مسلسل خوشامدی لہجے میں بول رہی تھی۔

"اور اگر میں مما کو بتا دیتی کہ تمہاری دوست ایمان کا کوئی بھائی نہیں ہے نہ اس کے پاس گاڑی تو!" پری اس کی الماری کھول کر دیکھتے ہوئے بولی۔

"ضرور بتاؤ۔ بلکہ ابھی بھی دیر نہیں ہوئی۔ تم کچن میں جا کر بتا سکتی ہو۔ تمہیں کسی نے یہ نہیں بتایا کہ بغیر اجازت کسی کی یوں تلاشی لینا کیا کہلاتا ہے۔" اس نے الماری آگے بڑھ کر بند کرتے ہوئے طنزیہ لہجے میں کہا تو پری لمحہ بھر کو اس کے اس انداز پر حیران سی رہ گئی۔

"صرف ایک ملاقات کا اتنا اثر۔۔۔ اتنا اعتماد!" وہ طنز کرتے ہوئے بولی مثال کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

"تمہیں اگر کچھ اور بات نہیں کرنی تو تم چلی جاؤ یہاں سے۔" وہ منہ پھیر کر بے رخی سے بولی۔

"اگر میں نہیں جاؤں تو؟" وہ بھی ضدی لہجے میں بولی۔ مثال نے ایک طرف پڑے اپنے کپڑے تہ کرنے شروع کر دیے۔ انداز ایسا تھا جیسے کہہ رہی ہو' بھلے رات تک بیٹھی رہو۔ پری کچھ لمحے کھڑی رہی پھر تلملاتی وہاں سے چلی گئی۔

اور اگر انہوں نے یہ بات پاپا کو بتا دی اور انہوں نے بھی مجھ سے پوچھ لیا۔ تو میں ان کے سامنے خود کو بے نیاز نہیں ظاہر کر سکوں گی کبھی بھی۔۔۔ پتا نہیں پاپا کے سامنے مجھے کیا ہو جاتا ہے۔ میرے سارے حوصلے ڈھے جاتے ہیں۔ میں وہی سات آٹھ سال کی مثال بن جاتی ہوں' جسے صرف اور صرف ان کی محبت اور بے تحاشا پیار کی عادت تھی۔ وہ ان کے اس اجنبی روپ کو دیکھتے ہی خود پر یہ ضبط کھو دیتی ہے۔

پاپا اگر پہلے کی طرح نہ سہی نارمل لہجے میں' جس میں میرے لیے اعتماد ہو' بات کر لیا کریں تو مجھے لگے گا میں زندگی میں کامیاب ہو گئی ہوں۔ اگر میں پاپا کا اعتماد جیت لوں۔۔۔ لیکن عفت مما اور پری کی موجودگی میں یہ آسان

نہیں اور مما نے اتنے دنوں سے مجھے فون بھی نہیں کیا' پوچھا بھی نہیں میرے بارے میں۔
اور میرا فون اس کے پاس ہے۔ اگر مما کی کال آگئی تو۔" وہ ایک دم بے چین ہو کر کھڑی ہو گئی۔
"مجھے مما سے پوچھ کر لائبریری جانا چاہیے۔ اللہ کرے وہ وہاں آجائے۔" وہ بے چین سی باہر نکل گئی۔

☼ ☼ ☼
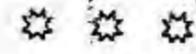
"عدیل!" عفت کچھ شاکڈ سی عدیل کو دیکھنے لگی۔
"اس میں اتنا حیرت زدہ ہونے کی کیا بات ہے؟" عدیل سرسری نظر اس کے چہرے پر ڈال کر بولا۔
"بھی... میرا مطلب ہے' وہ ابھی پڑھ رہی ہے۔" وہ ذرا سنبھل کر بولی۔
"اس کے ایگزام تک بات چیت اور دوسرے معاملات طے ہو جائیں گے۔ ایگزام کے فوراً" بعد شادی۔" وہ جیسے سب کچھ طے کر چکا تھا۔ مطمئن لہجے میں بولا۔
عفت کچھ بول ہی نہ سکی۔
"میں بہت ڈر گیا تھا عفت! اس رات جب مثال بغیر بتائے گھر سے چلی گئی تھی میں نے اسی وقت فیصلہ کر لیا تھا۔ میں جلد سے جلد مثال کی شادی کر دوں گا۔" وہ سوچ سوچ کر بولا تو عفت کو وجہ سمجھ میں آگئی۔
"اور پھر وقار میرا بہت اچھا پرانا دوست ہے۔ بہت سال وہ لوگ امریکہ میں سیٹل رہے۔ اس کا بیٹا کوالیفائیڈ انجینئر ہے بہت اچھی فیملی ہے۔ اکلوتا بیٹا اور اتنا قابل۔ فائزہ بھابھی بھی بہت محبت کرنے والی رکھ رکھاؤ والی خاتون ہیں۔ فہد کے پاس تو وہاں کی نیشنلٹی بھی ہے۔ ہماری مثال ان شاء اللہ بہت خوش رہے گی۔ میں ایسا ہی رشتہ تو اس کے لیے چاہتا تھا۔" عدیل بہت خوش' بہت مطمئن تھا۔
اور عفت کو لگا آگ کا کوئی جھلسا دینے والا شعلہ تھا جس نے یک لخت سر تاپا اسے جھلسا کر رکھ دیا ہو۔
"ایسی اچھی قسمت اس مثال کی ہو کیا میں یہ چاہوں گی۔ ارے واہ! پہلے ماں باپ کی آنکھ کا تارہ بنی رہی اور اب جا کر شوہر اور سسرال والوں کی لاڈلی... کبھی نہیں۔"
وہ مٹھیاں بھینچے سوچ رہی تھی۔
"کل شام میں آئیں گے وہ لوگ... جسٹ فارملیٹی ہو گی۔ سب کچھ تو سمجھو ڈن ہے۔ کل ہی وہ لوگ شگن ڈال دیں گے اور فہد کے اگلے مہینے پاکستان آنے پر منگنی وغیرہ یا نکاح ہو جائے گا اور چار ماہ بعد شادی... تم سن رہی ہو ناں۔"
اتنی دیر تک عفت کبھی چپ نہیں رہی تھی۔ عدیل اس کی لمبی چپ پر بولا۔
"ہوں... جی سن رہی ہوں۔" وہ بہت مشکل سے بول سکی تھی۔
"اور سب سے اچھی بات کہ وہ لوگ ڈیمانڈنگ بھی نہیں ہیں۔ انہیں جہیز وغیرہ کچھ نہیں چاہیے بلکہ سخت خلاف ہیں وہ جہیز کے لیکن خیر! بھئی ہم اپنی مثال کو خالی ہاتھ تو رخصت نہیں کریں گے۔ بہت کچھ سوچ لیا ہے میں نے تو۔" وہ تو اپنی ہی دھن میں کہے جا رہا تھا۔ بہت عرصے بعد عفت نے عدیل کو اتنا خوش اتنا مسرور دیکھا تھا۔
"ہماری مثال کوئی معمولی لڑکی نہیں ہے اور مجھے یقین تھا۔ میرے اللہ نے اس کی قسمت بھی بہت خاص بنائی ہو گی۔ عفت! مجھے لگ رہا ہے جیسے آج میں ہلکا پھلکا ہو گیا ہوں۔ میرے دماغ پر دل پر جو اتنے دنوں سے بوجھ تھا' سب اتر گیا۔" وہ عفت کی طرف دیکھ بھی نہیں رہا تھا۔
"سچ پوچھو بشریٰ' مجھ پر جو یہ ذمہ داری ڈال گئی تھی۔ شروع میں تو میں بہت گھبرا گیا تھا۔ ظاہر ہے بیٹی کا معاملہ اور اس کو بیاہنا' پھر آج کل جو سچویشن اچھے رشتوں کے معاملے میں چل رہی ہے... تھینک گاڈ!"

عفت تو جیسے پتھر کا بت بنی بیٹھی تھی۔
"میں نے وقار اور فائزہ بھابھی کو شام پانچ بجے کا ٹائم دیا ہے لیکن کچھ تیاری تو پہلے آکر کرنا ہو گی۔ کیا خیال ہے تمہارا۔" وہ اس کی ہم نوائی کو بولا۔
"جی... بالکل۔" وہ کسی معمول کی طرح سر ہلا کر مزید کچھ کہے خاموشی سے باہر نکل گئی۔ عدیل ریموٹ اٹھا کر ٹی وی دیکھنے لگا۔
"کیا کروں میں۔ وہ واثق تو لائبریری بھی نہیں آیا۔ میرا فون۔" وہ سخت پریشان سی پچھلے صحن میں ٹہل رہی تھی۔
ہاتھ میں کتاب تھی مگر پڑھنے کی طرف بالکل دھیان نہیں تھا۔

☼ ☼ ☼

"اس کی قسمت بھی اس کی ماں جیسی شان دار ہو گی۔ پہلے ایک شان دار مرد ملا۔ جو ابھی تک اس کے ہجر و فراق میں راتوں کو اٹھ اٹھ کر آہیں بھرتا ہے اور پھر دوسرا امیر کبیر مرد جو اسے ہر عیش اور آرام دیتے ہوئے ملکوں ملکوں گھوم رہا ہے اور اب ایسی ہی قسمت اس کی بیٹی کی...
کہتے ہیں ناکہ بیٹی کی قسمت بھی ماں جیسی ہوتی ہے۔ اس کی قسمت اپنی ماں جیسی اور میری پری کی... ایک برتا ہوا مرد... جس کے استعمال شدہ دل میں میرے لیے نہ کوئی جذبہ تھا نہ احساس۔
صرف گھر کو اس کی بچی کو سنبھالنے والی ایک دوسری عورت کی ضرورت!
اسی ضرورت سے ہم دونوں آج تک بندھے ہوئے ہیں۔
محبت تو ہمارے درمیان کبھی رہی نہیں۔ کبھی عدیل نے اس محبت سے میرا ہاتھ نہیں تھاما' جس محبت سے وہ ابھی بھی بشریٰ کو سوچتا ہے۔ اس کے دل میں ابھی بھی وہی ہے۔ میں تو صرف گھر میں ہوں گھر کے دوسرے سامان کی طرح!
اور جس طرح وہ مثال کے لیے پریشان تھا' اس نے ایک بار بھی پری کا ذکر نہیں کیا۔ بھلے دونوں کی عمروں میں سات آٹھ سال کا فرق ہے مگر دیکھنے والے تو یہی کہتے ہیں پری بڑی ہے مثال سے... اور باپ کو جب اتنا شان دار رشتہ مل رہا تھا تو کیا اسے ایک لمحے کے لیے بھی پری کا خیال نہیں آیا۔
غلطی میری ہے۔ مجھے عدیل کو احساس دلانا چاہیے تھا کہ اگر رشتہ ایسا اچھا ہے تو پہلا حق پری کا ہو گا...
وہ صحن میں ٹہل ٹہل کر کتاب پڑھتی مثال کو دیکھتے ہوئے سوچے جا رہی تھی۔
اس مثال کو تو ادھر بھی دس مل جائیں گے لیکن یہ اتنا شان دار پرپوزل صرف میری پری کے لیے ہونا چاہیے۔ میں اب سب کچھ قسمت پر چھوڑ کر نہیں بیٹھ سکتی کہ پری کی شکل اچھی ہے تو قسمت بھی اچھی ہو گی۔ مجھے اپنی بیٹی کی قسمت خود بنانی ہو گی دیکھتی ہوں مثال کیسے میری بیٹی کا حق چھینتی ہے۔" وہ زہریلی نظروں سے مثال کو دیکھ رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ سیل فون ہاتھ میں لیے اس میں موجود کال لاگ دیکھ رہا تھا۔
"اوہ اس میں گھر کا لینڈ لائن نمبر بھی موجود ہے۔" وہ چونکتے ہوئے سوچنے لگا۔
"لیکن اگر فون کسی اور نے اٹھایا تو... مثال کا نام لے کر میں اسے بلا بھی نہیں سکتا۔" وہ متذبذب سا سوچنے

لگا۔

”نہیں مجھے بے صبرا پن نہیں دکھانا چاہیے۔ کل اس کے کالج کے باہر جا کر اسے فون لوٹا دینا چاہیے۔“ اس نے اپنے سیل پر نمبر ڈائل کرتے ہوئے رک کر سوچا۔

”ایک بار کوشش کرنے میں کیا حرج ہے۔ ہو سکتا ہے فون مثال اٹھائے۔“ بے قرار دل کو قرار نہیں آرہا تھا‘ اس نے نمبر ڈائل کرلیا۔

مثال فون کے پاس سے گزرتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف جارہی تھی فون کی بیل پہ چونک کر رک گئی۔

سب اپنے کمروں میں سونے کے لیے جاچکے تھے۔

سب ڈسٹرب نہ ہوں فون کی آواز سے اس نے یہ سوچ کر ریسیور اٹھالیا۔

دوسری طرف خاموشی تھی۔

”ہیلو!“ مثال کو جھلا کر بولنا پڑا۔

”ہیلو۔ بھئی بات کریں فون کس لیے کیا تھا۔“ وہ کہہ کر فون بند کرنے لگی تھی کہ بے اختیار رک گئی۔

”میں کل کالج کے گیٹ کے باہر آپ کا فون دینے کے لیے آرہا ہوں۔ میرا انتظار کیجیے گا۔“ واثق مثال کی آواز پہچان کر آہستگی سے بولا۔

”اور وہ جو ساری شام میں نے لائبریری میں آپ کا انتظار کیا۔ وہ کیا۔ مجھے پاگل سمجھ رکھا ہے آپ نے۔“ وہ ایک دم سے غرا کر بولی۔

”کیا۔۔۔ اوہ میرے خدایا! یہ کیا غضب ہو گیا۔ لائبریری میں میرا انتظار ہوتا رہا اور میں بدنصیب فیکٹری کے بیکار حساب کتاب میں الجھا ہوا تھا۔۔۔ میری بدقسمتی اور کیا کہوں میں اس کو۔“ وہ ٹھنڈی آہیں بھرتا ہوا بولا۔

”پلیز مجھے فون چاہیے میرا۔“ وہ تیز لہجے میں بولی۔

”تو ابھی آجاؤں۔ یہ پاس میں تو میرا گھر ہے۔ پانچ منٹ کی پیدل واک پر۔ آپ بھی باہر آجائیں۔ تھوڑی واک کرلیں گے اور گپ شپ بھی۔“ وہ بے تکلفی سے فوراً بول اٹھا۔

”شٹ اپ! کل شام کو پانچ بجے لائبریری میں۔“ خدا حافظ کہہ کر تیزی سے اندر چلی گئی۔

اس کے دل کی دھڑکنیں عجیب بے ہنگم انداز میں منتشر ہو رہی تھیں۔

”یہ کیا ہو رہا ہے مجھے اور میں کیوں دعائیں کر رہی تھی کہ کسی طرح اس سے بات ہو جائے۔ اس کی آواز سن لوں اور اس کی آواز سن کر میرے دل کی جو حالت تھی۔ نہیں نہیں مجھے ایسی باتیں نہیں سوچنی چاہیے۔“ وہ بے قرار سی کمرے میں ٹہلنے لگی۔

میں جتنا اس سے دور بھاگنا چاہتی ہوں۔ حالات مجھے اس کے پاس لے آتے ہیں۔ جیسے وہ کہتا ہے کہ قسمت ہمیں یونہی راستوں میں نہیں ٹکراتی۔۔۔ کوئی مقصد ہے قدرت کا۔

افوہ! میں یہ فضول باتیں کیوں سوچے جارہی ہوں۔ مجھے اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں سوچنا۔ صرف کل آخری بار اس سے مل کر اپنا موبائل فون لے کر آنا ہے۔ پھر میں اس سے کبھی نہیں ملوں گی۔“ وہ دل میں ارادہ باندھنے لگی۔

”کبھی نہیں؟“ اس کے دل نے بہت معصومیت سے فریادی انداز میں سوال کیا تھا۔ وہ بے اختیار مسکرا کر نہ چاہتے ہوئے بھی اسے سوچنے لگی۔

٭ ٭ ٭

"کیا واقعی۔۔۔ واثق! تم سچ کہہ رہے ہو۔" عاصمہ نے بے یقینی کے ساتھ واثق کی طرف دیکھتے ہوئے سرشار سے لہجے میں کہا۔

وہ مسکراتے ہوئے اثبات میں سرہلانے لگا۔

عاصمہ آنکھوں میں چمک لیے اسے دیکھے جارہی تھی۔

"افوہ مما! ایسے کیا دیکھے جارہی ہیں۔ میں نے تو بس یونہی ایک بات کی ہے آپ سے۔" وہ اس کے یوں دیکھنے پر بے اختیار جھینپ گیا تھا۔ عاصمہ بے ساختہ اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کا ماتھا چومنے لگی۔ اس کا چہرہ دونوں ہاتھوں میں لے کر محبت بھری نظروں سے دیکھتے ہوئے مسکراتی رہی۔

"تمہیں نہیں پتا اس ایک دن کا ارمان اس کی خواہش ایک بیٹے کی ماں کے دل میں ٹھیک اسی دن سے جگہ بنا لیتی ہے، جب وہ بیٹے کی ماں بنتی ہے اور تم نے تو جیسے مجھے نہال ہی کردیا یہ بات کرکے کہ تم کسی کو پسند کرتے ہو اور واثق میری جان! یقین کرو میرے دل کو ایسا اندھا اعتماد ایسا بھروسہ ہے تم پہ تمہاری پسند پر تمہارے انتخاب پر، میں جانتی ہوں تم کبھی غلط ہو ہی نہیں سکتے۔ وہ لڑکی دنیا کی بہترین لڑکی ہوگی جسے میرے بیٹے نے پسند کیا ہے۔ بہت بہت زیادہ خوش ہوں میں۔" عاصمہ تو جذباتی پن میں اس کا چہرہ ہاتھوں میں لیے بولتی چلی گئی۔

واثق کچھ اور بھی جھینپ گیا۔ آہستگی سے عاصمہ کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر چومنے لگا۔

"مما پلیز! اتنی بڑی بڑی امید نہ لگائیں۔ پہلے آپ اسے دیکھیں گی اور یہ تو میرا بھی دل کہتا ہے کہ وہ آپ کو بہت پسند آئے گی لیکن پھر بھی مما! میرے لیے آپ کی پسند آپ کی مرضی ہر چیز پر اولیت رکھتی ہے۔ آپ اس سے ملیں گی۔ اسے دیکھیں گی۔ پسند کریں گی۔" وہ مسکراتے ہوئے سنجیدہ لہجے میں بولا۔

عاصمہ ابھی بھی محبت سے اسے دیکھتی جارہی تھی۔

"ابھی چلیں۔" وہ جوشیلے پن سے بولی۔

واثق بے اختیار ہنس پڑا۔ عاصمہ کے چہرے پر خفگی سی آگئی۔

"مما! ابھی تو میں فیکٹری جارہا ہوں۔ شام میں ذرا جلدی آجاؤں گا تو پھر آپ کو لے چلوں گا۔ صبح میں تو میرے خیال میں کوئی بھی لڑکی دیکھنے نہیں جاتا۔" وہ ماں کو چھیڑنے والے انداز میں بولا۔

"بے وقوف ہم نے لڑکی دیکھنے تھوڑی جانا ہے۔ میں نے تو اسے شگن ڈالنے جانا ہے بلکہ میں۔۔۔ ابھی تھوڑا ٹائم نکال کر جیولر کی طرف سے ہو آتی ہوں۔ ایک اچھی سی انگوٹھی لے آتی ہوں۔ کیا خیال ہے واثق!" وہ سنجیدگی سے کہہ رہی تھی اور واثق نے پھر ہنسنا شروع کردیا۔

"تم میرا مذاق اڑا رہے ہو کہ میں سٹھیا گئی ہوں۔" وہ خفگی سے بولی۔

"نہیں تو بالکل بھی نہیں اور مما کبھی سنا ہے کہ لڑکی کو پہلی بار دیکھنے کے لیے جائیں اور انگوٹھی پہنا آئیں۔ آپ بھی ناں بس۔۔۔" وہ ہونٹوں کا کونا دبا کر ہنسی روک رہا تھا۔

"اچھا تمہیں بڑا تجربہ ہے لڑکیوں کو جاکر دیکھنے کا۔۔۔ میں تو آج پہلی بار جاؤں گی۔ کون سا میرا کوئی تجربہ ہے یوں لڑکیاں دیکھنے کا۔ تمہاری بہنوں کا خیر سے اللہ کے کرم سے اتنی آسانی سے رشتہ شادی سب ہوگیا۔ دیکھنے دکھانے کی نوبت ہی نہیں آئی۔ اللہ تعالیٰ تم دونوں بہن بھائی کے معاملات بھی اس طرح نمٹادے تو پھر سمجھو میرے تو اس دنیا میں سارے فرائض تمام ہوئے۔ حج کروں گی اور پھر اللہ اللہ۔ تم جانو اس گھر کے معاملات کو اور تمہاری بیوی۔"

عاصمہ نے لمحوں میں سارا سلسلہ ہی پلان کر ڈالا۔

واثق پھر ہنس پڑا۔ اسے عاصمہ پر بے اختیار پیار آیا تھا۔

"میری بھولی سی مما! یوں تھوڑی ہوتا ہے۔ بہو آئے گی۔ کچھ برتن ٹوٹیں گے تھوڑی لڑائیاں ہوں گی۔ کچھ سازشیں ہوں گی پھر۔" وہ ماں کو چھیڑ رہا تھا۔

"خبردار تم نے اس سے آگے ایک لفظ بھی کہا تو۔۔۔ میں سچ میں تمہیں مار ڈالوں گی۔" وہ اسے ناراضی سے وارن کرتے ہوئے بولی۔

"اوکے بالکل نہیں۔" وہ کان پکڑ کر بولا۔

"تمہاری بات چیت تو ہوگی واثق اس لڑکی سے؟" وہ کچھ دیر بعد سنجیدگی سے پوچھ رہی تھی۔

واثق ناسمجھی سے ماں کو دیکھ کر رہ گیا۔ اب جانے وہ کیا پوچھنا چاہ رہی تھیں۔

"میرا مطلب ہے لڑکی کے گھر۔۔۔ پیغام آئی مین! یونہی تو اٹھ کر کسی کے گھر نہیں چلے جاتے۔ تھوڑا بہت اس کے پیرنٹس کے نالج میں ہونا چاہیے کہ آنے والے لوگ کیوں آئے ہیں. تو وہ بھی تھوڑا ذہنی طور پر تیار ہوتے ہیں۔" عاصمہ اسے سمجھانے والے انداز میں بولی تو واثق سوچ میں پڑ گیا۔

"کیا ہوا تم نے جواب نہیں دیا۔" عاصمہ اسے خاموش دیکھ کر بولی۔

"مما! ابھی تو رابطہ نہیں ہے۔ تو آج ہم یونہی چلے جاتے ہیں نا مطلب بس یونہی ملنے۔۔۔ آپ" وہ کچھ سوچنے لگا۔

"آپ کہہ دیجیے گا کہ وہ آپ کی اسٹوڈنٹ رہ چکی ہے تو آپ اس سے ملنے آئی ہیں۔" وہ چٹکی بجا کر جیسے مسئلہ حل کرتے ہوئے بولا۔ عاصمہ اسے گھورنے لگی۔ "کیا کچھ غلط کہہ دیا میں نے۔" وہ ماں کے یوں دیکھنے پر جلدی سے بولا۔

"بے وقوف! ابھی ٹیچر بھی اپنے اسٹوڈنٹ سے یونہی ملنے جاتے ہیں۔" عاصمہ چڑے ہوئے انداز میں بولی۔

"تو پھر کیا کریں؟" واثق پریشان ہوکر بولا۔

"بیٹا! سمپل اس کی مدر سے بات کرلیتے ہیں۔ میں کرلیتی ہوں۔ تم مجھے اس کا نمبر دو۔" عاصمہ رک کر بولی۔

واثق ماں کو دیکھتے ہوئے نفی میں سرہلانے لگا۔

"کیا مطلب! نمبر نہیں ہے تمہارے پاس۔"

"وہ تو ہے۔ ایکچوئلی مما! اس کی مدر اس کے فادر۔۔۔ معلوم نہیں اس طرح ہمارے جانے سے کیا مطلب لیں کہ کہیں اس نے مثال نے آئی مین اس نے میرے ساتھ کوئی افیئر چلا رکھا ہے تو۔۔۔ وہ شاید اس سے ناراض ہو جائیں اسی بات پر۔ کوئی اور ریزن سوچیں جس میں انہیں ایسا کوئی شک نہ ہو کہ میں مثال کو پہلے سے جانتا ہوں اور اس وجہ سے ہم آئے ہیں۔" وہ رک رک کر ماں کو سمجھانے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔

عاصمہ بھی سوچ میں پڑ گئی۔

"خیر ابھی تم فیکٹری جاؤ لیٹ ہو رہے ہو۔ میں اس دوران کچھ سوچ لیتی ہوں۔ تمہاری بات ٹھیک ہے۔" عاصمہ سرہلاتے ہوئے کہہ کر اٹھ کر اندر چلی گئی۔

٭ ٭ ٭

"مگر کیوں۔" مثال حیرت بھرے انداز میں عفت کو دیکھنے لگی۔

"تمہارے پاپا کہہ کر گئے ہیں۔" وہ سپاٹ سرد لہجے میں بولی۔

آج عفت کی بیگانگی مثال سے کچھ زیادہ بڑھ کر تھی۔ وہ اس کی طرف دیکھ بھی نہیں رہی تھی۔ میکانکی انداز میں ناشتے کے خالی برتنوں کو ڈائننگ ٹیبل سے سمیٹ رہی تھی۔

"مگر کالج کیوں نہیں جاؤں۔ کوئی کام ہے آپ کو مجھ سے گھر میں۔" وہ عفت کے مختصر جواب سے مطمئن نہیں ہوتی تھی۔ کچھ اور بھی الجھ کر بولی۔

"بی بی! میں پہلے کون سے تم سے ہل جتواتی ہوں جو آج اپنے کسی کام کے لیے تمہیں کالج سے چھٹی کے لیے بولوں گی۔" وہ ایک دم جیسے ڈپٹ کر بولی۔

حالانکہ روز صبح کالج جانے سے پہلے پورے گھر میں بکھری ہوئی چیزیں سمیٹنا سب کچھ درست حالت میں رکھنا ڈسٹنگ کرنا کچن کی صفائی ناشتے میں عفت کی مدد کرنا سب مثال کی روز کی ڈیوٹی میں شامل تھا اور جس دن صفائی والی ماسی کے نہ آنے کا امکان ہوتا۔ اس روز اور بھی جلدی اٹھ کر گھر کی صفائی بھی کرنا پڑتی تھی اور آج عفت کیسے اکھڑے ہوئے لہجے میں کہہ رہی تھی کہ اسے مثال کے کام سے کوئی مطلب نہیں۔

مثال دکھ سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔ خیر یہ دکھ تو کوئی نئی بات نہیں تھی۔

"مما! آج میرا اکنامکس کا بہت اہم ٹیسٹ ہے۔" وہ عفت کے پیچھے کچن میں آتے ہوئے بولی۔

"تو اپنے باپ کو فون کر کے بتا دو۔" وہ سنک میں برتن پٹختے ہوئے مڑ کر اس کی طرف دیکھے بغیر بولی۔

"شام میں تمہیں دیکھنے کچھ لوگ آرہے ہیں۔ دیکھنے کیا سمجھو معاملہ طے ہو چکا ہے۔ شام کو صرف فارملیٹی ہوگی۔" وہ کچھ دیر بعد اسی بیگانے پن سے اسے اطلاع دیتے ہوئے بولی۔

"کون سا معاملہ؟" مثال کے سر کے اوپر سے عفت کی بات گزر گئی۔ عفت نے ہاتھ میں پکڑی پلیٹ زور سے سنک میں پٹخی۔

"اتنی معصوم نہیں ہو تم۔ تمہاری ماں یہاں تمہیں جس مقصد کے لیے ڈال گئی تھی۔ وہ پورا ہونے جا رہا ہے، فون ملا کر بتا دو اپنی جادوگرنی ماں کو۔ خود نکل گئی جان چھڑا کر مصیبت ساری ہمارے گلے ڈال گئی۔ جیسے ہم تو خدانخواستہ بے اولاد ہیں نا ہماری اپنی کوئی ذمہ داری ہے ہی نہیں۔" عفت سخت غصے اور ملال میں تھی۔

مثال ساکت سی کھڑی اسے دیکھتی رہی۔

"اب جاؤ یہاں سے۔ کہیں جانا ہے تو جاؤ۔ یوں میرے سر پر سوار ہو کر کھڑی مت ہو۔ اپنے ہی گھر میں آزادی سے سانس لینا محال ہو گیا ہے ہمارا تو۔" وہ سخت نفرت سے بولی۔

اور مثال کا جی چاہا وہ یہیں کھڑے کھڑے زمین کے اندر چلی جائے۔ اس نے آنسو پی لیے۔

یوں بھی اب اسے آنسو پینے کی پریکٹس ہو چلی تھی۔ مرے مرے قدموں سے واپس مڑ گئی۔

"مہمان کون سے آنے والے ہیں اور معاملہ کون سا ہے صرف فارملیٹی ہوگی۔" وہ ڈائننگ ٹیبل کے پاس بیٹھ کر الجھی ہوئی خود ہی یہ گتھی سلجھانے لگی۔

"پاپا سے فون کرنے پوچھوں۔ وہ یہ بات مجھ سے خود بھی کہہ کر جا سکتے تھے کہ میں آج کالج نہیں جاؤں لیکن انہوں نے تو مجھ سے بات کرنا ہی ختم کر رکھا ہے۔ عجیب طرح سے وہ ناراض ہیں مجھ سے۔" وہ دل گرفتی سے سوچے جا رہی تھی۔

"اور میرے پاس موبائل فون بھی نہیں ہے میں مما کو میسج کرتی کہ وہ مجھے فون کریں۔" وہ بے بسی سے سوچنے لگی۔

"لیکن نہیں۔ میں کیوں کہوں ان سے کہ وہ مجھے فون کریں۔ انہیں خود تو میرا خیال نہیں۔ جب پاس تھی تب

انہیں میری پروا نہیں تھی۔ اب تو میلوں کے فاصلے ہیں۔" وہ نم آنکھوں سے سوچتی چلی جا رہی تھی۔

"تمہارے ابا نے گھر میں دس ملازم نہیں رکھے ہوئے جو یوں مزے سے ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھی ہو ملکہ پکھراج جی! اٹھ کر گھر کے کام کرو۔ پہلے ڈرائنگ روم دیکھ لو۔ اس کے پردے بدلنے ہیں اور کشنز کے کور بھی۔ ماسی آئی ہے تو اچھی طرح صفائی کراؤ پھر کچن میں آکر میرا ہاتھ بٹاؤ۔ اس عذاب میں ادھر جو میری جان کو چمٹے ہوئے ہیں۔"

عفت نے کچن کی کھڑکی سے اسے یوں بیٹھے دیکھ کر وہیں سے چلانا شروع کر دیا۔

مثال بوکھلا کر کتابیں میز پر چھوڑ کر جانے لگی پھر خیال آنے پر تیزی سے مڑ کر اس نے کتابیں اٹھائیں اور اپنے کمرے میں آگئی۔

"مہمان۔۔۔ کہیں وہ والے تو نہیں۔" کمرے میں آتے ہی اس کے ذہن میں جھماکا سا ہوا۔

وہ ٹھٹک کر رک گئی۔ معاملہ کچھ کچھ اس کی سمجھ میں آنے لگا تھا۔

"پاپا کے دوست ایسے کون سے ہیں جنہیں میں نہیں جانتی۔ کیا پاپا میری شادی کرنے والے ہیں۔ مگر اتنی جلدی۔۔۔ ابھی تو میرے بی ایس ہونے میں بھی دو سال ہیں۔" وہ پریشان سی سوچتی چلی گئی، پھر عفت کی اگلی آواز کا خیال آتے ہی تیزی سے یونیفارم بدلنے چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

"تمہارے گھر۔" پری حیران نظروں سے سامنے کھڑی اپنائیت بھری نظروں سے دیکھتی وردہ سے بولی۔

"ہاں میرے گھر یار۔۔۔ اور تم نے بتایا ہے نا جو ایڈریس تو وہ ہمارے گھر سے زیادہ دور نہیں ہے۔ یہ ہمارے گھر کا ایڈریس ہے۔" وردہ نے اپنے گھر کا ایڈریس جو عاصمہ کی اکیڈمی کے وزٹنگ کارڈ پر تھا نکال کر پری کو دیا۔

پری ایڈریس پڑھنے لگی۔

وردہ ابھی بھی اسے بہت پیار بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

"ہاں۔۔۔ یہ تو بالکل قریب ہے۔ بارڈلی دو من اسٹریٹس کا فاصلہ ہے۔" وہ بھی سرہلا کر بولی۔

"آف کورس!" وردہ خوش ہو کر بولی۔

"تو یار! تم آجاؤ ناں ہمارے گھر۔" پری کچھ سوچ کر اسے دعوت دیتے ہوئے کہنے لگی۔

"پہلے تم آجاؤ۔ ایکچوئلی میں تمہیں اپنی مما سے ملوانا چاہتی ہوں۔ میں نے اپنی مما سے تمہاری اتنی تعریفیں کر رکھی ہیں۔ وہ تم سے مل کر بہت خوش ہوں گی۔" وردہ بچوں کی سی معصومیت سے خوش ہو کر کہہ رہی تھی۔

"تم نے بھلا میری ایسی کیا تعریفیں کریں۔ مجھ میں تو کوئی ایسی بات نہیں۔" وہ ادا سے بولی۔

"ارے یہ تو پورے کالج سے پوچھو۔ تمہاری یہ من موہنی صورت بیچاری لڑکیاں تمہیں دیکھ کر حسد اور رشک میں مبتلا ہو جاتی ہیں تو لڑکوں کا کیا حال ہوگا۔" وردہ اسے سراہتے ہوئے کہہ رہی تھی، وردہ کو لگا اس کے گال تمتمانے لگے ہیں۔

"شٹ اپ یار! اب ایسی بھی کوئی بات نہیں ہے۔" وہ کچھ جھینپ کر بولی۔

"بات تو ہے، یہ تو تم نہ کہو۔" وردہ مصر ہو کر بولی۔

"تم پھر تم آرہی ہو ناں میرے گھر۔ دیکھو یہاں تو تم میری مما کی اکیڈمی دیکھنے کے بہانے بھی آسکتی ہو۔" وہ

اسے اکساتے ہوئے بولی۔

"نہیں یار! پہلے میں اپنی مما سے پرمیشن لوں گی پھر تمہیں بتاؤں گی کہ پہلے میں آؤں گی تمہارے گھر یا تم۔" وہ ذرا سوچ کر بولی۔

"اوکے تو کب بتاؤ گی۔" وہ بے صبرے پن سے پوچھنے لگی۔

"صبر کرو یار! گھر پہنچوں گی تو پوچھوں گی نا۔" وردہ ہنس پڑی۔ دونوں باتیں کرتی ہوئی آگے نکل گئیں۔ وردہ باتوں کے دوران بھی متاثر ہوجانے والی نظروں سے پری کو دیکھتی رہی۔

☼ ☼ ☼

واثق بری طرح سے کام میں منہمک تھا' جب اس کے بیگ میں موجود سیل فون کی بپ بجنے لگی۔

اجنبی بپ سنتے ہوئے وہ لمحہ بھر کو چونکا۔

کچھ دیر سوچتا رہا۔ پھر اسے خیال آیا کہ اس کے بیگ میں تو مشال کا سیل پڑا ہے۔

اس نے تیزی سے فون بیگ سے نکالا' جو ابھی بھی بج رہا تھا۔

"بشریٰ ماما کالنگ" بلنک ــــ کر رہا تھا۔ واثق متذبذب سا فون کو دیکھنے لگا۔

"نہیں مجھے کال نہیں لینی چاہیے۔ اس کی مما کا فون ہے۔ جانے وہ کیا سمجھیں۔ لیکن اس نے ماما کے ساتھ ان کا نام کیوں فیڈ کیا ہوا ہے۔" وہ کچھ الجھ کر بجتے فون کو دیکھے جا رہا تھا۔ ذرا دیر بعد فون بند ہو گیا۔

وہ پھر سے کام میں مگن ہو گیا۔ فون پر میسج ٹون بجی تو وہ چونکا بشریٰ کا میسج تھا۔

"مشال جانو! کیسی ہو۔ شاید تم کالج میں ہو۔ میری کال نہیں لے رہیں۔ تمہارے پاپا کا رویہ کیسا ہے تمہارے ساتھ اور ان کی بیوی کا۔ ان کے بچوں کا۔ میں تم سے اتنی دور تو ہو گئی ہوں لیکن ایک پل کو چین نہیں مشال! تم کو بہت یاد کرتی ہوں۔۔۔ جانو آئی لو یو۔ اپنا بہت خیال رکھنا! بہت زیادہ۔ میں تمہیں پھر فون کروں گی۔۔۔ لو یو۔" لمبا چوڑا میسج واثق کے سامنے ایک نئی کہانی کھول گیا۔

"تو کیا مشال اپنے اصل والدین کے ساتھ نہیں رہ رہی۔ اس کی ماما۔ کسی دوسرے ملک میں ہیں اور یہ۔۔۔"

وہ کچھ دیر سوچتا رہا پھر سر جھٹک کر فون بیگ میں رکھ کر کام کرنے لگا۔

☼ ☼ ☼

"تم جا کر چینج کرلو۔ تمہارے پاپا آنے والے ہیں اور ان کے ساتھ مہمان بھی۔ یوں سر جھاڑ منہ پہاڑ نہ ان کے سامنے چلی آنا کہ وہ دیکھتے ہی انکار کردیں فورا"۔" عفت جلے کٹے لہجے میں کمرے میں آکر اس سے بولی۔

صبح سے کام کر کر کے اس کا سارا جسم دکھنے لگا تھا۔ سر میں بھی بہت درد تھا۔ وہ ذرا کمر کو آرام دینے کے لیے کمرے میں آکر بیٹھی تھی کہ عفت آکر اسے ہدایت دینے لگی۔

"کون سے مہمان مما؟" پری نے ماں کے پیچھے سے سر نکالتے ہوئے متجسس لہجے میں پوچھا۔

"تمہارے پاپا کے جاننے والے ہیں۔ تم بھی جا کر اپنا حلیہ درست کرلو پری!" عفت اسے تنقیدی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"میں ٹھیک تو ہوں۔" وہ اپنے سراپے پر نظر ڈال کر لاپروا انداز میں بولی۔

عفت نظروں میں پیار سمو کر اسے دیکھنے لگی۔

"پری تیار نہیں بھی ہو تو بھی اس مشال کے سامنے بہت خوب صورت ہے۔ ماشاء اللہ لاکھوں میں ایک ہے

میری بیٹی!" عفت یونہی پری کو پیار کر کے مسکرانے لگی۔

☼ ☼ ☼

مشال بے دلی سے تیار ہو کر خود کو آئینے میں دیکھنے لگی۔ وہ پیاری لگ رہی تھی مگر آنکھوں میں تھکن سی تھی۔

اس وقت اسے صرف آرام کرنے کی خواہش ہو رہی تھی۔ اسی وقت باہر گاڑی رکنے دروازے کھلنے اور بند ہونے کی آوازیں آنے لگیں۔ ذرا دیر میں گھر میں مہمانوں کے آنے کی آوازیں شور اور ہلچل سی ہونے لگی۔

"آجاؤ تمہیں پاپا بلا رہے ہیں۔" پری خوب صورت گلابی رنگ کے ریشمی سوٹ میں کسی دیس کی پری ہی تو لگ رہی تھی۔ لمحہ بھر کو مشال مبہوت سی اسے دیکھتی رہ گئی۔

"اچھی لگ رہی ہوں نا میں۔" مشال کی نظروں سے اس نے فورا" اخذ کرتے ہوئے اترا کر پوچھا۔

مشال پیار سے مسکرادی۔

"تھینک یو!" وہ خوش ہو کر گول گول گھوم گئی۔ اس کا پھولا پھولا سا فراک کچھ اور بھی پھول گیا۔

"لائیک اے پرنسس ناں۔" وہ شوخی سے بولی۔

مشال اثبات میں سر ہلا کر اس کے ساتھ باہر نکل گئی۔

پری فورا" ہی اندر ڈرائنگ روم میں مہمانوں کے پاس چلی گئی۔ مشال کچھ جھجک کر وہیں رک گئی۔

"معلوم نہیں کون ہیں۔ کیسے لوگ ہیں اور پری کو دیکھ کر انہوں نے میرے بارے میں کیا اندازے لگا رکھے ہوں گے۔" خوامخواہ اس کی ہتھیلیاں پسینے میں بھیگنے لگیں۔

"اور وہ واثق۔۔۔" بے اختیار اس کے دل نے ایک دھڑکن مس کی۔ وہ کچھ ششدر سی کھڑی رہ گئی۔ اس موقع پر اس کے یاد آنے کا کیا مطلب تھا۔ وہ گم صم سی کھڑی تھی۔ جب بالکل اس کے ہاتھ کے پاس پڑا لینڈ لائن گنگنا اٹھا۔

اس نے گھبرا کر پہلی گھنٹی کے بعد فون اٹھالیا۔

"ہیلو۔" بہت مدھم آواز میں وہ بولی تھی۔

"تھینک گاڈ مشال! فون تم نے اٹھایا۔ میں ابھی کچھ دیر میں اپنی مما کے ساتھ تمہارے گھر آرہا ہوں۔ پلیز تم اپنے پیرنٹس کو بتا دینا کسی فارملیٹی کی ضرورت نہیں۔ ہم بس یونہی ملنے آرہے ہیں۔ مما تمہارے لیے میرا پرپوزل دیں گی۔ تمہیں کوئی اعتراض تو نہیں ناں؟" وہ شوخی سے پوچھ رہا تھا۔

"واثق!" اس کی آواز بے اختیار کانپی تھی۔

"اوکے بائے۔ ہم کچھ دیر میں روبرو ملتے ہیں اور ہاں تمہارا فون بھی میں ساتھ لیتا آؤں گا یار! اپنے گھر میں تھوڑا میرا سوفٹ امیج بنا دینا تاکہ میری مما کا کام آسان ہو جائے۔۔۔ اوکے بائے۔" کہہ کر اس نے فون بند کردیا۔

مشال پریشان سی کھڑی رہ گئی۔

"مجھے ری ڈائل کر کے اس وقت یہاں آنے سے منع کرنا چاہیے۔ اگر وہ اس طرح اپنی والدہ کو لے کر آگیا اور پاپا نے کچھ اور سمجھ لیا تو بہت مشکل ہو جائے گا۔" وہ جلدی سے نمبر ری ڈائل کرنے لگی۔

"کتنے لوگوں کو بھجوانا پڑے گا تمہیں بلانے کے لیے۔ مہمان تم سے ملنا چاہتے ہیں۔ آجاؤ اب۔" عفت بے زاری سے اس کے سر پر آکر بولی تو اس نے جلدی سے فون بند کردیا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

رخسانہ نگار عدنان

ایک تھی مثال

عدیل اور فوزیہ نسیم بیگم کے بچے ہیں۔ بشریٰ ان کی بہو ہے اور ذکیہ بیگم کی بیٹی ہے۔ عمران بشریٰ کا بھائی ہے۔ مثال ذکیہ بیگم کی نواسی اور نسیم بیگم کی پوتی ہے۔ بشریٰ اور نسیم بیگم میں روایتی ساس بہو کا تعلق ہے۔ نسیم بیگم مصلحتاً بیٹا بہو سے لگاوٹ دکھاتی ہیں۔ دوسری طرف ذکیہ بیگم کا کہنا ہے۔ ان کی بیٹی بشریٰ کو سسرال میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ پانچ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد بشریٰ کی نند فوزیہ کا بالآخر ایک جگہ رشتہ طے پا جاتا ہے۔ نکاح والے روز بشریٰ دولہا ظہیر کو دیکھ کر چونک جاتی ہے۔

عدیل سے شادی سے قبل ظہیر کا بشریٰ کے لیے بھی رشتہ آیا تھا مگر بات نہ بن سکی تھی۔ نکاح والے دن فوزیہ کی ساس زاہدہ اور ذکیہ بیگم بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔ بشریٰ اپنی ماں سے یہ بات چھپانے کے لیے کہتی ہے مگر عدیل کو پتا چل جاتا ہے۔ وہ ناراض ہوتا ہے مگر فوزیہ اور نسیم بیگم کو بتانے سے منع کر دیتا ہے۔ بشریٰ اور عدیل ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جاتے ہیں۔ وہاں انہیں پتا چلتا ہے کہ بشریٰ کے ہاں سات سال بعد پھر خوش خبری ہے۔

عفان اور عاصمہ اپنے تین بچوں اور والد کے ساتھ کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔ عفان کے والد فاروق صاحب سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ گریجویٹی اور گاؤں کی زمین فروخت کر کے وہ اپنا گھر خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ڈیڑھ کروڑ میں زمین کا سودا کر کے وہ عفان کے ساتھ خوشی خوشی شہر آ رہے ہوتے ہیں کہ ڈکیتی کی واردات میں قتل ہو جاتے ہیں۔

عفان کے قریبی دوست زبیر کی مدد سے عاصمہ عفان کے آفس سے تین لاکھ روپے اور فاروق صاحب کی گریجویٹی سے سات لاکھ روپے وصول کر پاتی ہے۔ زبیر گھر خریدنے میں بھی عاصمہ کی مدد کر رہا ہے۔

اسلام آباد سے واپسی پر عدیل دونوں مقتولین کو دیکھتا ہے۔ زاہدہ، نسیم بیگم سے بیس لاکھ روپے سے مشروط فوزیہ کی

رخصتی کی بات کرتی ہیں۔وہ سب پریشان ہوجاتے ہیں۔عدیل بشریٰ سے ذکیہ بیگم سے تین لاکھ روپے لانے کو کہتا ہے۔

حمیدہ خالہ، عاصمہ کو سمجھاتی ہیں کہ عدت میں زبیر کا اکیلے اس کے گھر آنا مناسب نہیں ہے۔لوگ باتیں بنارہے ہیں جبکہ عاصمہ کی مجبوری ہے کہ گھر میں کوئی مرد نہیں۔اس کا بیٹا ابھی چھوٹا ہے اور سارے کام اس نے خود کرنے ہیں۔وہ جلد از جلد اپنا گھر خریدنا چاہتی ہے۔عاصمہ کے کہنے پر زبیر کسی مفتی سے فتویٰ لے کر آجاتا ہے کہ دوران عدت انتہائی ضرورت کے پیش نظر گھر سے نکل سکتی ہے بشرطیکہ مغرب سے پہلے واپس گھر آجائے، سووہ عاصمہ کو مکان دکھانے لے جاتا ہے۔اور موقع سے فائدہ اٹھا کر اسے اپنی ہوس کا نشانہ بناتا ہے اور وہیں چھوڑ کر فرار ہوجاتا ہے۔

رقم مہیا نہ ہونے کی صورت میں فوزیہ کو طلاق ہوجاتی ہے۔ نسیم بیگم جذباتی ہوکر بشریٰ اور اس کے گھر والوں کو مورد الزام ٹھہرانے لگتی ہیں۔اسی بات پر عدیل اور بشریٰ کے درمیان خوب جھگڑا ہوتا ہے۔عدیل طیش میں بشریٰ کو دھکا دیتا ہے۔اس کا ابارشن ہوجاتا ہے۔عدیل شرمندہ ہوکر معافی مانگتا ہے مگر وہ ہنوز ناراض رہتی ہے اور اسپتال سے اپنی ماں کے گھر چلی جاتی ہے۔

اسی اسپتال میں عدیل عاصمہ کو دیکھتا ہے جسے بے ہوشی کی حالت میں لایا گیا ہوتا ہے۔عاصمہ اپنے حالات سے تنگ آکر خودکشی کی کوشش کرتی ہے تاہم بچ جاتی ہے۔ نو سال بعد عاصمہ کا بھائی ہاشم پریشان ہوکر پاکستان آجاتا ہے۔عاصمہ کے سارے معاملات دیکھتے ہوئے ہاشم کو پتا چلتا ہے کہ زبیر نے ہر جگہ فراڈ کرکے اس کے سارے راستے بند کردیے ہیں اور اب مفرور ہے۔بہت کوششوں کے بعد ہاشم، عاصمہ کو ایک مکان دلاپاتا ہے۔

بشریٰ اپنی واپسی الگ گھر سے مشروط کردیتی ہے۔دوسری صورت میں وہ علیحدگی کے لیے تیار ہے۔عدیل سخت پریشان ہے۔عدیل مکان کا اوپر والا پورشن بشریٰ کے لیے سیٹ کروادیتا ہے اور کچھ دنوں بعد بشریٰ کو مجبور کرتا ہے کہ وہ فوزیہ کے لیے عمران کا رشتہ لائے۔ نسیم بیگم اور عمران کسی طور نہیں مانتے۔عدیل اپنی بات نہ مانے جانے پر بشریٰ سے جھگڑتا ہے۔ بشریٰ بھی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتی ہے۔عدیل طیش میں بشریٰ کو طلاق دے دیتا ہے اور مثال کو چھین لیتا ہے۔مثال بیمار پڑجاتی ہے۔بشریٰ بھی حواس کھودیتی ہے۔ عمران بہن کی حالت دیکھ کر مثال کو عدیل سے چھین کرلے آتا ہے۔عدیل عمران پر اغوا کا پرچا کٹوادیتا ہے۔

عاصمہ اسکول میں ملازمت کرلیتی ہے مگر گھریلو مسائل کی وجہ سے آئے دن چھٹیاں کرنے کی وجہ سے ملازمت چلی جاتی ہے۔اچانک ہی فوزیہ کا کہیں رشتہ طے ہوجاتا ہے۔

انسپکٹر طارق دونوں فریقین کو سمجھا بجھا کر مصالحت پر آمادہ کرتے ہیں۔ذکیہ بیگم کی خواہش ہے کہ عدیل، مثال کو لے جائے، تاکہ وہ بشریٰ کی کہیں اور شادی کرسکیں۔دوسری طرف نسیم بیگم بھی ایسا ہی سوچے بیٹھی ہیں۔فوزیہ کی شادی کے بعد نسیم بیگم کو اپنی جلد بازی پر پچھتاوا ہونے لگتا ہے۔

انسپکٹر طارق، ذکیہ بیگم سے بشریٰ کا رشتہ مانگتے ہیں۔ذکیہ بیگم خوش ہوجاتی ہیں، مگر بشریٰ کو یہ بات پسند نہیں آتی۔ایک پراسرار سی عورت عاصمہ کے گھر بطور کرائے دار رہنے لگتی ہے۔وہ اپنی حرکتوں اور انداز سے جادو ٹونے والی عورت لگتی ہے۔عاصمہ بہت مشکل سے اسے نکال پاتی ہے۔

بشریٰ کا سابقہ منگیتر احسن کمال ایک طویل عرصے بعد امریکا سے لوٹ آتا ہے۔وہ گرین کارڈ کے لالچ میں بشریٰ سے منگنی توڑ کر نازیہ بھٹی سے شادی کرلیتا ہے، پھر شادی کے ناکام ہوجانے پر ایک بیٹے سیفی کے ساتھ دوبارہ اپنی چچی ذکیہ بیگم کے پاس آجاتا ہے اور دوبارہ بشریٰ سے شادی کا خواہش مند ہوتا ہے۔بشریٰ تذبذب کا شکار ہوجاتی ہے۔

بشریٰ اور احسن کمال کی شادی کے بعد عدیل مستقل طور پر مثال کو اپنے ساتھ رکھنے کا دعوا کرتا ہے مگر بشری قطعی نہیں مانتی، پھر احسن کمال کے مشورے پر دونوں بمشکل راضی ہوجاتے ہیں کہ مہینے کے ابتدائی پندرہ دنوں میں مثال، بشری کے پاس رہے گی اور بقیہ پندرہ دن عدیل کے پاس۔گھر کے حالات اور نسیم بیگم کے اصرار پر بالآخر عدیل عفت سے شادی کرلیتا ہے۔والدین کی شادی کے بعد مثال دونوں گھروں کے درمیان گھن چکر بن جاتی ہے۔بشری کے گھر میں سیفی اور احسن اس کے ساتھ کچھ اچھا برتاؤ نہیں کرتے اور عدیل کے گھر میں اس کی دوسری بیوی عفت۔مثال کے لیے مزید زمین تنگ، بشریٰ

اور عدیل کے نئے بچوں کی پیدائش کے بعد پڑجاتی ہے۔ مثال اپنا اعتماد کھو بیٹھتی ہے۔ احسن کمال اپنی فیملی کو لے کر ملائیشیا چلا جاتا ہے اور مثال کو تاریخ سے پہلے عدیل کے گھر بھجوا دیتا ہے۔ دوسری طرف عدیل اپنی بیوی بچوں کے مجبور کرنے پر مثال کے آنے سے قبل اسلام آباد چلا جاتا ہے۔ مثال مشکل میں گھر جاتی ہے۔ پریشانی کی حالت میں اسے ایک نشئی تنگ کرنے لگتا ہے تو عاصمہ آکر اسے بچاتی ہے۔ پھر اپنے گھر لے جاتی ہے۔ جہاں سے مثال اپنے ماموں کو فون کرکے بلواتی ہے اور اس کے گھر چلی جاتی ہے۔

عاصمہ کے حالات بہتر ہو جاتے ہیں۔ وہ نسبتاً "پوش ایریا میں گھر لے لیتی ہے۔ اس کا کوچنگ سینٹر خوب ترقی کرجاتا ہے۔ اسے مثال بہت اچھی لگتی ہے۔ مثال، واثق کی نظروں میں آچکی ہے تاہم دونوں ایک دوسرے سے واقف نہیں ہیں۔

عاصمہ کا بھائی ہاشم ایک طویل عرصے بعد پاکستان لوٹ آتا ہے اور آتے ہی عاصمہ کی بیٹیوں اریشہ اور اریبہ کو اپنے بیٹوں وقار، وقاص کے لیے مانگ لیتا ہے۔ عاصمہ اور واثق بہت خوش ہوتے ہیں۔

مثال کو نیند میں محسوس ہوتا ہے کہ کوئی اسے گھسیٹ رہا ہے۔

۲۲
بائیسویں قسط

واثق کمرے میں آتے ہوئے بے اختیار ٹھٹک کر رک گیا۔

عاصمہ بہت دل سے تیار ہوئی تھی۔ ہلکے کاسنی اور نیلے امتزاج کے جارجٹ کے سوٹ میں سادگی اور وقار سے چشمہ لگائے وہ کسی گہری سوچ میں گم تھی۔

واثق ماں کو دیکھتے ہوئے جیسے بہت دور نکل گیا۔

شوہر کی زندگی میں عاصمہ بہت بن ٹھن کر تو تیار نہیں ہوتی تھی، مگر روز شام کو اس کے آنے سے پہلے اچھے کپڑے، ہلکی لپ اسٹک اور آنکھوں میں کاجل ہی اس کے اہتمام سے تیار ہونے کا پتا دیتے تھے۔

اور عفان کی موت کے بعد اس نے اس تیاری سے بھی منہ پھیر لیا۔

پھر اکیڈمی کے بہت اچھے دنوں میں جب اسے پرنسپل کی کرسی پر بیٹھنا پڑا تو بھی اس سادگی کو قائم رکھا، حالانکہ واثق اور اریشہ وغیرہ بہت اصرار کرتے تھے، مگر وہ ہنس کر ٹال دیا کرتی تھی۔

مگر آج اس نے جانے کیسے خود پہ لگائی یہ پابندی توڑی۔ لائٹ سی لپ اسٹک میں اس کا سادہ سا چہرہ بہت پر وقار لگ رہا تھا۔

واثق نے آنکھوں میں آئی نمی کو صاف کرتے ہوئے بے ساختہ ماں کو کندھوں سے تھام کر ممنون نظروں سے دیکھا۔

"کر دیا فون تم نے مثال کے گھر؟" وہ اپنی سوچ سے نکلی تو اس کے احساسات سے بے خبر پوچھنے لگی۔

"ہوں کر تو دیا ہے مما، مگر میرا نہیں خیال مثال جیسی ڈرپوک لڑکی اپنے پیرنٹس سے آسانی سے بات کر سکے گی۔" وہ گہرا سانس لے کر مسکرا کر بولا۔

"تو پھر... ہم یونہی چلے جائیں۔" عاصمہ کچھ پریشان سی ہو کر بولی۔ وہ کچھ دیر یونہی سوچتا رہا۔

"تو نہ جائیں؟" وہ سوالیہ لہجے میں پوچھنے لگا۔

"نہیں جانا تو ہے اب جب ارادہ کر لیا ہے تو... آئی تھنک یونہی چلتے ہیں، وہاں جا کر دیکھیں گے جیسا ماحول ہوگا۔ اس کے مطابق کوئی بات بنالیں گے۔ یا ایک اور بات کہ ہم نے کسی رشتہ دکھانے والی سے ذکر کیا تھا تو انہوں

نے آپ کی بیٹی کا بتایا تو۔"

"نہیں بھئی یہ بھی ٹھیک نہیں 'رشتہ کرانے والی تو پھر ساتھ ہوتی۔ ہے خوامخواہ معاملہ بگڑنہ جائے۔" وہ خود ہی فوراً" اس بات کو رد کرتے ہوئے بولی۔ تو واثق ہنس پڑا۔

"کیوں اتنا پریشان ہو رہی ہیں۔ کوئی بھی جھوٹ بولنے کی ضرورت نہیں اگر انہوں نے پوچھا تو ہم آنے کا مقصد بتادیں گے سمپل۔" وہ ماں کی مشکل آسان کرتے ہوئے بولا۔

عاصمہ کچھ دیر سوچتی رہی 'پھر سرہلا کر مسکراتے ہوئے اپنا بیگ کندھے پر ڈالنے لگی۔

اسی وقت ورده اندر آتے ہوئے ٹھٹک کر رک گئی۔

"یہ آپ دونوں کہاں جا رہے ہیں؟" وہ ابھی سو کر اٹھی تھی ان دونوں کو یوں تیار ہو کے جاتے دیکھ کر حیران سی ہو کر بولی۔

"ابھی آتے ہیں کچھ دیر میں 'میں نے تمہارے لیے اسنیکس رکھ دیے ہیں کچن میں۔ ابھی گرم ہی ہیں۔ اپنے لیے چائے بنالینا۔" عاصمہ عجلت میں کہہ کر جانے لگی۔

"مما! جا کہاں رہی ہیں۔ مجھے بتا تو دیں۔" وہ ان کے پیچھے آتے ہوئے کچھ متجسس لہجے میں بولی اور "اگر مجھے بھی ساتھ جانا ہو آپ کے تو پھر؟" وہ الٹا اس کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

"ہم... میں واثق کے دوست کے گھر جا رہی ہوں۔ اس کی مدر کی عیادت کے لیے... تو اب تم چلوگی ہمارے ساتھ۔" عاصمہ الٹا اس سے پوچھنے لگی۔

وہ فوراً" نفی میں سرہلا کر دونوں کو بیزار سی شکل بنا کر دیکھنے لگی۔

"واپس کب تک آئیں گے؟" وہ جاتے ہوئے کسی خیال کے آنے پہ پلٹ کر بولی۔

"تو تم ساتھ چلو ناں ہمارے اتنی بے چینی ہے تو؟" واثق اسے چھیڑ کر بولا۔

"جی نہیں شکریہ... مما مجھے آپ سے ایک بہت ضروری بات کرنا ہے آپ واپس آئیں گی تو کروں گی۔" وہ عاصمہ کو دیکھ کر بولی۔

"ارے ایسی کون سی ضروری بات ہے ورده! ابھی بتاؤ مجھے۔" عاصمہ کچھ فکر مند سی ہو کر بولی۔

"اب جانے بھی دیں آپ بھی کس کی باتوں میں آرہی ہیں ان کی ضروری باتیں تو میں خوب جانتا ہوں 'کالج میں کوئی ویلکم پارٹی ہوگی۔ اس کے لیے بہت قیمتی اچھے سے ڈریس کی فرمائش ہوگی یا کسی دوست کے گھر کوئی برتھ ڈے پارٹی ہوگی 'اس کی پرمیشن کے ساتھ گفٹ اور ڈریس کی فرمائش ہوگی... ہے نا۔ یہی کچھ کہوگی ناں سسٹر؟" واثق پورے یقین کے ساتھ اسے چھیڑتے ہوئے بولا۔

"آپ تو چپ ہی کریں بھائی! اور آپ بے فکر ہو جائیں ـــــــ آپ کی گیس کی ہوئی کوئی بھی بات نہیں بلکہ میں آپ کی بولتی بند کروانے کا کچھ پروگرام بنا رہی ہوں۔" وہ جیسے مزا لے کر بولی۔

واثق نے کچھ چونک کر اسے دیکھا۔

"بولتی بند... مطلب؟" وہ فوراً" متجسس لہجے میں پوچھنے لگا۔

"ابھی کچھ نہیں بتا سکتی 'واپس آئیں گے تو ہی پتا چلے گا۔ اب آپ لوگ جائیں ابھی یوں بھی میرا موڈ نہیں۔ وہ بہت ضروری بات کرنے کا۔" وہ ان دونوں کی بے چینی کو جیسے انجوائے کرتے ہوئے بولی۔

"چلیں مما! ان کو صرف شوق ہو رہا ہے اس وقت اپنی اہمیت جتانے کا ہم لیٹ ہو رہے ہیں۔" واثق کہہ کر باہر نکل گیا تو عاصمہ بھی سرہلا کر اس کے پیچھے باہر نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

مثال سر جھکائے فائزہ کے ساتھ بیٹھی تھی۔
فائزہ لباس اور چہرے سے ایک سلجھی ہوئی باوقار عورت نظر آتی تھی۔ مسکراہٹ اس کے چہرے کے خوب صورت خدوخال کا ایک مستقل حصہ تھی۔
وہ مثال کا ٹھنڈا یخ ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے نرمی سے مسکراتے ہوئے اسے دیکھ رہی تھی۔
"ماشاء اللہ بھئی عدیل! اپنی مثال تو بہت پیاری ہو گئی ہے اور بڑی بھی ورنہ میرے ذہن میں ابھی بھی وہ تین چار سال کی ننھی سی بچی تھی جو مستقل اپنے پاپا کے ساتھ چپکی رہتی تھی۔" وقار مثال کو دیکھ کر محبت بھرے انداز میں کہہ رہا تھا۔
اگرچہ پری پنک اسٹائلش فراک میں اس محفل کی جان لگ رہی تھی مگر پھر بھی دونوں میاں بیوی مثال پر فریفتہ ہوئے جارہے تھے۔ اسی کو دیکھے اور سراہے جارہے تھے۔
"ایسا کیا ہے اس عام سی شکل کی لڑکی میں جس پہ یہ دونوں میاں بیوی لٹو ہی ہوئے جارہے ہیں۔ میری پری کے آگے تو یہ کچھ بھی نہیں پھر یہ ہو گا کہ ان کا اپنا بیٹا بھی واجبی شکل و صورت کا مالک ہو گا تبھی انہیں مثال بہت حسین و جمیل دکھائی دے رہی ہے۔" عفت اس سارے کے دوران ان کے مستقل تبصروں پر دل میں کھولتے ہوئے خود سے اندازے لگائے جارہی تھی۔

"ویسے عدیل بھائی! میں حیران ہوں مثال اور پری میں اتنا ڈیفرنس بھی نہیں لگ رہا ورنہ تو آئی تھنک ان کی عمروں میں سات آٹھ سال کا فرق تو ہے۔" فائزہ نے بالآخر وہ بات کہہ ہی ڈالی جو اسے کافی دیر سے کھٹک رہی تھی۔
عفت نے فخریہ نظروں سے پری کی طرف دیکھا۔
"جی بھابھی! ماشاء اللہ سے پری نے بہت جلد قد کاٹھ نکالا ہے۔ دونوں ہی برابر کی لگنے لگی ہیں دیکھ رہی ہیں آپ۔" عدیل نے محبت سے دونوں بیٹیوں کو دیکھ کر کہا دونوں مسکرانے لگے۔
"اللہ ان کی لمبی عمر کرے اور نیک نصیب کرے ہمیشہ اپنی زندگی میں خوش و خرم رہیں۔ بچیاں تو گھر کی رونق ہوتی ہیں۔" فائزہ نے محبت سے دونوں کو دیکھ کر کہا۔
"بالکل بھابھی ٹھیک کہا آپ نے یہ دونوں واقعی مجھے بہت عزیز ہیں۔"
"کہنے کی ضرورت نہیں عدیل صاحب! یہ بات تو ساری دنیا جانتی ہے۔ جس طرح تم آفس میں دوستوں میں ہر جگہ مثال مثال کرتے تھے۔" وقار ہنس کر بولا تو عدیل بھی مثال کو دیکھ کر محبت سے مسکرانے لگا۔
عفت کے دل میں برسوں کی چبھی سوئی اور بھی اندر کھب گئی وہ پری کو مثال کی جگہ کبھی بھی نہیں دے سکے گی۔ کم از کم عدیل کی نظروں میں نہیں۔
"چلیں آپ کے گھر کی ایک رونق تو ہم چرانے آ گئے ہیں آپ کے پاس اتنی پیاری پری ہے نا تو مثال ہمیں دے دیں۔" فائزہ مثال کو ساتھ لپٹا کر اپنائیت سے بولی۔
اور عفت کو جو مبہم سی امید تھی کہ شاید پری کی خوب صورتی اور معصومیت سے کہیں نہ کہیں وہ دونوں میاں بیوی متاثر ہو چکے ہیں وہ بھی دم توڑ گئی۔
مگر عفت ہمت ہارنے والوں میں سے نہیں تھی اور اولاد کی زندگی کو بہترین بنانے کے لیے کوئی بھی ماں ہمت تو کبھی نہیں ہارتی اور جب مقابلہ سوتن کی بیٹی سے ہو پھر تو بالکل بھی نہیں! وہ دونوں جس شان دار گاڑی میں آئے تھے ان کا لباس ان کے پہناوے اور باڈی لینگویج انہیں جس اعلا کلاس کا بتا رہی تھی عفت اس سے بہت

متاثر ہو چکی تھی۔

"ہمارے گھر کی اصل رونق تو مثال ہے 'پری تو بہت بے ضرر سی ہے پھر عدیل کی تو جان ہے مثال میں۔ وہ اسے خود سے دور اور وہ بھی اتنی دور۔۔۔ امریکہ میں ہوتا ہے آپ کا بیٹا وقار بھائی" عفت خوش اخلاقی سے دونوں کو کچھ جتاتے ہوئے بولی۔

عدیل نے عفت کی بات کو سمجھتے ہوئے کچھ ناپسندیدہ نظروں سے اسے دیکھا مگر کہا کچھ نہیں۔

"جی بھابھی! فہد امریکہ میں ہے اور ماشاءاللہ وہیں سیٹل بھی ہے بہت شاندار جاب ہے اس کی اور عدیل بھائی کو معلوم ہے فہد فی الحال آٹھ نو سال تو وہیں رہے گا۔ اسے اپنا کیریر بنانا ہے۔" فائزہ نے فوراً" صاف لفظوں میں کہہ ڈالا۔

"عدیل رہ لیں گے آپ مثال کے بغیر' اسے اتنی دور بھیج کر۔" عفت بظاہر ہنستے ہوئے جیسے زخمی لہجے میں بولی۔

"رہنا پڑتا ہے عفت بھابھی! جب معاملہ بچوں کی خوشگوار زندگی اور اچھے مستقبل کا ہو۔" وقار نے نرمی سے کہا۔

"اور ہم دونوں میاں بیوی تو سال کے سات آٹھ ماہ تو ادھر ہی ہوتے ہیں مثال اور فہد ہمارے پاس سال میں ایک بار تو چکر لگا ہی لیا کریں گے۔ اس کی آپ بالکل فکر نہیں کریں۔" فائزہ نے کچھ دیر بعد کہا۔

"اصل میں مثال بہت لاڈلی ہے نا عدیل کی۔ میں تو اس خیال سے کہہ رہی تھی لیکن بیٹیوں کا معاملہ ہی اللہ نے کچھ ایسا رکھا ہے کہ ماں باپ کو رہنا پڑتا ہے ان سے دور ہو کر بھی۔ باقی اللہ ان کے نصیب اچھے کرے۔ ماں باپ تو صرف دعا ہی کر سکتے ہیں۔" عفت کچھ بے ربطگی سے کہتی چلی گئی۔

اصل میں اس کی خود بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اس سارے معاملے کے بیچ میں کیا کرے۔ خوشی کا اظہار کرے یا غصے کا!

"عفت چائے میں اور کتنی دیر ہے۔" عدیل کو بے تاثر لہجے میں کہنا پڑا۔

عفت نے کچھ گڑبڑا کر عدیل کی طرف دیکھا اس کی نظروں میں کچھ خفگی سی تھی۔

"آجاؤ مثال! میرے ساتھ چائے تو تیار ہے بس۔" عفت کوفت بھرے انداز میں کہہ کر کھڑی ہو گئی۔

"پری بیٹا! آپ جاؤ ماما کی ہیلپ کراؤ' مثال آپی ادھر ہی ہیں انکل آنٹی کے پاس۔" عدیل نے غیر متوقع بات کہی۔

لمحہ بھر کو پری نا سمجھی سے باپ کو دیکھتی رہی پھر بے دلی سے ماں کا اشارہ پا کر اٹھ کر باہر نکل گئی۔

کمرے میں کچھ دیر کے لیے خاموشی سی چھا گئی۔

"فہد کا پاکستان آنے کا پروگرام کب تک ہے۔" عدیل کو اس خاموشی کو توڑنا پڑا۔ مثال اب فائزہ سے تھوڑا الگ ہو کر اپنا اعتماد کمپوز کرنے کی کوشش کرتے ہوئے چہرہ ذرا سا اٹھا کر بیٹھی تھی۔

"انشاءاللہ تین چار ماہ میں آجائے گا فہد!" فائزہ نے شوہر کی طرف دیکھ کر جواب دیا۔

"ہمارا یہی پروگرام ہے کہ ہم اس ہفتے۔۔۔ وقار کی بڑی بہن نے آنا ہے پنڈی سے کل یا پرسوں تو ہم چھوٹی سی رسم کریں گے منگنی کے نام پر اور پھر فہد کے آنے سے کچھ دن پہلے شادی کی ڈیٹ فکس کرلیں گے آپ کیا کہیں گے عدیل بھائی؟"

"میرے خیال میں تو عدیل کو کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہیے۔" وقار نے مسکرا کر اعتماد بھرے لہجے میں عدیل کو دیکھ کر کہا۔

"ہوں... بلکہ میں سوچ رہا ہوں۔" عدیل مسکراتے ہوئے کچھ بولنے لگا تو مثال نے اسے متوجہ کیا تھا۔
"پاپا! مجھے بھی کچھ کہنے کی اجازت ہے آئی مین۔ اگر میں کچھ کہنا چاہوں تو۔" وہ کچھ اٹک کر بلا آخر روانی سے کہہ گئی۔ عدیل نے کچھ حیرانی سے اسے دیکھا۔ جبکہ وقار اور فائزہ کھل کر مسکرائے تھے۔
"آف کورس بیٹا! آپ کو جو بھی کہنا ہے آپ بلا جھجک بلا خوف کہہ سکتی ہیں' ہم غیر نہیں ہیں عدیل کے ساتھ میرے تعلقات ہمیشہ اس نوعیت کے رہے ہیں کہ ہم کبھی بھی ایک دوسرے کے لیے غیر نہیں رہے۔" وقار نے شاید اس کی حوصلہ افزائی کے خیال سے پوری طرح وضاحت کرتے ہوئے اسے بولنے کی اجازت دی۔
"پاپا!" اسے شاید عدیل کے این او سی کی زیادہ چاہت تھی۔
"کیا کہنا ہے مثال تمہیں؟" عدیل نے کچھ ایسے لہجے میں کہا کہ لمحہ بھر کو مثال کا اعتماد متزلزل سا ہوا۔ مگر پھر اسے خیال آیا کہ اب اگر وہ نہیں بولے گی تو پھر کبھی بھی بول نہیں سکے گی۔
"پاپا... میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی۔" وہ رک کر ذرا نظریں جھکا کر بولی۔
عدیل کے چہرے پر ہلکا سا غصہ اور ناراضی جھلکنے لگی۔
فائزہ اور وقار نے بھی ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ انہیں بہر حال مثال سے اس بات کی توقع نہیں تھی۔
"بلکہ انگیجمنٹ بھی نہیں۔ مجھے ابھی پڑھنا ہے۔ میری اسٹڈیز چل رہی ہیں ابھی... اس کے بعد مجھے جاب کرنا ہے' اپنے پیروں پر کھڑے ہونا ہے۔ اس لیے مجھے... ابھی شادی بالکل نہیں کرنی۔" وہ رک رک کر تینوں کی طرف دیکھے بغیر سامنے ٹیبل پر موجود کرسٹل گلدان میں سجے گلاب کے گلابی پھولوں کی پنکھڑیوں پر بغیر پلکیں جھپکائے نظریں جمائے کہتی چلی گئی۔

عدیل کے چہرے کا اشتعال بڑھ سا گیا تھا مگر اس نے فوری طور پر خود کو کچھ بھی کہنے سے روک لیا تھا۔
فائزہ اور وقار نے ایک دوسرے کو دیکھا۔
"مثال غلط نہیں ہے عدیل! میرے خیال میں یوں بھی پڑھنا' اپنی تعلیم مکمل کرنا آج کل لڑکوں کا ہی نہیں لڑکیوں کا بھی کریز ہے اور ہمیں اس بات کا پورا خیال رکھنا ہوگا کہ مثال کو اس معاملے میں کوئی مشکل نہیں ہو۔ شادی کے بعد بھی یہ آرام سے اپنی اسٹڈیز مکمل کر سکتی ہے۔ فہد اس معاملے میں اس سے کو آپریٹ کرے گا بلکہ وہ تو خوش ہوگا اس معاملے میں مثال کی مدد کر کے۔"
وقار نے جیسے مثال کے لیے فرار کا آخری کھلا دروازہ بھی خوش اسلوبی سے بند کرنے کی کوشش کی۔
"بالکل فہد تو خود بہت کریزی ہے ہائر ایجوکیشن کے معاملے میں اور مثال بیٹا آپ بالکل بھی ٹینس نہیں ہوں اگر آپ کو کوئی پریشانی ہے تو میں خود نکاح نامے میں یہ کنڈیشن رکھ دوں گی کہ شادی کے بعد بھی مثال جب تک جتنے عرصے تک تعلیم آگے جاری رکھنا چاہے رکھے گی۔ کوئی بھی اسے نہیں روکے گا۔ اوکے۔" فائزہ نے ہلکے پھلکے انداز میں جیسے اس کی پریشانی رفع کرنے کی کوشش کی جو کہ اور بڑھ چکی تھی۔
مثال نے پریشانی سے باپ کی طرف دیکھا جو پہلے خفگی بھری نظروں سے مثال کو دیکھ رہا تھا اب قدرے اطمینان سے اسے دیکھتے ہوئے خوش تھا کہ مثال کی شادی کا اس وقت کا اس کا فیصلہ بالکل درست ہے اور یہی مثال کے لیے بہترین ہے۔ باہر ڈور بیل بج رہی تھی۔
"میں دیکھوں ذرا جا کر اس وقت کون آگیا۔" عدیل کو اٹھ کر جانا پڑا اور مثال بے بس ہو کر بیٹھی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

عاصمہ سامنے کھڑے شخص کو دیکھ کر کچھ دیر کے لیے گنگ سی رہ گئی۔ بہت برس پہلے کی ایک رات جیسے بالکل اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی' وہ بے یار و مددگار' بے آسرا' بے سہارا' ننگے پاؤں' ننگے سر چھوٹی سی بچی کو جو ہوش و خرد سے بیگانہ تھی۔ اسے گود میں بھرے اس ویران بیابان علاقے میں گہری ہوتی رات کے اس پہر اپنے وجود کے پامال ہو جانے کی تکلیف میں مبتلا کیسی دیوانی سی ویران گلیوں سڑکوں میں بھاگ رہی تھی جب اس کے سامنے گاڑی لے کر یہ فرشتہ آیا تھا۔

اور اس نے تو اس رات کے بعد سوچ لیا تھا کہ وہ واقعی میں کوئی فرشتہ تھا' جو اللہ نے اس کی اور اس کے بچوں کی مدد کے لیے زمین پر اس ویرانے میں اتارا تھا۔

مگر کمال حیرت کی بات یہ تھی کہ وہ اس فرشتے کی شکل کو ابھی تک۔۔۔ اتنے سال' صدیوں جیسے زمانے گزر جانے کے بعد میں اس طرح سے یاد رکھے ہوئے تھی جیسے وہ کل۔۔۔ چوبیس گھنٹے پہلے ہی تو اسے ملا تھا' فقط اس کی کنپٹیوں پر سفیدی اتری تھی یا آنکھوں میں گزرتے ماہ و سال کی تھکن!

وہ اسے یک ٹک دیکھتی چلی جا رہی تھی۔

"محترمہ! کس سے ملنا ہے آپ کو۔۔۔ آپ نے ڈور بیل بجائی تھی۔" بہت دور سے عاصمہ کو آواز سنائی دی۔

واثق اچانک آ جانے والی کال سنتے ہوئے ابھی تک ماں کو دروازے میں دیکھ کر جلدی سے فون بند کر رہا تھا۔

"یہ ریاض صاحب کا گھر نہیں ہے؟" عاصمہ بہت مشکل سے خود کو سنبھال کر تھکے ہوئے نڈھال سے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"جی نہیں آپ کو شاید غلط فہمی ہوئی ہے یہاں کوئی ریاض صاحب نہیں رہتے۔ اس سڑک کے آخر میں ایک نیم پلیٹ ہے آئی تھنک اس نام کی' آپ وہاں جا کر چیک کر لیں۔" عدیل کہہ کر مڑ کر دروازہ بند کرتے ہوئے واپس اندر چلا گیا۔

واثق گاڑی سے اتر کر حیران ساماں کے پاس آیا۔

وہ وہیں کسی پتھر کے بت کی طرح بے حس کھڑی تھی۔

"کیا ہوا مما! یہاں کیوں کھڑی ہیں آپ؟" وہ ماں کے کندھے تھام کر تشویش بھرے لہجے میں پوچھنے لگا۔ عاصمہ کے چہرے کا رنگ زرد سا ہو رہا تھا۔

"واثق۔۔۔" وہ بہت مشکل سے بول سکی تھی۔

"مما۔۔۔ کیا ہوا ہے آپ ٹھیک ہیں نا؟" وہ فکرمند سا ہو کر بولا۔

"مم۔۔۔ مجھے گھر لے چلو۔۔۔ ابھی۔" اس کی آواز کسی گہرے کنویں سے آ رہی تھی۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟"

"مجھے گاڑی میں بٹھاؤ۔" اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

واثق اسے سہارا دیتا ہوا لے کر آیا اور گاڑی کی سیٹ پر بمشکل بٹھا سکا۔

عاصمہ کا وجود بالکل بے جان ہو رہا تھا جیسے ابھی جھول کر اس کے بازوؤں میں آ گرے گا۔

"مما۔۔۔ آپ ٹھیک ہیں نا؟" وہ ڈرائیونگ سیٹ پر آ کر تشویش سے پوچھنے لگا۔

عاصمہ کے چہرے کی رنگت لحہ بہ لحہ زرد ہوتی جا رہی تھی۔

وہ سیٹ کی پشت سے سر ٹکائے گہرے گہرے سانس لے رہی تھی۔ واثق سخت پریشانی میں گاڑی اسٹارٹ کرتا ہوا کسی کلینک کی طرف گاڑی لے جا رہا تھا۔

عاصمہ نے اپنے منہ کو سختی سے بھینچ رکھا تھا' اس کے چہرے پر اکڑاؤ سا تھا جیسے وہ بہت تکلیف برداشت کر رہی ہو۔
"مما... پلیز آپ ٹھیک ہیں نا۔ خود کو سنبھالیں۔" وہ رودینے کو ہو رہا تھا۔
وہ بہت بہادر تھا مگر اس لمحے اسے لگ رہا تھا اگر عاصمہ کو کچھ ہو گیا تو وہ یہیں خود بھی اپنی ساری ہمتوں کو کھودے گا وہ خود بھی ٹوٹ کر رہ جائے گا۔
"مما! آپ کو کچھ نہیں ہوگا... کچھ نہیں۔" وہ ریش ڈرائیونگ کرتے منہ میں بڑبڑا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"مبارک ہو مشال آپی! وہ انکل آنٹی لگ تو بہت زبردست ... سے تھے بظاہران کا بیٹا بھی شاندار ہوگا۔"
وہ مہمانوں کے جانے کے بعد سے جو کمرے میں گھسی تھی تو عفت کے برتن پٹخنے بولنے جھکنے پہ بھی باہر نہیں نکلی تھی۔
اسے یوں لگا جیسے جھٹ پٹ اس کی قسمت کا فیصلہ کرلیا گیا ہو' فائزہ اور وقار اسے برے نہیں لگے تھے' مگر ایسے اچھے بھی نہیں کہ وہ ہمیشہ کے لیے ان سے ناتا جوڑنے پر بہت خوش ہوتی۔ اس کے دل کی عجیب حالت ہو رہی تھی۔
وہ خود بھی سمجھ نہیں پا رہی تھی اور اس نے بیچ میں بول کر اس معاملے کو یہیں شروع ہونے سے پہلے ختم کرنے کی جو کوشش کی تھی اور جس پر عدیل نے اسے جن نظروں سے دیکھا تھا' اسے لگ رہا تھا اب وہ پاپا کے سامنے کوئی بھی دلیل نہیں دے سکے گی اور وہ کچھ دیر میں اسے اپنے پاس بلائیں گے اور اس کی ہر دلیل خود ہی دم توڑ جائے گی۔
اور تین چار ماہ بعد اس کی شادی ہو جائے گی... اس فہد کے ساتھ جسے وہ جانتی بھی نہیں۔
اور وہ یہاں سے اتنی دور چلی جائے گی جہاں سے واپسی کے کسی راستے کا بھی اسے پتا نہیں۔
اس نے پری کے قدموں کی آہٹ سن کر غیر محسوس طریقے سے دونوں ہتھیلیوں سے آنکھوں کو رگڑا تھا۔
اس کے جملے پر بھی وہ اسی طرح بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔
"تم خوش نہیں ہو مشال آپی!" کبھی کبھی جب پری کو مشال پر کسی وجہ سے تھوڑا بہت پیار آتا تو وہ اسے آپی کہہ کر جتاتی ضرور تھی' مگر اس وقت پیار جتانے کی بظاہر کوئی وجہ تھی تو نہیں۔
وہ پھر خاموش بیٹھی اپنے دونوں ہاتھوں کو جکڑے کسی غیر مرئی نقطے کو دیکھتی رہی۔
"کیا کسی اور کو پسند کرتی ہو تم؟" وہ جھک کر اس کے چہرے کے تاثرات دیکھتے ہوئے بڑے اپنائیت بھرے لہجے میں اس سے اتنی گہری بات پوچھ رہی تھی۔
مشال گہرا سانس لے کر اسے دیکھ کر رہ گئی۔
"بتاؤ ناں آپی! کون ہے وہ؟" وہ پیار بھرے اصرار سے پوچھ رہی تھی۔ اور مشال کی نظروں کے سامنے چھم سے واثق کا مسکراتا چہرہ آگیا جو اسے اب اتنا اپنا' اتنا قریبی لگنے لگا تھا جیسے وہ خود اپنے بارے میں سوچ رہی ہو' جب اس کے بارے میں سوچتی تھی تو اس نے یونہی نفی میں سر ہلا دیا۔
"وہ آیا کیوں نہیں۔ اس نے تو کہا تھا وہ آئے گا۔" اس کے دل نے چپکے سے فریاد بھری سرگوشی کی۔
"وہ وعدہ خلاف لگتا تو نہیں۔" اس کا دل واثق کی حمایت میں ہی بولتا تھا' سو اب بھی معصومیت سے سوال کر رہا تھا۔

"مجھے نہیں بتاؤ گی آپی! وہ کون ہے۔ پلیز بتاؤ ناں اگر ایسا کچھ ہے تو بلیوی میں مما سے بلکہ پاپا سے تمہاری سفارش کروں گی بلکہ تمہیں فیور کروں گی۔ اگر ہم دونوں کے ووٹ ہوں گے تو پھر پاپا ضرور اس معاملے کو Consider کریں گے۔ ہے نا؟" پری بہت معصومیت بھرے لہجے میں اسے کچھ بولنے پر اکسارہی تھی۔

جیسے وہ کچھ نہ کچھ ضرور بول ہی دے گی یا ان دونوں میں اتنا بہناپا اتنی محبت بھری دوستی ہے کہ مثال ضرور اپنا یہ راز اس کے ساتھ شیئر کرے گی۔

مثال کو پری کے اس اپنائیت بھرے رویے سے عجیب سی الجھن ہونے لگی۔ وہ جان چھڑانے کو ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

"اور تمہارا سیل فون کہاں ہے۔ مجھے ایک فون کرنا تھا میرے پاس بیلنس نہیں ہے۔" وہ اس کے یوں راہ فرار ڈھونڈنے پر اچانک سے بولی اور ساتھ ہی مثال کا ہینڈ بیگ اٹھا کر اس میں سے خود سیل فون تلاش کرنے لگی۔

مثال اسے یونہی بیٹھی دیکھتی رہی۔

"کہاں ہے تمہارا فون بھئی؟" سارا بیگ الٹا کر بھی نہ ملنے پر وہ کچھ جھنجلاتے ہوئے لہجے میں بولی۔

"گم ہو گیا ہے۔" مثال اطمینان سے بولی۔

"واٹ... گم ہو گیا اور تم کس تسلی سے بیٹھی ہو۔ کہاں گم ہوا' کسی کو بتایا بھی نہیں تم نے؟"

"اف!" مثال کو اس کے اس سارے مصنوعی اپنائیت بھرے لہجے سے عجیب سی وحشت ہونے لگی۔

"کالج میں گم ہو گیا تھا کل ہی اور آج تو میں کالج گئی نہیں' اگر جاتی شاید کسی کے پاس مل ہی جاتا یا میں لائبریری گئی تھی۔ وہاں بھول آئی ہوں۔ اب کل جاؤں گی تو پتا چلے گا۔ کیوں نہیں لے کر آیا۔"

بالکل روانی میں بولتے ہوئے وہ بے اختیار رک گئی تھی' وہ تو جیسے واثق سے خیالوں میں گلہ کر رہی تھی کہ وہ سیل کیوں نہیں لے کر آیا۔ یہ فراموش کیے ہوئے کہ اس کے سامنے کون بیٹھا ہے۔

پری اب اکتائے ہوئے انداز میں اس کے بیگ سے نکلنے والی چیزوں کو یوں ہی الٹ پلٹ کر دیکھتے ہوئے کچھ غیر متوجہ سی تھی۔

"اچھا بتاؤ نا تمہیں یہ لوگ پاپا کے فرینڈ کیسے لگے؟" وہ جانے اس سے کیا اگلوانے کے لیے آئی تھی۔ پھر اس ٹاپک پر آگئی۔

"عفت ماما نے بھیجا ہو گا اسے۔" مثال اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"ٹھیک تھے اچھے..." وہ مبہم انداز میں جواب دے کر اٹھ کر خود اپنے بیگ میں سب چیزیں واپس رکھنے لگی۔

"تو تم رضامند ہو۔ آئی مین وہ لوگ تو شاید دو تین دن میں انگیجمنٹ بھی کر دیں گے۔ پاپا' ماما سے کہہ رہے تھے۔" پری اس کے چہرے پر نظریں جما کر پوچھ رہی تھی۔

مثال کو لگا جیسے پل بھر کو اس کا سانس رکنے لگا۔

"اگر ایسا ہو گیا تو... واثق... میں کیا کروں' میں اس سے محبت تو نہیں کرتی' مگر اس کا خیال جو مجھے بار بار آتا ہے' یہ کیا ہے' اگر منگنی یا رشتہ کچھ بھی ہو گیا اور وہ بعد میں اپنی ماں کو لے کر آگیا۔ واثق نہیں کوئی اور میرا دل یہ سوچتے ہی بند سا کیوں ہونے لگتا ہے۔"

وہ بے قرار سی ہو کر ایک دم سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"تم نے جواب نہیں دیا مثال آپی! یا یہ بھی پہلے اپنی ماما سے پوچھو گی کہ تمہیں ہاں کرنا چاہیے یا نہیں؟" پری نے خود ہی اسے ایک اور راہ سجھائی۔

"ماما سے۔ ہاں مجھے ماما سے بھی بات کرنا چاہیے' لیکن میرا سیل ہو تو میں بات کروں۔ کیا مصیبت ہے۔" وہ جھنجلائے ہوئے انداز میں پری کو وہیں بیٹھا چھوڑ کر باہر نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

"آپ اگر انہیں فوری طور پر اسپتال نہیں لے کر آتے تو انہیں جتنا شدید اٹیک ہوا تھا تو شاید ان کا بچنا مشکل ہوتا۔"

عاصمہ کی حالت اب بہتر تھی۔ وہ انڈر آبزرویشن تھیں' ڈاکٹر اس کی رپورٹس اور ای سی جی وغیرہ واثق کو دکھاتے ہوئے تشویش بھرے لہجے میں بتا رہا تھا۔

"مگر ڈاکٹر صاحب! یہ کچھ دیر پہلے بالکل ٹھیک تھیں.... بہت خوش' میرے ساتھ کہیں جانے کے لیے نکلی ہیں اور ایک دم سے ان کی ایسی حالت ہوگئی۔" وہ واقعی عاصمہ کی حالت کی وجہ سمجھ نہیں پایا تھا۔ اس گتھی کو سلجھانے کو ڈاکٹر سے پوچھ بیٹھا۔ ڈاکٹر عاصمہ کی رپورٹس دیکھتے ہوئے کچھ سوچنے لگا۔

"اس انجائنا کے اٹیک کی بظاہر وجہ اسٹریس ہے۔ کوئی بہت تکلیف دہ بات تھی' جس نے ان کے دل کو اچانک شدید قسم کی توڑ پھوڑ میں مبتلا کیا اور ان کی ایسی حالت ہوئی۔" ڈاکٹر نے رک رک کر کہا تو واثق بے یقین سا اسے دیکھنے لگا۔

اسٹریس کیسا؟ وہ تو اپنی خوشی سے میرے ساتھ آئی تھیں اور مثال کو دیکھنے.... مثال کے پاپا تھے وہ شاید جس سے ممایات کر رہی تھیں کیا انہوں نے بہت کچھ بول دیا تھا' جس کی وجہ سے امی کی یہ حالت ہوئی؟ اسے اچانک خیال آیا۔ وہ بے چین سا اٹھ کر باہر نکل آیا۔

مثال کے پاپا نے چند سیکنڈز میں کیا کہا ہوگا امی سے.... یہ بہت عجیب سی بات ہے۔ وہ مضطرب سا عاصمہ کے کمرے کے باہر ٹہلنے لگا۔ اس کے سیل پر ورده کی کال آرہی تھی۔ وہ کچھ دیر یونہی سیل کو دیکھتا رہا اور کال تو اسے لینی ہی تھی۔

"ہاں ورده! ہم کچھ دیر میں آرہے ہیں گھر۔ سڑکوں پر رش بہت ہے۔ آتے ہوئے بہت ٹائم لگ گیا تو واپسی میں بھی شاید کچھ دیر ہو جائے گی۔ تم ساتھ والی نسرین آنٹی کو بلوا لو...." اس نے ٹھہر ٹھہر کر ورده سے بات کی' کہیں اس کے لہجے کی پریشانی چغلی نہ کھا جائے۔

"بھائی! کتنی دیر.... پتا نہیں۔ کیوں میرا دل گھبرا رہا ہے پریشانی سی ہو رہی ہے' پلیز آپ بس فوراً گھر آجائیں' مجھے بہت عجیب سا فیل ہو رہا ہے۔" واثق اس کی بات سن کر دنگ سا رہ گیا۔

اپنوں کے ساتھ جڑے دل کے تار کیسے دوسرے پر ٹوٹنے والی تکلیف اور مصیبت کا پتا دے دیتے ہیں۔ اسے فوراً ہی احساس ہوا۔

"ورده! ایسا کچھ نہیں ہے' تمہارا وہم ہے کچھ کھا پی لو یا ٹی وی پر کوئی اچھا سا پروگرام دیکھ لو۔ ہم کچھ دیر میں آجائیں گے نا گھر۔ تم پریشان نہیں ہو بالکل بھی...."

"بھائی! رئیلی مجھے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا' نہ مجھ سے کچھ کھایا جا رہا ہے۔ اور ٹی وی وغیرہ میں نہیں دیکھتی۔ بس آپ آجائیں' میری امی سے بات کرائیں۔ آپ!" واثق کو یہی ڈر تھا' وہ اب اسی بات کی فرمائش کرے گی۔

"بٹ امی! آنٹی کی عیادت کر رہی ہیں' ان سے بات کر رہی ہیں میں اب جا کر امی کو فون دوں کہ ورده رو رہی ہے' امی آپ پلیز اس سے بات کر کے اسے تسلی دیں تو اچھا نہیں لگے گا نا۔ ہم آتے ہیں تھوڑی دیر میں.... تم پلیز

نسرین آنٹی کو بلالو۔"

"اوکے۔ دیکھتی ہوں، لیکن آپ بس جلدی سے آجائیں۔ میں پھر کہہ رہی ہوں آپ سے۔" فون بند کرنے سے پہلے اس نے پھر تاکیدی انداز میں کہا تو واثق نے خاموشی سے فون بند کر دیا۔

"معلوم نہیں ابھی ڈاکٹر امی کو اور کتنا وقت یہاں رکھتے ہیں اگر انہوں نے رات یہاں رکنے کا کہا تو پھر۔" وہ پریشان سا آہستگی سے عاصمہ کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا۔

وہ انجکشن اور ڈرپ کے زیر اثر گہری نیند میں تھی۔ چہرے پر برسوں کی تھکن تھی اور آنکھوں کے پپوٹے یوں جڑے تھے جیسے صدیوں بعد انہیں ایسی میٹھی پرسکون نیند نصیب ہوئی ہے وہ ماں کو دیکھتا رہا۔

☆ ☆ ☆

"پاپا! وجہ میں بتا چکی ہوں۔" اس کی عدیل کے سامنے پیشی ہو چکی تھی وہ اسٹڈی میں عدیل کو کافی دینے آئی تھی اور عدیل نے ناراضی بھرے لہجے میں جتاتے ہوئے اس سے پوچھ لیا تھا۔

"اور میں شادی.... کے بعد اسٹڈیز نہیں کرنا چاہتی پلیز۔" وہ کچھ اور بولنا چاہتی تھی یہی بول سکی۔

"مطلب.... اس بات کا؟" وہ ماتھے پر بل ڈال کر بولا۔

"مجھے ابھی پڑھنا ہے۔ پلیز میں خود کو ان ایبل سمجھتی ہوں کسی بھی ایسی ذمہ داری کو نبھانے کے لیے۔ پاپا میں شاید آپ کو سمجھا نہیں پا رہی۔ بٹ ابھی مجھے نہیں کرنا شادی۔"

وہ رک رک کر الجھے ہوئے انداز میں کچھ بے بسی سے باپ کو سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

عدیل کے چہرے پر سرد مہری جو ایسے موقع پر اس کے چہرے پر بہت شدت سے محسوس ہوتی تھی نظر آنے لگی تھی۔

"اور میں یہ فیصلہ کر چکا ہوں کہ مجھے دو تین ماہ کے اندر تمہاری شادی کرنی ہے۔ فدے سے اچھا اور موزوں رشتہ ملنا مشکل ہے میں فیصلہ کر چکا ہوں۔" وہ دو ٹوک لہجے میں بولا۔

"اور تمہیں میری بات نہیں ماننی اپنی من مانی کرنی ہے تو بہتر ہے تم اپنی ماں سے بات کرو اور وہ تمہیں اپنے پاس بلالے۔ میں اس سے زیادہ تمہاری ذمہ داری نہیں اٹھا سکتا۔" اور مثال کو لگا۔ اس نے عدیل سے زیادہ اجنبی، بیگانہ شخص اس دنیا میں کوئی اور نہیں دیکھا جس قدر اجنبیت اور بے گانگی اس لمحے اس کے چہرے پر تھی، وہ شاک کی کیفیت میں باپ کو دیکھتی چلی گئی۔

"اپنی ماں ... تمہارا باپ، اس عورت نے۔ اس شخص نے" اس کے کانوں میں بشریٰ اور عدیل کے مختلف موقعوں پر بولے ہوئے ایک دوسرے کے لیے ایسے ہی اجنبی انداز تکلم گونجنے لگے۔

وہ دونوں جب تک ایک رشتے میں۔ میاں بیوی کے رشتے میں بندھے تھے تو ایک دوسرے کے لیے انتہائی خوب صورت القاب ایک دوسرے کو کسی دوسرے کے سامنے یاد کرنے کے لیے استعمال کرتے تھے اور جب ان کا رشتہ ختم ہوا جو کہ مثال کی وجہ سے بالکل بھی نہیں تھا۔ وہ ان کے رشتہ ٹوٹنے کی ذمہ دار ذرا بھی نہیں تھی مگر وہ دونوں حتی الامکان انداز میں جس سے مثال کو تکلیف پہنچے ایک دوسرے کے لیے ایسے ہی تکلیف بھرے انداز تکلم استعمال کرتے تھے اور مثال کو لگتا تھا جیسے وہ ان کی جائز اولاد نہیں ان دونوں کا کوئی گناہ، جسے وہ دونوں ایک دوسرے کے سر پر تھوپ کر خود کو بری الذمہ قرار دینے کی ہر مرتبہ بھرپور کوشش کرتے ہیں۔

وہ بوجھل قدموں سے خود کو گھسیٹتی عدیل کو کوئی بھی جواب دیے بغیر چپ چاپ وہاں سے چلی آئی۔

وہ کیا کہتی جواب میں کہ پاپا! مما تو مجھے آپ کے حوالے کرکے گئی ہیں۔ وہ اب کسی بھی صورت اپنا دوسرا گھر خراب کرنے کے لیے مجھے پھر کبھی اپنے گھر نہیں لے کر جائیں گی تو میں کیسے انہیں قائل کرکے کہہ سکتی ہوں کہ وہ مجھے اپنے پاس بلالیں۔

اسے لگا وہ اس لمحے اس بھری دنیا میں بالکل اکیلی ہے بالکل تنہا۔

اس کا دل چاہ رہا تھا وہ پھوٹ پھوٹ کر روئے کسی کے کندھے پر سر رکھ کر اتنے آنسو بہائے جو اس کی پیدائش کے دن سے لے کر اس کے مرجانے کی گھڑی تک کے لیے کافی ہوں' وہ اتنا روئے کہ آنسوؤں کے ساتھ ہی اس کا یہ بھاری پتھر سا وجود بھی کہیں گھل کر پگھل کر بہہ جائے۔

وہ خنک سرد رات میں جانے کس دھیان میں گم ایک ایک سیڑھی چڑھتی اندھیری چھت کے اندھیرے میں آکر کھڑی ہوگئی۔ سر پر تاروں بھرا خنک آسمان تھا مگر چاند نہیں تھا۔

اچھا ہی تھا جو چاند نہیں تھا ورنہ اس کی روشنی میں اسے یہ دھڑکا رہتا کہ وہ جو وہ اپنی پیدائش کے دن سے لے کر موت کی گھڑی تک کے لیے آنسو بہانے جارہی ہے تو اسے کوئی دیکھ نہ لیتا۔

وہ وہیں چھت کے فرش پر بیٹھ کر بے آواز آنسوؤں سے روتی چلی گئی۔ اب اس کے دل میں کسی کندھے کی خواہش بھی مرچکی تھی کیوں کہ اسے معلوم تھا اسے ایسا کوئی کندھا بھی نصیب نہیں ہونے والا۔

"آپ کا کوئی دوست ہے۔ جس سے آپ ہر بات شیئر کرتی ہوں" وہ روتی جارہی تھی تب بہت قریب میں کسی نے اس کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

وہ ایک دم سے ڈر گئی۔

"واثق!" اس کے لبوں سے بے اختیار نکلا۔

اس نے سر اٹھا کر اندھیری چھت پر ادھر ادھر اور تاریک سایوں کی طرح کھڑی دیواروں کو دیکھا۔ سرگوشی کرنے والا کہیں بھی نہیں تھا۔

"تم بھی جھوٹے نکلے وعدہ خلاف.... اگر تم شام میں آجاتے پاپا سے بات کرلیتے تو شاید... پاپا عفت ماما کی لاجک کو مانتے ہوئے کہ وہ مجھے خود سے جدا کرکے اتنی دور نہیں بھیج سکیں گے تو وہ تمہارے پرپوزل کو بہتر سمجھتے مگر تم تو شاید مجھ سے مذاق کررہے تھے کبھی بات نہیں کروں گی میں تم سے بھی۔" وہ اس سے بھی روٹھ گئی۔

☼ ☼ ☼

"اتنی جلدی عدیل! میں تو کہتی ہوں آپ ایک بار اس لڑکے سے تو مل لیں۔" عفت 'عدیل کی عجلت پر پریشان ہو کر بولی۔

عدیل نے اسے جانچتی نظروں سے دیکھا۔

اس جملے میں کہاں اس کی نیت کا فتور چھپا ہے۔ وہ اندازے لگانے لگا۔

"مجھے غلط نہیں سمجھیں عدیل! بھلے میں سوتیلی سہی۔ بھلے میرے دل کے جذبات و احساسات مثال کے لیے وہ نہیں جو پری اور دانی کے لیے ہیں' لیکن جس طرح اس کی ماں اسے یہاں چھوڑ کر چلی گئی عدیل! اس دن سے میرا دل اس کے لیے عجیب سی ہمدردی ایک محبت بھرے احساس سے بھر گیا ہے کہ اب اس لڑکی کے ساتھ کچھ برا نہیں ہونا چاہیے' وہ ساری زندگی آپ دونوں کے درمیان شٹل کاک بنی رہی ہے۔ دو گھروں کے درمیان ٹینس بال کی طرح اسے اچھالا گیا۔ وہ بھی انسان ہے' اس کے سینے میں بھی دل ہے پلیز اب اس کے ساتھ کچھ برا نہیں ہونا چاہیے۔

اس کی ماں جیسی بھی تھی، مگر آپ تو اس کے باپ ہیں۔ آپ پلیز جہاں مرضی اس کا رشتہ کریں، مگر خوب دیکھ بھال کر۔ اس سے زیادہ مجھے اور کچھ نہیں کہنا۔ کیا محاورہ ہے ماں سے زیادہ چاہے پھاپھا کٹنی کہلائے تو کہیں آپ بھی مجھے ایسا نہ سمجھنے لگیں۔" وہ خود ہی ہنس پڑی۔ اور عدیل تو گنگ سا اس کی "کڑوی" باتیں سن رہا تھا۔

"عفت مگر... وہ سب بھی تو ہم نے مثال کی بھلائی کے لیے کیا تھا اسے ضرورت تھی اپنی ماں کی بھی اور..." وہ کہنا تو نہیں چاہتا تھا، مگر جانے کیوں صفائی دینے والے انداز میں بول گیا۔

"بھلائی۔ ہونہہ۔ اس کی بھلائی نہیں آپ دونوں کی خود غرضی کہوں گی میں تو اسے۔ آپ دونوں نے اپنی اپنی انا کی تسکین کے لیے اس بچی کو شٹل کاک بنایا، آپ دونوں میں سے جو بھی اس کا سچا خیر خواہ ہوتا، وہ اسے کسی ایک کے پاس رہنے دیتا تاکہ اس کی پرسنالٹی میں اتنے جھول نہیں ہوتے۔" وہ تیز لہجے میں بولتی گئی۔

"جھول۔ کیسے جھول... کیا کہنا چاہتی ہو تم؟" اب کے وہ کچھ ناگواری سے بولا۔

"آپ نے دیکھا تھا شام کو ذرا جو اس مثال میں کانفیڈنس ہو اس سے بہتر یہ ہو تو ہماری پری کر رہی تھی۔ مثال ان لوگوں کے سامنے ایک کنفیوز پرسنالٹی لگ رہی تھی۔ آپ نے شاید باپ کی محبت میں ایسا کچھ نوٹ نہیں کیا۔" وہ طنز سے بولی۔

عدیل کے کان جیسے سرخ سے ہو گئے۔

"تم کیا کہنا چاہتی ہو صاف کہو مجھ سے۔" وہ غصہ دبا کر بولا۔

"اس سے زیادہ آپ سن نہیں سکیں گے بہتر ہے سو جائیں۔" اس نے کہہ کر کروٹ لے لی۔

"آپ دونوں کی خود غرضی تھی اور کچھ بھی نہیں۔" عدیل چھت کو دیکھتے ہوئے ابھی کچھ دیر پہلے کی عفت کی کہی ہوئی بات کو نہ چاہتے ہوئے بھی بار بار سوچے جا رہا تھا۔

"جھوٹ، بکواس۔ میری کوئی خود غرضی نہیں تھی کبھی۔ مثال کے لیے خالص محبت تھی اور کچھ نہیں۔ ابھی جو میں مثال اور فہد کا رشتہ کر رہا ہوں۔ اصل میں عفت اس پر جل بھن چکی ہے اس کے نزدیک یہ کسی شاک سے کم نہیں کہ مثال کا اتنی اچھی فیملی میں رشتہ ہو جائے اور وہ ایک شاندار زندگی گزارے گی۔"

اس نے کروٹ کے بل سوئی عفت کو ناپسندیدہ نظروں سے دیکھتے ہوئے فوری توجیہہ پیش کی۔

"اور یہ جھوٹ تھا بھی نہیں، جس دن سے یہ پروپوزل آیا تھا۔ عفت ذرا بھی خوش نہیں تھی اور جس طرح اس نے پری کو خوب بنا سنوار کر وقار اور فائزہ کے سامنے لا بٹھایا۔ اس کا اور کیا مطلب تھا۔" عدیل دل میں حساب کتاب لگا رہا تھا۔

"یہ عورت کبھی بھی مثال کے لیے اچھا نہیں سوچ سکتی۔ اتنا تو میں جانتا ہوں تو پھر اس کے بارے میں اتنی سنجیدگی سے کیوں سوچ رہا ہوں۔ مجھے صرف مثال کے لیے جلد سے جلد اس رشتے کو فائنل کرنا ہے۔" اس نے مطمئن ہو کر فیصلہ کیا اور اپنی طرف کی لائٹ آف کرتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں۔ یہ الگ بات کہ اسے بے چینی سی رہی اور بہت رات تک گہری نیند نہیں آسکی تھی۔

☆ ☆ ☆

اور نیند تو واثق کی آنکھوں میں بھی کہیں نہیں تھی۔ رات کو بہت دیر میں ڈاکٹر نے انہیں اسپتال سے فری کیا تھا۔ اتنی ہی دیر میں عاصمہ نڈھال ہو چکی تھی۔

اس کے جسم کا سارا لہو جیسے ان چند گھنٹوں میں نچڑ کر رہ گیا تھا۔ اس کے لب یوں سلے ہوئے تھے جیسے وہ اب کبھی کوئی بات نہیں کرے گی۔

واثق نے دو ایک بار اس سے اس تکلیف کے اچانک ہونے کی وجہ پوچھنے کی کوشش کی مگر وہ اسے خالی خالی نظروں سے دیکھ کر رہ گئی تھی۔
واثق اس کے انداز پر ڈر سا گیا تھا۔
اس طرح تو عاصمہ نے زندگی میں صرف ایک بار ری ایکٹ کیا تھا۔ جب وہ زبیر... ان کے ساتھ فراڈ کر کے ان کا سارا اثاثہ ہتھیا کر لے گیا تھا۔
بہت سال پہلے کی بات تھی مگر واثق کو وہ خوف ناک خواب کے جیسا واقعہ یاد آیا۔
جس سے عاصمہ بہت سارے دن تک نہیں سنبھل سکی تھی اور پھر ہاشم ماموں آئے تھے اور پھر...
اس نے سوئی ہوئی عاصمہ کو دیکھ کر بے اختیار سر جھٹکا۔ وہ اتنے سال پرانی ان باتوں کو نہیں سوچنا چاہتا تھا مگر سوچے چلا جا رہا تھا اور مثال... وہ کیا سوچتی ہو گی۔
شاید اس نے انتظار کیا ہو۔ شاید نہ کیا ہو۔
لیکن میں نے اس سے کہا تو تھا کہ میں امی کو لے کر آ رہا ہوں۔ اسے انتظار ہو گا... وہ مجھے جھوٹا سمجھی ہو گی۔
اس کا سیل بھی میرے پاس ہے۔ ورنہ میں اسے ضرور کال کر کے اپنی مجبوری بتا دیتا۔
وہ اب غنودگی میں جاتے دماغ کے ساتھ صرف مثال کو سوچ رہا تھا۔ وہ اس کے نیند میں اترتے دماغ میں کسی خوشنما باغیچے میں اس کا ہاتھ پکڑ کر ٹہلتی اس کی طرف دیکھتی بڑی جان دار مسکراہٹ کے ساتھ مسکراتی چل رہی تھی۔
اس کی نظروں میں واثق کے لیے اعتماد محبت اور خوشی تھی۔ واثق اس کو یوں مسکراتے دیکھ کر حیران تھا۔ مگر وہ بھی مسکرا رہا تھا۔
"آپ آئے نہیں شام میں میں نے پاپا اور مما کو بتا بھی دیا تھا۔ ہم سب انتظار کرتے رہے۔ مگر آپ نہیں آئے۔" اچانک وہ کہتے کہتے آنکھوں میں آنسو لے آئی۔ واثق نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں۔ وہ کرسی پر بیٹھا بیٹھا سو رہا تھا۔
"تو وہ میرا انتظار کرتی رہی۔ کاش میں کسی طرح اسے بتا سکتا اب میں صبح آفس جانے سے پہلے اس کے کالج جاؤں گا۔ ایک بار اسے دیکھ لوں اپنی مجبوری بتا دوں۔ پھر سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ خود کو تسلی دیتے ہوئے سمجھانے لگا۔ اس کے بے چین دل کو مگر قرار نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆
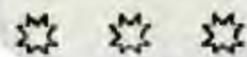
اگلے روز مثال کو تیز بخار تھا۔ وہ بے ہوش تھی۔
پوری رات خنکی میں چھت پر بیٹھے رہنے سے اس کا پورا وجود اکڑ گیا تھا۔ وہ آدھی رات کے بعد چھت سے نیچے آ کر اپنے کمرے میں پلنگ پر لیٹی تھی۔
صبح وہ ناشتے کی تیاری کے لیے نہیں نکلی تو مجبوراً "عفت کو غصے میں اسے جگانے کے لئے آنا پڑا۔ مگر وہ بے ہوش تھی اور آگ کی طرح دہکتا اس کا جسم... ایک پل کو تو عفت بھی ڈر گئی۔ عدیل کو ڈاکٹر کو کال کر کے بلانا پڑا۔
ڈاکٹر انجکشن لگا کر اور دوا دے کر چلا گیا۔ عدیل بہت دیر تک اس کے سرہانے فکر مند بیٹھا رہا۔ وہ ہوش و خرد سے بے گانہ بے سدھ سو رہی تھی۔
اور آج پہلی بار عدیل کو لگا بہت سرسری نظر سے دیکھنے پر بھی دیکھنے والا کہہ دیتا کہ یہ مثال بشریٰ کی بیٹی تو نہیں وہ تو بالکل بشریٰ کا عکس تھی۔

اور عدیل کو کبھی ایسا محسوس ہی نہیں ہوا تھا یا ہوا بھی ہو گا تو اس نے بشریٰ کے تصور کو جھٹلانے کے لیے اس خیال کو جھٹک دیا ہو گا۔
وہ واقعی اپنی ماں کی کاپی تھی۔
"مگر اسے اتنا شدید بخار کیوں ہوا؟" وہ خود سے الجھ رہا تھا۔
"خوش نہیں ہے مثال اس بات کو لے کر' آپ جو بھی قدم اٹھائیں سوچ سمجھ کر اٹھائیں۔ میں مزید کچھ کہوں گی تو آپ میری نیت پر شک کریں گے۔" عفت اس کو وہیں ناشتا دے کر جاتے ہوئے طنزاً "جتا گئی تھی۔
وہ جواب میں کچھ بھی نہیں بولا۔
اور یہ تو وہ طے کر چکا تھا کہ مثال خوش ہے یا نہیں' وہ فہد کے اتنے اچھے پرپوزل کو منع نہیں کرے گا۔ تھوڑا وقت لگے گا' مگر مثال اس رشتے کو قبول کر لے گی۔
"میری بیٹی سمجھ دار ہے' پھر مجھ سے بہت محبت کرتی ہے اور میرے پیار پر بھی اسے شک نہیں' ان شاء اللہ ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ خود کو تسلی دے رہا تھا۔
وہ مثال کے بخار ہلکا ہونے تک وہیں بیٹھا رہا تھا۔
"آج کیا آفس سے بھی چھٹی کریں گے۔" دوسری بار چائے لے کر آتے ہوئے وہ پھر اسی طنز بھرے لہجے میں کہہ گئی۔
اور آفس سے چھٹی تو وہ نہیں کر سکتا تھا۔ آفس کے جیسے حالات چل رہے تھے' وہ ایک بھی چھٹی نہیں کر سکتا تھا۔
چائے کا خالی کپ رکھ کر اس نے مثال کا ٹمپریچر چیک کیا۔ بخار کم ہو چکا تھا اور مثال کے چہرے کی زرد رنگت بھی بہتر ہو رہی تھی۔ وہ مطمئن ہو کر عفت کو اس کے لیے پرہیزی کھانے کی تاکید کر کے آفس کے لئے نکل گیا۔
"بس ایک ہی تو اولاد ہے مسٹر عدیل احمد کی اور تو کوئی بچہ پیدا ہی نہیں کیا' جو کسی اور کی فکر ہو' دانی کے کیا حالات چل رہے ہیں۔ کچھ بھی پروا نہیں' وہ پھر سے پرانی ڈگر پر آ چکا ہے' نہ پڑھتا ہے اور ٹیوٹر کو تو باہر ہی سے بھگا دیتا ہے۔ میں کچھ کہوں گی تو میری اولاد میری اولاد کہہ کر وہ طعنے ماریں گے۔" وہ بھنائی ہوئی مثال کے لیے یخنی رکھتی' اپنا خون جلاتی رہی۔

"مجھے کچھ کرنا ہو گا۔ مثال کا رشتہ یہاں نہیں ہونا چاہیے۔ کل ہمیں فہد کے گھر جانا ہے' ضرور کچھ نہ کچھ مجھے سوچنا ہو گا۔" وہ کام کے دوران سوچتی رہی۔

☼ ☼ ☼
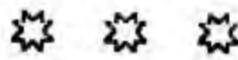
وہ کالج نہیں آئی تھی۔
وہ صبح بھی آیا اور پھر دوپہر میں بھی اور پھر شام کو لائبریری بھی' مگر مثال کہیں بھی نہیں تھی۔
"وہ کہیں واقعی تو اس سے گم نہیں ہو گئی۔" اس کا دل سخت بے قرار ہو چکا تھا۔
دو بار ان کے گھر کے لینڈ لائن پر فون بھی کر چکا تھا۔ مگر ہر بار دو مختلف آوازوں نے کال ریسیو کی۔
واثق رات تک سخت مایوس ہو چکا تھا۔
وہ بہانے سے دو بار عدیل کے گھر کے باہر سے بھی گزر چکا تھا۔ مگر وہ گھر تو پتھروں کی دیواروں میں گھرا شاید مثال کو کہیں چھپا چکا تھا۔
کیا میں اسے کبھی نہیں دیکھ پاؤں گا۔ وہ مجھے اب کبھی نظر نہیں آئے گی۔ اسے لگ رہا تھا' اس کا دل بند

ہوجائے گا۔ کہیں بھی قرار نہیں آرہا تھا۔
وہ تھوڑی دیر کے لیے فیکٹری گیا۔ پھر وہاں بھی سب کام یوں ہی چھوڑ کر نکل آیا۔
شام تک یوں ہی سڑکوں پر گاڑی لیے پھرتا رہا۔
عاصمہ کی دوبارہ کال آئی اس نے مصروفیت کا کہہ کر ٹال دیا۔
"واثق صاحب اگر آپ باہر ہیں تو سائٹ پر ہو آئیں' وہاں ہمارے کلائنٹ کے نمائندے موجود ہیں' انہیں آپ کو بریف کرنا ہوگا۔ آپ ایک گھنٹے میں پہنچ جائیں گے وہاں۔" آفس سے کال تھی اور اسے ہامی بھرنی پڑی۔ اس کی جاب کون سی پرانی تھی جو وہ اپنی مرضی چلاتا اور سائٹ پر جاکر لمحے بھر کو وہ ششدر سا رہ گیا۔ ان کے کلائنٹ کا نمائندہ عدیل احمد تھا۔
جس کے چہرے پر گہری سنجیدگی اور پروقار سی خاموشی تھی۔
واثق اسے بریف کرنے کے دوران اس کی آنکھوں میں براہ راست دیکھنے سے گریز کرتا رہا کہ اس کا اعتماد ایسا کرنے سے ڈانواڈول ہو رہا تھا۔
"امید ہے سر! آپ کو کچھ پوچھنا تو نہیں ہوگا۔" وہ اپنی کارکردگی سے مطمئن تھا' سو آخر میں روانی میں اس کے منہ سے نکل گیا۔
"نہیں... آپ کے تمام پوائنٹس میں نے نوٹ کرلیے ہیں۔ آئی تھنک میری کمپنی کو کوئی ایشو نہیں ہوگا۔ باقی جو بھی ڈیٹیل ہوگی۔ آپ کی کمپنی کو میل کردی جائے گی' تھینکس۔" عدیل بہت نارمل سے لہجے میں آنکھوں میں جمی ہوئی سرد مہری سی لیے نارمل انداز میں واثق سے مصافحہ کرکے وہاں سے گاڑی میں بیٹھ کر چلا گیا۔
واثق اس کی گاڑی کو دور تک جاتا دیکھتا رہا۔

☼ ☼ ☼

اور ایک بار پھر عفت جل بھن کر رہ گئی۔ جب اس نے فہد کے والدین کا شاندار بنگلہ دیکھا۔
"اللہ جانے اللہ نے ان ماں' بیٹی کی ایسی کروفر والی قسمتیں کہاں لکھیں اور میری... میری بیٹی... نہیں' نہیں' میری پری کی قسمت ایسی بالکل نہیں ہوگی۔ میری پری ہی اس بنگلے میں آکر راج کرے گی۔ میرا دل کہتا ہے۔" وہ سب طرف پتھرائی نظروں سے دیکھتی دل کو جھوٹی تسلیاں دیتی رہی۔

شہر کے پوش ایریا میں شاندار ماربل لگا بنگلہ' بہت خوب صورت تھا۔ پھر اس میں سجے آرائشی ساز و سامان' پردے' فرنیچر' ڈیکوریشن' شاندار بیڈ رومز' عالی شان لاؤنج' ڈرائنگ روم' عفت کی نگاہیں بھٹک رہی تھیں۔
اور عدیل کو گھر آکر عفت کو خفگی سے بتانا پڑا کہ اس کا رویہ وقار اور فائزہ کے گھر بہت غلط تھا۔ چھچھوروں والا جیسے انہوں نے کبھی کچھ ایسا شاندار نہیں دیکھا۔
اگرچہ اس نے سیف سائیڈ کے طور پر چھچھوروں میں خود کو بھی شامل کیا تھا۔ مگر عفت جانے کس دھیان میں تھی۔ اس نے کچھ بھی نہیں کہا۔
وہ خاموشی سے الماری میں کپڑے رکھتی رہی۔
"دو دن بعد منگنی کا چھوٹا موٹا سا فنکشن ہے۔ گھر میں ہی ٹھیک رہے گا۔ وقار لوگوں کی طرف سے چھ سے آٹھ یا زیادہ سے زیادہ دس تک ہوں گے۔ اتنے ہی تقریباً ہماری طرف سے ہوجائیں گے۔ کیٹرنگ کا انتظام ہوٹل سے ہوجائے گا۔ کیا خیال ہے۔" عدیل اس کی خاموشی کو نظرانداز کرتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔
اور عفت کو خیال آیا کہ اس کی بدحواسی کے دوران وہاں منگنی کا معاملہ بھی طے پاگیا تھا۔

"فہد آئے گا۔۔۔ میرا مطلب ہے منگنی میں۔" وہ الماری بند کر کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔
"نہیں۔۔۔ ابھی تو نہیں۔ کل وہ مجھ سے ویب پر بات کرے گا۔ بلکہ میرے خیال میں مثال بھی اس سے بات کرے تو اچھا رہے گا۔ کیسی طبیعت رہی اس کی دن بھر' دوبارہ بخار تو نہیں ہوا۔"
خیال آنے پر عدیل نے پوچھا تو عفت نے نفی میں سر ہلایا۔
"ٹمپریچر تو دوبارہ نہیں ہوا۔ بس خاموش تھی بالکل۔"
"اسے بتایا تمہاری پرسوں انگیجمنٹ ہے۔" عدیل نے کچھ خیال آنے پر پوچھا۔
"ابھی تو آئے ہیں ہم۔ وہ سو رہی تھی۔"
"چلو' صبح بتا دینا۔ ابھی اسے آرام کرنے دو۔" عدیل نے کہہ کر اپنی کتاب اٹھالی۔ عفت خاموش بیٹھی کچھ سوچتی رہی۔

☆ ☆ ☆

تین دن ہو گئے تھے وہ کالج نہیں آئی تھی۔ شام میں لائبریری بھی نہیں' واثق کو لگتا تھا وہ پاگل ہو جائے گا۔
آج تو وہ آفس بھی نہیں گیا تھا۔۔۔ بے قراری سے شام ہونے کا انتظار کرتا رہا کہ وہ لائبریری ضرور ہی آئے گی۔
مگر جب شام کے سائے گہرے ہو گئے' پرندے اپنے آشیانوں کو لوٹ گئے۔ گہری شام نے سیاہ رات کی چادر اوڑھنا شروع کی تو اسے لگا اگر آج اس نے مثال کو نہیں دیکھا یا وہ اسے نہیں ملی تو وہ اپنے ساتھ کچھ کر بیٹھے گا۔
اس نے بغیر سوچے سمجھے مثال کے گھر کی طرف چلنا شروع کر دیا۔
"اب چاہے کچھ بھی ہو۔ کچھ بھی ہو جائے گیٹ بند ہو اس کی مدر باہر نکلے یا فادر میں صاف کہہ دوں گا کہ مجھے مثال سے ملنا ہے۔ اگر انہوں نے پوچھ بھی لیا تو میں صاف بتا دوں گا۔ میں محبت کرتا ہوں اس سے ٹوٹ کر چاہتا ہوں' اس کے بغیر رہ نہیں سکتا۔" اسے لگ رہا تھا اس کے وجود میں کوئی جھکڑ سا چل رہا ہے اور وہ اس جھکڑ میں اڑتا چلا جا رہا ہے اور اسے لگا قسمت اس کا ساتھ دے رہی ہے۔ اس کے گھر کا گیٹ کھلا تھا۔ وہ اندر چلا گیا۔ لان میں برقی قمقمے جل رہے تھے اور سامنے اسٹیج سجا تھا۔
واثق اندھیرے سے اتنی روشنی میں آ کر ٹھٹک گیا۔
وہ اجنبی نظروں سے دائیں بائیں آتے جاتے لوگوں کو دیکھ رہا تھا۔ شاید وہ ان میں کہیں نظر آ جائے تو وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اس سے سب کچھ کہہ ڈالے۔
وہ شکستہ قدموں سے آہستہ آہستہ آگے بڑھنے لگا اور بے اختیار اس کے قدم ٹھٹک کر رک گئے۔
وہ لان میں لگی کرسیوں کے سامنے سجے اسٹیج کے پاس پہنچ گیا تھا۔
اسٹیج پر کافی لوگ تھے۔ اسے وہاں سے عدیل مسکراتا کسی سے بات کرتا مڑتا نظر آیا۔
واثق کو لگا عدیل نے اسے دیکھ لیا ہے۔
"میں ان سے بات کرتا ہوں کہ میں مثال سے ملنے آیا ہوں۔" وہ تیزی سے بغیر سوچے سمجھے آگے بڑھا اور دوسرے لمحے اس کے قدم وہیں ٹھٹک کر رک گئے۔
سامنے اسٹیج پر مثال دلہن کے سے لباس میں سر جھکائے بیٹھی تھی اور اس کے ساتھ بیٹھی خاتون اس کے ساتھ ہنستے ہوئے بات کر رہی تھیں۔ اور واثق شاکڈ سا کھڑا دیکھتا رہا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

رخسانہ نگار عدنان

عدیل اور فوزیہ نسیم بیگم کے بچے ہیں۔ بشریٰ ان کی بہو ہے اور ذکیہ بیگم کی بیٹی ہے۔ عمران بشریٰ کا بھائی ہے۔ مثال ذکیہ بیگم کی نواسی اور نسیم بیگم کی پوتی ہے۔ بشریٰ اور نسیم بیگم میں روایتی ساس بہو کا تعلق ہے۔ نسیم بیگم مصلحتاً بیٹا بہو سے لگاوٹ دکھاتی ہیں۔ دوسری طرف ذکیہ بیگم کا کہنا ہے۔ ان کی بیٹی بشریٰ کو سسرال میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ پانچ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد بشریٰ کی نند فوزیہ کا بالآخر ایک جگہ رشتہ طے پاجاتا ہے۔ نکاح والے روز بشریٰ دولہا ظہیر کو دیکھ کر چونک جاتی ہے۔

عدیل سے شادی سے قبل ظہیر کا بشریٰ کے لیے بھی رشتہ آیا تھا مگر بات نہ بن سکی تھی۔ نکاح والے دن فوزیہ کی ساس زاہدہ اور ذکیہ بیگم بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔ بشریٰ اپنی ماں سے یہ بات چھپانے کے لیے کہتی ہے مگر عدیل کو پتا چل جاتا ہے۔ وہ ناراض ہوتا ہے مگر فوزیہ اور نسیم بیگم کو بتانے سے منع کر دیتا ہے۔ بشریٰ اور عدیل ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جاتے ہیں۔ وہاں انہیں پتا چلتا ہے کہ بشریٰ کے ہاں سات سال بعد پھر خوش خبری ہے۔

عفان اور عاصمہ اپنے تین بچوں اور والد کے ساتھ کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔ عفان کے والد فاروق صاحب سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ گریجویٹی اور گاؤں کی زمین فروخت کرکے وہ اپنا گھر خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ڈیڑھ کروڑ میں زمین کا سودا کرکے وہ عفان کے ساتھ خوشی خوشی شہر آرہے ہوتے ہیں کہ ڈکیتی کی واردات میں قتل ہوجاتے ہیں۔

عفان کے قریبی دوست زبیر کی مدد سے عاصمہ عفان کے آفس سے تین لاکھ روپے اور فاروق صاحب کی گریجویٹی سے سات لاکھ روپے وصول کرپاتی ہے۔ زبیر گھر خریدنے میں بھی عاصمہ کی مدد کر رہا ہے۔

اسلام آباد سے واپسی پر عدیل دونوں مقتولین کو دیکھتا ہے۔ زاہدہ، نسیم بیگم سے بیس لاکھ روپے سے مشروط فوزیہ کی رخصتی کی بات کرتی ہیں۔ وہ سب پریشان ہوجاتے ہیں۔ عدیل بشریٰ سے ذکیہ بیگم سے تین لاکھ روپے لانے کو کہتا ہے۔

حمیدہ خالہ، عاصمہ کو سمجھاتی ہیں کہ عدت میں زبیر کا اکیلے اس کے گھر آنا مناسب نہیں ہے۔ لوگ باتیں بنارہے ہیں

جبکہ عاصمہ کی مجبوری ہے کہ گھر میں کوئی مرد نہیں۔ اس کا بیٹا ابھی چھوٹا ہے اور سارے کام اس نے خود کرنے ہیں۔ وہ جلد از جلد اپنا گھر خریدنا چاہتی ہے۔ عاصمہ کے کہنے پر زبیر کسی مفتی سے فتویٰ لے کر آجاتا ہے کہ دوران عدت انتہائی ضرورت کے پیش نظر گھر سے نکل سکتی ہے بشرطیکہ مغرب سے پہلے واپس گھر آجائے' سو وہ عاصمہ کو مکان دکھانے لے جاتا ہے۔ اور موقع سے فائدہ اٹھا کر اسے اپنی ہوس کا نشانہ بناتا ہے اور وہیں چھوڑ کر فرار ہو جاتا ہے۔

رقم مہیا نہ ہونے کی صورت میں فوزیہ کو طلاق ہو جاتی ہے۔ نسیم بیگم جذباتی ہو کر ہوا اور اس کے گھر والوں کو مورد الزام ٹھہرانے لگتی ہیں۔ اسی بات پر عدیل اور بشریٰ کے درمیان خوب جھگڑا ہوتا ہے۔ عدیل طیش میں بشریٰ کو دھکا دیتا ہے۔ اس کا ابارشن ہو جاتا ہے۔ عدیل شرمندہ ہو کر معافی مانگتا ہے مگر وہ ہنوز ناراض رہتی ہے اور اسپتال سے اپنی ماں کے گھر چلی جاتی ہے۔

اسی اسپتال میں عدیل عاصمہ کو دیکھتا ہے جسے بے ہوشی کی حالت میں لایا گیا ہوتا ہے۔ عاصمہ اپنے حالات سے تنگ آکر خودکشی کی کوشش کرتی ہے تاہم بچ جاتی ہے۔ نو سال بعد عاصمہ کا بھائی ہاشم پریشان ہو کر پاکستان آجاتا ہے۔ عاصمہ کے سارے معاملات دیکھتے ہوئے ہاشم کو پتا چلتا ہے کہ زبیر نے ہر جگہ فراڈ کر کے اس کے سارے راستے بند کر دیے ہیں اور اب مفرور ہے۔ بہت کوششوں کے بعد ہاشم' عاصمہ کو ایک مکان دلا پاتا ہے۔

بشریٰ اپنی واپسی الگ گھر سے مشروط کر دیتی ہے۔ دوسری صورت میں وہ علیحدگی کے لیے تیار ہے۔ عدیل سخت پریشان ہے۔ عدیل مکان کا اوپر والا پورشن بشریٰ کے لیے سیٹ کروا دیتا ہے اور کچھ دنوں بعد بشریٰ کو مجبور کرتا ہے کہ وہ فوزیہ کے لیے عمران کا رشتہ لائے۔ نسیم بیگم اور عمران کسی طور نہیں مانتے۔ عدیل اپنی بات نہ مانے جانے پر بشریٰ سے جھگڑتا ہے۔ بشریٰ بھی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتی ہے۔ عدیل طیش میں بشریٰ کو طلاق دے دیتا ہے اور مثال کو چھین لیتا ہے۔ مثال بیمار پڑ جاتی ہے۔ بشریٰ بھی حواس کھو دیتی ہے۔ عمران بہن کی حالت دیکھ کر مثال کو عدیل سے چھین کر لے آتا ہے۔ عدیل عمران پر اغوا کا پرچا کٹوا دیتا ہے۔

عاصمہ اسکول میں ملازمت کر لیتی ہے مگر گھریلو مسائل کی وجہ سے آئے دن چھٹیاں کرنے کی وجہ سے ملازمت چلی

جاتی ہے۔ اچانک ہی فوزیہ کا کہیں رشتہ طے ہو جاتا ہے۔

انسپکٹر طارق دونوں فریقین کو سمجھا بجھا کر مصالحت پر آمادہ کرتے ہیں۔ ذکیہ بیگم کی خواہش ہے کہ عدیل' مثال کو لے جائے' تاکہ وہ بشریٰ کی کہیں اور شادی کر سکیں۔ دوسری طرف نسیم بیگم بھی ایسا ہی سوچ بیٹھی ہیں۔ فوزیہ کی شادی کے بعد نسیم بیگم کو اپنی جلد بازی پر پچھتاوا ہونے لگتا ہے۔

انسپکٹر طارق' ذکیہ بیگم سے بشریٰ کا رشتہ مانگتے ہیں۔ ذکیہ بیگم خوش ہو جاتی ہیں' مگر بشریٰ کو یہ بات پسند نہیں آتی۔ ایک پراسرار سی عورت عاصمہ کے گھر بطور کرائے دار رہنے لگتی ہے۔ وہ اپنی حرکتوں اور انداز سے جادو ٹونے والی عورت لگتی ہے۔ عاصمہ بہت مشکل سے اسے نکال پاتی ہے۔

بشریٰ کا سابقہ منگیتر احسن کمال ایک طویل عرصے بعد امریکا سے لوٹ آتا ہے۔ وہ گرین کارڈ کے لالچ میں بشریٰ سے منگنی توڑ کر نازیہ بھٹی سے شادی کر لیتا ہے' پھر شادی کے ناکام ہو جانے پر ایک بیٹے سیفی کے ساتھ دوبارہ اپنی چچی ذکیہ بیگم کے پاس آجاتا ہے اور دوبارہ بشریٰ سے شادی کا خواہش مند ہوتا ہے۔ بشریٰ تذبذب کا شکار ہو جاتی ہے۔

بشریٰ اور احسن کمال کی شادی کے بعد عدیل مستقل طور پر مثال کو اپنے ساتھ رکھنے کا دعوا کرتا ہے مگر بشریٰ قطعی نہیں مانتی' پھر احسن کمال کے مشورے پر دونوں بمشکل راضی ہو جاتے ہیں کہ مہینے کے ابتدائی پندرہ دنوں میں مثال' بشریٰ کے پاس رہے گی اور بقیہ پندرہ دن عدیل کے پاس۔ گھر کے حالات اور نسیم بیگم کے اصرار پر بالآخر عدیل عفت سے شادی کر لیتا ہے۔ والدین کی شادی کے بعد مثال دونوں گھروں کے درمیان گھن چکر بن جاتی ہے۔ بشریٰ کے گھر میں سیفی اور احسن اس کے ساتھ کچھ اچھا برتاؤ نہیں کرتے اور عدیل کے گھر میں اس کی دوسری بیوی عفت۔ مثال کے لیے مزید زمین تنگ بشریٰ اور عدیل کے نئے بچوں کی پیدائش کے بعد پڑ جاتی ہے۔ مثال اپنا اعتماد کھو بیٹھتی ہے۔ احسن کمال اپنی فیملی کو لے کر ملائیشیا چلا جاتا ہے اور مثال کو تاریخ سے پہلے عدیل کے گھر بھجوا دیتا ہے۔ دوسری طرف عدیل اپنی بیوی بچوں کے مجبور کرنے پر

مثال کے آنے سے پہلے اسلام آباد چلا جاتا ہے۔ مثال مشکل میں گھر جاتی ہے۔ پریشانی کی حالت میں اسے ایک نشئی تنگ کرنے لگتا ہے تو عاصمہ آکر اسے بچاتی ہے۔ پھر اپنے گھر لے جاتی ہے۔ جہاں سے مثال اپنے ماموں کو فون کرکے بلواتی ہے اور اس کے گھر چلی جاتی ہے۔
عاصمہ کے حالات بہتر ہو جاتے ہیں۔ وہ نسبتاً "پوش ایریا" میں گھر لے لیتی ہے۔ اس کا کوچنگ سینٹر خوب ترقی کر جاتا ہے۔ اسے مثال بہت اچھی لگتی ہے۔ مثال، واثق کی نظروں میں آچکی ہے تاہم دونوں ایک دوسرے سے واقف نہیں ہیں۔
عاصمہ کا بھائی ہاشم ایک طویل عرصے بعد پاکستان لوٹ آتا ہے اور آتے ہی عاصمہ کی بیٹیوں اریشہ اور اریبہ کو اپنے بیٹوں وقار، وقاص کے لیے مانگ لیتا ہے۔ عاصمہ اور واثق بہت خوش ہوتے ہیں۔
مثال کو نیند میں محسوس ہوتا ہے کہ کوئی اسے گھسیٹ رہا ہے۔

تیئیسویں قسط

اسے لگ رہا تھا وہ کھڑے کھڑے وہیں منجمد ہو چکا ہے۔ اس کی تمام تر حسیات جیسے مر چکی تھیں۔ وہ وہیں اپنے ہی قدموں پر کھڑا برف بن چکا تھا۔ کوئی حنوط شدہ ممی!
"ہیلو۔۔۔ کس سے ملنا ہے آپ کو۔۔۔ کس کے ساتھ ہیں؟" ایک خوب صورت سی لڑکی آنکھوں میں اس کے لیے پسندیدگی لیے بڑے شوخ سے انداز میں پوچھ رہی تھی جیسے وہ اسی کے لیے تو وہاں کھڑا تھا۔
وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔
"ہیلو مسٹر! آپ نیند میں تو نہیں کھڑے یا کھڑے کھڑے سو چکے ہیں یا ہوش کھو چکے ہیں۔" وہ اب کے باقاعدہ بہت بے تکلفی سے اس کا بازو ہلا کر لطف لینے والے انداز میں بولی۔ واثق کو جیسے کسی نے ہزار واٹ کا کرنٹ لگایا ہو۔
وہ سر جھٹک کر اتنے پاس کھڑی آسمان سے اتری اس پری کو دیکھتا رہ گیا، جو واقعی میں پری تھی۔
"کس کی تلاش میں ہیں جناب!" وہ اسی طرح آنکھوں میں شوخی اور پسند لیے معنی خیزی سے پوچھ رہی تھی۔
"اگر کہوں آپ کی تو۔۔۔ کیسا لگے گا آپ کو؟" وہ بھی اس کی بے تکلفی کو بظاہر انجوائے کرتے ہوئے بولا۔ اس کی نظریں پری کو دیکھتے ہوئے بھی اس محبوب چہرے کے گرد طواف کر رہی تھیں، جو شاید کسی اور کا ہونے جا رہا تھا۔ پری بے اختیار کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ گویا وہ واثق کے منہ سے یہ ہی سننا چاہتی تھی۔ عجب سی جھنکار تھی اس کی کھلکھلاہٹ میں۔
واثق نے دلچسپی سے اسے دیکھا۔
وہ خوب صورت سی لڑکی بذات خود ایک مکمل پیکج تھا۔ دعوت نظارہ! وہ لمحہ بھر کو اس کے موتیوں جیسے دانتوں کی قطار کو دیکھتا رہ گیا۔
"بہت اچھا لگے گا مجھے یہ سن کر کہ آپ میری تلاش میں تھے۔ لیکن کیا ہے کہ یہ جملہ تو مجھ سے ملنے والا ہر دوسرا لڑکا کہتا ہے۔۔۔ تو اس میں کچھ بھی نیا پن نہیں ہے۔" وہ بہت اٹھلا کر بظاہر شوخ مگر مغرور بھرے انداز میں بولی۔
"اور پہلا لڑکا کیا کہتا ہے؟" وہ جھک کر رازداری سے پوچھنے لگا۔
"وہ۔۔۔" وہ محظوظ ہوئی۔ "وہ تو بے چارا کچھ بول ہی نہیں پاتا۔ گنگ سا رہ جاتا ہے۔" وہ بھی اسی طرح

رازداری سے بولی۔

"بے چارہ!" واثق افسوس بھرے لہجے میں بولا۔

"بائی دا وے میرا نمبر کتنواں ہے' ان دوسرے لڑکوں کی لائن میں۔" وہ جھک کر پھر اسی انداز میں بولا۔

"آں!" وہ یوں ظاہر کرنے لگی جیسے دل ہی دل میں گنتی کر رہی ہو۔

"پری! تم کہاں رہ گئی ہو۔ میں نے تمہیں بھیجا تھا کہ اپنے پاپا کو بلا کر لاؤ' خود جا کر وہیں بیٹھ گئی ہو۔" پیچھے سے آتی عفت جھنجلائے ہوئے لہجے میں بولی۔ پری فوراً" بوکھلا کر اسٹیج کی طرف بھاگ گئی۔

عفت' واثق کو سرسری نظر سے دیکھتی خجلت بھرے انداز میں آگے چلی گئی۔ واثق پھر سے اس بھرے مجمع میں اکیلا رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

"میں نے اتنی دیر تو نہیں کی تھی مثال!" وہ یک ٹک اس جھکے چہرے والی لڑکی کو دیکھتے ہوئے دل میں مخاطب ہوا۔

"تمہیں میری محبت کا اعتبار نہیں تھا یا مجھ پر بھروسا نہیں تھا۔ صرف چار دن میں تم نے خود کو میری محبت سے آزاد کر دیا۔" اس کے دل پر کوئی بھاری پتھر آ پڑا تھا۔

اسٹیج پر اب بہت سے لوگ آگے پیچھے کھڑے ہو گئے تھے۔ مثال ان کے پیچھے چھپ گئی تھی۔ شاید کوئی رسم ہو رہی تھی۔ واثق کے اردگرد لوگ کم ہو گئے تھے۔ وہ بوجھل قدموں سے باہر نکل گیا۔

مثال ہاتھ کی تیسری انگلی میں پڑی ڈائمنڈ رنگ کو دیکھتی جا رہی تھی۔ یہ انگوٹھی نہیں تھی' اس کے لیے عمر قید کا ٹوکن تھا۔

"کچھ مہینوں میں میری فہد سے شادی ہو جائے گی۔ ایک ایسا شخص جسے میں جانتی تک نہیں' جسے میں نے کبھی دیکھا بھی نہیں' بات بھی نہیں کی۔ پاپا جو کہہ رہے تھے کہ وہ فہد سے میری بات کرائیں گے' پھر بھول گئے۔

پاپا کے لیے یہ بڑی سیدھی بات ہے کہ وہ کہیں بھی ایسی جگہ' جو انہیں میرے لیے فنانشلی بہتر لگتی ہے' لوگ مناسب لگتے ہیں' وہ میری شادی کر کے میرے بوجھ سے نجات حاصل کر لیں گے۔ مگر یہ سیدھی بات... میں جانتی ہوں' یہ سیدھی نہیں۔"

وہ بہت عجیب ڈھب میں سوچتے ہوئے خود سے سوال جواب کر رہی تھی۔ اس طرح کی باتیں اس نے پہلے کبھی نہیں سوچی تھیں۔

ایک انگوٹھی اس کی انگلی میں آ گئی اور اسے لگا اس کے جذبات احساسات سب بدل رہے ہیں۔ شاید وہ خود بھی بدل رہی ہے۔ فہد سے شادی کے بعد اگر ہم دونوں کے مزاج نہیں ملے یا کچھ مہینوں' دنوں کے لیے مل بھی گئے... پھر ہماری اولاد ہو گئی اور فہد کا رویہ اس کی عادات اپنی اصل فطرت پر آ گئے' جو مجھ سے بالکل مختلف ہوئے۔ پھر ہم دونوں میں جھگڑے شروع ہو گئے' جو ہوتے چلے گئے۔ کیونکہ جھگڑے ایک بار شروع ہو جائیں تو پھر رکا نہیں کرتے اور اس نے مجھے پاپا کی طرح تین لفظ بول کر گھر سے نکال دیا۔ میری اولاد کو مجھ سے چھین لیا جو ہم دونوں کو پیاری ہو گی' پھر ہم دونوں اس کو حاصل کرنے کے لیے لڑیں گے اور پھر آدھا آدھا کر لیں گے۔

آدھی آدھی اولاد!

نہیں... بالکل نہیں۔"

وہ ایک دم سے سر پر پڑا کامدانی کا دوپٹا جھٹک کر کھڑی ہو گئی۔
اس کے سامنے عفت کھڑی اسے عجیب سی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔
"ماما۔۔۔ ماما۔۔۔ پلیز مجھے یہ شادی نہیں کرنی۔ پلیز آپ پاپا سے کہہ دیں۔ وہ ان لوگوں کو انکار کر دیں۔۔۔ مجھے نہیں کرنی یہ شادی۔" وہ اپنے جذباتی پن میں یہ دیکھے بغیر کہ اس کے سامنے بشریٰ کھڑی ہے یا عفت۔۔۔ تیز تیز بولتے ہوئے بے اختیار رونے لگی۔
"مثال۔۔۔ مثال کیا ہوا ہے۔۔۔ کیا ہو گیا تمہیں؟" عفت ایک دم سے فکر مند لہجے میں کہتی ہوئی آگے بڑھی اور اسے گلے سے لگا لیا۔
"ماما۔۔۔ پلیز آج پاپا سے بول دیں۔ مجھے شادی نہیں کرنی۔" وہ عفت کے گلے لگتے ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔
"مثال!" عفت اس کے یوں رونے پر پریشان ہو گئی۔
"ہوا کیا ہے مثال۔۔۔ کیا ان لوگوں نے کچھ کہا ہے تم سے۔" وہ اسے ساتھ لگا کر نرمی سے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔
مثال نے روتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

"تو پھر کیا ہوا ہے بتاؤ مجھے شاباش۔۔۔" وہ خلاف عادت اسے چمکار کر پوچھ رہی تھی۔
"مجھے یہ شادی نہیں کرنی ہے۔" وہ ایک ہی جملہ دہراتے ہوئے ہاتھ میں پڑی انگوٹھی نکال کر عفت کو دیتے ہوئے خود کو سنبھالنے کی کوشش کرتے ہوئے آہستگی سے بولی۔
"مثال!" عفت انگوٹھی ہاتھ میں لیے شاکڈ سی کھڑی رہ گئی۔ اس کی مرادیوں بر آئے گی۔ عفت نے نہیں سوچا تھا۔
"بھلے پری کی شادی یہاں نہ ہو، مگر مثال کی بھی نہیں ہونی چاہیے۔" اس نے چپکے چپکے دل میں بے شمار دعائیں مانگی تھیں۔ اس کی دعائیں کبھی یوں جھٹ پٹ قبول نہیں ہوئی تھیں، مگر اس بار ہو گئی تھیں۔ وہ بے یقین سی کھڑی تھی۔ مثال خود شادی سے انکار کر رہی تھی۔ اس سے بڑا معجزہ اور کیا ہو سکتا تھا۔ عفت پر جیسے شادی مرگ ہو گیا تھا۔
"تمہارے پاپا۔۔۔" وہ اٹک کر اس سے کچھ کہتے ہوئے رکی۔
"اس کو اپنے اس بے بس باپ کی کیا پروا۔" ایک دم پیچھے سے عدیل آیا تھا۔ دونوں لمحہ بھر کو ساکت سی رہ گئیں۔ عدیل کی آنکھوں سے چنگاریاں پھوٹ رہی تھیں۔
"پاپا!" اس کے لب فقط ہل ہی سکے تھے۔
"یہ۔۔۔ اپنی ماں کی طرح اپنے باپ کا صرف تماشا بنانا چاہتی ہے اور اس نے اس ماں سے اس کی تربیت سے اور کیا سیکھا ہو گا۔" وہ نفرت بھرے اجنبی لہجے میں کہہ رہا تھا اور مثال کے جسم میں پہلی بار جیسے چنگاریاں سی چبھ رہی تھیں۔
"معاف کیجیے گا پاپا! میری تربیت صرف اس عورت نے نہیں کی۔ پندرہ دن کے لیے میں آپ کے پاس بھی ہوتی تھی۔ میری بٹی ہوئی آدھی زندگی کے ذمہ دار آپ ہیں۔" جانے کیسے لہو میں دوڑتے شراروں نے اسے چیخنے پر مجبور کر دیا۔ لمحہ بھر کو عدیل ششدر سا اسے دیکھتا رہ گیا۔
"ہٹو تم بیچ میں سے، آج مجھے اس سے بات کر لینے دو۔" عدیل یک لخت سب لحاظ درمیان سے اٹھا کر بولا۔

عفت کو کہتے ہوئے اس نے پرے کیا تھا اور اب مثال کے بالکل سامنے کھڑا تھا۔
"ہاں بولو کیا تکلیف ہے تمہیں کیوں یہاں شادی نہیں کرنا چاہتیں؟" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا اور مثال کو لگ رہا تھا اس کی ٹانگوں سے جان نکل رہی ہے۔
"بولو۔۔۔ جواب دو۔" وہ دھاڑ کر بولا۔
پری اور دانیال بھی دروازے میں آکر کھڑے ہو گئے تھے اور صد شکر کہ سارے مہمان جا چکے تھے۔
"میں وجہ نہیں بتا سکتی مگر۔۔۔ مجھے یہاں نہیں کہیں بھی شادی نہیں کرنی۔" جانے کیسے اس کے اندر اتنی ہمت آ گئی۔ وہ نظریں جھکا کر ذرا سا رک کر بول پڑی۔ عدیل نے اسے تھپڑ مارنے کے لیے ہاتھ فضا میں اٹھایا اور مٹھیاں بھینچ کر روک لیا۔ اسے شعلہ بار نظروں سے کچھ دیر یوں ہی دیکھتا رہا۔ پھر ہاتھ میں پکڑا موبائل فون آگے کرتے ہوئے اس پر بشریٰ کا نمبر ملانے لگا۔ مثال خوف زدہ نظروں سے باپ کو نمبر ملاتے دیکھتی رہی۔
"کرو اپنی ماں سے بات کہ وہ تمہیں اپنے پاس بلائے۔ آج سے تم میری طرف سے آزاد ہو' جہاں جس کے پاس جس وقت جانا چاہتی ہو چلی جاؤ' میں تمہیں نہیں روکوں گا۔"
عدیل کے غصے نے حد پار کر لی تھی۔
مثال کو لگا یہ وہی وقت ہے' جب عدیل' نسیم بیگم اور فوزیہ کے بھڑکانے پر بشریٰ پر چیخ رہا تھا اور اس نے طلاق دے کر اسے ہاتھ پکڑ کر گھر سے باہر کر دیا تھا۔ آج اسی غصے میں اس نے مثال کو بھی خود سے جھٹک کر الگ کر دیا تھا۔
"پاپا!" مثال شاکڈ سی باپ کو دیکھتی رہ گئی۔
"مر گیا تمہارا پاپا۔ کرو اپنی من مانی اور جو تمہارے جی میں آتا ہے۔ بات کرو اپنی ماں سے۔" وہ سیل اس کے کان سے لگاتے ہوئے زور سے بولا۔ وہ بے حس و حرکت کھڑی رہی۔
اس کے کان سے لگے سیل فون سے اب بشریٰ کی آواز آ رہی تھی' جو ہیلو ہیلو کر رہی تھی۔
"ہیلو عدیل۔۔۔ ہیلو۔۔۔ کیا بات ہے عدیل؟" وہ اب کچھ فکر مند سی پوچھ رہی تھی۔
"ماما۔۔۔ ماما۔" مثال کے ہونٹوں سے بے اختیار سسکی سی نکلی اور وہ زمین پر بیٹھ کر رونے لگی۔
عدیل نے غصے سے اسے دیکھا اور سیل فون اپنے کان سے لگا لیا۔
"سنو! کسی بھی طرح اپنی بیٹی کو اپنے پاس بلا لو۔۔۔ میں اب اس کی مزید ذمہ داری نہیں لے سکتا۔ مہینے بھر کے اندر میں اسے تمہارے پاس بھجوا رہا ہوں۔" کہہ کر اس نے ایک تیز نظر نیچے بیٹھی مثال پر ڈالی اور چیزوں کو جو رستے میں پڑی تھیں' ٹھوکریں مارتا باہر نکل گیا۔
مثال زمین پر بیٹھی دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے سسکنے لگی۔ پری اور دانیال باپ کا غصہ دیکھ کر پہلے ہی آہستگی سے باہر نکل چکے تھے۔ عفت ہمدردی بھری نظروں سے مثال کو دیکھتی رہیں' پھر آہستگی سے جھک کر اسے کندھوں سے پکڑ کر اٹھانے لگی۔
"اوپر بیٹھو!" اسے زبردستی اوپر بٹھا کر وہ اسے روتے ہوئے دیکھنے لگی۔

✲ ✲ ✲

"کھانا کیوں نہیں کھانا۔" وردہ تیسری بار پوچھنے کے لیے آئی تھی۔
"بھوک نہیں ہے۔ تمہیں سمجھ میں نہیں آئی ایک بار کی کہی بات؟" واثق کبھی اس طرح غصے میں نہیں آیا

تھا اور ورد کے ساتھ تو بالکل بھی نہیں۔ وہ ششدر سی واثق کو دیکھتی رہ گئی۔
"بھائی۔" اس کی آواز آنسوؤں کے زور سے پھٹ سی گئی۔
"وردہ! مجھے بھوک نہیں ہے۔ لگے گی تو میں خود کچن سے لے کر کھالوں گا۔" وہ رخ پھیرتے ہوئے نرمی سے بولا کیونکہ وہ اس کی آنکھوں میں امڈتے آنسوؤں کو دیکھ چکا تھا مگر اب وردہ کو چپ کرانے کی ہمت نہیں تھی۔
"اب جاؤ پلیز یہاں سے۔ میرے سر میں درد ہے۔" وہ کچھ بے زاری سے بولا۔ وردہ کچھ دیر کھڑے رہنے کے بعد چلی گئی۔
"تو اس طرح میں نے تمہیں پانے سے پہلے ہی کھو دیا اور یہ تو میں پہلے بھی جانتا تھا کہ میں کبھی بھی خوش قسمت نہیں رہا کہ جو چاہوں گا قسمت خود بخود میری جھولی میں ڈال دے گی۔ آج تک مجھے جو کچھ بھی ملا اس کے لیے بہت محنت بہت جتن کیے۔ پھر تم مجھے ایسے کیسے مل سکتی تھیں۔" وہ بہت دکھی بہت حساس ہو رہا تھا۔
"وہ کسی اور کی ہو گئی اور میں دیکھتا رہ گیا۔" اس نے ہتھیلی سے اپنی آنکھیں رگڑیں۔
وہ رونا نہیں چاہتا تھا مگر آنسو جیسے آنکھوں میں آتے چلے جا رہے تھے۔
"میں جتنی بھی کوشش کر لیتا، جتنا بھی اس کے پیچھے بھاگتا، وہ میری قسمت میں نہیں تھی۔" اسی وقت اس کے بیگ میں موجود مثال کا فون بجنے لگا۔ اس نے بے حس انداز میں فون نکال کر دیکھا۔ اسکرین پر بشریٰ ماما بلنک کر رہا تھا۔
اس نے کچھ دیر یوں ہی اسکرین کو دیکھنے کے بعد کال ریسیونگ کا بٹن دباتے ہوئے سیل فون کان سے لگا لیا۔

"مثال بیٹا! کیا ہوا ہے۔ تمہارے پاپا کی ابھی مجھے کال آئی تھی۔ وہ بہت غصے میں تھے۔ وہ تمہیں میرے پاس بھجوانے کا کیوں کہہ رہے تھے۔ تم نے کوئی بدتمیزی کی ہے ان کے ساتھ... ایسا کیا، کیا کہ وہ تمہیں میرے پاس بھجوانا چاہ رہے ہیں۔ میں نے تمہیں سمجھایا تھا کہ کبھی کچھ ایسا مت کرنا جس سے وہ ناراض ہو جائیں اور تم جانتی ہو میں تمہیں اپنے پاس کیسے بلوا سکتی ہوں۔ مثال! تم تو میری مجبوریوں سے آگاہ ہو۔ احسن کمال تمہیں کبھی قبول نہیں کرے گا اور پھر سیفی... میری جان! میں تمہیں کبھی اپنے پاس نہیں بلا سکوں گی۔ میں تمہاری ماں ہوں، تمہاری بہتری چاہتی ہوں، ہر وقت تمہارے لیے پریشان رہتی ہوں، دعا کرتی رہتی ہوں۔ تم سن رہی ہو نا...
اور میرے بچے! اگر پاپا کے ساتھ کچھ مس بی ہیو کیا ہے تو تم ان سے معافی مانگ لو۔ عدیل غصے کے تیز ہیں مگر دل کے اچھے اور تم سے تو وہ اس دنیا میں سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔ تم سمجھ رہی ہو نا مثال! کہ تمہارا پاپا کے ساتھ رہنا کتنا ضروری ہے۔ تم... کچھ بھی ہو اپنے باپ کے گھر محفوظ ہو ہر طرح سے۔ میں تمہیں کچھ بھی نہیں دے سکتی۔ تحفظ تو بالکل بھی نہیں۔ میں کوشش کرتی ہوں کچھ دنوں میں تمہیں کچھ پیسے بھجوا دوں مگر پلیز تم عدیل کے ساتھ اپنا معاملہ ٹھیک کرو۔ میں تمہیں اپنے پاس نہیں بلوا سکتی، تم سمجھ رہی ہو نا۔" واثق نے آہستگی سے فون بند کر دیا۔

☼ ☼ ☼

عدیل کے چہرے پر تناؤ تھا۔ عفت کن اکھیوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے چائے کا کپ اس کے قریب رکھ رہی تھی۔ گھنٹے بھر میں یہ اس کا دوسرا کپ تھا۔ وہ بظاہر ہاتھ میں پکڑی کتاب کی طرف متوجہ تھا مگر عفت جانتی تھی وہ کچھ بھی نہیں پڑھ رہا۔ بلکہ وہ کچھ بھی نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ کسی بھی طرف نہیں دیکھ رہا تھا۔
"بس کر دیں نا پہلے ہی دن بھر کی تھکن ہے اب یہ کیا لے کر بیٹھ گئے ہیں۔ اتنی رات ہو گئی ہے ریسٹ کر لیں۔

صبح آپ آفس بھی ضرور جائیں گے۔" کہتے ہوئے اس نے کتاب اس کے ہاتھ سے لے کر بند کر دی۔
عدیل شاید یہ ہی چاہتا تھا کوئی اسے اس بے وجہ کی مشقت سے رہا کرے۔ اس نے مزاحمت نہیں کی۔ چائے کا کپ اٹھا کر ہونٹوں سے لگائے بے آواز چسکیوں سے پینے لگا۔
"کیا مجھے کچھ کہنے کی اجازت ہے؟" کچھ دیر بعد عفت نے نرمی سے پوچھا۔ وہ صرف اس کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔
"عدیل! اسے ٹائم چاہیے۔" وہ کچھ دیر بعد نرمی سے سمجھانے والے انداز میں بولی۔
"ٹائم ہی تو نہیں ہے۔" وہ بڑبڑا کر بولا۔
"اس طرح مت کریں اس کے ساتھ... وہ ابھی ذہنی طور پر اس کے لیے بالکل بھی تیار نہیں۔" وہ پھر سے بولی۔
"ہو جائے گی... اسے ہونا ہی ہو گا۔" وہ اسی طرح تنے ہوئے چہرے کے ساتھ کہہ رہا تھا۔
"کیا زبردستی کریں گے؟" عفت کچھ جتانے والے انداز میں بولی۔
"مجھے زبردستی کا بھی حق حاصل ہے۔" وہ چیخ کر بولا۔
"آپ اس طرح کے باپ نہیں۔ یہ بات وہ بھی جانتی ہے۔" وہ پھر کچھ جتا رہی تھی۔
"اسی لیے فائدہ اٹھا رہی ہے میری نرمی سے۔ لیکن میں فیصلہ کر چکا ہوں۔ اگر وہ اس طرح اپنی اس بے جا ضد پر اڑی رہی تو پھر میں اس کے ساتھ سختی بھی کر ڈالوں گا۔" وہ واضح کرتے ہوئے بولا۔
"مگر پھر بھی عدیل! آپ سمجھنے کی کوشش کریں... وہ عجیب ہٹ دھرم سی ذہنیت کی ہو چکی ہے۔ آپ دونوں کی جنگ میں وہ بہت کچھ جھیل چکی ہے۔ سوا سے جھیلنے کا خوف تو نہیں ہے۔ آپ سے اسے بہت سی امیدیں ہیں۔" عفت جانے کیسے ایسی ہمدردانہ باتیں کر رہی تھی وہ بھی مثال کے لیے۔ عدیل نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا۔
"مجھے بھی اس سے بہت سی امیدیں ہیں۔" وہ دکھ بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ عفت کو اس پر ترس بھی آیا اور غصہ بھی... اس کی ساری امیدیں فقط اپنی اس ایک اولاد سے تھیں۔
"ابھی اسے اپنی ماں سے بچھڑے زیادہ دن نہیں ہوئے۔ پہلے پندرہ دن بعد بھی وہ ماں سے مل لیا کرتی تھی۔ جو بھی بچیاں ماں کے قریب ہوتی ہیں وہ ماں سے دل کی بات کر سکتی ہیں۔" وہ رک رک کر عدیل کو کسی بچے کی طرح سمجھا رہی تھی۔
"تو ٹھیک ہے اگر وہ نہیں مانتی تو میں اسے اس کی ماں کے پاس بھجوا دیتا ہوں کیونکہ اس رشتے سے اچھا رشتہ اور میں اس کے لیے نہیں ڈھونڈ سکتا۔" وہ قطعی انداز میں بولا۔
عفت کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئی۔
اگر ایسا ہو جاتا ہے۔ یعنی مثال اپنی ماں کے پاس چلی جاتی ہے تو لازمی طور پر یہ رشتہ صرف پری کے لیے ہو گا۔ اس کا مسئلہ تو خود بخود حل ہو جائے گا۔ اگر مثال بشریٰ کے پاس چلی جاتی ہے تو اس سے اچھی بات اور کیا ہو گی بھلا، میری بھی جان چھوٹ جائے گی۔ اس نے چند لمحوں میں سارا حساب کتاب کر لیا۔
"دیکھ لیں جو آپ کو ٹھیک لگتا ہے میں جو سمجھتی تھی آپ کو بتا دیا۔" اس نے ساری گفتگو کو ایک جملے میں لپیٹ کر تکیہ سیدھا کیا اور لیٹ گئی۔
عدیل نے جیسے اس کی بات سنی نہیں۔ وہ ابھی بھی کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ عفت اس کی طرف سے کروٹ

لے کر لیٹ چکی تھی۔
عدیل کو ابھی جانے کیا کچھ کتنی دیر تک سوچنا تھا۔ عفت کے سونے تک وہ جاگ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

اسے کسی کا بھی اعتبار نہیں رہا تھا۔
وہ اس دنیا میں سب سے زیادہ عدیل سے محبت کرتی تھی۔ اس کا اسے اعتبار تھا مگر جیسے اب وہ بھی نہیں رہا تھا۔
وہ بالکل خاموش ہو گئی تھی۔
ناشتا کیے بغیر وہ کالج چلی گئی تھی۔ اس نے عفت کا سامنا کیا تھا نہ عدیل کا۔ آج تو اس نے روزمرہ والے گھر کا بکھراوا سمیٹنے والا بھی کوئی کام نہیں کیا تھا۔
خاموشی سے تیار ہو کر کمرے میں بیٹھی رہی' اس کی وین آئی تو خاموشی سے سب کی نظروں سے بچتی وین میں بیٹھ کر چلی گئی۔ اسے کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔
کالج جا کر بھی اس نے صرف دو کلاسز لیں۔ اس کے بعد وہ سارا ٹائم اکیلی بیٹھی گھاس کے تنکے نوچتی رہی۔ اس کا دماغ کچھ بھی نہیں سوچ رہا تھا۔
بارہ بجے کے قریب اسے بھوک نے ستانا شروع کیا۔ اس نے ایک طرف لگے ڈسپنسر سے تھوڑا سا پانی پیا اور پھر بے جان قدموں سے گیٹ کی طرف چل پڑی۔ ابھی وین کے آنے میں بہت ٹائم تھا مگر وہ یونہی گیٹ سے باہر نکل کر سڑک کی طرف چل پڑی۔
"تھینک گاڈ! تم مجھے نظر تو آئیں۔" اس کے بہت قریب سے فٹ پاتھ پر چلتے ہوئے آواز آئی۔ اس نے

چونک کر نہیں دیکھا۔ وہ اس کی آواز بھی پہچان چکی تھی اور اسے اس کے آنے کی توقع بھی تھی۔ وہ کچھ بھی جواب دیے بغیر اس کی طرف دیکھے بغیر خاموشی سے اس کے ساتھ چلتی رہی۔ دونوں کوئی بھی بات کیے کتنے منٹ تک یونہی خاموش ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ فٹ پاتھ ختم ہوگئی۔ موڑ آگیا تھا۔
دونوں رک گئے دونوں کو ایک دوسرے کی طرف دیکھنا پڑا۔
"پلیز... آجاؤ مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے' صرف چند منٹ کے لیے۔" وہ ملتجی لہجے میں ایک طرف کھڑی گاڑی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا۔
وہ کچھ بھی کہے بغیر یونہی کھڑی رہی پھر آہستگی سے اس کی گاڑی کی طرف بڑھ گئی۔ واثق کو اس کی اس خاموش رضامندی سے خوش گوار سی حیرت ہوئی مگر وہ اس کا اظہار کیے بغیر اس کے پیچھے چل پڑا۔

☼ ☼ ☼

"انگیجمنٹ!" وہ سامنے خزاں رسیدہ پتوں کو دیکھتے ہوئے بے تاثر لہجے میں بولی۔
دونوں اسی لائبریری کی سیڑھیوں میں آکر بیٹھ گئے تھے۔ لائبریری کھلنے میں ابھی کچھ وقت تھا۔
"تمہاری مرضی سے۔" وہ آہستگی سے بولا۔
"میری مرضی... تو کسی بھی بات میں نہیں تھی۔ پیدا ہونے میں بھی نہیں۔ اگر مجھ سے پوچھا جاتا تو میں کبھی پیدا نہیں ہوتی۔"
"نائنٹی پرسنٹ لوگ یہی کہتے ہیں۔"
"نائنٹی پرسنٹ لوگ میرے جیسی زندگی نہیں گزارتے... بٹی ہوئی تقسیم شدہ۔" وہ تلخی سے بولی۔
"تمہاری انگیجمنٹ رنگ... تم نے پہنی نہیں۔" وہ یونہی اس کی انگلیوں کی طرف دیکھتے ہوئے ٹھٹک کر بولا۔
"میں نے اتار دی۔" وہ آہستگی سے بولی۔
"مگر کیوں... کیا تمہیں یہ رشتہ پسند نہیں۔" مشال نے گردن موڑ کر شکایتی نظروں سے اسے دیکھا مگر کوئی جواب نہیں دیا۔
"کیا تم مجھ سے ناراض ہو؟" وہ اس کی نظروں پر بولا۔ وہ خاموش ان پتوں کو دیکھتی رہی جو عین قریب جھڑنے والے تھے۔
"پاپا مجھے ماما کے پاس بھیج دیں گے' اگر میں اس رشتے کے لیے اگری نہیں کرتی تو؟" وہ کچھ دیر بعد خود ہی بولی۔
"اور تمہاری ماما... وہ تمہیں بلالیں گی اپنے پاس۔" وہ نہ چاہتے ہوئے بھی پوچھ بیٹھا۔
اس نے آہستگی سے نفی میں سر ہلادیا۔
"پھر... کیا کروگی؟" وہ کچھ دیر بعد بولا۔
"پتا نہیں... مجھے کچھ بھی پتا نہیں۔" وہ گہرا سانس لے کر فضا میں سر اٹھا کر بولی۔
"میں امی کو لے کر آیا تھا مشال! اس شام تمہارے گھر... مگر تمہارے گھر کے دروازے پر... پتا نہیں تم یقین کروگی یا نہیں... میری امی کو ہارٹ اٹیک ہوگیا... چند منٹوں میں یہ سب ہوگیا۔ میں امی کو فوراً ہسپتال لے گیا۔ رات بہت دیر میں ہم وہاں سے فارغ ہوئے۔ امی ابھی بھی ٹھیک نہیں مکمل طور پر۔ میں تم سے رابطہ کرنا چاہتا تھا مگر تم نہ کالج آئیں نہ لائبریری۔ تمہارا فون بھی میرے پاس تھا۔ پھر میں تمہارے گھر گیا۔ جس شام تمہاری انگیجمنٹ تھی اور مجھے لگا میں سب کچھ ہار گیا ہوں۔" وہ دھیمی شکست خوردہ آواز میں کہہ رہا تھا۔

"کیا تم نے میرا انتظار کیا تھا؟" وہ کچھ دیر بعد جھجک کر پوچھ رہا تھا۔
"اگر میں کہوں نہیں۔۔۔ تو؟" وہ گردن موڑ کر ذرا سا اس کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔
"تو میں کہوں گا۔ تم جھوٹ بول رہی ہو۔" وہ فوراً بولا۔
"میں جھوٹ نہیں بولتی۔" وہ خفگی سے کہنے لگی۔
"اسی لیے تو کہہ رہا ہوں جن کو جھوٹ بولنے کی عادت نہ ہو' وہ اگر جھوٹ بولیں تو ان کی آنکھیں ان کا ساتھ نہیں دیتیں۔ جیسے اس وقت تمہاری شفاف آنکھیں۔۔۔ تمہاری زبان اور الفاظ کا ساتھ نہیں دے رہیں۔" وہ مسکرا کر بولا۔
"حد سے زیادہ خوش فہمی اکثر ہمیں خود ہی مشکل میں ڈال دیتی ہے۔" وہ طنز سے اس کی طرف دیکھ کر بولی۔
"خوش فہمی نہیں ہے یہ مشال! میرا دل مجھے بتاتا ہے کہ تم میرے بارے میں کیا سوچتی ہو۔" وہ یقین بھرے لہجے میں بولا۔
"اچھا اب اس وقت آپ کا دل کیا کہہ رہا ہے میرے بارے میں؟" وہ مذاق اڑانے والے لہجے میں بولی۔
وہ اس کی طرف گہری نظروں سے دیکھنے لگا۔
"آں۔۔۔ اس وقت تمہیں سخت بھوک لگی ہے۔ تمہارا دل فی الحال کھانے کے لیے فریاد کر رہا ہے کیونکہ تم صبح کچھ بھی کھائے بغیر کالج آگئی تھیں۔ ایم آئی رائٹ؟" وہ اس کے چہرے کے آگے چٹکی بجا کر شوخی سے بولا۔ مشال کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔
وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر ایک جھٹکے سے اٹھ کر جانے لگی۔ واثق نے بے اختیار اس کا ہاتھ پکڑ لیا اور اس کے برابر کھڑا ہو گیا۔
"تم ڈر گئیں؟" وہ اس کی آنکھوں میں جھانک کر بولا۔ وہ اسے بس دیکھتی چلی جا رہی تھی۔
"تم سوچ رہی ہو گی۔ مجھے اس بات کا کیسے پتا چلا؟" وہ اسی طرح اسے دیکھ رہا تھا۔ اس کی خاموشی مشال کو پریشان کرنے لگی۔
"بتاؤ ناں۔ تمہیں کیسے پتا چلا اس بات کا۔" وہ بچوں کی طرح اس کی آستین کھینچ کر اصرار سے بولی۔ وہ بے اختیار ہنس پڑا۔
"واثق پلیز۔" وہ چڑ سی گئی۔
"پھر سے کہو اسی طرح۔۔۔" وہ محظوظ ہوتے ہوئے بولا۔
"میں گھر جا رہی ہوں۔" وہ روٹھ کر جانے لگی۔
"اس وقت تو تم کہیں بھی نہیں جا سکتیں۔ کم از کم کھانا کھائے بغیر۔۔۔ کیونکہ شاید تمہیں گھر جا کر بھی کچھ کھانے کو نہیں ملے۔" وہ پھر سے ایک بات کا اندازہ لگا کر بولا تو مشال واقعتاً" پریشان ہو گئی۔
"آپ جادوگر ہیں۔" وہ ڈر سی گئی۔ بچوں کی سی خصوصیت سے پوچھنے لگی۔
"تم پر میرا جادو چلا؟" وہ اس کے چہرے پر جھک کر بولا۔
"کیا مطلب؟" وہ خفگی سے تھوڑا پرے ہٹتے ہوئے بولی۔
"یار! اتنے مہینوں سے تم پر اپنی محبت کا جادو چلانے کی کوشش کر رہا ہوں۔ کیا تم پر کچھ اثر ہوا۔۔۔" وہ سر کھجا کر بولا۔
"پلیز مجھے گھر جانا ہے۔ ہٹیں آگے سے۔" وہ کترا کر جانے لگی تھی۔ واثق پھر اس کے راستے میں کھڑا تھا۔
"میں تمہیں کھانا کھلا رہا ہوں نا؟" وہ فراخدلی سے اسے کہہ رہا تھا۔

"مجھے نہیں کھانا۔"

"تمہیں نہیں کھاؤں گا پرامس۔۔۔ صرف ہم دونوں مل کر کھانا کھائیں گے کسی اچھی سی جگہ پر اور میں تمہیں تمہارے مسئلے کا حل بھی بتاؤں گا۔" وہ اسے چھوٹے بچوں کی طرح بہلا رہا تھا۔

"کون سے مسئلے کے بارے میں؟" وہ اس کے ساتھ باتوں کے دوران چند منٹوں میں سب کچھ بھول چکی تھی۔ عدیل کی خفگی، ناپسندیدہ رشتہ اور بشریٰ کی بے اعتنائی!

"ماشاء اللہ۔۔۔ تو آپ بھول چکی ہیں کہ آج آپ صبح گھر سے کس وجہ سے بغیر کھائے پیے روانہ ہوئی تھیں اور آپ نے انگیجمنٹ رنگ کیوں نہیں پہنی۔" وہ جتا کر بولا۔

وہ شرمندہ سی ہو گئی۔

"پلیز میں ایک گھنٹے میں تمہیں گھر ڈراپ کر دوں گا۔"

"نہیں۔۔۔ میں آپ کے ساتھ نہیں جا رہی۔۔۔" وہ قطعیت سے بولی۔

"اچھا چلو میں تمہیں ڈراپ تو کر سکتا ہوں نا!" وہ اس کے ساتھ چلنے لگا تھا۔ وہ چلتے ہوئے رک گئی۔

"پلیز کوئی دیکھ لے گا مجھے آپ کے ساتھ۔" وہ کچھ ڈر کر بولی۔

"اسی لیے کہہ رہا ہوں نا کہیں بیٹھ کر بات کر لیتے ہیں۔ میرا یقین نہیں ہے تمہیں اور تمہارا سیل فون بھی تو میری گاڑی میں پڑا ہے۔ وہ بھی لے لینا۔" وہ اسے بہلا کر بولا۔

"وہ تو لگتا ہے آپ کا دل ہی نہیں کر رہا ہو گا لانے کا۔" سیل فون کے ذکر پر وہ جل کر بولی تو وہ ہنس پڑا۔

دونوں باہر کی طرف چل پڑے۔

☆ ☆ ☆

"مگر کیوں؟" بشریٰ عدیل کی بات سن کر پریشان ہو گئی۔ دونوں فون پر بات کر رہے تھے۔

عدیل نے بہت سوچ سمجھ کر بشریٰ کو کال کی تھی۔ وہ مثال کے معاملے میں بہت پریشان اور الجھا ہوا تھا۔ وہ رات بھر نہیں سو سکا تھا۔

"اس کا جواب تو میں بھی اس سے پوچھ پوچھ کر تھک گیا ہوں۔ وہ ایک ہی بات دہرائے جاتی ہے کہ اسے یہ شادی نہیں کرنی۔ میں اس پر سختی بھی نہیں کر سکتا۔ تم اس سے کسی طرح معلوم کرنے کی کوشش کرو۔ ہو سکتا ہے وہ تمہیں کچھ بتا دے۔" عدیل تھکے ہوئے بے بس لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"یہ رشتہ ہر لحاظ سے پرفیکٹ ہے۔ وقار اور فائزہ کو تم بھی جانتی ہو۔ فہد کو بھی بچپن میں تم نے دیکھ رکھا ہے پھر وہ بہت سیٹل ہو چکے ہیں۔" وہ تھک کر لحہ بھر کو خاموش ہوا۔

"اور اب تو منگنی بھی ہو چکی ہے۔ فہد تین چار ماہ میں پاکستان آتا ہے تو شادی طے ہے اور یہ لڑکی۔۔۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔" وہ بے بسی سے خاموش ہو گیا۔

"کیا۔۔۔ وہ کسی اور کو تو پسند نہیں کرتی؟" ایک دم سے اسے خیال آیا تو وہ پوچھنے لگا۔ "اس نے تم سے ذکر کیا ہو۔"

"کسی اور کو نہیں۔۔۔ نہیں بھلا کس کو پسند کرے گی اور مجھے اس نے کبھی کچھ ایسا نہیں بتایا۔" بشریٰ عجیب دامن بچاؤ والے انداز میں بولی۔

"تمہارے۔۔۔ میرا مطلب ہے تمہارے شوہر کے بیٹے کے ساتھ۔" وہ اٹک کر کچھ جھجک کر بولا۔

اور بشریٰ کے ہاتھ سے سیل فون نیچے گرتے گرتے بچا۔ یہ خواہش تو کبھی اس کے دل نے ٹوٹ کر کی تھی مگر اس

کا نتیجہ کیا نکلا۔
کاش ایسا ہو سکتا تو میں اپنی بیٹی کو کبھی خود سے جدا نہیں کرتی۔ اس کا دل بھر آیا۔ آج اتنے دن ہو گئے تھے اس نے مثال کو نہیں دیکھا تھا۔ وہاں سے پندرہ دن بعد سہی وہ اس کو دیکھ تو لیتی تھی۔
"تم نے جواب نہیں دیا بشریٰ؟" اس کی خاموشی پر وہ بول اٹھا۔
"نہیں ایسا کچھ نہیں تھا عدیل! ایسا کچھ ہوتا تو میری نالج میں ضرور ہوتا۔ دوسرے سیفی کسی اور ٹائپ کا لڑکا ہے۔ میں اسے مثال کے لیے سوٹ ایبل بھی نہیں سمجھتی تھی اور پھر مثال اس طرح کی لڑکی نہیں ہے کہ وہ کسی اور کو پسند کرے۔" وہ بیٹی کے حق میں صفائی پیش کرتے ہوئے بولی۔
"پھر کیا وجہ ہو سکتی ہے۔ اس نے رنگ بھی اتار کر پھینک دی ہے۔ اگر وقار اور بھابی کو پتا چلا تو کتنا برا لگے گا انہیں۔" وہ پریشان تھا بشریٰ کو اندازہ ہوا۔
"ہوں.... میں اس سے بات کرتی ہوں۔ سمجھانے کی کوشش کرتی ہوں۔ بہت سمجھ دار بیٹی ہے مثال۔ مجھے امید ہے وہ سمجھ جائے گی میری بات.... تم پریشان نہیں ہو۔" آخر میں کچھ جھجک کر وہ اسے تسلی دیتے ہوئے کہہ گئی۔
"میں رات بھر نہیں سو سکا۔ معاملہ اب صرف مثال کی زندگی کا نہیں میری عزت کا بھی ہے۔ پچاس لوگوں کے درمیان رشتہ طے ہوا ہے۔ یوں راتوں رات خدا نخواستہ توڑا تو نہیں جا سکتا۔" وہ کنپٹی دبا کر تشویش سے بولا۔
"میں سمجھ سکتی ہوں تمہاری پریشانی۔ میں بات کرتی ہوں مثال سے ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ تسلی دیتے ہوئے بولی۔
"اگر ایسا ہو جائے بشریٰ! تو زیادہ بہتر ہے ورنہ میں نے سوچ لیا ہے۔" وہ رک کر بولا۔
بشریٰ کو اس کے لہجے میں کسی انہونی سی بو آئی۔
"کیا مطلب؟" وہ کچھ ڈر کر بولی۔
"میں اس کے لیے اس سے اچھا رشتہ نہیں ڈھونڈ سکوں گا۔ اگر وہ اس رشتے پر راضی نہیں ہوئی تو میں اسے تمہارے پاس بھجوا دوں گا۔ میں اس کی مزید ذمہ داری نہیں اٹھا سکوں گا۔" وہ دوٹوک لہجے میں بولا۔
بشریٰ کو یوں لگا جیسے اس کے سر پر کمرے کی چھت ہی آن گری ہو۔ کس مشکل سے تو وہ اپنا گھر بچا کر یہاں تک آئی تھی۔ اگرچہ اس کے دل کو سکون نہیں تھا مگر زندگی میں ایک ٹھہراؤ' ایک ضمانت شدہ سائبان تو اس کے سر پر تن چکا تھا اور مثال کو تو وہ کبھی بھی اپنے پاس نہیں بلا سکتی تھی۔ اس نے کچھ بھی کہے بغیر فون بند کر دیا۔

☼ ☼ ☼

"نہیں۔" وہ ہاتھ روک کر قطعی لہجے میں بولی۔
"مگر کیوں؟" واثق کے چہرے پر اضطراب تھا۔
"اس کا جواب نہیں ہے میرے پاس۔" وہ نیپکن سے ہاتھ صاف کرتے ہوئے بے تاثر لہجے میں بولی۔
"مثال میں ان سے بات کر چکا ہوں۔ میں انہیں بتا چکا ہوں کہ میں تمہیں پسند کرتا ہوں اور...."
وہ اس کی بات پوری ہونے سے پہلے بیگ کندھے پر ڈال کر کھڑی ہو گئی۔
"کھانا کھلانے کا شکریہ یہ بل کے پیسے اور...." وہ بیگ سے کچھ نوٹ نکال کر رکھنے لگی تھی کہ واثق نے ایک دم سے غصے میں اس کا ہاتھ دبوچ لیا۔ "اگر تم نہیں چاہتیں کہ یہاں کوئی تماشا بنے تو یہ پیسے واپس رکھو۔" غرا کر بولتے ہوئے اگرچہ اس کی آواز دھیمی تھی مگر مثال ڈر سی گئی۔

اس نے اپنا ہاتھ کھینچ کر اس کی گرفت سے نکالنے کی کوشش کی' وہ اسی طرح اسے سخت نظروں سے گھورتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑے ہوئے تھا۔

"پلیز میرا ہاتھ چھوڑیں۔" وہ رو دینے کو تھی۔

واثق نے آہستگی سے اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔

"تم ایک ہفتے میں فیصلہ کر لو کہ تم نے کیا کرنا ہے میں اپنی امی کو ایک ہفتے بعد بھیجوں گا اگر تمہارے پیرنٹس آئی مین تمہارے فادر نہیں مانے تو...."

"تو.... کیا کریں گے؟" وہ اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"تمہیں بھگا کر لے جاؤں گا یا.... پھر ہم کورٹ میرج کرلیں گے' مگر مثال! میں تمہارے بغیر جینے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ اگر تم مجھے نہیں ملیں تو میں اپنی جان لے لوں گا اور اس کی ذمہ دار صرف اور صرف تم ہوگی۔" وہ عجیب جذباتی پن میں بولا۔

مثال اسے بے بس سی نظروں سے دیکھ کر رہ گئی۔

"پلیز مجھے گھر ڈراپ کر دیں مین روڈ سے پرے۔ میں لیٹ ہو گئی ہوں۔" وہ گھڑی دیکھتے ہوئے آہستگی سے بولی۔

"کیا تم نے میری بات سن لی ہے؟" وہ اسے ری مائنڈ کرواتے ہوئے اس کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے بولا۔

"سننے سے کیا ہوتا ہے۔" وہ ہولے سے بولی۔

"مثال! یہ سوچ لینا اگر میں نے اس دنیا سے جانے کا فیصلہ کر لیا تو میں اکیلا نہیں جاؤں گا۔ تمہیں میرے ساتھ یہ دنیا چھوڑنی ہوگی۔" وہ اسے دھمکاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"تو اس کے لیے انتظار کیوں کر رہے ہیں۔ آج بلکہ ابھی اس پر عمل کرلیں۔ میرے لیے تو یہ ہیلپنگ ہو گا۔" وہ بے خوفی سے بولی تو وہ اسے گھور کر رہ گیا۔

☆ ☆ ☆
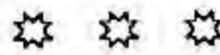
عفت گھر کی کچھ ضروری چیزیں لینے نکلی تھی۔

جلدی جلدی کرتے بھی اسے دو سے زائد گھنٹے لگ گئے۔ اب وہ سامان سے لدی پھندی ٹیکسی میں گھر کی طرف جانے والی گلی میں مڑتے ہوئے بے اختیار ٹھٹک کر رہ گئی۔

اس کی نظریں دھوکا نہیں کھا رہی تھیں۔ مثال کسی گاڑی سے اتر رہی تھی۔

ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھا ہینڈسم سا لڑکا جن نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا' وہ عام نظریں نہیں تھیں' چند لحوں میں عفت نے جیسے بہت کچھ کھوج لیا۔ ٹیکسی ان کے گھر کے گیٹ کے آگے سے روانہ ہونے کو تھی' عفت سامان گھر کے اندر رکھوا چکی تھی اور وہ یہ سب کچھ سست روی سے کرتی رہی۔

اس کی امید کے عین مطابق مثال گلی سے اندر آتی ہوئی نظر آئی' جب ٹیکسی والے کو کرایہ دے کر عفت نے روانہ کیا اور خود وہیں کھڑی ہو گئی۔

"یہ لڑکا وہی ہے جو اس روز بھی تمہیں کالج سے گھر ڈراپ کر کے گیا تھا۔ تمہاری کسی دوست کا بھائی جب تمہاری وین نہیں آئی تھی۔" عفت کچن میں سامان لگانے کے دوران سرسری لہجے میں کہہ رہی تھی جب مثال کچن میں آکر پانی کا گلاس لے کر جانے لگی تھی' وہ لمحہ بھر یونہی کھڑی رہی۔

"جی! ہم" اس نے بے تاثر لہجے میں کہا۔

"آج بھی تمہاری وین نہیں آئی واپسی پر۔" وہ پھر سے بولی۔
"نہیں... آج میں خود پہلے نکل آئی تھی کالج سے۔" وہ بے خوفی سے کہہ رہی تھی۔
"اس لڑکے کے ساتھ؟" عفت اس کے سامنے آکر کھڑی ہو گئی۔
"نہیں۔" وہ اب دل میں سوچ رہی تھی، وہ کچن میں آئی کیوں۔
"تمہارے اس نہیں پر کون یقین کرے گا کم از کم میں تو نہیں۔" وہ ترخ کر بولی۔
"مجھے آپ کو یقین دلانا بھی نہیں۔" وہ جواباً" کہہ گئی۔
"بالکل ٹھیک، تمہیں مجھے یقین دلانے کی کوشش بھی نہیں کرنی چاہیے۔ کیونکہ تم اپنی ان کوششوں کو سنبھال کر رکھو، تمہارا باپ تم سے شام میں پوچھے گا تو جو بہانہ گھڑنا ہو گا اس کے سامنے گھڑنا۔" وہ حقارت بھرے لہجے میں کہہ کر باہر نکل گئی۔
"اُف... پاپا... اب تو مجھے ضرور ہی ماما کے پاس بھجوا دیں گے اور بے چاری ماما... وہ تو شاید مر ہی جائیں گی سن کر کہ میں ان کے پاس آ رہی ہوں، انہیں اپنے گھر کی فکر پڑ جائے گی۔" وہ تاسف بھرے انداز میں سوچتی گھونٹ گھونٹ پانی پیتی رہی۔

☼ ☼ ☼

"یہ کیا کہہ رہے ہو واثق؟" عاصمہ ایک دم سے پریشان ہو گئی۔
"وہ شاید میرے نصیب میں نہیں ہے امی!" وہ مایوسی سے بولا۔
"ایسی باتیں نہیں کرتے بیٹا اور نصیبوں سے گلہ بزدل کیا کرتے ہیں، میرا بیٹا بہت بہادر ہے۔" عاصمہ اس کے اترے ہوئے چہرے کو دیکھ کر ایک دم سے گھبرا گئی۔
"اور یہ سب کچھ میری وجہ سے ہوا، اگر میں اس شام جا کر بات کر لیتی مثال کے والدین سے تو شاید یہ سب کچھ نہیں ہوتا۔" وہ اپنی غلطی تلاشتے ہوئے بولی۔
"نہیں امی تو بھی ایسے ہی ہوتا ہے، اس کے پاپا پہلے سے یہ معاملہ طے کر چکے تھے۔" وہ اسی طرح مایوس تھا۔
عاصمہ بیٹے کو دیکھتے ہوئے رنجیدہ ہو گئی۔
"اب تم نے کیا سوچا ہے؟" وہ کتنی دیر گم صم بیٹھا رہا۔
"کچھ بھی نہیں... آپ نے دوا لی؟" وہ گہرا سانس لے کر موضوع بدلتے ہوئے پوچھنے لگا۔
"کیا مجھے جا کر ان سے بات کرنا چاہیے؟" وہ بے چینی سے پوچھنے لگی۔
"نہیں... یوں بھی اس کا اب کچھ فائدہ نہیں... منگنی وہ کر چکے ہیں، اور چند ماہ میں شادی بھی کرنے والے ہیں آپ جا کر اور کیا بات کریں گی، اگر ایسا کچھ کریں گی تو اس کی اپنے گھر میں پوزیشن خراب ہو گی۔" وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔
"واثق بیٹا کوئی تو حل ہو گا نا... یوں خاموش تو نہیں بیٹھ سکتے ہم۔" وہ بے چینی سے بولی۔
"امی! آپ ٹینس نہیں ہوں، آپ کہتی ہیں نا کہ وہی ہوتا ہے جو اللہ کو منظور ہوتا ہے، ان شاء اللہ اچھا ہی ہو گا۔ اللہ میرے دل کے حال سے واقف ہے میں آفس جا رہا ہوں۔ کچھ منگوانا تو نہیں آپ نے؟"
عاصمہ کو واثق کی یہ بات اچھی بھی لگتی تھی اور بری بھی، وہ بڑے سے بڑے مسئلے پر کوئی بھی تاثر نہیں دیا کرتا تھا کہ وہ مایوس یا دل گرفتہ ہے یا آگے کا اس نے کوئی پلان سوچ رکھا ہے، وہ عاصمہ کے نفی میں سر ہلانے پر جا چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

"ماما!" مثال بے بس سی ہو گئی۔
"میری جان! ماں باپ ہمیشہ اولاد کی بہتری کا سوچتے ہیں جیسے ہم دونوں بے شک، ہم دونوں نے شادی کرلی الگ گھر بنا لیے مگر ہم تمہاری ذمہ داری سے کبھی غافل نہیں ہوئے ہم گواہ ہو اس بات کی، بشریٰ کی بات پر مثال کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔
وہ کس طرح اپنے احساس ذمہ داری کا ذکر بہت فخر سے کر رہی تھی۔
"میری جان! تمہارے پاپا بہت پریشان ہیں، اور مثال جانو تم تو اپنے پاپا سے سب سے زیادہ محبت کرتی ہو، پھر تم انہیں کیوں پریشان کر رہی ہو۔" وہ حتی الامکان لہجے کو نرم اور محبت بھرا رکھے ہوئے تھی۔
"میں ایسا کچھ نہیں کر رہی، ماما!" وہ آہستگی سے بولی۔
"تو پھر تم نے رنگ کیوں اتار دی پہننے کے بعد۔"
"کیوں کہ مجھے شادی نہیں کرنی۔" وہ اسی بے تاثر لہجے میں بولی جس سے وہ بشریٰ سے بات کر رہی تھی۔
"مثال!" بشریٰ کے لیے یہ جملہ کسی دھچکے سے کم نہیں تھا "میری جان تم نے ایسا سوچا بھی کیسے؟" وہ بھی پریشان ہو گئی۔
"اور بیٹا! شادی تو تمہاری ایک نہ ایک دن کسی نہ کسی سے ہونی ہے، وقار بھائی اور فائزہ بھابھی کو میں بہت اچھی طرح سے جانتی ہوں، تمہارے پاپا کے ان لوگوں سے فیملی ٹرمز تھے، بہت اچھے شریف خاندانی لوگ ہی تو......"
"ماما! مجھے اس میں سے کسی بھی بات سے کوئی کنسرن نہیں کہ وہ کیسے لوگ ہیں۔" وہ اکتائے ہوئے لہجے میں کہہ رہی تھی۔
"کیا تمہیں فہد پسند نہیں۔" وہ کچھ پریشان ہوئی، کچھ ڈری۔
"میں نے ایسا بھی نہیں کہا۔" مثال ماما کے اس نصیحتوں بھرے فون سے اکتا گئی تھی۔
بشریٰ نے ایک بار بھی تو نہیں پوچھا تھا کہ وہ کیسی ہے، وہ اس طرح کی باتیں کیوں کرنے لگی ہے۔
"تو پھر کیا بات ہے؟" وہ ذرا سختی سے بولی۔
"کچھ نہیں ہے۔" وہ کوفت سے بولی۔
"کسی کو پسند کرنے لگی ہو؟" بشریٰ رک کر بولی۔
"ایسا کچھ ہوا تو بھی بتا دوں گی۔" وہ اسی انداز میں بولی۔
"پھر کیا مسئلہ ہے؟" بشریٰ نے درشتی سے بولی "کیوں ہم دونوں کو پریشان کر رہی ہو۔"
اسے معلوم تھا بشریٰ اب یہی کہے گی۔
"میں آپ دونوں کو اپنے مسئلے اپنی پریشانی سے آزاد کرنا چاہتی ہوں۔" وہ کچھ دیر بعد ٹھوس لہجے میں بولی۔
"کیا مطلب؟" بشریٰ چونکی۔
"آپ پاپا سے کہہ دیں، وہ مجھے کسی ہاسٹل میں بھیج دیں میں پارٹ ٹائم جاب کرلوں گی اور اپنی تعلیم کا خرچ بھی خود اٹھا لوں گی مگر میں شادی نہیں کروں گی۔ یہ میرا فیصلہ ہے اس سے زیادہ کوئی مجھے مجبور نہیں کرے گا۔"
بشریٰ کو لگا یہ وہ مثال تو نہیں، جسے وہ کچھ مہینے پہلے پاکستان چھوڑ کر آئی ہے۔
"اگر وہ ایسا نہیں کرتے تو تم کیا کرو گی؟" وہ کچھ محتاط لہجے میں پوچھ رہی تھی۔
"میں ایسا کچھ نہیں کرنا چاہتی جس سے آپ لوگوں کو پریشانی ہو اگر میں خود گھر چھوڑ کر چلی گئی تو......" اس نے

حتی الامکان لہجے کو نارمل رکھا۔
"مشال! یہ تم کیا کہہ رہی ہو۔" بشریٰ دھک سے رہ گئی ایسی بات تو اس نے کبھی نہیں سوچی تھی۔
"خدا حافظ ماما! آپ کی کال کافی طویل ہو گئی ہے۔" فارمل لہجے میں کہتے ہوئے اس نے فون بند کر دیا۔

☆ ☆ ☆

"ماما میں کیسی لگ رہی ہوں؟" پری عفت کے سامنے اسٹائلش ڈریس پہنے بہت خوب صورت انداز میں بالوں کا اسٹائل بنائے ہوئے کھڑی تھی۔
"کہاں جا رہی ہو تم اس وقت؟" عفت اس کی تیاری پر کچھ چونک کر بولی۔
"بتایا تو تھا آپ کو مجھے اپنی فرینڈ کی طرف جانا ہے تھوڑی دیر میں آجاؤں گی۔" وہ خود کو آئینے میں تنقیدی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔
"کہاں جانا ہے؟ پاپا آتے ہیں تو وہ چھوڑ آئیں گے تمہیں؟"
"ماما! یہ تین گلیاں چھوڑ کر اس کا گھر ہے' بہت دنوں سے وہ اصرار کر رہی ہے' آج مجھے اس سے کچھ نوٹس بھی لینے ہیں۔ میں آجاؤں گی گھنٹے بھر میں۔" وہ ہینڈ بیگ کی چیزیں چیک کرتے ہوئے اطلاعی انداز میں کہہ رہی تھی۔
"تمہارے پاپا آنے والے ہیں۔" عفت کچھ تشویش سے بولی۔
"سو واٹ۔۔۔ میں کہہ رہی ہوں نا میں جلدی آجاؤں گی۔" وہ کندھے اچکا کر بولی۔
"دانی بھی گھر میں نہیں ہے بس بیگ رکھا کھانا کھایا اور خدا جانے کہاں نکل گیا؟" عفت پریشانی سے بولی۔
"ماما یہ کوئی نئی بات ہے' اس کی روز کی روٹین ہے اور وہ بھی تو روز جاتا ہے' آپ اسے کچھ نہیں کہتیں میں تو صرف آج جا رہی ہوں' آجاؤں گی' جلدی بائے۔" کہہ کر وہ عفت کا جواب سنے بغیر باہر نکل گئی۔
"پتا نہیں ان دونوں کے دماغوں میں کیا چل رہا ہے۔ ایک یہ منحوس مشال یہاں سے دفعان ہو تو عدیل کو اس گھر کے باقی افراد نظر آئیں۔ اچھے بھلے دانی کو ٹائم دینے لگے تھے' پھر سے فراموش کر بیٹھے' پتا نہیں یہ لڑکا کیا کرنا چاہتا ہے۔"
وہ بڑبڑاتی ہوئی اٹھ کر باہر نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

"کون سا لڑکا؟" عدیل کے بیگ کی زپ کھولتے ہاتھ بے اختیار رک گئے۔ اگرچہ عفت نے بہت محتاط انداز میں ساری بات کی تھی' مگر عدیل تو بری طرح سے چونکا تھا اور جس طرح کا مشال کا رویہ تھا اس کا چونکنا غلط بھی نہیں تھا۔
"میں نہیں جانتی وہ پہلے بھی اس لڑکے کے ساتھ ایک دو بار گھر آئی ہے۔ باہر مین روڈ پر اترتی ہے اندر نہیں لے کر آتی ہے پری نے بھی اسے دیکھا ہے کالج سے اس لڑکے کے ساتھ باہر جاتے ہوئے اور آج میں نے۔" عفت رک رک کر یا سیت بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔
"اور تم مجھے آج بتا رہی ہو۔" وہ چلا آیا۔
"مشال' مشال۔۔۔ مشال!" وہ عفت کا جواب سنے بغیر اسے پکارتا ہوا باہر جانے لگا۔
"عدیل یہ غلطی نہیں کریں۔" وہ تیزی سے اس کے سامنے آکر ملتجی لہجے میں بولی۔
"کیا مطلب؟" وہ ماتھے پر بل ڈال کر بولا۔
"اگر آپ نے اس کو سامنے کھڑا کر کے سب کچھ پوچھ لیا تو کیا پتا وہ نڈر ہو کر اقرار کر لے یا کوئی انتہائی قدم اٹھا

لے۔"

"تو تم جھوٹ بول رہی تھیں اس کے بارے میں۔" عدیل غصے سے بولا۔
"مجھے دانی اور پری کی قسم امیں کیوں جھوٹ بولوں گی آپ میری ہر بات کو منفی لیتے ہیں' جائیں پھر جو کرنا چاہتے ہیں کیجیے' پھر اگر اس نے کچھ ایسا ویسا کر دیا تو پھر نہ کہیے گا اور میں صرف اس لیے کہہ رہی ہوں کہ اس کا کوئی بھی عمل میری بیٹی کی راہ کا روڑا ضرور بنے گا' ورنہ وہ تو وہی کرے گی جو اس کی ماں نے کیا ہے آگے آپ کی مرضی۔"
عدیل گم صم سا اسے دیکھتا رہ گیا۔
عفت باہر چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

ورده پری کے آگے پیچھے جا رہی تھی۔ اس کا بس نہیں چل رہا تھا وہ سارا گھر اٹھا کر اس کی مدارت کر ڈالے۔
"ارے بس کرو ناں۔ میں اتنا کچھ نہیں کھاتی۔" پری اس کے والہانہ انداز پر کچھ بوکھلا کر بولی۔
"وہ تو تمہارا شاندار فگر دیکھ کر ہی اندازہ ہو رہا ہے۔" وہ توصیفی انداز میں اسے سراہتے ہوئے بولی۔
"اپنی امی سے تو ملواؤ پھر میں گھر جاؤں۔ مجھے دیر ہو رہی ہے میرے پاپا آفس سے آگئے ہوں گے۔" وہ گھڑی دیکھ کر کچھ عجلت میں بولی۔
"امی نماز پڑھ رہی ہیں۔ بس آ رہی ہیں ہم بیٹھو میں بلا کر لاتی ہوں اور جلدی میں تمہیں نہیں جانے دوں گی ہم ابھی گھنٹہ بھر اور بیٹھو گی' خوب باتیں کریں گے اور فکر نہیں کرو' میں خود تمہیں گھر چھوڑنے جاؤں گی تمہاری ماما اور پاپا سے بھی مل لوں گی اور پرمیشن لے لوں گی کہ ہم دونوں کمبائین اسٹڈی کر لیا کریں۔ کیسا؟"
"ہاں یہ زبردست آئیڈیا ہے لیکن ابھی تو میں جلدی جاؤں گی۔"
"میں آتی ہوں۔" وہ کہہ کر باہر نکل گئی۔
"ارے آپ!" وہ کمرے کے دروازے تک یونہی ٹہلتی ہوئی پہنچی اور اندر آتے واثق سے ٹکراتے ہوئے بے اختیار کہہ اٹھی' وہ بھی آنکھوں میں شناسائی لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

رخسانہ نگار عدنان

عدیل اور فوزیہ نسیم بیگم کے بچے ہیں۔ بشریٰ ان کی بہو ہے اور ذکیہ بیگم کی بیٹی ہے۔ عمران بشریٰ کا بھائی ہے۔ مثال ذکیہ بیگم کی نواسی اور نسیم بیگم کی پوتی ہے۔ بشریٰ اور نسیم بیگم میں روایتی ساس بہو کا تعلق ہے۔ پانچ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد بشریٰ کی نند فوزیہ کا بالآخر ایک جگہ رشتہ طے پا جاتا ہے۔ نکاح والے روز بشریٰ دولہا ضمیر کو دیکھ کر چونک جاتی ہے۔ عدیل سے شادی سے قبل ضمیر کا بشریٰ کے لیے بھی رشتہ آیا تھا مگر بات نہ بن سکی تھی۔ نکاح والے دن فوزیہ کی ساس زاہدہ اور ذکیہ بیگم بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔ بعد ازاں عدیل کو بھی پتا چل جاتا ہے۔ وہ ناراض ہوتا ہے مگر فوزیہ اور نسیم بیگم کو بتانے سے منع کرتا ہے۔ بشریٰ اور عدیل ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جاتے ہیں۔ وہاں انھیں پتا چلتا ہے کہ بشریٰ کے ہاں سات سال بعد پھر خوش خبری ہے۔

عفان اور عاصمہ اپنے تین بچوں اور والد کے ساتھ کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔ عفان کے والد فاروقی صاحب سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ گریجویٹی اور گاؤں کی زمین فروخت کر کے وہ اپنا گھر خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ڈیڑھ کروڑ میں زمین کا سودا کر کے وہ عفان کے ساتھ خوشی خوشی شہر آ رہے ہوتے ہیں کہ ڈکیتی کی واردات میں قتل ہو جاتے ہیں۔ عفان کے قریبی دوست زبیر کی مدد سے عاصمہ، عفان کے آفس سے تین لاکھ روپے اور فاروقی صاحب کی گریجویٹی سے سات لاکھ روپے وصول کر پاتی ہے۔ زبیر گھر خریدنے میں بھی عاصمہ کی مدد کر رہا ہے۔

اسلام آباد سے واپسی پر عدیل دونوں مقتولین کو دیکھتا ہے۔ زاہدہ، نسیم بیگم سے بیس لاکھ روپے سے مشروط فوزیہ کی رخصتی کی بات کرتی ہیں۔ وہ سب پریشان ہو جاتے ہیں۔ عدیل بشریٰ سے ذکیہ بیگم سے تین لاکھ روپے لانے کو کہتا ہے۔

عاصمہ کی مجبوری ہے کہ گھر میں کوئی مرد نہیں۔ اس کا بیٹا ابھی چھوٹا ہے۔ اور سارے کام اس نے خود کرنے ہیں۔ وہ جلد از جلد اپنا گھر خریدنا چاہتی ہے۔ عاصمہ کے کہنے پر زبیر کسی مفتی سے فتویٰ لے کر آجاتا ہے کہ دوران عدت انتہائی ضرورت کے پیش نظر گھر سے نکل سکتی ہے بشرطیکہ مغرب سے پہلے واپس گھر آجائے۔ وہ عاصمہ کو مکان دکھانے لے

جاتا ہے۔ اور موقع سے فائدہ اٹھا کر اسے اپنی ہوس کا نشانہ بناتا ہے اور ویرانے میں چھوڑ کر فرار ہو جاتا ہے۔ وہاں سے وہ عدیل کی مدد سے گھر پہنچ جاتی ہے۔

رقم مہیا نہ ہونے کی صورت میں فوزیہ کو طلاق ہو جاتی ہے۔ نسیم بیگم جذباتی ہو کر سو اور اس کے گھر والوں کو مورد الزام ٹھہرانے لگتی ہیں۔ اسی بات پر عدیل اور بشریٰ کے درمیان خوب جھگڑا ہوتا ہے۔ عدیل طیش میں بشریٰ کو دھکا دیتا ہے۔ اس کا ابارشن ہو جاتا ہے۔ عدیل شرمندہ ہو کر معافی مانگتا ہے مگر وہ ہنوز ناراض رہتی ہے اور اسپتال سے اپنی ماں کے گھر چلی جاتی ہے۔ اسی اسپتال میں عدیل عاصمہ کو دیکھتا ہے جسے بے ہوشی کی حالت میں لایا گیا ہوتا ہے۔ عاصمہ اپنے حالات سے تنگ آکر خودکشی کی کوشش کرتی ہے تاہم بچ جاتی ہے۔ نو سال بعد عاصمہ کا بھائی ہاشم پریشان ہو کر پاکستان آجاتا ہے۔ عاصمہ کے سارے معاملات دیکھتے ہوئے ہاشم کو پتا چلتا ہے کہ زبیر نے ہر جگہ فراڈ کر کے اس کے سارے راستے بند کر دیے ہیں اور اب مفرور ہے۔ بہت کوششوں کے بعد ہاشم نے عاصمہ کو ایک مکان دلایا ہے۔

بشریٰ اپنی واپسی الگ گھر سے مشروط کر دیتی ہے۔ دوسری صورت میں وہ علیحدگی کے لیے تیار ہے۔ عدیل مکان کا اوپر والا پورشن بشریٰ کے لیے سیٹ کروا دیتا ہے۔ بشریٰ کے آنے کے بعد بشریٰ کو مجبور کرتا ہے کہ وہ فوزیہ کے لیے عمران کا رشتہ لائے۔ نسیم بیگم اور عمران کسی طور نہیں مانتے۔ عدیل اپنی بات نہ مانے جانے پر بشریٰ سے جھگڑتا ہے۔ بشریٰ بھی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتی ہے۔ عدیل طیش میں بشریٰ کو طلاق دے دیتا ہے اور مثال کو چھین لیتا ہے۔ مثال بیمار پڑ جاتی ہے۔ بشریٰ بھی حواس کھو دیتی ہے۔ عمران بہن کی حالت دیکھ کر مثال کو عدیل سے چھین کر لے آتا ہے۔ عدیل عمران پر اغوا کا پرچا کٹوا دیتا ہے۔

عاصمہ اسکول میں ملازمت کر لیتی ہے مگر گھریلو مسائل کی وجہ سے آئے دن چھٹیاں کرنے کی وجہ سے ملازمت چلی جاتی ہے۔

انسپکٹر طارق دونوں فریقین کو سمجھا بجھا کر مصالحت پر آمادہ کرتے ہیں۔ ذکیہ بیگم کی خواہش ہے کہ عدیل 'مثال کو لے جائے' تاکہ وہ بشریٰ کی کہیں اور شادی کر سکیں۔ دوسری طرف نسیم بیگم بھی ایسا ہی سوچ بیٹھی ہیں۔ فوزیہ کی اچانک شادی کے بعد نسیم بیگم کو اپنی جلد بازی پر پچھتاوا ہونے لگتا ہے۔ انسپکٹر طارق 'ذکیہ بیگم سے بشریٰ کا رشتہ مانگتے ہیں۔ ذکیہ بیگم خوش ہو جاتی ہیں مگر بشریٰ کو یہ بات پسند نہیں آتی۔

وہ کرین کارڈ کے لالچ میں بشریٰ سے منگنی توڑ کر نازیہ بھٹی سے شادی کر لیتا ہے' پھر شادی کے ناکام ہو جانے پر ایک بیٹے سیفی کے ساتھ ایک طویل عرصے بعد دوبارہ اپنی چچی ذکیہ بیگم کے پاس آجاتا ہے اور ایک بار پھر بشریٰ سے شادی کا خواہش مند ہوتا ہے۔ بشریٰ تذبذب کا شکار ہو جاتی ہے۔

بشریٰ اور احسن کمال کی شادی کے بعد عدیل مستقل طور پر مثال کو اپنے ساتھ رکھنے کا دعوا کرتا ہے مگر بشریٰ قطعی نہیں مانتی' پھر احسن کمال کے مشورے پر دونوں بمشکل راضی ہو جاتے ہیں کہ مہینے کے ابتدائی پندرہ دنوں میں مثال بشریٰ کے پاس رہے گی اور بقیہ پندرہ دن عدیل کے پاس۔ گھر کے حالات اور نسیم بیگم کے اصرار پر بالآخر عدیل عفت سے شادی کر لیتا ہے۔ والدین کی شادی کے بعد مثال دونوں گھروں کے درمیان گھن چکر بن جاتی ہے۔ بشریٰ کے گھر میں سیفی اور احسن اس کے ساتھ کچھ اچھا برتاؤ نہیں کرتے اور عدیل کے گھر میں اس کی دوسری بیوی عفت۔ مثال کے لیے حوزن میں تنگ بشریٰ اور عدیل کے نئے بچوں کی پیدائش کے بعد بڑھ جاتی ہے۔ مثال اپنا اعتماد کھو بیٹھتی ہے۔ احسن کمال اپنی فیملی لے کر ملائیشیا چلا جاتا ہے اور مثال کو تاریخ سے پہلے عدیل کے گھر بھجوا دیتا ہے۔ دوسری طرف عدیل اپنی بیوی بچوں کے مجبور کرنے پر مثال کے آنے سے قبل اسلام آباد چلا جاتا ہے۔ مثال مشکل میں گھر جاتی ہے۔ پریشانی کی حالت میں اسے ایک منشی تنگ کرنے لگتا ہے تو عاصمہ آکر اسے بچاتی ہے۔ پھر اپنے گھر لے جاتی ہے۔ جہاں سے مثال اپنے ماموں عمران کو فون کر کے بلواتی ہے اور اس کے گھر چلی جاتی ہے۔

عاصمہ کے حالات بہتر ہو جاتے ہیں۔ وہ نسبتاً "پوش" ایریا میں گھر لے لیتی ہے۔ اس کا کوچنگ سینٹر خوب ترقی کر جاتا

ہے۔ مثال واثق کی نظروں میں آچکی ہے تاہم دونوں ایک دوسرے سے واقف نہیں ہیں۔

عاصمہ کا بھائی ہاشم ایک طویل عرصے بعد پاکستان لوٹ آتا ہے اور آتے ہی عاصمہ کی بیٹیوں اریشہ اور اریبہ کو اپنے بیٹوں وقار، وقاص کے لیے مانگ لیتا ہے۔ عاصمہ اور واثق بہت خوش ہوتے ہیں۔

سیفی، مثال پر بری نیت سے حملہ کرتا ہے تاہم مثال کی چیخوں سے سب وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ سیفی الٹا مثال پر الزام لگاتا ہے کہ وہ اسے بہکارہی تھی۔ احسن کمال بیٹے کی بات پر یقین کرلیتا ہے۔ مثال اور بشریٰ مجبور اور بے بسی سے کچھ کہہ نہیں پاتیں۔ احسن کمال پوری فیملی سمیت دوسرے ملک میں شفٹ ہوجاتا ہے۔ بشریٰ مثال کو مستقل عدیل کے گھر چھوڑ جاتی ہے۔ جہاں عفت اور پریشے اسے خاطر میں نہیں لاتیں۔ واثق کو بہت اچھی نوکری مل جاتی ہے۔ مثال اور واثق کے درمیان ان کہا سا تعلق بن جاتا ہے۔ مگر مثال کی طرف سے دوستی اور محبت کا کوئی واضح اظہار نہیں ہے۔ واثق البتہ کھل کر اپنے جذبات کا اظہار کرچکا ہے۔ واثق، عاصمہ سے اپنی کیفیت بیان کرتا ہے۔ عاصمہ خوش ہوجاتی ہے مگر غائبانہ ذکر پر بھی مثال کو پہچان نہیں پاتی۔ واثق عاصمہ کو لے کر مثال کے گھر ملنے جاتا ہے۔ مگر دروازے پر عدیل کو دیکھ کر عاصمہ کو برسوں پرانی رات یاد آجاتی ہے۔ جب زبیر نے عاصمہ کی عصمت دری کرکے اسے ویرانے میں چھوڑدیا تھا اور عدیل نے عاصمہ کو گھر پہنچایا تھا۔ اگرچہ عدیل نے اس وقت بھی نہیں سمجھا تھا کہ عاصمہ پر کیا بیتی ہے اور اب بھی اس نے عاصمہ کو نہیں پہچانا تھا مگر عاصمہ کو عدیل بھی یاد تھا اور اپنے ساتھ ہونے والا وہ بھیانک حادثہ بھی۔ شرمندگی اور ذلت کے احساس سے عاصمہ کو انجائنا کا اٹیک ہوجاتا ہے۔ واثق دروازے سے ہی ماں کو اسپتال لے جاتا ہے۔ مثال اس کا انتظار کرتی رہ جاتی ہے۔ پھر بہت سارے دن یوں ہی گزر جاتے ہیں۔ ان ہی دنوں عدیل اپنے دوست کے بیٹے فہد سے مثال کا رشتہ طے کردیتا ہے۔ عفت، مثال کے لیے اتنا بہترین رشتہ دیکھ کر بری طرح جل جاتی ہے۔ اس کی دلی خواہش ہے کہ کسی طرح یہ رشتہ پریشے سے طے ہوجائے۔ مثال بھی اس رشتے پر دل سے خوش نہیں ہے۔ مگر وہ اپنی کیفیت سمجھ نہیں پارہی۔ عاصمہ کی طبیعت ذرا سنبھلتی ہے تو وہ مثال کی طرف جانے کا ارادہ کرتا ہے۔ اتفاق سے اسی دن مثال کی فہد سے منگنی کی تقریب ہورہی ہوتی ہے۔ وہیں کھڑے کھڑے واثق کی ملاقات پریشے سے ہوجاتی ہے جو کافی ناز و ادا سے واثق سے بات کرتی ہے اور اس بات سے بے خبر ہوتی ہے کہ اس کی کلاس فیلو ردہ جو اسے بہت پسند کرتی ہے، واثق کی بہن ہے۔ منگنی کے بعد مثال ایک دم شادی سے انکار کردیتی ہے۔ عفت خوش ہوجاتی ہے۔ عدیل بہت غصہ کرتا ہے اور بشریٰ کو فون کرکے مثال کو بھیجنے کی بات کرتا ہے۔ گھر میں ٹینشن پھیلی ہے۔ اسی ٹینشن میں مثال کالج کی لائبریری میں واثق سے ملتی ہے۔ واپسی میں عفت اسے واثق کے ساتھ دیکھ لیتی ہے اور عدیل کو بتادیتی ہے۔ عدیل از حد پریشان ہوجاتا ہے۔ پریشے، ردہ سے ملنے اس کے گھر جاتی ہے تو واثق سے ملاقات ہوجاتی ہے۔

۲۴
چوبیسویں قسط

پری کی آنکھوں میں چمک اور عجیب سی خوشی ابھری۔ واثق کے مسکراتے لب اس کی آنکھوں کی چمک کو دیکھ کر آہستہ آہستہ مسکراتے چلے گئے۔

"ہائے!" پری نے بے تکلفی سے مسکراتے ہوئے اپنا دودھیا نرم و گداز ہاتھ اس کی طرف بڑھایا۔ واثق اس کے انداز کو بس دیکھ کر رہ گیا۔

"آپ۔ کون؟" وہ کچھ مروّت بھرے لہجے میں فقط یہی کہہ سکا۔

"سلام دعا کا فیشن نہیں ہے کیا آپ کے ہاں؟" وہ شوخی سے آگے ہو کر گنگنانے والے انداز میں بولی۔

"آپ کے خیال میں سلام دعا ایک فیشن ہے۔ فیشن جو ٹائم بائی ٹائم بدلتا ہے۔" وہ الٹا تنقیدی انداز میں جتانے کو پوچھنے لگا۔

"میں پری ہوں۔" وہ مزید کسی بے کار بحث میں الجھنے کے بجائے بڑے فخریہ انداز میں اپنا تعارف کرانے لگی۔
"اور پلیز! یہ مت کہیے گا کہ آپ واقعی پری ہیں۔" پھر فوراً ہی مشورانہ انداز میں بولی۔
وہ بے ساختہ ہنس پڑا۔
"بٹ رئیلی! میں۔ یہی کہنا چاہتا ہوں۔ تم واقعی پری تو نہیں؟" وہ کچھ طنزیہ کچھ شوخ لہجے میں بولا۔
پری نے ۔ آنکھیں سکوڑ کر واثق کو دیکھا۔
"آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں؟"
"کمپلیمنٹ بھی آپ کو مذاق لگتا ہے۔ رئیلی یو آر اے فیری۔" وہ آنکھوں میں تحسین لیے کہتا ایک دم سے پری کو بے حد اچھا لگا۔
"ہاں۔ یہ الگ بات ہے آپ کو یہ کمپلیمنٹ بار بار سننا اچھا لگتا ہوگا۔ ہے نا۔" وہ شرارت سے بولا۔
"میں اتنی بھی خود پرست نہیں ہوں۔" وہ کچھ ٹھنک کر بولی۔
"لیکن تھوڑی بہت تو ہیں نا!" وہ جتاتے ہوئے کہہ کر جانے لگا۔
"اللہ آپ دونوں میں تعارف ہو بھی گیا اور میں نے جو اتنا شاندار ابتدائیہ سوچ رکھا تھا کہ آپ دونوں کے تعارف سے پہلے یہ کہوں گی یوں کہوں گی اور۔" ورد پیچھے سے آکر تاسف بھرے لہجے میں پیار کے کہتی چلی گئی۔
"او بہن میری! ایسے فل اسٹاپ کوما وغیرہ بھی لگالیا کرو' یہ بھی ہماری زبان کا حصہ ہیں۔" واثق اس کے تیز تیز بولنے سے کچھ چڑ کر بولا۔
"بھائی! یہ پری ہے۔" وہ جلدی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر پھر سے کھینچ کر پری کے سامنے لاتے ہوئے بے تابی سے بولی۔
"اف!" وہ مصنوعی انداز میں سر پکڑ کر کراہا۔
"سنو لڑکی! تمہارا اصل نام کیا ہے؟" وہ پری سے تیز لہجے میں پوچھ رہا تھا۔
"پریشے۔" وہ کچھ کنفیوز ہو کر جلدی سے بولی۔
"او کے۔ زیادہ بہتر یہی ہے کہ ان محترمہ کو ان کے مکمل نام سے پکارا جائے۔ یہ بار بار پری پری کی گردان سے بندہ اچھا خاصا کنفیوز ہو جائے کہ واقعی آسمانوں سے اللہ نے کوئی پری تو نہیں بھیج دی۔" وہ دونوں کے چہروں کے بدلتے تاثرات دیکھتے ہوئے کچھ محظوظ ہونے والے انداز میں کہنے لگا۔
"بھائی!" ورد تو رو دینے کو تھی۔ اس کی اتنی خوب صورت سہیلی جسے آج اس نے گھر میں کسی سرپرائز کی طرح بلایا تھا۔ اسے نکا واثق اس کی بے عزتی کر رہا ہے۔
"اب آپ زیادتی کر رہے ہیں۔ قسم سے میری دوست کسی بھی آسمانی پری سے کم نہیں۔" وہ روہانسی ہو کر بولی۔
"آپ واپس کب جا رہی ہیں؟" وہ جھک کر سنجیدگی سے پری سے پوچھ رہا تھا۔
"جی!" پری سخت حیرت زدہ تھی۔ کوئی یوں تھوڑی پوچھتا ہے مہمان سے!
"آسمانوں پہ۔" وہ فوراً تصحیح کرتے ہوئے پوچھنے لگا۔
پری نے بے بسی سے مدد طلب نظروں سے ورد کی طرف دیکھا۔
"بھائی! یہ بالکل بھی اچھی بات نہیں ہے۔" وہ شاکی لہجے میں بولی۔
"کیا! انہیں واپس نہیں جانا؟" وہ بوکھلا کر مصنوعی حیرانی سے بولا۔

"کیا اسے جانا چاہیے؟" وہ الٹا معنی خیز انداز میں واثق سے پوچھنے لگی۔ وہ اسے جواباً گھور کر رہ گیا۔
اسی وقت عاصمہ نماز پڑھ کر دوپٹا ٹھیک کرتی ان کے درمیان آ گئی۔ در وہ بڑے متاثر کن انداز میں پری کا ماں سے تعارف کرانے لگی۔
واثق کو کھسکنے کا موقع مل گیا۔
پری اسے دور تک جاتے دیکھتے ہوئے جانے کیا کیا سوچتی چلی گئی۔
"اس دن مشال کی انگیجمنٹ والے دن یہ شخص مجھے نظر آیا اور پہلی نظر میں مجھے اتنا اچھا لگا کہ میں نے اس کے پھر ملنے کی دعا کی تھی اور میری دعا اتنی جلدی قبول ہوگی۔ میں نے سوچا نہیں تھا لیکن مجھے لگتا ہے اللہ تعالیٰ ضرور میری یہ خواہش پوری کرے گا ______ تب ہی تو یہ مجھے پھر مل گیا۔ مل گیا۔" وہ خود ہی اپنی سوچ پر ہنس پڑی۔
"ارے واہ! تم کیوں ہنسیں ہم دونوں کمبائن اسٹڈی ہی تو کریں گے۔ خدانخواستہ کچھ اور تو نہیں میرے کہنے پر یوں ہنس پڑیں۔" در وہ اس کے یوں ہنسنے پر اسے ٹھوکا دے کر بولی تو وہ سر ہلا کر مسکرانے لگی۔
عاصمہ دونوں کو دیکھ کر شفقت سے مسکراتے ہوئے جانے لگی۔
"میں اندر ہوں کمرے میں' در وہ! اگر کچھ کھانے کے لیے چاہیے ہو تو نسرین کو بتا دینا' وہ ابھی یہیں ہے رات میں جائے گی۔" وہ ملازمہ کا بتا کر جانے لگی۔
"جی امی! میں کہہ دوں گی۔" پیچھے سے آواز لگا کر در وہ نے جواب دیا۔ پری ابھی بھی کسی سوچ میں گم تھی۔
"ارے! تم کیا سوچ سوچ کر مسکرائے جا رہی ہو۔" در وہ اتنی بھی سیدھی نہیں تھی جتنا پری اسے سمجھے ہوئے تھی۔
"تو اب کیا مجھے مسکرانا بھی نہیں چاہیے۔" وہ الٹا خفگی سے بولی۔
"پہلے تو تم ذرا بھی مسکرا نہیں رہی تھیں۔ اتنی بری شکل بنا کر بیٹھی تھیں جیسے میں تمہیں زبردستی باندھ کر لائی ہوں یہاں۔"
وہ جتانے والے انداز میں بولی تو پری فوری طور پر کچھ کہہ نہیں سکی۔
"اب میں چلوں در وہ! کافی لیٹ ہو گئی ہوں' امی کو میں تھوڑی دیر کا ہی کہہ کر آئی تھی۔"

☼ ☼ ☼

"کیا وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے؟" عدیل کو یہ بات سوچنا اور ہضم کرنا بہت مشکل لگ رہی تھی۔
اسے عفت کی بات پر بھی کچھ شک تھا۔
بشریٰ یہ بات ___ نہیں مانتی کہ مشال کسی میں دلچسپی رکھتی ہے۔ اس نے صاف کہہ دیا تھا کہ مشال اس ٹائپ کی لڑکی نہیں ہے۔ لیکن عفت بلاوجہ اپنے بچوں کی قسم نہیں کھا سکتی۔
دل دلیل پر تلا ہوا تھا۔ دماغ بھی اس کا ساتھ دیتا' مگر پھر عدیل کو لگتا یہ سب غلط ہے ایسا نہیں ہو سکتا۔
اسے ایک عجیب سا خوف بھی محسوس ہونے لگا تھا۔
اگر مشال نے یہ بات کہہ دی کہ ہاں وہ واقعی کسی اور کو پسند کرتی ہے بھلے ضد میں بھلے کسی اور وجہ سے ___ تو وہ کیا کرے گا' اسے زبردستی روک تو نہیں سکے گا اور اس کا رشتہ وہاں بھی نہیں کر سکے گا' جہاں وہ چاہے گی۔
اور بشریٰ کے پاس مشال کو بھجواتا۔ وہ بات کر کے دیکھ چکا تھا' یہ بات سنتے ہی بشریٰ کی اور مشال کی حالت بگڑنے

لگتی۔

کچھ بھید بھاؤ اس میں بھی تھا جو دونوں ہی یہ نہیں چاہتی تھیں لیکن جب سیدھے سیدھے شادی ہو رہی ہے، اتنے اچھے رشتے کا مل جانا کسی نعمت سے کم نہیں تو پھر مشال کو کیا مسئلہ ہے؟

وہ عفت کے مشورے پر عمل کرتے ہوئے فوری طور پر مشال سے کچھ نہیں پوچھ سکا تھا۔

مگر بے قرار دل کو چین بھی ایک پل نہیں آرہا تھا۔

"نہیں مجھے ایک بار تو مشال سے بات کرنا ہو گی۔" وہ طے کرنے والے انداز میں خود سے کہہ کر باہر نکلنے لگا کہ اس کا فون بجنے لگا۔ اس نے بے زاری سے اجنبی نمبر دیکھ کر کال ریسیو کی تھی مگر دوسرے لمحے اس کے ہاتھوں کے توتے اڑ گئے تھے۔

"جی بات کر رہا ہوں عدیل احمد!" استفسار پر اس نے ناگواری سے جواب دیا تھا۔

"دانیال احمد کے والد ہیں آپ؟" اگلا استفسار چونکا دینے والا تھا۔ عدیل ٹھٹھک کر رہ گیا۔

"جی۔ دانیال میرا ہی بیٹا ہے، آپ کون ہیں؟" وہ سمجھا شاید دانیال کے کسی دوست کے والد ہوں گے یا کوئی ٹیچر۔ اسے لگا شاید اس کی طرف سے کوئی شکایت ہے، سو متوجہ ہو کر دوسری طرف کا جواب سننے لگا۔

"آپ کو اسی وقت تھانے آنا ہو گا۔ میں انسپکٹر رؤف بات کر رہا ہوں۔ آپ کا بیٹا ہمارے پاس ہے۔" اس سے آگے انسپکٹر تھانے کا پتا بتا رہا تھا اور عدیل جیسے کچھ بھی سن نہیں پا رہا تھا۔

"تو آپ پہنچ رہے ہیں۔ میں آپ کا ویٹ کر رہا ہوں خدا حافظ۔" کہہ کر فون بند کر دیا گیا۔

عدیل سن ہاتھوں کے ساتھ فون ایک طرف ڈال کر نڈھال سا بیٹھ گیا۔

اس کا دماغ چند لمحوں میں جیسے ماؤف ہو کر رہ گیا تھا۔

"یہ پری مجھے گھنٹہ بھر کا کہہ کر گئی تھی اپنی دوست کی طرف، ابھی تک آئی نہیں۔" عفت استری کیے ہوئے کپڑوں کے ہینگرز ہاتھ میں لیے اندر آکر الماری میں لٹکاتے ہوئے بڑبڑاتے ہوئے کچھ اطلاعی انداز میں بول رہی تھی۔

عدیل کے چہرے پر دوسرے لمحے طیش بھرے تاثرات ابھر آئے۔

"آپ اس طرح کیوں بیٹھے ہیں، فائزہ بھابھی کی کال آئی تھی وہ بس میں آپ کو بتانا بھول گئی۔ فہد جلد آرہا ہے۔ وہ کہہ رہی تھیں اور آتے ہی شادی کی تاریخ رکھ دیں گے۔ انہوں نے تیاریاں شروع کر دی ہیں۔ ان کے فون کا مقصد یہی تھا کہ ہم بھی تیاریاں شروع کر دیں۔ سن رہے ہیں نا آپ؟" وہ اونچی آواز میں کہہ رہی تھی۔

"دانی کہاں ہے؟" وہ اس کے سر پر پہنچ کر درشت لہجے میں بولا۔ عفت اس بات کے لیے تیار نہیں تھی۔

وہ ششدر سی عدیل کو دیکھتی رہ گئی۔

اس نے باقی ہینگرز یونہی بیڈ کے کنارے پر رکھ دیے۔ اسے لگا عدیل کے ساتھ کچھ ہو گیا ہے۔

"کیا مطلب؟ وہ اس کا میچ تھا۔ آج کرکٹ کا۔ تو اسکول سے آکر وہیں گیا ہے۔ کل ان کے اسکول میں کمپٹیشن ہے۔" وہ کچھ ڈری ہوئی اٹک اٹک کر کہہ رہی تھی۔

"اری غافل عورت، کس طرح کی ماں ہو تم کہ تمہیں کسی بھی بات کا ہوش نہیں ہے۔ دوسروں کے عیب اور برائیاں ڈھونڈنے سے فرصت ملے تمہیں تو تم اپنی اولاد کی طرف دھیان دو۔"

عدیل کا لہجہ، اس کا طرز تخاطب اور الزامات۔

عفت کو لگا جیسے کسی نے اس پر پٹرول سے بھرا گیلن الٹا دیا ہو اور اب دیا سلائی بھڑکنے کو ہے۔

"میری اولاد... میری اولاد میکے سے لے کر آئی تھی میں؟ یا کسی یتیم خانے سے پکڑ کر جو ہر وقت ایک ہی بات کا طعنہ بن کر آپ کے منہ پر رہنے لگی ہے؟ آپ کے کچھ نہیں لگتے کیا وہ دونوں؟" وہ پاگلوں کی طرح چیخنے لگی تھی۔

"وہ اس وقت کسی مصیبت میں نہیں ہے۔ حوالات میں ہے۔ جانتی ہو تم؟" وہ غرا کر اسے حقارت سے پرے دھکیل کر بولا۔

اور عفت کو لگا کسی نے اس کے پورے وجود کو مٹھی میں بھینچ لیا ہو۔ اس سے سانس بھی نہیں لیا جا رہا تھا۔

وہ بے یقین نظروں سے ہونٹ بھینچے عدیل کو دیکھے جا رہی تھی۔

"قسم لے لیں عدیل... دانیال اور پری آپ کے بچے ہیں۔ میں خدا کو گواہ بنا کر کہتی ہوں پھر آپ نے کیوں اپنی اولاد سے اس طرح کا بیر باندھ لیا ہے۔" وہ سر پکڑ کر وہیں نیچے بیٹھ گئی۔ اور گھٹی گھٹی ہچکیوں سے رونے لگی۔

عدیل کو لگا اس کا ذہنی توازن بگڑ گیا ہے۔

"وہ صرف میرا بیٹا نہیں ہے۔ وہ آپ کا بھی ہے۔ آپ کا خون' آپ کا اکلوتا بیٹا پھر آپ اس کے بارے میں ایسی بات کیسے کر سکتے ہیں... کیسے؟" وہ آخر میں چیخی تھی۔

"عفت...!" عدیل بھی ضبط کھو بیٹھا۔ "تم میری بات سن بھی رہی ہو یا نہیں؟" وہ سخت غصے اور اور جھلاہٹ میں چیخا تھا۔

"دانیال تھانے میں ہے۔ مجھے ابھی پولیس اسٹیشن سے کال آئی ہے۔ انہوں نے فوری طور پر مجھے تھانے بلایا ہے۔" وہ زور سے سمجھانے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔ عفت اور بھی حیرت زدہ نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"پتا نہیں ابھی اور کیا دیکھنا باقی ہے مجھے اس اولاد کے ہاتھوں؟ ابھی جوان نہیں ہوا یہ لڑکا اور باپ کو تھانے کے چکر لگوانے لگا۔" وہ بڑبڑاتے ہوئے الماری سے اپنی چیزیں نکالنے لگا۔

"اور سن لو! اگر کچھ سیریس معاملہ ہوا' کوئی ایسی ویسی بات تو قسم سے میں اسے وہیں چھوڑ کر چلا آؤں گا۔ جرم کی سرپرستی تو بہر حال میں نہیں کر سکتا۔"

وہ اس کے قریب رک کر تنبیہ سے جتانے والے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ وہ تیزی سے اٹھ کر اس کے پیچھے لپکی۔

"عدیل! رکیں... میں... مجھے بھی جانا ہے آپ کے ساتھ۔" وہ حواس باختہ سی دوپٹے سے بے خبر اس کے پیچھے آ رہی تھی۔

"میرے ساتھ تم تھانے چلو گی؟" وہ حقارت سے بولا اور رات کا کھانا تیار کرتی مشل کے ہاتھ وہیں رک گئے۔ وہ عدیل کی بات سن کر حیران سی رہ گئی۔

"میں جاؤں گی۔ میں جا رہی ہوں۔ مجھے اپنے بیٹے کے پاس جانا ہے' پلیز مجھے ساتھ لے کر چلیں۔" وہ آنکھوں میں جمے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ منت بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ مشال آہستگی سے کچن کے دروازے میں آ کر کھڑی ہو گئی۔

"تم ہوش میں تو ہو؟" وہ نیچی آواز میں غرایا۔

"خدا کے لیے میری ممتا کا اور امتحان نہیں لیں۔ مجھے جانا ہے دانی کے پاس۔ ساتھ لے کر جائیں مجھے پلیز۔"

وہ مشال کی موجودگی سے بے خبر منت کر رہی تھی۔

"عفت! میرا دماغ خراب نہیں کرو میں جا رہا ہوں ابھی پولیس اسٹیشن' وہاں کیا معاملہ پیش آنے والا ہے' مجھے کچھ معلوم نہیں۔ تم مجھے یوں روک کر مزید پریشان نہیں کرو۔ میں وہاں جاتے ہی تمہیں کال کر کے بتا دوں گا کہ کیا معاملہ ہے۔ چلتا ہوں میں۔" وہ درشتگی سے کہہ کر جانے لگا۔

"عدیل! خدا کے لیے مجھے ساتھ لے کر جائیں۔۔۔" وہ روتی ہوئی اس کے پیچھے گئی۔ عدیل ان سنی کرتا باہر جا چکا تھا۔ عفت بے آواز آنسوؤں سے رونے لگی۔

☆ ☆ ☆

"یہ کیا کہہ رہی ہو تم وردہ!" عاصمہ اور واثق تو جیسے ششدر رہ گئے۔ وردہ کے چہرے پر جوش اور اطمینان تھا۔
واثق کے چہرے پر اب ہلکا ہلکا غصہ نمودار ہونے لگا تھا۔
"تمہاری اس فضول بات کا مطلب کیا ہے۔" وہ اپنا غصہ زیادہ دیر تک چھپا نہیں سکا۔
وردہ واثق کے لہجے پر لمحہ بھر کو کچھ پریشان سی ہو گئی۔
"وردہ! سوچ سمجھ کر بولا کرو۔" عاصمہ نے بھی اسی لہجے میں اسے گھرکا۔
"امی! کیا ہے۔ اس گھر میں کوئی اچھی بات کرنے پر بھی ڈانٹ ڈپٹ ضروری ہوتی جا رہی ہے۔" وہ منہ بنا کر بولی۔ عاصمہ اور واثق ایک دوسرے کو دیکھ کر رہ گئے۔
"امی! کیا میں غلط کہہ رہی ہوں۔ پلیز آپ ایمان داری سے بتائیں۔" وہ دونوں کو خاموش دیکھ کر فوراً بولی۔
واثق نے کھانا وہیں چھوڑ دیا۔
"تمہاری عمر ہے ایسی باتیں کرنے کی؟" عاصمہ کو اس طرح اسے منع کرنا ٹھیک لگا۔
"تم تو امی! مجھے کیا ہوا ہے؟ پھر آپ بھی تو بھائی کے لیے لڑکیاں دیکھ رہی ہیں۔ اگر ایک لڑکی میں نے پسند کر لی تو کیا برا کیا۔"
"وردہ۔" واثق کو اب اس پر غصہ آنے لگا تھا۔
"واثق! تم کھانا کھاؤ۔ اسے بولنے دو۔" وہ واثق کو غصے میں دیکھ کر نرمی سے بولی۔
"امی! پری ہر لحاظ سے بھائی کو سوٹ کرے گی۔ دونوں کی جوڑی چاند سورج کی ہے۔ اتنا پرفیکٹ کپل ہو گا کہ لوگ آپ کو مبارک باد دیا کریں گے راستہ روک روک کر۔" وہ واثق کو آنکھ مار کر بولی۔
"امی! اسے چپ کروا لیں۔" وہ وردہ سے کچھ سخت نہیں کہنا چاہتا تھا۔ اس لیے اس کو براہ راست نہیں ٹوکا۔
"وردہ بیٹا! یہ بات ٹھیک نہیں ہے۔"
"امی! مجھے کوئی ایک ریزن بتا دیں انکار کی۔" وہ بھی اسی لہجے میں بولی۔ یوں بھی واثق اور عاصمہ نے وردہ کو بہت لاڈ میں رکھا ہوا تھا۔ وہ ہر طرح کی بات آرام سے کر لیا کرتی تھی۔
"بیٹا! واثق اور پری کا ایج ڈیفرنس دیکھا ہے تم نے؟" عاصمہ کے فوری طور پر یہی وجہ سمجھ میں آ سکی تو بولی۔
"اللہ کو مانیں امی!" وردہ کھانا چھوڑ کر دونوں ہاتھ کانوں کو لگا کر بڑے متفکرانہ لہجے میں بولی۔ دونوں بے اختیار مسکرانے لگے۔
"تم چاہتی کیا ہو؟" واثق اب دلچسپی لیتے ہوئے بولا۔
"پری! ہمارے گھر میں آ جائے میرے پیارے سے اتنے ہینڈسم وجیہہ بھائی کی دلہن بن کر اور امی! یقین مانیں میں نے یہ بات اسی دن سوچ لی تھی جس دن میں نے پری کو پہلی بار دیکھا تھا۔" وہ شوق سے کہہ رہی تھی۔

"امی۔۔۔ یہ کیا پڑھنے جاتی ہے کالج میں ؟" واثق اسے گھور کر بولا۔
"اب تو میں کہہ سکتی ہوں "یہی" پڑھنے جاتی ہے۔" عاصمہ کچھ بے بسی سے بولی۔
"اس لیے تو اس کے گریڈز کا حال دیکھ لیں فرسٹ ٹرم میں۔۔۔" وہ بھی لقمہ دیتے ہوئے بولا۔

وررہ دونوں کو دیکھ کر ایک دم سے رونے لگی۔

"حد ہے بھئی۔ یہ تمہارا حوصلہ ہے اور اتنی اتنی سی بات پر رونے لگوگی تو آگے کیا کروگی؟" وہ اسے ٹشو دیتے ہوئے چھیڑنے کے سے انداز میں بولا۔

"آگے کیا مطلب؟" وہ آنسو بھری آنکھوں سے بولی۔

"مطلب جب تم اپنے بھیا کا پروپوزل اس پری کے لیے لے کر جاؤگی اور وہاں تمہیں جوتے پڑیں گے تم تو وہیں رونا شروع کردوگی۔" وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔

وررہ اور بھی شدت سے رونے لگی۔

"وررہ! کیا بچپنا ہے یہ کیوں اس طرح بے وجہ رونے لگی ہو' کھانا کھاؤ ٹھیک طرح سے۔" عاصمہ نے اسے ڈانٹا۔

"میری تو اس گھر میں کوئی ویلیو ہی نہیں ہے' مجھے تو کوئی کچھ سمجھتا ہی نہیں۔" اس کے رونے میں اور بھی شدت آگئی۔ عاصمہ نے بے بسی سے واثق کو دیکھا۔

"او کے تم رو لو جی بھر کر اور اس خوش فہمی میں مت رہنا کہ تمہاری فضول باتوں کی حوصلہ افزائی کے لیے تمہیں شہہ دی جائے گی۔ آج اگر تم نے یہ بات مذاق میں کہہ دی ہے۔ تو میں اگنور کررہا ہوں۔" واثق سنجیدہ تھا۔ اٹھ کر کھڑا ہوا تو وررہ کچھ سہم کر خاموش ہو کر اسے دیکھنے لگی۔

"لیکن آئندہ اگر تم نے اس طرح کی بات سنجیدگی میں کی تو وررہ! یاد رکھنا' تمہارا بڑا بھائی ہوں۔ مجھے اس طرح کا مذاق دوسری بار پسند نہیں آئے گا۔"

"بھائی!" وہ ششدر سی رہ گئی۔

"یہ میری زندگی کا معاملہ ہے۔ تم اس طرح کسی بھی راہ چلتی لڑکی کا نام میرے ساتھ جوڑ کر مجھے مذاق کا نشانہ بنانا چاہو۔ یہ میں برداشت نہیں کروں گا۔ چھوٹی ہو گھر میں' سو اسی حساب سے بات کرو۔" وہ سخت درشت لہجے میں کہتا ہوا وررہ اور عاصمہ کے تاثرات دیکھے بغیر تیزی سے وہاں سے چلا گیا۔ دونوں کچھ دیر کے لیے بالکل خاموش ہوگئیں۔ دوسرے لمحے وررہ پھر سے رونے لگی۔

"وررہ بس کرو' بہت ہوگیا' واثق نے کھانا بھی ٹھیک سے نہیں کھایا۔ کم از کم تمہیں کھانے کے دوران یہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا۔ اب تم سمجھ دار ہوتی جارہی ہو' کم از کم کسی بات کو کرنے کا موقع محل سمجھ سکتی ہو۔" عاصمہ نے بھی اسے ڈانٹا۔

"امی! کیا اتنی ہی بڑی بات کردی میں نے' جو بھائی نے اس طرح سے مجھے ڈانٹ دیا ہے۔ پری اتنی بری ہے کیا؟" اس کی سوئی وہیں اٹکی ہوئی تھی۔

عاصمہ نے بے اختیار ماتھے پر ہاتھ رکھا۔

"اب تم دوبارہ اس لڑکی کا نام نہیں لوگی۔ او کے! کھانا کھاؤ۔ میں واثق کو دے کر آتی ہوں۔" عاصمہ اٹھ کر چلی گئی' وررہ یونہی بیٹھی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

"ماما! پاپا کا فون نہیں آیا؟" پری سخت پریشانی میں اندر آکر ماں سے پوچھنے لگی۔

عفت جو اُجڑے حلیے میں بیٹھی تھی' نفی میں سر ہلا کر پھر آنسو پینے لگی۔ مثال اس کے پاس بالکل خاموش بیٹھی تھی۔

"میں نے کہا بھی تھا کہ مجھے ساتھ لے جائیں۔ میں چلی جاتی تو یوں ان چار گھنٹوں میں ہزار بار مرتی تو نہیں۔"
وہ سخت گھٹی گھٹی سسکیاں لینے لگی۔ مثال کو اس پر بے تحاشا ترس آیا۔
وہ اٹھ کر خاموشی سے پانی کا گلاس لے آئی اور عفت کے آگے کیا' وہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔ دوسرے لمحے وہ پانی کا گلاس لے کر پینے لگی۔
"پاپا نے کچھ بتایا بھی نہیں کیوں پکڑا ہے انہوں نے ان کو۔" پری بے قرار تھی۔
"بتایا ہوتا تو میرے دل کو چین نہیں ہو جاتا۔ کئی بار فون کر چکی ہوں۔ کال ہی کاٹ دیتے ہیں۔ کس تھانے میں گئے ہیں مجھے تو یہ بھی معلوم نہیں' ورنہ میں ٹیکسی کروا کے ہی جاتی۔" عفت کے دل کو سخت بے قراری لگی تھی۔ ایک پل چین نہیں آ رہا تھا۔
"میں کال کروں؟" پری نے اپنے سیل پر نمبر ملایا۔
کچھ دیر بعد فون مایوسی سے بند کر دیا۔
"اگر عدیل کے کسی دوست کو فون کر کے کہتی ہوں تو خفا ہوں گے آکر۔ ورنہ وقار بھائی کی بھی اچھی خاصی واقفیت تو ہو گی۔ اب وہاں رشتہ ایسا نازک ہے۔ یا اللہ۔ میں کیا کروں۔ میرے بچے کو اپنی امان میں رکھنا۔ اسے کچھ بھی نہ ہو' وہ ساتھ خیریت کے گھر آ جائے۔" عفت روتے ہوئے دعائیں مانگنے لگی تھی۔
"جاؤ آپی! تمہارا فون بج رہا ہے' اندر۔" پری گم صم بیٹھی مثال کو جتانے والے انداز میں بولی۔
"جاؤ جلدی دیکھو تمہارے پاپا کا ہو گا۔ ایک تم ہی تو ہو ان کی سگی اولاد' باقی تو سب کوڑا ہے۔" عفت ایسے میں بھی طعنہ دینے سے باز نہیں آئی۔
مثال تیزی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آئی۔
فون مسلسل بجتے ہوئے بند ہو چکا تھا۔
اس نے فون اٹھایا۔ بشریٰ کی کال پھر سے آ رہی تھی۔
مثال بجتے فون کو دیکھتی رہی۔
"کس کا فون ہے؟" پری دروازے میں آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔
"میری ماما کا ہے۔" مثال مجرمانہ لہجے میں آہستگی سے بولی۔
"اب جتاؤ انہیں' ساری رپورٹ دے دینا۔" وہ طنزیہ لہجے میں ماں کی طرح طعنہ دے کر چلی گئی۔
مثال کا جی تو بے اختیار چاہا فون ہی کاٹ دے۔
ضد میں آ کر میں وہی کام کیوں کرتی ہوں جو دوسرے چاہتے ہیں اور دوسرے لمحے اسے خیال آیا تو اس نے کال ریسیو کر لی۔
"میں دوسرے کمرے میں تھی۔" بشریٰ کے پوچھنے پر وہ سرسری لہجے میں بولی۔
"کیسی ہو تم" بشریٰ نے اس سے وہ سوال اتنے دنوں بعد آج پوچھا تھا جو وہ اس سے ان دنوں متوقع کر رہی تھی' جب وہ اس سے دور گئی تھی۔
"ٹھیک ہوں میں۔" وہ مختصراً بولی۔
"اور تمہارے پاپا؟" وہ بات بڑھانے کو بولی۔
بشریٰ کیا پوچھنا چاہ رہی ہے۔ مثال سمجھ رہی تھی۔
"ٹھیک ہیں وہ بھی۔"

"تمہارے پاپا نے دوبارہ کوئی بات تو نہیں کی۔" وہ مبہم لہجے میں پوچھ رہی تھی۔ وہ خوف زدہ تھی کہ کہیں عدیل مشال کو بشریٰ کے پاس بھجوا نہ دے۔

"تمہارے اور ان کے درمیان جو جھگڑا ہوا تھا۔" وہ کھل کر نہیں پوچھ پا رہی تھی۔

"ماما! میرا کل کالج میں ٹیسٹ ہے۔ میں وہ تیار کر رہی تھی۔ آپ پلیز پھر کال کر لیجئے گا۔ مجھے ابھی پڑھنا ہے۔ خدا حافظ۔" یکدم سے اسے بشریٰ سے عجیب سی بیزاری ہوئی تھی۔

بغیر سوچے سمجھے اس نے خدا حافظ کہہ کر فون بند کر دیا۔

انہیں مجھ سے میرے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں۔"

"میں واثق سے کہوں وہ جا کر پاپا اور دانی کا پتا کرے۔" اسے خیال آیا۔

"نہیں اگر پاپا کو یہ بات اچھی نہیں لگی پھر شاید واثق کو بھی عجیب لگے۔ معلوم نہیں دانی کس مسئلے میں پکڑا گیا ہے۔" وہ کنفیوزسی نمبر ملاتے ہوئے رک گئی۔

پھر اس نے ہمت کر کے عدیل کا نمبر ملا ہی لیا اور حیرت انگیز طور پر عدیل نے اس کی کال ریسیو کر بھی لی۔

"پاپا! آپ کب گھر آ رہے ہیں ماما بہت پریشان ہیں۔" اسے فوری طور پر یہی سمجھ میں آیا۔

"میں آ رہا ہوں کچھ دیر تک۔ کہہ دو تم۔" وہ روکھے تھکے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"آپ ٹھیک ہیں نا؟" وہ ایک دم سے پریشان ہوئی۔

"میں ٹھیک ہوں اور گھر ہی آ رہا ہوں۔"

"اور دانی۔ وہ ٹھیک ہے؟ آپ اسے ساتھ لے کر آ رہے ہیں نا؟" وہ جلدی سے پوچھنے لگی۔

مگر دوسری طرف سے عدیل نے جواب دیے بغیر فون ہی بند کر دیا تھا۔ وہ فکر مند سی ہو گئی۔

بہت دنوں بعد اسے اس گھر میں ایک فیملی ممبر کی طرح عجیب سی فکر لاحق ہوئی۔ جیسا بھی تھا دانی اس کا چھوٹا بھائی تھا اور بچپن میں مشال نے اسے بہت گود میں کھلایا تھا۔

"اللہ نہ کرے دانی کو کچھ ہو، وہ خیریت سے ہو اور پاپا کے ساتھ ہی ہو۔" وہ انجانے میں دعا مانگنے لگی۔

"اتنی لمبی ہو گئی تمہاری ماما کی کال۔ سب کچھ بتا رہی ہو انہیں مزے لے لے کر۔" پری کو چین نہیں آ رہا تھا، اندر آ کر زہریلے لہجے میں بولی۔

مشال نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس کے پاس سے گزر کر باہر نکل گئی۔ عفت اسی طرح اسی پوزیشن میں بیٹھی تھی۔

"ماما! پاپا آ رہے ہیں گھر۔ میری ابھی بات ہوئی ہے پاپا سے۔ وہ ٹھیک ہیں۔" وہ عفت کو تسلی دینے کی خاطر بتانے لگی۔

"اور دانی۔ دانی۔ وہ ٹھیک ہے نا۔ وہ ساتھ ہے نا تمہارے پاپا کے؟" وہ بے قراری سے بولی۔

مشال لمحہ بھر کو بالکل خاموش ہو گئی۔ اگر اس نے سچ بتا دیا کہ پاپا نے دانی سے متعلق اس کے سوال کا جواب نہیں دیا تو عفت اس پر چیخنے لگے گی۔

"ماما! ٹھیک ہے، آپ پلیز اتنی ٹینشن نہیں لیں نا! پاپا آ رہے ہیں تھوڑی دیر میں۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ نرم لہجے میں عفت کے پاس بیٹھ کر اسے تسلی دینے لگی۔

"ماما! آپ تو یہ دیکھیے، پاپا نے آپ کی کال ریسیو کی نہ میری، لیکن مشال آپی کی کال فوراً لے لی۔ آخر وہ ہمیں کچھ سمجھتے بھی ہیں یا نہیں۔ پتا نہیں کب ہمیں دوسرے درجے کے شہری سے آگے کچھ سمجھا جائے گا۔" عفت

جو مثال کے ساتھ بہتر محسوس کر رہی تھی پری کے کہنے پر طنز بھری نظروں سے اسے دیکھنے لگی۔
"ایسی باتوں کا شکوہ کرنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ جسے کوئی کچھ سمجھتا نہیں۔ چھوڑو اب ان باتوں کا گلہ کرنا جو تمہاری مثال آپی ہیں وہ تمہارا دانی کبھی نہیں ہو سکتے۔"
مثال ساکت سی بیٹھی رہ گئی۔
اسی وقت باہر گاڑی رکنے اور گاڑی کا دروازے کھلنے اور دوسرے لمحے ڈور بیل بجنے کی آواز آئی۔
"پاپا آگئے!" پری سب کچھ بھلا کر تیزی سے گیٹ کھولنے کے لیے باہر بھاگی تھی۔
اور دوسرا لمحہ عفت کے ساتھ مثال کے لیے بہت حیرت انگیز اور پریشان کن تھا۔ پری کے ساتھ وقار اور فائزہ مسکراتے ہوئے پھول اور کیک لیے اندر آرہے تھے۔
مثال ایک دم سے کھڑے ہو کر انہیں سلام کرنا بھی بھول گئی۔ فائزہ نے خود ہی آگے بڑھ کر اسے گلے سے لگا کر پیار کرنا شروع کردیا۔
عفت کو خود کو سنبھالنے میں کچھ ہی وقت لگا تھا۔
"ہم یہاں سے گزر رہے تھے تو سوچا آپ لوگوں سے ملتے چلیں بلکہ بھابھی ایچ کہوں تو یہاں سے گزرتے ہوئے اپنی مثال بیٹی کو دیکھے بغیر جانا اچھا نہیں لگا' اس لیے بغیر بتائے آگئے۔ آپ کو برا تو نہیں لگا؟" فائزہ مثال کو پیار کرنے سے فارغ ہو کر خوشگوار لہجے میں آنے کی وجہ بتانے لگی۔
"آپ کا اپنا گھر ہے جب چاہیں آئیں۔ اطلاع دینے کی بھی کیا ضرورت ہے۔" عفت بظاہر سنبھل کر بولی۔
"کوئی بھی مصیبت کب اطلاع دے کر آتی ہے۔" نعل میں جل کر بولی تھی۔
"مدیل بھائی کہاں ہیں؟ کیا آفس سے نہیں آئے ابھی تک۔" وہ ادھر اُدھر دیکھ کر کچھ گھر کی خاموش پریشان فضا سے کچھ اخذ کرتے ہوئے بولی۔
"ٹائم تو نہیں ہے اب آفس کا۔" وقار گھڑی دیکھتے ہوئے بولے۔
"جی آگئے تھے آفس سے تو ایک کام سے باہر گئے ہیں۔ ابھی آتے ہوں گے۔ آپ آئیں اندر ڈرائنگ روم میں بیٹھتے ہیں۔ پری کال کرو بیٹا! پاپا کو ذرا جلدی گھر آجائیں۔" عفت انہیں یہاں سے ہٹانا چاہ رہی تھی۔
"ارے بھابھی! تکلف نہیں تمہارا اپنا گھر ہے۔ ہم یہیں ٹھیک ہیں۔" وقار وہیں رکھی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھتے ہوئے اپنائیت بھرے لہجے میں بولے۔
عفت کو اور بھی پریشانی لاحق ہو گئی۔ اگر ابھی مدیل آگئے دانی کو لے کر تو ہنگامہ ہو جائے گا اور اس بات کا ملبہ بھی مجھ پر ڈالا جائے گا کہ میں نے جان بوجھ کر ان لوگوں کو یہاں بٹھا دیا۔
وہ پریشان ہوتے ہوئے کچھ سوچ رہی تھی۔
"آنٹی انکل پلیز آپ اندر آجائیں۔ یہاں ٹھنڈ ہے اور پھر پاپا بھی آتے ہی خفا ہوں گے کہ آپ کو یہاں راستے میں کیوں بٹھا دیا۔ آجائیں پلیز۔"
مثال بے تکلفی سے فائزہ کا ہاتھ پکڑ کر انہیں اندر لے جانے لگی۔ وقار نے فائزہ کو اشارہ کیا اور دونوں اندر چلے گئے۔
"دیکھا آپ نے آپی کو کس چالاکی سے انہیں اندر لے گئی ہیں' اوپر اوپر سے ڈرامے کر رہی ہے کہ اس رشتے سے خوش نہیں ہیں اور اندر سے۔" پری ان کے جاتے ہی دھیمی آواز میں بولی۔
"جانتی ہوں میں۔ کس ماں کی بیٹی ہے۔" عفت بڑبڑا کر اندر چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

اگر میرے نصیب میں نہیں تھیں تو مجھے ملیں کیوں۔ واثق کو لگتا تھا اب اس کی ہر رات اسی طرح کے گلے شکوے کرتے گزرے گی۔

وہ پھر سے مثال کے ادھورے اسکیچز نکال کر بیٹھا تھا اور شام غم منا رہا تھا۔

"کیا کروں مثال میں کہ تم میری ہو جاؤ۔" وہ یک ٹک ایک ہی تصویر کو جس میں اس کے چہرے کا بایاں رخ اس کے ریشمی بالوں میں چھپا ہوا تھا، دیکھے جا رہا تھا۔

"اور یہ وردہ بے وقوف لڑکی۔" اسے خیال آیا۔ "لیکن نہیں صرف وردہ بے وقوف نہیں وہ لڑکی پری۔۔۔ اس کے انداز، اس کے دیکھنے کا طریقہ۔۔۔ وہ جس طرح مجھ سے بے تکلف ہو رہی تھی۔"

واثق کے دماغ میں پری کے چہرے کی خوشی اور آنکھوں کی چمک گردش کرنے لگی۔

"کچھ نہ کچھ گڑبڑ ضرور ہے۔ یہ کیڑا صرف وردہ کے دماغ میں نہیں ہے، اس لڑکی کے دل میں بھی کہیں موجود ہے۔ اور وہ۔ مثال کی سوتیلی بہن۔" وہ ٹھٹک سا گیا تھا۔ "نہیں مجھے اس کے بارے میں کچھ بھی نہیں سوچنا بلکہ مجھے اس لڑکی سے ملنے میں اب احتیاط کرنا ہوگی۔" وہ مثال کو سوچتے سوچتے کچھ اور ہی سوچنے لگا تھا۔

"مجھے وردہ کو بھی سختی سے منع کرنا ہوگا کہ وہ لڑکی دوبارہ یہاں نہیں آئے۔" وہ دل میں فیصلہ کرنے لگا۔

"لیکن نہیں۔ اس طرح تو وردہ کو بھی شک ہونے لگا کہ شاید میں اس میں انوالو ہوں۔ اور اس پری کو بھی۔"

اسے دوسری سوچ نے ٹھٹکایا۔

"کیا بات ہے واثق! میں تمہیں کھانا دے کر گئی۔ ابھی تک ویسے ہی رکھا ہے، تم نے کھایا کیوں نہیں؟" عاصمہ نے اندر آتے ہوئے پوچھا تو اس نے آہستگی سے الماری کا پٹ بند کر دیا اور پیچھے ہٹ کر خود کو مصروف ظاہر کرتے ہوئے دراز میں کچھ ٹٹولنے لگا۔

"واثق! کیا بات ہے بیٹا! تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟"

"جی امی! آئی ایم فائن۔ بس دل نہیں چاہ رہا تھا اس لیے نہیں کھایا۔ آپ یہ گرما گرم چائے دے دیں۔ اس کی سخت طلب ہو رہی تھی اور پلیز امی! آپ اب یہ چھوٹے چھوٹے کام وردہ سے کروایا کریں۔ اسے بھی کچھ کام کی عادت ہو۔ دوسرے آپ کو تھوڑا ریسٹ کرنا چاہیے۔"

وہ اس کے ہاتھ سے چائے کا کپ لیتے ہوئے نرمی سے بولا۔

"ابھی اسے کام کرنے کی عادت کہاں ہے پھر پڑھائی کا بھی بوجھ ہے۔ میں چاہتی ہوں، ابھی صرف اپنی پڑھائی پر فوکس کرے۔"

"پھر بھی امی! اسے تھوڑا کام میں ڈالیں یہ آپ کے لیے ضروری ہے۔" وہ پھر سے بولا۔ عاصمہ کسی اور ہی دھیان میں گم تھی۔

"واثق!" وہ کچھ دیر بعد بولی۔

"جی امی!" وہ اس کے انداز پر کچھ چونکا۔

"ایک بات کہوں؟ اگر تم وعدہ کرو کہ اس بات پر ٹھنڈے دل سے غور کرو گے۔ فوراً غصہ نہیں کرو گے۔"

واثق کچھ چونک کر ماں کی طرف دیکھنے لگا۔ یعنی کوئی اہم بات تھی؟

"پلیز امی! آپ جانتی ہیں میں بلاوجہ غصہ نہیں کرتا۔" وہ جیسے ماں کو یاد دلاتے ہوئے بولا۔

"میں جانتی ہوں۔ میرا بیٹا کتنا سمجھدار ہے۔" وہ کچھ اور بے بسی سے بولی تھی۔ واثق کو یہی لگا۔

"واثق! وردہ کی بات میں وزن ہے۔ وہ لڑکی پری مجھے بھی اچھی لگی ہے۔ بے شک تمہارے ساتھ اس کا عمر کا کچھ فرق بیٹا لیکن۔۔۔" وہ اٹک اٹک کر کہہ رہی تھی۔

"مگر کاؤسیک امی! آپ تو ایسی بات نہیں کہیں۔" وہ بری طرح سے جیسے ہرٹ ہوا تھا۔

"واثق! پری نہ سہی کچھ دنوں، کچھ مہینوں بعد تو تمہیں ایسی کسی بات کے بارے میں سوچنا ہے میری جان! کیونکہ بہرحال شادی تو تمہاری مجھے کرنی ہے۔ تو پھر پری اس لحاظ سے بہترین آپشن ہوگا۔" وہ سمجھاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ اور واثق کو لگ رہا تھا جیسے کوئی اس کو کسی اندھیرے غار کی طرف دھکیل رہا ہو۔

"واثق! تم سن رہے ہو ناں۔" اسے ساکت بیٹھا دیکھ کر وہ اسے ہلا کر بولی۔

"امی پلیز! مجھے بہت کام کرنا ہے۔ آپ بھی جا کر اب ریسٹ کریں۔ دوا لے لی تھی آپ نے؟" وہ موضوع کو صاف ٹالتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

"واثق۔ کیا تم نے میری بات سنی نہیں ابھی جو میں نے تم سے کہی؟" وہ کچھ خفگی سے پوچھ رہی تھی۔

"سن لی ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"پھر تم نے جواب کیوں نہیں دیا۔" وہ اسی خفگی سے بولی۔

"آپ کو شاید میرا جواب اچھا نہیں لگے۔" وہ رخ موڑ کر بولا۔ عاصمہ اسے دیکھتی رہ گئی۔ کچھ دیر خاموش رہی شاید اسے سمجھانے کے لیے الفاظ سوچتی رہی۔

"واثق! تم جانتے ہو ناں مثال کی انگیجمنٹ ہو چکی ہے۔ تم نے خود مجھے بتایا تھا نا!" وہ اسے یاد دلاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"امی! آپ جو کہنا چاہتی ہیں اس میں کچھ بھی ایسا نہیں جو میرے لیے کچھ خاص ہو۔ مثال میری قسمت میں نہیں۔ میں جانتا ہوں۔ اس سے آگے مجھے کیا سوچنا ہے کیا کرنا ہے۔ میں کچھ بھی طے نہیں کر سکا اور فی الحال کچھ مہینے طے کرنا بھی نہیں۔ کیا آپ مجھے اتنا ٹائم دیں گی؟" وہ کچھ ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ عاصمہ کو لگا جیسے اس کے دل کو بھی کچھ ہونے لگا ہے۔

اس کا اتنا پیارا "سلجھا ہوا" سمجھدار بیٹا دل کے معاملے میں پہلے ہی قدم پر ٹھوکر کھا بیٹھا تھا۔

"بالکل واثق! تم جتنا چاہو ٹائم لو، مجھے کوئی اعتراض نہیں، لیکن بیٹا! تم جب بھی سوچو پری بہت پرفیکٹ ہے، تم سمجھ رہے ہو ناں!" وہ اپنی پسند ڈھکے چھپے انداز میں اس پر ظاہر کر رہی تھی۔

"امی! مثال کے بعد پری اگر دنیا کی آخری لڑکی بھی ہوگی تو بھی میں اس کے بارے میں سوچنا بھی پسند نہیں کروں گا۔ میں ساری زندگی شادی کے بغیر رہ سکتا ہوں، لیکن پری کے بارے میں قطعاً نہیں سوچ سکتا۔ آپ آئندہ مجھ سے اس لڑکی کے بارے میں کبھی کوئی بات نہیں کیجیے گا۔"

وہ اتنے حتمی اور ٹھوس لہجے میں کہہ رہا تھا کہ لمحہ بھر کو عاصمہ بھی جیسے گنگ سی رہ گئی۔

"اتنے سخت لہجے میں انکار کی وجہ پوچھ سکتی ہوں۔" وہ کچھ ناگواری سے بولی۔

"کیا مجھے وجہ بھی بتانی ہوگی؟" وہ انتہائی ناراضی سے پوچھنے لگا۔

"واثق!" وہ خفگی سے بولی۔

"امی پلیز! آپ سدرہ کو سمجھائیے گا۔ آئندہ وہ مجھے اس معاملے میں پریشرائز نہیں کرے گی۔ مجھے بالکل بھی یہ بات پسند نہیں۔ مجھے ایک ضروری کال کرنی ہے۔ ایکسکیوز می۔" کہہ کر فون اٹھا کر کوئی نمبر ملانے لگا۔ عاصمہ اسے دیکھتی رہی پھر اندر چلی گئی۔

☆ ☆ ☆

"محمد علی!" عفت زور سے چیخی تھی اور باہر کھڑی مثال جو ان کے لیے چائے لے کر آ رہی تھی۔ وہیں ٹھٹک کر رہ

گئی۔

"چلاؤ مت۔ میں نہ صرف چلا سکتا ہوں بلکہ بہت کچھ کر سکتا ہوں۔ جس طرح تمہارے لاڈلے کو میں اتنا ذلیل ہو کر حوالات سے لایا ہوں۔ میرا دل چاہ رہا تھا میں وہیں کسی گاڑی کے نیچے خود کو ختم کرلوں۔ ایسی رسوائی کا میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا۔" مشال نے کبھی عدیل کو اس طرح چیختے ہوئے نہیں سنا تھا سوائے اس دھندلی یاد کے جب اس نے شرمی کو چلاتے ہوئے طلاق دی تھی۔

"اس نے جو کچھ کیا' وہ سب بعد میں بتانا' ابھی صرف یہ بتایئے یہ لڑکا کیا آپ کی اولاد نہیں ہے۔" عفت اس کے چیخنے پر خوف زدہ ہونے کے بجائے اور بھی تندی سے بولی تھی۔

"تمہارا دماغ انہیں وسوسوں نے خراب کر دیا ہے۔ تم نے کبھی دھیان نہیں دیا کہ تم ان بچوں کی پرورش کیسے کر رہی ہو۔ ایک ہی بیٹا جس کا تمہیں زعم تھا عفت! تم سے وہ نہیں سنبھالا گیا۔ سولہ سال کی عمر میں وہ چوریاں کرنے لگا ہے۔ اس نے تین لڑکوں کے ساتھ مل کر گینگ بنا رکھا ہے اور آج کی واردات اس کی پہلی واردات نہیں تھی۔" عدیل کا بولتے ہوئے جیسے سانس پھولنے لگا۔

اور عفت اسے دیکھتی جا رہی تھی۔

"لڑکیوں کے پرس چھیننا' ان سے ملنے والی چیزوں سے انہیں بلیک میل کرنا اور نہ جانے کیا کیا۔ ایک لمبی فہرست تھی الزامات کی اس پر اور ان تین لڑکوں پر۔" عدیل بولتے بولتے ہانپ گیا۔

"اگر ایف آئی آر درج ہو جاتی' اگر ڈی ایس پی میرا واقف کار نہیں ہوتا' اگر میں ان کی منت نہیں کرتا تو تمہارا بیٹا۔ چلو۔ میری اولاد' آج سے لے کر کتنے مہینوں کے لیے جیل میں پڑا جاتا تم سوچ سکتی ہو۔"

وہ نڈھال سا بیڈ پر گر گیا تھا۔

"تم سے ایک بیٹا نہیں سنبھالا گیا۔"

"صرف میری ذمہ داری نہیں ہے بچوں کی پرورش۔"

"یہ کہنا چاہتی ہو کہ میں ایک غیر ذمہ دار باپ ہوں۔ ہاں ٹھیک کہا تم نے۔ مجھے بھی تھانے جا کر ایسا ہی لگا کہ میں ایک انتہائی غیر ذمہ دار باپ ہوں' جس کا جوان ہوتا بیٹا گندے کاموں میں ملوث اور مجھے کسی بات کی خبر نہیں۔"

عدیل کو لگ رہا تھا جیسے وہ سو سال کا ہو گیا ہو ان چند گھنٹوں میں۔

"اور آپ کے خیال میں میں نے فائزہ اور وقار بھائی کو فون کر کے بلایا۔ آپ اور کتنے بدگمان ہوں گے مجھ سے۔" عفت بھی سر پکڑ کر رونے لگی۔

"میں جیسی بھی سہی عدیل! مشال کی سوتیلی ماں سہی مگر ایک بیٹی کی ماں تو میں بھی ہوں۔ کبھی تو مجھے بھی سمجھنے کی کوشش کریں۔" عفت کا دل چاہ رہا تھا دھاڑیں مار مار روئے۔

آج اسے لگ رہا تھا جیسے اتنے سارے سال اس نے یونہی عدیل کی رفاقت میں گنوا دیے۔ اس کے ہاتھ میں تو کچھ بھی نہیں تھا۔

نہ عدیل کی رفاقت' نہ اس کی محبت' اس کا اعتبار اور آج اولاد کی طرف سے ملنے والا یہ گھاؤ۔ وہ تو جیسے سراسر خسارے میں تھی۔

"وہ دونوں خود آئے تھے۔ میں کیوں بلاتی انہیں۔" وہ شکست خوردہ سی کہہ رہی تھی۔ "آپ نے بات کی دانی سے۔ کیا سمجھایا اسے۔" کچھ دیر کی خاموشی کے بعد اسے پھر خود ہی بولنا پڑا۔

"تمہارے خیال میں میں اتنی دیر اور کیا کرتا رہا' اسے سمجھاتا رہا اور پوچھتا رہا کہ میں نے اسے کب کسی چیز کی کمی کی ہے' کب اسے محرومیاں دی ہیں' اسے کچھ بھی چاہیے ہوتا تھا میں نے دیا تو ہے۔" عدیل صدمے سے

چور تھا۔

"آپ سے الگ جو بھی ہو، مجھ سے کہتا، میں بھی تو مانتی تھی۔" وہ بھی آہستگی سے بولی۔

"میں نے تو ہمیشہ اس کے دوستوں کا بھی پیار کھا۔ معلوم نہیں کہاں چوک ہو گئی۔"

"اب کیا کرنا ہے؟" کچھ دیر بعد وہ پھر عدیل سے آگے کا لائحہ عمل جاننا چاہ رہی تھی۔

"میں کیا بتاؤں۔ ہر طرح سے سمجھا چکا ہوں۔ قسمیں کھاتا ہے۔ وعدے کرتا ہے اور پھر کوئی نہ کوئی ایسی حرکت۔ مجھے اس کا کوئی حل سمجھ میں نہیں آ رہا۔ معلوم نہیں اللہ مجھے کس گناہ کی سزا دے رہا ہے ایسی اولاد دے کر جو مجھے صرف اذیت دینا جانتی ہے۔" عدیل کا ٹوٹا ہوا لہجہ کسی کرب کی مانند مثال کے دل میں اترا تھا۔ وہ آہستگی سے مڑ گئی۔

"پتا نہیں کس گناہ کی خدا مجھے سزا دے رہا ہے ایسی اولاد دے کر جو مجھے صرف اذیت دینا جانتی ہے۔"

مثال کے کانوں میں بار بار عدیل کا کرچی کرچی لہجہ گونج رہا تھا۔

"میرے پاپا دنیا کے سب سے اچھے پاپا ہیں۔ سب سے بہادر، سب سے زیادہ ہمت والے۔" اسے یاد آیا۔ نرسری میں وہ اپنی فرینڈ کے ساتھ محبت سے اپنے پاپا کے متعلق اسی طرح کے جملے بولا کرتی تھی۔ آج اس کے بہادر پاپا اپنی اولاد کی وجہ سے اپنے گناہ شمار کر رہے تھے۔

"نہیں! میں اپنے پاپا کو اب کوئی دکھ نہیں دوں گی۔" اس نے بستر پر لیٹنے سے پہلے فیصلہ کر لیا۔

"اور ماما سے اچھے تو پاپا ہیں نا۔ انہوں نے اس وقت مجھے قبول کیا جب ماما نے اس احسن کمال کے سامنے بھی میرے حق میں ایک لفظ نہیں بولا، صرف اپنے گھر کو بچانے کے لیے انہوں نے اس کمینے سیفی کو ایک بھی گالی نہیں دی۔"

اسے جانے کیا کچھ یاد آنے لگا تھا۔ اسی وقت اس کا سیل فون بجنے لگا۔

واثق کی کال تھی۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔

"کیا تم مجھے یاد کر رہی تھیں؟" وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔

"نہیں۔" وہ رکھائی سے بولی۔

"ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔" وہ دعوے سے بولا۔

"کیا مطلب؟" وہ چونکی۔

"یار! ایسا ہو نہیں سکتا کہ ایک آدمی جس کا دل اسے بتائے کہ دوسرا شخص اس کو مس کر رہا ہے، وہ سارے کام چھوڑ کر اسے کال کرے۔ سو میں نے بھی ایسا ہی کیا۔"

"آپ کی باتیں بہت عجیب سی ہوتی ہیں۔" وہ کچھ بھی نہیں سمجھی تھی، سو یونہی کہنے لگی۔

"تم پریشان ہو مثال؟" وہ رک کر پوچھ رہا تھا۔

"نہیں تو۔" وہ جلدی سے بولی۔

"پلیز تم مجھ سے جھوٹ بولنا بند کر دو۔" وہ اسے ٹوک کر بولا۔

"میں جھوٹ نہیں بول رہی۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"تم بول رہی ہو۔" وہ اسی لہجے میں بولا۔

"واثق! میں نے فیصلہ کیا ہے۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"میں سن رہا ہوں۔ تم کہو۔" وہ ہمہ تن گوش تھا۔

"میں اب اپنے پاپا کو کبھی کوئی دکھ نہیں دوں گی۔" وہ جذباتی لہجے میں بولی۔ واثق کچھ لمحے خاموش رہا۔

"مشال! میرے خیال میں تم نے پہلے بھی اپنے پاپا کو کبھی کوئی دکھ شعوری طور پر نہیں دیا۔ جتنی کہانی تم نے مجھے اپنی سنا رکھی ہے' جو کچھ بھی غلط ہوا' کبھی بھی تمہاری وجہ سے نہیں ہوا۔" وہ اسے کسی اور ہی طرح سے روشنی میں لا رہا تھا۔

"ہاں! لیکن جس کی وجہ سے بھی ہوا' پاپا تو ہرٹ ہوئے اور واثق! میں نے اپنے پاپا کو ماما سے سیپریشن کے بعد کبھی بھی کھل کر ہنستے' خوش ہوتے نہیں دیکھا۔" وہ اس وقت بہت حساس ہو رہی تھی۔

"تم ان کے لیے کیا کرنا چاہتی ہو؟ تمہارے ذہن میں کچھ ایسا ہے جس سے وہ واقعی خوش ہو جائیں۔" وہ اس کے ارادے جاننا چاہ رہا تھا۔

"ہاں میں نے سوچ لیا ہے' شام میں فائزہ آنٹی اور انکل آئے تھے فہد کے پیرنٹس۔ فہد اسی مہینے آ رہا ہے پاکستان۔ وہ فوراً" شادی کرنا چاہیں گے اور۔۔۔"

"اور تم اس شادی کے لیے اب راضی ہو۔ اب اپنے پاپا کو انکار نہیں کرو گی۔ اس سے انہیں خوشی ملے گی۔" وہ اسے ٹوک کر بولا۔

"ہاں بالکل! میں نے یہی سوچا ہے۔" وہ جوش سے بولی۔

"اور تمہیں کیا ملے گا۔ یہ بھی تم نے سوچ لیا ہے۔" وہ کچھ جتا کر کہہ رہا تھا۔

مشال کچھ بول نہیں سکی۔

"سو جاؤ۔ کافی رات ہو گئی ہے۔ رات کے ارادے اور فیصلے دن کی روشنی میں اکثر کمزور پڑ جایا کرتے ہیں ہم کل بات کریں گے۔ خدا حافظ۔" اس نے جتانے والے انداز میں کہہ کر فون بند کر دیا۔

مشال اس کی بات لے کر سوچتی رہی اور جانے کب نیند کی وادی میں اتر گئی۔

☼ ☼ ☼

وردہ کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔

یہ اتنی بے یقینی کی بات تو نہیں تھی۔ لیکن نہیں۔۔۔ تھی! بس اس نے بھی سوچ لیا تھا کہ یہ بات اب وہ کہیں بھی نہیں دہرائے گی اور نہ کسی سے کہے گی۔ کیوں کہ اس کی وجہ سے اس کا بھائی اس سے خفا تھا۔

مگر یہ بات کس طرح "سفر" کرے گی۔ اسے یہ اندازہ نہیں تھا۔

"میں خود نہیں جانتی وردہ! لیکن میرا دل۔۔۔ جب سے میں تمہارے گھر سے آئی۔" پری بہت الجھی ہوئی تھی۔ رک رک کر بول رہی تھی جیسے اسے اپنے جذبات کا اظہار کرنا نہ آ رہا ہو۔

"میں رات بھر سو نہیں سکی۔ مجھے نہیں پتا یہ کیا ہے۔ محبت ہے یا۔۔۔ میں ساری رات صرف تمہارے بھائی کے بارے میں سوچتی رہی۔۔۔ خواب میں بھی انہیں دیکھتی رہی وردہ! یہ کیا ہے؟"

وہ آنکھوں میں نمی لیے بس رو دینے کو تھی۔ اور وردہ کو لگ رہا تھا وہ بھی ابھی سب کے بیچ بیٹھی رو ہی پڑے گی۔ اتنی اچانک بات کا تو اس نے سوچا بھی نہیں تھا اور وہ پری کو کوئی دلاسہ بھی نہیں دے سکی۔ بس بے بسی سے دیکھتی رہی۔

☼ ☼ ☼

"میں آج واثق سے کہہ دوں گی کہ ہم آئندہ کبھی آپس میں نہ ملیں گے نہ فون پر بات کریں گے۔ آج سے ہم دونوں کے راستے بالکل جدا ہیں۔ مجھے صرف پاپا کی خوشی میں خوش ہونا ہے۔ فہد یقیناً" اچھا ہو گا۔ فائزہ آنٹی اور انکل اتنے اچھے ہیں' مجھے اب کچھ اور نہیں سوچنا۔" وہ سوچتی ہوئی آ رہی تھی جب سامنے گاڑی میں بیٹھے شخص کو دیکھ کر وہ ششدر سی رہ گئی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

رخسانہ نگار عدنان

ایک تھی مثال

عدیل اور فوزیہ نسیم بیگم کے بچے ہیں۔ بشریٰ ان کی بہو ہے اور ذکیہ بیگم کی بیٹی ہے۔ عمران بشریٰ کا بھائی ہے۔ مثال ذکیہ بیگم کی نواسی اور نسیم بیگم کی پوتی ہے۔ بشریٰ اور نسیم بیگم میں روایتی ساس بہو کا تعلق ہے۔ پانچ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد بشریٰ کی نند فوزیہ کا بالآخر ایک جگہ رشتہ طے پا جاتا ہے۔ نکاح والے روز بشریٰ دولہا ظہیر کو دیکھ کر چونک جاتی ہے۔ عدیل سے شادی سے قبل ظہیر کا بشریٰ کے لیے بھی رشتہ آیا تھا مگر بات نہ بن سکی تھی۔ نکاح والے دن فوزیہ کی ساس زاہدہ اور ذکیہ بیگم بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔ بعد ازاں عدیل کو بھی پتا چل جاتا ہے۔ وہ ناراض ہوتا ہے مگر فوزیہ اور نسیم بیگم کو بتانے سے منع کر دیتا ہے۔ بشریٰ اور عدیل ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جاتے ہیں۔ وہاں انہیں پتا چلتا ہے کہ بشریٰ کے ہاں سات سال بعد پھر خوش خبری ہے۔

عفان اور عاصمہ اپنے تین بچوں اور والد کے ساتھ کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔ عفان کے والد فاروق صاحب سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ گریجویٹی اور گاؤں کی زمین فروخت کر کے وہ اپنا گھر خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ڈیڑھ کروڑ میں زمین کا سودا کر کے وہ عفان کے ساتھ خوشی خوشی شہر آ رہے ہوتے ہیں کہ ڈکیتی کی واردات میں قتل ہو جاتے ہیں۔ عفان کے قریبی دوست زبیر کی مدد سے عاصمہ عفان کے آفس سے تین لاکھ روپے اور فاروق صاحب کی گریجویٹی سے سات لاکھ روپے وصول کر پاتی ہے۔ زبیر گھر خریدنے میں بھی عاصمہ کی مدد کر رہا ہے۔

اسلام آباد سے واپسی پر عدیل دونوں مقتولین کو دیکھتا ہے۔ زاہدہ، نسیم بیگم سے بیس لاکھ روپے سے مشروط فوزیہ کی رخصتی کی بات کرتی ہیں۔ وہ سب پریشان ہو جاتے ہیں۔ عدیل بشریٰ سے ذکیہ بیگم سے تین لاکھ روپے لانے کو کہتا ہے۔

عاصمہ کی مجبوری ہے کہ گھر میں کوئی مرد نہیں۔ اس کا بیٹا ابھی چھوٹا ہے اور سارے کام اس نے خود کرنے ہیں۔ وہ جلد از جلد اپنا گھر خریدنا چاہتی ہے۔ عاصمہ کے کہنے پر زبیر کسی مفتی سے فتویٰ لے کر آجاتا ہے کہ دوران عدت انتہائی ضرورت کے پیش نظر گھر سے نکل سکتی ہے بشرطیکہ مغرب سے پہلے واپس گھر آجائے، سو وہ عاصمہ کو مکان دکھانے لے

جاتا ہے۔ اور موقع سے فائدہ اٹھا کر اسے اپنی ہوس کا نشانہ بناتا ہے اور ویرانے میں چھوڑ کر فرار ہو جاتا ہے۔ وہاں سے وہ عدیل کی مدد سے گھر پہنچ پاتی ہے۔

رقم مہیا نہ ہونے کی صورت میں فوزیہ کو طلاق ہو جاتی ہے۔ نسیم بیگم جذباتی ہو کر ہو اور اس کے گھر والوں کو مورد الزام ٹھہرانے لگتی ہیں۔ اسی بات پر عدیل اور بشریٰ کے درمیان خوب جھگڑا ہوتا ہے۔ عدیل طیش میں بشریٰ کو دھکا دیتا ہے۔ اس کا ابارشن ہو جاتا ہے۔ عدیل شرمندہ ہو کر معافی مانگتا ہے مگر وہ ہنوز ناراض رہتی ہے اور اسپتال سے اپنی ماں کے گھر چلی جاتی ہے۔ اسی اسپتال میں عدیل عاصمہ کو دیکھتا ہے جسے بے ہوشی کی حالت میں لایا گیا ہوتا ہے۔ عاصمہ اپنے حالات سے تنگ آ کر خودکشی کی کوشش کرتی ہے تاہم بچ جاتی ہے۔ نو سال بعد عاصمہ کا بھائی ہاشم پریشان ہو کر پاکستان آجاتا ہے۔ عاصمہ کے سارے معاملات دیکھتے ہوئے ہاشم کو پتا چلتا ہے کہ زبیر نے ہر جگہ فراڈ کر کے اس کے سارے راستے بند کر دیے ہیں اور اب مفرور ہے۔ بہت کوششوں کے بعد ہاشم، عاصمہ کو ایک مکان دلا پاتا ہے۔

بشریٰ اپنی واپسی الگ گھر سے مشروط کر دیتی ہے۔ دوسری صورت میں وہ علیحدگی کے لیے تیار ہے۔ عدیل مکان کا اوپر والا پورشن بشریٰ کے لیے سیٹ کروا دیتا ہے۔ بشریٰ کے آنے کے بعد بشریٰ کو مجبور کرتا ہے کہ وہ فوزیہ کے لیے عمران کا رشتہ لائے۔ نسیم بیگم اور عمران کسی طور نہیں مانتے۔ عدیل اپنی بات نہ مانے جانے پر بشریٰ سے جھگڑتا ہے۔ بشریٰ بھی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتی ہے۔ عدیل طیش میں بشریٰ کو طلاق دے دیتا ہے اور مثال کو چھین لیتا ہے۔ مثال بیمار پڑ جاتی ہے۔ بشریٰ بھی حواس کھو دیتی ہے۔ عمران بہن کی حالت دیکھ کر مثال کو عدیل سے چھین کر لے آتا ہے۔ عدیل عمران پر اغوا کا پرچا کٹوا دیتا ہے۔

عاصمہ اسکول میں ملازمت کر لیتی ہے مگر گھریلو مسائل کی وجہ سے آئے دن چھٹیاں کرنے کی وجہ سے ملازمت چلی جاتی ہے۔

انسپکٹر طارق دونوں فریقین کو سمجھا بجھا کر مصالحت پر آمادہ کرتے ہیں۔ ذکیہ بیگم کی خواہش ہے کہ عدیل، مثال کو لے جائے، تاکہ وہ بشریٰ کی کہیں اور شادی کر سکیں۔ دوسری طرف نسیم بیگم بھی ایسا ہی سوچے بیٹھی ہیں۔ فوزیہ کی اچانک شادی کے بعد نسیم بیگم کو اپنی جلد بازی پر پچھتاوا ہونے لگتا ہے۔ انسپکٹر طارق، ذکیہ بیگم سے بشریٰ کا رشتہ مانگتے ہیں۔ ذکیہ بیگم خوش ہو جاتی ہیں، مگر بشریٰ کو یہ بات پسند نہیں آتی۔

وہ کرین کارڈ کے لالچ میں بشریٰ سے منگنی توڑ کر نازیہ بھٹی سے شادی کر لیتا ہے، پھر شادی کے ناکام ہو جانے پر ایک بیٹے سیفی کے ساتھ ایک طویل عرصے بعد دوبارہ اپنی چچی ذکیہ بیگم کے پاس آجاتا ہے اور ایک بار پھر بشریٰ سے شادی کا خواہش مند ہوتا ہے۔ بشریٰ تذبذب کا شکار ہو جاتی ہے۔

بشریٰ اور احسن کمال کی شادی کے بعد عدیل مستقل طور پر مثال کو اپنے ساتھ رکھنے کا دعوا کرتا ہے مگر بشریٰ قطعی نہیں مانتی، پھر احسن کمال کے مشورے پر دونوں بمشکل راضی ہو جاتے ہیں کہ مہینے کے ابتدائی پندرہ دنوں میں مثال، بشریٰ کے پاس رہے گی اور بقیہ پندرہ دن عدیل کے پاس۔ گھر کے حالات اور نسیم بیگم کے اصرار پر بالآخر عدیل عفت سے شادی کر لیتا ہے۔ والدین کی شادی کے بعد مثال دونوں گھروں کے درمیان گھن چکر بن جاتی ہے۔ بشریٰ کے گھر میں سیفی اور احسن اس کے ساتھ کچھ اچھا برتاؤ نہیں کرتے اور عدیل کے گھر میں اس کی دوسری بیوی عفت۔ مثال کے لیے مزید زمین تنگ بشریٰ اور عدیل کے نئے بچوں کی پیدائش کے بعد پڑ جاتی ہے۔ مثال اپنا اعتماد کھو بیٹھتی ہے۔ احسن کمال اپنی فیملی کو لے کر ملائیشیا چلا جاتا ہے اور مثال کو تاریخ سے پہلے عدیل کے گھر بھجوا دیتا ہے۔ دوسری طرف عدیل اپنی بیوی بچوں کے مجبور کرنے پر مثال کے آنے سے قبل اسلام آباد چلا جاتا ہے۔ مثال مشکل میں گھر جاتی ہے۔ پریشانی کی حالت میں اسے ایک نشئی تنگ کرنے لگتا ہے تو عاصمہ آ کر اسے بچاتی ہے۔ پھر اپنے گھر لے جاتی ہے۔ جہاں سے مثال اپنے ماموں عمران کو فون کر کے بلواتی ہے اور اس کے گھر چلی جاتی ہے۔

عاصمہ کے حالات بہتر ہو جاتے ہیں۔ وہ نسبتاً "پوش ایریا میں گھر لے لیتی ہے۔ اس کا کوچنگ سینٹر خوب ترقی کر جاتا

ہے۔ مثال' واثق کی نظروں میں آچکی ہے تاہم دونوں ایک دوسرے سے واقف نہیں ہیں۔
عاصمہ کا بھائی ہاشم ایک طویل عرصے بعد پاکستان لوٹ آتا ہے اور آتے ہی عاصمہ کی بیٹیوں اریشہ اور اریبہ کو اپنے بیٹوں وقار' وقاص کے لیے مانگ لیتا ہے۔ عاصمہ اور واثق بہت خوش ہوتے ہیں۔
سیفی' مثال پر بری نیت سے حملہ کرتا ہے تاہم مثال کی چیخوں سے سب وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ سیفی الٹا مثال پر الزام لگاتا ہے کہ وہ اسے بہکا رہی تھی۔ احسن کمال بیٹے کی بات پر یقین کرلیتا ہے۔ مثال اور بشریٰ مجبور اور بے بسی سے کچھ کہہ نہیں پاتیں۔ احسن کمال پوری فیملی سمیت دوسرے ملک میں شفٹ ہوجاتا ہے۔ بشریٰ مثال کو مستقل عدیل کے گھر چھوڑ جاتی ہے۔ جہاں عفت اور پریشے اسے خاطر میں نہیں لاتیں۔ واثق کو بہت اچھی نوکری مل جاتی ہے۔ مثال اور واثق کے درمیان ان کہا سا تعلق بن جاتا ہے۔ مگر مثال کی طرف سے دوستی اور محبت کا کوئی واضح اظہار نہیں ہے۔ واثق البتہ کھل کر اپنے جذبات کا اظہار کرچکا ہے۔ واثق' عاصمہ سے اپنی کیفیت بیان کردیتا ہے۔ عاصمہ خوش ہوجاتی ہے مگر غائبانہ ذکر پر بھی مثال کو پہچان نہیں پاتی۔ واثق عاصمہ کو لے کر مثال کے گھر ملنے جاتا ہے۔ مگر دروازے پر عدیل کو دیکھ کر عاصمہ کو برسوں پرانی رات یاد آجاتی ہے۔ جب زبیر نے عاصمہ کی عصمت دری کرکے اسے ویرانے میں چھوڑ دیا تھا اور عدیل نے عاصمہ کو گھر پہنچایا تھا۔ اگرچہ عدیل نے اس وقت بھی نہیں سمجھا تھا کہ عاصمہ پر کیا بیتی ہے اور اب بھی اس نے عاصمہ کو نہیں پہچانا تھا مگر عاصمہ کو عدیل بھی یاد تھا اور اپنے ساتھ ہونے والا وہ بھیانک حادثہ بھی۔ شرمندگی اور ذلت کے احساس سے عاصمہ کو اچانک ہارٹ اٹیک ہوجاتا ہے۔ واثق دروازے سے ہی ماں کو اسپتال لے جاتا ہے۔ مثال اس کا انتظار کرتی رہ جاتی ہے۔ پھر بہت سارے دن یوں ہی گزر جاتے ہیں۔ ان ہی دنوں عدیل اپنے دوست کے بیٹے فہد سے مثال کا رشتہ طے کردیتا ہے۔ عفت' مثال کے لیے اتنا بہترین رشتہ دیکھ کر بری طرح جل جاتی ہے۔ اس کی دلی خواہش ہے کہ کسی طرح یہ رشتہ پریشے سے طے ہوجائے۔ مثال بھی اس رشتے پر دل سے خوش نہیں ہے۔ مگر وہ اپنی کیفیت سمجھ نہیں پارہی۔ عاصمہ کی طبیعت ذرا سنبھلتی ہے تو وہ مثال کی طرف جانے کا ارادہ کرتا ہے۔ اتفاق سے اسی دن مثال کی فہد سے منگنی کی تقریب ہورہی ہوتی ہے۔ وہیں کھڑے کھڑے واثق کی ملاقات پریشے سے ہوجاتی ہے جو کافی نازوادا سے واثق سے بات کرتی ہے اور اس بات سے بے خبر ہوتی ہے کہ اس کی کلاس فیلو وردہ جو اسے بہت پسند کرتی ہے' واثق کی بہن ہے۔
منگنی کے بعد مثال ایک دم شادی سے انکار کردیتی ہے۔ عفت خوش ہوجاتی ہے۔ عدیل بہت غصہ کرتا ہے اور بشریٰ کو فون کرکے مثال کو بھیجنے کی بات کرتا ہے۔ گھر میں ٹینشن پھیلی ہے۔ اسی ٹینشن میں مثال کالج کی لائبریری میں واثق سے ملتی ہے۔ واپسی میں عفت اسے واثق کے ساتھ دیکھ لیتی ہے اور عدیل کو بتادیتی ہے۔ عدیل ازحد پریشان ہوجاتا ہے۔ پریشے' وردہ سے ملنے اس کے گھر جاتی ہے تو واثق سے ملاقات ہوجاتی ہے۔

پچیسویں قسط

وہ کچھ لمحے وہیں کھڑی خالی دماغ سی دیکھتی رہی۔
سامنے گاڑی میں بیٹھا عدیل احمد کسی اور ہی طرف یک ٹک دیکھتے ہوئے کسی گہری سوچ میں گم تھا۔
مثال کو ہمیشہ کی طرح اپنے باپ پہ الگ طرح ہی کا پیار آیا تھا۔
"پاپا دادی کے واقعے کے بعد کس قدر پریشان ہیں' پھر عفت ماما کا رویہ' کتنے اکیلے سے ہوگئے ہیں بچارے اور پھر جس طرح میں انہیں پریشان کررہی ہوں انہیں مجھ سے تو یہ امید نہیں ہوگی۔"
وہ ہمیشہ کی طرح اس بار بھی سارے کردہ ناکردہ جرم اپنے ہی کھاتے میں ڈال کر عدیل کو سرخرو کررہی تھی' جب ہارن کی آواز نے اسے چونکایا۔ عدیل ہارن بجاکر اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔
وہ دوپٹہ ٹھیک کرتی فائل کو سینے سے لگائے مضبوط قدم اٹھاتی گاڑی کی طرف بڑھی۔

"پتا نہیں وہ آج اسے خود کیوں لینے کے لیے آئے تھے' ایسا پہلے تو کبھی نہیں ہوا تھا' کم سے کم بہت سالوں سے تو بالکل بھی نہیں۔" اسے کچھ عجیب سا لگ رہا تھا۔

"پاپا! پری کو بھی بلا لوں ویسے اس کی ابھی دو کلاسیں رہتی ہیں۔ میں اسے کہہ دوں جا کر۔" وہ گاڑی کے پاس جا کر شیشے میں جھک کر پوچھنے لگی۔ عدیل نے اسے گہری نظروں سے دیکھا۔

اور نفی میں سر ہلا دیا۔

اس نے گہرا سانس یوں لیا جیسے کہیں بہت دور کا سفر کر کے آیا ہو۔

"تم آجاؤ۔ پری اپنی وین میں آجائے گی۔" وہ اب سامنے دیکھ رہا تھا۔ مثال خاموشی سے دوسری طرف کا دروازہ کھول کر بیٹھ گئی۔

"پاپا!" اس کی مسلسل خاموشی پر وہ کچھ دیر بعد قدرے محتاط لہجے میں آہستگی سے بولی۔

"گھر میں سب ٹھیک ہے نا!" اسے کچھ ایسا لگا جیسے کچھ ہوا ہو۔

"پتا نہیں۔" وہ عجیب لاتعلقی سے بولا تو وہ حیران سی رہ گئی۔

"آپ آفس سے آرہے ہیں؟" وہ پھر رہ نہ سکی تو کچھ توقف سے بولی۔

"ہوں!" معلوم نہیں وہ بات ہی نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔

"آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا!" وہ اس کے انداز پر رہ نہ سکی تو تھوڑی دیر بعد پھر پوچھنے لگی۔

"اگر گھر میں کچھ ہو گا یا میری طبیعت ٹھیک نہیں ہو گی تو ہی میں آپ کو پک کرنے آسکتا ہوں' تمہارے پوچھنے کا یہ مطلب ہے کیا؟" وہ لہجے میں بہت کچھ جتاتے ہوئے بولا تو وہ کچھ شرمندہ سی ہو گئی۔

"نہیں پاپا سوری!" وہ واقعی میں شرمندہ ہو گئی تھی۔

"سوری۔ فار واٹ؟" وہ پھر سے الٹا پوچھنے لگا۔

وہ کچھ بول ہی نہ سکی گود میں رکھی فائل پر اپنی نرم انگلیاں یوں ہی پھیرتی رہی۔

اگر باپ اور بیٹی کے بیچ میں ماں نہ رہے تو بیٹی کو باپ کو سمجھنا' اس سے بات کرنا کتنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ماں ان دونوں کے درمیان پل ہوتی ہے اور بہت سال ہوئے مثال اور عدیل کے تعلق کے بیچ کا یہ پل کہیں کھو گیا تھا۔ گر گیا تھا۔ دونوں کے درمیان اب خلا سا تھا اس پل کے کھو جانے کے بعد۔

اور وہ خلا اتنے سالوں کی مدت بھی' اس کو نہیں بھر سکی تھی' بلکہ عفت اور اس کے دونوں بچوں کے آجانے کے بعد یہ خلا کچھ اور بڑھ گیا تھا۔

کاش میں اسی آسانی کے ساتھ پاپا سے بات کر سکتی جتنی آسانی اور بے تکلفی سے میں ماما کی موجودگی میں کر لیا کرتی تھی۔

"پتا نہیں پاپا مجھے کیوں خود سے اتنی دور دور محسوس ہوتے ہیں' ایک عجیب سا خوف' عجیب سا رعب۔ میں ڈر گئی ہوں ان سے۔ کبھی بھی کھل کر بات نہیں کر پاتی اور اب تو یہ خوف اور بڑھ گیا ہے کہ کہیں پاپا مجھے ماما کے پاس نہ بھجوا دیں۔"

وہ کن انکھیوں سے باپ کو دیکھتے ہوئے افسردہ سی بیٹھی کچھ سوچے جا رہی تھی۔

عدیل کیا سوچ رہا تھا۔ اسے معلوم نہیں تھا' کیونکہ اس کا چہرہ بظاہر سپاٹ تھا' لیکن سامنے سیدھی سڑک پر جمی اس کی نظروں میں بہت کچھ تھا۔

گہری سوچ' فکر اور دکھ۔ یہ تینوں چیزیں مثال کو اپنے باپ کے ساتھ جڑی بالکل اچھی نہیں لگتی تھیں۔

"دادو کی زندگی میں تو پاپا پھر بھی کبھی کبھار ہنس پڑتے تھے' بے ساختہ مسکرا لیتے تھے' مگر اب تو جیسے وہ مسکرانا بھول گئے ہیں۔ اس کا دل پھر باپ کے لیے پگھلا جا رہا تھا۔

وہ گہرا سانس لے کر باہر کی طرف دیکھتے ہوئے چونک سی گئی۔

"پاپا ہم گھر نہیں جا رہے کیا؟" کچھ دیر تک وہ رہ نہ سکی تو پھر پوچھنے لگی۔

"جا رہے ہیں گھر میں۔" بڑا مبہم سا جواب تھا جبکہ وہ جانتی تھی یہ رستہ کم از کم گھر نہیں جا رہا۔

عدیل کا دھیان بھی اس کی طرف نہیں تھا۔ خدا جانے وہ کس بات کو اتنی توجہ سے سوچ جا رہا تھا۔ اب مثال کو کچھ پریشانی ہونے لگی۔

☆ ☆ ☆

"پاکٹ منی۔" وہ تنفر سے ہنکارا۔

"دانی!" عفت اس کے انداز سے گنگ سی تھی۔

"آپ کے نزدیک سو دو سو روپیہ پاکٹ منی ہے۔ مائی فٹ اتنے میں آپ ایک ڈھنگ کا برگر کچھ بھی تو نہیں کھا سکتے۔ ایک اچھا ڈرنک بھی نہیں لے سکتے اور آپ کہتی ہیں۔ مجھے پاکٹ منی ملتی تو ہے۔" وہ غصے میں بھرا ہوا تھا آج عفت نے اسے اسکول نہیں بھیجا تھا۔

وہ اس سے بات کرنا چاہتی تھی' اسے سمجھانا چاہتی تھی' لیکن وہ کسی بھی بات کو سننے سمجھنے کے لیے تیار ہی نہیں تھا۔

اس کی اپنی ہی دنیا تھی جس میں ہر بات کی الگ ہی لاجک تھی۔

"میرے فرینڈز کے پاس ان کی پاکٹ میں' ان کے والٹ میں فقطی تھاؤزنڈز سے کم پیسے نہیں ہوتے۔ میں تو اپنے فرینڈز میں ڈھنگ سے بات بھی نہیں کر سکتا۔ میرا والٹ ہمیشہ خالی ہوتا ہے اور مٹھی میں آپ کے شوہر سو دو سو روپے دے کر سمجھتے ہیں' وہ اپنی ذمہ داری بڑے شان دار طریقے سے نبھا رہے ہیں۔" غصہ' نفرت' طیش' بیزاری کیا کچھ نہیں تھا اس کے لہجے میں؟

عفت جب بھی دانی سے اس طرح کھل کر بات کرنا چاہتی' کسی نئی دنیا کی حیرت میں گم ہو جاتی تھی۔ وہ ہر بار ایک بدلا ہوا دانی ہوتا تھا۔ معلوم نہیں وہ ایسا کیوں تھا۔

لاکھ سر پٹخنے پر بھی عفت کو معقول وجہ سمجھ میں نہیں آتی تھی۔

"تمہارا باپ اتنا امیر آدمی نہیں ہے دانی!" وہ بے بسی و بے چارگی کی تصویر بن کر بولی۔

"تو پھر وہ مجھ سے کس طرح (توقع) Expect کرتے ہیں کہ میں محنت کروں گا' میں بہت کچھ بنوں گا۔ وہ خود کیوں نہیں محنت کرتے۔ کیوں دوسروں کے فادرز کی طرح آگے بڑھتے ان کی طرح پیسہ نہیں کماتے۔۔۔ وہ جس جاب پر پہلے دن لگے تھے' آج تک وہیں خود کو کھپا رہے ہیں۔ ہر سال دو تین ہزار روپے کی انکریمنٹ سے وہ خوش ہو جاتے ہیں' پراؤڈ فیل کرتے ہیں کہ وہ کتنا ارن کر رہے ہیں۔"

وہ سولہ ساڑھے سولہ سال کا دانی تو کہیں سے بھی نہیں لگ رہا تھا۔

"میرے پاس نہ برانڈڈ کپڑے ہوتے ہیں' نہ اس اسٹینڈرڈ کی ڈریسنگ ہوتی ہے میری' جس طرح کی میرے فرینڈز کرتے ہیں۔ میں کس طرح ان کے درمیان موو کروں' مجھے خود سے Irritation (جھنجلاہٹ) ہوتی ہے۔ میں خود کو بونا فیل کرتا ہوں۔ ایک سیلف میڈ' غریب باپ کا بیٹا۔ ایک بیٹا ہی ہوں میں پاپا کا' انہوں نے کبھی

میرے ساتھ کچھ اسپیشل نہیں کیا۔ ان کا رویّہ، ان کی سوچ میرے لیے ہمیشہ فار گرانٹڈ ہوتی ہے۔" وہ حیرت انگیز انکشاف کر رہا تھا۔

"ایسے نہیں سوچتے دانی! وہ تم سے سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں۔" عفت نے بات کو سلجھانے کی طرف پیش قدمی کی۔

"مجھے ان کی محبت کی ضرورت نہیں، مجھے وہ جو کچھ پرووائیڈ کرتے ہیں اس میں ان کی محبت نظر آنی چاہیے' ان کی پروا میرے لیے ان کا خیال۔۔۔ کچھ بھی تو نہیں۔ الٹا میں اپنے دوستوں میں بیٹھ کر شرمندہ ہوتا ہوں کہ میں اپنے پیرنٹس کا ایک ہی بیٹا ہوں۔۔۔ کوئی بھی۔۔۔ کوئی بھی میری تکلیف کو نہیں سمجھ سکتا آپ بھی نہیں۔۔۔ پاپا بھی نہیں۔" اس کا غصہ بڑھتا جا رہا تھا اور عفت کی حیرت!

"اسی لیے۔۔۔ اسی لیے میں یہاں اس گھر میں کسی سے بات نہیں کرتا کیونکہ کوئی بھی مجھے نہیں سمجھتا۔ سمجھنا چاہتا بھی نہیں، جب کسی کو بھی میری پروا نہیں تو مجھے بھی کسی کی فکر نہیں۔ آپ لوگ اپنی مرضی سے زندگی جئیں مجھے میری مرضی سے جینے دیں، مت انٹرفیئر کریں جو کچھ میں کر رہا ہوں۔" وہ کھڑے ہو کر زور زور سے بول رہا تھا۔

اور عفت کو جیسے خود پر قابو پانا محال ہو گیا۔ اس نے ایک دم سے اس کے منہ پر تھپڑ جڑ دیا۔

وہ ششدر سا گال پر ہاتھ رکھے ماں کو دیکھتا رہا۔

اس ماں کو، جس نے کبھی آج تک اس سے سخت لہجے میں بات نہیں کی تھی، تھپڑ تو بہت دور کی بات تھی۔

"تمہیں اگر اتنی سمجھ ہے اپنی ضرورتوں کی، اپنی تکلیفوں کی، اپنی سب باتوں کی تو پھر تمہارے اندر اتنی عقل بھی ہونی چاہیے کہ تم اپنے ماں باپ کو بھی سمجھنے کی، ان کو سننے کی کوشش کرو جنھوں نے تمہیں پیدا کیا پالا پوسا تمہاری ہر ضرورت کو حس کر پورا کیا۔"

"کوئی احسان نہیں کیا آپ نے مجھ پر۔ ساری دنیا کے والدین ایسے ہی کرتے ہیں۔" وہ ہر لحاظ اٹھا کر چل دیا تھا۔

"میں اپنی مرضی سے۔ اس گھر میں کبھی پیدا نہیں ہوتا اگر مجھ سے پوچھا جاتا، جہاں کسی کو میری ضرورت تھی ہی نہیں اور بن کیں آپ بھی بے شک بتا دیں پاپا کو بھی، مجھے یہاں رہنا بھی نہیں جہاں رہتے ہوئے مجھے اپنے ہونے پر شرمندگی ہو۔ میں چلا جاؤں گا یہاں سے، بہت جلد۔۔۔ پھر روتی رہنا مجھے یاد کر کے۔" وہ چیختا ہوا چلا گیا عفت پتھر کی طرح بیٹھی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

شفاف پانیوں کی نیلی جھیل میں تیرتی چھوٹی چھوٹی مختلف رنگوں کی مچھلیاں ایک دوسرے سے ٹکراتی رزق کے چھوٹے چھوٹے ذروں کے پیچھے بھاگ رہی تھیں، وہ کن اکھیوں سے ان خوب صورت سنہری رنگ والی مچھلیوں کو دیکھ رہی تھی ویٹر ٹیبل پر پلیٹیں اور چمچ چھریاں کانٹے رکھ رہا تھا۔

وہ چلا گیا تو کچھ لمحوں کے لیے بالکل خاموشی سی ہو گئی سارے میں! اس نے جیسے ڈرتے ڈرتے عدیل کی طرف نظریں اٹھا کر دیکھا وہ اس کی طرف منتظر نظروں سے دیکھ رہے تھے۔

"نہیں۔۔۔ نہیں پاپا۔" بہت آہستہ مگر دوٹوک لہجے میں اس نے کہا تھا۔ کہہ کر اس نے فوراً "عدیل کے چہرے کی طرف دیکھا۔

اس کے باپ کی تھکی ہوئی پژمردہ آنکھوں میں کیسی زندگی سے بھرپور چمک کی لہر دوڑی تھی وہ لمحے بھر کو بس انہیں دیکھتی رہ گئی۔

"کیا پاپا کو لگتا تھا انہیں یقین تھا کہ میرا جواب یہ نہیں ہو گا۔" اس نے دل میں کچھ اور سوچا۔
"تمہیں یقین ہے نا مثال۔" وہ اس سے پکی گارنٹی چاہ رہا تھا۔
اس نے آہستگی سے اثبات میں سر ہلا کر گردن جھکالی تو اسے لگا واثق ان مچھلیوں کے پاس جھیل کنارے بیٹھا اسے بہت شکایتی نظروں سے دیکھ رہا ہے۔ مگر وہ کیا کرتی؟
اس نے طے کرلیا تھا کہ وہ اب اپنے پاپا کو کوئی دکھ نہیں دے گی، مگر اس کا دل۔
وہ اپنے دل کا کیا کرتی جو نہ چاہتے ہوئے بھی واثق کی طرف کھنچا جا رہا تھا۔
"شکر ہے میرے اللہ کا۔" اس نے عدیل کی تشکر بھری بڑبڑاہٹ سنی تو چونک کر باپ کو دیکھنے لگی۔
"مجھے جانے کیوں خوف سا تھا مثال... مجھے لگ رہا تھا شاید تم کسی میں... حالانکہ میں جانتا ہوں میری بیٹی اس ٹائپ کی نہیں ہے، میری بیٹی بہت معصوم سادہ اور ان چیزوں سے دور رہنے والی ہے، وہ اس طرح کی بات نہیں کر سکتی مگر۔" وہ جیسے رک کر مناسب الفاظ سوچنے لگا۔
"مثال! پھر آپ کے یوں بار بار انکار کی وجہ...؟ مجھے پریشان کر رہی تھی بیٹا۔" وہ کچھ بے بسی سے بولا۔
"پاپا میں اتنی جلدی نہیں چاہتی یہ سب، میں ابھی اپنی تعلیم مکمل کرنا چاہتی ہوں۔ اپنے پیروں پر کھڑی ہونا چاہتی ہوں۔" اس نے دھیمے مگر فریادی سے لہجے میں کہا۔
"میں جانتا ہوں، سمجھتا ہوں آپ کی فیلنگز کو... لیکن مثال۔" وہ پھر رک گیا کوئی سوچ تھی جو اسے روکتی تھی۔
"پاپا... کیا بات ہے۔" وہ پریشان ہو کر پوچھنے لگی۔ اسے عدیل کی طبیعت اچھی نہیں لگ رہی تھی۔
"پتا نہیں... بہت عجیب سا فیل ہو رہا ہے، دانی والے واقعے نے جیسے مجھے توڑ کر رکھ دیا ہے۔" وہ ہلکے سے سینہ مسل کر بولا۔
اور پہلی بار... پہلی بار مثال کو لگا اس کا باپ ایک دم سے بوڑھا ہو گیا ہے۔
اس کا جی چاہا وہ فوراً اٹھ کر پاپا کو اپنے ساتھ لگا کر انہیں دلاسا دے، تسلی دے کہ پاپا میں ہوں نا آپ کے ساتھ، میں آپ کو کبھی ٹوٹنے نہیں دوں گی۔
مگر صرف اس کی آنکھوں میں نمی اتری، وہ یہ سب کہہ نہیں سکی اپنے باپ سے۔
"آپ ٹھیک ہیں پاپا؟" وہ اٹھ کر پاس آ کر بولی۔
"میں ٹھیک ہوں مثال۔ معلوم نہیں مجھے کیوں لگ رہا ہے، میرے پاس اب زیادہ وقت نہیں ہے۔" وہ پہلی بار بہت بے چینی سے جیسے اسے کچھ الہام ہوا ہو بے بس لہجے میں بولا۔
"نہیں پاپا! آپ پلیز ایسی باتیں نہیں کریں۔ آپ کو کچھ نہیں ہو گا اور دانی ابھی ناسمجھ ہے آپ اسے ٹائم دیں، توجہ دیں وہ ٹھیک ہو جائے گا۔" وہ ہولے ہولے باپ کا کندھا دبا کر بولی۔
"مجھے نہیں لگتا... شاید اب اس کا وقت گزر گیا ہے۔" وہ کراہ کر آہستہ آواز میں بولا۔
"پاپا ایسا نہیں ہے، میں بھی آپ کے ساتھ دانی کو ٹائم دوں گی ہم مل کر اسے سدھار لیں گے۔" وہ بڑے عزم سے کہہ رہی تھی۔
"اس کی اب ضرورت نہیں" وہ خود کو سنبھال کر سیدھا ہو کر بولا۔ مثال اسے دیکھ کر رہ گئی۔
"مجھے صرف تم سے یہ تسلی چاہیے تھی مثال! کہ تم میرے ساتھ کچھ بھی ایسا ویسا نہیں کرنے والی، جو دانی نے کیا ہے، کیونکہ مثال میں وقار اور فائزہ کو زبان دے چکا ہوں، وہ جلد شادی کا کہہ رہے ہیں اور میں اپنی زبان سے پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ تم اپنی ایجوکیشن جو بھی تمہارا ارادہ ہے شادی کے بعد اسے پورا کرنے کا سوچنا۔" وہ رک کر

جیسے سانس لینے لگا۔

"میں سب محاذوں پر نہیں لڑ سکتا' تمہاری طرف سے مجھے اطمینان ہونا چاہیے' وہ اس مہینے میں شادی کی ڈیٹ مانگ رہے ہیں' میں انہیں تاریخ دے رہا ہوں۔ تم اب مجھے دوبارہ پریشان نہیں کرو گی۔" وہ اس کے لیے راستے بند کرتے جا رہے تھے۔ اس نے خاموشی سے سر جھکا دیا۔

ویٹر اب ان کے آگے کھانا سرو کر رہا تھا۔

☆ ☆ ☆
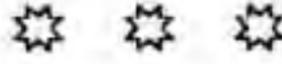
عفت چہرے پر برسوں کی بیمار صورت سجائے کسی گہری سوچ میں بیٹھی تھی۔ پری دوبار چکر لگا کر جا چکی تھی۔

"مما! یہ مثال آپی کدھر رہ گئیں آج' میں کب سے کالج سے آچکی ہوں اور وہ۔" تیسری بار وہ رہ نہ سکی تو پوچھ بیٹھی۔

"وہ جہنم میں۔" وہ سخت نفرت بھرے لہجے میں بولی۔

"میں بتا رہی ہوں نا اس کا کہیں نہ کہیں چکر چل رہا ہے۔" وہ ماں کے پاس بیٹھ کر رازدارانہ انداز میں بولی۔

"تو بھاگ جائے منحوس جس کے ساتھ چکر چلا رہی ہے' ہماری جان چھوڑے' یہاں کم عذاب ہیں' ہمارے لیے ایک وہ مزید آبیٹھی۔" عفت کو ساری مصیبتوں کی وجہ صرف مثال لگ رہی تھی۔ پری ماں کو دیکھ کر رہ گئی۔

"تمہارے باپ کو جو تھوڑی بہت اس گھر کی فکر ہوتی تھی تم دونوں کی پروا ہوتی تھی' وہ بھی نہ رہی جب سے یہ چھل پیری اس گھر میں آئی ہے۔" وہ دانیال کے رویے سے سخت کبیدہ خاطر تھی اور غصہ مثال کی موجودگی پر نکالتی جا رہی تھی۔

"ہو تو رہی ہے دفع' وہ بھی اتنی شاندار جگہ پر۔" پری حسد بھرے لہجے میں جیسے کلس کر بولی۔

عفت کو جیسے بھولا ہوا ایک اور غم یاد آگیا۔

"یہ بھی صرف تمہارے باپ کی وجہ سے۔" وہ اس جلے بھنے انداز میں پھر سے کہہ گئی۔

"ہمارے ساتھ یہ ناانصافی کب تک ہوتی رہے۔ مما! پاپا ہمیشہ مثال آپی کو ترجیح دیتے ہیں جیسے وہ سوتیلی نہیں' میں اور دانی سوتیلے ہیں۔ دیکھ رہی ہیں آپ اس کے بعد پاپا نے دانی کو بلایا تک نہیں۔ اسے بالکل سب سے کاٹ کر جیسے الگ کر دیا گیا ہو۔" وہ جانتی تھی دانی ماں کی کمزوری ہے اس کو ہٹ کرتے ہوئے بولی عفت کی آنکھوں میں مارے دکھ کے آنسو آگئے۔

"کیا کروں میں۔۔۔ میرا بچہ کیسا اکیلا سا پڑ گیا' باپ ہوتے ہیں اولاد کے ۔ ہمدرد' پھر بیٹا وہ بھی اکیلا۔۔۔ کیا کیا نہیں کرتے باپ اکلوتے بیٹے کے لیے۔۔۔ ایک یہ ہیں' کیا کر رہا ہے کہاں ہے؟ کیا چاہتا ہے؟ کوئی پروا ہی نہیں۔" وہ ہاتھ مل کر کہہ رہی تھی۔ پری کسی اور ہی سوچ میں گم تھی۔

"مما! کیا مثال آپی امریکہ چلی جائیں گی شادی کے بعد اس فہد بھائی کے ساتھ۔" وہ کچھ دیر بعد گہری سوچ سے نکل کر پوچھ رہی تھی۔

"کالے پانی جائے ہماری بلا سے۔۔۔ وہاں بسے گی تو پھر ناں' اس کی ماں کا گھر کن مشکلوں سے بسا' ساری دنیا جانتی ہے' جیسی ماں تھی ویسی ہی بیٹی ہوتی ہے نا۔" اور اندر آتی مثال اور اس کے پیچھے کھڑے عدیل کے قدم وہیں رک گئے۔ عفت کی دونوں کی طرف پشت تھی۔

پری ان دونوں کو دیکھ چکی تھی مگر ماں کو روک نہیں سکتی تھی جواب بھی منہ بھر کر بول رہی تھی۔

"دیکھ لینا میری بات لکھ کر رکھ لو' چوتھے دن یہ لڑ بھڑ کر ماں کی طرح نہ طلاق کے کاغذ لے کر واپس آئی تو میرا بھی نام عفت نہیں۔" وہ جوش بھرے لہجے میں کہتے ہوئے یونہی ذرا سا پیچھے پلٹیں تو سامنے کھڑی مثال اور پیچھے کھڑے کینہ توز نظروں سے گھورتے عدیل کو دیکھ کر جیسے گنگ سی ہو گئیں۔ عدیل اسے دیکھتا جا رہا تھا۔

"آپ آگئے' سخت فکرمند ہو رہی تھی میں بھی اور پری بھی' آپ کو کال کر رہی تھی مگر یہ..." عفت بولتے بولتے خود ہی رک گئی عدیل اسی طرح اسے دیکھے جا رہا تھا۔

مثال سر جھکا کر کسی مجرم کے سے انداز میں کھڑی تھی۔

"اچھا ہی ہوا عفت بیگم! تم نے اپنے دل کی نفرت ظاہر کر دی اگرچہ مجھے پہلے بھی کوئی شک نہیں تھا کہ تم مثال کے بارے میں کیسی سوچ رکھتی ہو... اب یقین ہو گیا۔" وہ سرد لہجے میں اسے کہتا وہیں جیسے جم کر کھڑا تھا۔

عفت کھڑے کھڑے جیسے زمین کے اندر دھنس رہی تھی۔ وہ دو قدم بڑھا کر اس کی طرف آیا۔

"کسی انسان کو بدلنا تو کسی دوسرے انسان کے بس کی بات نہیں' لیکن یہ یاد رکھنا کہ وقت ہمیشہ ایک جیسا نہیں رہتا کبھی بھی... تمہاری بری سوچ کے باوجود... عفت! پری میری بیٹی ہے میں اس کے لیے ہمیشہ ایک بہت اچھی زندگی کی دعا کرتا رہوں گا کہ اسے تمہاری سوچ کی سزا خدا کبھی نہیں دے۔"

اور عفت کو عدیل سے کم از کم یہ امید تو کبھی بھی نہیں رہی تھی کہ وہ اس طرح دونوں بیٹیوں کے سامنے ایک سگی... اور ایک سوتیلی دونوں کے سامنے اس طرح اسے پورے قد سمیت چھوٹا کر دے گا کہ وہ کبھی خود کو آئینہ دیکھنے کے قابل نہیں سمجھے گی۔

"کسی دوسرے کے لیے برا سوچنے والے اپنے لیے اچھے ہونے کی امید کیسے رکھ سکتے ہیں یہ مقام حیرت ہے۔" وہ اسے جتانے والے انداز میں کہہ کر انہیں قدموں پر واپس مڑ کر گھر سے باہر جا چکا تھا۔

اور عفت گھبراہٹ میں یہ بولتے ہوئے بھول گئی کہ ابھی عدیل کے آفس سے واپسی کا وقت کب ہوا تھا جو وہ اسے جتا رہی تھی کہ وہ کہاں رہ گیا تھا' وہ پریشان ہو رہی تھی۔

عفت وہیں نڈھال سی گر گئی' پری ترس بھری نظروں سے ماں کو دیکھنے لگی مثال بوجھل قدموں سے اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

دل تو یوں بھی بہت بھاری ہو رہا تھا۔

آج اس کے دل نے پہلی جنم لیتی محبت کو جو ابھی پھوٹ کر کونپل بھی نہیں بنی تھی' بڑی خاموشی سے الوداع کہہ دیا تھا۔ اس کا بھاری پتھر سا وزن کچھ کم نہیں تھا جو عفت کی یہ باتیں! "کیسے... کیسے اس نے مثال کو ہمیشہ بشریٰ کے ساتھ جوڑ کر یہ طے کر رکھا تھا کہ اگر بشریٰ طلاق لے کر گئی تھی تو مثال کے ساتھ بھی یہی کچھ ہونا تھا۔

وہ زخم جو اتنے سال گزر جانے کے بعد ابھی تک مثال کے دل میں ہرا تھا کہ جیسے یہ اندوہناک واقعہ ابھی کل ہی تو ہوا ہے پھر عفت جیسے لوگ جو اسے مندمل ہونے ہی نہیں دیتے تھے اس کا دل بھر بھر آ رہا تھا۔

لیکن اسے رونا نہیں... لیکن یہ بھی پتا تھا کہ اگر نہیں روئے گی تو اس کا دل پھٹ جائے گا۔

"کاش یہ دل پھٹ جائے تو سارے عذاب آج ختم ہو جائیں گے' کمرے کا دروازہ بند کرتے ہوئے اس نے دل سے دعا کی' لیکن وہ لمحہ قبولیت کا نہیں تھا۔ وہ بے آواز آنسوؤں سے پگھلتی شمع کی طرح یونہی قطرہ قطرہ سلگنے لگی۔

☆ ☆ ☆

عفت نے بڑی محنت سے دانی کی پسند کی ساری ڈشز بنائی تھیں وہ صبح سے کمرے میں بند تھا۔

اس کی بدتمیزی اور اتنے برے رویے کے باوجود بھی عفت نے بہت سوچ سوچ کر خود اپنے بیٹے کے لیے محنت

کرنے کا فیصلہ کیا۔
وہ اب خودوانی کو بدلے گی اسے ایک اچھا قابل لڑکا بنائے گی اور عدیل پر ایک دن ثابت کردے گی کہ وہ ایسی بھی غیر ذمہ دار پھوہڑ ماں نہیں ہے جس نے صرف بچوں کو پیدا کیا ہے انہیں بنانے سنوارنے کی طرف دھیان نہیں دیا اس کے دل میں عزم تھا وہ گھنٹوں کچن میں گھسی اس کے لیے اس کی پسند کے کھانے بناتی رہی۔
"مما! آپ کی طبیعت خراب ہوجائے گی بس کردیں۔" پری بے چین ہو کر کئی بار آئی۔
"اور مجھے نہیں لگتا کہ وانی یہ سب کھائے گا اور جس طرح اس نے آپ کے ساتھ بدتمیزی کی آپ کو اس سے ناراض ہونا چاہیے تھا الٹا آپ اس کی خاطر داریاں کررہی ہیں۔" وہ کوفت بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔
"پری! تمہیں بھی اس کے ساتھ کچھ دوستی محبت کا برتاؤ کرنا ہوگا۔" تمہارا چھوٹا بھائی ہے اسے تمہارا پیار چاہیے تمہاری توجہ۔" وہ پری کو بھی سمجھانے لگی۔
"مما! وہ ان سب چیزوں سے دور جاچکا ہے۔" پری نے دم پر رکھے پلاؤ میں سے ایک بوٹی اٹھا کر کھاتے ہوئے کہا۔
"ایسا نہیں ہے پری! تمہیں بھی میرا ساتھ دینا ہوگا۔" وہ پوری طرح سے فیصلہ کرچکی تھی کہ اسے وانی کو سدھارنا ہے باہر اسپورٹس بائیک کی تیز آواز آئی۔ اور ماں بیٹی چونک گئیں۔
تاسف بھری نظروں سے پری ماں کی طرف دیکھتے ہوئے فریج سے کولڈ ڈرنک نکال کر پینے لگی۔
"ساری آپ کی محنت بے کار گئی اس کا جگری دوست بوبی باہر آگیا ہے مما! وہ اب کسی بھی صورت گھر نہیں رکے گا اور رات سے پہلے آئے گا نہیں اور کھانا تو وہ اب گھر میں نہیں کھائے گا۔"
اور عفت کو لگ رہا تھا کھڑے کھڑے اس کی تختہ کمر سے جو درد کی لہریں اٹھ رہی ہیں۔ اس کے پورے جسم کو بے جان کررہی ہیں وہ خود کو گھسیٹتے ہوئے باہر لے گئی۔
"وانی! رکو مت جاؤ باہر بیٹا! تمہارے پاپا آنے والے ہیں اچھا بوبی کو اندر بلالو میں نے تمہارے لیے کھانا تیار کیا ہے بہت محنت سے۔ وانی رکو۔" وہ اسے تیار ہو کر باہر جاتے دیکھ کر پکارتی اس کے پیچھے لپکی تھی مگر وہ ان سنی کرکے جاچکا تھا۔

☆ ☆ ☆

"نہیں۔" مثال خود کو سنبھال چکی تھی سو متوازن لہجے میں بولی دوسری طرف واثق کچھ ٹھٹکا۔
"مثال۔" وہ بے چینی سے بولا۔
"واثق میں نے آپ کو بتایا تھا کہ میں اب آپ سے کوئی رابطہ نہیں رکھنا چاہتی مجھے اب صرف وہ کرنا ہے جو میرے پاپا چاہیں گے۔" وہ دو ٹوک لہجے میں بولی۔
"تو پھر تمہیں میری کال بھی نہیں لینی چاہیے تھی جبکہ تم مجھے رات میں منع کرچکی تھیں۔" وہ طنز بھرے لہجے میں بولا۔
مثال ایک دم سے خاموش ہوگئی۔

اس کی آنکھوں میں پھر سے نمی اترنے لگی۔
"تم پلیز اب رونا شروع نہیں کردینا میں کچھ سنا نہیں رہا تمہیں صرف مذاق کررہا ہوں۔" وہ فوراً سے بولا۔
پتا نہیں اسے کیسے مثال کے آنسوؤں کے بارے میں پتا چل جاتا تھا۔

"میں نہیں رو رہی۔" وہ آہستگی سے آنکھیں صاف کر کے فوراً بولی۔

"اچھی بات ہے تم نے اپنی آنکھیں صاف کر لیں مثال! میں صرف یہ چاہتا ہوں تم ہنسو مسکراؤ اور دل سے خوش زندگی بسر کرو تم کبھی نہیں روؤ۔" وہ بہت جذبے سے کہہ رہا تھا۔

ایسی محبت بھری دعا کبھی کسی نے اس کے لیے نہیں چاہی تھی۔ اس کی آنکھیں پھر بھیگنے لگیں۔

وہ کچھ بول ہی نہیں سکی۔۔۔ وہ یوں بھی واثق کے سامنے کچھ بول نہیں پاتی تھی۔ آج تو اس نے اتنا کہہ کے جیسے بالکل ہی اسے گنگ کر دیا۔

"مثال! ہم اچھے دوست ہیں اور ہمیشہ رہیں گے' کبھی میری دوستی تمہارے لیے کسی پریشانی کی وجہ بنی تو یقین کرو میں تمہارے منع کرنے سے پہلے خود ہی پیچھے ہٹ جاؤں گا اور تم جانتی ہو میں کم از کم تمہارے دل کا حال تو تھوڑا بہت جان ہی لیتا ہوں۔" وہ پھیکی سی ہنسی ہنسا تھا۔

اور اس کا دل چاہا وہ رو دے۔

"اگر کھل کر رونا چاہتی ہو تو پلیز رو لو تمہارے دل کا بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔" وہ پھر کچھ دیر بعد اسے مشورہ دیتے ہوئے بولا۔

"یہ بوجھ اب کبھی ہلکا نہیں ہو گا۔" وہ بھاری آواز میں بولی۔ دونوں طرف چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔

"مثال۔" وہ بوجھل آواز میں اس کا نام لے کر بولا تو اس کا دل بہت بری طرح سے دھڑکا۔ اسے یوں لگا جیسے وہ اس کے پہلو میں ہی بہت قریب اس سے جڑ کر بیٹھا ہو' وہ کچھ اور بھی سمٹ کر منتظر سی نظروں سے اپنے دائیں طرف دیکھنے لگی۔

"تم مجھے اتنی اجازت تو دو گی میں کبھی کبھار جب دل کے ہاتھوں بہت مجبور ہو جاؤں تو تم سے بات کر لوں' تمہیں فون کر لوں؟" وہ بہت مجبور سے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"پتا نہیں ایسا ہو بھی سکے گا یا نہیں۔ میرے ساتھ آگے کیا ہونے والا ہے میں خود بھی نہیں جانتی۔۔۔ میں کسی بھی بات کے بارے میں کبھی بھی شیور نہیں رہی۔ مجھے ہونے ہی نہیں دیا گیا' ہمیشہ ہر معاملے میں میں بٹی رہی۔ تقسیم شدہ۔" وہ کسی گہرے دکھ کی سوچ میں ڈوب کر دھیرے سے بولی۔

واثق کچھ بول ہی نہیں سکا۔

"ہمیشہ اپنے فیصلوں کے لیے بہت اہم فیصلوں کے لیے مجھے کسی اور کی طرف دیکھنا پڑا۔ جن بچوں کے ماں باپ تقسیم ہو جاتے ہیں نا واثق! وہ زندگی میں بہت بے اعتبار بے بھروسہ رہتے ہیں ہر معاملے' ہر کام میں ڈانواڈول۔۔۔ میں بھی ایسی ہوں۔۔۔ آج میں آپ کو اجازت دے دوں اور کل میرے ساتھ کیا ہو میں کچھ بھی نہیں جانتی۔" وہ رک رک کر بڑے طریقے سے اقرار اور انکار کے بیچ لٹکی۔ جیسے خود بھی اسے اپنی زندگی سے خارج نہ کرنا چاہتی ہو۔ شاید وہ اسے ہمیشہ اجازت' اور انکار کے درمیان رکھنا چاہتی تھی اس نے آہستگی سے واثق کا جواب سنے بغیر فون کر دیا۔

☼ ☼ ☼

"کل فائزہ بھابھی اور وقار آ رہے ہیں شادی کی ڈیٹ فکس کرنے کے لیے۔" ناشتے کی میز پر وہ تینوں چونک کر عدیل کو دیکھنے لگیں۔ عفت کچھ لمحے کچھ بول نہیں سکی۔

کل دونوں کے درمیان جو تلخ کلامی ہوئی تھی' اس کے بعد عدیل نے رات اسٹڈی روم میں ہی گزاری اور

عفت کا حوصلہ ہی نہیں ہو سکا کہ وہ جا کر اسے کمرے میں آنے کے لیے کہے' ساری رات بے چین خالی بیڈ پر کروٹیں لیتی رہی۔

ایک دانی کی پریشانی جو رات بہت دیر میں گھر آیا اور عدیل کو اس کے باہر ہونے کا پتا نہیں چلے وہ خنکی میں گیٹ کے آس پاس اندھیرا کیے ٹہلتی اس کا انتظار کرتی رہی۔

اس کے گھنٹی بجانے سے پہلے ہی اس نے بہت آہستگی سے بغیر کسی کھٹکے کے گیٹ کھول دیا۔

وہ ماں کو دیکھے بغیر کسی معذرتی رویے کے بغیر اپنے میں مگن اندر چلا گیا۔ اور وہ خود بھی اس وقت دانی سے الجھنا نہیں چاہتی تھی۔ اگر عدیل کو پتا چل گیا تو بہت بڑا ہنگامہ ہو جائے گا۔

اور اب عدیل کی بے اعتنائی۔۔۔ اسے رات بھر توڑتی رہی شاید غلطی میری ہے' مجھے مثال کے لیے اتنا بھی برا نہیں سوچنا چاہیے۔ بہرحال میں بھی ایک بیٹی کی ماں تو ہوں۔۔ وہ آخر میں اس نتیجے پر پہنچی تھی۔

وہ عدیل سے معذرت تو نہیں کر سکتی تھی۔

لیکن اس نے خود ہی صبح بیڈ ٹی بنا کر عدیل کو جا کر اسٹڈی میں دے دی جہاں اس نے اپنا سنگل بیڈ بھی بچھا رکھا تھا۔

معلوم نہیں وہ بھی رات بھر سویا یا نہیں' لیکن بستر بے شکن تھا۔

''اور فہد۔۔۔ وہ بھی آ رہا ہے؟'' بہت دیر بعد عفت کو خیال آیا کہ اسے کچھ بولنا تو چاہیے۔ عدیل کے کرسی چھوڑنے سے پہلے بولی۔

''فہد اس ہفتے آ رہا ہے۔'' وہ نپے تلے انداز میں بولا۔

''دانی اسکول چلا گیا ہے۔'' وہ کچھ دیر بعد خود ہی بولا۔

''جی۔۔۔ چلا گیا ہے۔'' وہ کچھ شرمسار سے لہجے میں بولی۔

''میں ابھی اس کے اسکول جا رہا ہوں' اس کے پرنسپل نے بلوایا ہے۔ معلوم نہیں وہ اب اسے اسکول میں رکھتے ہیں یا نہیں' پولیس اسٹیشن سے پھر آنا چھوٹی بات نہیں' ان کے اسکول کی ریپو کا مسئلہ ہے اور میرے خیال میں بھی اس کا اسکول تبدیل کر دینا چاہیے' یہاں کی بری کمپنی نے اسے کہیں کا نہیں چھوڑا شاید اسکول بدلنے سے اس کی سوچ کچھ بہتر ہو سکے۔'' وہ خود ہی رک رک کر بول رہا تھا۔

اور عفت کو تو صرف یہ خوشی تھی کہ اس نے خود سے ہی دانی کی بات تو کی۔

''میں خود بھی یہی چاہتی ہوں کہ اس کا اسکول بدل دیا جائے۔'' وہ خوش ہو کر بولی۔

''وہ رات کو دیر سے آیا تھا گھر؟'' وہ کچھ دیر بعد بولا۔ عفت کچھ بول ہی نہ سکی' نہ ہاں کر سکی نہ ناں۔

''پاپا! میری وین آ گئی ہے' میں جا رہی ہوں کالج خدا حافظ۔'' مثال وین کا ہارن سن کر اپنا بیگ اٹھا کر جاتے ہوئے بولی۔

''سنو مثال۔'' عدیل نے اسے پکارا۔

پری اور عفت متوجہ ہو گئیں۔

''کچھ نہیں' تم جاؤ واپس آؤ گی تو پھر بات ہو گی۔'' کچھ سوچ کر عدیل نے کچھ ٹالنے والے لہجے میں کہا۔

مثال سر ہلا کر تیزی سے باہر نکل گئی۔

''اب تو میرے خیال میں مثال کو کالج نہیں جانا چاہیے۔ اگر کل وہ لوگ ڈیٹ فکس کرنے کے لیے آ رہے ہیں تو۔۔۔ یوں بھی کونسا لمبے دنوں کی تاریخ رکھیں گے وہ؟'' عفت کچھ جتا کر بولی۔

"میں بھی مثال سے یہی کہنے والا تھا' اب وہ جا رہی ہے تو سوچا واپس آئے گی تو بات کرلوں گا۔" وہ کپ رکھ کر کھڑا ہو گیا۔

"اور عفت! تم مجھے لسٹ بنا دو سامان کی جو مثال کے لیے چاہیے ہو گا' میرے خیال میں اب ہمیں تیاریاں شروع کردینی چاہئیں۔"

"جی بالکل آپ آج کوشش کریں آفس سے اگر جلدی آسکیں تو پھر ہم بیٹھ کر بات کرلیں گے' کچھ لسٹ میں بنالوں گی پھر دیکھ لیں گے یہ سب کیسے ہوتا ہے۔" وہ بھی ذرا جوش بھرے لہجے میں خوشدلی سے بولی۔

"ٹھیک ہے میں کوشش کرتا ہوں اگرچہ وقار نے تو منع کیا ہے' جہیز وغیرہ کے لیے' لیکن ظاہر ہے دنیا داری کے لیے سہی' ہمیں خالی ہاتھ تو رخصت نہیں کرنا مثال کو۔"

"بالکل انشاء اللہ سب کچھ ہو گا جو ہم کرسکے۔" عفت بھی اسی کے لہجے میں بولی۔ عدیل شاید خفیف سا مسکرایا تھا عفت کو ایسا ہی لگا۔

"پاپا ہم بھی اس گھر میں رہتے ہیں' آپ کبھی میرے متعلق بھی کوئی بات کرلیا کیجیے۔ تو مجھے بھی احساس ہو میں آپ کی بیٹی ہوں۔" ایک دم سے پری تلخی سے کہتے ہوئے بیگ اٹھا کر تیز تیز چلتی باہر نکل گئی۔

عدیل اور عفت لمحہ بھر کو گم صم سے رہ گئے' پھر عدیل کچھ کہے بغیر خاموشی سے نکل گیا۔

"بالکل احمق ہے یہ پری کیا کروں میں اس کا۔" عفت بڑبڑاتے ہوئے برتن اٹھانے لگی۔

"ابھی دادی کی مصیبتیں کم ہوں تو یہ بچارے کسی اور طرف دھیان کریں۔ عدیل غلط نہیں شاید میں ہی ان دونوں کی تربیت ڈھنگ سے نہیں کرسکی۔" وہ برتن اٹھا کر کچن میں لے گئی۔

✡ ✡ ✡

"یہ کیا کہہ رہی ہو پری!" دردہ کو کچھ اور بھی حیرت نے آگھیرا۔ پری نے بات ہی ایسی کی تھی۔

"یار اگر تم میں حوصلہ نہیں ہے کہ تم میری بات اپنے بھائی تک پہنچاؤ تو یار مجھے اجازت دو میں تمہارے گھر آکر ان سے خود بات کرلوں۔ کرسکتی ہوں نا؟" وہ بے باک سے لہجے میں پوچھ رہی تھی اور دردہ کچھ بول ہی نہیں سکی۔

"کیا میں نے تمہارے سر پر کوئی بم پھوڑ دیا ہے؟ اس دن بھی تم نے مجھے کوئی جواب نہیں دیا تھا آج بھی گونگی ہو گئی ہو۔" وہ سنبھل کر بولی۔

"کسی کو پسند کرنا جرم تو نہیں اور یہ کسی کے اختیار میں بھی نہیں۔ حالانکہ میں یہ فرسٹ سائٹ لو پر یقین نہیں رکھتی لیکن تمہارے بھائی کو دیکھ کر۔" وہ ہونٹ کاٹ کر کچھ اور بولتے بولتے رک سی گئی۔

"ایک بات کہوں پری۔" دردہ کچھ فیصلہ کن انداز میں بولی۔

"ہاں یہی تو چاہ رہی ہوں یار ہم کچھ بولو کچھ اپنی اوپینئن اور میں کیا کروں۔" وہ سخت بے قراری سے بولی۔

"میں نے خود جب تمہیں پہلی بار آئی مین جب میں پہلی بار تم سے ملی' تمہیں دیکھا تو میرے دل نے بھی بے اختیار یہی خواہش کی تھی۔ کہ کسی طرح تم میری پیاری سی بھابی بن جاؤ۔" وہ آنکھوں میں چمک لیے رک رک کر بولی۔

تو پری بے یقین سی اسے دیکھنے لگی۔

"تمہیں یقین نہیں آیا میری بات کا۔" وہ اسے ہلا کر بولی۔ پری نے زور سے نفی میں سر ہلایا۔

"کیوں میں ایسا کیوں نہیں سوچ سکتی؟" وہ خفگی سے بولی۔

''اس دن جب میں نے تم سے بات کی تھی یار تمہیں تو سانپ سونگھ گیا تھا میں سمجھی شاید تمہیں میری بات بری لگی۔'' پری سرہلا کر بولی۔

''پھر بتاؤ ناں تم کرو گی اپنے بھائی سے بات۔'' وہ خیال آنے پر پھر بے چین ہو کر بولی۔

''آں ابھی نہیں کچھ دن ٹھہر جاؤ۔'' وردہ کچھ سوچ کر بولی اب پری کو کیا بتاتی وہ پہلے بات کر کے گھر میں کتنا ذلیل ہوئی ہے واثق اور عاصمہ سے۔

''کتنے دن یار۔'' پری کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ابھی وردہ کے گھر جا کر خود واثق سے بات کرلے۔

''پری! تمہاری وین کتنے بجے آئے گی آج۔'' اسی وقت مثال اس کے پاس آ کر بولی۔

''پتا نہیں۔'' وہ فوراً لاتعلق ہو کر بولی۔

''اوہ انکل کا فون آگیا تھا میری وین کے... انہیں کسی ایمرجنسی میں شہر سے باہر جانا پڑ گیا ہے تو وہ ہمیں پک نہیں کرسکیں گے۔'' وہ رک کر بولی۔

''ہمارا تو آج پریکٹیکل بھی ہے تین بج جائیں گے ہمیں تو۔'' وہ اسی لاتعلقی سے بولی۔

''اوہ پھر تو مجھے دیر ہو جائے گی میری اب کوئی کلاس بھی نہیں۔ ٹھیک ہے میں خود ہی کسی اور کے ساتھ چلی جاتی ہوں شاید فروا جارہی ہے اس کے ساتھ چلی جاتی ہوں۔'' وہ کہہ کر چلی گئی۔ پری نے یونہی سر جھٹکا۔

''رئیلی یار یہ تمہاری اسٹیپ سسٹر ہے۔'' وردہ اسے دور جاتے دیکھ کر کچھ سرگوشی میں بولی۔

''ہوں۔'' پری نے فقط ہنکارا بھرا۔

''ویسے یار تم سے بالکل الگ ہے یہ بڑی گریس ہے اس میں۔ تمہاری بہن نہیں لگتی یار بالکل بھی۔'' وردہ کچھ سراہنے والے ڈھکے چھپے انداز میں بولی۔

''تو پھر دشمن لگتی ہوگی اگر بہن نہیں لگتی تو....'' پری خود ہی ٹھٹھا مار کر ہنسی تو وردہ کچھ بول نہ سکی۔

''سنو تمہارا بھائی کہیں اور تو انوالو نہیں؟'' کچھ خیال آنے پر پری رازداری سے پوچھنے لگی۔

''یہی تو مجھے معلوم کرنا ہے۔ میں اس لیے چاہ رہی تھی کہ تم ابھی کچھ دن ویٹ کرلو میں خود مناسب موقع دیکھ کر گھر میں بات چلاؤں گی کیا خیال ہے تمہارا۔''

''ہوں۔'' پری کسی سوچ میں گم بولی۔

''تمہارے گھر میں آئی مین تمہاری مدر اور بھائی... انہیں یہ بات کیسی لگے گی۔'' وہ کسی خدشے کے تحت بولی۔

''آئی ڈونٹ نو یار ابھی مجھے کچھ اندازہ نہیں بٹ میں بہت خوش ہوں! بہت زیادہ میں نے سوچا بھی نہیں تھا جس لڑکی کو میں نے پہلی نظر دیکھتے ہی اپنی بھابھی کے روپ میں دیکھنے کی تمنا کی تھی۔ وہ میری بھابھی ضرور بنے گی۔ بنو گی ناں۔'' جھک کر اس کی تھوڑی کو چھوتی وردہ نے کہا تھا۔

☆ ☆ ☆

''کیوں لائبریری کیا کرنے جانا ہے، تم جانتی ہو ناں اب تمہارا کالج جانا بھی ختم ہے۔'' عفت کڑے لہجے میں اس کو دیکھتے ہوئے بولی۔

''ماما کچھ ضروری بکس ایشو کروا رکھی تھیں میں نے ایک تو وہ واپس کرنے ہیں ہفتے سے اوپر ہو چکا ہے تو وہ دے آتی ہوں۔'' وہ کچھ بے چارا سا منہ بنا کر بولی۔

''پری کو دے دو وہ لوٹا آئے گی۔'' عفت کچھ سوچ کر بولی۔

''ماما مجھے ایک دو بکس لینی بھی ہیں پلیز۔'' وہ منت سے بولی۔ عفت تیز ہاتھوں سے سبزی بناتی رک کر اس کا

جائزہ لینے لگی۔

"یہ پالک گوشت تمہارے باپ کی کمزوری ہے اور گھر میں ان کے علاوہ صرف تم کھاتی ہو' باقیوں کے لیے کچھ اور بنے گا دائی کو قورمہ چاہیے تو پری کو کچھ اور' تمہیں کیا لگتا ہے میں کوئی مشین ہوں جو یہ سب کچھ ایک ہی وقت میں بنا ڈالوں گی اور تم مزے سے سیر سپاٹے کرتی پھرو۔" وہ چھری پٹخ کر بولی۔

"ماما میں صرف آدھے گھنٹے میں آجاؤں گی پر امس پھر میں آکر سب کرلوں گی۔" وہ لجاجت سے بولی۔

"تمہارے ساس سسر نے کل آنا ہے شادی کی تاریخ لینے' کیا یہ بہتر نہیں کہ تم یہ کتابیں وتابیں چھوڑ کر کچھ گھر داری سیکھو' تمہاری ماں کا طعنہ دوں گی پھر تمہیں بھی خوب برا لگے گا اور تمہارے باپ کو بھی۔" وہ طعنہ مارنے سے رہ نہ سکی۔ مثال نے سر جھکا لیا۔

"اور آخر میں برا کون بنے گا میں کیونکہ تم اپنی ماں کے پاس نہیں میرے پاس رہ رہی ہو' وہ تو عیاشی کی زندگی گزارتی ہر ذمہ داری سے آزاد مزے میں طعنے ترلے ملیں گے کہ سوتیلی ماں نے لڑکی کو کچھ سکھایا نہیں۔"

عجیب ہی رنج اور غصہ تھا جو عفت کچھ اور ہی طرح سے نکال رہی تھی۔

اسے لگتا تھا بشریٰ نے دونوں بار ایک بہت شاندار زندگی گزاری ہے اسے کبھی کوئی رنج یا دکھ نہیں ملا' دونوں شوہروں نے اسے ہتھیلی کا پھپھولا بنا کر رکھا ہے اور ایک بدقسمت عفت کہ جس کی تقدیر میں صرف مصیبتیں ہی مصیبتیں ہیں۔ وہ اب زور زور سے پالک کے پتے کترتی جا رہی تھی۔

"جاؤ اب میرے سر پر کیا کھڑی ہو' جو دل کرتا ہے کرو بھلے آدھے گھنٹے میں واپس آنا یا رات گئے' میں کون ہوتی ہوں منع کرنے والی۔" وہ کٹھ مار انداز میں بولی۔

مثال کی آنکھوں میں ڈھیر سارا پانی اتر آیا۔

"ماما! پھپھو کی کال ہے' وہ آپ کو بلا رہی ہیں۔" اندر سے پری کی آواز آئی تو عفت چھری وہیں پٹخ کر اٹھ کر اندر چلی گئی' مثال کچھ دیر متذبذب سی کھڑی رہی۔

اگر میں نہیں بھی جاتی یہ سب کام کردیتی ہوں تو یوں کون سا کوئی گولڈ میڈل مل جائے گا مجھے اور اس گھر کی گھٹی فضا سے نکل کر مجھے تھوڑا سا سانس باہر نکل کر لینا ہے۔ اس نے دل میں سوچا اور آہستگی سے باہر نکل گئی۔

✲ ✲ ✲

"ٹھیک ہے امی۔ میں لیتا آؤں گا۔" واثق نے دواؤں کا نسخہ ہاتھ میں لیتے ہوئے سر ہلایا۔

"اور کچھ تو نہیں لے کر آنا۔" وہ جاتے ہوئے رک کر بولا۔

"نہیں ہے سب کچھ اور سنو بہت دیر نہیں لگانا مجھے تم سے کچھ بات بھی کرنی ہے واثق۔" عاصمہ کچھ سوچ کر بولی تو واثق کے قدم وہیں رک گئے۔

"آپ ابھی بات کریں کیونکہ میری واپسی تھوڑا لیٹ ہوگی مجھے خوامخواہ پریشانی رہے گی کہ آپ کی بات سنے بغیر کیوں آگیا۔" وہ فوراً" ماں کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ بٹھاتے ہوئے بولا عاصمہ کو اس پر بہت پیار آیا۔

"نہیں ایسا کچھ نہیں ہے' تم دیر سے آؤ گے تو اس وقت بات کریں گے۔ ابھی تم جاؤ۔" وہ نرم لہجے میں بولی۔

"نہیں امی! ایسے نہیں' پلیز آپ کریں بات۔" وہ مصر لہجے میں بولا۔ عاصمہ کو پتا تھا' اب یہ بات سنے بغیر نہیں جائے گا۔

"تمہیں سعدیہ یاد ہیں نا جو ہمارے پچھلے گھر میں ہمارے ساتھ رہتی تھی' جس کے آئیڈیے پر میں نے اکیڈمی اسٹارٹ کی تھی۔" وہ رک کر بولی۔

"جی امی یاد ہے اور یہ کوئی اتنی پرانی بات نہیں۔" وہ سرہلا کر بولا۔
"سعدیہ بیاہ کر امریکہ چلی گئی تھی' وہیں اس کی نند اور جیٹھ بھی رہتے تھے۔ آج کل وہ پاکستان آئی ہوئی ہے۔"
"اوہ یہ تو اچھی بات ہے ملنے آئی تھیں' آپ سے۔" واثق خوش ہو کر بولا۔
"ہاں آئی تھی۔ بلکہ سمجھو ہماری اتفاقیہ ملاقات صبح مارکیٹ میں ہوئی' جہاں وہ اپنے جیٹھ کی بیٹی سارہ کے ساتھ تھی جو امریکہ سے اس کے ساتھ آئی تھی۔ ابھی کچھ دیر پہلے سعدیہ خود آئی مجھ سے ملنے۔" عاصمہ اسے گہری نظروں سے دیکھ کر بولی۔
"کیا کہہ رہی تھیں۔۔۔ کچھ خاص بات سے کہا۔" واثق ماں کے لہجے سے کچھ نہ کچھ اخذ کر چکا تھا' رک کر پوچھنے لگا۔
"میرے لیے تو سمجھو بہت خاص۔۔۔" وہ مسکرائی۔
"کیا مطلب۔۔۔" اب واثق چونکا' کچھ خاص بات تو تھی ضرور۔ عاصمہ لحہ بھر خاموش رہی۔
"اپنے رب کا میں کس طرح شکر ادا کروں پہلے بیٹیوں کے معاملے میں اور اب بیٹے کے معاملے میں مجھے خود کہیں بھی جا کر لڑکے لڑکیاں نہیں دیکھنی پڑیں' میرے اللہ نے خود ہی مہربانی کردی' میرے معاملے آسان ہوتے چلے گئے۔"
"امی اب آپ مجھے کچھ اور بے چین کر رہی ہیں' پلیز مجھے دیر ہو رہی ہے۔" وہ بے چینی سے بولا تو عاصمہ ہنس پڑی۔
"اور میں یہ چاہتی ہوں کہ میرا بیٹا بے چین ہو جائے۔" وہ اسے جیسے چھیڑ کر بولی۔
"کیا کہنا چاہتی ہیں۔" وہ بے چینی چھپانے کی کوشش کرنے کرنے لگا۔
"سعدیہ نے اپنے جیٹھ کی بیٹی سارہ کا رشتہ تمہارے لیے پیش کیا۔ وہ ایک دو دن میں تم سے بھی آکر ملے گی۔ وہ سارہ کا یہاں رشتہ ہی کرنے آئی ہے اور کہہ رہی تھی۔ وہ کہیں اور نہیں واثق ہی کا کہہ کر اپنے سسرال والوں کو آئی ہے اور اسے پورا یقین ہے کہ اسے جواب ہاں میں ملے گا۔ اب بتاؤ کیا جواب دوں اسے۔" عاصمہ مزے سے بولی۔
"امی فار گاڈ سیک۔" وہ سر پکڑ کر بولا۔ عاصمہ ہنس پڑی۔
"آپ کو کیا مزہ آ رہا ہے۔" وہ چڑ کر بولا۔
"ہاں تو اور کیا کہوں اور واثق میں سوچتی ہوں' بہت ہی پیاری' بہت خوب صورت لڑکی ہے اور امریکہ میں پلنے بڑھنے کے باوجود حلیے سے بھی اتنی سادہ اور اسلامی انداز ہیں اس کے یقین کرو مجھے تو بچی بہت اپنے دل کے قریب لگی۔"
"امی۔۔۔" وہ جھنجلا کر کھڑا ہو گیا۔
"اگر تمہارے پوچھنے کا مسئلہ نہیں ہوتا تو میں سعدیہ کو ہاں کہہ چکی ہوتی۔" وہ اسے دیکھ کر بولی۔
"آپ ایسا کچھ نہیں کرنے والی۔" وہ زور سے بولا۔
"واثق! اب تک میرے بیٹے' اب تمہاری عمر ہے شادی کی اور یہ میرے دل کی بھی خواہش ہے کہ اب تمہاری زندگی میں بہت سی خوشیاں آئیں اور اس گھر کی اصل مالکن آ جائے۔"
"امی پلیز۔" وہ کوفت سے بولا۔
"واثق! تم پری کے لیے منع کر چکے ہو۔ اس کا اور تمہارا ایج ڈیفرنس ہے۔ میں مانتی ہوں' لیکن سارہ ہر لحاظ سے تمہارے لیے سوٹ ایبل ہے تم ایک دو دن میں مل لو اس سے اور کوئی فیصلہ کر لو۔ کیونکہ اب میں سیریس

ہوں' تمہاری شادی کے سلسلے میں۔" عاصمہ سنجیدگی سے بولی تو واثق ایک دم سے چپ کر گیا۔
"امی ابھی نہیں آپ جانتی ہیں۔" وہ آہستگی سے بولا۔
"بیٹا ابھی تو وقت ہے' اگر تم انتظار کرو گے کچھ وقت گزرنے کا' جدائی کے زخم بھرنے کا' تو میرے بیٹے یہ زخم کچھ اور گہرا ہو جائے گا اور میں۔۔۔ جس نے بس ایک عمر سے خوشیاں نہیں دیکھی ہیں۔ اب اور انتظار نہیں کر سکتی۔ مجھے تمہاری شادی کا فیصلہ اب کرنا ہے اور تمہیں میری یہ خوشی پوری کرنی ہوگی۔" وہ اٹل لہجے میں بولی۔
واثق بے بس سا ماں کو دیکھ کر رہ گیا۔
"امی۔۔۔ میرے لیے ابھی یہ ممکن نہیں آپ تو مجھے سمجھتی ہیں نا' پلیز سمجھنے کوشش کریں' میں اتنی جلدی خود کو تیار نہیں کر سکتا کسی اور کے لیے۔" وہ بے بسی سے بولا۔
"تم مثال کو بھولے نہیں۔" وہ دکھ سے بولی۔
"امی۔۔۔ اتنی جلدی۔۔۔ ابھی تو۔۔۔ پلیز ابھی آپ اس معاملے میں جلدی نہیں کریں۔ مجھے دو' تین سال تک نہیں سوچنا کچھ بھی' میں پہلے بھی آپ سے یہ کہہ چکا ہوں' بار بار مت کریں یہ ذکر۔" کہہ کر وہ تیزی سے باہر نکل گیا۔ عاصمہ پریشان سی کھڑی رہ گئی۔

✡ ✡ ✡
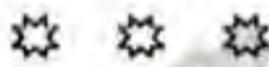
"کیا دانی نے تمہیں کال کی تھی؟" عفت کے لیے فوزیہ کے منہ سے سننے والی یہ شاکنگ خبر بہت پریشان کن تھی۔
"میں پہلے تو اس بات پر خوش ہوئی' سچ میں عفت بھابھی۔۔۔ لیکن پھر اس کی بات سن کر میں کچھ پریشان ہو گئی۔" فوزیہ سنجیدگی سے بولی۔
عفت کے ماتھے پر پسینہ آگیا یقیناً کوئی نامعقول بات کی ہوگی۔ اس دانی کے بچے نے۔
"بھابھی۔۔۔ وہ کہہ رہا تھا کہ پھپھو میں آپ کے پاس آنا چاہتا ہوں' آپ پلیز مجھے کینیڈا بلالیں۔" اور عفت کو لگا دو' تین دن پہلے دانی نے جو دھمکی دی تھی' وہ صرف دھمکی نہیں تھی وہ اس پر عمل کرنے کی پلاننگ بھی شروع کر چکا ہے۔
"کیا۔۔۔ اچھا۔" وہ سنبھل کر بولی۔
"مجھے حیرت سی ہوئی بھابھی۔۔۔ یوں تو اس میں کچھ حرج نہیں' میرا بھتیجا ہے' میرا خون ہے اور مجھے سب سے پیارا ہے دنیا میں' لیکن ابھی تو وہ پڑھ رہا ہے نا۔" وہ کچھ جتانے والے انداز میں بولی۔
"تمہارے بھائی نے ہی ایک دن مذاق میں کہہ دیا تھا کہ تم اسٹڈیز میں سیریس نہیں ہو رہے تو میں تمہیں فوزیہ کے پاس بھجوا دوں گا۔ بس اس بات کو ذہن میں رکھ کر اس نے تم سے کہہ دیا ہوگا۔" عفت کھسیانی سی ہنسی کے ساتھ بولی تو فوزیہ بھی یوں ہی ہنس پڑی۔

✡ ✡ ✡

"اس کا کوئی فائدہ نہیں ہے واثق۔" دونوں اپنی پسندیدہ جگہ پر بیٹھے تھے۔ لائبریری کی سیڑھیوں میں۔
"بلکہ یہ بار بار کا ملنا مجھے کچھ اور ڈسٹرب کر رہا ہے۔" وہ آہستگی سے اپنے ناخن کھرچ کر بولی۔ وہ اس کو دیکھ کر رہ گیا۔

اس سلونی سی گہری شام میں اس کا حسن کیسا پرسوز لگ رہا تھا۔ وہ اس کے بہت پاس بیٹھی تھی اور جیسے میلوں کے فاصلے پر بھی۔ دونوں کا ملن ندی کے دو کناروں جیسا تھا' وہ شدت سے چاہنے کے باوجود ایک دوسرے کو چھو بھی نہیں سکتے تھے۔

"مثال... میں بے بس سا ہو جاتا ہوں تمہارے بارے میں جب سوچتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا تھا کہ میں اس طرف آؤں' میرا ادھر آج کچھ کام بھی نہیں تھا' لیکن پھر پتا ہی نہیں چلا کب میرے قدم اٹھے اور میں یہاں آگیا' تمہارے سامنے۔" وہ رک رک کر گہری آواز میں بولا۔

دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا اور نظریں جھکالیں۔

"تم نے ابھی بھی وہ رنگ نہیں پہنی۔" وہ اس کی خالی انگلیوں کو دیکھ کر آہستگی سے بولا۔

"پہن لوں گی... اب تو پہننی ہی ہے۔" وہ پژمردہ لہجے میں بولی۔ واثق اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"اس طرح بجھے دل کے ساتھ نئی زندگی کا آغاز کروگی۔" وہ اسے جتا کر بولا۔

"کل وہ لوگ شادی کی ڈیٹ فکس کرنے آرہے ہیں۔ آج شاید میں اس طرف آخری بار آئی ہوں۔ کل شاید کالج جاتی ہوں یا نہیں۔ پاپا نے منع کر دیا ہے۔" وہ اسے دیکھے بغیر بولی۔

اور وہ جیسے کسی گہرے غم کی تہ میں اتر گیا۔ کچھ بول ہی نہیں سکا۔ ان کے سر پر کھڑے اونچے اونچے درختوں پر بیٹھے پرندے زور زور سے شور مچا رہے تھے۔ شام گہری ہو رہی تھی اور سب پرندے اپنے آشیانوں کو لوٹ آئے تھے۔

وہ دونوں اپنے آشیانوں کی طرف لوٹ کر جانا نہیں چاہتے تھے۔ دونوں کے دل ایک ہی تال پر دھڑک رہے تھے۔ ایک ہی بات سوچ رہے تھے کہ یہ وقت ٹھہر جائے۔ کبھی آگے نہیں بڑھے۔

وہ دونوں اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے رہیں۔ بالکل خاموش کچھ بھی کہے بغیر۔

"مجھے دیر ہو رہی ہے۔" پرندوں کا شور بڑھا تو وہ ایک دم سے کچھ گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔

"کچھ دیر اور تو رکو۔" وہ ملتجی لہجے میں بولا۔

"نہیں رک سکتی۔" وہ نظریں چرا کر نم لہجے میں بولی۔

"پھر کب ملیں گے۔" وہ اس کے برابر کھڑا ہو گیا۔ اس کے دراز قد کا سایہ مثال کے وجود کو ڈھانپنے لگا۔

"شاید کبھی نہیں۔" وہ لبوں میں بڑبڑائی۔

"مثال..." وہ تڑپ کر رہ گیا۔

"چلتے ہیں۔" وہ ایک دم سے کہہ کر تیزی سے آگے بڑھ گئی۔ وہ بھی اس کے پیچھے بوجھل قدموں کے ساتھ چل پڑا۔ دونوں ذرا فاصلے پر چلتے ہوئے اس لائبریری کی عمارت کے باہر نکل آئے۔ جہاں شاید آج ان دونوں کی آخری ملاقات تھی۔ دونوں نے مڑ کر دیکھا اور سر جھکا کر چل پڑے اور سامنے سے آتا عدیل دونوں کو یوں ساتھ ساتھ چلتے دیکھ کر شاکڈ سا رہ گیا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

رخسانہ نگار عدنان

ایک مٹھی ملال

عدیل اور فوزیہ نسیم بیگم کے بچے ہیں۔ بشریٰ ان کی بہو ہے اور ذکیہ بیگم کی بیٹی ہے۔ عمران بشریٰ کا بھائی ہے۔ مثال ذکیہ بیگم کی نواسی اور نسیم بیگم کی پوتی ہے۔ بشریٰ اور نسیم بیگم میں روایتی ساس، بہو کا تعلق ہے۔ پانچ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد بشریٰ کی نند فوزیہ کا بالآخر ایک جگہ رشتہ طے پاجاتا ہے۔ نکاح والے روز بشریٰ دولہا ظہیر کو دیکھ کر چونک جاتی ہے۔ عدیل سے شادی سے قبل ظہیر کا بشریٰ کے لیے بھی رشتہ آیا تھا مگر بات نہ بن سکی تھی۔ نکاح والے دن فوزیہ کی ساس زاہدہ اور ذکیہ بیگم بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔ بعد ازاں عدیل کو بھی پتا چل جاتا ہے۔ وہ ناراض ہوتا ہے مگر فوزیہ اور نسیم بیگم کو بتانے سے منع کردیتا ہے۔ بشریٰ اور عدیل ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جاتے ہیں۔ وہاں انہیں پتا چلتا ہے کہ بشریٰ کے ہاں سات سال بعد پھر خوش خبری ہے۔

عفان اور عاصمہ اپنے تین بچوں اور والد کے ساتھ کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔ عفان کے والد فاروق صاحب سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ گریجویٹی اور گاؤں کی زمین فروخت کرکے وہ اپنا گھر خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ڈیڑھ کروڑ میں زمین کا سودا کرکے وہ عفان کے ساتھ خوشی خوشی شہر آرہے ہوتے ہیں کہ ڈکیتی کی واردات میں قتل ہوجاتے ہیں۔ عفان کے قریبی دوست زبیر کی مدد سے عاصمہ عفان کے آفس سے تین لاکھ روپے اور فاروق صاحب کی گریجویٹی سے سات لاکھ روپے وصول کرپاتی ہے۔ زبیر گھر خریدنے میں بھی عاصمہ کی مدد کررہا ہے۔

اسلام آباد سے واپسی پر عدیل دونوں متوتلین کو دیکھتا ہے۔ زاہدہ نسیم بیگم سے بیس لاکھ روپے سے مشروط فوزیہ کی رخصتی کی بات کرتی ہیں۔ وہ سب پریشان ہوجاتے ہیں۔ عدیل بشریٰ سے ذکیہ بیگم سے تین لاکھ روپے لانے کو کہتا ہے۔

عاصمہ کی مجبوری ہے کہ گھر میں کوئی مرد نہیں۔ اس کا بیٹا ابھی چھوٹا ہے اور سارے کام اسے خود کرنے ہیں۔ وہ جلد از جلد اپنا گھر خریدنا چاہتی ہے۔ عاصمہ کے کہنے پر زبیر کسی مفتی سے فتویٰ لے کر آجاتا ہے کہ دوران عدت انتہائی ضرورت کے پیش نظر گھر سے نکل سکتی ہے بشرطیکہ مغرب سے پہلے واپس گھر آجائے، سو وہ عاصمہ کو مکان دکھانے لے

جاتا ہے۔ اور موقع سے فائدہ اٹھا کر اسے اپنی ہوس کا نشانہ بناتا ہے اور ویرانے میں چھوڑ کر فرار ہو جاتا ہے۔ وہاں سے وہ عدیل کی مدد سے گھر پہنچ جاتی ہے۔

رقم مہیا نہ ہونے کی صورت میں فوزیہ کو طلاق ہو جاتی ہے۔ نسیم بیگم جذباتی ہو کر بشریٰ اور اس کے گھر والوں کو مورد الزام ٹھہرانے لگتی ہیں۔ اسی بات پر عدیل اور بشریٰ کے درمیان خوب جھگڑا ہوتا ہے۔ عدیل طیش میں بشریٰ کو دھکا دیتا ہے۔ اس کا ابارشن ہو جاتا ہے۔ عدیل شرمندہ ہو کر معافی مانگتا ہے مگر وہ ہنوز ناراض رہتی ہے اور اسپتال سے اپنی ماں کے گھر چلی جاتی ہے۔ اسی اسپتال میں عدیل عاصمہ کو دیکھتا ہے جسے بے ہوشی کی حالت میں لایا گیا ہوتا ہے۔ عاصمہ اپنے حالات سے تنگ آکر خودکشی کی کوشش کرتی ہے تاہم بچ جاتی ہے۔ نو سال بعد عاصمہ کا بھائی ہاشم پریشان ہو کر پاکستان آجاتا ہے۔ عاصمہ کے سارے معاملات دیکھتے ہوئے ہاشم کو پتا چلتا ہے کہ زبیر نے ہر جگہ فراڈ کر کے اس کے سارے راستے بند کر دیے ہیں اور اب مفرور ہے۔ بہت کوششوں کے بعد ہاشم، عاصمہ کو ایک مکان دلا پاتا ہے۔

بشریٰ اپنی واپسی الگ گھر سے مشروط کر دیتی ہے۔ دوسری صورت میں وہ علیحدگی کے لیے تیار ہے۔ عدیل مکان کا اوپر والا پورشن بشریٰ کے لیے سیٹ کروا دیتا ہے۔ بشریٰ کے آنے کے بعد بشریٰ کو مجبور کرتا ہے کہ وہ فوزیہ کے لیے عمران کا رشتہ لائے۔ نسیم بیگم اور عمران کسی طور نہیں مانتے۔ عدیل اپنی بات نہ مانے جانے پر بشریٰ سے جھگڑتا ہے۔ بشریٰ بھی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتی ہے۔ عدیل طیش میں بشریٰ کو طلاق دے دیتا ہے اور مثال کو چھین لیتا ہے۔ مثال بیمار پڑ جاتی ہے۔ بشریٰ بھی حواس کھو دیتی ہے۔ عمران بہن کی حالت دیکھ کر مثال کو عدیل سے چھین کر لے آتا ہے۔ عدیل عمران پر اغوا کا پرچا کٹوا دیتا ہے۔

عاصمہ اسکول میں ملازمت کر لیتی ہے مگر گھریلو مسائل کی وجہ سے آئے دن چھٹیاں کرنے کی وجہ سے ملازمت چلی جاتی ہے۔

انسپکٹر طارق دونوں فریقین کو سمجھا بجھا کر مصالحت پر آمادہ کرتے ہیں۔ ذکیہ بیگم کی خواہش ہے کہ عدیل، مثال کو لے جائے تاکہ وہ بشریٰ کی کہیں اور شادی کر سکیں۔ دوسری طرف نسیم بیگم بھی ایسا ہی سوچے بیٹھی ہیں۔ فوزیہ کی اچانک شادی کے بعد نسیم بیگم کو اپنی جلد بازی پر پچھتاوا ہونے لگتا ہے۔ انسپکٹر طارق، ذکیہ بیگم سے بشریٰ کا رشتہ مانگتے ہیں۔ ذکیہ بیگم خوش ہو جاتی ہیں مگر بشریٰ کو یہ بات پسند نہیں آتی۔

وہ گرین کارڈ کے لالچ میں بشریٰ سے منگنی توڑ کر نازیہ بھٹی سے شادی کر لیتا ہے، پھر شادی کے ناکام ہو جانے پر ایک بیٹے سیفی کے ساتھ ایک طویل عرصے بعد دوبارہ اپنی چچی ذکیہ بیگم کے پاس آجاتا ہے اور ایک بار پھر بشریٰ سے شادی کا خواہش مند ہوتا ہے۔ بشریٰ تذبذب کا شکار ہو جاتی ہے۔

بشریٰ اور احسن کمال کی شادی کے بعد عدیل مستقل طور پر مثال کو اپنے ساتھ رکھنے کا دعوا کرتا ہے مگر بشریٰ قطعی نہیں مانتی، پھر احسن کمال کے مشورے پر دونوں بمشکل راضی ہو جاتے ہیں کہ مہینے کے ابتدائی پندرہ دنوں میں مثال بشریٰ کے پاس رہے گی اور بقیہ پندرہ دن عدیل کے پاس۔ گھر کے حالات اور نسیم بیگم کے اصرار پر بالآخر عدیل عفت سے شادی کر لیتا ہے۔ والدین کی شادی کے بعد مثال دونوں گھروں کے درمیان گھن چکر بن جاتی ہے۔ بشریٰ کے گھر میں سیفی اور احسن اس کے ساتھ کچھ اچھا برتاؤ نہیں کرتے اور عدیل کے گھر میں اس کی دوسری بیوی عفت۔ مثال کے لیے مزید زمین تنگ بشریٰ اور عدیل کے نئے بچوں کی پیدائش کے بعد پڑ جاتی ہے۔ مثال اپنا اعتماد کھو بیٹھتی ہے۔ احسن کمال اپنی فیملی کو لے کر ملائیشیا چلا جاتا ہے اور مثال کو تاریخ سے پہلے عدیل کے گھر بھجوا دیتا ہے۔ دوسری طرف عدیل اپنی بیوی بچوں کے مجبور کرنے پر مثال کے آنے سے قبل اسلام آباد چلا جاتا ہے۔ مثال مشکل میں گھر جاتی ہے۔ پریشانی کی حالت میں اسے ایک منشی تنگ کرنے لگتا ہے تو عاصمہ آکر اسے بچاتی ہے۔ پھر اپنے گھر لے جاتی ہے۔ جہاں سے مثال اپنے ماموں عمران کو فون کر کے بلواتی ہے اور اس کے گھر چلی جاتی ہے۔

عاصمہ کے حالات بہتر ہو جاتے ہیں۔ وہ نسبتاً "پوش ایریا" میں گھر لے لیتی ہے۔ اس کا کوچنگ سینٹر خوب ترقی کر جاتا

ہے۔ مثال' واثق کی نظروں میں آچکی ہے تاہم دونوں ایک دوسرے سے واقف نہیں ہیں۔
عاصمہ کا بھائی ہاشم ایک طویل عرصے بعد پاکستان لوٹ آتا ہے اور آتے ہی عاصمہ کی بیٹیوں اریشہ اور اریبہ کو اپنے بیٹوں وقار' وقاص کے لیے مانگ لیتا ہے۔ عاصمہ اور واثق بہت خوش ہوتے ہیں۔
سیفی' مثال پر بری نیت سے حملہ کرتا ہے تاہم مثال کی چیخوں سے سب وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ سیفی الٹا مثال پر الزام لگاتا ہے کہ وہ اسے بہکا رہی تھی۔ احسن کمال بیٹے کی بات پر یقین کر لیتا ہے۔ مثال اور بشریٰ مجبور اور بے بسی سے کچھ کہہ نہیں پاتیں۔ احسن کمال پوری فیملی سمیت دوسرے ملک میں شفٹ ہو جاتا ہے۔ بشریٰ مثال کو مستقل عدیل کے گھر چھوڑ جاتی ہے۔ جہاں عفت اور پریشے اسے خاطر میں نہیں لاتیں۔ واثق کو بہت اچھی نوکری مل جاتی ہے۔ مثال اور واثق کے درمیان ان کہا سا تعلق بن جاتا ہے۔ مگر مثال کی طرف سے دوستی اور محبت کا کوئی واضح اظہار نہیں ہے۔ واثق البتہ کھل کر اپنے جذبات کا اظہار کر چکا ہے۔ واثق' عاصمہ سے اپنی کیفیت بیان کر دیتا ہے۔ عاصمہ خوش ہو جاتی ہے مگر غائبانہ ذکر پر بھی مثال کو پہچان نہیں پاتی۔ واثق عاصمہ کو لے کر مثال کے گھر ملنے جاتا ہے۔ مگر دروازے پر عدیل کو دیکھ کر عاصمہ کو برسوں پرانی رات یاد آجاتی ہے۔ جب زبیر نے عاصمہ کی عصمت دری کر کے اسے ویرانے میں چھوڑ دیا تھا اور عدیل نے عاصمہ کو گھر پہنچایا تھا۔ اگرچہ عدیل نے اس وقت بھی نہیں سمجھا تھا کہ عاصمہ پر کیا بیتی ہے اور اب بھی اس نے عاصمہ کو نہیں پہچانا تھا مگر عاصمہ کو عدیل بھی یاد تھا اور اپنے ساتھ ہونے والا وہ بھیانک حادثہ بھی۔ شرمندگی اور ذلت کے احساس سے عاصمہ کو انجائنا کا اٹیک ہو جاتا ہے۔ واثق دروازے سے ہی ماں کو اسپتال لے جاتا ہے۔ مثال اس کا انتظار کرتی رہ جاتی ہے۔ پھر بہت سارے دن یوں ہی گزر جاتے ہیں۔ ان ہی دنوں عدیل اپنے دوست کے بیٹے فہد سے مثال کا رشتہ طے کر دیتا ہے۔ عفت' مثال کے لیے اتنا بہترین رشتہ دیکھ کر بری طرح جل جاتی ہے۔ اس کی دلی خواہش ہے کہ کسی طرح یہ رشتہ پریشے سے طے ہو جائے۔ مثال بھی اس رشتے پر دل سے خوش نہیں ہے۔ مگر وہ اپنی کیفیت سمجھ نہیں پا رہی۔ عاصمہ کی طبیعت ذرا سنبھلتی ہے تو وہ مثال کی طرف جانے کا ارادہ کرتا ہے۔ اتفاق سے اسی دن مثال کی فہد سے منگنی کی تقریب ہو رہی ہوتی ہے۔ وہیں کھڑے کھڑے واثق کی ملاقات پریشے سے ہو جاتی ہے جو کافی ناز و ادا سے واثق سے بات کرتی ہے اور اس بات سے بے خبر ہوتی ہے کہ اس کی کلاس فیلو وردہ جو اسے بہت پسند کرتی ہے' واثق کی بہن ہے۔ منگنی کے بعد مثال ایک دم شادی سے انکار کر دیتی ہے۔ عفت خوش ہو جاتی ہے۔ عدیل بہت غصہ کرتا ہے اور بشریٰ کو فون کر کے مثال کو بھیجنے کی بات کرتا ہے۔ گھر میں ٹینشن پھیلی ہے۔ اسی ٹینشن میں مثال کالج کی لائبریری میں واثق سے ملتی

ہے۔ واپسی میں عفت اسے واثق کے ساتھ دیکھ لیتی ہے اور عدیل کو بتا دیتی ہے۔ عدیل از حد پریشان ہو جاتا ہے۔ پریشے' وردہ سے ملنے اس کے گھر جاتی ہے تو واثق سے ملاقات ہو جاتی ہے۔

چھبیسویں قسط

مثال کے قدم وہیں جیسے زمین میں جکڑے رہ گئے' اس نے تو یہ بات خواب میں بھی نہیں سوچی تھی کہ یوں وہ واثق کے ساتھ چل رہی ہو اور بابا آجائیں گے' وہ وہیں قدم روکے گم صم کھڑی رہی۔
عدیل اسے تیز نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ واثق غیر ارادی طور پر تھوڑا سا مثال سے ہٹ کر کھڑا ہو چکا تھا۔
"السلام علیکم سر! کیسے ہیں آپ؟" وہ واثق کی اس جرأت پر کچھ حیران و پریشان سی کھڑی رہ گئی۔ اس نے آگے بڑھ کر عدیل کے آگے مصافحہ کرنے کے لیے ہاتھ بڑھا کر باقاعدہ سلام کیا تھا۔
جواب میں عدیل کچھ حیران اور خاموش سا کھڑا رہا۔
"شاید آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔ میں واثق عفان ہوں' لاسٹ منتھ ہماری اے آر سنز کی سائٹ پر ملاقات ہوئی تھی۔ بریفنگ تھی' آپ اپنے آفس کی طرف سے آئے تھے۔"

"وہ لیس آئی وی فیجر۔ واثق۔ مجھے آپ یاد رہے تھے اچھی طرح سے کیونکہ آپ نے جس طرح وہ سارا بی بریفنگ دی تھی۔ میں امپریس ہوا تھا آپ کے اعتماد اور آپ کی معلومات سے۔" عدیل غیر متوقع طور پر خوش ہوا تھا۔

"تھینکس سر۔ تھینک یو ویری مچ۔" واثق گرم جوشی سے بولا۔

"یو ویلکم سر!" عدیل کا انداز بھی کچھ ایسا ہی تھا۔

"یہ شخص بھی دوسرے کو گھیرنے کی خوب صلاحیت رکھتا ہے۔" مثال نے کن انکھیوں سے واثق کو دیکھتے ہوئے دل میں سوچا۔ کاش واثق کا تعارف بابا سے کسی اور طرح سے ہوتا تو میں اپنی زندگی کے سارے دکھ ساری محرومیاں بھول جاتی مگر ہر خواہش ہر دعا کب قبول ہوتی ہے۔

وہ دونوں ساتھ چلتے ہوئے اب آپس میں کچھ بات کر رہے تھے۔ مثال آہستہ آہستہ قدم اٹھاتی ان کے پیچھے چلتی جا رہی تھی جہاں رستہ دو سڑکوں میں تقسیم ہوا تھا۔ واثق الوداعی مصافحہ کر کے اپنی سڑک کی طرف مڑ گیا تھا۔ عدیل نے مڑ کر مثال کی طرف دیکھا جو سر جھکائے اس کے پیچھے چند قدم پر کھڑی تھی۔

"آجاؤ۔ ضروری نہیں تھا کہ اب یوں باہر نکلو۔ میں اس لیے جلدی گھر آگیا تھا کہ گھر میں بہت کام ہوں گے۔" عدیل کے لہجے میں بہت کچھ جتانے والا تھا۔

"سوری بابا! لیکن مجھے لائبریری کی کچھ بکس واپس کرنی تھیں اس لیے مجھے آنا پڑا۔" وہ معذرت خواہ لہجے میں سر جھکا کر آہستگی سے بولی۔

"اب تو کچھ ایسا نہیں ہے نا تمہارے پاس جو پھر سے لوٹانے کے لیے جانا پڑے؟" وہ کچھ جتا کر بولا تو اس نے خفیف سا نفی میں سر ہلا دیا۔

"بہت کچھ تو ایسا ہے جو دل ہی میں رہ گیا' واثق کی محبت' اس کی توجہ بہت سی ان کہی باتیں' تشنہ خواہشیں۔"

وہ حسرت سے سوچتی چلی گئی۔

عدیل کے قدم تیز ہو چکے تھے' وہ بھی رفتار بڑھا کر اس کے ساتھ قدم ملانے کی کوشش کرنے لگی۔

❀ ❀ ❀

"عدیل!" عفت کچھ پریشانی سے اسے دیکھے گئی۔

"مجھے خود فوزیہ کی یہ بات اچھی نہیں لگی جس طرح اس نے فون کر کے مجھے کہا کہ اگر دانی وہاں اسٹڈیز میں دلچسپی نہیں لے رہا تو آپ اسے میرے پاس بھجوا دیں۔ مجھے لگا کہیں تم نے تو اسے فون کر کے یہ سب کچھ نہیں

کہا۔" وہ کچھ ناراض لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"عدیل! میں ایسا کیوں کہنے لگی۔ پھر آپ جانتے ہیں۔ میں دانی کے لیے تو ایسا کبھی بھی نہیں کہہ سکتی۔" وہ مدہم لہجے میں بولی۔

"جانتا ہوں دانی تمہاری کمزوری ہے۔ تم اسے خود سے دور کرنے کا تو کبھی بھی نہیں سوچو گی۔" وہ طعنہ نہیں دے رہا تھا مگر عفت کو کچھ ایسا ہی لگا۔

"تو کیا دانی آپ کی کمزوری نہیں۔ اکلوتا بیٹا ہے وہ آپ کا۔" وہ بھی کہے بغیر رہ نہ سکی۔

"کمزوری ہی تو بن گیا ہے وہ میری" وہ منہ میں کچھ کوفت سے بڑبڑا کر بولا۔ تو عفت کو بالکل اچھا نہیں لگا۔

"آج اس کے اسکول بھی گیا تھا' وہی بات۔ جس کی میں امید کر رہا تھا۔ اس کے پرنسپل نے اسکول سے فراغت کا نوٹس میرے ہاتھ میں تھمایا اور میں نے بھی ذرا اصرار نہیں کیا کہ وہ اسے رکھ لیں اسکول میں۔ اچھا ہے جان چھٹی وہاں سے تو۔" وہ اسے تفصیل بتاتے ہوئے خود کو ہلکا پھلکا سا محسوس کر رہا تھا۔

عفت کچھ پریشان سی ہو گئی۔

"لیکن عدیل اس کا سال ضائع ہو گا اس طرح تو۔"

"وہ تو ہو چکا آل ریڈی۔" وہ کچھ لاپروائی سے بولا۔

"صرف تین چار ماہ تو ہیں ایگزام میں' وہ دے لیتا پھر آپ اس کا اسکول بدل دیتے۔" وہ پریشانی سے بولی۔

"تمہارا کیا خیال ہے اس نے ایگزامز میں نکل جانا ہے' تین چار ماہ ہوں یا کچھ دن عفت! وہ پڑھائی کے خیال سے بالکل ہٹ چکا ہے' کچھ فائدہ نہیں بیکار میں اسکول ڈیوز بھرنے کا۔" وہ جیسے طے کر چکا تھا کہ اب دانی سے کچھ بھی امید نہیں لگانی۔

"تو کیا کرے گا پھر وہ' یونہی آوارہ ہی تو پھرے گا' گھر میں تو وہ ٹکتا نہیں۔" عفت کو دوہری پریشانی نے گھیر لیا۔

"نہیں' میں کل جا رہا ہوں۔ بہت اچھا اسکول ہے۔ اس کا پرنسپل میرا کلاس فیلو بھی رہ چکا ہے' میں اس سے دانی کا کیس ڈسکس کر چکا ہوں۔ اس نے اسپیشل کیس کے طور پر لیتے ہوئے مجھ سے وعدہ بھی کیا ہے کہ وہ دانی کو ان شاء اللہ سدھارنے میں ہماری مدد کرے گا' ہمیں بھی اب اس پر نظر رکھنی ہو گی۔ مجھے امید ہے چند مہینوں میں ہی ہمیں دانی کی طرف سے اچھے رزلٹ ملنا شروع ہو جائیں گے۔" وہ امید بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"سچ میں عدیل۔ اگر ایسا ہو جائے میں سمجھوں گی۔ اللہ نے میری ہر دعا قبول کر لی۔" عفت جذباتی ہو کر رونے ہی لگی۔

"ان شاء اللہ ایسا ہی ہو گا۔ میں بھی اس پر توجہ دوں گا۔ تم بھی اس کا خیال رکھو۔ اسے غیر محسوس طور پر گھر کی مصروفیات میں الجھاؤ۔ کچھ کام اس کے ذمے لگاؤ۔ وہ ضرور بہتر ہو گا۔ اس عمر میں لڑکے ضرور پریشان کرتے ہیں' ان شاء اللہ ٹھیک ہو جائے گا وہ۔"

عدیل بہت ہلکا پھلکا ہو رہا تھا جیسے بہت بھاری بوجھ اس کے سر سے اترا ہو۔ عفت نے بہت دنوں بعد اسے یوں مطمئن سا دیکھا تھا۔

"پھر تو آپ نے بھی نسیم آنٹی کو خوب پریشان کیا ہو گا۔" عفت اس کے موڈ کا فائدہ اٹھاتے ہوئے کچھ شوخی سے بولی۔

"نہیں بھئی۔ میں تو شروع سے اچھا بچہ تھا۔ بہت دل لگا کر پڑھنے اور محنت کرنے والا' پھر جاب ملی تو بھی میں نے اس میں بہت دل سے کام کیا۔ بشریٰ سے شادی کے بعد تو۔"

وہ جو روانی میں بولتا جا رہا تھا۔ اتنے سال ان دونوں کو جدا ہوئے گزر چکے تھے' پھر بھی خیالات کے بہاؤ اور روانی میں اکثر وہ عفت کو فراموش کر کے بشریٰ کو اس کی جگہ لے آتا۔

دونوں کچھ لمحوں کے لیے گنگ سے رہ گئے۔

"میں جانتی ہوں' آپ شروع سے بہت ذمہ دار اور خیال رکھنے والے تھے۔" عفت آہستگی سے بولی۔ "آپ نے فوزیہ کو کیا جواب دیا۔" وہ موضوع بدلتے ہوئے عدیل کو اس شرمندگی کی کیفیت سے نکال کر بولی۔

"وہی جو مجھے دینا چاہیے تھا' ابھی جب تک اس کی اسٹڈیز مکمل نہیں ہو تیں۔ ایسا کچھ سوچا بھی نہیں جا سکتا۔" وہ پھر سے پہلے والے انداز میں بولا تو عفت بھی سہلا کر رہ گئی۔

"تم نے چیزوں کی لسٹ بنالی تھی مثال کی شادی کے لیے؟" اس نے اسے وہ کام یاد دلایا وہ جس کام کے لیے جلدی آفس سے اٹھ کر آیا تھا۔

"ہاں۔ کچھ چیزیں میں نے لکھی تو ہیں۔"

وہ اٹھ کر الماری سے ڈائری اور پین نکالنے لگی۔

"یہ آپ دیکھ لیں پھر مجھے بتادیں اور کیا کیا لکھنا ہے۔" وہ اس کو دکھاتے ہوئے بولی۔ عدیل لسٹ دیکھتے ہوئے اسے کچھ اور چیزیں لکھوانے لگا۔

✲ ✲ ✲
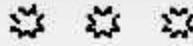
"خوش ہوں میں مما!" وہ آہستگی سے بولی۔ بشریٰ اب ہر کال میں اس سے یہ سوال ضرور پوچھتی تھی۔

"اگر میں ناخوش بھی ہوں گی تو آپ کیا کریں گی، مجھے اپنے پاس بلوالیں گی؟ یا میرے پاس آجائیں گی۔؟" وہ افسردہ سی ہو کر دل میں خود سے بولی۔

"میری یہی دعا ہے اب دن رات تمہارے لیے مثال کہ میری بیٹی کی آنے والی زندگی بہت خوش گوار، بہت شان دار ہو، اسے شوہر کی سسرال کی بہت محبت ملے، میری بیٹی کے دل میں کوئی دکھ کوئی محرومی باقی نہیں رہے۔" بشریٰ ہولے ہولے کہہ رہی تھی جیسے وہ بولتے ہوئے اپنے آنسو بھی صاف کررہی ہو۔

بشریٰ نے کئی بار اس سے کہا کہ وہ اسکائپ پر بات کرے مگر جانے کیوں مثال چاہتی نہیں تھی کہ وہ ماں کے روبرو ہو، وہ فون پر آسانی محسوس کرتی۔

"مثال! میں، اور عدیل تم سے بہت محبت کرتے تھے لیکن ہم اچھے ماں باپ ثابت نہیں ہوئے، بالکل بھی ہم نے تمہارا اس طرح سے خیال نہیں رکھا آپس کے جھگڑوں میں پڑ کر جس طرح ہمیں تمہارا خیال رکھنا چاہیے تھا۔ تمہاری پروا کرنی چاہیے تھی۔ پھر تمہیں ہم دونوں کے ساتھ رہتے ہوئے بھی بہت سی محرومیاں جھیلنی پڑیں جب میں یہ سب سوچتی ہوں تو میرا دل بہت روتا ہے۔" بشریٰ آج کسی اور ہی دنیا میں تھی۔

"مثال! اپنی بے بس ماں کو بیٹا معاف کردینا میں نے پہلے صرف یہ سوچ کر تمہاری زندگی میں مثبت تبدیلی آئے احسن کمال سے شادی کی مگر پھر بعد میں جو کچھ ہوا اس شادی کو بچانے کے لیے کیونکہ میری ایک شادی پہلے ٹوٹ چکی تھی، اور میں تو شاید دوسری شادی بھی تمہارے لیے ختم کرلیتی مگر یہ دنیا معاف نہیں کرتی نہ بھولتی ہے۔ اس نے تمہیں طعنے دے دے کر تمہارا جینا حرام کردینا تھا کہ جیسی ماں تھی ویسی بیٹی ہوگی، جو خدانخواستہ کبھی گھر نہیں بنا سکے گی۔ تم سن رہی ہو ناں مثال؟" وہ افسردہ لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"جی مما!" وہ ہولے سے بولی۔

"میری جان! تمہاری نئی زندگی شروع ہونے جارہی ہے، یقیناً فہد بہت اچھا لڑکا ہوگا۔ تم اس سے پوری ایمان داری سے محبت کرنا، اور بیٹا ساتھ میں اپنی ساس سسر کا بہت خیال رکھنا، اور مثال پتا ہے میں اس رشتے سے کیوں خوش ہوں کہ فہد اکلوتا ہے۔ دوسرے بہن بھائی کا کوئی جھنجھٹ نہیں ورنہ بعد میں بہت سی پیچیدگیاں پیدا ہوجاتی ہیں۔ اللہ میری مثال کی نئی زندگی میں کبھی کسی دکھ کی ہلکی پرچھائیں بھی نہیں ڈالے۔"

وہ اسے دعائیں دیتی جارہی تھی۔

"اچھا سنو مجھے بتاؤ۔ تم مجھ سے کیا گفٹ لوگی۔ اپنے طور پر تو میں کچھ نہ کچھ بھجوارہی ہوں لیکن تمہیں جو مجھ سے چاہیے وہ بھی تم مجھے بتادو۔" وہ بہت خوش تھی۔

"نہیں مما! مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ کچھ بھی نہیں۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"مشال میری جان! ناراض ہو مجھ سے ابھی تک؟" وہ بے قراری سے بولی۔

"نہیں مما! میں کیوں آپ سے ناراض ہونے لگی۔" وہ گہرا سانس لے کر بولی۔ "آپ نے ایسا کچھ نہیں کیا کہ میں آپ سے ناراض ہوں' پاپا بلا رہے ہیں میں آپ سے پھر بات کرتی ہوں۔" اس نے فون بند کر دیا۔ اسے اب بشریٰ کے اس پیار بھرے رویے سے بہت الجھن سی ہوتی تھی۔ اسے ساری محبتیں ہی اب بناوٹی لگنے لگی تھیں۔

"شاید اس لیے بھی خوش ہیں کہ اب پاپا جو مجھے ان کے پاس بھیجنے کی بات کر رہے تھے' وہ معاملہ بھی ختم ہو جائے گا۔" وہ یونہی فون ہاتھ میں لیے سوچنے لگی۔

"مما کی شادی ختم ہونے کی بڑی وجہ فوزیہ پھپھو۔ مما اس بات پر خوش ہیں کہ میری کوئی نند نہیں۔ اور فہد اس سے ایمان داری سے محبت کیسے کروں گی۔ میں تو اس کی محبت میں پہلے ہی بے ایمانی کر چکی ہوں۔" وہ مضطرب سی کمرے میں ٹہلنے لگی۔

"جب بھی فہد کی محبت کا خیال کروں گی۔ اسے چاہنے لگوں گی' کیا واثق کی محبت میرے دل سے ختم ہو جائے گی' یا خدا یہ میرے ساتھ کیا ہوا۔ پہلے بٹی ہوئی تقسیم شدہ زندگی گزارتی رہی اور اب بٹی ہوئی محبت۔ میں بکھرتی رہوں گی فہد کے لیے خود کو سمیٹوں گی اور واثق کے لیے پھر سے بکھر جاؤں گی۔ پتا نہیں میں اسے بھول بھی سکوں گی یا نہیں؟" اس کی آنکھوں میں نمی سی اتر آئی۔

وہ پل صراط سے مرحلے جن کے آنے کا خیال اسے ہراساں کیے ہوئے تھا۔ اس کے جانے کے دن بہت قریب آ گئے تھے شام رات میں ڈھل رہی تھی اور کل اسے یہاں سے رخصت کرنے کی تاریخ طے ہوئی تھی۔

☆ ☆ ☆

وہ بہت دیر سے بغیر پلکیں جھپکے اسے دیکھے جا رہی تھی۔

جو کچھ اس حال میں تھا کہ شاید اسے یہ بھی خبر نہیں تھی کہ وہ کہاں ہے؟ وہ کون ہے' کسی گہری سوچ میں مستغرق!

کسی ایسے مسئلے پر دھیان کی ساری سیڑھیاں لگائے' وہ کسی اور ہی جہاں میں تھا جس کا حل شاید کہیں بھی نہیں تھا۔

وہ سحر زدہ چلتی ہوئی اس کے پاس آ کر لحہ بھر کو جھجکی پھر کچھ بے خوف سے انداز میں یوں بیٹھ گئی' اس سے ذرا فاصلے پر جیسے دو دوست بیٹھتے ہیں' وہ اسی طرح بے خبر بیٹھا تھا۔

"وہ کون ہے جس سے آپ محبت کرتے ہیں؟" اس نے پر اسرار سے لہجے میں سرگوشی کے سے انداز میں پوچھا تھا۔

اور واثق یوں اپنی جگہ سے اچھلا جیسے کسی نے اسے ہزار واٹ کا کرنٹ لگایا ہو' وہ اسے یوں اپنے اتنے قریب بیٹھا دیکھ کر شاک میں آ گیا۔

"کون ہے وہ جسے آپ اتنے دھیان سے سوچ رہے ہیں۔ پلیز بتائیں ناں میں اس خوش نصیب لڑکی کا نام جاننا چاہتی ہوں۔" پری کے چہرے پر اشتیاق بھی تھا' اور امید کا جھنا دیا بھی! جیسے واثق جواب میں اس کا نام لے دے گا۔ واثق کے جبڑے بھنچ گئے۔ وہ مٹھیاں بھینچے جیسے خود پر ضبط کر رہا تھا۔

"میں اس کا نام جان سکتی ہوں؟" پری نے جھجکتے ہوئے بہت آہستگی سے اس کے ماتھ کو چھوا تھا۔

اور واثق یوں اپنی جگہ سے اچھلا جیسے کسی نے اسے اوپر اچھالا ہو اس کا ہاتھ پری کو تھپڑ مارنے کے لیے اٹھا اور شدید برداشت کے مرحلے سے گزرتے ہوئے جیسے ہوا ہی میں معلق رہ گیا۔

"مارنا چاہتے ہیں پلیز تو مار لیجیے۔ مجھے اچھا لگے گا۔ آپ سے میرا کوئی تو تعلق بنے بھلے دشمنی کا ہو یا دوستی کا۔"

وہ اس بے خوف لہجے میں کہہ رہی تھی۔ جس سے وہ پہلے اس سے بات کرتے ڈرتی تھی۔

"شٹ اپ۔ یو شٹ اپ!" واثق جبڑے بھینچے حلق کے بل غرا کر بمشکل ہی بول سکا۔

پری کی آنکھوں میں نا سمجھی سی حیرت اتر آئی جیسے اسے یقین ہی نہ ہو جواب میں اسے یہ کچھ سننا پڑے گا۔

"میں نے کچھ غلط کہہ دیا؟" وہ مصنوعی انداز میں کچھ ڈرتے ڈرتے پوچھ رہی تھی۔ بہت حیران سی۔ اور واثق کا جی چاہ رہا تھا اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے دھکے دے کر یہاں سے نکال دے۔

"ورده گھر پر نہیں ہے اور امی بھی نہیں ہیں۔ جب تمہیں آنا ہو تو پہلے تو انہیں کال کر کے یہاں آیا کرو اور پلیز اب جاؤ یہاں سے کیونکہ میں گھر میں اکیلا ہوں۔" وہ رخ پھیرے چہرے پر خوفناک سے تاثرات لیے بہت رک رک کر بولا تھا جیسے خود کو تہذیب کے دائرے میں رہنے پر مجبور کر رہا ہو۔

وہ اسے دیکھتی رہ گئی اور دوسرے لمحے کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ واثق نے اسے سخت ناگوار نظروں سے دیکھا یہ لڑکی خود جتنی بے باک تھی اس کی ہنسی میں بھی بے خوفی تھی۔

پتا نہیں کب کہاں اس نے یہ جملہ پڑھا اور اس کے ذہن پر جیسے نقش ہو گیا تھا۔

"جو لڑکی بے خوف ہنسی ہنسے وہ اچھی لڑکی نہیں ہوتی۔" اور وہ ایسی ہی ناپسندیدہ نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

"ارے یہ خوف تو لڑکیوں کو ہوتا ہے کہ وہ گھر میں اکیلی ہیں اگر ان کا کوئی بوائے فرینڈ ملنے کے لیے آ جائے تو وہ اس طرح اسے جھٹ کر واپس جانے کو کہتی ہیں جبکہ ان کا دل اندر سے اسے گھر کے اندر بلانے کو چاہ رہا ہو۔ جیسے کہ اس وقت آپ کا دل چاہ رہا ہے ناکہ میں نہ جاؤں نہیں بس یہیں رک جاؤں ٹھہر جاؤں ہمیشہ کے لیے آپ کے پاس۔ آپ کے گھر میں۔ ہے نا؟" اس کی صرف ہنسی ہی بے خوف نہیں تھی اس کی سوچ بھی بے باک تھی۔

واثق کو ـــــ اس لڑکی سے جو ابھی اسے تو ورده کی طرح بالکل لاابالی سی لگتی تھی۔ پہلی بار ہی اس سے عجیب سی گھن محسوس ہوئی۔

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا! آپ کا دل کیونکر چاہے گا کہ اتنی اچھی پیاری بلکہ اگر میں صاف آپ کے لفظوں میں بولوں تو ایسی بات لڑکی ایسی تنہائی میں آپ کو اکیلا چھوڑ کر چلی جائے نہیں چاہ رہا ناں آپ کا دل؟"

وہ اس کے بالکل پیچھے آ کر یوں اس کے ساتھ لگ کر کھڑی ہوئی تھی کہ دونوں کے بیچ میں سے گزرتی ہوا کو بھی رستہ بہت تنگ پڑ رہا تھا!

وہ اس کے بہت قریب تھی کہ ذرا سی حرکت خفیف سی آہٹ دونوں کو ایک دوسرے کے بہت قریب کر سکتی تھی۔ واثق کا ضبط جیسے جواب دے گیا۔

"اگر ایسے میں کوئی آ گیا امی یا ورده۔ انہوں نے دونوں کو یوں کھڑے دیکھ لیا تو کون یقین کرے گا اس میں واثق انوالو تھا یا نہیں یہ صرف پری کی کاوش تھی۔"

وہ تیزی سے پلٹا اور اس نے کھینچ کر ایک تھپڑ پری کے چہرے پر جڑ دیا۔

"یہ ہے تمہاری اس بے باک گفتگو کا جواب۔" وہ دانت پیس کر تنفر سے بولا۔ اور پری کو اس تھپڑ سے اتنی تکلیف نہیں ہوئی جتنی واثق کے اجنبی رویے سے عجیب سا دکھ ہوا۔

اس کی آنکھوں میں آنسو ٹھہر سے گئے۔ وہ اپنی بڑی بڑی آنکھوں میں ٹھہراپانی لیے اسے دیکھتی جا رہی تھی جس

کی آنکھوں میں حسرت، نفرت، بے زاری اور بیگانگی تھی اور کچھ بھی نہیں۔
اس کچھ کی تلاش نے تو اسے بے باک بنایا تھا۔ وہ سمجھی تھی کہ اگر وہ خود سے پہل کرے گی تو بہت کچھ خود بخود آسان ہوتا چلا جائے گا۔ محبت کے رستے بھی اور واثق کی چاہت بھی!
"نکلو یہاں سے اور آئندہ تم میری موجودگی میں اس گھر میں نہیں آؤ گی۔ میں تمہیں بتا رہا ہوں۔" وہ ایک دم سے اس کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے بیرونی دروازے تک لے آیا تھا۔ وہ اس کے ساتھ گھسٹتی ہوئی جا رہی تھی۔
"تم جیسی لڑکیاں عزت کرنے تو کیا کسی بھی قابل نہیں ہوتیں، تمہیں اپنی شکل پر بہت ناز ہے، اپنے حسن پر بہت غرور ہے اور تم مجھے ایک عام شکل کی گئی گزری لڑکی سی بھی بری لگی ہو، اس میں کم از کم شرم، کچھ حیا تو ہوگی۔"
واثق شدید جذباتی پن میں پھولے سانسوں کے درمیان بول رہا تھا۔
پری کی تو جیسے حیرت ہی نہیں جا رہی تھی، اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ وہ جو اتنی حسین، اتنی خوب صورت ہے وہ خود سے کسی مرد کی طرف پیش قدمی کرے اور وہ مرد اسے جھٹک کر دور ہٹا دے، ایسا ہو ہی نہیں سکتا۔
اس کا دل عجیب طریقے سے دھڑک رہا تھا، بہت آہستہ آہستہ ڈوبتا ابھرتا اور پھر نیچے ہی نیچے جاتا ہوا۔
وہ کمزور دل نہیں تھی مگر اس وقت اسے لگا جیسے اس کے بدن کی پوری عمارت کسی بھربھری ریت کی دیوار کی طرح ڈھتی جا رہی ہے، آہستہ آہستہ نیچے گرتی جا رہی ہے۔
"جاؤ یہاں سے اور اگر تم میں تھوڑی غیرت، شرم یا اپنے ماں باپ کی عزت کا لحاظ ہو گا تو آئندہ کسی بھی غیر مرد کے ساتھ اس طرح کی بے ہودہ بکواس کرنے سے پہلے سو بار سوچو گی۔" نفرت سے کہہ کر اس نے پری کا ہاتھ چھوڑ کر اسے باہر کی طرف دھکا دیا اور وہ اس کے ہاتھ سے چھوٹتے ہی یوں بے دم ہو کر گری جیسے کسی نے اس کے بدن سے روح ہی کھینچ لی ہو۔
وہ سیدھی جا کر دروازے کی چوکھٹ سے ٹکرائی اور دوسرے لمحے زمین پر گر کر ڈھیر ہو گئی۔
اور یہ بات تو واثق کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ وہ اس طرح کا ڈرامہ کرے گی بجائے یہاں سے دفعان ہونے کے شرمندہ ہو کر چلے جانے کے وہ یوں دہلیز کے آگے ہی ڈھیر ہو جائے گی۔
"تم نے سنا نہیں۔ اٹھو اور جاؤ یہاں سے اس سے پہلے کہ کوئی یہاں آ جائے۔ جاؤ اپنے گھر۔" وہ وہیں کھڑے کھڑے درشت لہجے میں پکارا۔
مگر وہ بے حس و حرکت وہیں پڑی رہی۔ ایک دو تین چار۔ بہت سارے لمحے خاموشی سے گزر گئے، وہ بے حس و حرکت پڑی رہی۔ واثق کو پریشان سی ہوئی۔
"اے کیا مر گئی ہو۔ اٹھو یہاں سے اور جاؤ فوراً۔" وہ اس سے کچھ فاصلے پر رک کر قدرے محتاط لہجے میں بولا۔ وہ بالکل نہیں ہلی۔
"یہ اس کا کوئی فریب بھی ہو سکتا ہے کوئی ناٹک۔ یہ لڑکی کچھ بھی۔۔۔ کچھ بھی کر سکتی ہے مجھے اس پر بھروسہ نہیں کرنا چاہیے۔" وہ کچھ پریشان سا خود کو سمجھاتے ہوئے ذرا سا آگے بڑھا۔
"یہ تو بے ہوش ہو گئی ہے۔" یوں گٹھڑی کی طرح بے حس و حرکت پڑے دیکھ کر خود سے کہا۔ اب آگے بڑھنے کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

"کیا ہوا ہے تمہیں۔ آر یو آل رائٹ۔" وہ ذرا سا اس پر جھکا پوچھ رہا تھا۔
بہت آہستگی سے اسے چھو کر واثق نے سیدھا کیا۔ اس کے ماتھے سے ذرا سا خون رس رہا تھا اور وہ بے ہوش

تھی۔ وہ کتنی دیر اسے غور سے دیکھتا رہا۔
اس کے پپوٹے بھی بے حرکت تھے۔ یہ اتنی سی چوٹ سے کیسے بے ہوش ہو سکتی ہے بھلا۔ وہ پریشان سا ہوا۔
"اے سنو۔ تم ٹھیک ہو۔" وہ اب اس کے پاس دو زانو ہو کر پوچھ رہا تھا" اسے ذرا سا ہلایا اور وہ اس کی طرف لڑھک گئی۔
"پری!" وہ پریشان ہو گیا۔
اس وقت عاصمہ اور وردہ اندر آگئیں۔ اور دروازے پر ہی یہ منظر دیکھ کر ٹھٹک کر رہ گئیں۔

☼ ☼ ☼

عدیل نے الوداعی کلمات بولتے ہوئے فون بند کر دیا۔ عفت منتظر نظروں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔
"آدھے گھنٹے میں وہ لوگ نکل رہے ہیں گھر سے۔ سات آٹھ لوگ ہوں گے ان کے ساتھ' زیادہ تر تو فائزہ بھابھی کے رشتہ دار ہیں' ایک وقار کا بھائی اور اس کی بھابھی ہیں۔ یہاں سب انتظامات مکمل ہیں نا؟" وہ کچھ بے چینی سے لہجے میں بولا۔
آج عدیل نے آفس سے چھٹی لی تھی وہ سب کچھ اپنی نگرانی و موجودگی میں کروانا چاہتا تھا۔
عفت نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ وہ یہ سوال دوپہر کے بعد سے کئی بار پوچھ چکا تھا اور وہ تسلی بھرا جواب بھی دے چکی تھی' لیکن عدیل کے انداز سے لگتا وہ مطمئن نہیں ہو سکا تھا۔
"کچھ چاہیے تو نہیں اگر بازار سے کچھ منگوانا ہو تو؟" وہ عفت کو جاتے دیکھ کر پھر پیچھے سے پوچھنے لگا۔
"عدیل! میں نے تقریباً" سولہ سترہ لوگوں کے لیے ڈنر اور شام کی چائے کا انتظام کیا ہے اگر وہ آٹھ دس لوگ آرہے ہیں تو سب کچھ ٹھیک ہے' کافی ہے' میرے خیال میں پھر مزید کیا منگواؤں اور میں۔" آخر میں بولتے ہوئے وہ اس بے زاری پر اتر آئی جو اس کے لہجے کا خاصہ تھی۔
"ہوں ٹھیک ہے پھر تو میرے خیال میں۔" وہ اس کے لہجے سے کچھ خائف ہو کر سر ہلاتے ہوئے بولا۔ عفت نے مزید کچھ نہیں کہا اور باہر نکل گئی' مگر اسے دروازے کے پاس دو قدم پر ہی رکنا پڑا' عدیل کا فون پھر بجا تھا۔
شاید کچھ انہونا ہو جائے' وہ لوگ نہیں آرہے ہوں ان کا پروگرام کسی وجہ سے کینسل ہو گیا ہو۔
دل کی وہ کمینی سی خواہش جو عفت کو قدم قدم پر بھٹکا رہی تھی۔ اس خواہش نے پھر سے اس کے قدم جکڑے تھے' مگر عدیل کال ریسیو کرنے کے بعد بہت مدھم لہجے میں بات کر رہا تھا' یہ چیز عفت کو کچھ اور متجسس کر گئی۔
اس نے دروازے کی اوٹ سے کان اندر کی جانب لگا دیے۔
"ہوں سب مکمل ہے سب کچھ۔ تم پریشان نہیں ہو' میرا دل اب کافی مطمئن ہے۔ مثال سے میری بات ہو چکی ہے' وہ دل سے راضی ہے اس رشتے کے لیے' ورنہ یہ میرا وہم تھا واقعی کہ وہ کسی اور کو پسند کرتی ہے۔"
وہ رک کر دوسری طرف یقیناً" بشریٰ ہوگی جس کی بات بہت دھیان سے سننے لگا تھا' عفت کے سینے پر جیسے سانپ لوٹنے لگے۔ ان کی عشق و عاشقی تو شاید مرتے دم تک تمام نہیں ہوگی۔
"منحوس دوسرے شوہر سے طلاق لے کر دوبارہ اس عدیل کے گھر میں کیوں نہیں آتی اپنے مثال اور عدیل کے پاس۔" وہ جی میں جل کر وہ بات سوچنے لگی جس میں سراسر اس کا اپنا نقصان تھا۔

"نہیں پلیز' میں بات کر چکا ہوں مثال سے' اب تم بات کرو گی تو وہ پریشان ہو جائے گی۔ اسے لگے گا کہ ہم

دونوں اس پر اعتبار نہیں کر رہے۔ بشریٰ! ہماری مثال واقعی میں ایک مثالی لڑکی ہے' بہت محبت کرنے والی' خیال رکھنے والی' صابر شاکر۔" اور عفت کو معلوم تھا مثال ایک ایسا ٹاپک ہے عدیل کے پاس جس پر وہ گھنٹوں بغیر تھکے بات کر سکتا ہے۔

"آج وہ ہم سے رخصت ہو رہی ہے تو مجھے یوں لگ رہا ہے میں بالکل اکیلا ہو جاؤں گا۔" وہ بہت آزردہ تھا۔

"ہم تو جیسے مر چکے ہیں نا یا شاید پیدا ہی نہیں ہوئے۔" عدیل کے لہجے سے عفت نے جل کر سوچا اور دروازے کی اوٹ چھوڑ دی۔

اس جلن میں اور کتنا خود کو کھولائے جو تقدیر نے اس کی قسمت میں شادی کے دن سے لکھ رکھا ہے۔

شادی والی رات ہی تو مثال اسے بری میں مل گئی تھی۔ اس نے پہلی رات بھی ایسے ہی جلتے کھولتے کڑھتے گزاری تھی اور پھر آنے والی بہت سی راتیں' جب عدیل اس کے پاس بیٹھا کبھی مثال کی باتیں کرتا اور کبھی مثال کے بہانے بشریٰ کے نام پر اٹک کر گھنٹوں کے لیے چپ سادھ لیتا تھا۔

"پتا نہیں اللہ نے ان بن بیٹی کی قسمت کہاں بیٹھ کر ایسی شاندار بنائی اور مجھ جیسی کرموں جلی کی کہاں۔ بیٹا پیدا کر کے بھی میں عدیل کے دل میں وہ جگہ نہیں بنا سکی' جو وہ بشریٰ اس مثال کو پیدا کر کے بنا چکی ہے۔"

"میرے بچے بھی تو۔ انہیں بھی مثال کی طرح باپ کو قابو کرنا نہیں آیا۔ والی ایسا نکلے گا۔ میں نے کبھی نہیں سوچا تھا' ورنہ صرف یہ والی ہی باپ کی کمزوری ہوتا تو آج اس گھر میں حالات بہت مختلف ہوتے۔ میں مثال کے لیے نہیں پری کے لیے آنے والے مہمانوں کا بڑے جوش اور خوشی سے استقبال کر رہی ہوتی۔"

جانے کیوں اسے یہ رشتہ اپنی پری کے لیے چاہیے تھا۔

وقار اور فائزہ کو پہلی بار ملنے کے بعد سے یہ خیال اس کے دل میں گھر کر گیا تھا۔

"میری بیٹی میں بھلا کس چیز کی کمی تھی' آسمان سے اتری کوئی حور اور یہ مثال ہونہہ معلوم نہیں کیا دیکھا ان دونوں نے اس میں۔" وہ بڑبڑاتی کچن میں چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

مثال کاٹن کے گلابی کلر کے ہلکی شکنوں والے سوٹ میں پری جیسی تو نہیں لیکن پیاری لگ رہی تھی۔

اس کے چہرے اور آنکھوں میں جیسے کوئی بولتی چپ تھی' جو ٹھہر گئی تھی یونہی کچن کے دروازے پر پہنچ کر وہ چند لمحے اسے دیکھتی رہ گئی۔ کتنا سوز ہے اس کے اس عام سے حسن میں!

وہ سوچ کر رہ گئی۔ مگر یہ سوز کیسے آگیا اس کے چہرے پر' کیا اس نے کسی محبت میں محرومی جھیلی ہے۔

"مجھے کھانا ملے گا' یا نہیں میں نے دوبار کہلوا کر بھیجا ہے۔" والی اندر آکر مخصوص تیز لہجے میں بولا۔

مثال کے چہرے پر بڑی پیاری مسکراہٹ ابھری تھی۔

"یہ دیکھو' میں نے اپنے پیارے بھیا کے لیے کتنی زبردست ٹرے سجائی ہے' پاشا ہے گرم گرم پلاؤ' پالک پنیر' قورمہ' اور نان بھی۔ یہیں آجاؤ یہیں شاباش میں ٹیبل پر رکھ رہی ہوں۔" وہ جو ٹرے میں کچھ برتن رکھ کر کھانا نکال رہی تھی فوراً بشاشت سے بولی۔

"نہیں' مجھے اپنے روم میں کھانا ہے' بھجوا دیں کسی کے ہاتھ۔" وہ اپنی مخصوص رکھائی سے کہہ کر جانے لگا۔

"والی! یہیں کھالو نا میرے پاس بیٹھ کر' مجھے اچھا لگے گا اور پھر دیکھو نا مجھے تو کچھ دنوں بعد یہاں سے چلے ہی جانا ہے' اگر تم مجھے کچھ ٹائم دو گے تو مجھے اچھا لگے گا۔" وہ لجاجت بھرے لہجے میں اس کا ہاتھ تھام کر کچھ ایسے بولی کہ

دانی فوری طور پر اس سے اپنا ہاتھ نہیں چھڑا سکا۔ متذبذب سا کھڑا رہ گیا۔ وہ اس کے ہاتھ پکڑے ٹیبل تک لے آئی۔ اور پھر خود جلدی سے ٹرے اور دوسرے برتن لا کر اس کے سامنے میز پر رکھنے لگی۔

"کیا لوگے؟ پہلے تمہاری پلیٹ میں کیا نکالوں؟" وہ جوش سے کہہ رہی تھی۔

"تھینکس میں لے لوں گا خود۔" وہ قدرے نرم پڑ گیا تھا۔

"میں تمہارے پاس بیٹھ جاؤں نا کچھ دیر کے لیے۔" وہ دونوں ہاتھوں کے کٹورے پر اپنا چہرہ سجا کر پیار سے بولی۔

دانی نے کچھ چونک کر اسے دیکھا جیسے اس کے چہرے پر اس التفات کی اصل وجہ تلاش کر رہا ہو۔

وہاں ایسا کچھ نہیں تھا جس کے بارے میں عفت نے ہمیشہ اسے اور پری کو خبردار رکھا تھا' وہ یونہی سر ہلا کر خاموشی سے کھانے لگا۔ مشال اسے دیکھتی جا رہی تھی۔

"پتا ہے دانی! جب تم چھوٹے تھے تو میں تمہیں گود میں لے کر بہت پیار کرتی تھی' تم پیارے ہی بہت تھے۔" وہ دھیرے سے کہنے لگی۔

"اب پیار نہیں کرتیں یا میں پیارا نہیں رہا؟" وہ کچھ ناپسندیدہ لہجے میں بولا۔

"تم پیارے تو اب بھی بہت ہو اور میں تمہیں پیار بھی بہت کرتی ہوں' لیکن میں نے تمہارے لیے بہت سے خواب دیکھے تھے۔" وہ کچھ حسرت سے بولی۔

"ہما اور پپا جیسے' ہے نا؟" وہ تمسخر بھرے لہجے میں بولا۔

"خواب دیکھنے کی بیماری تو نہیں ہے۔ یہ تمہیں کہاں سے لگ گئی۔"

باہر کھڑی عفت نے اپنا وزن دوسرے پاؤں پر ڈالا۔

"خواب تو ہر کوئی دیکھتا ہے دانی! تم نے بھی دیکھے ہوں گے' کیا سوچا ہے تم نے اپنے بارے میں۔" وہ بڑے طریقے سے اسے موضوع کی طرف گھیر کر لا رہی تھی۔ دانی کچھ ٹھٹکا۔

"کچھ نہیں ابھی۔" وہ سرد لہجے میں کہہ کر کھانے لگا۔

"بھائی بہنوں کا فخر ہوتے ہیں دانی! تم ابھی چھوٹے ہو' لیکن ماشاء اللہ سے تم سمجھ دار بہت ہو' تم چیزوں کو بہت اچھی طرح سے سمجھتے ہو۔ میری شادی ہونے والی ہے' چند سالوں میں بلکہ ایک دو سالوں میں پری کی بھی ہو جائے گی' پھر ماما اور پپا اکیلے رہ جائیں گے' ان کے پاس صرف تم ہی تو ہو گے۔" دانی نے چونک کر اسے دیکھا۔

"ابھی تمہیں لگتا ہے کہ تمہیں ان کی ضرورت ہے' لیکن دانی صرف دو تین سالوں میں انہیں تمہاری ضرورت ہو گی' اس گھر کو تم نے بنانا اور چلانا ہے' پھر میں اور پری' ماما پاپا سے زیادہ تمہارے فون کا انتظار کریں گے کہ کب دانی ہمیں فون کرے گا کہ آپی میں آپ کو لینے کے لیے آ رہا ہوں' پلیز کچھ دن ہمارے ساتھ آ کر رہیں' ایسا کوئی فون مجھے آئے گا نا دانی۔" وہ بہت یقین سے اس سے پوچھ رہی تھی' باہر کھڑی عفت کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ دانی کچھ نہیں بولا۔

"بتاؤ نا دانی! میں انتظار کروں تمہاری ایسی کسی کال کا؟" وہ اصرار بھرے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"پتا نہیں... میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔" وہ جانے کیسے بے بس ہوا تھا۔ کچھ لاچاری سے بولا۔

"دانی تمہارے یہ دن بہت قیمتی ہیں۔ تم بڑے ہو رہے ہو' اگر اس وقت کو کھو دو گے تو وقت بھی تم سے ہاتھ چھڑا کر آگے نکل جائے گا۔ تم پیچھے رہ جاؤ گے۔ پتا نہیں تمہیں اس بات سے کوئی فرق پڑے یا نہیں' لیکن دانی ہم سب میں' ماما' پاپا' پری ہم اس غم سے بہت تکلیف محسوس کریں گے کہ ہمارا دانی زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ گیا ہے' تم سمجھ رہے ہو نا میں کیا کہہ رہی ہوں؟

دانی پلیز! ہم تمہیں سب سے آگے سب سے کامیاب رکھنا چاہتے ہیں۔ پپا جو کچھ نہیں کر سکے۔ تم وہ کر کے

دکھاؤ اور تم کر سکتے ہو، تم میں بہت انرجی ہے، بہت جذبہ ہے اور جذبہ سب کچھ کروا سکتا ہے۔ اگر تم نے کامیاب ہونے کا ارادہ کر لیا اس ارادے پر ڈٹ گئے تو پھر ضرور کامیاب ہو گے۔" وہ رک رک کر کہہ رہی تھی۔

دانی بہت آہستہ آہستہ کھانا کھا رہا تھا۔ وہ مثال کی باتیں سن رہا تھا یا نہیں، لیکن کچھ سوچ ضرور رہا تھا۔

"ہم سب تمہیں بہت کامیاب دیکھنا چاہتے ہیں دانی! ماما تم سے بہت محبت کرتی ہیں ہم سب سے زیادہ وہ صرف تم سے محبت کرتی ہیں۔ بیٹے ماؤں کی کمزوری ہوتے ہیں۔ پلیز تم انہیں مایوس نہیں کرنا۔"

اور عفت کا جی چاہا وہ وہیں کھڑے ہو کر دھاڑیں مار کر رونے لگے۔ وہ اس لڑکی کو عمر بھر کیا سمجھتی رہی اور وہ جس طرح کی باتیں کر رہی تھی، یہ تو دل کی بہت اچھی ہے۔ عفت پر جیسے انکشاف ہوا تھا۔

"تم سوچو گے دانی! میری باتوں کو؟" وہ اس کو اٹھ کر جاتا دیکھ کر ملتجی لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"ہوں!" وہ مختصراً کہہ کر باہر نکل گیا مثال اسے جاتا دیکھتی رہی۔

☆ ☆ ☆

وردہ پری کو سہارا دے کر گھر کے اندر لائی تو باہر کی طرف آتا عدیل بے اختیار ٹھٹکا تھا۔

پری کے ماتھے پر چھوٹی سی بینڈیج تھی اور چہرے پر نقاہت سی!

"کیا ہوا ہے تمہیں پری! تم ٹھیک ہو کہاں تھیں تم؟" وہ کچھ بے چین، کچھ خفا لہجے میں آگے بڑھ کر اس سے پوچھ رہا تھا۔

"سوری انکل! یہ میرے گھر آئی تھی۔ ہمیں کچھ نوٹس ایکسچینج کرنے تھے کہ گھر آتے ہوئے اسے چکر سا آیا اور یہ گر گئی تو اس کے یہ چوٹ سی لگی ہے۔ بٹ شی از فائن، ڈاکٹر نے کہا ہے صرف ویک نیس کی وجہ سے یہ گر گئی تھی۔" وردہ کچھ رک رک کر بتا رہی تھی عدیل پری کو دیکھ کر پریشان ہو گیا تھا۔

اس کے ہاتھ پکڑ کر نرم سے انداز میں اسے اندر لے جانے لگا۔

"اگر طبیعت زیادہ خراب ہے پری! تو میں تمہیں ڈاکٹر کے پاس لے جاتا ہوں۔ کیا فیل ہو رہا ہے؟" وہ فکر مند تھا۔

"پاپا! میں ٹھیک ہوں بالکل۔ کچھ دیر ریسٹ کروں گی تو کافی بہتر ہو جاؤں گی۔ آپ پریشان نہیں ہوں۔" وہ باپ سے نظریں چرا کر مدھم لہجے میں بولی۔

"چلو پھر تم اندر جا کر آرام کرو۔ مثال! اسے اندر لے جاؤ یہ ریسٹ کرے گی۔" سامنے سے آتی مثال کو دیکھ کر عدیل نے کہا۔

مثال، وردہ کو دیکھ کر ٹھٹکی، جو کچھ آکورڈ سا محسوس کرتے ہوئے اب مڑ کر واپس جانے لگی تھی۔

"وردہ پلیز تم آجاؤ میرے ساتھ میرے روم میں۔" پری نے اسے مڑ کر پکارا تھا۔ وہ عدیل کی طرف دیکھنے لگی۔

"نہیں پری! شام زیادہ ہو گئی ہے۔ مجھے اب گھر جانا ہے میری امی انتظار کر رہی ہیں تم ریسٹ کرو، میں فون پر تمہاری خیریت پوچھ لوں گی۔" وہ کہہ کر جانے لگی۔

"چند دیر بعد چلی جانا۔ ابھی آجاؤ۔" پری کے لہجے میں اصرار تھا۔

"وردہ! اگر پری چاہ رہی ہے تو تم پلیز آجاؤ۔ تھوڑی دیر بعد چلی جانا۔" مثال نے بھی اسے روکا۔

"پاپا! تمہیں چھوڑ آئیں گے تھوڑی دیر بعد۔" پری نے جیسے اس کی مشکل آسان کرتے ہوئے کہا۔

"ٹھیک ہے بیٹا! آپ جاؤ ابھی پری کے ساتھ میں آپ کو کچھ دیر میں بھجوا دوں گا آپ کے گھر ڈونٹ وری۔"

بیٹی کی خواہش پر عدیل نے بھی اسے تسلی دی۔ وہ کچھ تذبذب سی کھڑی رہی پھر سر ہلا کر پری کے ساتھ اندر کی طرف

بڑھ گئی۔ عدیل کے چہرے پر سوچ تھی وہ اندر چلا گیا۔

☆☆☆

"بس امی! ایسا کچھ بھی نہیں ہے وہ بالکل ایک پاگل لڑکی ہے۔" واثق ماں سے نظریں چراتے ہوئے کوفت سے کہہ رہا تھا۔

"مگر اس کی حالت واثق۔" عاصمہ کے لہجے میں عجیب شک سا تھا۔ واثق بے اختیار ٹھٹکا۔

"آپ۔۔۔ آپ کیا سمجھ رہی ہیں۔ امی کیا میں آپ کو اس ٹائپ کا لگتا ہوں کہ۔" وہ بولتے ہوئے رک گیا اس سے آگے کچھ بولا ہی نہیں گیا تھا۔

عاصمہ کے لہجے نے اسے دکھ دیا تھا۔

"صرف میں نہیں واثق! اس طرح گھر میں کوئی بھی داخل ہوتا اور وہ جیسے فرش پر پڑی تھی۔" عاصمہ بولتے بولتے ایک دم سے سر جھٹک کر خاموش ہو گئی۔

"اور تم کہہ رہے ہو وہ پاگل ہے۔ کیوں کس کے لیے؟" عاصمہ آگے سے بولی تو واثق کو بہت برا لگا۔

"ایک منٹ امی! آپ کے دل میں جو بھی بات ہے وہ آپ مجھ سے چاہتے ہوئے بھی کہہ نہیں پا رہیں، پلیز وہ کہہ ڈالیں مجھ سے یوں الجھے الجھے انداز میں بات نہیں کریں پلیز۔" وہ دو ٹوک لہجے میں ماں سے بولا۔ اس کی عادت ہی ایسی تھی وہ الجھو ؤ سے بیستان سے" شک سے دور بھاگتا تھا۔

"وہ کیوں آئی تھی یہاں؟" عاصمہ اسے دیکھ کر پوچھنے لگی۔

"مجھے کیا معلوم وہ کیوں آئی تھی۔ میں نے جب اسے دیکھا تو وہ ۔۔۔ اندر آ چکی تھی دروازہ کھلا تھا مجھے معلوم نہیں تھا۔ درو کا پوچھنے لگی میں نے بتا دیا۔ میں نے ہی اسے جانے کے لیے کہا جبکہ وہ۔۔۔" وہ بولتے ہوئے رک گیا۔

"کیا وہ جانا نہیں چاہ رہی تھی۔" عاصمہ نے اس کا ادھورا جملہ جیسے پورا کیا۔

"میں اسے یہاں رکنے سے منع کر رہا تھا۔ یہ مناسب بات نہیں تھی مگر وہ رکنا چاہ رہی تھی۔" واثق کچھ مجرمانہ انداز میں اعتراف کر رہا تھا۔ عاصمہ کو لگا۔ کچھ اچھا نہیں ہوا ہو گا۔ دونوں کے درمیان کچھ ایسی بات ضرور ہوئی ہے جو غلط تھی۔

"میں نے اسے منع کیا اور یہاں سے چلے جانے کو کہا باہر جاتے ہوئے اسے چکر آیا اور وہ دروازے سے ٹکرا کر گری اور بے ہوش ہو گئی میں اسے ہوش میں لانے کے لیے پکار رہا تھا جب آپ اور درو گھر میں داخل ہوئے تو۔" کبھی زندگی میں ایسا موقع نہیں آیا تھا کہ واثق کو یوں اپنے لیے صفائی دینا پڑی ہو۔

مگر آج اسے یہ بھی کرنا پڑ رہا تھا۔

"اور امی! میں نے اسے سمجھانے کی کوشش بھی کی کہ اسے یوں اکیلے گھر میں نہیں آنا چاہیے۔ ٹھیک طریقہ یہی ہے کہ آدمی فون کرے کسی کے بھی گھر جانے سے پہلے کہ جس سے وہ ملنے جا رہا ہے وہ شخص گھر میں موجود بھی ہے یا نہیں۔" وہ کوفت سے کہہ رہا تھا۔

عاصمہ کچھ نہیں بولی۔

"میں دیکھوں درو ابھی تک نہیں آئی۔ میں نے کہا بھی تھا کہ میں ساتھ چلتا ہوں۔" وہ جھلا کر باہر جانے لگا۔

"واثق!" عاصمہ نے اسے پیچھے سے پکارا۔ "تم نے سارہ کے بارے میں کیا سوچا؟ سعدیہ کا فون آیا تھا۔ وہ کل ہماری طرف آ رہی ہے۔ سارہ بھی ساتھ میں ہو گی تم بھی مل لینا اس سے اور میں چاہتی ہوں یہ معاملہ بس اب

نپٹ جائے ورنہ تو۔" آخری الفاظ وہ منہ میں بڑبڑائی تھی۔
"کیا مطلب ہے آپ کا۔ کس وجہ سے جلد سے جلد یہ معاملہ نپٹانا چاہ رہی ہیں آپ کیا خوف ہے آپ کو؟" وہ تیز لہجے میں بولا۔
"میں کسی کے زبردستی مجبور کرنے پر تو اپنی زندگی کا فیصلہ کروں گا نہیں' جو کوئی کچھ بھی سمجھتا ہے' سمجھتا رہے' آئی ڈونٹ کیئر مجھے کسی سے نہیں ملنا۔" وہ تیز تیز بولتا باہر نکل گیا عاصمہ سر پکڑ کر رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

وردہ کے چہرے پر ہوائیاں اڑ رہی تھیں۔ اس کا منہ لحظہ بھر کے لیے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ پری اس کے چہرے پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔
"تمہیں لگ رہا ہے' میں جھوٹ بول رہی ہوں۔" پری اسی طرح نظریں جمائے ہوئے پُراعتماد لہجے میں پوچھ رہی تھی۔
وردہ صرف ہلکا سا نفی میں سرہی ہلا سکی۔
"میں نے کچھ نہیں کہا تھا صرف پسندیدگی کا اظہار اور میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اس کا کچھ اور مطلب نکالیں گے اور مجھے۔" ادھوری بات کے ختم ہونے سے پہلے وہ بے آواز آنسوؤں سے رو پڑی۔
اس کی پتلیوں ہلکورے لیتی آنکھوں سے گرتے موتیوں نے وردہ کے دل کی دنیا ہی بے سکون کر دی۔
"پلیز۔ پلیز یوں مت رو پلیز پری۔ میں بات کرتی ہوں جا کر بھائی سے پوچھتی ہوں ان سے کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا؟ اپنی امی کو بتاتی ہوں کہ انہوں نے یہ کیسی حرکت کر ڈالی ہے۔" وردہ سخت جذباتی لہجے میں کہہ رہی تھی۔
پری نے بے اختیار وردہ کے ہونٹوں پر اپنا نازک ہاتھ رکھ دیا۔
"نہیں پلیز' تم کسی سے کچھ نہیں کہو گی۔ کچھ نہیں بولو گی۔ پہلے وعدہ کرو مجھ سے۔" وردہ اس کی اس فرمائش پر کچھ حیران سی رہ گئی۔
"پری۔ لیکن۔" وہ اسے سمجھانا چاہتی تھی۔
پری نے آنکھوں میں آنسو لیے شدت سے نفی میں سرہلا دیا۔
"پلیز نہیں' تم اس بات کو سمجھ سکتی ہو تم بھی لڑکی ہو۔ تم جانتی ہو۔ اس طرح کی بات اگر کسی لڑکی کے ساتھ لگ جائے تو اس کی پوری زندگی تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔" وہ شدید خوف زدہ لہجے میں کہہ رہی تھی۔
اور وردہ کا جی چاہ رہا تھا۔ زمین پھٹے اور وہ اس میں غرق ہو جائے اس نے کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ اس کا بھائی کچھ ایسا ویسا بھی کر سکتا ہے۔
وہ بس گم صم سی پری کو دیکھے جا رہی تھی۔
"میں نے تمہیں اس لیے روکا کہ میں خود کو سنبھالنا چاہ رہی تھی' اگر میں یہ بات کسی سے نہ کرتی وردہ' تو یقین کرو' میرا دل پھٹ جاتا اور اگر میں یہ بات کسی اور سے کر دیتی میرے ماما پپا کو پتا چل جاتا۔ یا میری اسٹیپ سسٹر مثال کو' تمہیں نہیں پتا' وہ کتنی گھنیا' کتنی کمینی ہے۔ اس نے سارے خاندان میں فون کر کے سب کو بتا دینا تھا' وہ بہت خطرناک ہے۔ اور مجھ سے تو اس کو خاص نفرت ہے کیونکہ وہ میرے جیسی حسین نہیں اور اسی وجہ سے وہ مجھے ناقابل تلافی نقصان پہنچانا چاہتی ہے۔ پلیز تم سمجھ رہی ہو نا' میری زندگی کا دارومدار تم پر ہے میری اچھی دوست۔!" وہ اٹھ کر اس کے کندھے پر سر رکھ کر بلک بلک کر رونے لگی۔

اور وہ تو جیسے پتھر کے بت کی طرح ساکت ہو گئی تھی اس کے اندر غم و غصے کا طوفان اٹھ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"یہ کپڑے تم نے پہنے نہیں ابھی تک میں نے بھجوائے تھے سلیمہ کے ہاتھوں وہ لوگ آنے والے ہیں مثال ابھی تم نے تیار بھی ہونا ہے۔" عفت کمرے میں آ کر اسے یونہی بیٹھے دیکھ کر کچھ خفا لہجے میں ناراض ہونے لگی۔ مثال کسی گہری سوچ میں گم تھی۔

"یہ پری کہاں رہ گئی ہے نمرہ بل مجھے کہہ رہے تھے وہ اپنی سہیلی کے گھر سے آچکی ہے تو اب کہاں ہے کم از کم آ کر تمہیں تیار تو کر دے اسے میک اپ کرنے کا اچھا ڈھنگ ہے میں بھیجتی ہوں اسے۔" وہ کہہ کر جانے لگی مثال اسی طرح بیٹھی تھی۔

عفت جاتے ہوئے کچھ سوچ کر رکی۔

"کیا بات ہے مثال! تم اس طرح کیوں بیٹھی ہو۔ کوئی بات ہوئی ہے؟" ابھی کچھ دیر پہلے جو کچھ اس نے دانی کے ساتھ مثال کی باتیں سنی تھیں۔ اس نے عفت کے دل میں مثال کی قدر بڑھا دی تھی اگر دانی مثال کی وجہ سے کچھ بہتر ہو جائے تو کیا ہی اچھا ہو اس نے سوچ لیا تھا کہ وہ خود اب مثال سے کہے گی کہ وہ دانی کو کچھ وقت دے۔

"نہیں کچھ نہیں ماما۔ میں ٹھیک ہوں۔" وہ جیسے خود کو کمپوز کرتے ہوئے آہستگی سے بولی۔

عفت اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"میں سمجھ سکتی ہوں تمہاری فیلنگز کو مثال! اس وقت ایک لڑکی کو جتنی ایک ماں کی ضرورت ہوتی ہے اور کسی وقت میں نہیں ہوتی۔"

وہ کہتے ہوئے آہستگی سے اس کے پاس بیٹھ گئی۔

"میں واقعی اتنی اچھی نہیں ہوں کہ تمہاری ماں کی جگہ لے سکوں حالانکہ میں کوشش کرتی ہوں کہ تمہارے ساتھ اچھا سلوک کروں اپنے بچوں جیسا نہ سہی لیکن کچھ بہتر لیکن مثال یقین کرو میں اس معاملے میں خود کو بے بس محسوس کرتی ہوں معلوم نہیں اللہ نے عورت کے دل میں اتنی وسعت کیوں نہیں دی کہ وہ دوسری عورت کو یا اس کی اولاد کو بخوشی قبول کر سکے اور جو عورتیں ایسا کرتی ہیں وہ بہت عظیم ہوتی ہیں۔ میں ایسی عظیم نہیں۔"

اس کے لہجے میں ملال تھا۔ تاسف اور کوئی گہری کیفیت جیسے وہ یہ سب مثال سے نہیں بری سے کہہ رہی ہو۔

"ماما! آپ بہت اچھی ہیں۔ مجھے آپ سے کوئی گلہ نہیں اور آپ کا دل بھی بہت بڑا ہے۔" آپ نے مجھے قبول کیا ہے۔ میں اس کی گواہ ہوں۔ آپ نے مجھے اپنے گھر میں جگہ دی ہے مجھے بہت کچھ سکھایا اور ماما نیں محبت ہوتی ہے جو ایک ماں ذمے دار ماں اپنی بیٹی کو دیتی ہے۔ آپ نے بہت اچھے طریقے سے میری تربیت کی ہے۔ آئی ریئلی تھینک فل ٹو یو ماما۔" وہ اٹھ کر اس کے گلے لگ گئی۔

"مثال! میری بیٹی! اللہ تمہیں اپنی زندگی میں بہت خوش و خرم رکھے میں اتنی اچھی نہیں ہوں۔ میں جانتی ہوں لیکن تم نے میرا مان رکھا۔" وہ اسے پیار کر کے بولی۔

اور مثال کو پہلی بار عفت کا پیار پا کر بہت عجیب بہت اچھا سا لگ رہا تھا کہ بہت سال ہوئے بشریٰ نے بھی اسے کبھی اس طرح سے پیار نہیں کیا تھا۔

اس کے پیار میں بھی ایک خوف ایک ڈر ہوتا تھا کہ کہیں احسن کمال یا سیفی دیکھ نہ لیں کہ وہ مثال کو پیار کر رہی ہے۔

"اور میں تمہارے لیے دل سے دعا کروں گی کہ جیسی اچھی تم خود ہو ویسی تمہیں سسرال ملے۔ تم بہت خوش

رہو اور مثال! کوشش کرنا عدیل کو اب تمہاری طرف سے کوئی دکھ نہیں ملے۔" اس نے آخر میں جو بات کی مثال لمحہ بھر کو سُن سی رہ گئی۔

اس نے دانستہ طور پر تو کبھی اپنے باپ کو غم زدہ نہیں کیا تھا۔

"وہ پہلے ہی بہت دکھ جھیل چکے ہیں، پہلے تمہاری ماں کی وجہ سے شاید تمہیں برا لگے مگر یہ حقیقت ہے مثال! اور تم سمجھ دار ہو، تم سسرال میں اچھی زندگی گزار کر اپنے باپ کو خوشیاں دو گی۔ تم سمجھ رہی ہو ناں انہیں کوئی شکایت نہیں ملنی چاہیے تمہاری طرف سے۔" اور مثال سر جھکا کر رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

فائزہ نے اسے اپنے بہت قریب کر کے بٹھایا ہوا تھا کہ فائزہ کے قیمتی لباس سے اٹھتی دل فریب مہک جیسے مثال کے اپنے وجود سے پھوٹنے لگی تھی۔

اس کی گریس فل سا اسے بہت اعتماد سے ساتھ لگائے کسی ماں کی طرح جیسے سمیٹے ہوئے اسے پیار کر رہی تھی، مثال اس کی محبت کے بوجھ سے کچھ اور جھکی جا رہی تھی۔

وقار اور فائزہ کے رشتہ دار خواتین مرد بھی کا تعلق بہت اچھے کھاتے پیتے گھرانوں سے تھا، پری خوب تیار ہو کر کسی پری کی طرح سب کے بیچ میں چہکتی پھر رہی تھی۔

عفت اسے فخریہ نظروں سے دیکھ رہی تھی کیونکہ مہمان خواتین میں سے دو تین نے پری میں خصوصی دلچسپی لی تھی۔

اور عفت کو یقین ہو چلا تھا کہ چند ہی دنوں میں پری کا بھی کہیں بہت اچھا سلسلہ شروع ہو جائے گا۔

عفت کی اپنی شادی بہت دیر میں ہوئی تھی، جب اس کے چچا کو اس کی شادی کی امید بھی ختم ہو چکی تھی، عدیل کا رشتہ کسی نعمت سے کم نہیں تھا ان کے لیے۔ اسی وقت عفت نے دل میں سوچ لیا تھا کہ اگر اس کی بیٹی ہوئی تو وہ اس کی اوائل عمری میں ہی شادی کر دے گی، پہلے اچھے رشتے پر ہاں بول دے گی اور اب اسے اپنے دل کی یہ خواہش پوری ہوتی نظر آ رہی تھی۔

"وقار بھائی! دس دن تو بہت کم ہیں کیوں عفت! کم سے کم پچیس تاریخ تو ہو یا بیس دن ٹھیک رہیں گے۔" عدیل وقار کی بات پر بولا۔

"پرسوں فہد آ رہا ہے اس کی کل کی فلائٹ میں سیٹ چانس پر ہے، مگر پرسوں کی کنفرم ہے۔ وہ یہاں صرف بیس دنوں کے لیے آ رہا ہے شادی کے بعد صرف آٹھ نو دن بچیں گے۔ مثال اور فہد کے پاس ہنی مون کے لیے۔ حالانکہ میں تو چاہ رہی تھی، آپ ہمیں اسی مہینے کی کوئی تاریخ دے دیں۔" فائزہ کی بات پر عدیل نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔

"نہیں نہیں بھابھی! اس ہفتے تو نہیں۔" وہ فوراً بولا۔

"تو چلو پھر بارہ تاریخ کو جمعہ بھی ہے اور کچھ وقت تیاری کو بھی مل رہا ہے اس پر ڈن کرتے ہیں۔" وقار محبت سے بولا۔

عدیل نے کچھ بے بسی سے عفت کی طرف دیکھا جو ہاں کرنے کا اشارہ کر رہی تھی۔

"چلیں بھابھی جیسے آپ لوگوں کی خوشی، ہمیں کوئی اعتراض نہیں۔" عدیل نے مسکرا کر کہا۔

"تھینک یو عدیل بھائی! ہمیں آپ کے گھر سے صرف مثال بیٹی چاہیے اور کچھ بھی نہیں۔" فائزہ مثال کو پیار کرتے ہوئے بولی۔

وہ جب کمرے میں آئی تو بشریٰ کا فون بج بج کر خاموش ہو چکا تھا۔ مشال نے بھاری دوپٹہ سر سے اتار کر ایک طرف رکھا۔

"تو ماما کو میرا اتنا خیال تو ہے کہ وہ اپنے گھر میں جہاں اس وقت گہری رات ہوگی۔ اپنے شوہر سے چھپ کر مجھے کال کر رہی ہیں۔" وہ فون ہاتھ میں لیے سوچنے لگی۔

"اور واثق کیا اسے بھی میرا خیال آیا ہوگا۔" وہ یونہی سوچنے لگی۔

"لیکن میں اس کے بارے میں کیوں سوچ رہی ہوں مجھے اب واثق کو بھولنا ہوگا۔" اس نے خود کو جھڑکتے ہوئے غیر ارادی طور پر کال لوگ میں دیکھنا شروع کر دیا۔

بشریٰ کے فون سے پہلے واثق کی مسڈ کالز تھیں مشال کا دل بے اختیار دھڑکا۔ وہ اس سے غافل نہیں تھا لیکن اس کی یہ پروا مشال کو مشکلات میں بھی ڈال سکتی ہے۔

اس نے کتنی بار سوچا تھا کہ وہ واثق کا نمبر ڈیلیٹ (Delete) کر دے مگر پھر ایسا کرتے ہوئے اس کے ہاتھ رک سے جاتے۔

"میں شادی کی رات ضرور کروں گی" دل کی فرمائش پر اس نے آہستگی سے خود کو تسلی دی۔

بشریٰ کی کال پھر آ رہی تھی اس نے گہرا سانس لے کر کال ریسیو کر لی۔

✿ ✿ ✿

"عفت دس دن بہت کم ہیں یار تیاری کے لیے۔" عدیل کے چہرے پر بہت دنوں بعد عفت نے سکون اور گہرا اطمینان سا دیکھا تھا۔ "اور دس دنوں میں تو کوئی اچھا ہوٹل بک کروانا بھی مشکل ہوگا۔" اسے دوسرا خیال آیا۔

"اونہوں کچھ نہیں ہوگا کہتے ہیں بیٹیوں کے کاموں میں اللہ خود مددگار ہوتا ہے۔ ان شاء اللہ آپ دیکھیے گا سب کچھ بہت بہترین طریقے سے ہو جائے گا اور آپ کو پتا بھی نہیں چلے گا جیسے آج کا فنکشن ٹھیک ہو گیا بالکل جبکہ آپ خوامخواہ پریشان ہو رہے تھے۔" عفت نے اسے جیسے یاد کرایا۔

"ہوں ٹھیک کہا تم نے واقعی میں کچھ پریشان تھا۔ مشال کا پہلا کام ہے نا تو شاید اس لیے۔۔۔ بس میری بچی بہت خوش رہے۔ بہت زیادہ میرے دل میں اس کے لیے اب صرف دعا ہے۔ عفت! میری مشال نے بہت دکھ دیکھے ہیں بچپن کی معصوم محرومیاں جو گہرے غم بن جاتی ہیں پھر بھی اس نے کبھی کوئی شکوہ نہیں کیا نہ مجھ سے نہ بشریٰ سے بہت صبر کرنے والی بچی ہے مجھے یقین ہے اس کی اگلی زندگی بہت اچھی ہوگی۔"

وہ مشال کے بارے میں بات کرتے ہوئے ہمیشہ کی طرح بھول چکا تھا کہ وہ یہ جذباتی باتیں کرتے ہوئے عفت کے جذبات کو ٹھیس پہنچا رہا ہے' عفت بالکل خاموش تھی۔

✿ ✿ ✿
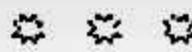
اور پھر دن تو جیسے پر لگا کر اڑنے لگے۔ فہد کی فلائٹ تیسرے دن کی رات کو تھی۔

عفت اور عدیل اسے ایئرپورٹ پر لینے گئے تھے۔

دونوں ہی بہت خوش واپس آئے تھے یقیناً "فہد ہی ایسا لڑکا تھا جو مشال کے قابل ہو سکتا تھا۔

اتنا ہینڈسم' وجیہہ' سنجیدہ' بردبار سا فہد' عدیل کو دل سے پسند آیا تھا عفت اب کی بار صرف رشک کر سکی تھی۔

مشال اب اس گھر سے جانے والی تھی شاید اس لیے اس کے خیالات مشال کے لیے کافی حد تک بدل چکے تھے۔

پھر مشال نے اب والی کو خود بخود عفت کے کہے کے بغیر ہی بہت وقت دینا شروع کر دیا تھا۔

وہ اکثر اب مشال سے اردگرد منڈلاتا نظر آتا تھا۔ گھر میں بھی وقت دینے لگا تھا۔ اس کا دوسرے اسکول میں

ایڈمیشن ہو گیا تھا۔ اس نے کوئی بھی اعتراض کیے بغیر اسکول جانا شروع کر دیا تھا۔
عفت اور عدیل کو لگ رہا تھا اس نے خود کو سدھار لیا ہے۔ وہ اب اچھا خاصا سمجھ دار لگ رہا تھا۔
عفت مثال کے اس کردار سے خوش تھی اور فہد کو دیکھ کر اس کو بھی خوشی ہی ہوئی۔

☆ ☆ ☆

"آپ دیکھیں تو کتنی زبردست Pics ہیں فہد بھائی کی۔" وانی' عفت اور عدیل کے ساتھ فہد سے ملاقات کر کے آیا تھا اور اپنے موبائل میں کچھ تصویریں بھی اس کی لے کر آیا تھا۔
"یہ Pics ہیں۔ آپ کو بھیج رہا ہوں تنہائی میں دیکھیے گا بہت ہینڈسم ہیں فہد بھائی!" وہ شرارت سے بولا۔
مثال صرف مسکرا دی۔
وہ عفت کے ساتھ صرف دو تین بار ہی بازار گئی تھی۔ یہ بہت تھکا دینے والا کام تھا۔ اس نے عفت کو منع کر دیا کہ وہ اب سب کچھ خود خرید لے گی۔ "وانی کا نیا اسکول ہے سلیبس بھی مختلف ہے میں اسے کچھ ٹائم دے رہی ہوں۔ یہاں آپ کے ساتھ اتنی شاپنگ کے لیے تو اس کا بہت حرج ہوتا ہے۔" اور عفت کو بھلا اور کیا چاہیے تھا۔
وہ مثال کی شادی کے شاپنگ کے بہانے ہر چیز ڈبل خرید رہی تھی' پری کی بھی شادی کی ابتدائی شاپنگ تو وہ کر ہی چکی تھی۔
عدیل مثال کی شادی پر دل کھول کر خرچ کر رہا تھا اور عفت اس سے فائدہ اٹھا رہی تھی۔
"کل کھانے پر بلایا ہے میں نے فہد کو۔ فائزہ اور وقار کے ساتھ اس کی دعوت بھی ہو جائے گی اور میں چاہتا ہوں مثال اور فہد ایک دوسرے سے مل بھی لیں۔" عدیل نے رات کے کھانے پر اعلان کیا۔
"اچھا کیا آپ نے" عفت آج کل ہر طرح سے عدیل کی ہمنوا بنی ہوئی تھی فوراً" تائید کرتے ہوئے بولی۔
"پاپا! چھ دن تو رہ گئے ہیں شادی میں' اب بھلا آپی کیا کریں گی فہد صاحب کو دیکھ کر۔ نہ ہاں' نہ ناں۔" پری مذاق اڑانے والے انداز میں ہنسی۔
عدیل اور عفت نے اسے تیز نظروں سے دیکھا تو وہ سر جھکا کر کھانا کھانے لگی مثال تو پہلے ہی سر جھکا کر بیٹھی تھی۔

☆ ☆ ☆

"وردہ کیا کہنا چاہتی ہو کھل کر کہو۔" عاصمہ کچھ سخت لہجے میں بولی' وہ کئی دنوں سے نوٹ کر رہی تھی کہ وردہ کچھ پریشان سی عاصمہ سے کچھ کہنا چاہتی ہے مگر کہہ نہیں پا رہی۔ آج عاصمہ نے اس کو پاس بٹھا کر پوچھ ہی لیا تو وہ سرسری بات کر کے خاموش ہو کر بیٹھ گئی۔
عاصمہ کچھ چونک سی گئی۔
"میں نہیں کہہ سکتی ممّا! بات کچھ ایسی ہے کہ میں سوچ بھی نہیں سکتی تو زبان پر کیسے لاؤں۔" وردہ نظریں جھکا کر بولتے ہوئے بولی۔ عاصمہ جیسے شک میں آ گئی۔ تو کوئی بات بہت سیریس ہے۔
"اب تمہیں مجھے صاف بتانا ہو گا کیا بات ہے۔" وہ اس کا رخ اپنی طرف کرتے سختی سے بولی وردہ بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔
"ممی۔۔۔ واثق بھائی نے پری کے ساتھ بہت برا کیا ہے" اور عاصمہ ششدر سی رہ گئی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

رخسانہ نگار عدنان

ایک تھی مثال

عدیل اور فوزیہ نسیم بیگم کے بچے ہیں۔ بشریٰ ان کی بہو ہے اور ذکیہ بیگم کی بیٹی ہے۔ عمران بشریٰ کا بھائی ہے۔ مثال ذکیہ بیگم کی نواسی اور نسیم بیگم کی پوتی ہے۔ بشریٰ اور نسیم بیگم میں روایتی ساس بہو کا تعلق ہے۔ پانچ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد بشریٰ کی نند فوزیہ کا بالآخر ایک جگہ رشتہ طے پا جاتا ہے۔ نکاح والے روز بشریٰ دولہا ظہیر کو دیکھ کر چونک جاتی ہے۔ عدیل سے شادی سے قبل ظہیر کا بشریٰ کے لیے بھی رشتہ آیا تھا مگر بات نہ بن سکی تھی۔ نکاح والے دن فوزیہ کی ساس زاہدہ اور ذکیہ بیگم بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔ بعد ازاں عدیل کو بھی پتا چل جاتا ہے۔ وہ ناراض ہوتا ہے مگر فوزیہ اور نسیم بیگم کو بتانے سے منع کر دیتا ہے۔ بشریٰ اور عدیل ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جاتے ہیں۔ وہاں انہیں پتا چلتا ہے کہ بشریٰ کے ہاں سات سال بعد پھر خوش خبری ہے۔

عفان اور عاصمہ اپنے تین بچوں اور والد کے ساتھ کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔ عفان کے والد فاروق صاحب سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ گریجویٹی اور گاؤں کی زمین فروخت کر کے وہ اپنا گھر خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ڈیڑھ کروڑ میں زمین کا سودا کر کے وہ عفان کے ساتھ خوشی خوشی شہر آ رہے ہوتے ہیں کہ ڈکیتی کی واردات میں قتل ہو جاتے ہیں۔ عفان کے قریبی دوست زبیر کی مدد سے عاصمہ عفان کے آفس سے تین لاکھ روپے اور فاروق صاحب کی گریجویٹی سے سات لاکھ روپے وصول کر پاتی ہے۔ زبیر گھر خریدنے میں بھی عاصمہ کی مدد کر رہا ہے۔

اسلام آباد سے واپسی پر عدیل دونوں مقتولین کو دیکھتا ہے۔ زاہدہ، نسیم بیگم سے بیس لاکھ روپے سے مشروط فوزیہ کی رخصتی کی بات کرتی ہیں۔ وہ سب پریشان ہو جاتے ہیں۔ عدیل بشریٰ سے ذکیہ بیگم سے تین لاکھ روپے لانے کو کہتا ہے۔

عاصمہ کی مجبوری ہے کہ گھر میں کوئی مرد نہیں۔ اس کا بیٹا ابھی چھوٹا ہے اور سارے کام اس نے خود کرنے ہیں۔ وہ جلد از جلد اپنا گھر خریدنا چاہتی ہے۔ عاصمہ کے کہنے پر زبیر کسی مفتی سے فتویٰ لے کر آجاتا ہے کہ دوران عدت، انتہائی ضرورت کے پیش نظر گھر سے نکل سکتی ہے بشرطیکہ مغرب سے پہلے واپس گھر آجائے، سو وہ عاصمہ کو مکان دکھانے لے

جاتا ہے۔ اور موقع سے فائدہ اٹھا کر اسے اپنی ہوس کا نشانہ بناتا ہے اور ویرانے میں چھوڑ کر فرار ہو جاتا ہے۔ وہاں سے وہ عدیل کی مدد سے گھر پہنچ پاتی ہے۔

رقم مہیا نہ ہونے کی صورت میں فوزیہ کو طلاق ہو جاتی ہے۔ نسیم بیگم جذباتی ہو کر بشریٰ اور اس کے گھر والوں کو موردِ الزام ٹھہرانے لگتی ہیں۔ اسی بات پر عدیل اور بشریٰ کے درمیان خوب جھگڑا ہوتا ہے۔ عدیل طیش میں بشریٰ کو دھکا دیتا ہے۔ اس کا ابارشن ہو جاتا ہے۔ عدیل شرمندہ ہو کر معافی مانگتا ہے مگر وہ ہنوز ناراض رہتی ہے اور اسپتال سے اپنی ماں کے گھر چلی جاتی ہے۔ اسی اسپتال میں عدیل عاصمہ کو دیکھتا ہے جسے بے ہوشی کی حالت میں لایا گیا ہوتا ہے۔ عاصمہ اپنے حالات سے تنگ آ کر خودکشی کی کوشش کرتی ہے تاہم بچ جاتی ہے۔ نو سال بعد عاصمہ کا بھائی ہاشم پریشان ہو کر پاکستان آجاتا ہے۔ عاصمہ کے سارے معاملات دیکھتے ہوئے ہاشم کو پتا چلتا ہے کہ زبیر نے ہر جگہ فراڈ کر کے اس کے سارے راستے بند کر دیے ہیں اور اب مفرور ہے۔ بہت کوششوں کے بعد ہاشم، عاصمہ کو ایک مکان دلاتا ہے۔

بشریٰ اپنی واپسی الگ گھر سے مشروط کر دیتی ہے۔ دوسری صورت میں وہ علیحدگی کے لیے تیار ہے۔ عدیل مکان کا اوپر والا پورشن بشریٰ کے لیے سیٹ کروا دیتا ہے۔ بشریٰ کے آنے کے بعد بشریٰ کو مجبور کرتا ہے کہ وہ فوزیہ کے لیے عمران کا رشتہ لائے۔ نسیم بیگم اور عمران کسی طور نہیں مانتے۔ عدیل اپنی بات نہ مانے جانے پر بشریٰ سے جھگڑتا ہے۔ بشریٰ بھی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتی ہے۔ عدیل طیش میں بشریٰ کو طلاق دے دیتا ہے اور مثال کو چھین لیتا ہے۔ مثال بیمار پڑ جاتی ہے۔ بشریٰ بھی حواس کھو دیتی ہے۔ عمران بہن کی حالت دیکھ کر مثال کو عدیل سے چھین کر لے آتا ہے۔ عدیل عمران پر اغوا کا پرچا کٹوا دیتا ہے۔

عاصمہ اسکول میں ملازمت کر لیتی ہے مگر گھریلو مسائل کی وجہ سے آئے دن چھٹیاں کرنے کی وجہ سے ملازمت چلی جاتی ہے۔

انسپکٹر طارق دونوں فریقین کو سمجھا بجھا کر مصالحت پر آمادہ کرتے ہیں۔ ذکیہ بیگم کی خواہش ہے کہ عدیل، مثال کو لے جائے، تاکہ وہ بشریٰ کی کہیں اور شادی کر سکیں۔ دوسری طرف نسیم بیگم بھی ایسا ہی سوچے بیٹھی ہیں۔ فوزیہ کی اچانک شادی کے بعد نسیم بیگم کو اپنی جلد بازی پر پچھتاوا ہونے لگتا ہے۔ انسپکٹر طارق، ذکیہ بیگم سے بشریٰ کا رشتہ مانگتے ہیں۔ ذکیہ بیگم خوش ہو جاتی ہیں، مگر بشریٰ کو یہ بات پسند نہیں آتی۔

وہ گرین کارڈ کے لالچ میں بشریٰ سے منگنی توڑ کر نازیہ بھٹی سے شادی کر لیتا ہے، پھر شادی کے ناکام ہو جانے پر ایک بیٹے سیفی کے ساتھ ایک طویل عرصے بعد دوبارہ اپنی چچی ذکیہ بیگم کے پاس آجاتا ہے اور ایک بار پھر بشریٰ سے شادی کا خواہش مند ہوتا ہے۔ بشریٰ تذبذب کا شکار ہو جاتی ہے۔

بشریٰ اور احسن کمال کی شادی کے بعد عدیل مستقل طور پر مثال کو اپنے ساتھ رکھنے کا دعوا کرتا ہے مگر بشریٰ قطعی نہیں نتی، پھر احسن کمال کے مشورے پر دونوں بمشکل راضی ہو جاتے ہیں کہ مہینے کے ابتدائی پندرہ دنوں میں مثال، بشریٰ کے پاس رہے گی اور بقیہ پندرہ دن عدیل کے پاس۔ گھر کے حالات اور نسیم بیگم کے اصرار پر بالآخر عدیل عفت سے شادی کر لیتا ہے۔ والدین کی شادی کے بعد مثال دونوں گھروں کے درمیان گھن چکر بن جاتی ہے۔ بشریٰ کے گھر میں سیفی اور احسن اس کے ساتھ کچھ اچھا برتاؤ نہیں کرتے اور عدیل کے گھر میں اس کی دوسری بیوی عفت۔ مثال کے لیے مزید زمین تنگ۔ بشریٰ اور عدیل کے نئے بچوں کی پیدائش کے بعد پڑ جاتی ہے۔ مثال اپنا اعتماد کھو بیٹھتی ہے۔ احسن کمال اپنی فیملی کو لے کر ملائشیا چلا جاتا ہے اور مثال کو تاریخ سے پہلے عدیل کے گھر بھجوا دیتا ہے۔ دوسری طرف عدیل اپنی بیوی بچوں کے مجبور کرنے پر مثال کے آنے سے قبل اسلام آباد چلا جاتا ہے۔ مثال مشکل میں گھر جاتی ہے۔ پریشانی کی حالت میں اسے ایک نشئی تنگ کرنے لگتا ہے تو عاصمہ آکر اسے بچاتی ہے۔ پھر اپنے گھر لے جاتی ہے۔ جہاں سے مثال اپنے ماموں عمران کو فون کر کے بلواتی ہے اور اس کے گھر چلی جاتی ہے۔

عاصمہ کے حالات بہتر ہو جاتے ہیں۔ وہ نسبتاً "پوش ایریا" میں گھر لے لیتی ہے۔ اس کا کوچنگ سینٹر خوب ترقی کر جاتا

ہے۔ مثال 'واثق کی نظروں میں آچکی ہے تاہم دونوں ایک دوسرے سے واقف نہیں ہیں۔

عاصمہ کا بھائی ہاشم ایک طویل عرصے بعد پاکستان لوٹ آتا ہے اور آتے ہی عاصمہ کی بیٹیوں اریشہ اور اریبہ کو اپنے بیٹوں وقار 'وقاص کے لیے مانگ لیتا ہے۔ عاصمہ اور واثق بہت خوش ہوتے ہیں۔

سیفی' مثال پر بری نیت سے حملہ کرتا ہے تاہم مثال کی چیخوں سے سب وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ سیفی الٹا مثال پر الزام لگاتا ہے کہ وہ اسے بہکا رہی تھی۔ احسن کمال بیٹے کی بات پر یقین کرلیتا ہے۔ مثال اور بشریٰ مجبور اور بے بسی سے کچھ کہہ نہیں پاتیں۔ احسن کمال پوری فیملی سمیت دوسرے ملک میں شفٹ ہو جاتا ہے۔ بشریٰ مثال کو مستقل عدیل کے گھر چھوڑ جاتی ہے۔ جہاں عفت اور پریشے اسے خاطر میں نہیں لاتیں۔ واثق کو بہت اچھی نوکری مل جاتی ہے۔ مثال اور واثق کے درمیان ان کہا سا تعلق بن جاتا ہے۔ مگر مثال کی طرف سے دوستی اور محبت کا کوئی واضح اظہار نہیں ہے۔ واثق البتہ کھل کر اپنے جذبات کا اظہار کرچکا ہے۔ واثق' عاصمہ سے اپنی کیفیت بیان کردیتا ہے۔ عاصمہ خوش ہو جاتی ہے مگر غائبانہ ذکر پر بھی مثال کو پہچان نہیں پاتی۔ واثق عاصمہ کو لے کر مثال کے گھر ملنے جاتا ہے۔ مگر دروازے پر عدیل کو دیکھ کر عاصمہ کو برسوں پرانی رات یاد آجاتی ہے۔ جب زبیر نے عاصمہ کی عصمت دری کرکے اسے ویرانے میں چھوڑ دیا تھا اور عدیل نے عاصمہ کو گھر پہنچایا تھا۔ اگرچہ عدیل نے اس وقت بھی نہیں سمجھا تھا کہ عاصمہ پر کیا بیتی ہے اور اب بھی اس نے عاصمہ کو نہیں پہچانا تھا مگر عاصمہ کو عدیل بھی یاد تھا اور اپنے ساتھ ہونے والا وہ بھیانک حادثہ بھی۔ شرمندگی اور ذلت کے احساس سے عاصمہ کو انجائنا کا اٹیک ہو جاتا ہے۔ واثق دروازے سے ہی ماں کو اسپتال لے جاتا ہے۔ مثال اس کا انتظار کرتی رہ جاتی ہے۔ پھر بہت سارے دن یوں ہی گزر جاتے ہیں۔ ان ہی دنوں عدیل اپنے دوست کے بیٹے فہد سے مثال کا رشتہ طے کردیتا ہے۔ عفت' مثال کے لیے اتنا بہترین رشتہ دیکھ کر بری طرح جل جاتی ہے۔ اس کی دلی خواہش ہے کہ کسی طرح یہ رشتہ پریشے سے طے ہو جائے۔ مثال بھی اس رشتے پر دل سے خوش نہیں ہے۔ مگر وہ اپنی کیفیت سمجھ نہیں پا رہی۔ عاصمہ کی طبیعت ذرا سنبھلتی ہے تو وہ مثال کی طرف جانے کا ارادہ کرتا ہے۔ اتفاق سے اسی دن مثال کی فہد سے منگنی کی تقریب ہو رہی ہوتی ہے۔ وہیں کھڑے کھڑے واثق کی ملاقات پریشے سے ہو جاتی ہے جو کافی ناز و ادا سے واثق سے بات کرتی ہے اور اس بات سے بے خبر ہوتی ہے کہ اس کی کلاس فیلو وردہ جو اسے بہت پسند کرتی ہے' واثق کی بہن ہے۔ منگنی کے بعد مثال ایک دم شادی سے انکار کردیتی ہے۔ عفت خوش ہو جاتی ہے۔ عدیل بہت غصہ کرتا ہے اور بشریٰ کو فون کرکے مثال کو بھیجنے کی بات کرتا ہے۔ گھر میں ٹینشن پھیلی ہے۔ اسی ٹینشن میں مثال کالج کی لائبریری میں واثق سے ملتی ہے۔ واپسی میں عفت اسے واثق کے ساتھ دیکھ لیتی ہے اور عدیل کو بتا دیتی ہے۔ عدیل از حد پریشان ہو جاتا ہے۔ پریشے' وردہ سے ملنے اس کے گھر جاتی ہے تو واثق سے ملاقات ہو جاتی ہے۔

ستائیسویں قسط

"کیا کہہ رہی ہو یہ تم ورده!" عاصمہ کے لیے ورده کا جملہ ہی کسی بم دھماکے سے کم نہیں تھا' واثق کے بارے میں وہ کچھ بھی ایسا ویسا' کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کجا ورده کے منہ سے ایسی بات۔

"جانتی ہو تم نے کیا کہا ہے ابھی؟؟"

اس بار وہ کڑے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"واثق ٹھیک کہتا ہے' ورده دن بدن آؤٹ اسپوکن (منہ پھٹ) ہوتی جارہی ہے جو اس کے منہ میں آتا ہے بول دیتی ہے مجھے اب اس کے ساتھ تھوڑی سختی کرنا چاہیے۔" ورده کی خاموشی کے دوران وہ فیصلہ کرچکی تھی۔

"امی! پری۔۔۔ ہماری غیر موجودگی کی وجہ سے یہاں رکنا نہیں چاہ رہی تھی۔" ورده جیسے بہت حوصلہ جمع کرکے رک رک کر بولی تھی۔

عاصمہ تو مزید کچھ بولنا ہی جیسے بھول گئی۔

"بھائی نے زبردستی اسے یہاں روکنے کی کوشش کی، جس کی وجہ سے وہ تیزی سے یہاں سے جانے کے لیے بھاگی، لیکن بھائی نے اسے زبردستی۔۔۔ امی! بھائی کو یہ سب نہیں کرنا چاہیے تھا اور کچھ نہیں تو میرا خیال ہی کر لیتے۔" کہہ کر وہ جیسے ضبط ہی کھو بیٹھی دونوں ہاتھوں میں منہ چھپائے سسک سسک کر رونے لگی۔ اور عاصمہ تو جیسے پتھر کی ہو کر رہ گئی تھی۔

"یہ نہیں ہو سکتا۔ کبھی بھی نہیں، میرا دل نہیں مانتا۔" وہ بس روتی ہوئی وردہ کو دیکھ کر صرف یہی سوچے جا رہی تھی۔

"واثق کبھی ایسا نہیں کر سکتا۔ اتنی چھوٹی ہے پری تو۔۔۔ وردہ کی ہم عمر ہی تقریباً" ۔۔۔۔ بلکہ وہ وردہ سے بھی چھوٹی ہے۔ واثق نہ بری نیت کا ہے نہ گندی نظر رکھنے والا تو پھر یہ سب کیسے ہو سکتا ہے۔"

"میں پری سے نظر ملانے کے قابل نہیں رہی امی! اگر اس کے پیرنٹس کو یا اس کے گھر میں کسی کو معلوم ہو جاتا تو آپ سوچیں، کتنی بڑی قیامت آ سکتی تھی۔"

وہ ماں کی گہری خاموشی پر خود ہی چہرہ صاف کر کے بھاری آواز میں بولی۔

"امی! بھائی کو کیا ہو گیا ہے۔ ہم تو خود چاہتے ہیں میں بھی آپ بھی کہ وہ چاہیں تو پری سے شادی کر لیں۔ ہم ان کا پروپوزل لے جاتے ہیں پری کے گھر۔"

عاصمہ بس اسے دیکھتی رہی۔

"سیدھے راستے کے بجائے انہوں نے یہ برا راستہ کیوں اپنایا' میں تو خود جیسے اپنی نظروں میں چھوٹی پڑ گئی ہوں امی! جب پری نے مجھے یہ سب کچھ بتایا۔" وہ پھر سے رونے لگی۔

"وردہ!" عاصمہ کے لہجے میں کچھ تھا۔ لحہ بھر کو وردہ کی سسکیاں تھم سی گئیں۔

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے۔ تمہاری سہیلی غلط بیانی کر رہی ہو جھوٹ بول رہی ہو۔" عاصمہ جیسے کسی نتیجے پر پہنچتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"امی!" وردہ تو جیسے شاکڈ سی رہ گئی۔

"تمہیں اس پرائی لڑکی کی سچائی پر بھروسا ہے' اپنے بھائی پہ جس نے اتنی زندگی تمہارے ساتھ ایک چھت تلے گزاری ہے۔ اس کو تم غلط سمجھ رہی ہو۔"

"امی! کوئی لڑکی اپنے کردار پر خود سے کیچڑ کیوں اچھالے گی۔ آپ جانتی ہیں نا اس کا مطلب تو؟" وردہ کا اگلا سوال بہت چبھتا ہوا تھا۔

"تم نے خود بتایا تھا نا کہ پری بھی واثق کو پسند کرتی ہے۔" عاصمہ رک کر جیسے اسے کچھ یاد دلانے لگی۔ "ہو سکتا ہے اس نے خود پیش قدمی کی ہو۔ جس پر واثق کو غصہ آ گیا ہو اور۔۔۔"

"نہیں امی! پلیز نہیں پری ایسی نہیں ہے' وہ ایسا کیوں کرے گی بھلا!" وردہ کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا وہ شدید جذباتی ہیجان میں تھی۔

"واثق کو حاصل کرنے کے لیے۔" عاصمہ بول گئی جو شاید عام حالات میں وردہ کے سامنے ایسی کوئی بھی بات کرنے سے پہلے ہزار نہیں تو سو بار تو ضرور سوچتی۔

عاصمہ کو معلوم تھا جوان ہوتی بیٹیوں کے سامنے کس طرح کی بات کرنا چاہیے۔ اور کس طرح کی نہیں، مگر اب سچویشن ایسی تھی کہ وردہ کو آئینے کے دونوں رخ دکھانا ضروری تھے۔

"امی یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" اس کے لہجے میں نہ ماننے والی ضد اور صدمہ تھا۔
"جو تم شاید سوچنا نہیں چاہتیں۔" عاصمہ کا لہجہ 'اس کا انداز ٹھنڈا پڑ چکا تھا' اسے کچھ کچھ پری کا معاملہ سمجھ میں آ رہا تھا۔
"فار گاڈ سیک امی! ایسے تو نہیں کہیں۔ وہ ایسا نہیں کر سکتی' میں جانتی ہوں اسے 'وہ جتنی بھی کانفیڈینٹ ہو مگر اس طرح کی حرکت نہیں کر سکتی۔ بس میں نہیں جانتی کچھ بھی' آپ پلیز بھائی سے پوچھیں۔ پوچھیں ان سے کہ انہوں نے ایسا کیوں کیا اور اب میں آپ کو بتا دوں۔"
وہ تیز تیز بولتے لحہ بھر کو تھمی تھی۔
"کیا مطلب؟" عاصمہ کو کچھ ناگوار سا احساس ہوا تھا۔
"اب یہ جو سب کچھ ہو گیا ہے اور اس کے ذمہ دار بھائی میں تو انہیں ہی اب یہ سب ٹھیک کرنا ہو گا۔"
وہ اسی جوش میں کہہ رہی تھی۔
"کیا کرے وہ' بتاؤ مجھے" "اس لڑکی سے ایکسکیوز کرے جا کر؟" عاصمہ کو غصہ سا آ گیا۔
"واثق بھائی کو اب پری سے شادی کرنا پڑے گی۔ میں آپ کو کہہ رہی ہوں۔" وہ شدید جذباتی انداز میں کھڑے ہو کر دھمکانے والے انداز میں بولی۔
عاصمہ کو جیسے زور کا جھٹکا لگا۔ اتنی بڑی بات کی توقع اسے وردہ سے تو کم از کم نہیں تھی۔ وہ بھی اس کے سامنے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔
"تو یہ سب کچھ تمہاری اس دوست نے تمہیں پڑھا کر بھیجا ہے۔ یہ مقصد تھا اس کا۔ اس سارے ڈرامے کا جو وہ حاصل کرنا چاہتی تھی۔" عاصمہ غصہ ضبط کرتے کرتے بھی طیش میں آ چکی تھی۔
"امی! کسی پر کیوں الزام لگا رہی ہیں؟" وہ ماں کے سامنے تن کر کھڑی تھی۔
"میں الزام لگا رہی ہوں۔ الزام تو اس لڑکی نے میرے فرشتوں جیسے بیٹے پر لگایا ہے۔" عاصمہ سمجھ گئی تھی کہ اب اسے وردہ سے کیسے بات کرنا ہے۔
"امی! مت قسمیں کھائیں کسی کی پاک بازی کی۔" اس کا چہرہ غصے میں سرخ ہو رہا تھا۔
"بھائی ہے وہ تمہارا کسی نہیں میں نے جنم دیا ہے اسے 'میری آنکھوں کے سامنے پلا بڑھا ہے وہ' اس کی ایک ایک حرکت کی گواہ ہوں میں۔۔۔ میں اس کی قسم بھی کھا سکتی ہوں اور گواہی بھی دے سکتی ہوں کہ میرا بیٹا ایسا نہیں کر سکتا۔" عاصمہ مضبوط لہجے میں کہہ رہی تھی۔
وردہ کو جیسے توہین کا گہرا احساس ہوا تھا۔ اس کی آنکھوں میں پانی تیرنے لگا۔
"امی!" وہ بس رونے کو تھی۔
"بہتر ہے تم اپنی سوچ کو ٹھیک کر لو اور اس سے بھی زیادہ مناسب یہ بات ہو گی کہ آئندہ تم اس لڑکی سے ملنا جلنا چھوڑ دو۔ وہ لڑکی ٹھیک نہیں ہے۔"
وہ حکمیہ انداز میں بولی اگرچہ عاصمہ بچوں سے ایسے کبھی بات نہیں کرتی تھی۔ لیکن اسے لگا یہ ضروری ہے۔ وردہ کے قدموں کو اس بے مہار دوستی میں آگے بڑھنے سے روکنے کے لیے۔
"یہ آپ کہہ رہی ہیں امی!" عاصمہ کو لگا 'وردہ جیسے ابھی دھاڑیں مار کر رونے لگے گی۔
"دیکھو وردہ! دوستیوں میں اتنی جذباتیت 'اتنی شدت پسندی ٹھیک نہیں ہوتی۔ تم لڑکی ہو' یہ چیز تمہارے لیے کتنی خطرناک ثابت ہو سکتی ہے آگے چل کر 'شاید تمہیں اندازہ نہیں۔" اب کے وہ اسے ٹھنڈا کرنے کو ذرا نرمی

سے بولی۔
"اور لڑکوں کے لیے سب ٹھیک ہے۔ وہ کچھ بھی کر گزریں۔ یہ کہنا چاہتی ہیں آپ؟"
وردہ کا لہجہ 'اس کا انداز عاصمہ کو ٹھٹکا گیا۔ اس کے لہجے میں خود سری تھی بغاوت تھی۔
"بس کرو 'اب اس معاملے کو ختم کرو اور کوئی ضرورت نہیں اس پری سے مزید تعلقات جتانے کی۔" وہ اس سے کہتے ہوئے کوفت بھرے انداز میں اندر جانے لگیں۔
"امی! اگر پری کی جگہ میں ہوتی اور اس کا بھائی ایسا کچھ کرنے کی کوشش کرتا میرے ساتھ تو پھر بھی آپ یہ ہی کچھ کہتیں۔" وہ پیچھے سے چبھتے ہوئے لہجے میں بولی تھی اور عاصمہ ساکت کھڑی رہ گئیں۔

☆ ☆ ☆
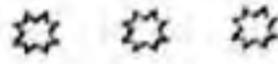
مثال اپنے سامنے بشریٰ کے دیے ہوئے کنگن لیے بیٹھی تھی اس کی نظروں کے سامنے پھر پیچھے کی زندگی جیسے کسی فلم کی طرح چلنی شروع ہو گئی تھی۔
"کاش میری شادی کے وقت ماما میرے پاس ہوتیں 'وہ بھلے یہاں نہ ہوتیں 'اس گھر میں 'اس شہر میں تو ہوتیں۔ میں ان سے مل تو سکتی۔ شادی سے پہلے ایک بار جا کر ان کے گلے سے لگ کر جی بھر کر رو تو سکتی۔"
آج کل اس کا جی بہت بھر بھر آرہا تھا۔
وہ واثق سے ملنے کے لیے جانا چاہتی تھی 'لیکن اس نے خود پر زبردستی بند باندھ رکھا تھا۔
"کوئی بھی تو نہیں ہے۔ جس سے میں دل کی بات کر سکوں۔ جو مجھے سمجھ سکے 'میرے درد کو محسوس کر سکے۔"
وہ افسردگی سے کنگن پاؤچ میں ڈال کر واپس رکھنے لگی۔
"پاپا تو صرف اس بات سے خوش ہیں کہ ان کے کندھوں سے یہ بوجھ اُتر رہا ہے۔"
وہ پاؤچ الماری میں رکھ کر آنکھیں صاف کرتے ہوئے مڑی اسے لگا باہر کوئی تھا۔ وہ لمحہ بھر کو ٹھٹکی۔
"عفت ماما ہوں گی لیکن نہیں وہ تو بازار گئی ہیں۔" وہ آہستگی سے باہر ذرا سا نکل کر دیکھنے لگی۔ برآمدے میں کوئی بھی نہیں تھا۔
پری تو کل سے اپنے کمرے سے نہیں نکلی تھی۔ رات کو فنکشن کے بعد وہ سو بھی جلدی گئی تھی 'اسی وقت مثال کا فون بج اٹھا۔ اس کا دل زور سے دھڑکا واثق کی کال ہو گی۔ ایسا ہمیشہ ہوتا ہے 'میں جب بھی اسے مس کرتی ہوں۔ اس کا فون ضرور آتا ہے۔ وہ تیزی سے فون کی طرف لپکی 'کوئی اجنبی نمبر تھا۔ وہ ٹھٹک کر سوچنے لگی۔
"یہ بھی تو ہو سکتا ہے واثق کسی اور نمبر سے مجھے کال کر رہا ہو۔" اس کے دل نے توجیہہ دی۔ اس نے کچھ سوچ کر کال ریسیو کر لی۔ دوسری طرف سلام کرنے والا لہجہ اور آواز بھی اجنبی تھی۔
"آپ مثال ہیں؟" بھاری آواز میں پوچھا گیا۔
"جی!" وہ رک کر بولی۔
"میں فہد ہوں۔ احمد وقار!"

مثال کے لیے یہ کال غیر متوقع تھی۔ فوری طور پر اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ اسے کس طرح سے ردّ عمل ظاہر کرنا چاہیے۔
"مثال! آپ سن رہی ہیں نا مجھے۔" اس کی اتنی لمبی چپ پر اسے پوچھنا پڑا۔
"جی!" وہ آہستگی سے بولی۔

"میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔" کچھ دیر بعد فہد نے کہا تو وہ بے اختیار پریشان سی ہو گئی۔
"جی!"
"مگر کیوں؟"
"آپ کے خیال میں مجھے کیوں ملنا ہو گا آپ سے۔" وہ الٹا اس سے پوچھ رہا تھا۔
"مجھے کیسے معلوم ہو سکتی ہے یہ بات۔"
"آپ اندازہ تو لگا سکتی ہیں۔" دوسری طرف سے فرمائش کی گئی تھی۔
"نہیں۔ مجھے کچھ اندازہ نہیں۔" وہ قطعیت سے بولی۔
"مجھے آپ سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔" وہ اس کے انداز پر شاید کچھ بجھ سا گیا تھا۔ محتاط لہجے میں بولا۔
"تو آپ کر لیں، آپ کو جو بات کرنا ہے مجھ سے۔" وہ سرہلا کر بولی۔
"فون پر نہیں ہو سکتیں وہ باتیں۔" وہ زور دے کر بولا۔ مثال کچھ بول نہیں سکی۔
"میں جانتا ہوں، ہماری شادی میں اب بمشکل ایک ہفتہ ہے تو ایسے میں ملنا کافی مشکل ہو گا، لیکن میں ایسا چاہتا ہوں۔ آپ آجائیں کسی بھی طرح سے تو میں۔"
"آپ پاپا سے بات کر لیں اگر وہ اجازت دیتے ہیں تو آپ گھر آجائیں، میں آپ کی بات سن لوں گی۔ خدا حافظ۔" کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔

☼ ☼ ☼

"کل سے دیکھ رہی ہوں، تم نے خود کو کمرے میں بند کر رکھا ہے، کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ۔" عفت پری کے کمرے میں آکر اسے لیٹا دیکھ کر پوچھنے لگی۔ پری نے ماں کو آنسو بھری آنکھوں سے دیکھا۔
"آپ کو دوسروں کے مسئلے حل کرنے سے فرصت ملے تو اپنی اولاد کا سوچیں آپ۔" وہ آنسو ضبط کرتے کڑوے لہجے میں بولی۔
عفت ٹھٹک کر رہ گئی۔
"دانی کے بعد اس لڑکی کا مسئلہ شروع ہونے والا ہے؟" وہ سوچ کر رہ گئی۔ عفت اس کے پاس آکر بیٹھ گئی۔
"تھکی ہاری آئی ہوں میں مارکیٹ سے، تمہیں اتنا کہا کہ چلو میرے ساتھ اپنے لیے تو شادی کے کوئی کپڑے خرید لو، دن ہی کتنے ہیں اب سلوانے کا بنوانے کا تو ٹائم نہیں ہے۔" اس بار وہ قدرے نرم لہجے میں بولی تھی۔
"مجھے کچھ نہیں لینا۔" پری نروٹھے لہجے میں بولی۔ عفت کا جی تو چاہا اسے ایک ہاتھ جڑ دے۔ مگر پھر بعد میں خود ہی منتیں کرنا پڑتیں۔ یہی سوچ کر رک گئی۔
"وجہ بتاؤ گی مجھے اس بے دلی کی؟" کچھ دیر بعد اپنے غصے پر قابو پا کر کچھ اکتاہٹ سے بولی۔
"دل ہی تو وجہ ہے۔" پری زیر لب بڑبڑائی، عفت پہلی بار چونکی۔

"کیا کہا تم نے۔" وہ سیدھی ہو بیٹھی تھی۔
"مجھے نہیں پتا۔" وہ ماں کے چونکنے پر رخ پھیر کر بولی۔
"بات کرو مجھ سے پری! کیا ہوا ہے تمہارے ساتھ؟" وہ اسے کندھوں سے پکڑ کر ذرا ترشی سے بولی۔
"کیا ہو گا میرے ساتھ آپ کے خیال میں؟" وہ اسی بے رخی سے عفت سے پوچھ رہی تھی۔
"تو پھر اس خراب موڈ کی وجہ بتاؤ مجھے گھر میں اتنے کام ہیں اور نپٹانے والی میں اکیلی اب تم مجھے یوں زچ کرو گی۔"

"تو کیوں کر رہی ہیں غیروں کے کام۔ جس کا کام ہے اس کی ماں تو وہاں مزے سے بیٹھی ہیں' آپ کو سارے زمانے کی تعریفیں سمیٹنے کا شوق ہوا جا رہا ہے۔"

پری تمیزدار اور باادب تو کبھی بھی نہیں رہی تھی' لیکن آج اس کے لہجے پر عفت کو بہت غصہ آیا۔

"بیٹوں میں اگر کچھ گن نہ بھی ہوں تو بھی ان کے اچھے اخلاق ان کی ساری خامیوں کو چھپا لیتے ہیں۔" اسے پہلی بار اس پتے کی بات کی خبر ہوئی تھی۔

جیسے مثال بھلے وہ بہت خوب صورت نہیں تھی' بہت سگھڑ' سلیقہ شعار' تیز طرار نہیں تھی لیکن وہ بدتمیز' بدزبان بھی نہیں تھی "اسی ایک چیز نے عفت جیسی عورت کو بھی مجبوراً" اس کے لیے یہ سب سر درد اٹھانے پر مجبور کر دیا تھا۔

لیکن یہ پری۔ اسے تو بات کرنے کی بھی تمیز نہیں۔

"تم اس بات کو چھوڑو' وہ وہاں مزے میں بیٹھی ہے یا اپنی کسی کم بختی میں' ایسی بدنصیب بھی کوئی ہوگی جسے بیٹی کی خوشیوں میں شامل ہونے کی اجازت ہے نہ حق تو وہاں سے اس کے مزوں کا اندازہ لگا لو تم۔" عفت کچھ جتانے والے انداز میں کہہ گئی۔

"تم اس طرح کمرے میں کیوں پڑی ہوئی ہو' آدھے سے زیادہ دن بھی گزر گیا کیا چاہتی ہو۔" وہ اسے آڑے ہاتھوں لیتے ہوئے بول رہی تھی۔

"میرے سر میں درد ہے۔" وہ نروٹھے پن سے بولی۔

"تو چلو پھر ڈاکٹر کے پاس لے جاتی ہوں' اتنا طویل سر کا درد کوئی نہ کوئی وجہ تو ہوگی جب کہ بخار بھی نہیں ہے۔" وہ اس کی کلائی چھو کر بولی۔

"میں ٹھیک ہوں ڈاکٹر کے پاس نہیں جانا مجھے۔" وہ چڑ کر ماں کا ہاتھ پرے کرتے بولی۔

"تو پھر تکلیف بتاؤ اپنی یا پھر تمہارا باپ آکر پوچھے گا تم سے' اسے کیا وجہ بتاؤ گی' مثال کی شادی کی جلن؟"

عفت کو واقعی میں پری کی حرکتوں پر اب غصہ آنے لگا تھا وہ اسے سمجھانا چاہ رہی تھی' مگر پری نے جیسے کچھ بھی نہ سمجھنے کی قسم کھا رکھی تھی۔

"مما!" وہ یک دم غیر متوقع طور پر ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگی' عفت کا سارا غصہ وہیں جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔

"کیا ہوا ہے میری جان پری! کیوں ایسے رونے لگیں' بتاؤ مجھے' کسی نے کچھ کہا ہے تم سے؟ پری! رونا تو بند کرو۔" وہ اس کے ہاتھ ہٹا کر بے قراری سے پوچھ رہی تھی۔

"میری قسمت بہت خراب ہے مما!" وہ روتے ہوئے یہی کہہ سکی۔

"اللہ نہ کرے میری پری کی قسمت خراب ہو' بتاؤ مجھے کیا ہوا ہے؟" عفت تڑپ کر رہ گئی۔

"جسے میں پسند کرتی ہوں مما! وہ مجھے پسند نہیں کرتا۔" اور عفت جیسے سکتے میں آگئی تھی۔

☼ ☼ ☼

"کیا ہوا شہزاد؟" واثق شہزاد کے آفس میں داخل ہوا اسے آنکھیں صاف کرتا دیکھ کر ایک دم سے چونکا' شاید وہ رو رہا تھا۔

شہزاد نے رخ پھیر کر نفی میں سر ہلایا۔

"کیا ہوا ہے سب خیریت تو ہے نا؟ کچھ پریشان لگ رہے ہو؟" واثق اس کے پاس کھڑے ہو کر ہمدردی سے بولا

شہزاد چند لمحے جیسے خود کو کمپوز کر رہا تھا۔
"میرے فادر ہسپتال میں ہیں واثق!" وہ غم سے بوجھل آواز میں بولا تھا۔
واثق لمحہ بھر کو خاموش ہی رہ گیا۔
پھر اس کے سامنے بیٹھ گیا کہ کیسے اسے تسلی دے' وہ دوست جس نے بڑے کڑے وقت میں اس کا ساتھ دیا تھا۔
"کیا ہوا ہے انہیں؟" وہ بمشکل یہی پوچھ سکا۔
"معلوم نہیں۔" وہ اسی بوجھل لہجے میں پھر سے بولا۔
"کیا مطلب؟ ڈاکٹرز کیا کہتے ہیں ان کے بارے میں۔ کیا ہے انہیں؟" واثق پریشان ہو کر بولا۔
"بس کہتے ہیں' آپ لوگ دعا کریں اللہ ان کی مشکل کو آسان کرے۔" وہ گہرا سانس لے کر بولا۔
کمرے میں چند لمحوں کے لیے گمبھیر خاموشی چھا گئی۔
"تم جانتے تو ہو' وہ کئی سالوں سے پیرالائز ہیں ہاتھ پاؤں سے معذور' ایک زندہ لاش' وہ خود بھی اپنی زندگی سے تنگ آچکے ہیں' ہر لمحہ موت کی دعا کرتے رہتے ہیں۔ ہر آنے جانے والے کہتے ہیں کہ وہ اس کے لیے موت کی دعا کرے مگر... یہ بھی حکم ربی ہوتا ہے' ان کے سانسیں چل رہی ہیں بغیر حکم کیسے بند ہو سکتی ہیں۔" وہ آنسو ضبط کرتا خاموش ہو گیا۔
"اور اب ہسپتال! طبیعت زیادہ خراب ہو گئی تھی کیا؟" واثق یہی پوچھ سکا۔
شہزاد نے اثبات میں سر ہلا دیا۔
"ہارٹ پرابلم بھی ہو گئی ہے' کڈنی کا مسئلہ بھی ہے' بہت ساری چیزیں مل گئی ہیں' نگران کی حالت مجھ سے نہیں دیکھی جا رہی۔" وہ خود پر ضبط کر رہا تھا۔
پھر ایک دم سے کھڑا ہو گیا اور چابیاں اور موبائل اٹھا کر جانے لگا۔
"واثق یار! تم دیکھ لو گے نا یہاں سب کچھ؟ مجھے ہسپتال جانا ہے۔"
"آف کورس یار! تم بے فکر ہو کر جاؤ میں دیکھ لوں گا۔"
واثق سر ہلا کر نرم لہجے میں بولا۔
"آج بابا کے کچھ بہت ضروری ٹیسٹ بھی ہونے ہیں' کچھ کنڈیشن بہتر ہوئی تو شاید ایک دو دن میں ڈسچارج کر دیں انہیں۔" وہ گہرے دکھ میں تھا۔
"اللہ کرے ایسا ہی ہو اور ان شاء اللہ ہو گا۔ وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔ تم ان کا خیال جو رکھ رہے ہو۔" واثق اسے تسلی دیتے ہوئے بولا۔
"ہوں بس دعا کرنا وہ اس اذیت سے نکل سکیں اب مجھے چلنا چاہیے' فون پر تم سے کانٹیکٹ رکھوں گا اگر کوئی مسئلہ ہو تو مجھے کال کر لینا۔"

وہ کہہ کر تھکے ہوئے قدموں سے باہر نکل گیا۔ واثق اسے جاتا دیکھتا رہا۔
"اللہ اپنے وجود کا احساس ہر جگہ دلاتا ہے۔ اگر دیکھنے والی آنکھ اور محسوس کرنے والی حس ہو۔ پیسے' دولت کی فراوانی کے باوجود دلی سکون اور خوشی صرف اللہ کے اختیار میں ہے۔ اللہ انکل کو صحت عطا کرے یا جس طرح بھی ان کی تکلیف میں کمی ہو سکے۔"
وہ سوچتا ہوا باہر نکل گیا۔

٭ ٭ ٭

"مجھے فوراً" اس لڑکی سے جا کر بات کرنا چاہیے۔" عاصمہ کچن میں کام کے دوران عجیب سوچوں میں الجھی ہوئی تھی۔

"وہ مجھے اب کچھ نہیں بتائے گی۔" وہ رک گئی "مگر مجھے اس کی نیت اس کے ارادے کا اندازہ تو ہو ہی جائے گا۔"

واثق ایسا کر سکتا ہے اس بات کا یقین کیا ذرا سا گمان ابھی بھی اسے نہیں تھا۔ مگر وردہ جس طرح یہ سب بول کر گئی تھی اور اس کی آخری بات عاصمہ جیسے ہل کر رہ گئی تھی۔ اس کی اپنی بیٹی اگر پری کی جگہ ہوتی... وہ مر کر بھی ایسا نہیں سوچ سکتی تھی۔

"کیا کروں؟" وہ سر پکڑ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

"مجھے واثق سے بات کرنا چاہیے۔ اس سے کھل کر پوچھنا چاہیے ورنہ یہ معاملہ سلجھنے کے بجائے مزید الجھتا جائے گا، وردہ نے اگر واثق کو کچھ ایسا ویسا بول دیا تو وہ بھی یہ برداشت نہیں کرپائے گا۔"

وہ سر پکڑے گہری سوچ میں گم تھی۔

اسے کچھ دیر بعد احساس ہوا کہ وہ کچن میں چولہے پر دودھ رکھے ہوئے تھی جو ابل رہا تھا۔

٭ ٭ ٭

عدیل کی گاڑی بیچ رستے میں خراب ہوئی تھی۔

شام گہری ہو چکی تھی۔

یہ سڑک کچھ ہٹ کر تھی یہاں ٹریفک کا اتنا رش بھی نہیں تھا۔

گاڑی چلتے چلتے بند ہوئی تھی، عدیل بونٹ کھولے اس کا نقص تلاش کرنے کی ناکام کوشش کر رہا تھا۔ جب کہ اسے بھی جلدی پہنچنا تھا۔

"مے آئی ہیلپ یو سر!" واثق کی گاڑی کب اس کے پاس آکر رکی تھی اور کب وہ اس سے اتر کر یہاں تک آیا تھا۔ عدیل اپنی سوچوں میں محو جان نہیں سکا تھا۔

عدیل نے چونک کر اسے دیکھا۔

اور پھر کچھ بے بسی سے بند گاڑی کی طرف اور پھر پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔

واثق جھک کر بونٹ کو پکڑ کر گاڑی کا نقص تلاش کرنے لگا۔

"پہلے بھی یہ اسی طرح رکتی رہی ہے۔"

"دو ایک بار ایسا ہو چکا ہے۔"

"مجھے لگتا ہے بیٹری کی لائف پوری ہو چکی ہے جس کی وجہ سے اس نے چلنے سے انکار کر دیا ہے۔" وہ کچھ دیر بعد سر اٹھا کر بولا۔

"ہاں کافی ٹائم سے میں سوچ رہا تھا مگر ایک تو وقت نہیں مل سکا، دوسرے مجھے لگ رہا تھا ابھی یہ کچھ ٹائم نکال لے گی۔"

عدیل کو اپنی سستی پر کچھ غصہ آنے لگا تھا۔

شادی کے دنوں میں گاڑی کی جتنی ضرورت تھی اب اتنی ہی پریشانی ہو گی۔

"میں مکینک کو کال کر دیتا ہوں' وہ آکر چیک کرلے گا ورک شاپ لے جانا پڑے گا اسے۔" واثق نے بونٹ بند کرتے ہوئے کہا۔

"ہوں یہی کرنا پڑے گا اب۔" عدیل سیل فون نکالنے لگا۔

"میرا بڑا اچھا واقف ہے ادھر قریب ہی اس کا ورک شاپ ہے میں اسے کال کر دیتا ہوں' وہ آکر چیک کرلیتا ہے۔" واثق نے آفر کی عدیل کو اثبات میں سر ہلانا پڑا۔

کچھ دیر میں مکینک آکر گاڑی چیک کرتے ہوئے اسے ورکشاپ لے گیا۔

"آئیے میں آپ کو ڈراپ کر دوں گا انکل!" عدیل جو ٹیکسی کی تلاش میں کھڑا تھا۔ باثق اس کے پاس آکر نرمی سے بولا۔

"یوں بھی ہمارا راستہ تو ایک ہی ہے۔" اس کی بات پر عدیل نے اسی چونک کر دیکھا۔

"پلیز انکل آئیے!" اس کے اصرار پر عدیل خاموشی سے گاڑی میں بیٹھ گیا۔

"کچھ دیر کے لیے اندر نہیں آؤ گے' چائے کے ایک کپ کے لیے۔"

گھر کے آگے اُترتے ہوئے عدیل نے کچھ اپنائیت بھرے لہجے میں آفر کی تھی۔

"شکریہ انکل! آج نہیں ان شاء اللہ پھر کبھی سہی۔ ابھی تو میں لیٹ ہو رہا ہوں' آپ نے لطیف مکینک کا کارڈ رکھ لیا ہے نا' وہ گھنٹے بھر میں گاڑی اے ون کر دے گا۔"

"ہاں کارڈ تو میرے پاس ہے میں اس سے پوچھ لوں گا فون کرکے۔"

"اگر آپ مائنڈ نہیں کریں تو میں آپ کو لے جاؤں گا ورکشاپ؟" وہ کچھ ۔۔۔ جھجکتے ہوئے آفر کرکے بولا۔

عدیل لمحہ بھر کو چپ ہو گیا۔

بات تو ٹھیک تھی یہاں سے ٹیکسی لے کر جانا پھر کچھ دیر میں شام کافی ہو جاتی دوسرے ورکشاپ والا واثق کا جاننے والا تھا وہ یقیناً کچھ رعایت بھی کروا لیتا۔

"آپ کو زحمت ہو گی بیٹا!" وہ کچھ تکلف سے بولا۔

"نہیں انکل! بالکل بھی نہیں۔ میں آجاؤں گا۔ آپ مجھے کال کر دیجئے گا' یا میں خود سے آجاتا ہوں گھنٹے بعد۔"

"شکریہ بیٹا بہت۔"

عدیل سر ہلا کر اندر چلا گیا' واثق گاڑی لے گیا۔

"پاپا آپ!" مثال جو الماری میں کپڑے سیٹ کر رہی تھی' کپڑے لینے کے لیے مڑی تو دروازے میں کھڑے عدیل کو دیکھ کر چونک گئی۔

"مثال! کیا ہو رہا تھا؟" عدیل نے جیسے کچھ اور کہتے کہتے جملہ بدل دیا۔

"یہ بس کپڑے ہی رکھ رہی تھی۔"

"ہوں۔۔۔۔ تم تیار ہو جاؤ ذرا۔۔۔۔" وہ پھر کچھ رک کر بولا۔

"جی!" وہ چونکی۔

"کہیں جانا ہے پاپا؟"

"ہاں' وہ کچھ دیر میں فہد تمہیں ۔۔۔۔ لینے کے لیے آرہا ہے' وہ تم سے کچھ بات کرنا چاہتا ہے۔ اس نے مجھے کال کرکے کہا تھا تو میں نے اجازت دے دی۔ تم تیار ہو جاؤ۔"

عدیل نے جلدی جلدی بات ختم کی کہ کہیں اس دوران مثال کوئی سوال نہ کردے۔

"پاپا مگر... میں کیسے جا سکتی ہوں آئی مین!" وہ متذبذب سی اپنا مدعا سمجھا نہیں سکی۔
"زیادہ وقت نہیں رکنا پڑے گا' وہ اُدھر آزاد ماحول کا پلا بڑھا ہے' پھر وہیں سیٹل ہے تو ہو سکتا ہے اسے لگا ہو کہ وہ تم سے مل لے تھوڑا مزاج کا پتا چل جاتا ہے۔ وہ آتا ہی ہو گا تم ریڈی ہو جاؤ۔"
وہ کہہ کر تیزی سے مڑا اور پیچھے کھڑی عفت کو دیکھ کر لحہ بھر کے لیے ٹھٹک گیا۔
"انسان وقت کے ساتھ کتنا بدل جاتا ہے عدیل!" وہ کچھ طنز بھرے لہجے میں بولی۔
"بدل نہیں جاتا اسے حالات اور وقت کے تقاضوں کے مطابق خود کو ڈھالنا پڑتا ہے۔ یہ ضرور ہوتا ہے عفت خلاف توقع عدیل نرم لہجے میں بولا تھا۔
"پھر بچیوں کے معاملات ایسے ہوتے ہیں کہ آپ کو لچک دکھانی ہی ہوتی ہے۔" وہ خود ہی وجہ بیان کرنے لگا۔
"اچھی بات ہے اگر آپ کو یہ بات سمجھ میں آ گئی ہے تو۔"
وہ پھر اسی لہجے میں بولی شاید وہ پری کے لیے ایسے ہی کسی آنے والے وقت کے لیے عدیل کو تیار کر رہی تھی۔
"فہد اچھا لڑکا ہے پڑھا لکھا' مہذب' سمجھ دار اس نے مثال سے ملنے کی خواہش یوں ہی نہیں ظاہر کی۔"
وہ پھر سے جیسے صفائی دینے والے انداز میں کہہ رہا تھا۔
عفت خاموش رہی' وہ اندر چلا گیا۔

☆ ☆ ☆

"ہسپتال!" عاصمہ نے چونک کر واثق کو دیکھا۔
"ہاں میں وہیں سے آ رہا ہوں۔" وہ تھکن بھرے انداز میں جوتے اتارتے ہوئے بولا۔
"کل آپ بھی ذرا میرے ساتھ چلیے گا۔ شہزاد کے پاپا کی حالت واقعی اچھی نہیں۔" وہ افسردگی سے بولا۔
"وہ کیا ہوا انہیں؟" عاصمہ کو افسوس ہوا۔
"بتایا تو تھا آپ کو' پیرالائز ہیں وہ کافی سالوں سے' مگر اب کچھ زیادہ طبیعت بگڑنے پر ہسپتال ایڈمٹ کروا دیا گیا ہے۔" وہ تھک کر صوفے پر ہی نیم دراز ہو گیا۔
"اللہ رحم کرے' صحت عطا فرمائے۔" عاصمہ افسوس سے بولی۔
"اتنی حالت خراب ہے' کوئی بھی رپورٹ ان کی تسلی بخش نہیں آ رہی۔ اس کے باوجود ان کی ذہنی حالت بالکل ٹھیک ہے، بہت ترس آیا مجھے تو ان پر' بس روتے رہتے ہیں اور اپنے گناہوں کی معافی مانگتے رہتے ہیں۔"
عاصمہ خاموش سی ہو گئی۔
"شہزاد بہت پریشان ہے۔ آج تو سارا دن وہ آفس بھی نہیں آیا۔"
"ظاہر ہے بیٹا! یہ کم دکھ کی بات تو نہیں۔"
"باپ ہسپتال میں ہو تو بیٹا کوئی بھی کام ڈھنگ سے نہیں کر سکتا۔" عاصمہ گہرا سانس لے کر بولی۔
"تو آپ کل چلیں گی میرے ساتھ امی؟"
"دیکھوں گی مجھے کل ایک اہم جگہ اور بھی جانا ہے۔" وہ جیسے خود سے بولی تھی۔
"کہاں جانا ہے آپ کو کل؟" وہ چونک کر بولا۔
"کہیں نہیں' میں چلوں گی تمہارے ساتھ۔" وہ بات ٹال کر بولی۔
"ورده کہاں ہے امی؟" وہ اندر جاتے ہوئے رک کر بولا۔ گھر کی خاموشی نے اسے یہ پوچھنے پر اکسایا تھا۔

"سو رہی ہے کیا؟"

"ہاں شاید پہلے پڑھ رہی تھی پھر کہنے لگی کہ سر میں درد ہے۔ پین کلر لے کر سوگئی ہے۔" عاصمہ نظریں چرا کر بولی۔

"سر میں کیوں درد ہے اس کے؟" واثق تشویش سے بولا۔

"یونہی شاید پڑھنے سے۔" عاصمہ سرسری لہجے میں بولی۔

"امی!" وہ اس کے سامنے آکر کھڑا ہو گیا۔

"آپ مجھ سے کچھ چھپا رہی ہیں۔" وہ ہمیشہ اسی طرح سے عاصمہ کے دل کی بات بوجھ لیا کرتا تھا۔ اب کیسے انجان رہتا۔

"نہیں کیا چھپاؤں گی تم سے۔" وہ پھر نظریں چرا کر بولی۔

"میری طرف دیکھ کر کہیے پلیز۔"

وہ ماں کو کندھوں سے پکڑ کر کچھ ایسے لہجے میں بولا کہ عاصمہ جو واثق سے بات نہ کرنے کا سوچ چکی تھی اسے بات کرنا ہی پڑی۔

"واثق! تمہارے خیال میں یہ پری کیسی لڑکی ہے؟" وہ لمحہ بھر خاموش رہ کر اچانک سے بولی تو واثق فوراً کچھ بول نہیں سکا۔

"میں نے کچھ پوچھا ہے تم سے واثق!" وہ جھنجھلاتے ہوئے لہجے میں بولی۔ واثق یوں ہی کندھے اچکا کر رہ گیا۔

"مجھے نہیں پتا میں کیا کہوں۔"

"نہیں ایسا نہیں ہے۔ میرے خیال میں تمہیں کچھ اندازہ تو ہو ہی گیا ہو گا۔ اس لڑکی کے بارے میں۔" عاصمہ کرید کر پوچھ رہی تھی۔

"آپ یہ سب کیوں پوچھ رہی ہیں؟" وہ کچھ کوفت سے بولا۔

"وردہ کی دوستی اس سے کچھ زیادہ بڑھ رہی ہے تو میں چاہ رہی تھی کہ مجھے بھی کچھ اس کے بارے میں اس کی فیملی کے بارے میں معلوم ہونا چاہیے۔" وہ بات بنا کر بولی۔

"بہتر ہے آپ وردہ سے کہیں وہ اس سے کچھ فاصلے پر رہے کیونکہ وہ اچھی لڑکی نہیں ہے۔" وہ سرد لہجے میں کہہ کر باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼
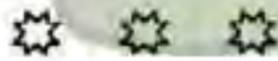
"نہیں۔" فہد نے کچھ سرد لہجے میں نفی میں سرہلاتے ہوئے کہا۔ مثال بس اسے دیکھتی رہ گئی۔

"میں یہاں پاکستان میں کبھی بھی سیٹل ہونے کا ارادہ نہیں رکھتا اور میرے ماما پاپا۔ وہ کسی بھی طرح وہاں سیٹ نہیں ہو سکتے یہ بات طے ہے۔" وہ شاید اپنے لہجے کی بے مہری خود بھی محسوس کر چکا تھا۔ ذرا دیر بعد قدرے نرم لہجے میں بولا۔

مثال نظریں جھکائے کچھ سوچ رہی تھی اور فہد کی نظریں بے ساختہ اس کی رخساروں پر گرتی لمبی سیاہ پلکوں میں اٹک کر رہ گئیں۔

بلیک بلیو امتزاج کے سادہ ایمبرائیڈڈ سوٹ میں وہ اتنی پُرکشش لگ رہی تھی کہ فہد چند لمحوں کے لیے بھول ہی گیا وہ اسے یہاں ہوٹل میں کیا کہنے کے لیے ساتھ لایا تھا۔

"مثال! آپ کو اسٹڈیز سے کوئی نہیں روکے گا آپ جتنا چاہیں پڑھیے گا۔ کون منع نہیں کرے گا۔"
اس کی گہری چپ پر مثال نے نظریں اٹھا کر دیکھا تو وہ نظروں کا زاویہ بدلتے ہوئے یونہی بولا تھا۔
"اور وہ ضروری بات کیا یہی تھی جو آپ کو مجھے کہنی تھی۔" وہ اس کے چپ ہونے پر بولی۔
یوں بھی اسے کچھ تو بولنا ہی تھا۔
"نہیں یہ بھی نہیں۔" وہ پانی کا گلاس اٹھاتے ہوئے بولا۔
مثال کو کچھ بے چینی سی ہوئی۔
معلوم نہیں یہ کیا کہنے والا ہے اور وہ کہہ بھی سکے گا یا نہیں' جو یہ مجھ سے کہنا چاہتا ہے کیونکہ فہد کی آنکھیں معلوم نہیں کیوں مثال کو لگ رہا تھا' وہ بہت کچھ چھپا رہا ہے یا بتا نہیں پا رہا۔
"آپ شاید... کچھ ایسا ہے جو آپ کہہ نہیں پا رہے... کہنا چاہتے ہیں۔" اس نے کچھ جھجک کر بالآخر کہہ ہی دیا۔ فہد اسے دیکھ کر لحہ بھر کو چپ ہی رہ گیا۔
وہ اتنی دیر سے اسی الجھن میں تو تھا جسے مثال نے جان لیا تھا' اسے دل میں کچھ افسوس سا ہوا اس کے سیل پر میسج ٹون بجی تھی۔
اس نے سیل فون ذرا سا آن کر کے دیکھا اور آف کر دیا۔
"آپ کو یہاں ماما' پاپا کے پاس رہنا ہوگا مثال!" وہ جیسے فیصلہ کن لہجے میں بولا۔
مثال نا سمجھی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔
"ابھی تو آپ کے ویزے کا مسئلہ ہوگا اگر وہ سولو ہو جاتا ہے تو بھی ماما' پاپا چونکہ یہیں رہیں گے تو آپ کو بھی ان کے ساتھ یہیں رہنا ہوگا۔"
"اور آپ...؟" وہ کچھ رک کر پوچھنے لگی۔
"میں بتا چکا ہوں۔ مجھے یہاں نہیں رہنا۔ آپ کو یہاں بلانے کا اور پہلے سے بتانے کا میرا مقصد یہی ہے کہ بعد میں آپ مجھ سے گلہ نہیں کریں گی کہ میں آپ کو اپنے ساتھ نہیں رکھ رہا۔" وہ دو ٹوک لہجے میں بولا۔
مثال اسے دیکھتی رہ گئی۔
"اس کے تو پھر بہت سارے meaning (مطلب) نکلتے ہیں۔" وہ کچھ دیر بعد رک کر بولی۔
"کیا مطلب؟" اسے مثال سے شاید ایسی بات کی امید نہیں تھی۔
"آپ مجھے کیوں اپنے ساتھ نہیں رکھنا چاہیں گے اور نہ یہاں ہمارے ساتھ رہیں گے تو اس کے مطلب بہت سارے ہو سکتے ہیں۔ کچھ بھی۔" وہ جان بوجھ کر زور سے کندھے اچکا کر جملہ ادھورا چھوڑ کر خاموش ہو گئی۔
"اوہ! اگر آپ کا خیال ہے کہ میں کسی اور کے ساتھ انوالو ہوں' جس کی وجہ سے..."
"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔" وہ آہستگی سے بولی۔
"صرف الفاظ میں نہیں کہا' ورنہ مطلب آپ کا یہی ہے۔" وہ بھی جتا کر بولا۔
مثال خاموش اسے دیکھتی رہ گئی۔
"بہر حال یہ ڈن ہے اور مجھے آپ کو یہی بتانا تھا۔" وہ ڈنر ختم کر چکا تھا۔ مثال کی پلیٹ میں ابھی بھی سب کچھ ویسے ہی رکھا تھا۔
"آپ کھانا ختم کر لیں تو پھر میں آپ کو گھر ڈراپ کر دیتا ہوں۔" وہ اس کی پلیٹ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا

"میں کھا چکی ہوں، چلتے ہیں۔" وہ فوراً" ہاتھ کھینچ کر بولی۔
"نہیں، پہلے یہ پلیٹ میں جو کچھ ہے اسے ختم کریں۔ شاید یہ آپ پاکستانیوں کی عادت تو نہیں فطرت کہیں گے کہ پلیٹ بھر کر یونہی ذرا سا چکھ کر باقی رزق ضائع کرنا۔" وہ عجیب سے طریقے سے اسے ڈانٹ کر بولا۔
"لیکن مجھے بھوک نہیں ہے بالکل بھی۔" وہ کوفت سے بولی۔
"تو پھر آپ کو یہ سب پلیٹ میں نکالنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا بلکہ خود سے پوچھنا چاہیے تھا کہ آپ کو کتنی بھوک ہے اس کے مطابق نکالیں جب تک آپ یہ ختم نہیں کریں گی ہم گھر نہیں جائیں گے او کے۔" وہ مطمئن انداز میں بیٹھ کر اسے دیکھنے لگا اور مثال کو نہ چاہتے ہوئے بھی کھانا کھانا پڑا۔
کھانا ختم ہونے تک فہد اپنے فیصلے میں کچھ لچک پیدا کر چکا تھا شاید۔
"لیکن ایسا بھی نہیں ہے کہ میں پاکستان آیا ہی نہیں کروں گا سال میں دو بار تو میں پہلے بھی ایسا ہی کرتا ہوں، ہو سکتا ہے شادی کے بعد چار بار آجایا کروں۔"
وہ شاید مثال کو خوش کرنا چاہتا تھا۔
وہ جواب میں کچھ نہیں بولی۔
اگرچہ وہ اس سے پوچھنا چاہتی تھی کہ وہ اسے اپنے پاس کیوں نہیں بلا سکتا مگر ابھی وہ شاید کچھ بھی پوچھنے کی پوزیشن میں نہیں تھی۔
دونوں گاڑی میں بیٹھ رہے تھے جب دوسری طرف بنے میڈیکل اسٹور سے نکلتے واثق نے بے اختیار انہیں دیکھا تھا وہ عاصمہ کی دوائیں لینے نکلا تھا۔ ایک ٹیبلٹ قریب کے کسی اسٹور سے نہیں ملی تھی۔
اسے مجبوراً" یہاں آنا پڑا اور اب مثال کو فہد کے ساتھ دیکھ کر اسے لگا جیسے وہ عمر بھر یہاں سے ہل نہیں سکے گا، گاڑی جا چکی تھی اور وہ وہیں کھڑا تھا۔

☼ ☼ ☼
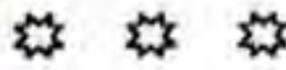
"نہیں میں نہیں بتا سکتی مما.... وہ کون ہے۔"
عفت شام سے کئی بار پری کے سامنے سر پٹخ چکی تھی کہ وہ بتا دے کس کو پسند کرتی ہے۔
مگر ہر بار وہ بڑی ثابت قدمی سے بتانے سے انکار کرتی رہی تھی۔
"پری! کیوں مجھے پریشان کر رہی ہو، جب تک تم مجھے بتاؤ گی نہیں، وہ کون ہے تو میں کیسے کچھ کر سکتی ہوں۔" اب کے عفت جیسے الجھ کر بولی۔
"آپ کچھ نہیں کر سکتیں مما.... وہ پتھر کا مجسمہ ہے، کم سے کم میرے لیے تو۔" وہ ٹوٹے دل سے بولی۔
اور عفت کا جی چاہا، اپنی اس پھولوں سے نازک بیٹی کو اپنے دل میں چھپا لے، اسے کبھی کوئی غم چھو کر بھی نہ گزرے۔
"پھر کیا چاہتی ہو تم؟" وہ عاجز آکر بولی۔
"کچھ بھی نہیں۔" وہ رنجیدگی سے بولی۔
عفت اسے دیکھ کر رہ گئی کیسے اسے سمجھاؤں کہ وہ کانٹوں بھرے اس رستے پر نہیں چلے جس پر چل کر صرف پاؤں فگار ہوتے ہیں حاصل کچھ بھی نہیں ہوتا۔
"میرے دل نے اس کو پانے کی قسم کھائی ہے مما! میں اسے حاصل کر کے ہی رہوں گی۔"
اور عفت کو بلانے کے لیے آتا عدیل دروازے میں ہی ٹھٹک کر رک گیا۔

"پری!" عفت کچھ ڈر کر بولی۔

"ممی! میں اسے حاصل کر کے رہوں گی۔ وہ مجھے پسند کرتا ہے یا نہیں میں اسے مجبور کر دوں گی اپنی محبت کی شدت سے کہ وہ صرف میری ہی تمنا کرے گا' صرف میری ہی خواہش اسے راس آئے گی ورنہ۔" اس کی آنکھوں سے وحشت سی چمک رہی تھیں۔

عفت پریشان ہو کر اسے دیکھ رہی تھی۔

اس پری کو تو وہ بالکل نہیں جانتی تھی۔

"ورنہ میں اسے اور خود کو تباہ و برباد کر لوں گی۔ کچھ بھی نہیں بچے گا اگر وہ میرا نہیں ہو سکا تو۔" وہ آنکھوں میں سرخی لیے کہہ رہی تھی۔

اور عفت کو لگ رہا تھا وہ ایک کے بعد ایک بازی ہارتی چلی جا رہی تھی۔

اور باہر کھڑا عدیل اس کے کندھے اس بوجھ سے ٹوٹنے والے تھے جو آنے والے دنوں میں اس نے اٹھانا تھا وہ خود کو گھسیٹتا ہوا جا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼
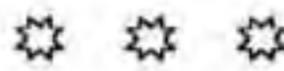
پری اور عفت کچھ حیران سی عاصمہ کو دیکھ رہی تھیں۔ جو پھلوں کی خوب صورت باسکٹ کے ساتھ پری کی خیریت معلوم کرنے کے لیے ابھی کچھ دیر پہلے یہاں آئی تھی۔

عفت کو یہ سوبر سی عورت اچھی لگی تھی' جس میں دکھاوا تو بالکل نہیں تھا۔

وہ یوں ان کے سامنے اپنائیت بھرے انداز میں بیٹھی تھی جیسے وہ پہلے بھی کئی بار مل چکی ہوں۔

"آنٹی! میں ٹھیک تھی بالکل آپ نے خواہ مخواہ زحمت کی۔" پری کے انداز میں کچھ عجیب سی خوشی تھی۔ کھنک سی تھی عفت نے بھی چونک کر پری کو دیکھا تھا۔

"نہیں بیٹا! آج مجھے وردہ نے بتایا کہ آپ کالج نہیں آئیں تو مجھے فکر ہوئی کہ کہیں زیادہ طبیعت خراب نہ ہو گئی ہو' اس لیے میں آپ کی خیریت پوچھنے کے لیے آ گئی۔"

وہ بہت محبت سے کہہ رہی تھی۔

"اصل میں اس کی بہن کی شادی ہے پانچ دن بعد تو تیاری کے سلسلے میں میں نے ہی اس سے کہا تھا کہ یہ اب ہفتہ بھر کالج نہیں جائے اس لیے چھٹی کی تھی اس نے۔" عفت نے چائے کی میز آگے کرتے ہوئے خوش اخلاقی سے کہا۔

"مبارک ہو پھر تو آپ کو بہت..... بڑی بیٹی کی شادی سے آپ کی؟" عاصمہ نے مسکرا کر پوچھا تھا۔

عفت اور پری لحہ بھر کو خاموش ہوئی تھیں۔

تب ہی مثال اندر آتے ہوئے ٹھٹک کر رک گئی تھی' پھر سلام کر کے آگے آ گئی۔

"یہ مثال ہے پری کی بڑی بہن جس کی شادی ہے۔" عفت نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔ تو عاصمہ بے اختیار چونک کر مثال کو دیکھنے لگی۔ اور پھر آہستگی سے اٹھ کر مثال کو گلے لگاتے ہوئے چند لمحے وہ یونہی اسے ساتھ لگا کر کھڑی رہ گئی۔

"ماشاء اللہ بہت پیاری بیٹی ہے آپ کی بہت خوش نصیب ہوں گے وہ لوگ۔ جو ایسی اچھی بیٹی کو لے کر جا رہے ہوں گے اپنے گھر۔" عاصمہ اس کا چہرہ ہاتھوں میں لے کر کچھ حسرت بھرے لہجے میں بولی تو عفت چونک سی گئی۔ مثال بھی اس کے التفات سے کچھ پریشان سی ہو گئی۔

"بہر حال مبارک ہو آپ کو ایک بار پھر۔" وہ گہرا سانس لے کر کچھ افسردہ سی اپنی جگہ پر بیٹھ گئی۔
"مما! بابا کی کال آئی ہے۔ وہ آفس سے نکل گئے ہیں کہہ رہے تھے آپ تیار رہیے گا۔" مشال کو یاد آیا وہ جس مقصد کے لیے یہاں آئی تھی۔
"ہاں ٹھیک ہے۔ میں تیار ہی ہوں۔"
"شاید میں غلط موقع پر آئی ہوں ظاہر ہے آپ کے گھر میں شادی کے بہت سے کام ہوں گے اگر میرے لائق کوئی خدمت ہو تو ضرور بتائیے گا۔ مجھے خوشی ہوگی اگر میں کچھ بھی کر سکوں گی۔" عاصمہ خوش اخلاقی سے بولی۔
"نہیں، بہن! بہت شکریہ۔ تقریباً" سب ہی کام ہو چکے ہیں اب تو یوں بھی چار دن میں تو کچھ ایسا خاص کام نہیں جو رہ گیا ہو۔"
"اچھا اب میں چلتی ہوں ان شاء اللہ پھر کبھی آؤں گی بلکہ پری بیٹا! آپ اپنی والدہ کو لے کر آئیے گا ہماری طرف۔" وہ پری کو دیکھ کر بولی۔
"جی آنٹی کیوں نہیں ضرور آؤں گی مما کو لے کر۔" پری جوش سے بولی تو عاصمہ کو لگا۔ اس نے پھر کچھ غلط کر دیا ہے جلد بازی میں یہاں آکر۔
اس نے پری کے دل میں نئے سرے سے امید کی شمع روشن کر دی ہے۔
"لیکن بہن اس سے پہلے آپ کو ہماری دعوت قبول کرنا ہوگی یوں تو میں کارڈ بھجواؤں گی۔ آپ کو فون پر بھی تاکید کر دوں گی لیکن ابھی بھی میں کہوں گی کہ آپ شادی اور مہندی دونوں فنکشنز میں آئیے گا اپنی بیٹی کے ساتھ۔" عفت فراخ دلی سے دعوت دیتے ہوئے کہہ رہی تھی۔
"واثق.... بھائی کو بھی مما۔ ان کے بیٹے ہیں وہ.... وردہ کے بھائی۔" پری نے کچھ ایسی بے ساختگی میں کہا تھا کہ عاصمہ اور عفت دونوں چونکی تھیں۔
"کوشش کروں گی بیٹا!" وہ مروتاً" مسکرائی۔

"کوشش نہیں آنٹی! آپ کو پرامس کرنا ہو گا۔ آپ وردہ اور واثق کے ساتھ دونوں فنکشنز میں آئیں گی ورنہ میں خود آپ تینوں کو لینے کے لیے آجاؤں گی۔ ہے نا مما!" وہ جوش میں بولتے ہوئے کچھ خیال آنے پر فوراً ہی عفت کو ہم خیال بناتے ہوئے بولی۔

"جی بہن ضرور، پری ٹھیک کہہ رہی ہے۔" عفت کچھ مدھم سے لہجے میں بولی۔

"ضرور میں کوشش کروں گی۔ وردہ تو آہی جائے گی۔ واثق کا آنا شاید مشکل ہو پھر بھی میں کہوں گی۔" تینوں باتیں کرتے ہوئے باہر نکل گئیں۔

☆ ☆ ☆

مثال اور فہد کو اسٹیج پر ایک ساتھ بٹھایا گیا تھا۔

اگرچہ عدیل نے ایسا نہیں چاہا تھا کہ نکاح سے پہلے دونوں کو ایک ساتھ بٹھایا جائے لیکن وقار اور فائزہ کی یہی خواہش تھی۔ ان کا مووی میکر کچھ زیادہ ہی پرجوش تھا اسے زیادہ سے زیادہ دونوں کے شاٹس چاہیے تھے۔

"وقار! میرے خیال میں پہلے نکاح ہو جائے جو ضروری فرض ہے یار! یہ سب کچھ تو بعد میں بھی چلتا رہے گا۔" عدیل اپنی ناگواری کو۔ چھپاتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔

"بالکل میرا بھی یہی خیال ہے وہ کدھر ہے بھئی آپ کا نکاح خواں بلائیے جلدی سے تاکہ نکاح تو شروع کیا جائے۔"

وقار نے جیسے ہی کہا عدیل نے فوراً ایک لڑکے کو اشارہ کیا جو ایک طرف بیٹھے نکاح خواں کو لے کر اسٹیج کی طرف بڑھ گیا۔

مثال کو عجیب سی گھبراہٹ ہو رہی تھی۔

اس کے سیل پر بشریٰ کی مسلسل کال آرہی تھی۔ وہ اس وقت فون نہیں سن سکتی تھی۔

مگر اسے گھبراہٹ کچھ اور ہی طرح کی محسوس ہو رہی تھی۔

"ماشاءاللہ سے بہت پیاری لگ رہی ہو بٹی۔ عفت بہن! چاند سورج کی جوڑی ہے میں تو کہوں گی۔"

جانے کون تھا جو عفت سے مخاطب تھا مگر مثال تو یہ اس طرح کے تعریفی جملے کافی دیر سے سن رہی تھی اس کا دل بہت عجیب طرح سے دھڑک رہا تھا۔

"فائزہ بھئی" آجاؤ اسٹیج پر نکاح ہونے لگا ہے۔" وقار بیوی کا ہاتھ پکڑ کر اسٹیج کی طرف بڑھ گئے۔

عدیل اور عفت پہلے سے وہاں موجود تھے۔

اور دور کھڑا واثق اسے لگا اس کے دل کے اندر کچھ ٹوٹ رہا ہے شاید دل ہی ٹوٹ رہا تھا۔ عجیب طرح کا درد اٹھا تھا وہ برداشت نہیں کر پایا اور بھاگتا ہوا وہاں سے چلا گیا تھا۔ اس کے پاس سے گزر کر آتی لیلیٰ لمحہ بھر کو ٹھٹکی تھی۔ پھر اس نے ڈھائی تین سال کی بچی کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑا اور اسٹیج کی طرف بڑھ گئی جہاں نکاح شروع ہونے والا تھا۔

"ٹھہریے مولوی صاحب! کسی بھی شخص کی دوسری شادی سے پہلے کیا یہ ضروری نہیں کہ وہ اس شادی کے لیے پہلی بیوی کی اجازت حاصل کرے۔ میں لیلیٰ ہوں۔ لیلیٰ فہد۔ فہد کی پہلی بیوی اور یہ ہماری بیٹی علمزے۔"

(باقی آئندہ ماہ ان شاءاللہ)

رخسانہ نگار عدنان

ایک تھی مثال

عدیل اور فوزیہ نسیم بیگم کے بچے ہیں۔ بشریٰ ان کی بہو ہے اور ذکیہ بیگم کی بیٹی ہے۔ عمران بشریٰ کا بھائی ہے۔ مثال ذکیہ بیگم کی نواسی اور نسیم بیگم کی پوتی ہے۔ بشریٰ اور نسیم بیگم میں روایتی ساس بہو کا تعلق ہے۔ پانچ سال کی کوششوں کے بعد بشریٰ کی نند فوزیہ کا بالآخر ایک جگہ رشتہ طے پا جاتا ہے۔ نکاح والے روز بشریٰ دولہا ظہیر کو دیکھ کر چونک جاتی ہے۔ عدیل سے شادی سے قبل ظہیر کا بشریٰ کے لیے بھی رشتہ آیا تھا مگر بات نہ بن سکی تھی۔ نکاح والے دن فوزیہ کی ساس زاہدہ اور ذکیہ بیگم بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔ بعد ازاں عدیل کو بھی پتا چل جاتا ہے۔ وہ ناراض ہوتا ہے مگر فوزیہ اور نسیم بیگم کو بتانے سے منع کر دیتا ہے۔ بشریٰ اور عدیل ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جاتے ہیں۔ وہاں انہیں پتا چلتا ہے کہ بشریٰ کے ہاں سات سال بعد پھر خوش خبری ہے۔

عفان اور عاصمہ اپنے تین بچوں اور والد کے ساتھ کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔ عفان کے والد فاروق صاحب سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ گریجویٹی اور گاؤں کی زمین فروخت کر کے وہ اپنا گھر خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ڈیڑھ کروڑ میں زمین کا سودا کر کے وہ عفان کے ساتھ خوشی خوشی شہر آ رہے ہوتے ہیں کہ ڈکیتی کی واردات میں قتل ہو جاتے ہیں۔ عفان کے قریبی دوست زبیر کی مدد سے عاصمہ عفان کے آفس سے تین لاکھ روپے اور فاروق صاحب کی گریجویٹی سے سات لاکھ روپے وصول کرپاتی ہے۔ زبیر گھر خریدنے میں بھی عاصمہ کی مدد کر رہا ہے۔

اسلام آباد سے واپسی پر عدیل دونوں مقتولین کو دیکھتا ہے۔ زاہدہ، نسیم بیگم سے بیس لاکھ روپے سے مشروط فوزیہ کی رخصتی کی بات کرتی ہیں۔ سو وہ سب پریشان ہو جاتے ہیں۔ عدیل بشریٰ سے ذکیہ بیگم سے تین لاکھ روپے لانے کو کہتا ہے۔

عاصمہ کی مجبوری ہے کہ گھر میں کوئی مرد نہیں۔ اس کا بیٹا ابھی چھوٹا ہے اور سارے کام اس نے خود کرنے ہیں۔ وہ جلد از جلد اپنا گھر خریدنا چاہتی ہے۔ عاصمہ کے کہنے پر زبیر کسی مفتی سے فتویٰ لے کر آجاتا ہے کہ دوران عدت انتہائی ضرورت کے پیش نظر گھر سے نکل سکتی ہے بشرطیکہ مغرب سے پہلے واپس گھر آجائے، سو وہ عاصمہ کو مکان دکھانے لے

جاتا ہے۔ اور موقع سے فائدہ اٹھا کر اسے اپنی ہوس کا نشانہ بناتا ہے اور ویرانے میں چھوڑ کر فرار ہوجاتا ہے۔ وہاں سے وہ عدیل کی مدد سے گھر پہنچ پاتی ہے۔

رقم مہیانہ ہونے کی صورت میں فوزیہ کو طلاق ہوجاتی ہے۔ نسیم بیگم جذباتی ہوکر بشریٰ اور اس کے گھر والوں کو موردِ الزام ٹھہرانے لگتی ہیں۔ اسی بات پر عدیل اور بشریٰ کے درمیان خوب جھگڑا ہوتا ہے۔ عدیل طیش میں بشریٰ کو دھکا دیتا ہے۔ اس کا ابارشن ہوجاتا ہے۔ عدیل شرمندہ ہوکر معافی مانگتا ہے مگر وہ ہنوز ناراض رہتی ہے اور اسپتال سے اپنی ماں کے گھر چلی جاتی ہے۔ اسی اسپتال میں عدیل عاصمہ کو دیکھتا ہے جسے بے ہوشی کی حالت میں لایا گیا ہوتا ہے۔ عاصمہ اپنے حالات سے تنگ آکر خودکشی کی کوشش کرتی ہے تاہم بچ جاتی ہے۔ نو سال بعد عاصمہ کا بھائی ہاشم پریشان ہوکر پاکستان آجاتا ہے۔ عاصمہ کے سارے معاملات دیکھتے ہوئے ہاشم کو پتا چلتا ہے کہ نبیرنے ہر جگہ فراڈ کرکے اس کے سارے راستے بند کردیے ہیں اور اب مفرور ہے۔ بہت کوششوں کے بعد ہاشم' عاصمہ کو ایک مکان دلا پاتا ہے۔

بشریٰ اپنی واپسی الگ گھر سے مشروط کردیتی ہے۔ دوسری صورت میں وہ علیحدگی کے لیے تیار ہے۔ عدیل مکان کا اوپر والا پورشن بشریٰ کے لیے سیٹ کروادیتا ہے۔ بشریٰ کے آنے کے بعد بشریٰ کو مجبور کرتا ہے کہ وہ فوزیہ کے لیے عمران کا رشتہ لائے۔ نسیم بیگم اور عمران کسی طور نہیں مانتے۔ عدیل اپنی بات نہ مانے جانے پر بشریٰ سے جھگڑتا ہے۔ بشریٰ بھی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتی ہے۔ عدیل طیش میں بشریٰ کو طلاق دے دیتا ہے اور مثال کو چھین لیتا ہے۔ مثال بیمار پڑجاتی ہے۔ بشریٰ بھی حواس کھودیتی ہے۔ عمران بہن کی حالت دیکھ کر مثال کو عدیل سے چھین کرلے آتا ہے۔ عدیل عمران پر اغوا کا پرچا کٹوادیتا ہے۔

عاصمہ اسکول میں ملازمت کرلیتی ہے مگر گھریلو مسائل کی وجہ سے آئے دن چھٹیاں کرنے کی وجہ سے ملازمت چلی جاتی ہے۔

انسپکٹر طارق دونوں فریقین کو سمجھا بجھا کر مصالحت پر آمادہ کرتے ہیں۔ ذکیہ بیگم کی خواہش ہے کہ عدیل' مثال کو لے جائے' تاکہ وہ بشریٰ کی کمیں اور شادی کرسکیں۔ دوسری طرف نسیم بیگم بھی ایسا ہی سوچے بیٹھی ہیں۔ فوزیہ کی اچانک شادی کے بعد نسیم بیگم کو اپنی جلد بازی پر پچھتاوا ہونے لگتا ہے۔ انسپکٹر طارق' ذکیہ بیگم سے بشریٰ کا رشتہ مانگتے ہیں۔ ذکیہ بیگم خوش ہوجاتی ہیں مگر بشریٰ کو یہ بات پسند نہیں آتی۔

وہ گرین کارڈ کے لالچ میں بشریٰ سے منگنی توڑ کر نازیہ بجٹی سے شادی کرلیتا ہے' پھر شادی کے ناکام ہوجانے پر ایک بیٹے سیفی کے ساتھ ایک طویل عرصے بعد دوبارہ اپنی چچی ذکیہ بیگم کے پاس آجاتا ہے اور ایک بار پھر بشریٰ سے شادی کا خواہش مند ہوتا ہے۔ بشریٰ تذبذب کا شکار ہوجاتی ہے۔

بشریٰ اور احسن کمال کی شادی کے بعد عدیل مستقل طور پر مثال کو اپنے ساتھ رکھنے کا دعوا کرتا ہے مگر بشریٰ قطعی نہیں مانتی' پھر احسن کمال کے مشورے پر دونوں بمشکل راضی ہوجاتے ہیں کہ مہینے کے ابتدائی پندرہ دنوں میں مثال' بشریٰ کے پاس رہے گی اور بقیہ پندرہ دن عدیل کے پاس۔ گھر کے حالات اور نسیم بیگم کے اصرار پر بالآخر عدیل عفت سے شادی کرلیتا ہے۔ والدین کی شادی کے بعد مثال دونوں گھروں کے درمیان گھن چکر بن جاتی ہے۔ بشریٰ کے گھر میں سیفی اور احسن اس کے ساتھ کچھ اچھا برتاؤ نہیں کرتے اور عدیل کے گھر میں اس کی دوسری بیوی عفت۔ مثال کے لیے مزید زمین تنگ' بشریٰ اور عدیل کے نئے بچوں کی پیدائش کے بعد پڑجاتی ہے۔ مثال اپنا اعتماد کھو بیٹھتی ہے۔ احسن کمال اپنی فیملی کو لے کر ملائیشیا چلا جاتا ہے اور مثال کو تاریخ سے پہلے عدیل کے گھر بھجوادیتا ہے۔ دوسری طرف عدیل اپنی بیوی بچوں کے مجبور کرنے پر مثال کے آنے سے قبل اسلام آباد چلا جاتا ہے۔ مثال مشکل میں گھر جاتی ہے۔ پریشانی کی حالت میں اسے ایک نشئی تنگ کرنے لگتا ہے تو عاصمہ آکر اسے بچاتی ہے۔ پھر اپنے گھر لے جاتی ہے۔ جہاں سے مثال اپنے ماموں عمران کو فون کرکے بلواتی ہے اور اس کے گھر چلی جاتی ہے۔

عاصمہ کے حالات بہتر ہوجاتے ہیں۔ وہ نسبتاً "پوش ایریا" میں گھر لے لیتی ہے۔ اس کا کوچنگ سینٹر خوب ترقی کرجاتا ہے۔ مثال' واثق کی نظروں میں آچکی ہے تاہم دونوں ایک دوسرے سے واقف نہیں ہیں۔

عاصمہ کا بھائی ہاشم ایک طویل عرصے بعد پاکستان لوٹ آتا ہے اور آتے ہی عاصمہ کی بیٹیوں اریشہ اور اریبہ کو اپنے بیٹوں وقار' وقاص کے لیے مانگ لیتا ہے۔ عاصمہ اور واثق بہت خوش ہوتے ہیں۔

سیفی' مثال پر بری نیت سے حملہ کرتا ہے تاہم مثال کی چیخوں سے سب وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ سیفی الٹا مثال پر الزام لگاتا ہے کہ وہ اسے بہکارہی تھی۔ احسن کمال بیٹے کی بات پر یقین کرلیتا ہے۔ مثال اور بشریٰ مجبور اور بے بسی سے کچھ کہہ نہیں پاتیں۔ احسن کمال پوری فیملی سمیت دوسرے ملک میں شفٹ ہوجاتا ہے۔ بشریٰ مثال کو مستقل عدیل کے گھر چھوڑ جاتی ہے۔ جہاں عفت اور پریشے اسے خاطر میں نہیں لاتیں۔ واثق کو بہت اچھی نوکری مل جاتی ہے۔ مثال اور واثق کے درمیان ان کہا سا تعلق بن جاتا ہے۔ مگر مثال کی طرف سے دوستی اور محبت کا کوئی واضح اظہار نہیں ہے۔ واثق البتہ کھل کر اپنے جذبات کا اظہار کرچکا ہے۔ واثق' عاصمہ سے اپنی کیفیت بیان کردیتا ہے۔ عاصمہ خوش ہوجاتی ہے مگر غائبانہ ذکر پر بھی مثال کو پہچان نہیں پاتی۔ واثق عاصمہ کو لے کر مثال کے گھر ملنے جاتا ہے۔ مگر دروازے پر عدیل کو دیکھ کر عاصمہ کو برسوں پرانی رات یاد آجاتی ہے۔ جب نبیر نے عاصمہ کی عصمت دری کرکے اسے ویرانے میں چھوڑ دیا تھا اور عدیل نے عاصمہ کو گھر پہنچایا تھا۔ اگرچہ عدیل نے اس وقت بھی نہیں سمجھا تھا کہ عاصمہ پر کیا بیتی ہے اور اب بھی اس نے عاصمہ کو نہیں پہچانا تھا مگر عاصمہ کو عدیل بھی یاد تھا اور اپنے ساتھ ہونے والا وہ بھیانک حادثہ بھی۔ شرمندگی اور ذلت کے احساس سے عاصمہ کو انجائنا کا اٹیک ہوجاتا ہے۔ واثق دروازے سے ہی ماں کو اسپتال لے جاتا ہے۔ مثال اس کا انتظار کرتی رہ جاتی ہے۔ پھر بہت سارے دن یوں ہی گزر جاتے ہیں۔ ان ہی دنوں عدیل اپنے دوست کے بیٹے فہد سے مثال کا رشتہ طے کردیتا ہے۔ عفت' مثال کے لیے اتنا بہترین رشتہ دیکھ کر بری طرح جل جاتی ہے۔ اس کی دلی خواہش ہے کہ کسی طرح یہ رشتہ پریشے سے طے ہوجائے۔ مثال بھی اس رشتے پر دل سے خوش نہیں ہے۔ مگر وہ اپنی کیفیت سمجھ نہیں پارہی۔ عاصمہ کی طبیعت ذرا سنبھلتی ہے تو وہ مثال کی طرف جانے کا ارادہ کرتا ہے۔ اتفاق سے اسی دن مثال کی فہد سے منگنی کی تقریب ہورہی ہوتی ہے۔ وہیں کھڑے کھڑے واثق کی ملاقات پریشے سے ہوجاتی ہے جو کافی نازو ادا سے واثق سے بات کرتی ہے اور اس بات سے بے خبر ہوتی ہے کہ اس کی کلاس فیلو رضوہ جو اسے بہت پسند کرتی ہے' واثق کی بہن ہے۔ منگنی کے بعد مثال ایک دم شادی سے انکار کردیتی ہے۔ عفت خوش ہوجاتی ہے۔ عدیل بہت غصہ کرتا ہے اور بشریٰ کو فون کرکے مثال کو بھیجنے کی بات کرتا ہے۔ گھر میں ٹینشن پھیلی ہے۔ اسی ٹینشن میں مثال کالج کی لائبریری میں واثق سے ملتی ہے۔ واپسی میں عفت اسے واثق کے ساتھ دیکھ لیتی ہے اور عدیل کو بتادیتی ہے۔ عدیل از حد پریشان ہوجاتا ہے۔ پریشے' ورد سے ملنے اس کے گھر جاتی ہے تو واثق سے ملاقات ہوجاتی ہے۔

اٹھائیسویں قسط

وہ دائیں بائیں آگے پیچھے کسی بھی طرف دیکھے بغیر کچھ بھی سوچے بغیر بس چلتا چلا جارہا تھا۔

بار بار اس کی آنکھوں کے آگے دھندلے پانی کی چادر تن جاتی' وہ بس وقفے وقفے سے آستین کی پشت سے دونوں آنکھوں کو رگڑتا اور چلتا جاتا۔

اسے یہ بھی خیال نہیں آیا تھا کہ گاڑی میں ہی بیٹھ جاتا یا آنے سے پہلے کسی کو بتا ہی آتا مگر کیا بتا کر آتا؟ وہ کہاں جارہا ہے' کس لیے جارہا ہے۔ اور اسے تو یہ بھی سوچ سوچ کر خود پر بہت غصہ آئے جارہا تھا کہ وہ عاصمہ کے سرسری سے ہی کہنے پر فنکشن میں شامل ہونے کیوں چلا آیا۔ سوال عجیب بے ایمان' دھوکے باز جو اس قیامت جیسی گھڑی میں بھی ایک نظر بس مثال کو دیکھ لینا چاہتا تھا۔ وہ عروسی جوڑے میں اس کے خوابوں سے بھی بڑھ کر

خواب ناک لگ رہی تھی۔
مگر جیسے وہ ایک خواب ہی تو تھا صرف اس کی آنکھوں سے پھر پانی چھلکنے لگا۔
"میں پہلے دن سے جانتا تھا۔ مثال میرے لیے نہیں ہے پھر میں نے پہلے ہی قدم پر خود کو روک کیوں نہ لیا۔"
وہ ایک دم سے نڈھال ہو کر سڑک کے کنارے شور مچاتی ٹریفک کی روانی سے بے خبر بیٹھ گیا۔
جیسے ہی نکاح خواں فہد اور مثال کے سامنے جا کر بیٹھا۔ واثق کو لگا جیسے کسی نے اس کے دل پر زور سے مکا مارا ہو وہ ایک لمحہ بھی وہاں رکے بغیر خاموشی سے باہر نکل آیا پھر اس کے بعد اس کے دماغ میں جانے کیا سمایا کہ وہ کسی بھی سمت کا تعین کیے بغیر بس بہت دور تک چلتا گیا۔
"اب تک نکاح ہو چکا ہو گا۔ وہ ہمیشہ کے لیے کسی اور کی ہو چکی ہو گی" اس کے اندر سے ہوک سی اٹھی۔ پہلی بار اسے لگا اس کی زندگی خالی ہو گئی ہے۔ ہر مقصد ' ہر خواہش ' ہر خواب سے خالی۔ اس زندگی کا وہ کیا کرے گا۔ اس کے دل میں شدت سے خودکشی کی خواہش زور پکڑ رہی تھی۔
"میں اس بے مقصد زندگی سے نجات پالوں گا مگر اماں اور روحی..." اس کی آنکھیں پھر نم ہونے لگیں۔

☼ ☼ ☼

نکاح خواں تو کیا کوئی بھی اس اچانک صورت حال کے لیے تیار نہیں تھا اور مثال کو ایک لمحے کے لیے ایسا لگا' جیسے کسی نے یخ پانی بھری بالٹی اس کے اوپر انڈیل دیا ہو' وہ اندر تک جیسے شانت ہو گئی تھی۔ یہ آنے والی عورت کوئی فراڈ بھی ہو سکتی تھی۔ کوئی بلیک میلر بھی۔ فہد اور آنٹی ' انکل کے مخالفوں کی کوئی سازش! کوئی بڑا جان دار جھوٹ... کچھ دیر بعد اس عورت کو اور اس بچی کو ذلیل کر کے یہاں سے نکال دیا جائے گا اور پھر سے فہد اور مثال کے نکاح کا سلسلہ شروع کر دیا جائے گا۔ یہ سب کچھ بہت ممکنات میں سے تھا۔
مگر اس لمحے صرف ایک لمحے کی سرخوشی ' انوکھی سی رہائی کے احساس نے مثال کو سرشار کر دیا تھا۔
اس نے بہت ممنون و محبت بھری نظروں سے اس واجبی سی شکل و صورت والی الٹرا ماڈرن لڑکی نما عورت کو دیکھا جس کے بال گہرے سرمئی تھے۔ اس کی آنکھوں کے ہم رنگ ان نیلگوں گہرائیوں میں بڑی گہری سرد مہری تھی' جیسے وہ سب کچھ جلا کر بھسم کر دینے کے بعد بھی بہت سکون سے کھڑی ہو۔
اس کی آنکھوں سے چھلکتی سفاکی اس کی فطرت کی سختی کا پتا دے رہی تھی۔
"کیا... کیا بولا آپ نے اور کون ہیں یہ وقار! بھابھی! یہ عورت کیا کہہ رہی ہے؟" عدیل کے دل کے آس پاس بہت سے شیشے چٹخے تھے۔
وہ بے یقین سا پاس کھڑے وقار کے بازو کو جیسے دبوچ کر اٹک اٹک کر بولا۔
"جھوٹ بکواس بالکل غلط۔" وقار نے دانت بھینچے نفرت بھرے لہجے میں جیسے سرگوشی کی تھی' دوسرے لمحے وہ عدیل کو جھٹک کر اس لڑکی کی طرف بڑھا تھا۔
اگر عدیل عفت کا کندھا نہ تھام لیتا تو وہ یقیناً گر جاتا۔
"میں تمہارا منہ توڑ دوں گا۔ گھٹیا ذلیل بلیک میلر! چلو یہاں سے۔ یہ جگہ ہے تمہاری بکواس کرنے کی۔ باہر گاڑی میں بیٹھو جا کر۔ میں آ کر بات کرتا ہوں تم سے۔"
"کیا بات کریں گے آپ مجھ سے؟" وہ نفرت بھرے سرد لہجے میں اپنا بازو چھڑا کر غرائی۔ اتنے سارے لوگوں کی موجودگی میں جیسے وہاں ہو کا عالم تھا سوئی بھی گرتی تو اس کے گرنے کی آواز صاف سنائی دے جاتی اور مثال کی حالت

ابھی بھی بہت پُرسکون تھی' وہ جو اتنے دنوں سے اس کے دل میں بے چینی' ہلچل اور اضطراب تھا آج جیسے ان ساری بے یقین کیفیات کا خاتمہ ہو گیا تھا۔
وہ اسٹیج پر بیٹھی سامنے ڈٹ کر کھڑی لیلیٰ اور وقار کو یوں دیکھ رہی تھی' جیسے وہ سب کسی اور کے بارے میں ہو رہا ہو۔
"کیوں جاؤں میں باہر... میں نہیں جاؤں گی باہر۔ فہد کی بیوی ہوں میں' آج سے نہیں چھ سال سے اور آپ مجھے یہاں سے جانے کو کہہ رہے ہیں تاکہ آپ لوگ دھوکے سے میرے شوہر کی دوسری شادی کرا دیں۔" وہ اسی سرد' خود سر لہجے میں کہہ رہی تھی۔
"لیلیٰ! چلو یہاں سے۔" فائزہ کو شوہر کی مدد کے لیے اسٹیج سے اتر کر آنا پڑا۔
اس نے قدرے نرم' مہذب لہجے میں سرگوشی کی تھی۔
"Never (ہرگز نہیں)" لیلیٰ دو ٹوک لہجے میں بولی۔
وہ فائزہ کو پرے دھکیل کر تیزی سے اسٹیج پر چڑھ آئی تھی۔ اس نے ایک دم سے مثال کو کندھے سے پکڑا تھا۔
"تم جانتی ہو کہ تم اس شخص کی دوسری بیوی بننے جا رہی ہو۔" وہ مثال کے سجے سنورے چہرے کو نفرت سے دیکھ رہی تھی۔
"لیلیٰ! یہ کیا تماشا ہے' چلو یہاں سے؟" فہد کو بالآخر اٹھ کر اس کے بے خوف انداز کو ٹوکنا پڑا۔
"اوہ' تماشا... تمہارا مطلب ہے' میں یہاں تماشا کرنے آئی ہوں اور تم کیا کر رہے ہو؟" وہ مثال سے ہٹ کر فہد کے سامنے جم کر کھڑی ہو گئی۔
"وقار! اس پاگل لڑکی کو لے جائیں یہاں سے۔ یہ ہماری عزت دو کوڑی کی کر دے گی۔ یہ کیا کرنے جا رہی ہے۔ اس کو لے جائیں یہاں سے۔" فائزہ کو ٹھنڈے پسینے آ رہے تھے۔ وہ رندھی ہوئی آواز میں وقار سے منت کر رہی تھی۔
"مجھے نہیں لگتا فائزہ! اب ایسا کچھ ہو گا۔ اس کا کچھ فائدہ نہیں۔ ہونے والی بات ہو کر رہے گی۔" وقار کے لہجے میں مکمل ہار تھی۔
"میں تمہیں ساری بات بتا کر آیا تھا پھر یہاں آ کر یہ سب ڈراما کرنے کی کیا ضرورت پیش آئی تمہیں؟" فہد کی آنکھوں سے چنگاریاں نکل رہی تھیں۔
"جھوٹ بول رہے ہو تم۔ تم مجھے کچھ بتا کر نہیں آئے۔" وہ زور سے چلائی تھی۔
"تمہاری ماں ہاسپٹل میں ہے اور تم اس کی عیادت کو جا رہے ہو' یہ کہہ کر آئے تھے تم مجھ سے۔"
اس کی آنکھوں میں نمی تھی' دکھ تھا' بے یقینی تھی اور بہت سا رنج تھا۔
مثال کو اس پر بے تحاشا رحم آیا۔
اس کی نظریں دور کھڑی اس کی چھوٹی سی بچی پر جم گئیں۔ اسے لگا وہ خود اس بچی کی جگہ کھڑی ہے اور اس کے ماں باپ وحشی جانوروں کی طرح لڑ رہے ہیں۔
اس کا بے اختیار جی چاہا' وہ اسٹیج سے بھاگتی ہوئی جائے اور اس بچی کو اپنے سینے میں چھپا لے۔
وہ یک ٹک اس ننھی بچی کو دیکھے جا رہی تھی' جس کی آنکھوں میں خوف تھا اور ڈر بھی۔
"کون ہے یہ' فہد! تمہاری بیوی ہے؟" عدیل کو بہت دیر لگی تھی خود کو سنبھالنے میں۔
اور ایسا تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا کہ اس کی مثال کا نصیب یوں بننے سے پہلے ہی ٹوٹ کر بکھر جائے گا۔

صرف ایک بار، صرف ایک بار اس نے بشریٰ کو طلاق دیتے ہوئے مثال کے بارے میں کچھ نہیں سوچا تھا اور اس کے ساتھ بہت برا کر ڈالا تھا۔
اس ایک اختیاری زیادتی کے بعد اس نے جب جب مثال کے لیے اچھا کرنا چاہا اس کے ساتھ مزید برا ہی ہو رہا تھا جیسے کہ اب!
"انکل۔۔۔ نہیں ہے۔۔۔ میں بات کر رہا ہوں۔" فہد کو عدیل کو دیکھ کر ٹھنڈے پسینے آنے لگے تھے۔
"میں تم سے پوچھ رہا ہوں کہ یہ تمہاری بیوی ہے؟" عدیل جیسے ساری برداشت کھو کر بولا تھا۔ بہت تیز آواز میں۔
"اسے اپنے منہ سے بتاتے ہوئے شاید شرم آتی ہے۔ میں اس کی بیوی ہوں۔ یہ ہم دونوں کی بیٹی ہے اور آپ کی بیٹی صرف اس کے ماں باپ کی بہو ہوگی کہ وہ اپنی ضد سے آپ کی بیٹی کو بیاہ رہے ہیں۔"
لیلیٰ کی آنکھوں کی سرد جھیلیں اب گرم پانیوں میں ڈھل چکی تھیں۔
وہ ضبط کرتے ہوئے بھی اپنے آنسو روک نہیں پا رہی تھی۔ اسے شاید فہد سے ایسی اجنبیت کی امید نہیں تھی۔
"تو تم نے ہمیں دھوکا دیا؟" عدیل پتھریلے لہجے میں غرآیا۔ اس نے فہد کے چوڑے کندھے کو بہت سختی سے اپنی طرف گھمایا تھا۔
"نہیں انکل! یقین کریں ایسا کچھ نہیں ہے یہ۔۔۔ تو۔۔۔"
"کیا یہ بکواس ہے۔۔۔ جھوٹ ہے، یہ تمہاری بیوی ہے۔ تم منہ سے اقرار نہیں کر رہے تو کیا یہ بچی تمہاری نہیں؟ کیا اس کے لیے بھی انکار کرو گے بولو۔" عدیل کی پھٹی ہوئی آواز اب کپکپا رہی تھی۔
فہد کا سر جواب میں جھک گیا۔ اس سے بڑا اقرار اور کیا ہو سکتا تھا۔ فائزہ نے تڑپ کر وقار کی طرف دیکھا۔
"جائیں، بات کریں وقار!" وہ بے قراری سے بولی تھی۔
"کچھ نہیں بچا اب بات کرنے کو اور کس منہ سے جا کر میں بات کروں گا میں نے دوست بھی کھو دیا اور عزت بھی۔" وہ شکست خوردہ تھا۔
"وقار پلیز، جائیں ورنہ۔" فائزہ نے شاید اس کی کوئی بات نہیں سنی تھی۔ اسی طرح بے قراری سے بولی۔
"تم نے ہمیں دھوکا کیوں دیا؟ کیا بگاڑا تھا ہم نے تمہارا۔۔۔ میں نے، میری بیٹی نے؟" عدیل وہیں اپنے قدموں پر کھڑا جیسے بکھر سا گیا تھا۔
"انکل! ایسی بات نہیں ہے۔ میں چاہتا تھا۔ آپ کو یہ سب معلوم ہو مگر۔" فہد انگلیاں آپس میں جکڑ کر مضطرب لہجے میں بولتے ہوئے فاصلے پر کھڑے وقار کو دیکھنے لگا۔
اسے باپ کی مدد کی ضرورت تھی اور وقار کسی بھی طرح خود کو عدیل کا سامنا کرنے کے قابل نہیں پا رہا تھا۔
"کیا بتانا چاہتے تھے تم کہ ہمارے ساتھ، ہماری عزت کے ساتھ تم باپ بیٹا کھیل کرنا چاہتے ہو اور یہ سب کچھ سوچتے ہوئے تم نے ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سوچا کہ تم خود بھی ایک بیٹی کے باپ ہو۔ عفت! مثال کو اندر لے جاؤ۔" اس نے مڑ کر کہا تھا۔

☼ ☼ ☼

"مما! کیا ہو گیا ہے آپ کو۔ کتنی دیر سے فون لیے بیٹھی ہیں۔ کس سے بات کر رہی ہیں آپ؟"
آئینہ بشریٰ کے کمرے میں آ کر سخت کوفت بھرے انداز میں بولی تھی۔
بشریٰ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔
فون اس کے ہاتھوں میں تھا، وہ وقتاً فوقتاً کبھی مثال کا نمبر ملاتی اور کبھی عدیل کا مگر دونوں میں سے کوئی بھی کال ریسیو نہیں کر رہا تھا۔
"مما!" وہ اس کی خاموشی پر پھر بولی۔
"کچھ کام ہے آئینہ تمہیں مجھ سے؟" وہ سرد لہجے میں بولی۔ اس لمحے اسے کسی کی بھی موجودگی نہیں چاہیے تھی۔ آئینہ نے چونک کر ماں کو دیکھا۔
"بھائی آپ کو دوسرے نمبر پر کال کر رہے ہیں، آپ کا نمبر مسلسل بزی مل رہا ہے انہیں۔ وہ آپ سے بات کرنا چاہتے ہیں۔"
وہ ماں کے انداز پر فوراً بولی۔
"اس سے کہہ دو جا کر میں سو رہی ہوں، میری طبیعت اچھی نہیں ہے، سو کر اٹھوں گی تو میں خود کال بیک کر لوں گی اسے۔"
آئینہ کو معلوم تھا۔ سیفی کا نام سن کر بشریٰ کی آواز بے تاثر رہتی ہے مگر اس کی آنکھوں میں کتنی ناگواری اور کوفت ہوتی ہے، وہ صرف آئینہ ہی محسوس کر سکتی تھی۔
"مثال آپی سے بات کر رہی ہیں؟"
وہ ماں سے ہمدردی بھرے لہجے میں پوچھنے لگی، جب بھی بشریٰ یوں گھر کے کونوں کھدروں میں آ کر فون لیے بیٹھتی تھی، آئینہ کو پتا چل جاتا تھا۔ وہ مثال سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔
"نہیں۔" بشریٰ قطعیت سے بولی۔
"میں جا رہی ہوں مما! لیکن پلیز آپ اتنا اسٹریس نہیں لیں، صاف نظر آ رہا ہے۔ آپ بہت پریشان ہیں۔ مثال آپی ٹھیک ہوں گی۔ آج ان کی شادی ہے نا! آپ بتا رہی تھیں مجھے لاسٹ ویک۔" ایک دم سے یاد آنے پر وہ ماں کے پاس دو زانو بیٹھ کر ہمدردی سے اس کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر بولی تو بشریٰ کے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے۔ وہ آئینہ کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

☼ ☼ ☼

"عدیل! میری بات سنو خدا کے لیے۔" وقار نے پیچھے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھے تھے۔
عدیل لمحہ بھر کو ساکت کھڑا رہا پھر سرد مہری سے اس نے وقار کے ہاتھ کندھے سے ہٹائے تھے۔
"مجھے تم سے کوئی بات نہیں کرنی۔ تم نے دوست ہو کر جس طرح میرے سینے میں خنجر گھونپا ہے۔ وقار! تم میری نظروں سے نہیں گرے میں خود اپنی نظروں سے گر گیا ہوں کہ میں نے تم جیسے دھوکے باز کو دوست سمجھا، تم پر اعتبار کیا۔"
عدیل کا لہجہ کرچی کرچی تھا اور آنکھوں میں جیسے خون چھلک رہا تھا۔
"میں خود کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔" عدیل خود کو سنبھال کر نفرت بھرے لہجے میں وقار پر نظریں گاڑ کر بولا۔
"نہ کرنا معاف، لیکن میری نیت پر شک نہیں کرو بخدا میں نے مثال کو اپنی بیٹی۔۔۔"
"نام مت لو میری بیٹی کا اپنی زبان سے۔ تم تو اس قابل بھی نہیں ہو کہ خدا تمہیں بیٹی تو کیا دیتا تم کسی بیٹی کا نام بھی لے سکو۔"

عدیل کے لہجے میں کیا نہیں تھا جو وقار کو اپنی ہی نظروں میں گرا گیا۔
"تم جتنا چاہو مجھے لعن طعن کر لو مگر حقیقت یہی ہے میں مثال کو اپنی بیٹی ہی بنا کر لے جانا چاہتا تھا۔ لیلیٰ اس کی حقیقت میں تمہیں بتاؤں گا تو شاید تم یقین نہیں کرو۔"
"آپ مت بتائیں میری حقیقت میں ان کے سامنے کیا پوری دنیا کے سامنے کھڑے ہو کر اپنی حقیقت خود بتا سکتی ہوں۔" لیلیٰ ان کے پیچھے سے آئی تھی۔
عدیل باہر جانے لگا تھا تب وقار اس کے پیچھے آیا تھا۔ فہد اور فائزہ لیلیٰ کے ساتھ وہیں اسٹیج پر ہی تھے۔ مہمانوں میں ہونے والی چہ میگوئیاں اب با آواز بلند تبصروں میں بدل چکی تھیں۔
اور عدیل کو لگا تھا کہ اگر وہ یہاں کچھ دیر اور کھڑا رہا تو اس کا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔ وہ اس لیے وہاں سے بھاگا تھا۔

"میں ایک کال گرل تھی۔ جس سے ان کے بیٹے نے شادی کی تھی۔" لیلیٰ بغیر پلکیں جھپکے بے خوف لہجے میں بولی تھی۔ عدیل اس کی بات پر بے اختیار چونکا۔ وقار نے جیسے بے بسی سے سر جھکا لیا تھا۔
"مگر میں قرآن پر ہاتھ رکھ کر حلف اٹھانے کو تیار ہوں کہ ان کے بیٹے سے شادی کے بعد اور اس سے بھی ایک سال پہلے میں یہ سب کچھ چھوڑ چکی تھی۔" وہ رک رک کر بول رہی تھی۔
"مجھے اس دلدل سے نکالنے والا فہد تھا اور میں نے اس کی خاطر ہر گناہ کو چھوڑ کر پاکیزہ زندگی شروع کی تھی جو فہد کے ماں باپ کو گوارا نہیں تھی۔ یہ پہلے دن سے چاہتے ہیں کہ فہد مجھے چھوڑ دے اور یہ اپنی پسند سے خاندانی بہو..."

وہ کہتے کہتے آنسوؤں کو روک نہ سکی۔
"اللہ معاف کر دیتا ہے، انسان معاف نہیں کرتا۔ اس کے آگے صدق دل سے تین بار کہہ دو کہ اللہ میں نے توبہ کی تو وہ سارے گناہ بخش دیتا ہے، مگر انسانوں کے سامنے آپ صدیوں تک ناک رگڑتے رہیں معافیاں مانگتے رہیں۔ انسان معاف نہیں کرتے۔" وہ بھاری آواز میں بولی۔
"میں نے ان دونوں کو راضی کرنے کے لیے ہر وہ کام کیا جو کوئی بھی خاندانی بہو، بیوی کر سکتی ہے۔ میں گھر کی چار دیواری میں قید ہو گئی۔ میں نے حجاب لینا شروع کر دیا۔ میں نے ان کو خوش کرنے کے لیے کیا نہیں کیا مگر انہوں نے ان چھ سالوں میں مجھے ایک لمحے کے لیے بھی دل سے قبول نہیں کیا۔"
"تو پھر تم میرے بیٹے کا پیچھا کیوں نہیں چھوڑ دیتیں؟" وقار نفرت سے بولا۔
"پیچھا میں نہیں کر رہی اگر آپ کہتے ہیں تو میں ابھی آپ کے بیٹے کی زندگی سے نکل جاتی ہوں، آپ اس سے کہیں وہ مجھے ابھی طلاق دے دے یہاں سب کے بیچ میں، لیکن اس سے پہلے میں ان سارے لوگوں کو اپنی حقیقت ضرور بتاؤں گی۔"
وہ وقار کی آنکھوں میں دیکھ کر بولی۔ جس میں کھلا چیلنج تھا۔

☼ ☼ ☼

"مما! یہ کیا ڈراما ہے؟" وردہ کے لیے یہ سب کچھ بہت عجیب تھا عجیب تو عاصمہ کے لیے بھی بہت تھا بلکہ بہت غیر متوقع بھی!
اگرچہ وہ واثق کے جذبات سے مثال کی محبت کی شدت سے واقف تھی لیکن ایسا تو اس نے بھی کبھی نہیں سوچا تھا۔ کبھی نہیں چاہا تھا۔
سب سے بڑھ کر وہ خود بیٹیوں والی تھی اور اس وقت جو سچویشن تھی اس نے اسے بہت دل گرفتہ اور بہت خوف زدہ سا کر دیا تھا۔
مثال پر اس وقت کیا گزر رہی ہو گی اور اس کے ماں باپ پر۔ اسٹیج پر اب کیا ہو رہا تھا، کسی کے لیے بھی دلچسپی کا باعث نہیں رہا تھا۔
وقار، عدیل سے بات کرنے گیا تھا تو فائزہ کو کچھ امید تھی کہ شاید بات بن جائے۔ وہ فہد کو لیے ایک طرف مضطرب سی کھڑی تھی۔
بظاہر پُراعتماد لیکن کسی سے بھی نظریں ملانے سے گریزاں۔ اس وقت لیلیٰ نے عین وقت پر آ کر جس طرح انٹری دی تھی ان کا خاندانی کردار ہی مشکوک ہو کر رہ گیا تھا۔
"مما! اب کیا ہو گا۔" وردہ پھر اس کے کانوں میں منمنائی۔
"واثق کہاں ہے؟" عاصمہ کو بہت دیر بعد خیال آیا تھا۔
"پتا نہیں۔ شاید چلے گئے ہوں گھر۔ وہ پہلے ہی کب آنا چاہ رہے تھے ہمارے ساتھ۔" وردہ کچھ برا سا منہ بنا کر بولی۔ وردہ واثق سے کچھ کچھ بجی بجی رہنے لگی تھی۔
عاصمہ سب دیکھ رہی تھی مگر خاموش تھی۔ وہ پری کی فطرت کو تو سمجھ گئی تھی لیکن چاہتی تھی کہ وردہ پری کو خود سمجھے اگر عاصمہ بار بار اسے ٹوکتی منع کرتی تو وہ شاید ضد میں آ کر پری کے ساتھ کچھ اور بھی جذباتی تعلق جوڑ لیتی۔
"مما! یہی ہے وہ لڑکی جو اس دولہا میاں کی پہلی بیوی ہے ویسے دیکھیں تو لوگ ہوتے کیا ہیں اصل میں اور دکھتے کیا ہیں۔ دونوں ہی اس طرح کے نہیں لگ رہے چیٹر۔"
لیلیٰ اب دونوں کے پاس سے گزری تھی جب وردہ اسے کن اکھیوں سے دیکھ کر منہ میں بڑبڑائی تھی۔
"کسی کے بھی بارے میں کچھ بھی بہت یقین سے کہنا ممکن نہیں ہوتا وردہ۔" عاصمہ اسے نرمی سے کہہ گئی۔
"پلیز مما! ہر جگہ لیکچر تو اچھی بات نہیں ہے۔ اچھا۔ اب یہ لوگ کیا کریں گے؟"
وہ کچھ دلچسپی سے پوچھنے لگی جیسے یہاں کوئی فلم چل رہی ہو۔ عاصمہ کچھ سخت بولتے بولتے رہ گئی۔
"آج کل کے بچوں کو براہ راست نصیحت کرنے کا کچھ بھی فائدہ نہیں۔" وہ سوچ کر خاموش ہو رہی۔
"پتا نہیں بیٹا! یہ معاملہ اب کس طرح سیٹل ہو گا۔ مشکل تو بہرحال بہت کڑی ہے، خاص طور پر اس بچی اور اس کے پیرنٹس کے لیے۔" عاصمہ دکھ سے بولی۔
"میں پری کو دیکھتی ہوں۔ کہاں ہے۔ اسی سے آگے کی سچویشن کا کچھ پتا چلے گا۔"
وردہ کچھ چٹخارہ سا لے کر بولی۔ اس کی نظریں مسلسل فہد، فائزہ اور لیلیٰ پر جمی تھیں۔ ایسا ہی حال وہاں موجود لوگوں کا بھی تھا۔ سب ہی کو آگے ہونے والی سچویشن کا جیسے انتظار تھا۔
بلکہ کچھ لوگ تو آہستہ آہستہ وہاں سے جانے لگے تھے۔ کیونکہ گھر کے لوگوں میں سے اب وہاں کوئی بھی موجود نہیں تھا۔
"واثق کا پتا کرو کہاں ہے وہ۔" عاصمہ کچھ بے چینی سے بولی۔
"آپ فون کر لیں میں ذرا پری کے پاس سے ہو کر آتی ہوں۔" وہ ان سنی کر کے چلی گئی۔ عاصمہ واثق کا نمبر ملانے لگی۔

☼ ☼ ☼

وہ پٹی کرکے کلائیوں میں پڑے گجروں کو ادھیڑتی جارہی تھی۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔
آنکھوں میں سجا گہرا کاجل اسی طرح تھا ذرا بھی آنکھوں کے کناروں سے باہر نہیں پھیلا تھا۔
وہ شاید اپنے ساتھ ہونے والی اس خوفناک ٹریجڈی پر ذرا سی بھی نہیں روئی تھی۔
بلکہ اس کی تو آنکھیں بھی نم نہیں ہوئی تھیں۔
اور شاید یہ اس کی زندگی کا واحد حادثہ تھا جس کا تعلق براہ راست اس کی ذات سے اتنا قریبی تھا اور اس کی آنکھیں خشک تھیں۔
"میں نے ایسا نہیں سوچا تھا اور شاید چاہا بھی نہیں تھا بلکہ میں تو دل سے یہ سب کچھ قبول کرچکی تھی۔ پاپا کی خوشی کے لیے ان کی رضامندی کے لیے 'پھر ایسا کیوں ہوا۔"
بہت دیر بعد کچھ خیال آنے پر اس نے دکھ سے سوچتے ہوئے رونا چاہا مگر آنکھیں ہنوز خشک تھیں۔
"پاپا کتنے پریشان ہوں گے۔ مجھے ان کے پاس جانا چاہیے۔ انہیں تسلی دینا چاہیے 'ان سے بات کرنا چاہیے۔" اسے ایکدم سے خیال آیا تو وہ کھڑی ہو گئی۔
اس کا زرتار دوپٹہ کرسی کے کنارے سے الجھا تھا۔
"اوہ! مجھے اس کو تو اتار دینا چاہیے۔" وہ جھلا کر دوپٹے میں لگی پنوں کو تلاش کرنے لگی۔
"ٹھہر جاؤ' مت اتارو ابھی اس کو۔" عفت اندر آتے ہوئے کچھ عجیب سے لہجے میں بولی۔
مثال کے ہاتھ وہیں ٹھٹک کر رہ گئے۔
عفت اس کے قریب آکر اسے یوں غور سے دیکھنے لگی جیسے اس نے پہلی بار مثال کو دیکھا ہو۔
"جاتے جاتے بھی مجھے لگتا ہے تم ہمارے لیے کوئی بہت بڑی پہاڑ سی مصیبت کھڑی کرکے ہی جاؤ گی۔" وہ کچھ دیر بعد جب زہر خند لہجے میں بولی تو مثال کے اندر دھڑام سے کچھ ٹوٹا تھا۔
اور وہ جو اتنی دیر سے ساروں کے بیچ تماشا بنی تھی اور اسے کسی بھی بات پر رونا نہیں آرہا تھا۔ عفت کی اس بات پر اس کا جی چاہا' وہ یہیں زمین پر دو زانو بیٹھ جائے اور دھاڑیں مار مار کر روئے۔ وہ ضبط سے صرف ہونٹ کچل کر رہ گئی۔
"یہ کوئی چھوٹی اور معمولی بات نہیں ہے۔" عفت پھر سے بڑبڑائی تھی اس کی آنکھوں میں سخت بیزاری تھی۔
"ایک بار تمہاری بارات یہاں سے خالی چلی گئی تو پھر دوسرا رشتہ اتنی آسانی سے کہاں آئے گا اور اس بات کی پروا نہ تو تمہارے باپ کو ہوگی اور نہ تمہیں۔"
وہ یوں جلے کٹے لہجے میں بول رہی تھی جیسے اس ساری سچویشن کی ذمہ دار مثال ہی ہو۔
"آپ عفت ماما! آپ کیا چاہتی ہیں۔ کیا ہونا چاہیے 'مجھے کیا کرنا چاہیے 'پھر کہ آپ سب کے لیے میں کسی طرح کی مصیبت کھڑی نہ کروں۔" ہمت ٹوٹ ٹوٹ کر اس نے یہ جملے ادا کیے تھے۔
اس کے دل کو عجیب سا گمان تھا کہ شاید جواب میں عفت اسے بے اختیار گلے سے لگالے گی۔
آج شام میں بھی جب وہ پارلر سے تیار ہوئی تھی تو عفت اسے لینے آئی تھی تب بے اختیار اس کا دل چاہا' وہ اسے پیار کرتے ہوئے گلے سے لگائے' دنیاداری کو سہی۔ مگر ایسا کچھ نہ ہوا۔
بلکہ جب اسی لمحے پری تیار ہو کر آئی تو عفت نے بے اختیار اسے گلے سے لگا کر بہت سارا پیار کیا تھا اور پری کو ڈھیروں ڈھیر دعائیں دی تھیں وہ ساری دعائیں جن کی ان لمحوں میں مثال کو شدت سے طلب تھی۔

صرف اس لیے اس کی آنکھیں بھیگی تھیں اور اسے بشریٰ کی یاد ٹوٹ کر آئی تھی۔
"مجھ سے پوچھو گی یہ تم؟" وہ کچھ طنز سے جتانے والے انداز میں بولی۔ مثال کچھ بول ہی نہیں سکی بس بے بسی سے اسے دیکھتی رہی۔
پھر پوچھنے والے انداز میں عفت بولی تھی۔
"میرا بس چلے تو اب جیسا بھی ہے۔ بھئی کھاتے پیتے لوگ ہیں۔ کون سے کنگلے ہیں۔ دو بیویاں آرام سے افورڈ کر سکتا ہے فہد ایک امریکہ میں رکھے ایک یہاں اماں باوا کے پاس تو کچھ برائی نہیں۔"
او مثال سکتے کے عالم میں عفت کو دیکھتی رہ گئی۔
اور اسے عفت کی بات میں ہی اپنے بہت سارے سوالوں کا جواب بھی مل گیا کہ فہد اس روز ڈنر کے دوران اس سے کیا کہنا چاہتا تھا۔
وہ وہاں اپنی بیوی اور بچی کے ساتھ خوش تھا۔
مثال سے یہاں شادی کرنے کا مقصد صرف ماں باپ کے پاس کسی کی موجودگی کے لیے تھا کہ وہاں اسے یہ فکر نہیں ہو کہ فائزہ اور وقار اکیلے ہیں۔
کس خوب صورتی سے اس سارے کھیل کو سجایا گیا تھا عدیل اور مثال کتنے آرام سے اس جال میں آ گئے تھے۔ عدیل ان کی محبت اور دولت دیکھ کر اور مثال باپ کی خوشی اور رضامندی کے لیے!
"خیر۔ ابھی تم یہ بناؤ سنگھار رہنے دو اسی طرح۔ زیادہ عجلت پسندی کی ضرورت نہیں کہ کپڑے وغیرہ بدلنے بیٹھ جاؤ۔ ابھی باہر بات چیت چل رہی ہے کچھ بھی فیصلہ ہو سکتا ہے۔ تم یہاں بیٹھ کر سکون سے انتظار کرو میں ذرا باہر کے حالات دیکھوں جا کر۔" وہ اسے سکون سے بیٹھنے کا مشورہ دے کر تیزی سے باہر نکل گئی۔
"کچھ بھی فیصلہ ہو سکتا ہے۔" مثال کا دل بے اختیار دھڑکا تھا اگر پاپا صرف بارات واپس لوٹ جانے کے خوف میں آ کر مجھے فہد کو سونپنے کا فیصلہ کر بیٹھے تو۔"
اسے لگا اس کا دل بند ہو جائے گا۔ اس کا سیل فون مترنم گھنٹی سے بجنے لگا۔
بشریٰ کی کال تھی۔
وہ بے بسی سے فون کو دیکھتی رہی۔
اگر میں ماما کو یہ سب بتا دوں گی تو خدا جانے ان کا وہاں کیا حال ہو گا۔ وہ مجھ سے کتنی ہی بے زار سہی لیکن یہ بات انہیں بہت ڈسٹرب کرے گی۔
"اور اسے چھپایا بھی نہیں جا سکتا۔" وہ کال ریسیو کرنے لگی۔
"کچھ بھی "فیصلہ" ہو سکتا ہے۔" عفت کی بات کی بازگشت اسے ٹھٹکا گئی۔
"نہیں سے مجھے ابھی ماما سے بات نہیں کرنی میں نہ چاہتے ہوئے بھی پھر ایک بار ان دونوں کا امتحان بن گئی ہوں۔"

اس نے کرب سے آنکھیں موند لیں۔
اسے لگا یہ گھڑیاں تھم گئی ہیں اور کبھی نہیں گزریں گی۔ آہستہ آہستہ اس کی آنکھوں کے کنارے نم ہونے لگے تھے۔

☆ ☆ ☆

"کہاں ہو تم واثق؟" بہت دیر میں واثق نے عاصمہ کی کال ریسیو کی تھی۔

وہ تین چار بار اسے فون کر چکی تھی۔ وہ فون نہیں اٹھا رہا تھا۔
"آپ گھر آ گئی ہیں؟" اس کی آواز میں زمانوں کی تھکن تھی۔ عاصمہ چونک گئی۔
"تم ٹھیک ہو ناں واثق۔ کہاں ہو اس وقت؟" وہ پریشانی سے پوچھنے لگی۔
"میں ٹھیک ہوں آپ پریشان نہیں ہوں۔" وہ اپنی تھکی ہوئی آواز میں آہستگی سے بولا۔
"تم مجھے بالکل بھی ٹھیک نہیں لگ رہے ہو۔ تم فوراً" یہاں آ جاؤ۔ ابھی اس وقت۔" وہ لوگوں کے رش سے ذرا ہٹ کر اکیلے گوشے میں کھڑی واثق سے بات کر رہی تھی۔ معاملہ ابھی تک یہاں جوں کا توں تھا۔
"آ جاتا ہوں میں تھوڑی دیر میں۔"
وہ گہرا سانس لے کر دھیمی آواز میں بولا۔
"واثق! یہاں بہت بڑا مسئلہ ہو گیا ہے۔"
عاصمہ کچھ سوچ کر پریشان لہجے میں بولی تو واثق ایک دم سے چونک گیا۔
"کیا ہوا امی! آپ ٹھیک ہیں۔" ورنہ تو ٹھیک ہے نا! وہ بے چینی سے بولا۔
"ہم دونوں ٹھیک ہیں بالکل مگر یہاں مثال کے گھر میں۔ ابھی یہیں ہوں میں یہاں کچھ مسئلہ ہو گیا ہے میں چاہتی ہوں۔ تم یہاں آ جاؤ۔" وہ رک رک کر مبہم لہجے میں بولی۔ تو واثق لمحہ بھر کو ٹھٹک گیا۔
"مثال کو کیا ہوا۔ وہ ٹھیک ہے؟ امی پلیز بتائیں مجھے کیا ہوا ہے؟" اس کے لہجے کا اضطراب عاصمہ کو بھی تڑپا گیا۔
"فون پر بتانے والی بات نہیں ہے۔ واثق! میں یہاں تمہارا ویٹ کر رہی ہوں۔ تم جلدی سے آ جاؤ۔ تم آ رہے ہو نا پھر؟" اس نے تصدیق چاہنے کے لیے دوبارہ پوچھا۔
"آتا ہوں امی! کچھ دیر میں۔" اس نے کہہ کر فون بند کر دیا۔
"کیا ہوا ہو گا وہاں ایسا جو امی مجھے فون پر نہیں بتا رہیں۔" وہ وہیں اس رش والی سڑک کے کنارے بیٹھا سوچتا رہا۔ رات گہری ہو چکی تھی اور سڑک پر بھاگتی دوڑتی ٹریفک کا زور بھی کم ہو چکا تھا۔
واثق کو ابھی یہ اندازہ لگانا تھا کہ وہ اندھا دھند چلتے ہوئے گھر سے کتنی دور آ چکا ہے۔
اور جب اندازہ ہوا تو وہ ٹیکسی کو رکنے کے لیے اشارہ کر رہا تھا۔
"ہو سکتا ہے عدیل سر کے ساتھ کچھ مسئلہ ہو گیا ہو ان کی طبیعت نہ ٹھیک ہو۔" آخری بات جو اس کے خیال میں ہو سکتی تھی اس نے یہی سوچی۔
"مثال رخصت ہو کر جا چکی ہو گی۔" دوسرا بہت تکلیف دہ خیال جو اس کے دل میں کسی تیر کی طرح پیوست ہوا تھا اسے آیا تو اس نے سیٹ کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں۔
اسے پھر سے اپنی زندگی کی بے مقصدیت اور خالی پن بے قرار کرنے لگا تھا جبکہ اسے معلوم تھا اس بے قراری کا علاج اب کسی کے پاس بھی نہیں ہے۔

☆ ☆ ☆

"تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے عفت؟" عفت کی توقع کے عین مطابق عدیل بھڑک اٹھا تھا اس کی بات سن کر۔
عفت کا چہرہ سپاٹ تھا۔ جیسے اس نے بہت معمولی بات کی ہو۔
"تو آپ کیا چاہتے ہیں۔ جب یہ بارات خالی لوٹ جائے گی۔ اس کے بعد ہم سب کے دماغ درست رہیں گے۔ یہ دنیا جینے دے گی ہمیں۔ اس لڑکی کا جب بھی جہاں بھی دوسرا رشتہ ہونے لگے گا کیا وہ لوگ وجہ نہیں پوچھیں گے

اور جب سوچ بتائی جائے گی تو کیا وہ یقین کرلیں گے کہ سچ یہی ہے' ہماری لڑکی بے قصور ہے۔"
وہ بہت کچھ جتا دینے والے انداز میں عدیل کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے بے خوف لہجے میں کہہ رہی تھی۔
"تو کیا چاہتی ہو تم میں اپنی مثال کو ان دھوکے باز لوگوں کے حوالے کردوں جنہوں نے ایسا گھٹیا پن دکھایا۔ ان کے ارادے اصل میں کیا تھے' میں بھی نہ جان سکا۔" عدیل تنفر سے کہہ کر رہ گیا۔
"اسے گھر میں بٹھائیں گے تو اس بات کا اثر ہماری پری کی زندگی پر کتنا برا پڑے گا۔ سوچی ہے آپ نے یہ بات؟" وہ تیز لہجے میں بولی۔ عدیل لمحے بھر کو کچھ بول نہیں سکا۔
اس نے یہ بات تو ایک لمحے کے لیے بھی نہیں سوچی تھی اور حقیقت میں وہ یہ سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔
اس وقت تو مثال کی زندگی کے ساتھ جو کچھ ہونے جا رہا تھا' اس بات نے اسے بری طرح سے توڑ دیا تھا۔
"نہیں سوچی ہوگی۔ میں شرط لگا کر کہہ سکتی ہوں' آپ نے ایک لمحے کے لیے بھی پری کے بارے میں یہ نہیں سوچا ہوگا کہ میری معصوم بیٹی اس گناہ کی سزا جھیلے گی جو اس نے کیا بھی نہیں۔"
وہ آخر میں لہجہ گلوگیر بناتے ہوئے دوپٹے کے پلو سے آنکھوں کے کنارے صاف کرنے لگی۔
"تم پلیز' یہ فضول کا جذباتی پن نہیں دکھاؤ۔ میرا ایمان ہے ہر بچے کا اپنا نصیب' اپنی قسمت ہوتی ہے۔ جب پری کا وقت آئے گا تو اس کے لیے یقیناً" بہت اچھا رشتہ مل جائے گا۔" عدیل بظاہر اسے جھاڑ کر آخر میں تسلی دینے کو بولا۔
"پری کا وقت جب بھی آئے گا' مثال کا گڑا مردہ ضرور اکھاڑا جائے گا۔ لکھ کر رکھ لیں آپ میری بات۔" وہ تیز لہجے میں زور دے کر بولی۔
"صاف کیوں نہیں کہتے۔ آپ کو نہ پری کی کچھ پروا ہے نہ میری نہ دانی کی۔ آپ کی زندگی کی واحد خوشی' واحد ترجیح مثال اور اس کی خوشیاں ہیں۔" وہ آج عمر بھر کے حساب چکانے کے موڈ میں تھی۔
"اور آپ جانتے ہیں' آپ کی لاڈلی کے نصیب میں یہ خفتیں ایک کے بعد ایک کیوں آ رہی ہیں۔ سگی ماں کیسے مکھن سے بال کی طرح نکال کرساں ڈال گئی۔ اس کی شادی تک میں آنے کی اس نے زحمت نہیں کی اور آپ نے اس کے لیے اپنی طرف سے بہترین رشتہ تلاش کیا اور نتیجہ کیا نکلا۔۔۔ سب کے سامنے ہے۔ اس کی وجہ صرف اور صرف یہی ہے عدیل صاحب کہ آپ نے میرا اور میرے بچوں کا حق مار کر اس لڑکی کو دینا چاہا اور خدا تو انصاف کرنے والا ہے' اس نے آپ کو آپ کی نیت کا بدلہ دے دیا۔"
وہ غصے میں کانپتی جوش بھری آواز میں کہتی چلی جا رہی تھی' عدیل نے عفت کا یہ رویہ نہیں دیکھا تھا۔
"تم اس وقت اپنی فضول راگنی بند کرو ناشکری عورت! میں نے ہمیشہ تمہارا اور اپنے بچوں کا سب سے بڑھ کر خیال رکھا ہے اور اصل بات یہ ہے کہ تم مثال کو برداشت کر ہی نہیں سکتیں۔ اور آج یہ سب کچھ پتا ہے کیوں ہوا ہے' تمہاری بد نظری کی وجہ سے۔" وہ دوبدو لہجے میں کہہ رہا تھا۔
"عدیل!" عفت پھٹ کر بولی۔
"چلاؤ مت۔ جس دن سے یہ رشتہ ہوا تھا کہ پیر جلی بلی کی طرح ادھر اُدھر پھرتی تھیں۔ تمہاری کالی نظریں میری بیٹی کے نصیب کو کھا گئیں۔ بن سکتی ہو یہ سب۔ تم سمجھتی ہو صرف تم دوسروں کی نیت کو جانچ سکتی ہو۔ تمہارا کیا خیال ہے' دوسرے تمہاری بدنختی کو نہیں سمجھ سکتے؟ آج تم نے اپنی اصلیت بتا کر تمہاری جو رہی سہی عزت تھی میری نظروں میں' وہ بھی ختم کردی۔ تم مثال سے نفرت میں اتنی آگے نکل گئی ہو کہ چاہتی ہو میں ان دھوکے باز لوگوں کے حوالے اپنی بیٹی کردوں تو سن لو تمہاری یہ مکروہ خواہش۔ کبھی بھی پوری نہیں ہو سکتی کیونکہ میں کسی بھی طرح اپنی بیٹی کے ساتھ یہ ظلم نہیں ہونے دوں گا۔ تم چاہے جلو' چاہے مرو۔"

عدیل کے لہجے میں اتنی نفرت' اتنی حقارت تھی کہ لمحہ بھر کو عفت گنگ ہو کر رہ گئی۔
یہ تو اسے معلوم تھا' وہ عدیل کے دل کے بہت قریب کبھی بھی نہیں رہی لیکن اتنی دور ہو گی اس کے دل سے' یہ بھی اس نے کبھی نہیں سوچا تھا۔
"تو پھر سینے سے لگا کر رکھیں اپنی بیٹی کو' مت بیاہیں۔ میں اپنے دونوں بچوں کو لے کر ابھی اور اسی وقت یہ گھر چھوڑ کر جا رہی ہوں۔ کیا کمایا میں نے ان اٹھارہ سالوں میں۔ یہ ذلت' یہ نفرت' یہ بے عزتی۔ مجھے کسی بھی موقع پر اپنی بات کہنے کا کوئی حق نہیں۔ جب مجھے آپ کی نظروں میں' آپ کے دل میں جگہ نہیں مل سکی۔ اتنے سالوں کی محنت کے بعد بھی' تو اس گھر میں رہ کر میں کیا کروں گی۔ جا رہی ہوں میں ابھی یہاں سے۔ لے کر بیٹھے رہیں اپنی مثال کو ہمیشہ کے لیے۔" عفت کے لہجے میں شدید غصہ اور طیش تھا۔ "اس کی ماں طلاق لے کر چلی گئی۔ اس کی بارات واپس چلی گئی تو پھر میں دیکھتی ہوں' اس کو کون بیاہنے آئے گا۔"
اور یہ تو عدیل کو بھی اندازہ نہیں تھا کہ بات اتنی بڑھ جائے گی۔ مثال کا معاملہ نپٹاتے نپٹاتے اس کا پورا گھر ہی لپیٹ میں آجائے گا۔ یہ اس نے نہیں سوچا تھا۔
"عفت! رکو بات سنو میری۔" جب تک وہ چویشن کی سنگینی کو سمجھتا عفت وہاں سے جا چکی تھی۔
عدیل کا اس وقت اس کے پیچھے جانا فضول تھا۔
"آخری بار عدیل! میں چاہتا ہوں' آخری بار ٹھنڈے دل سے تم میری اور فائزہ کی بات سن لو۔ اس کے بعد جو تم فیصلہ کرو گے' ہمیں منظور ہوگا ہم فہد کو لے کر یہاں سے چلے جائیں گے بارات کے ساتھ۔"
اس سے پہلے عدیل عفت کے پیچھے جاتا' فائزہ اور وقار اندر آگئے اور گہری سنجیدگی کے ساتھ وقار نے اس سے کہا تھا۔
"صرف ایک بار عدیل بھائی! ہمیں موقع دے دیں بات کرنے کا جبکہ ہمارا ارادہ خدانخواستہ بالکل بھی آپ کو دھوکا دینے کا نہیں تھا۔" فائزہ نے آگے بڑھ کر بے اختیار اس کے آگے ہاتھ جوڑے تو وہ بس دیکھتا رہ گیا۔

☆ ☆ ☆

"جی!" مثال لمحہ بھر کو کچھ بول ہی نہیں سکی۔
"بیٹا! میں واثق کی مدر ہوں۔ جانتی ہو نا واثق کو تو تم؟" عاصمہ بہت میٹھی سی مسکان چہرے پر لیے اس کے پاس بیٹھی اسے دیکھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔
مثال بے ساختہ نظریں جھکا کر رہ گئی۔
"یہ سب جو کچھ ابھی ہوا نہ میرے بیٹے نے ایسا چاہا تھا نہ میں نے خدانخواستہ ایسی کوئی بات سوچی تھی' لیکن پتا نہیں کیوں اس وقت سے مجھے کچھ ایسا محسوس ہو رہا ہے جیسے شاید قدرت کی یہی مرضی ہے کہ تم کہیں بھی نہیں جاؤ۔ ہم سے دور۔"
وہ پیار سے اس کی ٹھوڑی ذرا سی اونچی کرتے ہوئے بولی تو مثال بس اس کے صبیح متانت بھرے چہرے کو دیکھتی رہ گئی۔
"یہ بہت نازک لمحے ہیں مثال بیٹا! جس میں تمہاری قسمت کا فیصلہ ہونے جا رہا ہے۔ مجھے اس وقت تمہارے پاس جو آنا پڑا' اس کی وجہ سے تم میری بات سمجھ رہی ہو ناں مثال! مجھے تم سے کچھ پوچھنا ہے۔" عاصمہ بولی تو مثال کچھ پریشان سی اسے دیکھتی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

"نہیں۔ کسی بھی صورت نہیں میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور رہ گئی دوستی، اعتبار اور اعتماد کی بات تو وہ سب ختم ہو چکا جس کے بھروسے پر میں یقین کر سکتا تھی تمہارا۔" عدیل کھردرے لہجے میں دو ٹوک الفاظ میں بولا۔

"عدیل بھائی! ہم حلف اٹھانے کو تیار ہیں۔ ہمارا مقصد صرف اور صرف مثال کو نہ صرف اپنی بیٹی بنا کر اپنے پاس رکھنے کا تھا بلکہ اس لیلیٰ۔ آپ نہیں جانتے یہ بد خصلت لڑکی کس طرح ہمارے بیٹے کو ہم سے چھین رہی ہے۔"

فائزہ چہرے پر مظلومیت لیے کہہ رہی تھی۔

"جان چکا ہوں میں سب کچھ، اس لڑکی کی حقیقت بھی اور آپ لوگوں کو بھی۔" عدیل طنز سے بولا۔

فائزہ اور وقار ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر رہ گئے۔

"اگر فہد لیلیٰ کو طلاق دے دے تو بھی آپ انکار کریں گے؟" فائزہ پھر سے بولی۔

"استغفراللہ پڑھیں ہم لوگوں نے طلاق جو ہمارے اللہ نے بڑی حالت جبر میں دینے کی اجازت دی ہے اس کو کھیل تماشا بنا لیا ہے جبکہ آپ جانتی ہیں، آپ کا بیٹا ایک بچی کا باپ ہے پھر بھی آپ اتنی سنگ دلی سے یہ بات کہہ رہی ہیں۔" عدیل تڑپ کر بولا تھا۔

"اس لیے تو چاہتے ہیں کہ ہمارے بیٹے کا خون ہماری پوتی ہمارے پاس رہے۔ وہ لیلیٰ اس کی کس طرح پرورش کرے گی۔ ہم جانتے ہیں۔"

"بخدا انکل! یقین کریں نہ ماما، پاپا کا مقصد آپ کو دھوکا دینا تھا نہ میرا۔ ہم صرف مناسب وقت۔۔۔"

"بس بات ختم ہو چکی ہے۔ بہتر ہے۔ اس کو یہیں ختم کر دیا جائے۔" عدیل سخت بیزاری سے بولا۔

"جبکہ ہم تمہیں ہر طرح کی گارنٹی دینے کو تیار ہیں۔ مثال کے نام گھر ہو گا۔ اس کے نام پر ہر وہ چیز ہو گی جس کے فہد اور ہم مالک ہیں۔" وقار آخری کوشش کے طور پر بولا۔

"اور یہ سب ہم نکاح سے پہلے لکھ کر دیں گے۔ فہد مثال کے ساتھ یہیں رہے گا پاکستان میں۔" فائزہ ملتجی لہجے میں بولی۔

"نہیں۔ یہ ممکن نہیں۔" عدیل خشک لہجے میں کہہ کر باہر نکل گیا۔ تینوں گم صم سے کھڑے رہ گئے۔

☼ ☼ ☼

"مما! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں؟" پری شاکڈ سی رہ گئی۔ عفت نے عجلت میں اپنے، دانی کے اور اس کے کچھ کپڑے، زیور اور کچھ نقدی ایک بیگ میں رکھ لی تھی اور اب پری کو ساتھ چلنے کو کہہ رہی تھی۔

"ہم اب یہاں ایک منٹ بھی نہیں رکیں گے۔" عفت کو ایسے برہم مزاج میں پری نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

"ہم کہاں جائیں گے مما؟ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔" وہ پریشانی سے بندھے بیگ کو دیکھ رہی تھی۔

"جہنم میں جائیں گے۔ سن لیا تم نے۔ اللہ کی زمین بہت بڑی ہے۔ کیا ہم تینوں کو کہیں جگہ نہیں ملے گی؟" عفت زور سے آنکھیں رگڑ کر بولی۔ اسے اپنی بے وقعتی پر رونا آ رہا تھا۔

"کیا ہوا ہے؟ کیا پاپا سے لڑائی ہوئی ہے؟" پری ہراساں لہجے میں پوچھنے لگی۔

"بکواس بند کرو اپنی اور دانی کو بلاؤ، وہ ٹیکسی لے کر آئے، ہمیں ابھی یہاں سے جانا ہے۔" عفت شدید جذباتی پن سے بولی۔

"اس وقت مما! اتنی رات کو؟" پری شاکڈ تھی۔ اور اندر آتا عدیل وہیں رک گیا۔

پھر تھکے ہوئے انداز میں اندر آ گیا۔

"عفت! بات کو بڑھاؤ نہیں۔" وہ نڈھال سا بولا۔

"میں بات ختم کر رہی ہوں ہر طرح سے، آپ کو آج کے بعد آزادی ہو گی، آپ اپنی مرضی کے فیصلے اپنی لاڈلی کے لیے کریں۔ کوئی بھی آپ کی بیٹی کے شان دار نصیبوں کو بری نظر سے دیکھنے والا نہیں ہو گا اس گھر میں۔" وہ تیز لہجے میں کہتی چلی گئی۔

"عفت! میں بہت پریشان ہوں۔ اس وقت مجھے تمہاری ضرورت ہے۔" وہ ہارے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"چلو پری!" عفت ایک ہاتھ سے بیگ، دوسرے سے پری کو گھسیٹتے ہوئے بولی۔

"آؤ میرے ساتھ۔" عدیل نے زور سے عفت کا ہاتھ کھینچا اور اسے اپنے ساتھ لے گیا۔

"مجھے نہیں جانا آپ کے ساتھ کہیں بھی۔" وہ بول رہی تھی جب وہ اسے لے کر فائزہ، وقار اور فہد کے پاس آ گیا۔ اسی وقت عاصمہ اور واثق وہاں آئے تھے۔

"مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے۔ وقار! نکاح ابھی ہو گا فہد اور مثال کا اور اس کے لیے وہ ساری شرطیں لکھی جائیں گی جس میں مثال کے نام گھر اور دوسری چیزیں ہوں گی۔ میں نکاح خواں کو کال کر رہا ہوں۔ آپ اپنے وکیل کو بلا لیں تاکہ سارے معاملات طے ہو جائیں۔"

وقار، فائزہ اور فہد بے یقینی سے اسے دیکھ رہے تھے جبکہ پیچھے کھڑے واثق اور عاصمہ سکتہ میں کھڑے رہ گئے۔ اندر آتی لیلیٰ نے بے اختیار اپنی بیٹی کو گود میں اٹھاتے ہوئے اسے اپنے ساتھ بھینچ لیا۔

عفت نے فتح مند نظروں سے عدیل کو دیکھا جو ابھی بھی اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھامے ہوئے تھا۔

"اللہ اس طرح بھی انصاف کیا کرتا ہے۔ میرے دل کو یقین تھا۔" صرف وہ تھی جو مسکرا رہی تھی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

رخسانہ نگار عدنان

ایک تھی مثال

عدیل اور فوزیہ نسیم بیگم کے بچے ہیں۔ بشریٰ ان کی بہو ہے اور ذکیہ بیگم کی بیٹی ہے۔ عمران بشریٰ کا بھائی ہے۔ مثال ذکیہ بیگم کی نواسی اور نسیم بیگم کی پوتی ہے۔ بشریٰ اور نسیم بیگم میں روایتی ساس بہو کا تعلق ہے۔ پانچ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد بشریٰ کی نند فوزیہ کا بالآخر ایک جگہ رشتہ طے پاجاتا ہے۔ نکاح والے روز بشریٰ دولہا ظہیر کو دیکھ کر چونک جاتی ہے۔ عدیل سے شادی سے قبل ظہیر کا بشریٰ کے لیے بھی رشتہ آیا تھا مگر بات نہ بن سکی تھی۔ نکاح والے دن فوزیہ کی ساس زاہدہ اور ذکیہ بیگم بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔ بعد ازاں عدیل کو بھی پتا چل جاتا ہے۔ وہ ناراض ہوتا ہے مگر فوزیہ اور نسیم بیگم کو بتانے سے منع کر دیتا ہے۔ بشریٰ اور عدیل ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جاتے ہیں۔ وہاں انہیں پتا چلتا ہے کہ بشریٰ کے ہاں سات سال بعد پھر خوش خبری ہے۔

عفان اور عاصمہ اپنے تین بچوں اور والد کے ساتھ کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔ عفان کے والد فاروق صاحب سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ گریجویٹی اور گاؤں کی زمین فروخت کر کے وہ اپنا گھر خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ڈیڑھ کروڑ میں زمین کا سودا کر کے وہ عفان کے ساتھ خوشی خوشی شہر آرہے ہوتے ہیں کہ ڈکیتی کی واردات میں قتل ہوجاتے ہیں۔ عفان کے قریبی دوست زبیر کی مدد سے عاصمہ عفان کے آفس سے تین لاکھ روپے اور فاروق صاحب کی گریجویٹی سے سات لاکھ روپے وصول کرپاتی ہے۔ زبیر گھر خریدنے میں بھی عاصمہ کی مدد کررہا ہے۔

اسلام آباد سے واپسی پر عدیل دونوں مقتولین کو دیکھتا ہے۔ زاہدہ نسیم بیگم سے بیس لاکھ روپے سے مشروط فوزیہ کی رخصتی کی بات کرتی ہیں۔ وہ سب پریشان ہوجاتے ہیں۔ عدیل بشریٰ سے ذکیہ بیگم سے تین لاکھ روپے لانے کو کہتا ہے۔

عاصمہ کی مجبوری ہے کہ گھر میں کوئی مرد نہیں۔ اس کا بیٹا ابھی چھوٹا ہے اور سارے کام اس نے خود کرنے ہیں۔ وہ جلد از جلد اپنا گھر خریدنا چاہتی ہے۔ عاصمہ کے کہنے پر زبیر کسی مفتی سے فتویٰ لے کر آجاتا ہے کہ دوران عدت انتہائی ضرورت کے پیش نظر گھر سے نکل سکتی ہے بشرطیکہ مغرب سے پہلے واپس گھر آجائے، سو وہ عاصمہ کو مکان دکھانے لے

جاتا ہے۔ اور موقع سے فائدہ اٹھا کر اسے اپنی ہوس کا نشانہ بناتا ہے اور ویرانے میں چھوڑ کر فرار ہوجاتا ہے۔ وہاں سے وہ عدیل کی مدد سے گھر پہنچ پاتی ہے۔
رقم مہیا نہ ہونے کی صورت میں فوزیہ کو طلاق ہوجاتی ہے۔ نسیم بیگم جذباتی ہو کر سمو اور اس کے گھر والوں کو مورد الزام ٹھہرانے لگتی ہیں۔ اسی بات پر عدیل اور بشریٰ کے درمیان خوب جھگڑا ہوتا ہے۔ عدیل طیش میں بشریٰ کو دھکا دیتا ہے۔ اس کا ابارشن ہوجاتا ہے۔ عدیل شرمندہ ہو کر معافی مانگتا ہے مگر وہ ہنوز ناراض رہتی ہے اور اسپتال سے اپنی ماں کے گھر چلی جاتی ہے۔ اسی اسپتال میں عدیل عاصمہ کو دیکھتا ہے جسے بے ہوشی کی حالت میں لایا گیا ہوتا ہے۔ عاصمہ اپنے حالات سے تنگ آکر خودکشی کی کوشش کرتی ہے تاہم بچ جاتی ہے۔ نو سال بعد عاصمہ کا بھائی ہاشم پریشان ہو کر پاکستان آجاتا ہے۔ عاصمہ کے سارے معاملات دیکھتے ہوئے ہاشم کو پتا چلتا ہے کہ زبیر نے ہر جگہ فراڈ کر کے اس کے سارے راستے بند کردیے ہیں اور اب مفرور ہے۔ بہت کوششوں کے بعد ہاشم، عاصمہ کو ایک مکان دلا پاتا ہے۔
بشریٰ اپنی واپسی الگ گھر سے مشروط کردیتی ہے۔ دوسری صورت میں وہ علیحدگی کے لیے تیار ہے۔ عدیل مکان کا اوپر والا پورشن بشریٰ کے لیے سیٹ کروا دیتا ہے۔ بشریٰ کے آنے کے بعد بشریٰ کو مجبور کرتا ہے کہ وہ فوزیہ کے لیے عمران کا رشتہ لائے۔ نسیم بیگم اور عمران کسی طور نہیں مانتے۔ عدیل اپنی بات نہ مانے جانے پر بشریٰ سے جھگڑتا ہے۔ بشریٰ بھی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتی ہے۔ عدیل طیش میں بشریٰ کو طلاق دے دیتا ہے اور مثال کو چھین لیتا ہے۔ مثال بیمار پڑجاتی ہے۔ بشریٰ بھی حواس کھو دیتی ہے۔ عمران بہن کی حالت دیکھ کر مثال کو عدیل سے چھین کرلے آتا ہے۔ عدیل، عمران پر اغوا کا پرچا کٹوا دیتا ہے۔
عاصمہ اسکول میں ملازمت کرلیتی ہے مگر گھریلو مسائل کی وجہ سے آئے دن چھٹیاں کرنے کی وجہ سے ملازمت چلی جاتی ہے۔
انسپکٹر طارق دونوں فریقین کو سمجھا بجھا کر مصالحت پر آمادہ کرتے ہیں۔ ذکیہ بیگم کی خواہش ہے کہ عدیل، مثال کو لے جائے، تاکہ وہ بشریٰ کی کہیں اور شادی کرسکیں۔ دوسری طرف نسیم بیگم بھی ایسا ہی سوچے بیٹھی ہیں۔ فوزیہ کی اچانک شادی کے بعد نسیم بیگم کو اپنی جلد بازی پر پچھتاوا ہونے لگتا ہے۔ انسپکٹر طارق، ذکیہ بیگم سے بشریٰ کا رشتہ مانگتے ہیں۔ ذکیہ بیگم خوش ہوجاتی ہیں، مگر بشریٰ کو یہ بات پسند نہیں آتی۔
وہ گرین کارڈ کے لالچ میں بشریٰ سے منگنی توڑ کر نازیہ بھٹی سے شادی کرلیتا ہے، پھر شادی کے ناکام ہوجانے پر ایک بیٹے سیفی کے ساتھ ایک طویل عرصے بعد دوبارہ اپنی چچی ذکیہ بیگم کے پاس آجاتا ہے اور ایک بار پھر بشریٰ سے شادی کا خواہش مند ہوتا ہے۔ بشریٰ تذبذب کا شکار ہوجاتی ہے۔
بشریٰ اور احسن کمال کی شادی کے بعد عدیل مستقل طور پر مثال کو اپنے ساتھ رکھنے کا دعوا کرتا ہے، مگر بشریٰ قطعی نہیں مانتی، پھر احسن کمال کے مشورے پر دونوں بمشکل راضی ہوجاتے ہیں کہ مہینے کے ابتدائی پندرہ دنوں میں مثال، بشریٰ کے پاس رہے گی اور بقیہ پندرہ دن عدیل کے پاس۔ گھر کے حالات اور نسیم بیگم کے اصرار پر بالآخر عدیل عفت سے شادی کرلیتا ہے۔ والدین کی شادی کے بعد مثال دونوں گھروں کے درمیان گھن چکر بن جاتی ہے۔ بشریٰ کے گھر میں سیفی اور احسن اس کے ساتھ کچھ اچھا برتاؤ نہیں کرتے اور عدیل کے گھر میں اس کی دوسری بیوی عفت۔ مثال کے لیے مزید زمین تنگ بشریٰ اور عدیل کے نئے بچوں کی پیدائش کے بعد پڑجاتی ہے۔ مثال اپنا اعتماد کھو بیٹھتی ہے۔ احسن کمال اپنی فیملی کو لے کر ملائیشیا چلا جاتا ہے اور مثال کو تاریخ سے پہلے عدیل کے گھر بھجوا دیتا ہے۔ دوسری طرف عدیل اپنی بیوی بچوں کے مجبور کرنے پر مثال کے آنے سے قبل اسلام آباد چلا جاتا ہے۔ مثال مشکل میں گھر جاتی ہے۔ پریشانی کی حالت میں اسے ایک نشئی تنگ کرنے لگتا ہے تو عاصمہ آکر اسے بچاتی ہے۔ پھر اپنے گھر لے جاتی ہے۔ جہاں سے مثال اپنے ماموں عمران کو فون کرکے بلواتی ہے اور اس کے گھر چلی جاتی ہے۔
عاصمہ کے حالات بہتر ہوجاتے ہیں۔ وہ نسبتاً "پوش ایریا" میں گھر لے لیتی ہے۔ اس کا کوچنگ سینٹر خوب ترقی کرجاتا

ہے۔ مثال، واثق کی نظروں میں آچکی ہے تاہم دونوں ایک دوسرے سے واقف نہیں ہیں۔
عاصمہ کا بھائی ہاشم ایک طویل عرصے بعد پاکستان لوٹ آتا ہے اور آتے ہی عاصمہ کی بیٹیوں اریشہ اور اریبہ کو اپنے بیٹوں وقار، وقاص کے لیے مانگ لیتا ہے۔ عاصمہ اور واثق بہت خوش ہوتے ہیں۔
سیفی، مثال پر بری نیت سے حملہ کرتا ہے تاہم مثال کی چیخوں سے سب وہاں پہنچ جاتے ہیں۔ سیفی الٹا مثال پر الزام لگاتا ہے کہ وہ اسے بہکا رہی تھی۔ احسن کمال بیٹے کی بات پر یقین کرلیتا ہے۔ مثال اور بشریٰ مجبور اور بے بسی سے کچھ کہہ نہیں پاتیں۔ احسن کمال پوری فیملی سمیت دوسرے ملک میں شفٹ ہو جاتا ہے۔ بشریٰ مثال کو مستقل عدیل کے گھر چھوڑ جاتی ہے۔ جہاں عفت اور پریشے اسے خاطر میں نہیں لاتیں۔ واثق کو بہت اچھی نوکری مل جاتی ہے۔ مثال اور واثق کے درمیان ان کہا سا تعلق بن جاتا ہے۔ مگر مثال کی طرف سے دوستی اور محبت کا کوئی واضح اظہار نہیں ہے۔ واثق البتہ کھل کر اپنے جذبات کا اظہار کر چکا ہے۔ واثق، عاصمہ سے اپنی کیفیت بیان کر دیتا ہے۔ عاصمہ خوش ہو جاتی ہے مگر غائبانہ ذکر پر بھی مثال کو پہچان نہیں پاتی۔ واثق عاصمہ کو لے کر مثال کے گھر ملنے جاتا ہے۔ مگر دروازے پر عدیل کو دیکھ کر عاصمہ کو برسوں پرانی رات یاد آجاتی ہے۔ جب زبیر نے عاصمہ کی عصمت دری کرکے اسے ویرانے میں چھوڑ دیا تھا اور عدیل نے عاصمہ کو گھر پہنچایا تھا۔ اگرچہ عدیل نے اس وقت بھی نہیں سمجھا تھا کہ عاصمہ پر کیا بیتی ہے اور اب بھی اس نے عاصمہ کو نہیں پہچانا تھا مگر عاصمہ کو عدیل بھی یاد تھا اور اپنے ساتھ ہونے والا وہ بھیانک حادثہ بھی۔ شرمندگی اور ذلت کے احساس سے عاصمہ کو انجائنا کا اٹیک ہو جاتا ہے۔ واثق دروازے سے ہی ماں کو اسپتال لے جاتا ہے۔ مثال اس کا انتظار کرتی رہ جاتی ہے۔ پھر بہت سارے دن یوں ہی گزر جاتے ہیں۔ ان ہی دنوں عدیل اپنے دوست کے بیٹے فہد سے مثال کا رشتہ طے کر دیتا ہے۔ عفت، مثال کے لیے اتنا بہترین رشتہ دیکھ کر بری طرح جل جاتی ہے۔ اس کی دلی خواہش ہے کہ کسی طرح یہ رشتہ پریشے سے طے ہو جائے۔ مثال بھی اس رشتے پر دل سے خوش نہیں ہے۔ مگر وہ اپنی کیفیت سمجھ نہیں پا رہی۔ عاصمہ کی طبیعت ذرا سنبھلتی ہے تو وہ مثال کی طرف جانے کا ارادہ کرتا ہے۔ اتفاق سے اسی دن مثال کی فہد سے منگنی کی تقریب ہو رہی ہوتی ہے۔ وہیں کھڑے کھڑے واثق کی ملاقات پریشے سے ہو جاتی ہے۔ جو کافی ناز و ادا سے واثق سے بات کرتی ہے اور اس بات سے بے خبر ہوتی ہے کہ اس کی کلاس فیلو ورده جو اسے بہت پسند کرتی ہے، واثق کی بہن ہے۔
منگنی کے بعد مثال ایک دم شادی سے انکار کر دیتی ہے۔ عفت خوش ہو جاتی ہے۔ عدیل بہت غصہ کرتا ہے اور بشریٰ کو فون کرکے مثال کو بھیجنے کی بات کرتا ہے۔ گھر میں ٹینشن پھیلی ہے۔ اسی ٹینشن میں مثال کالج کی لائبریری میں واثق سے ملتی ہے۔ واپسی میں عفت اسے واثق کے ساتھ دیکھ لیتی ہے اور عدیل کو بتا دیتی ہے۔ عدیل از حد پریشان ہو جاتا ہے۔ پریشے، ورده سے ملنے اس کے گھر جاتی ہے تو واثق سے ملاقات ہو جاتی ہے۔

انتیسویں قسط

عدیل ایک طرف ہو کر نکاح خواں کو فون کر رہا تھا۔ عفت اس کے ساتھ شانہ ملا کر کھڑی تھی۔ اس کے دل کی مراد پوری ہونے جا رہی تھی۔
مثال سے چھٹکارا ابھی مل رہا تھا اور ساری زندگی سوتن کی موجودگی کے احساس سے کانٹوں کے بستر پر گزارنے والی ہے، عفت کے دل کو شاد کرنے کے لیے کافی تھی۔
وقار اور فائزہ اپنے وکیل کو فون کرنے کے بعد اب بے چینی سے اس کے آنے کا انتظار کر رہے تھے۔
باہر ملازم اور کام والے لڑکے از سرِ نو اسٹیج کو ٹھیک کر رہے تھے۔
بچے کچھے قریبی مہمان اب گروپ کی شکل میں کرسیاں جوڑے چہ میگوئیاں کر رہے تھے۔
کھانے کے برتنوں کے لیے دھیمی آنچ میں آگ لگائی جا چکی تھی۔

”آپی خوشی کی بات ہے یہ تو۔۔۔ بظاہر دیکھا جائے تو فہد بھائی میں کچھ برائی نہیں ُیوں بھی ان کی پہلی بیوی امریکا میں رہے گی۔ تمہیں کوئی مسئلہ تو ہو گا نہیں۔ اس کے ہونے یا نہ ہونے سے۔“

پری کمرے میں آکر مثال کا میک اپ پھر سے تازہ کر رہی تھی۔ ساتھ ساتھ وہ جیسے مزا لیتے ہوئے مثال کو آنے والی سچویشن کے لیے تیار کر رہی تھی۔

مثال کسی بے جان بت کی طرح اس کے سامنے بیٹھی تھی۔

ان چند گھنٹوں میں اس کے دل نے جو آس باندھی تھی ُجو نئے سرے سے خواب بنے تھے وہ سب راکھ ہو چکے تھے۔ اسے عدیل سے اس بات کی توقع نہیں تھی۔ وہ یوں جانتے بوجھتے ان لوگوں کی اصلیت پہچان کر بھی مثال کو اس گڑھے میں دھکیل دے گا۔

”لکی ہو بھئی آپی! کیسے بگڑی بات پھر سے بن چلی ُورنہ تو میں نے موسٹلی موویز میں دیکھا ہے ُایسے موقع پر ایک بار بارات واپس چلی جائے تو پھر اس لڑکی کی شادی نہیں ہو پاتی۔ ہے نا تم نے بھی دیکھی ہوں گی ایسی موویز تو۔۔۔“

وہ دل سے چاہ رہی تھی کہ مثال کچھ ایسا بولے کہ پری اسے مزید سنائے۔ مگر مثال کے لب تو جیسے سل ہی گئے تھے۔

”ویسے بری نہیں ہے ُفہد بھائی کی پہلی بیوی بھی اور اس کی بچی تو بہت کیوٹ ہے۔ طلاق ولاق تو نہیں دیں گے فہد بھائی اسے ُتم دیکھ لینا اس وقت صرف معاملہ سیدھا کرنا ہے۔“ وہ ماں کی طرح دعوا کرنے والے لہجے میں بول رہی تھی۔

”پلیز تم جاؤ یہاں سے۔۔۔ مجھے کچھ دیر اکیلا چھوڑ دو۔“ مثال ایک دم سے اس کے ہاتھ زور سے پرے جھٹک کر روکھے سرد لہجے میں بولی۔

”اب اکیلا پن تو ملنا مشکل ہے ُچند منٹوں میں نکاح ہونے جا رہا ہے ُمجھے مما نے کہا ہے کہ تمہیں تیار کر کے اپنے ساتھ باہر لے آؤں ُیوں بھی آدھی رات تو ہو چلی ہے پہلے ہی سب کچھ لیٹ ہو چلا ہے۔“ وہ بڑے فکر مند سے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ جیسے یہ سارے مسائل اسی کو درپیش ہیں۔

”تم ابھی جاؤ یہاں سے۔ جب میری ضرورت ہو گی میں آجاؤں گی خود سے باہر۔۔۔“

”مگر مما نے کہا۔“ اس نے بولنا چاہا۔

”گیٹ لاسٹ۔۔۔ نکل جاؤ یہاں سے۔۔۔ نکلو۔۔۔“

اس سے پہلے کہ پری اپنی بات پوری کرتی ُمثال نے اٹھ کر پوری طاقت سے پری کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر باہر کی طرف دھکیلا تھا۔ پری کے لیے یہ بہت غیر متوقع تھا۔ مثال نے اسے باہر دھکا دیتے ہی کمرے کا دروازہ لاک کر لیا تھا۔ پری لمحہ بھر کو گنگ سی کھڑی رہ گئی۔

”مثال آپی! کیا کرنے جا رہی ہو تم۔۔۔ دیکھو کچھ ایسا ویسا نہیں کرنا۔۔۔ مطلب سوسائیڈ وغیرہ۔۔۔ پاپا بے چارے پہلے ہی بہت زیادہ پریشان ہیں۔ تم سمجھ رہی ہو نا؟“

دوسرے لمحے اسے ہوش آیا تو دروازہ پیٹتے ہوئے وہ بے اختیار چلائی تھی۔

اندر مثال نے اپنا دوپٹا نوچ کر پھینک دیا تھا۔ گجرے ُچوڑیاں اتار دی تھیں۔ اب وہ بند دروازے کے ساتھ لگی زمین پر بیٹھی بے آواز آنسوؤں کے ساتھ رو رہی تھی۔

”کیا ہوا پری۔۔۔ تم یہاں ہو؟“ وردہ شاید اسے ڈھونڈتی ہوئی وہاں آگئی تھی۔

"مثال آپی! فار گاڈ سیک۔ دروزاہ کھولو' دیکھو پلیز۔ اب مزید کسی ڈرامے کی گنجائش نہیں ہے۔" وہ وردہ کی طرف متوجہ ہوئے بغیر پھر سے درواز پیٹتے ہوئے اونچا اونچا بولی تھی۔

"مثال آپی اندر کمرے میں ہیں۔" وردہ بھی اس کے پاس آکر ہمدردی سے پوچھنے لگی۔

"یار انہوں نے مجھے باہر نکال کر کمرہ لاک کرلیا ہے۔" پری روہانسی ہو کر بولی تھی۔

"او مائی گاڈ۔ کچھ مس ہیپ (بری بات) بھی ہو سکتا ہے۔" وردہ بھی پریشانی ظاہر کرتے ہوئے بولی۔

"یہ ہی تو مجھے فکر ہے' مجھے آپی کی ذہنی حالت بھی کچھ ٹھیک نہیں لگ رہی تھی۔ بالکل بت کی طرح خاموش تھی۔" وہ فکرمندی سے بتانے لگی۔

"تو تمہیں باہر نہیں آنا چاہیے تھا' انہیں اکیلا چھوڑ کر کمرے میں۔" وردہ نے پریشانی سے کہا۔

"آپی! مثال آپی! خدا کے لیے دروازہ کھول دو۔ مما' پاپا پہلے بہت پریشان ہیں۔ میری شامت آجائے گی۔ کہ میں نے تمہیں اکیلا کیوں چھوڑا۔"

وہ وردہ کی بات ان سنی کرتے ہوئے پھر سے دروزاہ پیٹ کر ملتجی لہجے میں بولی تھی۔

جواب میں اندر بالکل خاموشی تھی۔

"یار! مجھے ڈر لگ رہا ہے اندر کی خاموشی سے' کوئی آواز نہیں۔" وردہ کچھ ڈر کر بولی۔

"کہیں اس نے کچھ کر تو نہیں لیا؟" پری اڑی رنگت کے ساتھ بولی تھی۔

"میں مما کو بتاتی ہوں جاکر' وہی آکر کچھ کریں گی۔" وہ تیزی سے وہاں سے چلی گئی۔

وردہ چند لمحے وہاں تاسف بھرا چہرہ لیے کھڑی رہی' پھر آہستگی سے وہاں سے چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

"نہیں مما! کچھ فائدہ نہیں بے کار ہے یہ سب سوچنا۔" واثق مایوسی کی انتہا پر تھا۔

وہ بالکل ہمت ہار کر ایک طرف آکر بیٹھ گیا تھا۔

دوسری طرف پھر سے نکاح کی تیاریاں شروع ہو چکی تھیں۔ نکاح خواں ابھی ابھی اس کے پاس سے گزر کر اندر گیا تھا۔ فائزہ اور وقار وکیل کو لیے بیٹھے تھے۔

فہد اور لیلیٰ میں بھی کچھ بات چیت چل رہی تھی۔

"نہیں واثق! یوں ہمت نہیں ہارتے بیٹا! اور یہ سب جو کچھ ہونے جارہا ہے' یہ ان کے پاس الٹی میٹ آپشن ہے' اس کے سوا اور کوئی راستہ نہیں ہے تو اس لیے یہ کیا جارہا ہے۔" عاصمہ اس کے پاس بیٹھ کر ہمت بڑھانے والے انداز میں بولی۔

واثق سر جھٹک کر دوسری طرف دیکھنے لگا۔

عفت اور عدیل ایک طرف کھڑے آپس میں کچھ بحث کررہے تھے۔ مثال کی زندگی دوسروں کے لیے عبرت کی مثال بننے جارہی تھی اور یہ سب کچھ اس کے اپنے' بہت پیارے باپ کی مرضی سے ہو رہا تھا۔

یہ اس کی اپنی مرضی سے بھی تو ہو رہا تھا' وہ بھی تو بہت ہار کر بیٹھ گیا ہے۔

"کیا محبت صرف موافق حالات میں پنپنے کا نام ہے۔ اگر حالات مناسب نہیں ہوں تو محبت جرم بن جاتی ہے؟" کوئی اس کے اندر سے بولا تھا۔

اسے خود بھی نہیں پتا چلا' اس کے خون میں ایک دم سے' جو جوش بھری لہر اٹھی تھی' وہ کس طرح جاکر عدیل کے

سامنے کھڑا ہو گیا تھا۔
عدیل نے کچھ ناگواری سے اسے دیکھا تھا۔
عفت کے چہرے کے تاثرات بھی کچھ ایسے ہی تھے۔
مگر اسی لمحے وہ فیصلہ کر کے آیا تھا کہ وہ ان سے بات ضرور کرے گا۔ وہ اب پیچھے نہیں ہٹے گا۔
"سر! مجھے آپ سے بات کرنا ہے، بہت ضروری ہے۔" وہ ٹھوس اٹل لہجے میں عدیل کی آنکھوں میں دیکھ کر پر اعتماد انداز سے کہہ رہا تھا۔
عاصمہ آہستگی سے اس کے پیچھے آکر کھڑی ہو گئی تھی۔ اسے اچھا لگا کہ واثق نے کسی کا بھی سہارا لیے بغیر خود اپنا کیس لڑنے کا فیصلہ کیا تھا۔
"آپ کسی اور وقت آیئے گا اس وقت میں کچھ ایسی بات نہیں ہو سکتی —— اس وقت میں کچھ ایسی بات نہیں سن سکتا۔" عدیل اسے ٹال کر جانے لگا تھا۔
"بات اسی وقت ہو گی اور مجھے کرنا ہے۔ آپ کو سننی ہے کہ یہ بات بھی بہت اہم ہے۔" وہ اس کے رستے میں جم کر کھڑا ہو گیا تھا۔
"کیا مسئلہ ہے مسٹر!" عدیل سخت درشتی سے بولا تھا۔
"واثق کہتے ہیں مجھے اور میں... میں آپ کی بیٹی مثال سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"
وہ اسی پر اعتماد لہجے میں آنکھوں میں چمک اور ہلکا سا جوش لیے بولا تھا۔ عدیل یک دم جیسے ساکت ہو کر رہ گیا تھا۔
" Are You Senses "(تم اپنے حواس میں ہو۔) وہ کچھ دیر بعد کچھ تحقیر سے بولا تھا۔
"عدیل بھائی! میرا بیٹا ہے یہ اور اصل میں ہم پہلے بھی آپ کے پاس آپ کی بیٹی کے رشتہ کے سلسلے میں آئے تھے۔ مگر آپ اس وقت مثال کی بات طے کر چکے تھے تو مجھے اچھا نہیں لگا کہ میں یہ بات آپ سے کروں، ہم خاموشی سے واپس چلے گئے کہ یقیناً" اس میں مثال کے لیے بہتری ہو گی، جبکہ میں اور میرا بیٹا دل سے آپ کی بیٹی کو اپنے گھر کی عزت بنانا چاہتے ہیں۔"
اب عاصمہ کو آگے بڑھ کر بیٹے کا کیس پیش کرنا پڑا تھا۔
عفت کے چہرے پر اب غصہ جھلکنے لگا تھا۔
"دیکھیں یہ رشتے ناتے جوڑنا کھیل یا مذاق نہیں کہ کوئی بھی اٹھ کر آئے اور رشتہ مانگ لے اور ہم صرف اس بنیاد پر "ہاں" کر دیں کہ مانگنے والا دل میں چاہت رکھتا ہے ہماری بیٹی کے لیے۔" عفت درشتی اور رکھائی سے کہہ رہی تھی۔
"دل میں بات ہے۔ بس، دو غلا پن یا منافقت نہیں اور خدانخواستہ دھوکا تو بالکل بھی نہیں۔" عدیل نے ٹھٹک کر عاصمہ کو اور پھر واثق کو دیکھا تھا۔
"یہ سب جو کچھ ہو رہا ہے اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ یہ لوگ جو پہلے ہی آپ لوگوں کو اتنا بڑا دھوکا دے چکے ہیں۔ آگے جا کر مثال کے ساتھ کیا نہیں کر سکتے۔"
وہ پھر سے عدیل کو احساس دلانے والے انداز میں بولی۔
"تو آپ کے پاس کیا گارنٹی ہے کہ آپ کی بہو بن کر مثال کو دنیا جہان کی خوشیاں مل جائیں گی، جبکہ ہم آپ لوگوں کو جانتے بھی نہیں۔"
"چھوڑیں عدیل! ٹائم ضائع نہیں کریں۔ ویسے بھی نکاح سیٹ ہو چکا ہے، آجائیں جلدی سے..."

"جن کو جانتے تھے وہ کیا نکلے؟ اگر جان پہچان کا یہی معیار ہے تو..." عاصمہ پیچھے سے بولی تھی۔
عدیل وہیں کھڑا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اب الجھن سی تھی۔ عفت ناگواری سے پلٹی تھی۔ اس نے بظاہر سرسری انداز میں مگر واثق کو بہت گہری نظروں سے دیکھا تھا اور اسے پری کا وہ پاگل پن یاد آیا۔
"کہیں یہ ہی تو وہ لڑکا نہیں۔ وردہ کا بھائی ہے' یہ جس کے گھر سے لوٹ کر آنے کے بعد پری بیمار رہی تھی اور اس نے مجھے بتایا تھا کہ وہ کسی سے محبت کرنے لگی ہے۔"
لمحوں میں اس نے بہت ساری الجھی باتوں کی کڑیاں جوڑلی تھیں۔
ایک بار پھر مثال اور پری بالمقابل تھیں۔
"بھائی صاحب آپ ان لوگوں پر ایک بار پھر بھروسا کرنے جارہے ہیں' جو بہت بری طرح سے آپ کو دھوکا دے چکے ہیں۔" عاصمہ، عدیل کو خاموش دیکھ کر پھر سے چوٹ لگاتے ہوئے بولی۔
عدیل کچھ بول نہیں سکا۔
"میں اور میرا بیٹا میری فیملی' آپ جس طرح چاہیں ہمارے بارے میں معلوم کروائیں' آپ کی چھوٹی بیٹی پری میری بیٹی کی کلاس فیلو ہے' دونوں کا ایک دوسرے کے گھر آنا جانا ہے۔ اس کے علاوہ جو آپ معلوم کروانا چاہیں' آپ کو سب معلوم ہوجائے گا۔ آنکھوں سے اوجھل کچھ بھی نہیں رہے گا آپ کی۔" وہ رک کر بولی تھی۔
"شریف لوگ ایک بار زبان دے کر مکرا نہیں کرتے۔ پیچھے نہیں ہٹ سکتے۔ ہم لوگ ان سے بات کرچکے ہیں۔" عفت نے ایک اور کوشش کے طور پر جتا کر کہا۔
"شریف لوگ بار بار دھوکا بھی نہیں کھاتے عفت بہن... اور آزمائے ہوئے لوگ جب دھوکے باز نکلیں اور صرف یہ سوچ کر آئندہ یہ دھوکا نہیں دیں گے کیا ہمیں ان پر بھروسا کرلینا چاہیے' اپنی سب سے قیمتی چیز ان کے حوالے کردینی چاہیے۔" عاصمہ بھی پوری تیاری کے ساتھ بولی تھی۔
"سر! آپ مجھے جانتے ہیں۔ میں یہ تو نہیں کہتا کہ ہم بہت دولت مند' بہت امیر پیسے والے لوگ ہیں' میری مدر کی اکیڈمی ہے اور میرا چھوٹا سا بزنس جو میں اسٹارٹ کرچکا ہوں اور جاب بھی کررہا ہوں۔ میں ان شاء اللہ آپ کی بیٹی کو عزت کے ساتھ وہ تمام خوشیاں دینے کی کوشش کروں گا جو ایک سیلف میڈ محنتی نوجوان دے سکتا ہے۔"
واثق بہت متانت بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔
"سر میرے پاس نہ تو کسی دوسرے ملک کی نیشنلٹی ہے کہ میں کہیں آپ کو دھوکا دے کر بھاگ جاؤں گا' نہ میرے پاس ایسی جائداد یا پیسہ ہے۔ جس کو بنیاد بنا کر کہ اسے آپ کی بیٹی کے نام کرنے کا وعدہ کرکے رشتہ جوڑوں' میرے پاس عزت ہے' غیرت اور خوف خدا کہ میں کسی کے ساتھ برا نہیں کروں اور اپنے زور بازو سے سب کچھ حاصل کرنے کا جذبہ' بچپن کی یتیمی نے مجھے بہت پہلے ہی خود پر اور خدا پر بھروسا کرنا سکھادیا تھا۔"
واثق ٹھہر ٹھہر کر بول رہا تھا۔
"یہ سب فضول لفظی کہانیاں ہیں اور آپ ہمیں یہ سب کیوں سنا رہے ہیں جب ہمیں یہ نہیں سننا' نکاح ہونے جارہا ہے۔ چلیں عدیل! سب بلا رہے ہیں ہمیں۔"
وہ مضبوطی سے عدیل کا ہاتھ پکڑ کر اسے کھینچ کرلے جانے لگی تھی۔
"ٹھہرو عفت! جب جانے بوجھے لوگوں سے دھوکا کھانا ہے تو پھر انجان لوگوں کو آزمانے میں کیا حرج ہے۔" وہ واثق کو دیکھتے ہوئے کچھ سوچ بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔
"عدیل! یہ کیا کہہ رہے ہیں آپ۔ ان لوگوں کی باتوں میں آرہے ہیں۔ وقار بھائی اور فائزہ بھابھی کیا سوچیں

کے وہ سب پیپرز تیار کروا چکے ہیں بس چلیں اب آپ!" وہ بری طرح سے مصر تھی۔
"کیا وقار اور فائزہ نے یہ سوچا تھا کہ جب ان کا دھوکا کھلے گا تو میں کیا سوچوں گا۔ میری بیٹی پر کیا بیتے گی۔" وہ رک رک کر بول رہا تھا۔
"عدیل کیا ہو گیا ہے۔" عفت کچھ پریشان ہو کر بولی۔
"عفت یہاں ہر انسان صرف اپنا فائدہ' اپنا مطلب دیکھتا ہے۔ کس میں اس کا فائدہ ہے اور کس میں نقصان' یہاں کسی کو دوسرے کے فائدے اور نقصان سے کچھ غرض نہیں ہوتی۔ یہی معاشرے میں اصول بنتا جا رہا ہے Survive کرنے کا تو پھر ہمیں بھی اپنا فائدہ' اپنا مفاد دیکھنا چاہیے۔"
عدیل کیا کچھ سوچ چکا ہے واثق اور عاصمہ کو کچھ کچھ اندازہ ہو چلا تھا۔
دونوں نے طمانیت بھرے انداز میں ایک دوسرے کو دیکھا۔
"مما' مما! وہ مثال آپی نے اپنے کمرے کا دروازہ لاک کر لیا ہے' انہوں نے مجھے باہر نکال دیا اور اب بہت بار کہنے پر بھی نہیں کھول رہیں اندر خاموشی ہے۔"
پری پھولے سانسوں کے ساتھ حواس باختہ سی ماں کے پاس آ کر بولی تھی۔
"میرے اللہ یہ کیا ہونے جا رہا ہے اب۔" عفت بے اختیار دل پکڑ کر بولی تھی۔
عدیل پری سے کچھ بھی پوچھے بغیر تیزی سے مثال کے کمرے کی طرف بھاگا تھا۔
واثق اور عاصمہ بھی اس کے پیچھے گئے تھے۔
"یہ دونوں خدا جانے کہاں سے ٹپک پڑے ہیں اچھا بھلا سب کچھ ٹھیک ہونے جا رہا تھا اور یہ عدیل تو ایسا کچے کانوں کا آدمی ہے کہ فوراً" ہر کسی کے کہنے پر چل پڑتا ہے۔"
وہ سخت بیزاری سے بڑبڑا کر ان کے پیچھے جا رہی تھی۔
"یہ مثال آپی والا معاملہ نپٹ جائے تو میں مما کو واثق کے بارے میں بتا دوں گی۔"
پری سرشاری سی واثق کے چوڑے کندھوں کو دیکھتے ہوئے سوچ رہی تھی۔
"تم کیا بتا؟ بتا دیا تم نے اپنی مدر کو مثال آپی کے بارے میں۔" ورد اس کے پاس آ کر کھڑی تھی۔
"ہوں ادھر ہی گئے ہیں سب۔۔۔ آ جاؤ تم بھی۔" پری بے خیالی میں اس کی طرف دیکھے بغیر یونہی سر کو جنبش دے کر بولی اور مثال کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔
"مثال' مثال دروازہ کھولو۔" عدیل اس کے کمرے کے باہر جا کر سختی سے دروازہ کھٹکھٹاتے ہوئے دھیمی مگر بھاری آواز میں بولا تھا۔
اندر جامد خاموشی تھی۔
"اگر اس نے خود کو کچھ کر لیا' اسے کچھ ہو گیا تو میں خود کو کبھی معاف نہیں کروں گا۔" اس کا دل بے اختیار ڈرا تھا۔
"بشریٰ کو میں کیا جواب دوں گا؟" دوسری سوچ یہی آئی تھی اس کے دل میں۔
"مثال' بیٹا دروازہ کھولو۔ بات کرو مجھ سے مثال!" وہ جیسے گڑگڑا کر کہہ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔
آہستگی سے دروازہ کھلا تھا۔
اجڑے روپ اور بکھرے حلیے کے ساتھ' سرخ آنکھیں اور آنسوؤں بھرا چہرہ لیے مثال اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"اور اگر میرے اس فیصلے سے یہ آنسو ہمیشہ کے لیے مثال کا مقدر بن گئے تو میں کیا کروں گا۔" اس کا دل بُری طرح سے تڑپا تھا۔

دوسرے لمحے اس نے ٹوٹی بکھری مثال کو اپنے گلے لگا لیا تھا۔ وہ اب تڑپ تڑپ کر رو رہی تھی اور وہ خود بھی اس کے ساتھ جیسے بکھر گیا تھا۔

پیچھے سے سب کے آنے کا پتا چل رہا تھا اور اس وقت عدیل کو لگا انہیں کسی کا بھی سامنا نہیں کرنا چاہیے اس نے بے حد آہستگی سے مثال کو اپنے کندھے کے ساتھ لگا کر اپنے قدم کمرے کے اندر کیے تھے۔

"پاپا، پاپا پلیز مجھے شادی نہیں کرنی۔ پاپا مجھے نہیں کرنی شادی!" وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

عفت عاصمہ اور واثق وہاں پہنچے تو کمرے کا دروازہ بند ہو چکا تھا۔

☼ ☼ ☼
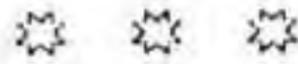
"بابا پلیز۔" فہد چڑے ہوئے لہجے میں بولا تھا۔

"ابھی بھی تم یہ سب کہو گے۔"

وقار تیز غصے بھرے لہجے میں بولا تھا۔

فائزہ کی نظروں میں بھی بہت لعن طعن سی تھی۔

"کچھ رہ نہیں گیا ہمارے پاس اب گنوانے کے لیے۔ عزت، ساکھ سب کچھ خاک میں مل گیا ہے اور ایسی دو نمبر بازاری عورت کو تم پھر بھی اپنے ساتھ چمٹائے رکھنا چاہتے ہو، آج جس کی وجہ سے ہم سارے میں ذلیل و خوار ہوئے ہیں، تم ابھی بھی اسے طلاق نہیں دینا چاہتے۔" فائزہ پھٹی ہوئی آواز میں بولی تھی۔

"یہ چاہتا ہے کہ یہاں سے ہم دھکے مار کر نکالے جائیں صرف اس بات کی کسر تو رہ گئی ہے۔" وقار اسی غصے میں بولا تھا۔

"کس بات کی مجبوری ہے آپ کو مجھے بتا دیں، جو اتنا گر کر ہم یہ شادی کرنا چاہ رہے ہیں۔" فہد جیسے برداشت کھو کر بولا تھا۔

"یہ تم ہم سے پوچھ رہے ہو؟ شرم تو شاید اب تم میں بچی ہے نہ ذرا سی غیرت...." وقار غصے میں بولا۔

"میری بیٹی ہے اس کے پاس۔" وہ ملتجی لہجے میں جیسے گڑگڑا کر بولا ماں باپ کو یاد کرانے کو۔

"لے لیں گے ہم اس سے بچی کو، تم اس کی فکر مت کرو۔" وقار لاپروائی سے بولا تھا۔

"اور تم اس بات کی ٹینشن نہیں لو اس طرح کی عورتیں بہت دیر قید رہ کر بچوں کا دم چھلا اپنے ساتھ نہیں لگاتی ہیں۔ وہ خود بچی تمہارے حوالے کر دے گی محض چند مہینوں میں۔" فائزہ اسے تسلی دینے کو بولی۔

"یہی خیال آپ کا اس وقت بھی تھا جب میں نے اس سے شادی کی تھی کہ یہ چند ہفتے تو کیا چند دن بھی میرے ساتھ نہیں گزار سکے گی۔" فہد بڑبڑا کر بولا۔

"اور اس نے نہ چھوڑا تمہیں تم چھ سال سے اس کو جونک کی طرح اپنے ساتھ چمٹائے بیٹھے ہو۔" وقار نفرت سے بولا۔

"اور اب ہمیں مزید تماشا نہیں بناؤ۔ یہاں طلاق نامے پر سائن کرو اور ختم کرو اس قصے کو۔"

وقار نے پیپرز اس کے آگے کیے فہد بے بسی سے بیٹھی لیلیٰ کو دیکھتا چلا گیا جس کی گود میں اس کی بیٹی بچپن کی معصوم اور میٹھی نیند سو رہی تھی اس سے بے خبر کہ اس کا دادا اور دادی اس کے بارے میں کتنا ظالمانہ فیصلہ کر

رہے ہیں۔
وہ سخت مشکل میں مبتلا اپنے آگے رکھے پیپرز کو دیکھتا جا رہا تھا۔ وہ مثال کو اپنانے کو تیار تھا مگر لیلیٰ کو چھوڑنا۔ ایک سوہان روح خیال جو اسے کانٹوں پر گھسیٹ رہا تھا۔
"فہد! مت سوچو اتنا' اس وقت اور کوئی آپشن نہیں ہے ہمارے پاس۔" فائزہ اب کے کچھ نرمی سے بولی تھی اس کا کندھا تھپک کر۔
"مما اگر میں لیلیٰ کو طلاق نہیں دوں اس پیپرز پر سائن نہیں کروں تو؟" وہ بے بسی سے پوچھ رہا تھا۔
"تو پھر عاق تو ہم تمہیں کر ہی دیں گے ہم دونوں کے جنازوں میں بھی تمہیں شامل ہونے کی اجازت نہیں ملے گی۔ یہی وصیت ہوگی ہماری' اب تم فیصلہ کرلو۔"
وقار بے لچک لہجے میں کہہ رہا تھا اور فہد ساکت سا دیکھے جا رہا تھا باپ کو!

☆ ☆ ☆
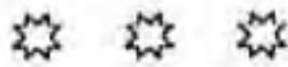
"بابا! مثال لہجے میں شاک لیے باپ کو دیکھ رہی تھی۔ وہ سر جھکائے بیٹھا تھا۔
وہ باپ کو دیکھتے ہوئے ایک بار پھر بے اختیار سی ہوگئی۔ بہت سال پہلے یونہی بچپن میں بھی وہ عدیل کے اداس و پریشان چہرے کو نہیں دیکھ سکتی تھی۔
اس وقت بھی اس کے دل میں یہی ہوتا تھا وہ جیسے بھی' جس طرح بھی جتن کرے اور عدیل کے چہرے پر مسکراہٹ بکھیر دے اور آج تو بابا کو میری وجہ سے جس مسلسل پریشانی' ہزیمت سے گزرنا پڑا میں چاہتے ہوئے بھی اس کی تلافی نہیں کر سکتی۔
وہ یک ٹک باپ کے چہرے کو دیکھتے ہوئے سوچے جا رہی تھی۔ ابھی چند منٹ پہلے وہ اپنی جان لینے جا رہی تھی۔ مگر ان لمحوں میں بھی عدیل کی ایک آواز' ایک پکار نے اسے پانی کی طرح پگھلا کر رکھ دیا تھا۔
وہ جانتی تھی واپس زندگی کی طرف پلٹنا عمر بھر پھانسی کے پھندے پر لٹکنے کے برابر ہوگا۔
لیکن وہ اپنے آئیڈیل باپ کی خاطر عمر بھر کے لیے اس پھندے پر بھی جھولنے کے لیے تیار ہوگئی تھی۔
"بابا! آپ جو کہیں گے' جیسے کہیں گے میں ایک بھی سوال نہیں کروں گی' میں صرف آپ کے چہرے پر سکون' خوشی اور اطمینان دیکھنا چاہتی ہوں۔"
وہ باپ کے دونوں ہاتھوں کو ہونٹوں اور آنکھوں سے چوم کے جذباتی لہجے میں بولی۔
"بابا! میری وجہ سے آپ نے اتنے سال' بہت سی پریشانیاں دیکھی ہیں' بہت ٹینشن' جب کہ میں نے کبھی بھی نہیں چاہا کہ آپ دکھی ہوں اور ہر بار آپ ہوئے صرف میری وجہ سے۔ بابا مجھے معاف کر دیں۔"
وہ اس کے ہاتھوں پر چہرہ رکھ کر رو پڑی تھی۔ عدیل کے دل پر جیسے چوٹ پڑی۔
وہ آہستہ آہستہ اس کے جھکے ہوئے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا' جذبات کی یورش اسے کچھ بولنے نہیں دے رہی تھی۔
"مثال! آدمی وہی کچھ کاٹتا ہے' جو وہ بوتا ہے۔ میں نے پریشانیاں بوئی تھیں تو اپنی مرضی سے' تمہارا اس میں کچھ قصور نہیں تھا اور تمہیں میں سزا دینے کا حق بھی نہیں رکھتا۔ لیکن میں دیتا رہا اتنے سارے سال' تمہیں ان جرائم ان گناہوں کی سزا دیتا رہا جو تم نے کیے ہی نہیں تھے۔"
وہ بمشکل اپنی آنکھیں پونچھ کر گلوگیر لہجے میں بولا تھا۔
"پلیز بابا! ایسا نہیں کہیں' آپ آج بھی میرے آئیڈیل ہیں۔ مجھے اس دنیا میں سب سے پیارے ہیں۔"

وہ پھر سے باپ کے ہاتھوں کو آنکھوں سے لگا کر رونے لگی تھی۔
"اور تمہارا آئیڈیل باپ تمہارے ساتھ کیا ظلم کرنے جا رہا تھا اپنی اتنی پیاری اتنی حساس بیٹی کے ساتھ۔" وہ اس کی آنکھیں صاف کرتے ہوئے دل شکستگی سے کہہ رہا تھا۔
"پاپا! مجھے صرف آپ کی خوشی چاہیے 'جس میں آپ کو سکون ملے اور میں نے خدا سے دعا کی ہے پاپا کہ آئندہ آنے والے دنوں میں میری وجہ سے کبھی آپ کو کوئی دکھ نہیں ملے اور میں نے ابھی رو رو کر اللہ سے یہ بھی کہا ہے کہ وہ میری یہ دعا ضرور قبول کرے۔" وہ بچوں کی سی معصومیت سے کہہ رہی تھی جیسے سالوں پہلے وہ باپ کی پریشانی بانٹتے ہوئے اس کی گود میں بیٹھ کر یہ سب کہا کرتی تھی۔
"میری بیٹی! میں بھی تمہیں کوئی خوشی نہیں دے سکا۔" دل کا پچھتاوا لبوں پر آگیا تھا۔
"نہیں پاپا! یہ نہیں کہیں 'جب مما مجھے اپنے ساتھ نہیں رکھنا چاہتی تھیں۔ آپ نے رکھ لیا تو آپ نہیں جانتے آپ نے مجھے اپنا کون سا خزانہ بخش دیا تھا 'آپ نے مجھے میری زندگی کی سب سے بڑی خوشی دے دی تھی' مجھے آپ سے اور کچھ نہیں چاہیے پاپا!"
وہ اس بار بہت پرسکون لہجے میں کہہ رہی تھی۔
"ہمیشہ خوش رہو مثال! میری دعائیں ہیں تمہارے ساتھ ہر لمحہ' ہر گھڑی 'ایک باپ کی دعا جسے خدا رد نہیں کرتا۔ وہ بہت جذبے سے اسے دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔
"میرے پاپا میرے لیے اس سے بڑھ کر اور کچھ بھی نہیں 'آپ میرے لیے جو بھی فیصلہ کریں گے۔ میں زندگی بھر اسے ہنسی خوشی نبھاؤں گی 'یہ میرا آپ سے وعدہ ہے' آپ کو کبھی میری طرف سے کوئی شکایت 'کوئی غم نہیں ملے گا۔"
عدیل اسے ساتھ لگا کر تھپکنے لگا۔ اس کے لیے فیصلہ کرنا آسان ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"یہ کیا کہہ رہے ہو عدیل تم!" وقار شاک بھرے انداز میں سامنے کھڑے عدیل کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔
"وہی جو مجھے کہنا چاہیے تھا' تمہاری اور تمہارے بیٹے کی اصلیت جان لینے کے بعد۔" عدیل کی آنکھوں میں سرد مہری تو تھی ہی گہری اجنبیت بھی تھی۔
"لیکن اس پر تو ہم بات کر چکے ہیں' تمام معاملات طے پا چکے ہیں جیسے تم چاہ رہے تھے۔ گھر بھی مثال کے نام ہو چکا ہے اور فہد اس لڑکی کو طلاق۔۔۔"
"بس!" عدیل نے ایک ہاتھ اٹھا کر اسے مزید بولنے سے روکا تھا۔
فائزہ اور وقار نے سخت پریشانی کے عالم میں ایک دوسرے کو دیکھا۔ سب کچھ پھر لٹنے جا رہا تھا۔
عفت کے چہرے پر ناگواری سی الجھن تھی۔
مگر وہ آگے بڑھ کر اب عدیل کو روک نہیں سکتی تھی اسے پھر سے بھری محفل میں ذلیل ہونے کی ہمت نہیں تھی۔
"آگے نہیں وقار۔۔۔ آگے کچھ نہیں بولنا میں ایک بار زندگی میں اپنا یہ حق استعمال کر چکا ہوں اور میں نہیں چاہتا کہ برس ہا برس بیٹی ایسے کسی بھی معاملے میں حصہ دار بنے جس میں کسی کو طلاق ہو۔"

"مگر عدیل! اس میں تمہارا یا مثال کا کوئی ہاتھ نہیں ہم تو پہلے ہی ایسا چاہتے تھے۔" وہ فوراً "صفائی دینے والے

انداز میں بولا۔
عدیل نے اسے تاسف بھری نظروں سے دیکھا۔
"اور مجھے بہت افسوس ہے کہ اتنے سال دوستی رہنے کے باوجود میں تمہیں ٹھیک سے پہچان نہیں سکا۔" وہ اس کے چہرے پر سرد نگاہیں مرکوز کرتے ہوئے بولا۔
"عدیل... دیکھو سب معاملے طے پا چکے ہیں۔" وقار نے صلح جو انداز میں اسے سمجھانے کی کوشش کی۔
"میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ تم اتنے خود غرض، بے حس اور مفاد پرست ہو کہ صرف اپنی غرض کی خاطر کسی کی بھی زندگی کو تباہ کر سکتے ہو اور میں بے وقوف دوسری بار، وہی غلط فیصلہ کرنے جا رہا تھا جس سے بچانے کے لیے قدرت نے اس لڑکی کو غیبی مدد بنا کر بھیجا۔"
عدیل نے ایک طرف کھڑی لیلیٰ کو ہمدردی سے دیکھ کر کہا۔
"تم اس کی باتوں میں مت آؤ عدیل۔" وقار اسے وارن کرنے والے انداز میں بولا۔
"نہیں آ رہا بالکل بھی بلکہ میں اس کے لیے صرف دعا کر رہا ہوں کیونکہ بہرحال یہ بھی کسی کی بیٹی ہے اور تمہاری پوتی کی ماں بھی۔"
"تم نہیں جانتے عدیل...."
"وقار! جھوٹی ضد اور بے کار کی انا چھوڑ کر ان دونوں کو اپنا لو جبکہ تمہارا بیٹا بھی اسے نہیں چھوڑنا چاہتا۔ اس کی خاطر ان دونوں کو قبول کر لو تو شاید میری نظروں میں کچھ تمہارا مقام رہ جائے ورنہ میں ہمیشہ یہی شکر ادا کرتا رہوں گا کہ خدا نے میری بیٹی کو تم جیسی دھوکے باز فیملی کے ہتھے چڑھنے سے بچا لیا۔"
اس نے دوٹوک انداز میں کہہ کر جیسے بات ہی ختم کر دی۔
"لے جاؤ اس لڑکی کو اپنی بہو نہیں اپنی بیٹی بنا کر، ایک بار اسے کھلے دل سے قبول کر لو۔ تمہارے لیے زندگی آسان ہو جائے گی۔ بیٹا بھی تمہارے پاس آ جائے گا۔ تمہارا گھر ہمیشہ کے لیے آباد ہو جائے گا۔ میں صرف تمہیں مشورہ دے سکتا ہوں۔"
"عدیل بھائی! نکاح شروع کروائیں، لیلیٰ والے معاملے کو بھی بعد میں دیکھ لیں گے۔"
فائزہ شوہر کی مدد کو آگے بڑھی تھی۔
"عفت بھابھی! مثال بیٹی کو لے کر آئیں۔" وہ عفت کو بہت اپنائیت سے دیکھتے ہوئے بولی تھی۔
"میرا خیال ہے کہ مثال کو اب لے آئیں عفت! کیونکہ ذرا سی دیر میں نکاح ہے اس کے باوجود کہ تم نے مجھے بہت بڑا دھوکا دیا ہے وقار! پھر بھی میں چاہوں گا تم میری بیٹی کے نکاح میں ضرور شامل ہو۔"
عدیل کی بات پر وقار اور فائزہ نے کچھ پریشان ہو کر ایک دوسرے کو دیکھا تھا۔
"واثق بیٹا! آ جائیں آگے آپ!" عدیل نے پیچھے کھڑے واثق کا ہاتھ پکڑ کر اسے آگے کیا تھا۔
وقار، فائزہ، فہد اور باقی سب کے لیے یہ کسی جھٹکے سے کم نہیں تھا۔
اور عفت تو لمحہ بھر کو بے یقین سی کھڑی رہ گئی تھی۔
ایک بار پھر عدیل نے فیصلہ کرتے ہوئے اس کو کسی قابل نہیں سمجھا تھا، وہ غصے میں کھولنے لگی تھی۔

☆ ☆ ☆
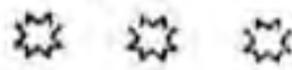
واثق اور مثال کا نکاح ہو رہا تھا۔

دونوں کے چہروں پر ایک مسلسل بے یقینی کی کیفیت ثبت تھی۔ عفت اور پری ششدر سی سب دیکھ رہی تھیں۔
وردہ ماں اور بھائی کو خوش دیکھ کر مطمئن سی ہو چکی تھی۔
عدیل کے چہرے پر جیسے صدیوں بعد ایک سکون بھرا ٹھہراؤ آیا تھا۔ وقار اور اس کی فیملی عدیل کے اصرار کے باوجود وہاں نہیں رکی تھی۔
عدیل نے بھی انہیں جانے دیا۔ یہی مقام شکر کیا کم تھا کہ مثال کو بہر حال اللہ نے بچا لیا تھا۔
نکاح ہو جانے کے بعد عاصمہ عدیل کو مبارک باد دیتے ہوئے بے اختیار مثال کو ساتھ لپٹا کر پیار کر رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے۔
سالوں پہلے کی وہ رات جب عدیل کو اللہ نے اس کے لیے فرشتہ بنا کر بھیجا تھا۔
اور اس نے جب جب عدیل کو یاد کیا اس کو بہت دعائیں دی تھیں اور سمجھ رہی تھی شاید قرض چکا دیا، لیکن آج جو کچھ ہوا تو اسے معلوم ہوا کہ اللہ اس سے کچھ اور بھی تو چاہتا تھا۔
اسے اپنے اللہ پر بھی اس لمحے بہت پیار آ رہا تھا۔
"میری بیٹی بہت سادہ، بہت معصوم ہے عاصمہ۔ بس! اس نے اپنی اس چھوٹی سی زندگی میں مکمل خوشی نہیں دیکھی۔ اگر اس سے کچھ بھول ہو جائے، کچھ غلطی تو آپ اسے اپنی بیٹی سمجھ کر نظر انداز کر دیجیے گا۔"
رخصتی سے پہلے عدیل نے جب رندھی آواز میں واثق کے ساتھ اسٹیج پر بیٹھی مثال کو دیکھتے ہوئے کہا، تو عاصمہ کے چہرے پر بڑی اعتماد بھری مسکراہٹ ابھری تھی۔
"عدیل بھائی! مثال کو میں اپنی بہو نہیں اپنی بیٹی ہی بنا کر لے جا رہی ہوں۔ پلیز اب آپ بھول جائیں یہ آپ کی بیٹی ہے۔ مجھے اپنے واثق سے بھی بڑھ کر عزیز ہے۔ ان شاء اللہ آپ کو اس کی طرف سے کبھی کوئی ایسی ویسی بات سننے کو نہیں ملے گی۔"
اور عدیل کی آنکھیں مزید بھیگ گئیں۔
"اور آپ کا بہت شکریہ، آپ نے مجھ پر میرے بیٹے پر بھروسا کیا۔ اللہ نے چاہا تو میرا بیٹا آپ کی توقعات پر پورا اترے گا۔"
"ان شاء اللہ میری دعائیں ہیں ساتھ۔" وہ طمانیت سے چہرہ صاف کر کے مسکرایا تھا۔
"تو اب ہمیں رخصتی کی اجازت دیں، رات کافی سے زیادہ بیت چکی۔" عاصمہ نے کہا تو عدیل لمحہ بھر کو جیسے منجمد سا رہ گیا ایک لمحہ کو اسے محسوس ہوا کہ اگر مثال اس سے ہمیشہ کے لیے دور چلی گئی تو وہ کیا کرے گا۔
اس نے ایسا کبھی نہیں سوچا تھا۔
ہر لمحہ صرف مثال کو ایک بوجھ سمجھ کر اتارنے کی خواہش کی تھی۔
اور آج جب یہ بوجھ کوئی بہت سبھاؤ سے اتار کر اپنے سینے سے لگا کر لے جانے کا خواہش مند تھا تو جیسے اس کا دل ٹھٹک سا گیا تھا۔
مثال کی دوری کے خیال نے تو ہمیشہ اسے ہراساں کیا تھا۔
"کیا یہ ممکن نہیں عاصمہ۔ بس کہ رخصتی چند دنوں بعد ہو جائے کیونکہ جس طرح نکاح عجلت میں ہوا ہے تو مثال کو، ہمیں اس سارے کو ذہنی طور پر قبول کرنے کا کچھ وقت مل جائے گا۔" وہ ذرا دیر بعد لجاجت سے کہہ رہا تھا۔
"عدیل بھائی!" عاصمہ کچھ خفگی سے بولی۔ "تو آپ کو بھروسا نہیں ہم پر۔"

"ایسی بات نہیں ہے عاصمہ بہن! بیٹی کا باپ ہوں نا جانتا ہوں کہ بیٹی کو ایک نہ ایک دن رخصت ہو کر پرائے گھر جانا ہی ہوتا ہے لیکن اس حقیقت کو قبول کرنے میں کتنی تکلیف ہو سکتی ہے' یہ میں نے کبھی نہیں سوچا تھا۔"
وہ سر جھکائے کچھ افسردہ سا کہہ رہا تھا۔
"تو آپ نے یہ کیسے سوچ لیا آپ کی بیٹی خدا نخواستہ رخصت ہو کر پرائے گھر میں جا رہی ہے' وہ اپنی ماں کے گھر جا رہی ہے اور وہ گھر یہاں آپ کے گھر سے بہت دور نہیں بلکہ اب کچھ اور بھی پاس آجائے گا جب وہ وہاں جائے گی۔"

عاصمہ بہت پیار بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔
عدیل آنکھوں میں تشکر بھرے احساسات لیے اسے دیکھنے لگا۔
"لوگوں کو واپس بھی جانا ہے عدیل! کوئی اور کتنا انتظار کرے' رخصتی ابھی ہو گی یا بعد میں سب ہی پوچھ رہے ہیں' بتائیں کیا کرنا ہے؟" عفت پاس آکر بہت تھکن و اکتاہٹ بھرے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔
"رخصتی ابھی ہو گی عفت! تم مثال کا ضروری سامان جو ساتھ کرنا ہو' تم پلیز وہ ساتھ رکھو اور باقی سب کچھ کل دن میں بھجوا دیں گے۔" عدیل سر ہلا کر بولا۔
"نہیں عدیل بھائی! یقین کریں' بالکل بھی یہ میں رسمی بات نہیں کر رہی۔ ہمیں واقعی کوئی جہیز' کچھ بھی نہیں چاہیے آپ نے اپنے گھر کا سب سے انمول موتی ہماری جھولی میں ڈال دیا' ہمیں اس کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں چاہیے۔" عاصمہ قطعی انداز میں کہہ رہی تھی۔
"نہیں عاصمہ بہن! یہ تو نہیں ہو سکتا جو کچھ مثال کے نصیب کا تھا۔ وہ تو اسے ملے گا ہی۔ پہلے ہی سب اسی کی نیت سے بنایا تھا تو وہ اسی کا حق ہے۔"
عدیل نے سختی سے عاصمہ کی بات کو رد کیا۔
"اب نہیں کہیں' میرے گھر میں سب کچھ موجود ہے اور میں جہیز کے بالکل بھی حق میں نہیں' واثق بھی یہ بات پسند نہیں کرے گا۔ پلیز آپ یہ سب رہنے دیں۔
بلکہ عفت بہن! آپ پری کے لیے یہ سب رکھ لیں' ہمیں مثال مل گئی۔ ہمیں اور کچھ نہیں چاہیے۔" وہ محبت بھرے انداز میں عفت کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولی۔
اور عفت کو یوں لگا جیسے کسی نے انگارے اس کے کندھے پر رکھ دیے ہوں۔
"معاف کیجیے گا محترمہ! میری بیٹی نے کبھی اترن نہیں پہنی نہ ہی کبھی میری پری نے ہمیشہ جو چاہا' وہ اپنی پسند کا ہی لیا' یہ سب جو ہے یہ مثال کی پسند کا ہے جو پری کو کبھی پسند نہیں آئے گا۔ اس لیے یہ سب آپ کو لے جانا پڑے گا' ہاں اگر آپ کو نہیں چاہیے تو اپنی بیٹی کے لیے رکھ لیں یا پھر کسی بھی یتیم مسکین کو دے دیجیے گا۔ مگر ہم نہیں رکھیں گے یہ سامان۔"
عاصمہ لمحہ بھر کو ساکت سی رہ گئی۔
عدیل کے چہرے پر غصہ اور ناگواری کے تاثرات ابھرے تھے۔
"تم جانتی ہو۔ تم یہ سب کیا کہہ رہی ہو۔" وہ دبی آواز میں غرا کر عفت سے بولا تھا۔
"میں سامان رکھوا رہی ہوں۔ باہر پھر جس طرح ان لوگوں کو لے جانا ہو گا لے جائیں گے۔ صبح سے یہ وقت آ گیا ہے ٹینشن بھرا تھکا دینے والا دن ختم ہونے میں ہی نہیں آرہا پلیز اب جلدی ختم کریں۔ اس ہیڈک کو۔" وہ منہ میں بڑبڑاتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔
عدیل زمین میں نظریں گاڑے کتنی دیر کھڑا رہا۔

"آپ سمجھ سکتی ہیں اب کہ میری مثال نے یہاں کیسی زندگی گزاری ہوگی۔"
"میں سمجھ سکتی ہوں۔ اجازت دیں اب ہمیں... میں اپنی بیٹی کو اپنے گھر لے جاسکوں۔"
عاصمہ نپے تلے انداز میں کہہ کر آہستگی سے قدم بڑھاتی اسٹیج کی طرف بڑھ گئی۔
جب بیٹیوں کی نئی زندگی شروع ہونے جارہی ہو تو اپنی ماؤں کی موجودگی کتنی ضروری ہوتی ہے اس لمحے عدیل کو بہت شدت سے احساس ہوا تھا۔
"اب تو تمہیں یقین آگیا ہوگا مثال! کہ کس کے جذبے سچے ہیں اور اس میں کتنی طاقت تھی جبکہ تم تو مجھے ہمیشہ کی جدائی دے کر کسی اور کی ہونے جارہی تھیں نا؟"
وہ چہرہ جھکائے بہت سرشار لہجے میں اپنے پیروں پر بنے مہندی کے خوب صورت بیل بوٹوں کے ڈیزائن پر نظریں جمائے کھڑی مثال سے کہہ رہا تھا۔
وہ جواب میں بہت گہری مسکراہٹ کے ساتھ اس کے سیاہ بوٹوں کو دیکھتی رہی۔

☼ ☼ ☼
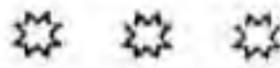
اور رات کے آخری پہر بالآخر رخصتی ہو ہی گئی۔
عاصمہ نے عفت کے اصرار کے باوجود بہت کم سامان ساتھ لیا تھا' عفت یوں تو نخرے دکھاتے ہوئے انکار کیے جارہی تھی مگر دل میں دو طرح سے بل کھا رہی تھی۔
"کیسی قسمت کی دھنی ہے یہ مثال' پہلے سسرال والے کیا کم تھے۔ پیار محبت لٹانے والے' پیسہ دولت مال رکھنے والے' بھلے دھوکے باز تھے کہ اب یہ جو ایمرجنسی میں رشتہ ہوا' اس طرح نچھاور ہو رہے ہیں سب' جیسے مثال بی بی دنیا کی آخری خوب صورت ترین لڑکی ہو۔"
وہ دور جاتی گاڑی کی ٹیل لائٹس کو دیکھتے ہوئے دل میں کلس رہی تھی۔
عدیل نے جس طرح آخری وقت میں آکر فیصلہ بدلا تھا عفت کو یقین ہوگیا کہ مثال کے لیے عدیل کسی بھی حد تک جاسکتا ہے' وہ گیا بھی... اس نے ایک عمر کی دوستی' تعلقات سب گنوادیے۔ وہ تو شاید عفت کو بھی اپنی زندگی سے الگ کردیتا اگر وہ مزید ہنگامہ کرتی۔
"یہ چڑیل اس گھر سے رخصت ہوکر بھی کبھی نہیں جائے گی۔" عفت کو یقین تھا۔
"تم پاگل تو نہیں ہوگئی ہو پری۔"
عفت بے تحاشا روتی پری کو دونوں ہاتھوں سے جھنجوڑتے ہوئے غصے اور طیش میں بولی تھی۔
"ہاں میں ہوگئی ہوں پاگل! میں نے چاہا تھا۔ واثق کو۔ پہلے میں نے محبت کی تھی اس سے۔ میں نے اللہ سے مانگا تھا اسے تو پھر وہ مثال کو کیسے مل سکتا ہے' وہ میری محبت ہے مما! میں اسے مثال کو تو کیا کسی کو بھی نہیں دے سکتی۔ میں جان سے ماردوں گی مثال کو۔ اسے کبھی بھی واثق کے ساتھ نہیں رہنے دوں گی۔"
وہ پاگلوں کی طرح بے سوچے سمجھے شدید جذباتی پن میں بولتی چلی جارہی تھی۔
"شادی ہوگئی ہے دونوں کی' ہوش کرو کچھ اور اس لڑکے میں ایسا کچھ نہیں' جو تم یوں ہوش کھو بیٹھو۔" عفت غصہ دکھاتے ہوئے اسے سمجھانے کو بولی۔
"شادی ہوئی ہے نا صرف تو کیا ہوا۔ شادیاں ختم بھی تو ہوجاتی ہیں۔ اس کی ماں کی بھی تو ختم ہوئی تھی اس کی بھی ہوجائے گی۔ میں کروں گی اس کی شادی ختم۔" اور باہر کھڑا عدیل ششدر سا رہ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

مثال اس اجنبی کمرے کو دیکھ رہی تھی جہاں آج سے پہلے وہ کبھی بھی نہیں آئی تھی۔
مگر ڈریسنگ ٹیبل پر پڑے اس کے تصویری اسٹل اسکیچ کچھ اور ہی داستان سنا رہے تھے۔
وہ ششدر سی ان دونوں تصویروں کو دیکھے جا رہی تھی۔
"یہ میرا دیوانہ پن تھا۔ مانو گی ناں ان تصویروں کو تو دیکھ کر۔" وہ اس کے کان کے بالکل پیچھے آکر اس طرح سرگوشی میں بولا کہ مثال کو لگا اس کا دل تھم گیا ہے۔
صرف اس کا دل نہیں اس کائنات کی ہر شے اور مثال کے دل میں دھڑکتی دھڑکنیں بھی!
وہ بے حد خواہش کے بھی بلیٹ کراس کو اپنے اتنے قریب نہیں دیکھ پا رہی تھی' جس کو پانے کی خواہش کو اس نے کبھی خواب میں بھی خود سے کہنے کی ہمت نہیں کی تھی۔
اور یہ تو اسے پتا تھا' وہ کبھی بھی قسمت کی اچھی نہیں رہی' لیکن ان چند گھنٹوں میں جو کچھ ہوا' وہ اپنی قسمت کے بارے میں اپنا گلہ فراموش کر چکی تھی۔
یاد تھا تو صرف اتنا کہ وہ اس شخص کی ہو چکی ہے جس کی چاہت اس کے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں بھی کہیں بہت نیچے ہی نیچے پوشیدہ تھی۔
"کچھ نہیں کہو گی تم؟" اس نے بہت نرمی سے اسے بازوؤں سے پکڑ کر عین اپنے سینے کے بالمقابل کھڑا کیا تھا۔
اور اس کی پلکیں یوں بوجھل ہو رہی تھیں جیسے ان پر بڑا بھاری بوجھ پڑا ہو۔ وہ کبھی پلکیں اٹھا کر سامنے کھڑے اس پور پور محبت میں گندھے شخص کو نہیں دیکھ پائے گی۔
"مثال! تم خوش تو ہو ناں۔ پلیز کچھ کہو۔ کچھ بولو..... کچھ ایسا کہ مجھے لگے تمہاری محبت میرا وہم نہیں تھا۔ میرا یقین تھا۔ میری زندگی کا سب سے خوب صورت یقین جس کے سہارے میں تمہارے پاپا کے سامنے جا کر کھڑا ہو گیا۔" وہ بہت بھاری بوجھل لہجے میں کہہ رہا تھا۔
وہ صرف اس کی وائٹ شرٹ کے بٹنوں پر نظریں جمائے بالکل ساکت کھڑی تھی۔
"مثال! تم خوش ہو ناں۔ بتاؤ مجھے۔" اس نے پھر بے قراری سے پوچھا۔
اور وہ ضبط کھو کر اس کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

رخسانہ نگار عدنان

نئی زندگی کی پہلی صبح! مثال کے لیے بہت حیران کن تھی۔ ایک مکمل محبت کی مالک ہونے کا احساس۔ اسے بالکل بھی اندازہ نہیں تھا کہ واثق کے دل میں اس کے لیے اس قدر چاہت ہے' محبت کی ایسی شدت' ایسی گہرائی ہے کہ وہ بھی اس کو شاید ناپ ہی نہ سکے۔

''محبت میں ناپ تول نہیں ہوتا محترمہ!'' وہ جو بات اپنے دل میں چپکے چپکے سوچ رہی تھی' وہ اس کے پیچھے آکر کھڑے ہوتے ہوئے جانے کیسے جان گیا' وہ لحہ بھر کو گنگ سی رہ گئی۔

''کیا میں نے کچھ غلط کہا تم سے؟'' وہ بہت آہستگی سے اس کے بالوں کو پیچھے سے ہلکا سا سہلا کر بولا۔

''اور اب یہ بھی نہیں کہنا کہ غلط کہا ہے' میں نے صحیح کہا ہے۔ تمہیں اس کا پتا نہیں ہے۔'' وہ پھر سے جیسے اس کی ہنسی اڑانے کو بولا۔

''ہاں تو نہیں پتا ناں' مجھے تو ابھی تک یہ بھی پتا نہیں آپ نے جو مجھ سے محبت کے — اونچے اونچے دعوے کیے ہیں۔ ان میں کتنی پرسنٹ حقیقت ہے۔'' وہ بھی اسے چھیڑنے کو ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے سے اٹھتے ہوئے بولی۔ وہ اس کے پیچھے کھڑا تھا اور آئینے میں مسلسل اس کو فوکس کیے ہوئے تھا۔

واثق کی آنکھوں میں کچھ ناراضی سی ابھری۔

''ٹھیک کہا ناں میں نے'' وہ اس کی آنکھوں میں شوخی سے جھانکتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

''شاید تم مجھے چڑانے کی کوشش کر رہی ہو۔''

تیسویں قسط

"میں تو کر بھی چکی۔" وہ مزہ لے کر بولی۔

"خیر۔ مجھے تمہیں اپنی محبت کی شدت کا یقین دلانے کے لیے کسی بھی طرح کے آرگیومنٹس دینے کی ضرورت نہیں۔ میں تمہیں کتنا چاہتا ہوں اور تمہیں اس کا کتنا یقین ہے' یہ تو مجھے تمہاری آنکھیں ہی بتا رہی ہیں اور آنکھیں کبھی جھوٹ نہیں بولتیں ڈیئر۔"

وہ اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھے اس کے بہت قریب کھڑا اس سے کہہ رہا تھا کہ اس کے لباس سے اٹھتی مدھم سی خوشبو مشال کو اپنے حصار میں لیے جا رہی تھی۔

"بولتی بھی ہیں اکثر آنکھیں جھوٹ... اس میں کیا ہے۔" وہ اس حصار سے نکلنے کے لیے کسمسا کر بولی۔

"تو وہ تمہاری آنکھیں ہوں گی نا!"

وہ شرارت سے اسے کچھ اور بھی اپنے قریب کرتے ہوئے بولا۔

"اور اتنے مہینوں سے تمہاری آنکھوں نے ہی تو مجھے تمہارے قریب تر کیا ہے۔ کیا تمہیں معلوم ہے یہ بات۔" وہ مزے سے اسے اپنے بازوؤں کے حصار میں لے کر کھڑکی کے پاس لے آیا تھا۔

"کیا مطلب؟" مشال کی سمجھ میں اس کی بات نہیں آئی وہ چہرہ گھما کر اس کی طرف دیکھتے ہوئے کچھ ساکت سی ہو گئی۔

"بھئی۔ تم تو پکی تھیں اپنے جھوٹ میں۔ مسلسل کہ تمہیں مجھ سے محبت نہیں' میری طرف دیکھنا بھی تمہیں پسند نہیں' میرا یوں راہوں میں ٹکرانا بھی تمہیں بُرا لگتا ہے' لیکن ہائی لو' تمہاری یہ پیاری' بے ریا شفاف آنکھیں ان کی معصوم سی التجا بھری درخواست ہر بار میرے قدم جکڑ لیا کرتی تھی۔"

وہ اس کے چہرے کو اپنے کندھے سے لگائے آرام سے کھڑا تھا' مشال کوشش کے باوجود ہل بھی نہیں پا رہی تھی۔

"کون سی درخواست؟" وہ بے حد مدھم لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"یہی کہ یہ مشال بڑی ہی بے وقوف ہے۔ اس کو تو اپنے جذبوں پر پابندی لگانے کا بڑا شوق ہے۔ اس کو خود پہ ظلم ڈھانے میں بھی بڑی مہارت ہے' لیکن ہمارا کیا قصور ہے' ہم تو دن رات' ہر لمحہ' ہر پل واثق! تمہیں اپنے پاس' اپنے سامنے' اپنے بے حد قریب دیکھنا چاہتی ہیں۔ خدا کے لیے ہم پر رحم کرو ہمیں اس جھوٹی مشال کی گپ بازی کے باوجود اپنے قریب رکھو۔" کہتے کہتے اس کے بازوؤں کی گرفت اس کے گرد کچھ اور بھی تنگ ہو گئی۔

مشال نے پورا زور لگا کر خود کو کھینچا۔

"میں جھوٹی ہوں تو پھر کیوں مجھ سے شادی کے لیے مرے جا رہے تھے' کتنے بڑے ڈرامے باز ہیں آپ قسم سے واثق!" وہ اسے ناراض نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"کیا ابھی بھی تم اس سب کو ڈرامہ بازی کہو گی؟" واثق نے اس کی ٹھوڑی کے نیچے اپنی انگلی رکھ کر تھوڑا سا چہرہ اونچا کیا۔

"ہاں... نہیں تو کیا۔" وہ نظریں ملائے بغیر مخمور سے لہجے میں بولی۔

"اور اگر میں یہ ڈرامہ نہیں کرتا۔ تمہیں اس فراڈیے فہد کا ہو جانے دیتا تو پھر...؟" وہ اسے چھیڑنے کو بولا۔ وہ ایک دم سے ساکت سی ہو گئی' کچھ بول ہی نہیں سکی۔

"مشال؟" اس کی خاموشی پر وہ کچھ پریشان ہو کر بولا۔

مشال نے نظریں اٹھائیں تو وہ آنسوؤں سے لبالب تھیں۔

"اوہ خدا کے لیے رات والے سین کو دُہرانا نہیں۔ پلیز میں مذاق کر رہا تھا۔ بلیو می۔۔۔!"
وہ اسے پیار بھرے انداز میں منانے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ یونہی سر جھٹک کر آنکھیں جھپک کر رہ گئی۔
"تم ناراض ہو گئیں 'برا لگا تمہیں؟" وہ پوچھ رہا تھا۔
"نہیں یہ تو شکریے کے آنسو ہیں، جو میری مرضی سے میری آنکھوں میں نہیں آئے ہیں واثق! آپ نہ ہوتے۔"
اس نے بے اختیار مثال کے لبوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔
"یہ بات پھر کبھی بھی نہیں کہنا کہ میں نہ ہوتا۔ مثال اگر میں نہیں ہوتا تو پھر تم بھی نہیں ہوتیں' میں اسی لیے ہوں کہ تم ہو' ہم دونوں اب کبھی زندگی بھر ایک پل کے لیے بھی ایک دوسرے سے الگ نہیں ہو سکتے' دور نہیں جا سکتے۔"
وہ بہت نرمی سے اسے ساتھ لگائے کہہ رہا تھا۔
مثال آہستگی سے اثبات میں سر ہلا رہی تھی۔
"وعدہ کرو مثال! مجھ سے کبھی ناراض نہیں ہو گی۔ کبھی بدگمان نہیں ہو گی۔"
"پلیز واثق! میں آپ سے تو کم از کم کبھی بدگمان نہیں ہو سکتی' میری زندگی آپ سے ہے۔ آپ کی محبت' آپ کی رفاقت' آپ کا ساتھ ہی میرے لیے اب سب کچھ ہے۔" وہ دھیرے دھیرے کہہ رہی تھی۔
دونوں ایک دوسرے کی محبت میں سرشار گم تھے۔
دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی اور دوسرے لمحے دروازہ ایک دم سے کھل گیا۔
واثق تیزی سے پیچھے مڑا اس کے چہرے پر سخت ناگواری تھی' مثال بھی سمٹ کر ایک طرف ہو گئی۔
مگر اندر آتی پری ان دونوں کی محبت کا والہانہ انداز پل کے ہزارویں حصے میں بھی دیکھ چکی تھی۔
کسی کانٹے کی طرح وہ منظر اس کی آنکھ میں چبھا تھا اسے شدید تکلیف کا احساس ہوا تھا۔
"کیا ہے یہ؟" واثق نہ چاہتے ہوئے بھی اپنی ناگواری ظاہر کرتے ہوئے کچھ کرختی سے بولا۔
"آپ کے پیار محبت کا فوٹو شوٹ ابھی ختم ہوا لگ نہیں رہا' آپ دونوں رات بھر سوئے بھی ہیں یا نہیں۔"
وہ اندر آتے ہوئے کچھ بے باکی سے بولی۔
اس نے واثق کے سخت لہجے کو جیسے سنا ہی نہیں تھا۔ مثال اس کے انداز پر ذرا سی چونکی اور اسے دیکھنے لگی۔
"آپ لوگوں کے لیے ناشتا لے کر آنا تھا۔ میں تو آنا نہیں چاہ رہی تھی مگر مما نے زبردستی بھیج دیا کہ یہ رسم ہوتی ہے کہ شادی کے بعد اگلے دن پہلا کھانا لڑکی کے میکے سے آئے۔" وہ بات کو طول دے کر بول رہی تھی۔
اس کی متلاشی نظریں دونوں کے اردگرد بے چینی سے طواف کر رہی تھیں۔
"آپ کو اپنی والدہ صاحبہ کو بتانا تھا کہ ہم ان دنیاوی فضول رسموں کو نہیں مانتے۔" واثق کوفت بھرے لہجے میں بولا۔
"اوہ۔۔۔ ہم یعنی آپ اور مثال آپی؟" وہ لہجے کو معنی خیز بناتے ہوئے بولی۔
"چند گھنٹوں میں خیالات کا ایسا اتحاد میں پہلی بار دیکھ رہی ہوں۔ لکی یو آر مثال آپی!" وہ کچھ عجیب جلے بھنے لہجے میں بولی تھی۔
مثال نے کچھ پریشان ہو کر پری کو دیکھا۔
"مما نہیں آئیں تمہارے ساتھ؟" وہ کچھ محتاط لہجے میں کن اکھیوں سے واثق کے خفا چہرے کو دیکھتے ہوئے پوچھنے لگی۔

"آئی ہیں۔۔۔ آپ کی ساس صاحبہ کے پاس بیٹھی ہیں' مجھے آپ دونوں سے ملنے کی بے تابی تھی' آئی مین' اپنے دولہا بھائی سے ملنے کی تو اس لیے آگئی آپ دونوں کو میرا یوں آنا برا تو نہیں لگا؟" وہ معصومیت سے پوچھنے لگی۔
واثق سر جھٹک کر منہ پھیر کر رہ گیا۔
"واثق بھائی! کیا آپ کو میرا آنا اچھا نہیں لگا؟" وہ معصوم لہجے میں کہتے ہوئے اس سے پوچھ رہی تھی۔
"دنیاوی رسمیں نبھانے آئی ہیں آپ' سو اپنا کام کریں' کسی کی ناراضی' خوشی' ناپسندیدگی اور کسی بھی بات کی فکر نہیں کریں۔ بس اپنا کام کریں۔"
وہ تروخے لہجے میں کہہ کر الماری کھول کر اس میں سے کچھ نکالنے لگا۔
"واؤ! یہ کیا ہے بھئی؟۔۔۔" اس کی نظر بیڈ سائیڈ پر پڑے مثال کے اسٹل اسکیچ پر گئی تھی۔
مثال نے کچھ گھبرا کر واثق کو دیکھا۔
وہ بھی مڑ کر پری کی نظروں کے تعاقب میں دیکھ رہا تھا۔
"کچھ نہیں ہے یہ۔" وہ ایک دم سے آگے بڑھ کر وہ کاغذ فولڈ کرتے ہوئے جھک کر الماری میں رکھنے لگا۔ پری کے چہرے پر واضح ناراضی تھی۔
"میں مل لوں عفت ماما سے۔ آؤ پری!" مثال اس کی خفگی کو دور کرنے کے لیے بولی۔
پری کچھ کہے بغیر باہر نکل گئی۔ مثال واثق کو دیکھنے لگی۔

☼ ☼ ☼

عدیل نے ساری رات جاگتے گزار دی تھی۔
کل رات میں جو کچھ ہوا' وہ ایک سما دینے والے ڈراؤنے خواب سے کم نہیں تھا' لیکن اس کے بعد اللہ نے مہربانی کردی۔ نامعلوم اس کی کون سی نیکی' کون سا اچھا کام اجر بن کے آڑے آگیا اور مثال خیر و خوبی سے رخصت ہو گئی۔
لیکن اس کے لیے' جو کچھ اس نے پری کے منہ سے سنا' اسے حواس باختہ کر دینے کے لیے کافی تھا۔ وہ جانتے بوجھتے یقین نہیں کرنا چاہتا تھا۔
اپنے کانوں سے سنی اس ساری نامعقول بات کو جھٹلا دینا چاہتا تھا اور اس کی روح تک بوجھل ہو گئی تھی' رات کے آخری پہر یہ بوجھ خود سے سرکاتے سرکاتے وہ تھک کر نڈھال ہو چکا تھا۔
جانے کب اس کی بھاری پتھرسی آنکھیں کسی بوجھ تلے دب کر غنودگی میں جا رہی تھیں' جب گھر میں ہلچل سی جاگ اٹھی۔
وہ کچھ بھی سننا اور سوچنا نہیں چاہتا تھا ہر شور سے اس نے اپنے کان بند کر لیے تھے۔
"عدیل! میں ناشتہ بھجوا رہی ہوں مثال کے سسرال' جو بھی ہے وہ لوگ ہمارے لیے تو اجنبی ہیں بلکہ اسی لیے میں نے سوچا ہے میں خود جاتی ہوں ناشتہ لے کر۔ آپ چلیں گے ہمارے ساتھ؟"
صبح صبح جانے کیسے اتنی فرصت سے تیار ہوئی تھی۔ عفت خوب صورت نیلے سوٹ میں نکھری ہوئی۔ اس کے چہرے پر عجیب سی طمانیت اور فراغت تھی۔
غنودگی میں ہونے کے باوجود لمحہ بھر کو عدیل کا ذہن جھٹکا کھا کر بیدار ہوا تھا۔
"رہنے دیتیں' میرے خیال میں اس کی کچھ خاص ضرورت تھی تو نہیں۔۔۔ شادی ہو چکی اور میرا دل کہتا ہے وہ بہت اچھے لوگ ہیں۔ ان شاء اللہ مثال کے ساتھ اچھا ہی ہو گا۔"

وہ بہت ٹھہر ٹھہر کر بول پا رہا تھا۔
اس سے کچھ بھی بولا نہیں جا رہا تھا مگر اسے لگا عفت کو ابھی وہاں نہیں جانا چاہیے' وہ اسے روکنا چاہتا تھا۔
"جانتی ہوں اچھا ہی ہو گا اور میری خدانخواستہ کون سی خواہش ہے کہ کچھ برا ہو۔" آخر میں کڑوے لہجے میں بڑبڑائی تھی۔ عدیل نے صوفے پر ہی ٹانگیں پھیلا لیں۔
"اس طرح کیوں پڑے ہیں؟ طبیعت تو ٹھیک ہے نا۔ میرے خیال میں تو آپ رات کو بھی نہیں سوئے شاید ٹھیک سے۔"
اسے یوں مضمحل سا دیکھ کر عفت کو کچھ خیال آ ہی گیا کچھ فکر مند سے لہجے میں کہہ بیٹھی۔
"ٹھیک ہوں میں۔ کل جو کچھ ہوا بہت ناقابل یقین سا تھا۔" وہ گہرا سانس لے کر بوجھل لہجے میں بولا۔
"ایسا ویسا۔ صبح اٹھی ہوں تو کچھ دیر کو تو رات کی ساری کہانی میری آنکھوں کے سامنے تھی۔ یقین کریں' عجیب سی طبیعت ہو گئی اگر مثال کی فہد ہی سے شادی ہو جاتی۔"
"اچھا اب پلیز تم مجھے کچھ دیر آرام کرنے دو' میرا سر بہت بوجھل ہو رہا ہے' تھوڑی نیند لے لوں تو شاید کچھ بہتر محسوس کروں۔" وہ عفت کو موضوع سے ہٹاتے ہوئے بولا۔
"اسی لیے میں نے سوچا کچھ بھی سہی یہ لوگ ہمارے ایسے مشکل وقت میں کام تو آئے تو ہمیں بھی ایسے اچھے لوگوں کی قدر کرنا چاہیے' ناشتہ میں نے کچھ بازار سے ریڈی میڈ منگوالیا ہے اور کچھ گھر میں بنا لیا ہے' ہمیں وہاں گھنٹہ بھر تو لگ جائے گا۔ اتنی دیر میں آپ ریسٹ کر لیں۔" وہ جلدی جلدی بتاتے ہوئے کمرے کی بکھری چیزیں اٹھا اٹھا کر ان کی جگہوں پر رکھ رہی تھی۔ عدیل کچھ کنفیوز سا اسے دیکھنے لگا۔
"دانی کہاں ہے؟" اسے اچانک خیال آیا۔
"سو رہا ہے' کیوں آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟" وہ کچھ پریشانی سے بولی' عدیل نے نفی میں سر ہلا دیا۔
"میں چلتی ہوں' آپ آرام کریں۔" وہ کہہ کر جانے کے لیے مڑی پھر کچھ خیال آیا تو دروازے کے پاس رک گئی۔ مڑ کر عدیل کو دیکھا۔ عدیل آنکھیں بند کر کے لیٹا تھا۔
"وہ عدیل! آپ نے مثال کی ماں کو بتا دیا کہ مثال کی شادی اب کہاں ہوئی ہے؟" وہ اٹک اٹک کر پوچھ رہی تھی۔
"جانے اس عفت کو کیا دشمنی ہے میرے سکون کے ساتھ' ضرور ایسے لمحے میں کوئی ایسی چبھتی ہوئی بے تکی بات ضرور کرے گی۔ احمق عورت!" وہ دل میں تلملایا۔
"ابھی میری بات نہیں ہوئی' جب ہو گی تو بتا دوں گا۔" وہ تحمل سے کہہ گیا۔
"اور ہو سکتا ہے وہ خود مثال کو فون کرے تو وہ ماں کو بتا چکی ہو میں اٹھوں گا تو کال کر کے بتا دوں گا۔ پلیز' تم یہ دروازہ بند کر جانا۔ کوئی مجھے ڈسٹرب نہیں کرے۔" وہ آنکھوں پر بازو رکھتے ہوئے کچھ کوفت سے کہنے لگا۔
"چلو پری! آجاؤ جلدی سے 'ہم لیٹ ہو رہے ہیں۔" بند ہوتے دروازے کے پیچھے عدیل نے عفت کی بات سنی تو جیسے وہ اچھل ہی پڑا۔
"سنو یہ پری کو وہاں لے جانے کی کیا ضرورت ہے۔ تم دانی کو لے جاؤ۔ یہ کیا کرے گی وہاں؟" وہ بولا تو کافی زور سے تھا' لیکن شاید عفت نے اس کی بات نہیں سنی تھی۔
"مما! میں تیار ہوں' چلیں آجائیں۔" اسے بیرونی دروازے کے پاس سے پری کی بشاش آواز آئی تھی۔
وہ اٹھنا چاہ رہا تھا۔ انہیں روکنا چاہ رہا تھا' لیکن جیسے اس کے جسم سے کسی نے ساری جان ہی نچوڑ لی ہو' وہ کوشش کے باوجود اٹھ کر جا نہیں سکا۔

چند لمحوں بعد گھر میں ایک گہری گمبھیر خاموشی چھا چکی تھی۔ وہ چند لمحے اس بولتی خاموشی کو کان لگا کر سنتا رہا۔
"نہیں۔ مجھے یوں فکر مند نہیں ہونا چاہیے' ان شاء اللہ مثال کے ساتھ اب کچھ بھی برا نہیں ہو گا۔ واثق بہت اچھا لڑکا ہے۔ ایسا لڑکا جو صرف میری بیٹی کو چاہتا ہے اور اس کی ماما بہت گریٹ' بہت اچھی عورت ہے۔ ان شاء اللہ سب کچھ ٹھیک ہو گا اور اس پری کو تو میں دیکھ لوں گا۔ اس کو خود ٹھیک کروں گا۔ اس پر نظر رکھوں گا۔ اس کا ذہن جو نیگٹو ہو رہا ہے۔ مجھے اس کو دیکھنا ہو گا۔"
وہ بہت سے عزم دل میں کرتا مثال کی طرف سے بار بار اچھی باتیں سوچتا' بھٹکتا بھٹکتا بشریٰ کو سوچنے لگا اور سوچتا چلا گیا۔ یہ سچ آج اسے ماننا پڑا کہ بشریٰ تو کبھی اس کے دل سے نکلی ہی نہیں تھی۔ کچھ دیر میں وہ گہری نیند سو چکا تھا۔

☆ ☆ ☆
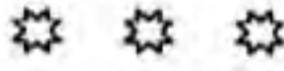
"کیا؟ آپ کیسے جانتی ہیں بشریٰ کو' میرا مطلب ہے۔ مثال کی ماں کو؟" عفت کے لیے عاصمہ کا یہ انکشاف بہت شاکنگ تھا۔
عاصمہ مسکرا کر چائے میں چینی حل کرنے کے بعد عفت کے آگے رکھنے لگی۔
"آپ چائے لیجیے نا۔ ٹھنڈی ہو رہی ہے۔ پری بیٹا! آپ بھی آجاؤ' کچھ لے لو۔ چائے نہیں تو جوس لے لو تھوڑا سا۔" عاصمہ نے آواز لگائی تھی۔
"وہ وردہ کے ساتھ ہے۔ دونوں ساتھ ہوتی ہیں پھر انہیں کسی چیز کی طلب نہیں ہوتی۔" عفت نے جلدی سے کہا۔
یوں بھی وہ نہیں چاہ رہی تھی کہ پری ابھی آئے۔
"یہ تو ہے۔ ماشاء اللہ سے بہت دوستی ہے دونوں میں۔" عاصمہ اپنی مخصوص مہربان مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔
"آپ نے بتایا نہیں' آپ بشریٰ کو کیسے جانتی ہیں۔"
عفت زیادہ دیر تک اپنی بے چینی چھپا نہیں سکی پھر سے پوچھ بیٹھی' عاصمہ نے اس کی بے چینی کو محسوس کیا تھا۔
"کچھ ٹائم کالج میں ہم نے اکٹھے گزارا تھا۔ میری پہلے شادی ہو گئی تھی۔ انٹر ہی کر سکی تھی میں صرف' باقی ساری تعلیم تو میں نے واثق کے پاپا کی ڈیتھ کے بعد حاصل کی۔" وہ کچھ افسردگی سے بولی۔ عفت کو عاصمہ کے قصے میں دلچسپی نہیں تھی مگر پھر بھی وہ بے توجہی ظاہر نہیں کر سکتی تھی۔
"بشریٰ بہت خوب صورت تھی' مطلب ہماری کلاس میں جتنی بھی لڑکیاں تھیں ان سب میں — تو قدرتی طور پر اس کی طرف ہر کوئی متوجہ ہو جاتا تھا پھر طبیعت کی اور مزاج کی بھی بہت اچھی تھی ہم دونوں میں اچھی گپ شپ تھی۔"
عاصمہ کچھ سوچتے ہوئے جیسے اسی دور میں چلی گئی تھی۔
"شادی کے بعد بھی آپ دونوں ملتی رہی تھیں؟" عفت کی بے چینی کچھ اور بڑھ گئی تھی یہ سب سن کر۔
عاصمہ نے نفی میں سر ہلا دیا۔
"نہیں بلکہ میں تو کچھ عرصہ دوسرے شہر میں رہی تھی شادی کے بعد اور سچ کہوں ہیں' بشریٰ کو اتنے عرصے میں بالکل بھول چکی تھی' ایک بار بعد میں ایک قریبی دوست ملی۔ وہ بشریٰ کی بھی دوست تھی اس نے بتایا کہ بشریٰ کی شادی ہو گئی ہے ایک بیٹی ہے اور وہ بہت خوش ہے اپنی زندگی میں۔"

عفت کو اب یہ ساری کہانی بے مزہ سی لگنے لگی تھی۔
"لیکن جب میں پہلی بار مثال سے ملی تو ایک دم سے میری نظروں کے سامنے بشریٰ کا چہرہ آ گیا۔" وہ بولی تو لمحہ بھر کو عفت ساکت سی رہ گئی۔
اسی لمحے اندر آتے واثق اور مثال بھی بے اختیار ٹھٹھکے تھے۔ مثال تو وہیں کھڑی رہ گئی۔
"اور پھر جب ایک بار میں مثال سے ملی تو یہ بات مجھے کنفرم ہو گئی کہ یہ بشریٰ کی ہی بیٹی ہو سکتی ہے۔ اس کے چہرے پر بائیں گال کے عین نیچے ایسا ہی تل تھا جیسے ہماری مثال کے ہے۔"
وہ اٹھ کر مثال کے استقبال کو آگے بڑھی تھی۔ اسے اپنے ساتھ لگا کر بے اختیار لہجے میں بولی۔ مثال کچھ سمٹ سی گئی۔
"اس تل کی تعریف تو واثق نے بھی بہت کی تھی کہ یہ اس کے چہرے پر بہت سوٹ کرتا ہے۔" اس نے کن اکھیوں سے واثق کی طرف دیکھا' وہ بھی اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔
وہ بے اختیار ہنس پڑا اور مثال شرمیلی سی مسکراہٹ کے ساتھ نظریں جھکا گئی۔
عاصمہ دونوں کو سرشار نظروں سے دیکھنے لگی۔
دوسرے رُخ پر کھڑی پری کے چہرے پر شدید نفرت اور غصہ چھلکنے لگا تھا۔
"منحوس ماں جیسی قسمت والی ہے۔ ساس' شوہر کیسے جان چھڑک رہے ہیں۔"
عفت تلملا کر انہیں دیکھے جا رہی تھی۔
عاصمہ' مثال کو ساتھ لگائے اپنے ساتھ بٹھا رہی تھی۔
"مما! چلیں اب گھر' پاپا ویٹ کر رہے ہوں گے' آ جائیں میں جا رہی ہوں باہر۔" پری سخت بیزار' کھڑے لہجے میں کہہ کر کسی سے بھی ملے بغیر تیزی سے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گئی تھی۔
"ارے رکو تو پری کی بچی! میں آ رہی ہوں نا کچھ دیر تو بیٹھو میرے ساتھ۔" ورہ بھاگ کر اس کے پیچھے گئی تھی۔
عفت' عاصمہ سے مل کر اجازت لینے لگی۔
اس نے سرسری انداز میں مثال کو دیکھا تھا اور عاصمہ کے ساتھ باہر کی طرف چلی گئی تھی۔ مثال سر جھکا کر خاموش بیٹھی رہی تھی۔
"لو بھئی اب تو ہم ایک نئے رشتے میں بھی بندھ گئے۔" واثق اس کے قریب آ کر سرگوشی میں بولا تھا۔
"تمہاری اماں اور میری اماں کلاس فیلو بھی رہ چکی ہیں۔ یار! ہماری رشتے داری تو بڑھتی جا رہی ہے۔" وہ اسے چھیڑ رہا تھا۔
مثال پھیکی سی مسکراہٹ سے دیکھ کر رہ گئی۔
"اب کیا ہوا تمہیں؟" وہ کچھ فکر مندی سے پوچھنے لگا۔ مثال نے ذرا سا مسکرا کر نفی میں سر ہلا دیا۔ واثق اسے دیکھ کر کچھ سوچنے لگا۔

☼ ☼ ☼

عدیل بہت تھوڑی نیند لے سکا تھا۔ ہلکے سے کھٹکے کی آواز سے اس کی آنکھ کھل گئی تھی۔
آواز کہاں سے آئی' یہ تو اسے پتا نہیں چل سکا' لیکن پھر اسے مزید نیند بھی نہیں آئی۔
سیل فون اٹھایا کہ بشریٰ کو کال کرے مگر پھر پتا نہیں کیوں رک گیا۔
"پہلے مجھے مثال سے بات کرنا چاہیے۔ اس کی خیریت پوچھنی چاہیے۔" وہ مثال کا نمبر ملانے لگا۔

کال ریسیو نہیں ہو سکی۔ شاید فون اس کے پاس نہیں تھا۔
وہ کچھ دیر یونہی بیٹھا رہا اس کا ذہن خالی خالی سا تھا۔
"اگر وہ عورت رات میں فرشتہ بن کر نہیں آتی اور رواثق ۔۔۔ تو اس وقت اگر میں فائزہ اور وقار کی باتوں میں آ کر مثال کو ان کے ساتھ رخصت کر دیتا تو ۔۔۔ ساری زندگی میں اپنی بیٹی سے نظریں نہیں ملا سکتا تھا۔ وہ اٹھ کر یونہی ٹہلنے لگا تب ہی اس کا فون بجا تھا۔
اجنبی نمبر دیکھ کر لحہ بھر وہ یونہی بیٹھا رہا، پھر کال ریسیو کی، دوسری طرف عاصمہ تھی۔
"عدیل بھائی! آپ کو شام میں ولیمے کے لیے انوائیٹ کرنا تھا، میں نے عفت بہن کو بھی تاکید کر دی ہے۔ آپ کو اس لیے کال کر رہی ہوں۔" وہ اپنے مخصوص نرم لہجے میں کہہ رہی تھی۔
"بہت شکریہ عاصمہ بہن! بلکہ میں خود سوچ رہا تھا۔ آپ کو فون کر کے آپ کا شکریہ ادا کروں، جس طرح آپ نے رات کو ہماری عزت رکھی میرے پاس الفاظ نہیں ہیں کہ میں آپ کا شکریہ ادا کر سکوں۔" وہ مغلوب لہجے میں کہہ رہا تھا۔
عاصمہ کچھ دیر خاموش رہی۔
"کیا پتا عدیل بھائی! کبھی آپ نے میرے ساتھ اتنا بڑا احسان کیا ہو کہ اس کے مقابلے میں یہ بہت معمولی بات ہے۔" وہ آہستگی سے بولی تو عدیل چونک گیا۔
"کیا مطلب؟" وہ رہ نہ سکا۔
"مطلب کچھ نہیں ۔۔۔ آپ کسی کے ساتھ ایسی نیکی کرتے ہیں اور بھول جاتے ہیں۔ آپ کو کچھ بھی یاد نہیں رہتا مگر اللہ یاد رکھتا ہے، وہ سارے حساب رکھتا ہے۔" وہ بہت کھوئے ہوئے گم صم لہجے میں کہہ رہی تھی۔
"بے شک۔" عدیل کے منہ سے یہی نکل سکا۔
"اور پھر ہوتا تو وہی ہے جو آدمی کی قسمت میں لکھا ہوتا ہے، اصل بات تو یہ ہے عدیل بھائی کہ مثال اور رواثق کو اللہ نے ایک کرنا تھا، بہانا کچھ بھی بنتا ہم اور آپ چاہتے یا نہیں تو بھی یہ ہو کر رہتا۔" وہ مطمئن لہجے میں بولی۔
"بالکل؟" عدیل یہی کہہ سکا۔

"چونکہ ایمرجنسی میں یہ سب کچھ ہوا تو بہت بڑے پیمانے پر تو نہیں سادگی سے ولیمے کا فنکشن رکھا ہے میں نے عفت بہن سے کہہ دیا تھا کہ وہ بچوں کو لے کر چاہیں تو ادھر ہی آجائیں۔"
"جی ضرور عفت آتی ہے تو ہم آپ کو فون کر کے بتا دیتے ہیں وہ وہاں سے تو آ گئی ہو گی۔"
"جی ابھی کچھ دیر پہلے نکلی ہیں تو میں نے سوچا آپ کو کال کر دوں، میں آپ کو ہوٹل کا نام اور ایڈریس بھی ٹیکسٹ کر دیتی ہوں جہاں شام میں ولیمے کا فنکشن ہے۔" پھر سے تاکید کرتے ہوئے اس نے فون بند کر دیا۔
عدیل ٹیکسٹ میسج پڑھ کر کچھ سوچنے لگا۔
"اگر بشریٰ یہاں ہوتی تو وہ کم از کم مثال کے ولیمے میں شامل ہو جاتی اور دیکھتی میں نے اپنی بیٹی کے لیے کیسے شان دار لڑکے کا انتخاب کیا ہے۔" وہ پھر سے کچھ فخریہ انداز میں سوچتے ہوئے نہ چاہتے ہوئے بھی بشریٰ کو یاد کرنے لگا۔
"یہ مجھے آج ہو گیا ہے۔ ایک ہی بات سوچے جا رہا ہوں۔" وہ خود ہی جھنجلا کر اٹھا اور کپڑے لے کر واش روم میں چلا گیا۔

☆ ☆ ☆

بشریٰ بے چین سی کبھی عدیل کو کال کرتی کبھی مثال کو، دونوں اس کا فون نہیں ریسیو کر رہے تھے۔

دل ساری رات اتنا بے چین رہا۔ کل کا دن بھی وہ اسی طرح دونوں کو فون کرتی رہی تھی۔ پھر احسن کمال کے گھر آنے پر اس نے بمشکل خود کو سنبھالا تھا۔
وہ شخص آج بھی مثال کے ذکر پر اس طرح چڑتا تھا جیسے پہلے دن سے اس نے مثال کو ناپسند کیا تھا۔
"اور میں بھی کیسی نادان تھی۔ اس شخص کی آنکھوں میں چھپی مثال کے لیے نفرت نہ دیکھ سکی اور اس کے لفظوں پر یقین کر لیا۔" ڈائننگ ٹیبل پر کھانا لگاتے ہوئے وہ خود ہی میں گم تھی۔
"کیوں اتنی زور سے برتن پٹخ رہی ہو' کس بات کا غصہ نکال رہی ہو ان برتنوں پر؟" احسن کمال کی تیز غصے بھری آواز پر وہ بری طرح سے چونکی تھی۔
اور ڈائننگ ٹیبل کی طرف آتی آئینہ بھی بے اختیار ٹھٹھک کر رکی تھی۔
جانے کیوں احسن کمال کا لہجہ' اس کا بات کرنے کا انداز دن بدن اتنا تلخ' کڑوا اور ناقابل برداشت کیوں ہوتا جا رہا تھا۔
"اب تو مثال بھی ہمارے ساتھ نہیں جس کی اس شخص کو سب سے زیادہ تکلیف تھی۔" بشریٰ نے احتیاط سے پلیٹیں رکھتے ہوئے کڑھ کر سوچا۔
"پاپا! ایک بات ہے، بہت ڈسٹرب لگ رہے ہیں آپ آج کل۔" آئینہ کرسی پر بیٹھتے ہوئے کچھ جتانے والے انداز میں باپ کو ٹوک کر بولی تھی۔
احسن کمال نے اسے چونک کر دیکھا انداز کچھ سنبھل جانے والا تھا۔ "نہیں ٹھیک ہوں میں۔"
اس نے خود کو کھانے میں مصروف کرنے کی کوشش کی۔
"پاپا! کوئی بات تو ہے ضرور' آپ کافی دنوں سے اسی طرح سے بے وجہ ری ایکٹ کرتے ہیں' حالانکہ ماما بہت آرام سے برتن رکھ رہی تھیں۔" آئینہ میں اعتماد تھا' وہ بشریٰ کے برعکس باپ سے جس انداز میں چاہتی باز پرس کر لیا کرتی تھی بالکل سیفی کی طرح!
"سیفی بھائی ٹھیک ہیں نا؟" آئینہ جیسے بشریٰ کی سوچ پڑھتے ہوئے باپ کو جتانے والے انداز میں پوچھنے لگی۔
"ہوں ٹھیک ہے وہ' اسے کیا ہونا ہے' سب عذاب تو اللہ نے میرے لیے لکھ رکھے ہیں۔" وہ منہ میں بڑبڑایا تھا۔
آئینہ اور بشریٰ نے اسے چونک کر دیکھا۔
تو گویا کوئی نہ کوئی گڑبڑ ضروری تھی۔ بشریٰ بس سوچ کر رہ گئی۔
اس وقت اسے صرف مثال کی طرف سے کسی اچھی اطلاع کا انتظار تھا۔ احسن کمال کے رویے نے یوں بھی اسے کچھ بے نیاز سا کر دیا تھا۔ اس کے دکھوں اور پریشانیوں سے!
"پاپا! کیا ہوا ہے؟" آئینہ کی ہمدردی بھری آواز نے پھر بشریٰ کو لمحہ موجود میں پہنچا دیا۔
"نو وری تھینکس از فائن! آئینہ کھانا کھاؤ آپ اور اگر کچھ پرابلم ہے بھی تو آئی کین مینیج ڈیئر! ڈونٹ وری۔"
احسن کمال نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ بڑے ٹھہرے ہوئے نپے تلے لہجے میں گویا آئینہ کو تسلی دیتے ہوئے بولا۔
"آئی ہوپ پاپا! ایسا ہی ہو اور مجھے فخر ہے آپ ہر مشکل کو آسانی سے ہینڈل کر لیتے ہیں۔"
آئینہ باپ کا حوصلہ بڑھاتے ہوئے بولی۔
بشریٰ دونوں سے لاتعلق' کچھ بے دلی سے کھانا ٹونگ رہی تھی۔
"تمہیں کیا پریشانی ہے بشریٰ؟" کچھ دیر کے انتظار کے بعد احسن کچھ سرد لہجے میں بولا۔
بشریٰ اسے دل گرفتی سے دیکھ کر رہ گئی۔

"اوہ! ایس یاد آیا مجھے۔ آج تو اس مثال کی شادی تھی نا تم نے بتایا تھا مجھے۔"
وہ کچھ تمسخرانہ انداز میں بشریٰ سے بولا تو بشریٰ کا خون لمحہ بھر کے لیے کھول کر رہ گیا۔
"اس مثال۔" اس کا لہجہ صاف طیش دلانے والا تھا۔
"میری بات نہیں ہو سکی۔ آج فنکشن تھا تو بات کرنا مشکل تھا۔ کل فون کروں گی۔" وہ بدقت ٹھہرے ہوئے انداز میں آہستہ آہستہ بولی۔
"چلو اچھا ہے' نیا پار لگی۔ اگر لگی تو۔" وہ پھر اسی تحقیرانہ لہجے میں بولا تھا۔
بشریٰ کا دل کچھ ایسا الجھا ہوا تھا کہ وہ مزید اس پر کچھ بات نہیں کرنا چاہتی تھی۔ آہستگی سے اٹھ کر کچن میں چلی گئیں۔
اس کا دل جیسے بھرا ہوا تھا' بے مقصد کچن کیبنٹ کھولتے ہوئے بار بار اپنے آنسو پونچھ رہی تھی۔
پیچھے آتی آئینہ' ماں کو یوں چپکے چپکے روتے دیکھ کر وہیں سے پلٹ گئی۔
بشریٰ' مثال کی کوئی بات اس سے کبھی شیئر نہیں کرتی تھی اور وہ کچھ پوچھتی بھی نہیں تھی۔

☼ ☼ ☼

"مثال! میری بیٹی تم کیسی ہو؟ ٹھیک ہو ناں کل کا فنکشن ٹھیک ہو گیا سب' کچھ خیریت سے؟"
مثال نے اس کی کال ریسیو کرلی تھی۔ وہ سخت بے قرار لہجے میں پوچھنے لگی۔
اگر فہد سے اس کی شادی ہو جاتی اور بشریٰ اسے کال کر کے یہ سب پوچھتی تو وہ شاید فون بھی بند کر دیتی۔
مگر چند گھنٹوں میں واثق کی شدید محبت' اس کے پیار نے اس کی زندگی کے گزشتہ سارے دکھ جیسے مٹا ہی ڈالے تھے' وہ بھول سی گئی کہ اسے بشریٰ سے کیا کیا گلے شکوے تھے اور وہ اپنی اس خود غرض' بے حس ماں سے کتنی ناراض تھی۔
"ماما! میں ٹھیک ہوں۔ آپ کیسی ہیں؟"
وہ نارمل سے لہجے میں پوچھ رہی تھی۔
اور بشریٰ جیسے شاک میں آگئی۔ آج کتنے مہینوں بعد مثال نے اس سے یوں نارمل لہجے میں بات کی تھی اور سب سے بڑھ کر خود سے بشریٰ کا حال پوچھا تھا۔
"میں ٹھیک ہوں بیٹا' یہ بتاؤ فہد کیسا لڑکا ہے' وقار بھائی جیسا ہی ہو گا خوش اخلاق' محبت کرنے والا۔" وہ جاننے کے لیے بے چین تھی۔
"ماما! میری شادی فہد سے نہیں واثق سے ہوئی ہے اور واثق واقعی میں بہت محبت کرنے والے' میری قدر کرنے والے اور مجھے سمجھنے والے ہیں بہت لکی ہوں میں ماما!" وہ تشکر سے بولی۔
"ماما شاید آپ نے میرے لیے بہت دعائیں مانگی ہوں گی جو اللہ نے واثق کو میری قسمت میں لکھ دیا۔ میں بہت خوش ہوں ماما! بہت خوش۔" وہ نم لہجے میں سرشاری سی کیے جا رہی تھی۔
"مثال۔ واثق۔ کون؟" بشریٰ تو شدید شاک میں تھی۔
"میرے شوہر۔ میرا سب کچھ ماما! جن کی محبت نے میرے دل سے ہر غم' ہر دکھ' ہر محرومی کو مٹا دیا ہے۔ مجھے اب آپ سے' پاپا سے' عفت ماما سے' کسی سے بھی کچھ شکایت نہیں۔" وہ جذباتی پن میں بول رہی تھی۔
"اور وہ فہد۔ آئی مین۔"
"وہ ایک فراڈ تھا ماما! ان لوگوں نے بہت دھوکا دیا تھا ہمیں۔" وہ کچھ افسردگی سے بولی۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو مثال! میں جانتی ہوں۔ وہ لوگ۔ بہت اچھے تھے، شروع ہی سے۔ بہت چاہت کرنے والے۔"
وہ بے یقینی سے کہے جارہی تھی۔
"یہی دھوکا تو پاپا نے بھی کھالیا مما! فہد پہلے سے میرڈ تھا اور۔" وہ آہستہ آہستہ ماں کو بتانے لگی۔

☆ ☆ ☆

عدیل لحہ بھر کو ششدر سا کھڑا رہ گیا۔
اس نے بے یقینی سے دونوں کنگن پھر سے ہاتھ میں لے کر دیکھے۔
بہت کچھ اس کے دماغ میں جیسے زندہ ہو گیا تھا پھر سے؟ جب اس نے شادی کی رات یہ کنگن بشریٰ کو دیے تھے اور شادی کے پہلے پانچ سال اس نے یہ کنگن کبھی نہیں اتارے تھے۔
بعد میں عدیل نے اسے۔ بہت خوب صورت بریسلٹ بنوا کر دیا تو اس نے یہ بھاری کنگن اتار دیے تھے۔
اور پھر جب مثال نے عدیل کو بتایا کہ بشریٰ آسٹریلیا جاتے ہوئے یہ کنگن اور کچھ رقم دے گئی ہے۔
عدیل نے جان بوجھ کر سن کر بھی ان سنا کر دیا تھا۔ وہ یہ چیزیں دیکھنا نہیں چاہتا تھا بہت سے جان لیوا لمحے اسے ستانے لگتے۔
اور پھر جب مثال نے عفت سے پوچھا کہ اس کے کنگن اور رقم کا لفافہ اس کی الماری میں نہیں ہے تو عفت نے کس قدر ہنگامہ مچایا تھا۔
مثال نے اس پر چوری کا الزام لگایا ہے اسے اس کے اپنے گھر میں چور بنایا ہے۔
عدیل بھی مثال پر خوب ناراض تھا کہ وہ یہ چیزیں اگر سنبھال نہیں سکتی تھی تو کم از کم کسی کو پکڑا دیتی۔
اور بعد میں عفت نے صاف کہہ دیا تھا کہ بشریٰ مثال کو ایسا کچھ دے کر ہی نہیں گئی تھی مثال نے صرف ڈرامہ کیا تھا۔
عفت نے کچھ اس طرح یہ سب کہا کہ عدیل کو یقین کرنا پڑا اور اب یہ دونوں چیزیں عفت کے لاکر میں موجود تھیں لفافے میں رقم تو کم تھی مگر یہ کنگن!
وہ یک ٹک ان کو دیکھا جارہا تھا۔ محبت سے چور لمحے بشریٰ کے ہنستے مسکراتے چہرے کے ساتھ اس کی نازک کلائی میں کھنکتے یہ کنگن اسے۔ بہت کچھ یاد کرا رہے تھے۔
وہ لاکر سے کچھ رقم لینے کے لیے آیا تھا۔
اس نے سوچا تھا کہ شام کو ولیمے کے فنکشن کے لیے وہ عاصمہ، روہ اور واثق کے لیے کچھ قیمتی تحائف خریدے گا۔ کیونکہ شادی میں تو کچھ بھی ان کے لیے۔ نہیں کر سکا تھا۔
وہ رقم لینے کے لیے عفت کی الماری سے چابی لے کر لاکر کھول کر دیکھنے لگا تو اسے یہ سب دیکھنے کو ملا۔
"تو عفت بیگم! یہ ہے تمہاری حقیقت۔ کیا مل گیا تمہیں یہ سب کچھ لے کر فقط ایک کمینی سی خوشی اور کچھ بھی نہیں۔"
باہر سے عفت اور پری کی آوازیں آرہی تھیں وہ دونوں چیزیں لے کر لاکر بند کر کے باہر نکل گیا۔
اسے یہ کنگن اصل حق دار تک پہنچانے تھے' وہ سوچ چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

پری بہت دل گرفتہ تھی۔
وہ جب سے واپس آئی تھی۔ یونہی کمرے میں پڑی تھی۔ عفت کے بار بار یاد دلانے پر بھی تیار ہونے کے لیے

نہیں اٹھ رہی تھی۔
عفت اس کا سوٹ استری کر کے کمرے میں لائی تو وہ یونہی کمرے میں اندھیرا کیے گم صم بیٹھی تھی۔
لحہ بھر کو عفت کا دل کسی نے مٹھی میں لے لیا۔
"پری کیا ہوا ہے میری جان؟" وہ تڑپ کر آگے بڑھی تھی۔
پری نے چہرے پر اداسی اور آنکھوں میں افسردگی لیے ہلکا سا نفی میں سر ہلایا تھا۔
"کسی نے کچھ کہا ہے میری جان تم سے؟" وہ اسی تڑپ سے پوچھ رہی تھی۔
"مما! ہمیشہ سے میرے ساتھ ایسا کیوں ہوتا آیا ہے۔ جو چیز مجھے چاہیے ہوتی ہے' وہ مجھے نہیں ملتی میری نظروں کے سامنے اس شخص کو مل جاتی ہے۔ جس سے میں بے تحاشا نفرت کرتی ہوں۔۔۔ اس کو کیوں ملتی ہے میری پسند کی چیز۔" وہ بیٹھ کر رونے لگی تھی اور عفت لحہ بھر کو گنگ سی رہ گئی۔
"پری! میری بیٹی! میری جان! کیا ہوا ہے تمہیں۔ کس چیز کی بات کر رہی ہو تم؟" عفت کے تو جیسے ہاتھ پاؤں پھول گئے۔
پری جیسی بیٹی کی آنکھوں میں تو اس نے کبھی ذرا سی نمی نہیں آنے دی تھی' اس طرح کا رونا جیسے خدانخواستہ اسے کچھ روگ ہی لگ گیا ہو۔
"آپ نہیں سمجھیں گی۔ کوئی بھی نہیں سمجھے گا اور لوگ جھوٹ بولتے ہیں' بکواس کرتے ہیں کہ سچے جذبوں میں بڑا اثر ہوتا ہے' وہ ضرور دوسرے کے دل پر اثر کرتے ہیں۔ میرے جذبے اتنے بے اثر تھے کہ اسے کبھی نہیں پتا چلا جس کے لیے میں، مما! میں مرجاؤں گی۔ مجھے لگتا ہے۔"
وہ بے اختیار ماں سے گلے لگ کر ٹوٹ کر رو پڑی۔
"اللہ نہ کرے میری پری! میری جان! اللہ تمہیں میری بھی عمر لگا دے تمہیں کبھی کچھ نہ ہو تم بہت ساری خوشیاں پاؤ۔ کبھی تمہیں کوئی دکھ نہیں ملے۔"

عفت جذب کے عالم میں اسے چومتی پیار کرتی کیے جا رہی تھی۔
"مل چکا ہے مما۔۔۔ کبھی نہ ختم ہونے والا دکھ تو مجھے مل چکا ہے' میرے دل کا روگ بن چکا ہے وہ تو۔" وہ زخمی لہجے میں کہہ رہی تھی۔
"ایسے نہیں کہو پری! ایسی باتیں نہیں کرو' ورنہ میرا دل پھٹ جائے گا۔ اپنی ماں کا سوچو بیٹا!" وہ خود بری طرح سے پریشان ہو گئی تھی۔
"ہوا کیا ہے۔ تم کیوں اتنی دل گرفتہ ہو رہی ہو' مجھے نہیں بتاؤ گی۔ میں ماں ہوں تمہاری۔" وہ اسے اپنے ساتھ لگا کر ہولے ہولے کمر پر ہاتھ پھیرتی سہلا رہی تھی۔
"اب کسی کو بھی کچھ بتانے کا فائدہ نہیں مما۔۔۔ میرے دل کا چین' میری زندگی کی خوشی سب کچھ روٹھ چکا ہے مجھ سے۔۔۔ اب کوئی بھی یہ واپس نہیں دلا سکتا۔"
وہ جیسے ٹکڑے ہوتے دل کے ساتھ کہہ رہی تھی۔ اتنی سخت باتیں!
عفت کو بہت غصہ آیا۔ ایسی کم سنی میں ایسی باتیں!
دل تو لحہ بھر کو چاہا' ایک تھپڑ جڑ دے اسے' اس بے وقوف' کم عقل لڑکی کو مگر وہ بھی جانتی تھی کہ یہ تھپڑ بعد میں کتنا مہنگا پڑ سکتا ہے سو دل پر پتھر رکھ لیا۔
"ایسی باتیں نہیں کرتے۔ تم صبح ٹھیک تھیں بالکل' جب میرے ساتھ گئیں۔ مثال کے سسرال۔" وہ اسے

ٹریک پر لانے کی کوشش کر رہی تھی۔

"جبکہ مجھے وہاں نہیں جانا چاہیے تھا کبھی نہیں۔" وہ منہ میں ہذیانی انداز میں بڑبڑائی۔

"پری کچھ بھی کہو تم میں مانوں یا تمہیں۔ بس تو وہ تمہاری ہے میری جان۔"

وہ اسے نرمی سے سمجھانے والے انداز میں بولی جبکہ جانتی تھی یہ بات پری کو اور بھی بھڑکا دے گی۔ بجائے ٹھنڈا کرنے کے وہی ہوا، پری کے چہرے پر شدید ناراضی جھلکنے لگی تھی۔

"ہو رہی تھی نا اس مثال کی شادی اس فہد کے ساتھ تو کیوں آپ نے واثق کے لیے ہامی بھرلی۔ آپ جانتی تھیں میرے کیا جذبات ہیں واثق کے لیے، آپ کو بابا کو روکنا چاہیے تھا انہیں منع کرنا چاہیے تھا۔"

وہ ایک دم سب لحاظ خیال بھول کر تیز لہجے میں چیخ کر بولی عفت کے چہرے پر غصہ سا آگیا۔

"پاگل ہو رہی ہو تم ایک بے کار کی بات کے پیچھے، واثق کون سا پرنس ہے کہیں کا، پھر رشتہ ان لوگوں نے خود مانگا تھا میں نے تو روکا تھا، بہت منع کیا تھا تمہارے پاپا کو مگر واثق کی ماں۔۔۔ اور تم بھول رہی ہو یہ واثق ہی تھا جو شاید پہلے سے مثال کے ساتھ۔۔۔" عفت نے کچھ جتانے کی کوشش کی۔

"مما! میں بہت ہرٹ ہوئی ہوں، واثق میری پہلی محبت ہے اور میں اسے مثال سے چھین کر رہوں گی۔" وہ اسی اشتعال میں کہہ رہی تھی جس میں پچھلی رات تھی۔

"یہ بہت بے کار، بے حد فضول بات ہے۔ نان سینس!" عفت اب کے ضبط نہیں رکھ سکی۔

"آپ کے نزدیک، میرے لیے یہ زندگی اور موت کا سوال ہے۔" وہ ڈٹ کرماں کی آنکھوں میں دیکھ کر بولی۔

"پری۔۔۔ میری بیٹی کچھ خیال کرو یہ ٹھیک نہیں ہے۔ اب کسی بھی طرح سے پھر تمہاری اور واثق کی عمروں کے فرق۔۔۔ میری بچی تمہیں واثق سے ہزار گنا، خوب صورت پڑھے لکھے اور اچھے امیر رشتے مل سکتے ہیں۔"

"مگر ان میں سے واثق کوئی نہیں ہوگا۔" وہ ہٹ دھرمی سے بولی۔

"پری!" عفت بل کھا کر رہ گئی۔

"مما۔۔۔ بچپن سے لے کر آج تک آپ جانتی ہیں۔ میں نے جو چاہا وہ پالیا اگر مجھے میری پسند کی چیز نہیں ملتی تھی تو میں اس چیز کو توڑ دیا کرتی تھی۔ اب بھی اگر واثق مجھے نہیں ملا تو میں آپ کو بتا رہی ہوں پھر وہ مثال کی زندگی میں بھی نہیں رہے گا۔ میری بات یاد رکھیے گا۔"

وہ عفت کی آنکھوں میں دیکھ کر چیلنج کرنے والے انداز میں کہتے ہوئے اپنے کپڑے اٹھا کر واش روم میں چلی گئی عفت تو جیسے سناٹے میں ہی کھڑی رہ گئی۔

بہت کچھ اسے اپنے ہاتھوں سے نکلتا ہوا محسوس ہو رہا تھا اور لگتا تھا صرف بے بسی ساتھ میں رہ جانے والی ہے!

☼ ☼ ☼

ولیمے کی تقریب سب کی توقع سے بڑھ کر شان دار تھی۔

واثق اور مثال کی شان دار جوڑی کو تو سب سراہ ہی رہے تھے، واثق، مثال کے ساتھ جا کر خود ولیمے کے کپڑے خرید کرلایا تھا۔

مثال کے چہرے پر واثق کی محبت کی جو روشنی تھی۔ اس کی چمک اس کی آنکھوں کی لو کو بڑھا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر روشنی کے سوا اور کچھ بھی نہیں تھا۔

اور واثق جس اعتبار کے ساتھ اس کو اپنے ساتھ لیے بیٹھا تھا وہ بہت سوں کے لیے قابل رشک اور پری کے لیے بہت تکلیف دہ تھا۔

وہ بغیر پلکیں جھپکے ان دونوں کو دیکھے جا رہی تھی' عفت چپکے چپکے پری کے پاگل پن کو دیکھ رہی تھی اور دل ہی دل میں بہت پریشان ہو رہی تھی۔

اس کی پریشانی اس لمحے کچھ اور بھی بڑھ گئی جب عدیل نے اسٹیج پر پہلے عاصمہ اور وردہ کو گولڈ کے قیمتی تحائف دیے' واثق کو مہنگی ترین برانڈ کی گھڑی پہنائی۔

اور مثال کو اس نے وہی خوب صورت بشریٰ کے بھاری کنگن دیے جن پر چمکتی ہوئی نئی پالش تھی۔

عفت کو جس طرح اس سارے معاملے میں نظرانداز کیا گیا اسے بہت کھلا لیکن یہ کنگن؟

وہ شاکڈ تھی۔

عدیل نے کس وقت یہ کنگن لاکر سے نکالے اور اس نے ایک بار بھی عفت پر نہیں جتایا کہ وہ جان چکا ہے یہ کنگن عفت نے چرائے تھے۔

وہ جو زندگی بھر اپنے شوہر سے خائف رہی کہ اس نے کبھی اسے وہ جائز مقام نہیں دیا جس کی وہ حق دار تھی کہ اس نے عدیل کو ایک خوب صورت بیٹا دیا اس کے باوجود وہ ہمیشہ بشریٰ اور مثال کو ترجیح دیتا رہا۔

آج عفت کو لگا اس کا مقام عدیل کی نظروں میں کچھ اور بھی گر گیا ہے۔

وہ عدیل کو دیکھ رہی تھی' جب عدیل نے اسے دیکھا تو وہ صاف نظریں چرا گئی۔ اب نظریں ملاتی بھی تو کیسے؟

اسٹیج پر اب فوٹو شوٹ ہو رہا تھا۔

اور عفت کو پتا ہی نہیں چلا کب پری یہاں سے اٹھ کر اسٹیج پر جا چکی ہے۔ وہ اب مثال کے ساتھ کھڑے ہو کر تصویریں بنوانے کے بہانے واثق کے ساتھ بہت قریب کھڑے ہو کر پوز دے رہی ہے۔

عفت تو پریشان ہوئی ہی' یہ سب دیکھ کر عدیل کی پیشانی پر بھی بل پڑ گئے تھے' اس نے چبھتی نظروں سے عفت کو مڑ کر دیکھا۔

عفت ہونٹ کاٹ کر رہ گئی۔ دوسرے لمحے عدیل اسٹیج پر پری کے پاس کھڑا اس سے کچھ کہہ رہا تھا۔ عفت کو مثال نے اپنے ساتھ کھڑا دیکھا تھا۔

عاصمہ اور وردہ بھی ان کے ساتھ کھڑی تھیں۔

عدیل یہ سب دیکھ کر بہت خوش تھا کہ اس کی بیٹی کو وہ سب کچھ مل ہی گیا جس کی تمنا اور دعا اس نے بارہا کی تھی۔

☼ ☼ ☼

واثق کا فون مسلسل بج رہا تھا۔

وہ گہری نیند میں تھا۔

بمشکل اس نے آنکھیں کھول کر نمبر دیکھے بغیر کال ریسیو کی تھی' دوسری طرف شہزاد تھا۔ اس کا بزنس پارٹنر۔

"واثق! یار' میرے پاپا ہاسپٹل میں ہیں۔ بہت سیریس کنڈیشن ہے ان کی۔ ڈاکٹرز نے جواب دے دیا ہے۔ میں بہت پریشان ہوں۔ اکیلا ہوں اس وقت' جانتا ہوں تمہیں ڈسٹرب نہیں کرنا چاہیے تھا مجھے بٹ.... آئی فیل ہیلپ لیس یار۔"

وہ آخر میں جیسے رو ہی پڑا۔

"حد ہے یار! اس طرح نہیں کہو۔ تم کو ... ل کر دینا تھی۔ میں آجاتا نا فوراً" ہی اور تم پلیز پریشان نہیں ہو۔ اللہ اپنا رحم کرے گا۔ کچھ نہیں ہو گا انکل کو۔ میں آرہا ہوں میں آدھے گھنٹے میں پہنچ رہا ہوں۔ پلیز تم سنبھالو خود کو۔"

وہ جلدی سے بستر سے اٹھتے ہوئے مدھم آواز میں کہہ رہا تھا۔
مثال نے آہستگی سے آنکھیں کھول کر اس کا ہاتھ پکڑا تھا۔
"واثق! کہاں جارہے ہیں؟" وہ اس کی طرف دیکھ کر خفیف سا مسکرایا اس کا ہاتھ نرمی سے تھام کر کہا۔
"میرے دوست کی کال ہے' اس کے فادر ہاسپٹل میں ہیں۔ ان کی حالت سیریس ہے۔ وہ پریشان ہے کافی۔۔۔ مجھے جانا ہے ہاسپٹل۔"
"اوہ کیا زیادہ بیمار ہیں وہ؟" وہ تشویش سے بولی۔
"ہاں ہیں تو۔ کافی ٹائم سے بیمار ہیں۔ آج شاید زیادہ سیریس ہوگئی ہے ان کی حالت۔ تم پلیز سو جاؤ اگر کہتی ہو تو میں ورد کو بھیج دیتا ہوں تمہارے پاس۔"
"نہیں' وہ سو رہی ہوگی۔ میں ٹھیک ہوں۔"
"ہاں اپنا ہی گھر ہے اگر کچھ محسوس ہو تو تم مما کے پاس چلی جانا۔ میں تو اب شاید صبح ہی لوٹوں گا۔"
"آپ پریشان نہیں ہوں۔ میں رہ لوں گی۔" مثال اسے تسلی دیتے ہوئے بولی۔
"ٹھیک ہے۔ میں چلتا ہوں تم سو جاؤ۔" وہ کہہ کر اپنی ضروری چیزیں اور گاڑی کی چابیاں لے کر باہر نکل گیا۔
مثال اسے جاتا دیکھتے ہوئے طمانیت بھرے انداز میں کچھ سوچ کر مسکرانے لگی۔
"میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ اللہ مجھے اتنی خوشیاں بھی دے گا جبکہ میں نے کوئی بڑی نیکی بھی نہیں کی۔" وہ یہی کچھ سوچتی گہری نیند میں چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

عاصمہ نے کچھ فکرمندی سے گاڑی ڈرائیو کرتے واثق کو دیکھا۔
"واثق!" اس نے ہولے سے پکارا۔
"جی مما!" وہ جیسے کسی گہری سوچ سے چونکا تھا۔
"کیا زیادہ سیریس حالت ہے ان کی۔ آئی مین شہزاد کے فادر کی۔"
"جی مجھیں۔ لگ ہی رہا ہے میں کہنا تو نہیں چاہ رہا۔ شہزاد بہت پریشان ہے۔ صبح بھی میرے گلے لگ کر بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا تھا۔ اس کا اپنے والد کے سوا دنیا میں ہے ہی کون' ڈاکٹرز بھی کوئی امید نہیں دلا رہے' آپ چل کر اس کے والد کی عیادت کرلیں اور ساتھ میں اس کو تھوڑی تسلی دے لیں' اسے ضرورت ہے اس وقت۔"
واثق پریشان سا کہہ رہا تھا۔
"یہ تو نیکی ہے بیٹا! اور اللہ ایسے موقع پر ہمیں ایک دوسرے کا ساتھ دینے کا حکم دیتا ہے۔ تم نے اچھا کیا' مجھے لے آئے۔" عاصمہ سراہا کر بولی۔
دونوں ہاسپٹل پہنچ چکے تھے۔
واثق عاصمہ کو آئی سی یو میں لے آیا۔
اندر ایک ہی شخص کو جانے کی اجازت تھی۔ عاصمہ شہزاد سے مل کر اندر گئی اور آکسیجن ماسک اور مشینوں میں جکڑے اس شخص کو دیکھ کر وہ شاکڈ سی کھڑی رہ گئی۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

رخسانہ نگار عدنان

عدیل اور فوزیہ نسیم بیگم کے بچے ہیں۔بشریٰ ان کی بہو ہے اور ذکیہ بیگم کی بیٹی ہے۔ عمران بشریٰ کا بھائی ہے۔ مثال ذکیہ بیگم کی نواسی اور نسیم بیگم کی پوتی ہے۔ بشریٰ اور نسیم بیگم میں روایتی ساس بہو کا تعلق ہے۔ نسیم بیگم مصلحتاً "بیٹا بہو سے لگاوٹ دکھاتی ہیں۔ دوسری طرف ذکیہ بیگم کا کہنا ہے۔ ان کی بیٹی بشریٰ کو سسرال میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔پانچ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد بشریٰ کی نند فوزیہ کا بالآخر ایک جگہ رشتہ طے پا جاتا ہے۔ نکاح والے روز بشریٰ دولہا ظہیر کو دیکھ کر چونک جاتی ہے۔

عدیل سے شادی سے قبل ظہیر کا بشریٰ کے لیے بھی رشتہ آیا تھا مگر بات نہ بن سکی تھی۔ نکاح والے دن فوزیہ کی ساس زاہدہ اور ذکیہ بیگم بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔بشریٰ اپنی ماں سے یہ بات چھپانے کے لیے کہتی ہے مگر عدیل کو پتا چل جاتا ہے۔ وہ ناراض ہوتا ہے مگر فوزیہ اور نسیم بیگم کو بتانے سے منع کر دیتا ہے۔ بشریٰ اور عدیل ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جاتے ہیں۔وہاں انہیں پتا چلتا ہے کہ بشریٰ کے ہاں سات سال بعد پھر خوش خبری ہے۔

عفان اور عاصمہ اپنے تین بچوں اور والد کے ساتھ کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔ عفان کے والد فاروق صاحب سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ گریجویٹی اور گاؤں کی زمین فروخت کر کے وہ اپنا گھر خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ڈیڑھ کروڑ میں زمین کا سودا کر کے وہ عفان کے ساتھ خوشی خوشی شہر آ رہے ہوتے ہیں کہ ڈکیتی کی واردات میں قتل ہو جاتے ہیں۔

عفان کے قریبی دوست زبیر کی مدد سے عاصمہ عفان کے آفس سے تین لاکھ روپے اور فاروق صاحب کی گریجویٹی سے سات لاکھ روپے وصول کر پاتی ہے۔ زبیر گھر خریدنے میں بھی عاصمہ کی مدد کر رہا ہے۔

اکتیسویں قسط

"نہیں۔" اس نے قطعی لہجے میں کہا۔
اور پری کے لیے عدیل کا یہ لہجہ کسی شاک سے کم نہیں تھا۔
"پاپا۔۔۔ مگر کیوں؟" وہ بہت دیر بعد اپنی حیرت پر قابو پا کر بمشکل بول سکی تھی۔
"اور پاپا! مجھے وہاں صرف مثال آپی سے ملنے نہیں جانا۔ مجھے وردہ سے نوٹس بھی شیئر کرنے ہیں۔" وہ اب کے ذرا سنبھل کر لہجے میں ناگواری سی لیے ہوئے بولی تھی۔
"اس کی ضرورت نہیں ہے۔" عدیل کے لہجے میں اب بھی لچک نہیں تھی۔
"کیا مطلب؟" وہ حیران سی ہوئی۔ "مجھے نوٹس چاہئیں اور۔۔۔" وہ ذرا تیز لہجے میں احتجاجاً کہہ رہی تھی۔
"کہا ناں تم سے ہم وہاں نہیں جاؤ گی' اکیلی تو بالکل بھی نہیں جاؤ گی۔ رہی بات نوٹس کی تو میں نے تمہارے لیے ٹیوٹر ارینج کیا ہے' وہ گھر پر آکر تمہیں پڑھا دیا کریں گے۔ کل شام پانچ بجے سے سات بجے تک۔" عدیل گویا ان سب باتوں کے لیے پہلے سے تیار تھا اور سب کچھ پلان کرر کھا تھا۔
"ڈس گسٹنگ۔" وہ تنفر سے پھنکاری۔ "اب کیا میں بچوں کی طرح گھر پر ٹیوشن پڑھا کروں گی ٹیوٹر سے۔۔۔ نہیں بالکل نہیں۔" اس کی آنکھوں میں غصہ اور ناگواری تھی۔
"اگر تمہیں بچوں کی طرح اسٹڈیز میں کسی سے ہیلپ کی ضرورت پڑے گی تو اس کے لیے ٹیوٹر لگایا جائے گا اور اس میں تمہاری بہتری ہے بلکہ۔۔۔ سب کی۔" عدیل جاتے جاتے رک کر یاد کرانے والے انداز میں بولا تھا۔
لمحہ بھر کو پری اور اندر آتی عفت بھی ٹھٹکی تھیں۔
"پاپا! میں نے آج تک اس طرح سے پڑھا ہے' جس طرح مجھے اچھا لگا' مجھے ٹیوٹر سے پڑھنے کی عادت نہیں' میں نہیں پڑھوں گی۔" وہ بھی دو ٹوک لہجے میں بولی تھی۔
"او کے' تو پھر گھر میں خود ہی پڑھو گی' کسی دوست کی طرف کمبائنڈ اسٹڈیز کے لیے یا ایسے کسی بھی ڈھکوسلے کی اجازت میں نہیں دوں گا۔" عدیل نے بھی صاف لفظوں میں کہہ دیا۔
"پاپا!" پری تو ششدر ہی رہ گئی۔
"وردہ میری دوست ہے اور مجھے اس سے ملنے سے کوئی نہیں روک سکتا' میں بھی آپ کو بتا رہی ہوں۔"
وہ بغاوت بھرے لہجے میں پیر پٹخ کر زور سے بولی۔
"تمہیں منع کیا ہے ناں میں نے کہ تم اب وہاں نہیں جاؤ گی' یوں منہ اٹھا کر۔ اس گھر سے ہمارا اب کچھ اور طرح کا رشتہ ہے۔ عفت! اس کو اپنی زبان میں سمجھا لو' تمہاری اولاد نے قسم کھائی ہے مجھے اذیت دینے کی۔" وہ عفت کو دیکھ کر غصے سے بولا۔
عفت کے دل میں بہت سخت بات آئی تھی' مگر وہ بے اختیار ہونٹ بھینچ گئی۔
عدیل کچھ ماہ پہلے جیسا عدیل نہیں تھا' جس کی جان صرف پری اور دانی میں تھی۔ ان دونوں کی حرکتوں نے اور کچھ عفت اور سب سے بڑھ کر اس مثال کی جادوگری سے 'فی الحال عدیل بہت بدل رہا تھا۔
"تمہیں جب منع کر رہے ہیں تمہارے پاپا تو کیا مسئلہ ہے تمہارے ساتھ؟ پری۔۔۔ کیوں بحث کر رہی ہو؟" وہ پری کے پاس آکر کچھ سخت لہجے میں بولی۔
"تو آپ بھی میری بات کو نہیں سمجھیں گی۔" پری کو ماں کی اس "تبدیلی" پر سخت رنج سا ہوا تھا۔
"سمجھ رہی ہوں تو کہہ رہی ہوں نا' تمہیں اگر اسٹڈیز میں پرابلم ہے تو گھر میں ٹیوشن لے لو جس کی تمہارے پاپا آفر کر رہے ہیں اگر ایسا نہیں چاہتیں تو خود سے پڑھ لو۔ جس چیز سے روک رہے ہیں اس سے رک جاؤ؟؟" عفت اب کے نرم لہجے میں پری کو آنکھوں میں کچھ اشارے کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"نہیں مجھے کچھ نہیں سیکھنا اور کچھ نہیں پڑھنا' بلکہ مجھے تو ایسا لگ رہا ہے جیسے پاپا کو مجھ پر ٹرسٹ ہی نہیں رہا۔" اس کی آواز میں نمی گھل رہی تھی۔

عدیل کے قدم دروازے کے پاس رک گئے تھے۔

"تو پھر یوں کریں مجھے کالج بھی نہیں جانے دیں۔ گھر ہی میں بٹھالیں 'نہیں ایسا لگتا ہے کہ جیسے میں کچھ کر گزروں گی اگر گھر سے باہر نکلوں گی تو..." وہ زور سے آنکھیں رگڑ کر مڑ کر باپ کی پشت کو دیکھ کر بولی۔

"تم بات کو خواہ مخواہ بڑھا رہی ہو پری۔" عفت کچھ جھنجلا کر سختی سے بولی۔

"میں بڑھا رہی ہوں بات کو... پاپا نے میری توہین کی ہے۔ میں نے وردہ سے پرامس کیا تھا کہ میں آج آؤں گی اس کی طرف اور... اس کا فون آرہا ہے۔" ماں کے آگے فون کرتے ہوئے رندھی آواز میں بولتی گئی۔

"اس کی کال کا کیا جواب دوں میں کہ میرے پاپا کو مجھ پر بھروسا نہیں اور انہوں نے مجھے صاف تمہاری طرف آنے سے منع کردیا ہے۔ ٹھیک ہے نہیں جاؤں گی میں' کہیں بھی' گھر سے ہی نہیں نکلوں گی۔" وہ روتے ہوئے بھاگ گئی۔

عفت اور عدیل گم صم سے کھڑے رہ گئے۔

☼ ☼ ☼

عاصمہ کے لیے وہ منظر ناقابل یقین تھا۔

وہ یک ٹک سامنے مشینوں میں جکڑے ایک لاش کی مانند بے حس و حرکت پڑے ہلکے پھلکے سانس لیتے نیم زندہ انسان کو دیکھتی جارہی تھی۔

اس کی نظروں کے سامنے اس رات کا کریہہ منظر پوری جزئیات کے ساتھ جیسے زندہ ہو کر رہ گیا تھا۔

اس کا پورا وجود جیسے کسی زلزلے کی زد میں آگیا تھا۔

وہ زبیر تھا۔

وہی زبیر جس نے اس کے شوہر اور سسر کی ناگہانی اموات کے بعد ایک بیوہ بے سہارا عورت کو مالی طور پر' جسمانی اور روحانی طور پر جتنا نقصان پہنچا سکتا تھا' پہنچایا تھا۔

اس کی آبرو' اس کی بیوگی کی تمام ترجمع پونجی' اس کی ہمت' حوصلہ' اعتبار' بھروسا سب کچھ لوٹ کر لے گیا تھا۔

اور اب وہ اسے زندگی کے کس موڑ پر ملا تھا اور کس حالت میں!

عاصمہ بالکل ساکت تھی۔

وہ بہت سالوں سے اس مکروہ صورت انسان نما جانور کو بھول چکی تھی۔ وہ اپنے ہی نقصانات پر کچھ ایسے فراموش حال سے گزری تھی کہ اس کے لیے بددعا کرنا بھی بھول گئی تھی۔

مگر "وہ" نہیں بھولتا "وہ" کچھ بھی فراموش نہیں کرتا' نہ کسی کی ذرہ بھر نیکی' نہ کسی کی برائی۔

اب عاصمہ کی آنکھوں میں آنسوؤں کی جھڑی لگی تھی۔ صرف اس شخص کی وجہ سے وہ حرام موت کے منہ میں جاتے جاتے بچی تھی۔ اگر وہ اس وقت نہ بچ پاتی تو آج اس کے چاروں بچوں کی کیا حالت ہوتی۔ وہ زندگی کی ٹھوکروں کی زد میں خزاں رسیدہ پتوں کی مانند خدا جانے کہاں بھٹک چکے ہوتے' وقت کے قدموں تلے آکر چرمرا چکے ہوتے۔

وہ بس روئے جارہی تھی۔

"شہزاد" پتھر جیسی بھاری بوجھل اٹکتی آواز اس زندہ لاش کے وجود سے آئی تھی۔

عاصمہ کے آنسو وہیں جم گئے۔
"مگر میں کیوں رو رہی ہوں۔" وہ خود سے پوچھ رہی تھی۔
اب اس کی آنکھوں میں بے تحاشا نفرت تھی۔ اس بستر مرگ پر پڑے، بہت گرے ہوئے شخص کے لیے!
وہ مڑنے لگی تھی۔
"پا...پانی۔" بھاری پتھری صدا نے پھر سے پکارا تھا۔
وہ رکنا نہیں چاہتی تھی مگر رک گئی۔
مڑنا بھی نہیں چاہتی تھی مگر نہ چاہتے ہوئے بھی مڑتے مڑتے ٹھٹک گئی تھی۔ اور اس کے بستر کے بالکل قریب جاکر کھڑی ہوگئی تھی۔
وہ اب آنکھیں کھولے پتھرائی نظروں سے بغیر پلکیں جھپکے اسے دیکھے جارہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں موت کی ویرانی تھی۔ وحشت تھی۔ بے بسی تھی اور خوف تھا۔ "چلے جانے کا" خوف... خدا کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف!
"پہچانا مجھے... تم نے... میں کون ہوں؟" وہ نفرت بھری غراہٹ کے ساتھ ذرا سا جھکی' اس سے پوچھ رہی تھی۔
جس کی آنکھوں میں "خوف" کچھ اور بھی بڑھ گیا تھا۔ وہ رحم مانگتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔
"پتا ہے میں نے تمہیں کبھی کوئی بددعا نہیں دی۔ جانتے ہو کیوں؟ میں چاہتی تھی کہ اپنے گناہوں کو اس طرح سے بھول جاؤ جیسے تم اپنی زندگی کے گزرے دنوں کو بھول جاتے ہو۔ اپنے مزوں میں' اپنی خوشیوں میں گم ہو جاؤ' مگن ہو جاؤ' بھول جاؤ سب کچھ... سب کچھ بھول جاؤ... اور پھر ایک دن ایسا آئے تمہیں سب کچھ یاد کرا دے' وہ یاد کروانے والا جس کے ہاتھ میں رسی کا وہ سرا ہے جس سے تمہاری گردن بندھی ہے اور وہ لمحہ بہ لمحہ اس کھنچاؤ کو بڑھاتا چلا جائے... تم موت کی تمنا کرو اور موت تم سے دور بھاگے۔ میری دعا ہے تمہارے لیے' تم بہت سے سال اور جیو...." وہ اپنے وجود کی ساری نفرت لہجے میں سمو کر بولی۔
"تم اسی بے بسی' اسی تکلیف' اسی کرب کے ساتھ ایڑیاں رگڑو۔ موت مانگو اور تمہیں موت نہ آئے۔ یہی میری دعا ہے تمہارے لیے۔" کہہ کر وہ تیزی سے جھٹکے سے مڑ کر جانے لگی تو پیچھے کھڑے واثق کو دیکھ کر لمحہ بھر کو ٹھٹکی۔ پھر اپنے چہرے کی تمام تر جذباتی کیفیت چھپاتی' تیزی سے باہر نکل گئی۔
واثق گم صم سا وہیں اپنے قدموں پر جما کھڑا رہ گیا۔
وہ ایڑیوں کے بل ذرا سا گھوما اور ماں کے بادامی رنگ کے دروازے کی اوٹ میں گم ہوتے آنچل کو تادیر دیکھتا رہا۔
"امی یہ سب کچھ کیا کہہ رہی تھیں۔ یہ کیسی دعا تھی! کیا امی جانتی ہیں انکل کو..." وہ کمرے کے بیچوں بیچ کھڑا ایک نظر بستر پر لیٹے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اپنی طرف دیکھتے زبیر کو دیکھنے لگا۔
"انکل اب کیسی طبیعت ہے آپ کی۔" وہ سنبھل کر اس کے پاس آکر بولا تھا۔ زبیر بس بے بسی سے اسے دیکھ کر رہ گیا۔
"آپ کو کچھ چاہیے۔" وہ جواب میں اسی بے چارگی سے بس دیکھتا رہ گیا۔
مگر واثق کچھ اور ہی سوچے جارہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"وردہ! یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟" مشال حیرت زدہ نظروں سے سامنے کھڑی وردہ کو دیکھ رہی تھی جس کے چہرے پر

واضح ناراضی تھی۔

"تو مجھے اور کیا کہنا چاہیے؟" وہ طنز سے الٹا پوچھ رہی تھی۔

"نہیں تم مجھ سے ٹھیک طرح سے بات نہیں کررہی تھیں تو مجھے لگا شاید کہ مجھ سے ناراض ہو تو میں نے اس لیے پوچھ لیا۔" مشال کچھ شرمندہ سے لہجے میں بولی۔

"اور میں نے بھی آپ کو اس کا صاف اور سیدھا جواب تو دے دیا کہ میں آپ سے کیوں ناراض ہونے لگی جب میرا آپ سے کوئی بھی تعلق نہیں۔ میں تو آپ کو ٹھیک طرح سے جانتی بھی نہیں اور آپ زبردستی ہمارے گھر میں میرے بھائی کی زندگی میں آکر گھس گئی ہیں جو مجھے بالکل بھی اچھا نہیں لگا' سو میں نے کہہ دیا۔" وہ واضح طور پر ناپسندیدگی کا اظہار کرتے ہوئے کندھے اچکا کر بے حد رکھائی سے بولتی چلی گئی۔

اس کی یہ واضح ناپسندیدگی مشال کے لیے بہت اچانک اور پریشان کن تھی۔

"میں پوچھ سکتی ہوں اس ناپسندیدگی کی وجہ؟" وہ کافی دیر بعد خود کو بولنے کے قابل کرسکی تھی۔

"بہت سی وجوہات ہیں۔" وہ کٹیلے لہجے میں بولی۔ "اور کوئی بھی وجہ نہیں ہے۔" وہ عجیب بے نیازی سے کندھے اچکا کر بولی۔

"اور معاف کیجیے گا آپ کو یہ برا نہیں لگا کہ میں آپ سے اچھی طرح سے بات نہیں کررہی' بلکہ آپ کو یہ برا لگا کہ میں آپ سے اس چاپلوس انداز میں بات نہیں کررہی جس کی آپ اس گھر میں آکر عادی ہوچکی ہیں' میرے سادہ سے بھائی اور میری بے غرض سی ماں کو تو آپ بے وقوف بناسکتی ہیں' مگر مجھے نہیں۔" مشال سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ وردہ کے دل میں اس کے لیے اتنی نفرت ہوگی۔ نفرت بھی ایسی' جس کا بظاہر کوئی جواز نہیں۔

"میں کیوں بے وقوف بناؤں گی کسی کو بھی وردہ۔" وہ پریشانی سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

"کیا سادگی ہے اور کیا معصومیت' لیکن میں آپ کو بتاچکی ہوں آپ مجھے اس سادگی اور مصنوعی بھولپن سے ٹریپ نہیں کرسکتیں۔" وہ اسی سنگ دل اور کٹھور لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"وردہ!" مشال حقیقتاً پریشان ہوگئی تھی۔

"آپ کسی کو زبردستی خود کو پسند کرنے پر مجبور نہیں کرسکتیں۔ آپ مجھے اچھی نہیں لگتیں' سو نہیں لگتیں سمپل۔" وہ رکھائی سے کہہ کر اندر جانے لگی تو باہر سے آتا واثق اور عاصمہ اس کی آخری بات سن کر بے اختیار ٹھٹک کر رک گئے۔ وہ دونوں کو نظرانداز کرکے کتاب اٹھائے اندر چلی گئی۔ مشال ساکت سے ان دونوں کی آمد سے بے خبر اپنی جگہ پر کھڑی رہ گئی تھی۔

واثق اور عاصمہ پریشان نظروں سے ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر رہ گئے۔

☆ ☆ ☆

"احسن یہ کیا کہہ رہے ہیں۔ آپ؟" بشریٰ کے چہرے پر شدید حیرت اور پریشانی تھی۔

"میں نے شاید جلدبازی کی حالانکہ میں نے زندگی... اسپیشلی بزنس کے معاملے میں ہمیشہ بہت محتاط رویہ اختیار کیا ہے لیکن اس بار میں اس کمپنی کے جھانسے میں آگیا۔ سب کچھ پاکستان سے سمیٹ کر یہاں آگیا۔ مگر یہاں کے حالات۔" وہ پریشانی سے بالوں میں انگلیاں پھنسا کر گم صم سا رہ گیا۔

"کیا زیادہ کرائسز میں ہے بزنس۔" بشریٰ نے کچھ محتاط لہجے میں پوچھا ورنہ معلوم نہیں' وہ کب کس بات پر بھڑک اٹھے۔

"کرائسز بہت چھوٹا لفظ ہے اس کے لیے۔" وہ اسی طرح مایوس لہجے میں بولا۔

"پھر اب کیا کریں گے۔" کچھ دیر بعد بشریٰ پھر سے بولی۔
"پتا نہیں۔ ابھی تو کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔" وہ بشریٰ کو کبھی بھی اتنا پریشان اور دل گرفتہ نہیں لگا تھا۔
"کیا ہم واپس نہیں جاسکتے۔ مطلب پاکستان۔" وہ پھر سے کچھ ڈرے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔
احسن کا رد عمل بشریٰ کی توقع کے عین مطابق تھا۔ اس نے ناراض نظروں سے اسے دیکھا تھا۔
"تمہارے خیال میں یہ سب بہت آسان ہے۔ یوں بزنس گھر اکھاڑ کر ادھر آنا اور یہاں کام نہ بنے تو سب سمیٹ کر واپس چل پڑنا۔" وہ طنز بھرے لہجے میں بولا تھا۔
بشریٰ خاموش سی رہ گئی۔
وہ اس سے کس انداز میں تسلی چاہ رہا تھا۔ بشریٰ سمجھنے سے قاصر تھی۔
"سیفی کو میں نے سمجھایا تھا یہاں رہ کے اپنی ایجوکیشن یہیں مکمل کرلے میرے ساتھ بزنس دیکھ لے مگر اس نے بھی شاید مجھے تنگ کرنے کی ٹھان لی ہے چلا گیا اور اب وہاں جاکر بھی کچھ نہیں کررہا۔ میری سمجھ میں نہیں آرہا۔ میں کیا کروں۔"
سمجھ میں تو بشریٰ کے بھی نہیں آیا تھا کہ اس کی اس پریشانی کو کس طور حل کرے۔ سو خاموش بیٹھی رہی۔

☼ ☼ ☼
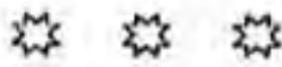
"عدیل! آخر اس میں کیا حرج ہے اگر دانی باہر جاکر پڑھنا چاہتا ہے۔" عفت نے موقع دیکھ کر بات شروع کی۔
"اے لیول تو وہ جیسے تیسے کر ہی لے گا۔ اس کے بعد بھی تو اسے یہی کچھ کرنا تھا۔ مطلب کہیں... ابروڈ تو جانا ہی تھا۔" وہ عدیل کو بچوں کی طرح سمجھاتے ہوئے بولی۔
"وہ ابھی میچور نہیں ہے عفت! تم کیوں نہیں سمجھتیں۔" وہ زچ ہو کر بولا تھا۔
"اسے یہاں سے کہیں اور بھجوانے کی ضرورت ہے آپ کو بھی یہ بات سمجھنی چاہیے عدیل۔" عفت ڈھکے چھپے انداز میں جیسے بہت کچھ کہہ گئی۔
عدیل نے چونک کر اسے دیکھا۔
اس کی بات میں کچھ تھا جو شاید عدیل کی نظروں سے چھپا تھا۔ "اسکول کالج بدلنے سے فرق نہیں پڑے گا یہاں۔ میں آپ کو کیسے سمجھاؤں کچھ ایسے دوست جنہیں وہ چاہتا ہے چھوڑنا اور اور جانا چاہتا ہے مگر... وہ ہتھیلیاں ملتے ہوئے آگے کا مدعا جیسے حذف کرگئی۔ "پھر فوزیہ ہے وہاں وہ اسے بلوا سکتی ہے پاس رکھ سکتی ہے وہ اپنی اسٹڈیز بھی مکمل کرے گا اور ساتھ میں چھوٹی موٹی جاب بھی اسٹارٹ کردے گا۔ اس کے اپنے اوپر ذمہ داری پڑے گی تو یقیناً" ٹھیک ہو جائے گا۔" عدیل اسے بس بے بسی سے دیکھ کر رہ گیا۔
عفت بہت کچھ دانی کے ساتھ پلان کرچکی تھی۔ عدیل کو صرف یہ ڈر تھا جو یہاں ماں باپ کے ساتھ رہ کر کچھ نہیں بن سکا۔ وہ کہیں اور جاکر کیا کرے گا۔
"آپ فوزیہ سے بات کریں یا پھر میں کروں۔ ویزہ وغیرہ سب ہم نے ہی کرنا ہے۔ وہ kinShip (خونی رشتہ) کی بنیاد پر اسے بلوا تو سکتی ہے۔" عفت عدیل کو خاموش دیکھ کر پھر سے ملتجی لہجے میں بولی۔
"تم کیا سمجھتی ہو۔ فوزیہ آسانی سے مان لے گی یہ سب۔" وہ بہت دیر بعد بولا تھا۔
"کیوں نہیں مانے گی۔ ہمارا دانی اس پر بوجھ تھوڑی بنے گا۔ اگر وہ وہاں رکھے گی تو ٹھیک ورنہ یہ جاکر کچھ ٹائم کے بعد اپنا جو بھی بندوبست ہوگا دیکھ لے گا۔ آپ بات تو کریں۔"
"یا میں کروں۔" وہ عدیل کی خاموشی کو زیادہ دیر تک برداشت نہ کرسکی اور فوراً" سے بولی۔

"ٹھیک ہے۔ تم خود کرلو بات' وہ جو کہے گی پھر ہم دیکھ لیں گے' مجھے نہیں لگتا وہ اتنی آسانی سے مانے گی۔"
عفت اس کی اگلی بات سنے بغیر باہر جا چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

کمرے میں گھٹن سی ہو رہی تھی۔
اور وہ چاہتے ہوئے بھی اٹھ کر کھڑکی نہیں کھول پا رہی تھی۔ بس پتھر کی طرح ایک ہی جگہ ساکت و جامد تھی۔
وردہ کا رویہ اسے بہت کچھ یاد دلا گیا تھا۔
فوزیہ پھپو کے بشریٰ کے ساتھ ہونے والے جھگڑے' جن کی وجہ سے آئے دن عدیل اور بشریٰ کے درمیان بڑھتی ہوئی رنجشیں اور دادی امی!
جس کا نتیجہ ہمیشہ کی جدائی نکلا تھا۔
اسے بیٹھے بیٹھے بہت کچھ دل دہلا دینے والا سوجھنے لگا تھا۔ وردہ کے لہجے کی نفرت' اسے بہت کچھ سمجھا گئی تھی۔
پھر واثق اور عاصمہ نے جس طرح اسے ہاتھ کا چھپھولا بنا رکھا تھا' وہ تو اسے چند ہی دنوں میں پتا چل گیا تھا۔ اگر کچھ ایسا ویسا ہوا تو واثق۔ وہ بھی تو ایک بھائی ہے' پاپا جیسا بھائی۔ فوزیہ پھپو کے لیے پاپا نے اپنی اتنی چاہنے والی بیوی کی پرواہ نہیں کی۔ میں تو پھر زبردستی اس گھر پر مسلط کی گئی ہوں۔
مجھے واثق سے بات کرنی چاہیے۔ وہ عجیب سی گھبراہٹ کا شکار ہو کر کھڑکی سے دور گئی تھی۔
"یوں اندھیرے میں اکیلی کیوں بیٹھی ہو۔" واثق اس کے بالکل سامنے کھڑا تھا۔
مثال لحہ بھر کو کچھ بول ہی نہیں سکی۔
"آپ کب آئے گھر۔ آنٹی بھی آ گئی ہوں گی؟" مثال رخ پھیر کر یونہی صوفے پر پڑے کشنز ٹھیک کرتے ہوئے غیر متوازن لہجے میں پوچھنے لگی۔
"تمہیں کیا ہوا ہے مثال؟" وہ اسے کندھوں سے پکڑ کر گہرے لہجے میں بولا۔
وہ ساکت سی رہ گئی۔
واثق کو میرے دل کی حالت کا کیسے پتا چل جاتا ہے۔
"کچھ بھی نہیں ٹھیک ہوں میں۔ بس یونہی بیٹھی تھی' آپ کا انتظار کر رہی تھی۔" وہ نظریں چرائے' رک رک کر بولتی رہی۔
"ابھی تک تمہیں جھوٹ بولنا نہیں آیا اور یہ یاد رکھنا اگر تم نے جھوٹ بولنا سیکھ بھی لیا تو مجھ سے نہیں بول سکو گی۔" وہ اسے سختی سے کندھوں سے پکڑے کہہ رہا تھا۔
"وردہ کے ساتھ کوئی جھگڑا ہوا ہے تمہارا۔" وہ اس کے چہرے پر نظریں جمائے بولا تو مثال کے ضبط کے بندھن ٹوٹ گئے۔ نفی میں سر ہلاتے ہوئے وہ بے اختیار اس کے سینے پر سر رکھ کر سسکنے لگی۔

☼ ☼ ☼

"کیا؟" اچھا کب؟" عدیل پہلے کچھ حیران ہو رہا تھا پھر ذرا جوش سے پوچھ رہا تھا۔ عفت ہاتھ میں چائے کی ٹرے لیے وہیں ٹھٹک کر رک گئی۔
"ہوں۔ چلو ٹھیک ہے جو بھی کنفرم ہو مجھے بتا دینا۔ مجھے انتظار رہے گا۔ خدا حافظ۔" کہہ کر فون بند کرتے ہوئے وہ جیسے کسی گہری سوچ میں تھا۔
"کس کا فون تھا؟" اس سے زیادہ عفت برداشت نہیں کر سکتی تھی۔

"پری کہاں ہے۔" عدیل نے بالکل ہی الگ سی بات پوچھی تھی۔ عام حالات میں یوں پری کے بارے میں پوچھنا عفت کو اچھا لگتا تھا مگر اس وقت۔ وہ غصے کا گھونٹ پی کر رہ گئی۔

"اپنے روم میں ہے!" وہ بےزاری سے بولی۔

"کالج گئی تھی یہ آج!" عدیل کو پھر کچھ خیال آیا۔ عفت نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"دو دن سے نہیں جا رہی کالج۔" وہ آہستگی سے چند لمحوں بعد بولی۔

"اور تم نے اسے کہا بھی نہیں، گھر بٹھا لیا۔ اتنے مہنگے کالج میں ایڈمیشن کروایا اس کا، یوں چھٹیاں کرنے کے لیے۔" عدیل کو غصہ آگیا۔

"وہ ناراض ہے آپ سے اس دن کی بات پر۔" عفت، کچھ جتا کر بولی تھی۔ عدیل کوفت سے چائے پینے لگا۔

"آپ نے بتایا نہیں فون کس کا تھا؟" اسے پھر بےچینی نے گھیرا۔

"فوزیہ کا۔" عدیل کے جواب پر عفت کا دل جیسے حلق میں آگیا۔

"کیا کہہ رہی تھی وہ۔ میں نے جب فون کر کے کہا تھا تو بہت خوش ہوئی تھی۔ کچھ بتایا ویزے کے بارے میں، دانی کے۔" وہ جوش سے کہتی چلی گئی۔

"فوزیہ خود آ رہی ہے پاکستان۔ کچھ دنوں میں۔" عدیل نے جیسے دھماکا کیا تھا عفت کے کانوں کے پاس۔

"فوزیہ کب۔ کیوں؟" وہ کچھ بوکھلا کر بولی۔ عدیل جواب میں کندھے اچکا کر رہ گیا۔

"کوئی وجہ تو بتائی ہو گی پاکستان آنے کی۔" وہ پھر بےقراری سے بولی۔

"کچھ خاص نہیں اور مجھے زیادہ پوچھنا اچھا بھی نہیں لگا ظاہر ہے وہ میری بہن ہے اور بہت سالوں سے یہاں آئی بھی نہیں، ہو سکتا ہے اب اس کا دل چاہ رہا ہو۔ ہم سب سے ملنے کے لیے۔" عدیل رک رک کر کچھ بےتاثر لہجے میں کہہ گیا۔

"اور جو مثال کی شادی میں آپ نے انوائیٹ کیا تھا اس وقت تو اس نے صاف منع کر دیا تھا۔ اب چند ہی دنوں بعد دل اداس ہو گیا۔ اس کا۔ عجیب سی بات ہے۔" عفت آخر میں منہ میں بڑبڑائی تھی۔

"بھئی میں یہ بھی اسے نہیں جتا سکتا تھا اور آنے سے منع بھی نہیں کر سکتا تھا۔" عدیل نے جلدی سے چائے کا کپ خالی میز پر رکھتے ہوئے کہا۔

"میں دیکھوں ذرا پری کا کیا مسئلہ ہے یوں کالج سے آف کرنے کا۔" کہتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گیا۔

"یہ فوزیہ کو ایکا ایکی یہاں آنے کی کیا سوجھی۔ اب کس مقصد کے لیے یہاں آنا چاہ رہی ہے۔ اگر دانی کو وہاں بلانے سے روکنے کے لیے تو وہ وہاں بیٹھے بھی منع کر سکتی تھی یوں یہاں آ کر وہ کیا خاص بات کرنا چاہتی ہے۔ حد ہے بھئی! یہاں کسی کو کچھ ذرا سا کام کہہ دو، وہ سر پر ہی چڑھنے کے لیے آ جاتا ہے۔" وہ ناگواری میں بڑبڑاتے ہوئے چائے کے خالی برتن اٹھاتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔

☼ ☼ ☼
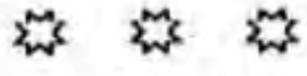
"تمہارا وہم ہے مثال! وردہ کیوں تمہیں ناپسند کرنے لگی۔ بہت اسٹریٹ فارورڈ ہے وردہ یونہی بول دیا ہو گا ورنہ ایسا کچھ نہیں ہے۔ وردہ مجھ سے اٹیچڈ ہے اور وہ تم سے محبت بھی کرتی ہے۔"

مثال چہرہ جھکائے بےیقین سی خاموش بیٹھی رہی تھی۔ اس نے زیادہ بحث نہیں کی تھی، نہ واثق کے دعوے کی تردید کی تھی۔ اسے لگتا تھا اگر وہ زیادہ وردہ کے رویے کی شکایت کرے گی تو شاید واثق کو لگے گا کہ وہ روایتی بھابھی بن کر نند کے خلاف زہر اگل رہی ہے۔

واثق نے اسے تو تسلی دے کر خاموش کروادیا تھا مگر اس کے اپنے دل میں جیسے بے چینی سی آگئی تھی۔ وردہ کا رویہ واثق سے ڈھکا چھپا نہیں تھا۔ مگر وہ اسے یوں ہی ذرا سی خفگی سمجھ کر نظر انداز کر رہا تھا جو آئس کریم یا کسی بھی عام سے گفٹ کے ذریعے وہ دور کیا جاسکتا ہے۔

اور وہ دور کرنا بھی چاہتا تھا لیکن آج کل اسے وقت نہیں مل پا رہا تھا۔ پہلے شہزادی کی وجہ سے اسے آفس میں ٹائم دینا پڑ رہا تھا۔ اب مثال کی کشش اسے آفس میں کام ختم کرتے ہی گھر بھاگنے پر مجبور کردیتی۔ شاید وہ خود بھی وردہ کو کچھ نظر انداز کر رہا ہے اور اسی بات پر وہ دل میں ناراض سی تھی۔

مثال کو یہاں کوئی اجنبیت کوئی اکیلا پن محسوس نہیں ہونا چاہیے' اس کے لیے عاصمہ اور وردہ سے اس کے اچھے تعلقات ضروری ہیں۔ اور مجھے اس کے لیے مثال کا ساتھ دینا ہو گا۔ لیکن عاصمہ کا اسپتال سے آنے کے بعد مبہم سا رویہ بھی اسے الجھا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

اگلے روز عفت کچھ حیران کچھ خوش تھی۔

پری کالج کے لیے تیار ہو کر ناشتا کرنے آچکی تھی۔ دانی بھی آج کل باقاعدگی سے کلاسز لے رہا تھا۔

"تو مثال کے منحوس سائے بالآخر اس گھر سے ٹلنے لگے۔" اس نے طمانیت بھرا گہرا سانس لیا۔

عدیل کا رویہ بھی اب اس کے ساتھ کافی بہتر ہوتا جا رہا تھا ______ شادی کے دوران جو بدمزگی ہوئی تھی اس کا تاثر زائل کرنے کے لیے' عدیل اس کے ساتھ بہت نرم محبت بھرا سلوک کر رہا تھا۔

"پاپا تیار نہیں ہوئے آفس کے لیے۔" پری بالکل نارمل انداز میں بات کر رہی تھی۔ عفت کو خوشی محسوس ہوئی۔

"ابھی کچھ دیر ہوئی اٹھے ہیں۔ کہہ رہے تھے آج کچھ لیٹ جانا ہے انہیں آفس۔" عفت نے پری کا پسندیدہ اورنج جوس اس کے آگے رکھا۔

"فوزیہ پھپو سے بات ہو گئی آپ کی مما؟" دانی اپنی ہی الجھن میں تھا زیادہ دیر خاموش نہیں رہ سکا۔

"ہاں ہو گئی ہے۔" عفت ٹالنے والے انداز میں بولی۔

"وہ کیا کہہ رہی تھیں' کب تک ویزے کا کریں گی۔" وہ بے چینی سے پوچھ رہا تھا۔

"بیٹا جی یہ ٹیکنیکل باتیں ہیں۔ تمہاری پھپو نے تمہارے پاپا سے کی ہیں۔ مجھے ٹھیک سے پتا نہیں۔" عفت نے جیسے جان چھڑائی۔

"اور شاید فوزیہ خود بھی چکر لگائے یہاں کا۔" وہ آخر میں ذرا رک کر بولی۔

"وہ کیوں آرہی ہیں؟ کیا کریں گی یہاں آکر؟ میں جو جا رہا ہوں وہاں۔" وہ کوفت بھرے لہجے میں بولا۔

"ہاں جیسے وہ صرف تم سے تو ملنے کے لیے آرہی ہیں' کیا خوش فہمی ہے بھئی۔" پری اسے چڑانے کو جوس کا خالی گلاس رکھتے ہوئے بولی۔

"میں تم سے بات نہیں کر رہا۔" وہ تنفر سے پری کی طرف دیکھے بغیر بولا۔

"میں کون سا تم سے بات کرنے کے لیے مری جا رہی ہوں۔ جلو مت۔" وہ جواباً ہنکارا بھرتی' بیگ کندھے پر ڈال کر جانے کے لیے تیار تھی۔

"مما! میں جا رہی ہوں کالج وین آنے والی ہے میری۔" وہ کسی خیال کے آنے پر یوں ہی ذرا سا مسکرا کر جھک کر ماں کا ماتھا چوم کر بولی۔ تو عفت کا دل جیسے نہال ہو گیا۔

بہت عرصے بعد وہ پہلے جیسی پری لگی تھی۔
''جیتی رہو، ہمیشہ خوش رہو، خدا کامیابی دے۔ بہت، جاؤ اللہ کی امان میں۔'' عفت اسے دعائیں دینے لگی۔ وہ چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

''امی! یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں۔'' واثق کے لیے یہ بات کسی شاک سے کم نہیں تھی، وہ بے یقینی سے ماں کو دیکھتا رہا۔
عاصمہ ان تین راتوں میں جیسے کسی قبر میں اتر گئی تھی۔
بیس سال پہلے کی وہ خوف ناک رات جیسے اس کے اندر سانس لینے لگی تھی، جی اٹھی تھی۔
وہ چاہنے کے باوجود اس سے پیچھا نہیں چھڑا پا رہی تھی۔ تین دن سے اس نے اکیڈمی سے بھی چھٹی لے رکھی تھی۔ گھر میں بھی وہ صرف اپنے کمرے میں قید ہو کر رہ گئی تھی۔
واثق ان تین دنوں میں اس سے کئی طرح سے اس تبدیلی کی وجہ پوچھنے کی کوشش کر چکا تھا۔
مگر وہ ہر بار ایک یاس بھری گہری نظر ڈال کر بالکل خاموش ہو جاتی واثق نے اسے اپنی قسم دی تو اس نے اپنی آبرو کی بے داغ عمارت مسمار ہونے کے سوا سب کچھ بتا دیا۔
اور واثق کو بھی اپنی زندگی کے سب سے مشکل اذیت بھرے دن یاد آ گئے۔ کس طرح اس نے اپنے ہنستے بستے گھر کو ایک بار نہیں کئی بار بنیادوں سے ہلتے اور ان کے اوپر گرتے دیکھا تھا۔ اس کی ماں، اس کی بہنیں اور وہ خود کئی بار موت کی بانہوں میں جاتے جاتے بچے تھے۔ اور آخری دھچکا اس کے باپ کے اس نام نہاد فراڈیے دوست نے دیا تھا، جسے کل تک وہ اپنے دوست کا باپ جان کر دل و جان سے افسردہ تھا۔
واثق سے کچھ بولا ہی نہیں گیا۔
''کتنے سال ہو گئے ہیں ماما، یہ شخص اپنے اعمال کی دوزخ میں جل رہا ہے۔ یتیموں کا مال کھانے والے کا انجام نہ اس دنیا میں اچھا ہے نہ اس دنیا میں۔ پھر بھی لوگ سبق کیوں نہیں حاصل کرتے۔'' وہ رنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔
اور عاصمہ کے تو جیسے لب ہی گنگ ہو گئے تھے۔
اس کے اندر سارے الفاظ مر گئے تھے۔ سارے جملے بے مطلب و بے معنی ہو گئے تھے۔
تین دن سے وہ درد کے ایسے گہرے دریا میں غوطہ زن تھی جس میں بمشکل وہ ہاتھ پاؤں مارتے خود کو بچانے کی سعی کر رہی تھی۔
''ڈاکٹرز جواب دے چکے ہیں۔ اور موت اسے ساتھ لے جانے کے لیے تیار نہیں۔ زمین کے اوپر، زمین کے نیچے وہ دونوں طرح سے ایک بوجھ بن کر رہ گیا جسے کوئی بھی اٹھانے کے لیے تیار نہیں۔'' واثق کچھ دیر بعد پھر بوجھل لہجے میں بولا۔
''صرف یہی نہیں ماما! آپ کو معلوم ہے اسے قدرت کی طرف سے سزا تو بہت شروع میں ہی مل گئی تھی۔ یہ تو بس آخری ضرب ہے۔'' وہ کچھ دیر بعد بولا تو عاصمہ نا سمجھی سے دیکھنے لگی۔
''شہزاد، زبیر انکل کا اپنا بیٹا نہیں ہے۔'' وہ کچھ دیر بعد بولا تو عاصمہ چونک کر رہ گئی۔
''بہت سال پہلے زبیر انکل کی بیوی اور دونوں بچے ایک کار حادثے میں جاں بحق ہو گئے تھے، یہ کچھ سال بہت اذیت اور تکلیف میں رہے پھر انہوں نے شہزاد کو جو ان کے دور کے رشتے دار کا لاوارث بچہ تھا، اسے ایڈاپٹ کیا اور اس کی اپنے بیٹے کی طرح پرورش کی مگر اپنے بچوں اور بیوی کی جدائی نے اس شخص کو ہمیشہ رنجیدہ رکھا۔

کسی کو دھوکا دینے والے' دکھ پہنچانے والے خود بھی کبھی خوشیاں نہیں پاتے مما! اور خدا بڑا حساب لینے والا ہے۔ اس کا بدلہ بڑا ہی دردناک ہوتا ہے۔ اللہ ہم سب کو اپنے غضب سے محفوظ رکھے' ہمیشہ یہ۔

اور مما! آپ بھی اس سب کو بھول جائیں اب۔ ہم سب سے سب کچھ چھیننے والے کے پاس وہ سب کچھ چند دن بھی نہیں رہا' بہت سال اس نے بھی مفلسی جھیلی پھر کہیں جاکر کچھ سیٹ ہوا ہے اب تو سب کچھ شہزاد کی محنت اور خلوص سے اور وہ اپنے ساتھ کی گئی نیکی کا بدلہ چکا رہا ہے۔"

"ہوں' ملی ہوں میں اس لڑکے سے۔ سعادت مند والدین کی اولاد ہے جو خدا نے اس پر کیے گئے احسان کو بھی اس دنیا میں چکانے کا انتظام فرمادیا۔" عاصمہ گہرا سانس لے کر بولی۔

"اچھا اب بھول جائیں اس سارے قصے کو۔ اتنے دنوں سے خود کو یوں بند کررکھا ہے' پلیز آپ کی اس حالت کی وجہ سے گھر میں کتنی ڈسٹربنس ہے کچھ خیال ہے آپ کو۔" وہ کچھ جتانے والے انداز میں بولا۔

"کیا ہوا؟" عاصمہ کچھ فکر مندی سے بولی۔ واثق لمحہ بھر کر خاموش رہ گیا۔ کہ وردہ کی ساری بات عاصمہ کو بتائے یا نہیں۔ وہ فیصلہ نہیں کرپارہا تھا' سوچنے لگا۔

"واثق! کچھ ہوا ہے بیٹے۔" وہ نرمی سے پوچھنے لگی۔

"وردہ شاید مثال کو Accept (قبول) نہیں کرپارہی ہے شاید۔" وہ رک کربات پوری نہ کرتے ہوئے بھی جیسے سب کچھ کہہ گیا۔

"مثال سے کچھ کہا اس نے۔" عاصمہ سوچ کر بولی۔

"آپ جانتی تو ہیں۔ وہ پہلے سے ہی کچھ ناخوش تھی۔ کچھ اور قسم کی توقعات تھیں اس کی پھر جس طرح اچانک یہ سب کچھ ہوا تو اسے ایک اجنبی لڑکی کو گھر میں بہت اہم جگہ پر دیکھنا کچھ اتنا پلیزنٹ نہیں لگ رہا۔" وہ رک کر حتی الامکان نرم الفاظ میں کہہ رہا تھا۔ مبادا عاصمہ کچھ اور مطلب لے لیں کہ وہ چند ہی دنوں میں بیوی کی ہمدردی میں بہن کی مخالفت پر اتر آیا ہے۔

"تم پریشان نہیں ہو۔ میں دیکھ لوں گی سب۔" عاصمہ اس کی توقع کے عین مطابق سمجھ داری کا اظہار کرتے ہوئے سرہلا کربولی تو واثق کو گہرا اطمینان ہوا۔

"اچھی بات ہے۔ یہ گھر کے معاملات ہیں مما! اور میں چاہتا ہو جیسے پہلے گھر کے سارے معاملات آپ خود ہی بہت سمجھداری اور طریقے سے چلاتی رہی ہیں اسی طرح اب بھی چلائیں۔ میں نہیں چاہتا کہ مجھے ان میں انوالو ہونا پڑے۔" اور ڈھکے چھپے لفظوں میں جیسے سب کچھ کہہ گیا تھا۔

"میرے بیٹے! تم کیوں فکر مند ہورہے ہو۔ میں دیکھ لوں گی نا سب کچھ۔ اور وردہ بہت ناسمجھ اور بدزبان سی ہے۔ اسے کس طرح ہینڈل کرنا ہے۔ میں جانتی ہوں۔ تم آفس کے لیے لیٹ ہورہے ہو ان ساری باتوں کو اپنے دماغ سے نکال کر اپنا دھیان صرف اپنے کام کی طرف لگاؤ۔" عاصمہ ہمیشہ کی طرح اس کا بوجھ ہلکا کرتے ہوئے شفقت سے بولی۔ تو واثق سرہلا کر رہ گیا۔ "اور واثق ایک بات اور بھی بیٹا۔" وہ جانے لگا تھا جب عاصمہ نے سنجیدگی سے اسے روکا۔

"کوشش کرو' چند ماہ تک جیسے بھی ہوسکے بزنس سے اپنے شیئرز الگ کرکے اپنے طور پر بزنس کرو تو تمہارے لیے یہ زیادہ ٹھیک رہے گا تم سمجھ رہے ہو ناں۔" وہ اثبات میں سرہلا کر خاموشی سے باہر نکل گیا۔

☆ ☆ ☆

"ہاں تو وہ ہے ہی اسی فطرت کی مالک ہم دیکھنا وہ کیسے تمہیں اور تمہاری ماما کو گھر کے معاملات سے الگ کرکے

سب کچھ اپنی مٹھی میں کرتی ہے۔ اس کی ماں بھی تو اسی طرح کی تھی 'میری دادو اور پھپھو اگر تم ان سے ملتیں تو تمہیں اس مثال آپی کی نیچر کا ٹھیک ٹھاک اندازہ ہو جاتا۔" پری مزے سے اپنا موبائل پر کوئی گیم کھیلتے ہوئے وردہ سے کہہ رہی تھی۔

وردہ کے چہرے پر کچھ اور بھی پریشانی جھلکنے لگی۔

"شکل سے تو اتنی معصوم لگتی ہے۔" وہ کچھ دیر بعد یاسیت سے بولی۔ "وہ ماں بیٹی شکل کی معصومیت کا تو فائدہ اٹھاتی رہی ہیں۔ میرے پاپا کو دیکھا ہے نا' کیسے پہلے اس کی ماں کے پیچھے دیوانے ہو گئے۔ اتنے سال میری ماما بے چاری ساری زندگی ان کی بے دام کی لونڈی بنی رہیں' مگر پاپا نے کبھی آج تک ماما سے ٹھیک طرح سے بات نہیں کی۔ محبت کرنا' دل میں جگہ دینا تو بہت دور کی بات۔"

وہ کہتے کہتے بے اختیار آنکھوں میں نمی لے آئی۔

"اور یہ مثال آپی' سمجھو ایک تو تا ہے۔ جس میں میرے پاپا کی جان ہے۔ اس کے لیے تو وہ کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ شادی والا واقعہ بہت پرانا تو نہیں' حالانکہ فہد بھائی ڈائیوورس دے رہے تھے پہلی بیوی کو تو' لیکن پاپا نے سالوں پرانا دوستی تعلق سب کو ٹھکرا دیا بیٹی کی خاطر۔ ایسا گہرا جادو ہوتا ہے ان ماں بیٹی کا کہ امی ساری زندگی پھڑ پھڑا نہیں سکیں۔"

بس یار تم اپنے بھائی کو خود کو اور اپنی ماما کو ان سے بچا سکتی ہو تو بچا لینا جو کہ ناممکن ہے۔"

"پلیز مجھے ڈراؤ تو نہیں۔" وردہ روہانسی ہو کر بولی۔

"لکھ کر رکھ لو میری بات۔ چند دنوں میں ہی تمہارے بھائی تمہاری ماما سے تمہاری شکایت کرتے نظر آئیں گے۔ اور اس کے بعد یہ سلسلہ رکنے والا نہیں' پھر انہیں تمہاری ماما سے بھی مسائل ہونے لگیں گے اور آخر میں اکٹھے رہنے سے۔"

پری' وردہ کی آنکھوں کے سامنے گویا تصویر کھینچتی جا رہی تھی۔ وردہ کے چہرے اور آنکھوں میں خوف سمانے لگا تھا۔

"مگر کیوں؟ ماما تو انہیں اتنی محبت دے رہی ہیں۔ ایسا اسپیشل پروٹوکول' پھر ماما سے انہیں کیا شکایت ہو سکتی ہے" وردہ الجھ کر بولی۔ وہ حقیقتاً" پریشان ہو گئی تھی۔

"ان ہی سے تو اسے مسئلہ ہو گا۔ وہ تمہارے بھائی کے گرد نہ تمہیں رہنے دیں گی نا تمہاری ماما کو۔ بس اب یہ کچھ ہی مہینوں کی بات ہے۔ پھر تمہیں یقین آئے گا' میں کتنا سچ بول رہی تھی اور کتنا جھوٹ۔" کہتے ہوئے یونہی وردہ کا سیل فون اٹھا کر چیک کرنے لگی۔ وردہ گم صم سی بیٹھی تھی۔

☼ ☼ ☼
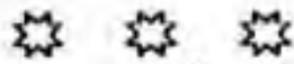
عدیل کی راستے میں اچانک طبیعت خراب ہو گئی تھی۔ مثال کو پتا چلا تو وہ فوراً" واثق کے ساتھ عیادت کے لیے آ گئی۔ آتے ہی اسے محسوس ہو گیا تھا کہ عفت کو اس کا یوں آنا اچھا نہیں لگا۔ مگر وہ اس کی سرد نگاہوں کی عادی تھی۔ سو نظر انداز کر گئی۔

"میں پاپا کے پاس رات رکوں گی۔ عفت ماما شادی کے بعد میں ان کے پاس نہیں آئی۔ میں واثق سے کہہ کر آئی ہوں رات رکنے کے لیے۔" کچن میں عفت کو ساتھ کام کرتے ہوئے اس نے اطلاعی انداز میں کہا تھا۔

"تم یہاں رک کر کیا کرو گی؟" عفت نے بے اختیار کہا تھا۔

مثال اس اچانک صاف جواب کے لیے تیار نہیں تھی' عفت کو دیکھتی چلی گئی۔

"پہلے ہی تمہاری وجہ سے ہمارے گھر میں اتنے مسائل رہے ہیں۔ اب جا کر کچھ معاملات سلجھنے لگے ہیں۔ تو پھر آسیب بن کر چمٹنے کے لیے آگئی ہو۔ اپنے باپ سے۔"

"عفت ماما" وہ ششدر سی بس یہی کہہ سکی۔

"بس شادی کردی ہم نے تمہاری۔ میرے گھر میں میری اور اولادیں بھی ہیں جنہیں تمہاری وجہ سے تمہارا باپ ہمیشہ اگنور کرتا رہا ہے تمہیں خود تو اس بات کا کبھی احساس تک نہیں ہوا اور نہ ہو گا۔"

وہ تو جیسے اندر سے بھری پڑی تھی۔ پھٹ کر بولتی چلی گئی۔

"ہاں تم نے بھی سوچا ہو گا میرے بعد کہیں یہ عفت اور اس کے بچے عدیل پر قبضہ نہ جمالیں ہم جا کر ان کے سر پر سوار جاؤ' لیکن اب میں تمہیں صاف بتا رہی ہوں کوئی لحاظ نہیں کروں گی۔

خیریت پوچھنے آئی ہو خیریت پوچھو اور چلتی بنو بہتر ہے جا کر اپنا گھر بناؤ۔ کہیں ماں کی طرح تم بھی۔ تین حرف ماتھے پر سجائے چلی آؤ۔" وہ آخری زہر میں بجھا تیر اس کے سینے میں اتار کر چائے کی ٹرے اٹھائے باہر نکل گئی۔

اور مثال کو لگا جیسے وہ کھڑے کھڑے ہی مر گئی ہو۔

ایسی ذلت اس نے کبھی نہیں سہی تھی یا سہی بھی تھی تو بھول گئی تھی۔ ان چند دنوں میں واثق کی محبت پا کر وہ پچھلی ساری اذیتیں' ساری ذلتیں جیسے بھول ہی چلی تھی۔ مگر آج عفت نے کیسے تاک تاک کر نشانے لگائے تھے کہ کچے زخموں کے ادھڑنے والی تکلیف نے اسے دہرا کر دیا تھا۔

لمحہ بھر میں گھر کے در و دیوار سب کچھ اجنبی اور پرایا ہو گیا تھا۔

وہ تو سمجھی تھی شاید اس کے چلے جانے کے بعد کسی نہ کسی نے اس کی کمی کو محسوس کیا ہو گا اور کچھ نہیں تو دنیا داری نبھانے کو عفت ضرور اسے خود سے رات رکنے کو کہے گی کہ شادی کے بعد سے وہ یہاں آکر چند گھنٹے بھی نہیں رکی تھی۔

لیکن عفت نے تو سارا معاملہ ہی جیسے صاف کر دیا تھا اس کا اس گھر پر' عدیل پر کسی بھی چیز پر کوئی حق نہیں رہا تھا۔

☼ ☼ ☼
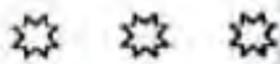
"کیا بکواس کر رہی ہو یہ تم۔" واثق کو لگا جیسے کسی نے پگھلا ہوا سیسہ اس کے کانوں میں انڈیل دیا ہو۔

پری کے چہرے پر فاتحانہ مسکراہٹ تھی۔ وہ اپنا مقصد حاصل کرنے کے قریب تھی۔

"اگر آپ مثال آپی کو نہیں چھوڑیں گے خود سے تو میں اسے آپ کی اصل حقیقت بتا دوں گی۔ آپ کیا ہیں۔"

وہ کسی ماہر بلیک میلر کی طرح واثق کی آنکھوں میں دیکھ کر چیلنج کرنے والے انداز میں بولی تھی۔

"کیا۔ کیا ہے اصلیت میری اور کیا بتا دو گی مثال کو میں بھی تو سنوں ذرا میں کیا ہوں۔ کیا ہے میری حقیقت؟"

واثق شدید غصے میں بل کھا کر رہ گیا۔ یہ چھوٹی سی کمینی لڑکی مسلسل اس کے اعصاب کے لیے امتحان بنتی جا رہی تھی۔

"آپ سن نہیں سکیں گے۔ سن لیں گے تو آپ کے ہاتھ پاؤں پھول جائیں گے۔ لیکن ایک بات طے ہے اگر آپ نے مثال کو نہیں چھوڑا تو وہ آپ کو چھوڑ دے گی۔ آخر میں آپ کو شادی تو مجھ ہی سے کرنی پڑے گی۔ میری ہی طرف آنا ہو گا۔" وہ جس بازاری انداز میں اس سے یہ سب کہہ رہی تھی واثق کی برداشت ختم ہو گئی۔

اس نے بڑے زور کا تھپڑ پری کے منہ پر جڑا تھا۔

پری اس اچانک تھپڑ کے لیے قطعاً تیار نہیں تھی۔ گنگ سی گال پر ہاتھ رکھے کھڑی رہ گئی۔

اسی وقت مثال اندر آئی تھی اور واثق کی اس حرکت نے اسے بھی بھونچکا کر دیا تھا۔ وہ کچھ بول نہ سکی۔

☼ ☼ ☼

"کیا؟ آئینہ کی شادی۔ یہ کیا ہو گیا ہے احسن آپ کو۔ یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" بشریٰ ششدر سی احسن کو دیکھتی چلی گئی۔
احسن کی دگرگوں ہوتی حالت اسے بہت کچھ تو بتا رہی تھی لیکن اس کے دماغ میں یہ نئی چیز چل رہی ہے اس کی اسے ایک فیصد بھی توقع نہیں تھی۔
"اس میں کچھ ہونے کی کیا بات ہے۔ ایک دو سالوں میں بھی تو اس کی شادی کرنا ہی ہے تو ابھی کیوں نہیں۔" وہ گہرے اطمینان سے اپنے آگے پڑی فائلوں کے ڈھیر میں گم مصروف لہجے میں بولا۔
"احسن! وہ ابھی چھوٹی ہے۔ بہت۔ شادی! نہیں پلیز۔ یہ ابھی نہیں۔" وہ حواس باختہ سی ہو گئی تھی۔
"کیا چاہتی ہو تم۔ میرے بعد اکیلی آئینہ کی ذمہ داری اٹھا پاؤ گی۔" وہ ایک دم سے سرد لہجے میں بولا تو بشریٰ کا دل جیسے رک سا گیا۔
"احسن!" وہ پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔
"جو ہو رہا ہے بشریٰ! اسے ہو جانے دو' بہت اچھا رشتہ ہے میرے جاننے والے ہیں۔" وہ بولتے ہوئے رکا۔
"میرے دور کے رشتہ دار بھی ہیں اور سمجھو دوست بھی' ایک ہی بیٹا ہے' ایک بیٹی کی شادی کر چکے ہیں بہت سالوں سے یہاں سیٹل ہیں۔" وہ رک رک کر کہہ رہا تھا۔
"فار گاڈ سیک احسن' ابھی نہیں۔ وہ پڑھ رہی ہے۔" وہ بے اختیار کھڑی ہو گئی تھی۔
احسن اسے دیکھتا رہا۔
"کوئی مسئلہ ہے۔ مطلب کوئی ایسی بڑی بات احسن! جس نے آپ کو خوف زدہ کر دیا ہے۔ مطلب' آپ خود بھی جانتے ہیں ابھی آئینہ چھوٹی ہے۔ شادی جیسی بڑی ذمہ داری اٹھانے کے لائق نہیں ہے وہ۔"
"اور مجھے لگتا ہے بشریٰ میرے پاس وقت کم ہے۔" وہ بجھے ہوئے لہجے میں بولا۔
"احسن۔" بشریٰ کے پیروں کے نیچے سے زمین سرکی۔
اس نے آگے پڑی ایک فائل بشریٰ کے ہاتھ میں دی۔ "اس کو پڑھ لو اچھی طرح سے۔ اس میں میری تمام میڈیکل رپورٹس ہیں' میرے دل کے تینوں والوز... ڈاکٹرز کے خیال میں اگر میں بائے پاس نہیں کرواتا تو بھی بس چھ آٹھ ماہ سے زیادہ ٹائم نہیں ہے میرے پاس۔ اب تم خود سوچ لو کیا کرنا ہے۔" بشریٰ شاکڈ سی اسے دیکھتی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

"مثال!" واثق ششدر سا اسے دیکھے جا رہا تھا۔ جس کے چہرے پر عجیب سی سرد مہری تھی۔
"ہاں واثق! میں جاننا چاہتی ہوں۔ سب کچھ' جو آپ کے اور پری کے درمیان۔ پہلے سے تھا یا ابھی ڈیویلپ ہوا ہے۔"
وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مثال کبھی اس سے ایسی بات بھی پوچھ سکتی ہے۔
اس کے اندر جیسے بہت کچھ ٹوٹ سا گیا تھا۔
اپنی محبت کا غرور' ایک چاہت کا مان' اندھے بھروسے کا یقین' اعتماد' ان سب کی کرچیاں اس کی آنکھوں میں چبھنے لگی تھیں اور اس کے دل کو جیسے زخمی کر گئیں۔
"مثال! تم مجھے ایسا سمجھتی ہو۔ اس طرح کا مرد' ایسا مرد جو ایک ہی وقت میں دو لڑکیوں کے ساتھ۔ آخ تھو۔"

اس نے غصّے سے رخ پھیر کر تھوک دیا۔
مثال لمحہ بھر کو گنگ رہ گئی۔
پری کی ذرا سی بات وہ سن چکی تھی' وہ کس طرح واثق کو بلیک میل کر رہی تھی کہ وہ مثال کو وہ سب کچھ بتا دے گی جو کبھی ان کے درمیان رہ چکا ہے۔ اسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا تھا۔
"پتا نہیں مجھے کیا ہے آپ کے اور پری کے بیچ میں۔" وہ وحشت زدہ سی اس کا کالر کھینچ رہی تھی۔
"تمہیں کیا لگتا ہے کیا ہو گا ہم دونوں کے درمیان میں؟" وہ جیسے ایک اذیت کو سہتے ہوئے زخمی لہجے میں پوچھ رہا تھا۔
مثال کو اس کی بات سے اور بھی دھچکا لگا۔ وہ تو کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ واثق یہ سب باتیں جو وہ یونہی شاید سوچ بیٹھی ہے۔ واثق اتنی جلدی سے مان بھی لے گا۔
اس کے اندر تڑخ سے کچھ ٹوٹا تھا۔
وہ وہیں کھڑے نڈھال سی بیٹھ گئی۔
پتھرائی ہوئی نظروں سے واثق کو دیکھتی جا رہی تھی۔ "کب سے ہے۔ آپ دونوں کے درمیان۔ اور مجھے۔ مجھے کیوں پتا نہیں چلا۔ اگر یہ سب ہی تھا۔ واثق تو پھر مجھے۔ مجھے کیوں اتنا بڑا دھوکا دیا آپ نے۔"
وہ ٹوٹ ٹوٹ کر لفظوں کو بمشکل جوڑتے ہوئے جملہ بول رہی تھی اور واثق کو تو خود لگ رہا تھا جیسے اس کے وجود کی پوری عمارت کسی ملبے کے نیچے دب گئی ہو اور اس سے سانس لینا بھی محال ہو رہا ہے۔
وہ وہیں اس کے قدموں کے قریب دو زانو بیٹھ گیا۔
"تمہیں یقین ہے۔ اس بات کا مثال کہ میں پری سے۔ تمہارے دل نے مان لی یہ بات۔ بتاؤ مجھے؟"
"ہاں مان لی میرے دل نے۔ اب سچ کیا ہے بتائیں مجھے۔ ورنہ میں پری سے معلوم کر لوں گی۔"
واثق ششدر سا دیکھتا گیا۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

رخسانہ نگار عدنان

عدیل اور فوزیہ نسیم بیگم کے بچے ہیں۔ بشریٰ ان کی بہو ہے اور ذکیہ بیگم کی بیٹی ہے۔ عمران بشریٰ کا بھائی ہے۔ مثال ذکیہ بیگم کی نواسی اور نسیم بیگم کی پوتی ہے۔ بشریٰ اور نسیم بیگم میں روایتی ساس بہو کا تعلق ہے۔ نسیم بیگم مصلحتاً بیٹا بہو سے لگاوٹ دکھاتی ہیں۔ دوسری طرف ذکیہ بیگم کا کہنا ہے۔ ان کی بیٹی بشریٰ کو سسرال میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ پانچ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد بشریٰ کی نند فوزیہ کا بالآخر ایک جگہ رشتہ طے پا جاتا ہے۔ نکاح والے روز بشریٰ دولہا ظہیر کو دیکھ کر چونک جاتی ہے۔

عدیل سے شادی سے قبل ظہیر کا بشریٰ کے لیے بھی رشتہ آیا تھا مگر بات نہ بن سکی تھی۔ نکاح والے دن فوزیہ کی ساس زاہدہ اور ذکیہ بیگم بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔ بشریٰ اپنی ماں سے یہ بات چھپانے کے لیے کہتی ہے مگر عدیل کو پتا چل جاتا ہے۔ وہ ناراض ہوتا ہے مگر فوزیہ اور نسیم بیگم کو بتانے سے منع کر دیتا ہے۔ بشریٰ اور عدیل ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جاتے ہیں۔ وہاں انہیں پتا چلتا ہے کہ بشریٰ کے ہاں سات سال بعد پھر خوش خبری ہے۔

عفان اور عاصمہ اپنے تین بچوں اور والد کے ساتھ کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔ عفان کے والد فاروق صاحب سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ گریجویٹی اور گاؤں کی زمین فروخت کر کے وہ اپنا گھر خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ڈیڑھ کروڑ میں زمین کا سودا کر کے وہ عفان کے ساتھ خوشی خوشی شہر آ رہے ہوتے ہیں کہ ڈکیتی کی واردات میں قتل ہو جاتے ہیں۔

عفان کے قریبی دوست زبیر کی مدد سے عاصمہ عفان کے آفس سے تین لاکھ روپے اور فاروق صاحب کی گریجویٹی سے سات لاکھ روپے وصول کر پاتی ہے۔ زبیر گھر خریدنے میں بھی عاصمہ کی مدد کر رہا ہے۔

پچیسویں قسط

دونوں کا ہی یقین ٹوٹا تھا۔
دونوں ہی بے بھروسا ہوئے تھے' ایک دوسرے سے نظریں چرائے دونوں کتنی ہی دیر خاموش بیٹھے رہے تھے۔
"میں پہلی اور آخری بار تم سے صرف یہی کہوں گا میرا پری سے کوئی تعلق نہیں ہم دونوں کے درمیان کچھ نہیں ہے۔ لیکن اگر وہ اسی طرح ہم دونوں کے درمیان ڈسکس ہوتی رہی تو شاید.... ہم دونوں کے درمیان کچھ بھی نہیں بچے۔" واثق پشت پھیرے ٹوٹے ہوئے تھکے تھکے سے لہجے میں کہہ رہا تھا۔ اور مثال یک ٹک اس کی پشت کو دیکھتی جا رہی تھی۔
کمرے میں پھر کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔
"جتنا تم اسے جانتی ہو۔ میں نہیں جان سکتا' پھر بھی تم نے اس کی بکواس پر یوں یقین کر لیا کہ مجھ سے باز پرس کرنے لگیں میں اب اس پہ کوئی بات نہیں کروں گا۔ تمہیں جیسا ٹھیک لگے اسی پر یقین کر لینا۔" کہہ کر لمحہ بھر کھڑا اسے دیکھتا رہا پھر ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کر باہر نکل گیا۔
مثال اس سے کچھ کہنے کے لیے تیزی سے آگے بڑھی اور اگلے قدم پہ وہیں رک گئی۔
"جب اس نے کہہ دیا کہ اب وہ اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرے گا تو میں بھی اب کچھ واثق سے۔ کچھ نہیں پوچھوں گی۔ نہیں بات کروں گی۔" اس نے اسی قدم پہ کھڑے کھڑے فیصلہ کر لیا۔
واثق نے اگر اپنے اور میرے درمیان دیوار اٹھانے کا فیصلہ کر لیا ہے تو یونہی سہی.... میں بھی مزید کوئی سوال نہیں کروں گی۔
اس نے ان لمحوں میں بہت کچھ سوچ لیا تھا جس میں صرف دوری کے امکان تھے اور فاصلوں کا ارادہ!
وہ نڈھال سی یونہی کرسی پہ گر گئی۔
تو پھر سے وہی کہانی شروع ہونے جا رہی ہے۔ جو ماما اور پاپا کے درمیان ہوئی تھی۔ معمولی سی رنجش' چھوٹی موٹی لڑائیاں اور ان کے بیچ نامحسوس انداز میں دیواریں اٹھتی چلی گئیں۔
"مثال بیٹا! یوں اکیلی کمرے میں کیوں بیٹھی ہو؟ تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟" عاصمہ ہلکے سے دروازہ بجا کر اندر آئی تھی اور عادتاً" نرم لہجے میں پوچھنے لگی۔
مثال ایک دم سے سیدھی ہوئی تھی۔
"میں ٹھیک ہوں آنٹی! آئی ایم فائن' آپ آئیں نا' بیٹھیں۔" وہ جلدی سے انہیں بٹھانے کے لیے کمرے میں بکھری چیزیں اٹھانے لگی۔
"مثال! مجھے انٹرفیئر تو نہیں کرنا چاہیے تم دونوں' آئی مین تمہارے اور واثق کے معاملے میں.... لیکن واثق اس کی عادت نہیں ہے غصے میں یوں ری ایکٹ کرنے کی.... دروازہ بہت زور سے بند کر کے گیا تو مجھے کچھ پریشانی سی ہوئی۔" وہ رک رک کر بولی۔
"کیا تم دونوں کے درمیان کوئی جھگڑا ہوا ہے کوئی ایسی بات؟" وہ کچھ جھجک کر پوچھ رہی تھی۔
مثال نے آہستگی سے نفی میں سر ہلایا۔
"نہیں آنٹی.... ایسا کچھ تو نہیں ہوا۔" وہ نظریں چرا کر آہستگی سے بولی۔ عاصمہ اسے بس دیکھتی رہ گئی۔ پھر کسی خیال سے ہلکا سا مسکرا کر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اسے دیکھنے لگی۔
"ایک تو بیٹا! مجھے یہ آنٹی وانٹی مت کہا کرو' جس طرح میں واثق کی امی ہوں' ماما ہوں تمہارے ساتھ بھی میرا یہی رشتہ ہے۔ امی کہا کرو مجھے۔" وہ اپنائیت سے کہہ رہی تھی۔
"جی.... امی!" آہستگی سے وہ کہہ پائی۔

"جیتی رہو... مثال! یہ تمہارا گھر ہے اب بیٹی اور یہاں کے سب لوگ بھی تمہارے اپنے۔" وہ کچھ سمجھانا چاہ رہی تھی شاید۔

"جی!" مثال کچھ نا سمجھی سے بولی۔

"میری جان! وردہ کو تھوڑا ٹائم دیا کرو' میرا مطلب ہے' اس کے ساتھ تھوڑی دوستی تھوڑی انڈراسٹینڈنگ ڈویلپ کرو۔ اسے بھی اچھا لگے گا اور تم بھی بہتر محسوس کروگی۔ گھر کی فضا تو لازما" اس سے خوشگوار ہوگی ہی..." وہ عادتا" پھر مسکرائی۔

"تم سمجھ رہی ہو ناں میں کیا کہنا چاہ رہی ہوں؟" مثال سر ہلاتے ہوئے کچھ سوچنے لگی تھی۔

☼ ☼ ☼

واثق سے آفس میں بھی کچھ کام نہیں ہو پا رہا تھا' اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ مثال اس کے شدید جذبوں کی' اس کی محبت کی ایسی توہین بھی کر سکتی ہے۔

پری... آخ۔ اسے جیسے خود سے بھی گھن آئی' وہ لڑکی کتنی سستی ہے' یہ کوئی مجھ سے پوچھے۔ جو میرے یا کسی بھی ایک لڑکے کے اشارے پر...

"اور مثال نے مجھے اس کے ساتھ جوڑ دیا۔" واثق کو رہ رہ کر اپنے جذبوں کے کم قیمت ہونے کا اور مثال کی نظروں کا عجیب تضحیک بھرا احساس زخمی کیے جا رہا تھا۔

اس نے تھک کر پین واپس ہولڈر میں رکھ دیا۔ شہزاد آج بھی آفس نہیں آیا تھا۔

واثق کو اس سے اب پارٹنر شپ ختم کرنی تھی مگر زبیر کے مسلسل ہاسپٹل میں ہونے کی وجہ سے نہ چاہتے ہوئے بھی وہ یہ بات شہزاد سے نہیں کر پا رہا تھا۔

وہ آج کل اپنے لیے آفس دیکھ رہا تھا اور کچھ بنیادی قدم جو اسے پارٹنر شپ ختم کرنے کے بعد لینے تھے اس کے لیے روز اپنے قانونی مشیر سے مل رہا تھا۔

آج بھی اسے آفس سے واپسی پر وہیں جانا تھا لیکن اب اس کا دماغ بالکل غیر حاضر تھا' وہ رات تک آفس میں ہی بیٹھا رہا بنا کچھ کیے۔

☼ ☼ ☼

آئینہ ہاتھ میں پہنی ڈائمنڈ رنگ کو دیکھتے ہوئے مسلسل روئے جا رہی تھی بشریٰ اسے چپ کراتے کراتے خود بھی جیسے ہلکان ہو چلی تھی۔

"میری جان! آئینہ بس کرو' اب اور کتنا روؤگی میری بیٹی! یہ موقع تو خوشی کا ہوتا ہے۔ لڑکیاں اسے انجوائے کرتی ہیں۔"

وہ بار بار مختلف انداز میں اسے یہی ایک بات سمجھانے کی کوشش کر چکی تھی مگر آئینہ تو جیسے کچھ بھی نہیں سن رہی تھی۔

"مجھے نہیں کرنی نا شادی' پھر میں کیسے انجوائے کروں اس بات کو جس میں میری مرضی' میری خوشی شامل ہی نہیں۔" وہ روتے ہوئے پھٹی آواز میں چیخی تھی۔

"تمہاری خوشی کس میں ہے۔ تمہاری مرضی کہاں ہے۔ بتاؤ مجھے' میں اس کو ارینج کر دیتا ہوں۔" احسن کمال ایک دم سے اندر آیا تھا اور کھردرے لہجے میں براہ راست آئینہ سے بات کرتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

بشریٰ لحہ بھر کو پریشان سی بیٹھی رہ گئی۔

"احسن! آپ ٹینس نہیں ہوں یہ کچھ نہیں کہہ رہی۔" بشریٰ احسن کی طبیعت کا خیال کر کے فوراً" کھڑے ہوتے ہوئے آئینہ کو ناراض نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"بشریٰ! تم پلیز کچھ دیر کے لیے باہر جاؤ۔" احسن بے تاثر لہجے میں اس سے کہہ رہا تھا۔ وہ لمحہ بھر کو خاموش کھڑی رہ گئی۔

"جاؤ بشریٰ!" وہ اب کے کچھ ناگواری سے بولا۔

بشریٰ ایک نظر آئینہ کو دیکھ کر آہستگی سے باہر نکل گئی' آئینہ اب خود کو سنبھال چکی تھی' احسن چند لمحے اسے دیکھتا رہا پھر اس کے پاس بیٹھ گیا۔

"ایک بات آئینہ! اپنے دل میں بٹھالو۔ آپ کے پیرنٹس سے زیادہ کوئی بھی آپ کی بہتری نہیں چاہ سکتا۔ خود آپ بھی نہیں' آپ سمجھ رہی ہو ناں؟"

وہ سر جھکائے خاموش بیٹھی رہی۔

"ولید وہ لڑکا ہے جو میرے خیال میں تمہارے لیے اس پورے ورلڈ میں بہترین چوائس ہے۔" وہ رک کر بولا تو آئینہ نے اسے شکایتی نظروں سے دیکھا۔

"اسے میری جانب داری نہیں سمجھنا' یہ فیکٹ ہے ولید تمہارے لیے پرفیکٹ میچ ہے۔ آج نہیں تو ایک دو سال بعد بھی تمہاری شادی تمہیں کرنی ہے ناں تو اب ایک اچھی فیملی' اچھا لڑکا مل رہا ہے تو تمہیں کیا پرابلم ہے اگر تم کسی اور میں انوالو ہو تو۔"

"پلیز پاپا!" وہ جیسے تڑپ کر رہ گئی۔

"میں جانتا ہوں تمہیں میری بات اچھی نہیں لگی۔" وہ طمانیت بھرے لہجے میں جیسے ہلکا پھلکا ہو کر بولا۔

"بیٹا! دن کبھی بھی ایک جیسے نہیں رہتے اور وقت ہمیشہ آپ کے لیے پھولوں بھری خوب صورت ٹوکری ہاتھ میں لیے آپ کے رستے میں نہیں کھڑا رہتا کہ ہمیشہ ہی آپ پر محبتوں' خوشیوں اور پیار کے پھول برستے رہیں۔" وہ عجیب سے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"پاپا... کیا کہنا چاہتے ہیں آپ؟" وہ کچھ ڈرے ہوئے لہجے میں بولی۔

"مجھے لگتا ہے آئینہ میری جان کہ میرے پاس وقت بہت کم ہے کہ میں دیکھ سکوں کہ وقت وہ ٹوکری میری اس پیاری سی باربی ڈول کے اوپر خالی کر رہا ہے' بلکہ اس میں مزید پھول بھرتے جا رہے ہیں' رنگ برنگے خوشبو دار وہ باسکٹ کبھی بھی خالی نہیں ہو۔" وہ کھوئے ہوئے سے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"پاپا! میں بالکل نہیں سمجھ پا رہی کہ آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں پلیز میں واقعی ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی' مجھے پڑھنا ہے اپنی اسٹڈیز کمپلیٹ کرنا ہے۔ اپنے پیروں پر کھڑے ہونا ہے۔ آپ سمجھتے کیوں نہیں۔" وہ کچھ چڑے ہوئے انداز میں تیز تیز کہتی چلی گئی۔

"او کے میں سب سمجھتا ہوں' ولید اور اس کی فیملی بھی سمجھتی ہے مگر کیا کریں۔ یہ تقدیر نہیں سمجھتی۔ یہ مہلت نہیں دیتی جبکہ میں خود بھی دل سے چاہتا تھا۔ میں اپنی بیٹی کو یہ ساری کامیابیاں سمیٹتے ہوئے دیکھوں۔"

وہ افسردہ سے انداز میں کہہ کر کرسی سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

"پاپا! کیا ہوا ہے' آر یو آل رائٹ۔" وہ کچھ ڈر سی گئی۔

احسن نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"ابھی تک تو ٹھیک ہوں۔" وہ مسکرا کر اس کے بال ہلکے سے سہلا کر بولا۔

"میں صرف یہ چاہتا ہوں میری آئینہ ہمیشہ خوش رہے اور میرا دل اس کی خوشیوں کا سوچ کر ہمیشہ ہلکا پھلکا رہے

میری بیٹی کو کبھی کوئی غم نہیں ملے۔"

"آپ مجھ سے کچھ چھپا رہے ہیں؟" وہ بے یقینی سے دیکھ رہی تھی۔

"تو پھر بس اتنا جان لو میرے پاس وقت کم ہے' مہلت تھوڑی ہے کہ میں تمہاری ساری کامیابیاں دیکھ سکوں۔ اس لیے صرف دلہن بنے دیکھنا چاہتا ہوں۔ اپنے باپ کی یہ خواہش' خوشی تو پوری کرو گی ناں آئینہ؟"

وہ ششدر سی باپ کو دیکھتی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼
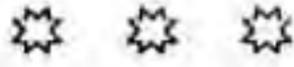
"یہ کیا کہہ رہے ہو درانی تم؟" عدیل شاکڈ سا دانیال کی شکل دیکھنے لگا تھا۔

"پاپا! آئی ایم سوری۔" وہ جھکے ہوئے سر کو اور بھی جھکا کر بولا۔ عدیل کو لگا کہیں قریب میں چھوٹا موٹا بم پھٹا تھا۔

"تم نے کیا کیا ہے۔ پلیز مجھ سے کچھ نہیں چھپاؤ؟ اگر تم کچھ چھپاؤ گے تو... دانی مجھے کچھ ہو رہا ہے۔" عدیل کو ایک دم سے سینے میں عجیب سی گھبراہٹ کا جان لیوا احساس ہوا تھا۔

"پلیز پاپا! میں اس لیے آپ کو کچھ نہیں بتانا چاہ رہا تھا۔" وہ پریشان ہو کر باپ کا سینہ سہلانے کے لیے جھکا تھا۔

عدیل نے سرد مہری سے اس کا ہاتھ ہٹا دیا۔

"مجھے تم سے کسی ہمدردی کی بھیک نہیں چاہیے جو کچھ تم میرے ساتھ کر چکے ہو۔ کرنے جا رہے ہو' یہی کافی ہے۔" وہ سینہ سہلا کر تلخی سے بولا۔ دانیال خاموش شرمندہ سا باپ کی شکل دیکھے گیا۔

"پاپا! آپ میرا یقین کریں..." اس نے کچھ دیر بعد بولنا شروع ہی کیا تھا کہ عدیل نے رکھائی سے اسے ٹوک دیا۔

"مجھے تمہارا یقین رہا ہی نہیں۔" دانی بے بسی سے باپ کو دیکھنے لگا۔

"پھر میں کیا کروں کون سی قسم کھاؤں کہ آپ کو میری بات کا یقین آجائے... پاپا میں بہت ٹائم سے مطلب بہت دنوں سے یہ سب کام... دوستوں کو' ان کی کمپنی کو چھوڑ چکا ہوں اور اسی بات پر وہ لوگ مجھ سے ناراض تھے۔"

وہ سر جھکائے آہستہ آہستہ کہہ رہا تھا جب اندر آتی عفت اس کی بھاری آواز سن کر وہیں ٹھٹک کر رک گئی تھی۔

"انہوں نے مجھ سے اس بات کا بدلہ لینے کے لیے انتقاماً" میرا نام اپنے ساتھیوں میں دے دیا ہے جنہوں نے بینک میں ڈکیتی کی اور سیکورٹی گارڈ کا مرڈر کیا۔"

عفت کو لگا زمین اس کے پیروں کے نیچے سے سرک رہی ہے' اس نے بے اختیار دروازے کو تھاما تھا۔

"دانی!" عدیل پھٹی پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھتا جا رہا تھا۔

"پاپا! مجھے بہت ڈر لگ رہا ہے' پلیز مجھے بچالیں میں سب کچھ چھوڑ چکا ہوں۔ بلیو می... میرا اب ان سب سے کوئی تعلق نہیں۔" وہ جیسے برداشت کھو کر باپ کے زانو کے پاس بیٹھ کر سسکنے لگا۔

"میں تو اب ان سے ملتا بھی نہیں۔ ان کی کال بھی پک نہیں کرتا۔ اتنے دنوں سے کلاسز بھی نہیں لے رہا۔ گھر سے بھی نہیں نکلتا' آپ ماما سے پوچھ لیں۔"

وہ آنسو ضبط کرتا اپنی صفائیاں دے رہا تھا۔ جن پر اب عدیل کو ذرا بھی بھروسا نہیں رہا تھا۔ وہ بے یقین نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

"آپ فوزیہ پھپھو سے بات کریں 'وہ مجھے بلوالیں فوراً" میں چلا جاؤں گا یہاں سے تو سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا میں وہاں سیٹل ہوتے ہی آپ کو اور ماما کو بھی وہیں بلالوں گا۔"

وہ بڑے بڑے ارادوں کے ساتھ جوش میں بولتا ہوا آنکھوں سے بہتے آنسو پونچھ رہا تھا۔

"اس مہربانی کی قطعاً" ضرورت نہیں ہے 'اب اس عمر میں نہ میں نہ تمہاری ماں کہیں اور جانا چاہیں گے۔" عدیل تلخی سے بولا تھا۔

"پھر آپ کریں گے نا پھپھو کو فون؟" وہ پھر سے ملتجی لہجے میں بولا عدیل تاسف سے اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"ایف آئی آر کون سے پولیس اسٹیشن میں درج ہوئی ہے اس کیس کی؟" عدیل کے اچانک سوال نے دانی کو بے مزہ سا کیا تھا۔ وہ کچھ ناگواری سے باپ کو دیکھنے لگا۔

"مجھے نہیں معلوم۔" وہ کوفت سے بولا۔

"تو معلوم کرو۔ بتاؤ مجھے 'ابھی کال کرو کسی کو؟"

"لیکن پاپا اس طرح تو۔۔۔" وہ جھنجلا کر بولنے لگا تھا۔

"دانی! فرار تمہارے کیس کو اور خراب کردے گا۔ یہ مسئلے کا حل نہیں ہے اور ویزا' پاسپورٹ وہاں جانا اس سارے پروسیس میں ٹائم لگتا ہے' دن نہیں کچھ مہینے نہ سہی 'ہفتے تو ضرور لگیں گے اگر پولیس نے اس دوران تمہیں اریسٹ کرلیا۔ نہیں 'پہلے تمہاری بیل بی فور اریسٹ (ضمانت قبل از گرفتاری) ہونا چاہیے مجھے پتا کرکے بتاؤ' سارے معاملے کا۔"

عدیل خود کو کچھ سنبھال چکا تھا' رک رک کر دانی کو سمجھاتے ہوئے جیسے خود کو تسلی دے رہا تھا۔

"پاپا۔۔۔ مجھے ڈر لگ رہا ہے اگر یہ معاملہ ایک بار چل نکلا' آئی مین کورٹ وغیرہ میں تو پاپا میرا پورا کیریئر تباہ ہو جائے گا پھر مجھے باہر بھی سیٹ ہونا مشکل بلکہ ناممکن ہو جائے گا۔ پلیز آپ سمجھنے کی کوشش کریں۔"

وہ باپ کے ہاتھ پکڑ کر ملتجی لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"دانی ٹھیک کہہ رہا ہے عدیل! اس طرح تو اس کا فیوچر تباہ ہو جائے گا اگر پولیس کیس میں اس کا نام چلا گیا تو۔" عفت ہمت کرکے اندر آتے ہوئے بولی۔

"چلا نہیں جائے گا جا چکا ہے۔ تمہارا بیٹا یہ کارنامہ انجام دے چکا ہے ڈونٹ وری۔" عدیل کہہ کر جھٹکے سے اٹھ کر باہر نکل گیا عفت اسے جاتا دیکھتی رہ گئی۔

☼ ☼ ☼

شام سے گھر کر آنے والے بادلوں نے رات سے پہلے سب طرف اندھیرا کردیا تھا۔

اس کے بعد جو موسم سرما کی پہلی بارش نے برسنا شروع کیا تو پھر رات تک نہیں تھمی۔

"مما! پری یہیں رک جائے اگر آپ اجازت دیں تو۔۔۔ باہر بہت بارش ہو رہی ہے اور ہم دونوں کو ابھی کافی کام کرنا ہے۔"

وردہ کچن میں آکر عاصمہ سے کچھ محبت بھرے لہجے میں پوچھنے لگی۔ عاصمہ نے چونک کر وردہ کو دیکھا۔

"کتنی دیر کا کام باقی ہے۔ تم دونوں کا؟" وہ کچھ سوچ کر پوچھنے لگی۔

"ابھی تو دو تین گھنٹے لگیں گے۔" وردہ کچھ کوفت سے بولی۔

"ٹھیک ہے' باقی کل ہو جائے گا۔ ابھی کھانا کھا کر میں خود اسے چھوڑ آتی ہوں اس کے گھر سے اگر کوئی نہیں آ رہا تو۔۔۔" عاصمہ بے لچک لہجے میں بولی تو وردہ خفگی سے کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

"بس کھانا تیار ہے۔ کہو تو لگوا دوں؟" عاصمہ اسے کھڑے دیکھ کر بولی۔
"اب یہ تو ٹھیک نہیں لگے گا کہ میں خود سے اسے یہاں سے جانے کو کہوں کہ اسے ہم چھوڑ آئیں گھر۔" وہ ناگواری سے منہ میں بڑبڑا کر بولی۔ عاصمہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔
"کیا اس نے خود یہاں رکنے کے لیے کہا ہے؟" وہ کچھ سوچ کر بولی۔
"ایسی بات نہیں ہوتی تو میں کیوں کہتی آپ سے آکر؟" وہ جتا کر ماں سے بولی۔
عاصمہ کچھ سوچنے لگی۔ وہ پری کے یہاں رکنے کے لیے تیار نہیں تھی اس لڑکی کی موجودگی عاصمہ کو عجیب سے ان دیکھے خطرے کا احساس دلاتی تھی۔
"تم پریشان نہیں ہو' اول تو اس کے گھر سے کوئی نہ کوئی لینے آہی جائے گا۔ نہیں بھی آیا تو گھنٹے بھر میں کھانے کے بعد بارش بھی رک ہی جائے گی میں اسے واثق کے ساتھ چھوڑ آؤں گی ابھی تم جا کر کام کرو۔"
"مگر.... مما۔" وردہ جز بز ہو کر رہ گئی۔
"وردہ جیسا کہا ہے ویسا کرو' جب ایک بار یہ بات ہو چکی ہے کہ دن میں جتنا چاہیں آپ لوگ پڑھیں لیکن رات میں اس طرح کمبائن نہیں تو پھر نہیں۔ جائیں اب میں نماز پڑھنے جا رہی ہوں۔ واثق آتا ہے تو کھانا لگواتی ہوں۔" کہہ کر دونوں چولہے بند کر کے باہر نکل گئی۔
مثال کچھ خالی برتن رکھنے کچن میں آئی تھی' وردہ کو دیکھ کر ذرا سی رکی اور پھر خاموشی سے برتن رکھ کر جانے لگی۔
بلو اینڈ بلیک پرنٹڈ سوٹ میں اس کے خاموش چہرے پر گہری اداسی تھی۔
"ایک بات پوچھوں آپ سے۔" وردہ نے پیچھے سے کہا تھا۔ مثال ہلکا سا مسکرا کر مڑی۔
"کیوں نہیں.... پوچھو۔" اس کی آنکھوں میں چمک سی آئی تھی۔
"پری اتنی اچھی ہے۔ چلیں آپ کی دشمنی اس کے ساتھ اپنے فادر کے گھر تک تھی۔ اب یہاں وہ میری فرینڈ کی حیثیت سے آتی ہے آپ کو مما کے کان اس کے خلاف بھر کر کیا مل جائے گا۔"
وہ جیسے قطرہ قطرہ زہر مثال کے کانوں میں انڈیل رہی تھی۔ وہ صدمے بھرے انداز میں سامنے کھڑی وردہ کو دیکھتی جا رہی تھی۔ وردہ کی آنکھوں میں مثال کے لیے کیا نہیں تھا وہ صرف سوچ ہی سکی۔
"اس نے آپ کا کیا بگاڑا ہے؟"
"وردہ! میں نے پری کے بارے میں آنٹی سے کچھ نہیں کہا۔" بہت نڈھال سے لہجے میں وہ صرف یہی کہہ سکی۔
"ٹھیک کہہ رہی ہیں آپ اور مجھے آپ کی بات کا یقین کر بھی لینا چاہیے بلکہ ہر کوئی کر لیتا ہے آپ کی بات کا یقین۔" وہ طنز بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ مثال اسے دیکھتی رہی۔
"آپ کی شکل پر جتنی معصومیت' جتنا بھولا پن ہے کوئی بھی آپ کی کسی بھی بات کا یقین کر سکتا ہے۔"
اس کا طنز کی کاٹ سے بھرا جملہ مکمل ہو چکا تھا وہ مڑ کر جانے لگی۔
"اور ہاں اب مجھے بھی یقین آگیا ہے' پری جو مجھے بتاتی تھی کہ آپ کی رئیل مدر نے کس طرح انکل عدیل کو ہمیشہ اپنی مٹھی میں کیے رکھا کہ وہ پری کی ماما کو کبھی دل سے قبول ہی نہیں کر سکے۔ اس کی بنیادی وجہ یہی چہرے کی معصومیت تھی۔ جو در اصل اندر کی مکاری اور....."
"شٹ اپ وردہ! اسٹاپ اٹ.... ایک بات.... میں اگر یہ سب کچھ تمہاری مدر کے بارے میں کہوں تو تمہیں کیسے لگے گا۔ تمہیں اتنا تو خیال ہونا چاہیے۔" وہ شدید جذباتی پن میں بمشکل بول پائی تھی۔

"بھائی! آپ سن رہے ہیں، یہ ماما کے بارے میں کیا کہہ رہی ہیں کہ اگر تم نے میری مدر کے بارے میں کچھ کہا تو میں تمہاری امی کو گالی بھی دے سکتی ہوں۔" کہہ کر وہ دونوں ہاتھوں میں منہ چھپا کر رونے لگی۔
اور مثال مڑتے ہوئے شاکڈ سی کھڑی رہ گئی۔
واثق اس سے چند قدم کے فاصلے پر بالکل خاموش کھڑا تھا۔
"میں اپنے لیے سب کچھ برداشت کر سکتی ہوں بھائی! لیکن اپنی ماما کے لیے ایک لفظ نہیں سن سکتی" آپ پلیز آپ اپنی مسز کو سمجھائیں، ہماری ماما ہمارے لیے کیا ہیں یہ سوچ بھی نہیں سکتیں۔" کہہ کر روتے ہوئے بھاگ گئی۔
واثق نے مثال پر ایک تیز نظر ڈالی اور واپس مڑ گیا مثال ساکت کھڑی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆
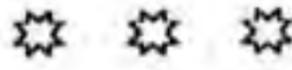
تو جو کچھ میں سوچتی تھی وہی کچھ ہونے جا رہا ہے۔
کہانی دہرائی جانے والی ہے۔۔۔
وہ برستی بارش کی بوندوں کو اندھیرے میں کہیں گم ہوتے ہوئے دیکھ کر بے سبب یونہی بس سوچے جا رہی تھی۔
اس کے بعد کیا ہو گا یہ بھی اسے معلوم تھا۔
صرف اسی لیے تو میں چاہتی تھی کہ میں شادی نہیں کروں۔
وسوسے بے سبب نہیں ہوتے۔
اندیشے بے وجہ سر نہیں اٹھاتے۔
اس کا جی چاہ رہا تھا وہ کسی کے کندھے پر سر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر روئے۔ مگر کس کے؟
اس کے جس نے بہت دعوے باندھے تھے۔ جس نے اندھے اعتماد کے بلند بانگ وعدے کیے تھے۔ آج اس کی آنکھوں میں بدگمانی، بے اعتباری دیکھی تو وہ جو زندگی سے وابستہ رشتوں سے کچھ امیدیں بندھنے لگی تھیں سب ہی ریت کی بھربھری مٹی کی طرح اس کی مٹھی سے پھسلنے لگی تھیں۔
وہ اپنے ہاتھوں پر سر رکھ کر گہرے بادلوں کے ساتھ اندھیرے میں بیٹھی اسی اندھیرے کا حصہ لگ رہی تھی جانے رات کا کون سا پہر تھا۔
اس کا دل پہلے پہل تو امید کا خوش گمان جگنو اس کے دل کے کونے میں ٹمٹمائے ہوئے تھا کہ کچھ بھی ہو واثق اسے کھوجتا ہوا ضرور یہاں تک آئے گا۔
مگر وہاں بیٹھے بیٹھے جیسے اس کا پورا وجود ہی شل ہو گیا مگر محبت و بے پاؤں کی ہلکی سی آہٹ کے ساتھ بھی اس کے کسی پہلو میں نہ سرسرائی۔
وہ سخت دل گرفتہ ہو رہی تھی۔
جی میں صرف یہی سما رہا تھا کہ ان آتی جاتی سانسوں کو روک دے، خود کو ختم کرلے اس بے مقصد زندگی کا کیا فائدہ جو اتنے سالوں سے مسلسل ایک جہنم کی طرح سلگ رہی ہے۔
"بس بہت ہو گیا میں کل یہاں سے چلی جاؤں گی اور کسی کے بھی روکنے پر نہیں رکوں گی کیونکہ یہاں میں ہزار سال بھی پڑی رہوں تو بھی کوئی مجھے قبول نہیں کرے گا۔"
وہ اٹھ کر جانے لگی اور اندھیرے میں کھڑے اس کے وجود کو دیکھ ہی نہیں پائی جس سے یہیں اس اندھیرے سرد گوشے میں بیٹھی ان گنت شکوے کیے جا رہی تھی۔
"کیا خود کو بیمار کرنا ہے یہاں اتنی سردی میں بیٹھ کر، کب سے تمہارا انتظار کر رہا ہوں میں۔" وہ اس کے بے حد

قریب کھڑا بوجھل لہجے میں کہہ رہا تھا۔
"لا حاصل جذبوں کے ساتھ جڑے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں' یہ سب بیکار کی باتیں ہیں۔" وہ خود کو الٹے قدموں پیچھے ہٹا کر بے مہر لہجے میں بولی۔
"تم سے کس نے کہا یہ بے کار ہے۔" وہ اسی طرح ملگجی روشنی اور اندھیرے کے سنگم میں اس کے چہرے کے نقوش کھوجتے ہوئے کہہ رہا تھا۔
"ایسی باتیں کسی سے پوچھی نہیں جاتیں۔ خود بخود سمجھ میں آجاتی ہیں۔" وہ اسے دیکھے بغیر بارش کی آواز کو بغور سنتے ہوئے کہہ گئی۔
"حالانکہ ناراض تو مجھے ہونا چاہیے۔" وہ بالآخر شکوہ زبان پر لے ہی آیا۔
"مثال!" اس نے ذرا پاس آکر اسے پکارا تھا۔
"شاید آپ کو اچھا نہیں لگے جو کچھ میں کہنے جا رہی ہوں پھر شاید آپ اس ناراضی اور رضامندی کے الجھاؤ سے بھی نکل آئیں گے۔" وہ بہت دیر کی خاموشی کے بعد بہت رک رک کر بولی تھی۔
"کیا مطلب؟ کیا کہنا چاہتی ہو تم؟" وہ اس کے لہجے سے زیادہ الفاظ سے چونکا تھا۔
"وہ سب جو میں نے آپ سے کہا تھا اور آپ نے اسے ہوا میں اڑا دیا تھا۔ بہت مان تھا آپ کو اپنے جذبوں پر ان کی شدت پر' کسی کو پالینا اتنا مشکل نہیں جتنا پالینے کے بعد کھو دینا ہے اور ہم دونوں کے ساتھ یہی ہونے جا رہا ہے۔" وہ کہہ کر رکی نہیں تیزی سے وہاں سے چلی گئی۔

☼ ☼ ☼

"پاپا!" شہزاد کچھ پریشان سا باپ کی شکل دیکھ رہا تھا۔ زبیر کو آج بہت دنوں کے بعد مکمل ہوش آیا تھا۔
اسے وہ مبہم سا دھندلا دھندلا سا منظر یاد آ رہا تھا۔ عاصمہ اس کے اوپر جھکی نفرت بھری نظروں سے دیکھتی کچھ کہہ رہی تھی۔
اسے نہ الفاظ یاد تھے نہ ان کا مفہوم!
لیکن عاصمہ کی آنکھوں سے چھلکتی گہری نفرت۔۔۔ سب کچھ اسے یاد دلا گیا تھا۔۔۔ وہ سب کچھ جو اسے کبھی بھولا ہی نہیں تھا۔
روح اور جسم پر پڑا ایسا بوجھ جو کسی بھی طرح کبھی بھی کم نہیں ہوا تھا' نہ اس کے زوال کے دنوں میں نہ اس کے کمال کے وقت! ہمیشہ' ہر لمحہ ہر پل اس کے ذہن اور دل پر شبت دھڑکتا رہا تھا۔
"ان کا نام۔۔۔ مجھے معلوم ہے۔۔۔ عاصمہ آنٹی ہے اور واثق کے فادر کا نام عفان ہے۔ مگر آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟"
شہزاد کچھ پریشانی سے پوچھ رہا تھا۔
زبیر کے سینے پر دھرا اتنے برسوں کا بوجھ کچھ اور بھی بوجھل ہو گیا اور گناہ کا بوجھ غم کی طرح نہیں ہوتا جو گزرے وقت کے ساتھ کم ہوتا جاتا ہے۔ اس کا وزن گزرے وقت کے ساتھ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے پھر ایک دن اتنا ناقابل برداشت ہو جاتا ہے کہ آدمی اس وزن کے نیچے دب کر ہی ختم ہو جاتا ہے۔
زبیر کے سینے میں درد کی تیز لہر اٹھی تھی۔ لیکن نہیں ابھی اسے وہ اہم کام کرنا تھا جانے سے پہلے!
بمشکل اس نے اس درد کو دبایا۔
"شہزاد! میری بات غور سے سننا۔ شاید اس کے بعد مجھے دہرانے کا ٹائم نہیں مل سکے۔ دوبارہ موقع نہ دے

قدرت۔" وہ تکلیف سے بھاری آواز میں بمشکل بولا۔
"پاپا پلیز آپ زیادہ بات نہیں کریں۔ آپ مجھے ٹھیک نہیں لگ رہے۔" وہ اس کی حالت دیکھ کر خوف زدہ سا تھا۔
زبیر نے اسے ہاتھ کے اشارے سے منع کیا۔
"میرے لاکر میں پیلے رنگ کی ایک فائل ہے' وہائٹ اینولپ میں اس کے اندر ایک خط ہے اور فائل میں جو ڈاکومنٹس ہیں اور وہ خط... دونوں واثق کی والدہ کی امانت ہیں۔"
وہ سینے کو دبائے بمشکل بول رہا تھا سانس کا ردھم ٹوٹ رہا تھا۔
"پاپا! میں ڈاکٹر کو بلاتا ہوں۔" شہزاد گھبرا کر جانے لگا۔
"نہیں بالکل بھی نہیں۔ سن لو پہلے ساری بات۔" زبیر نے پوری طرح سے سینے سے آواز کھینچ کر کہا تھا۔
"شہزاد!" وہ ہلکان ہو چکا تھا اتنا سب کچھ بولنے میں ہی!
"پاپا پلیز خود پہ اتنا دباؤ نہیں ڈالیں۔" وہ التجا کرتے ہوئے بولا۔
"جس دباؤ میں اتنے سالوں سے ہوں شاید وہ کسی طرح کم ہو جائے اگر وہ فائل اور خط تم اس عورت واثق کی ماں تک کسی طرح سے پہنچا دو ضرور۔" زبیر کی ہمت اس کے بعد ٹوٹ گئی وہ نڈھال ہو کر تکیے پر گردن گرا کر لیٹ گیا۔
"پاپا' آپ ٹھیک ہیں نا؟"
وہ تشویش سے جھکا اس کے سینے پر ہاتھ رکھے اس کی دھڑکنوں کو جانچ رہا تھا۔
زبیر کوشش کے باوجود بول نہیں پا رہا تھا۔
"پاپا! میں بلاتا ہوں ڈاکٹر کو آپ ٹھیک نہیں ہیں؟" وہ پھر جانے لگا تھا۔
"رکو۔" وہ بدقت چیخا شہزاد ٹھٹک کر وہیں رک گیا۔
زبیر اسے ویران خالی خالی نظروں سے دیکھتا رہا۔
شہزاد دھیرے سے اس کے پاس آکر محبت سے اس کے ہاتھ تھام کر اسے پیار کرنے لگا۔
"پاپا آپ ٹھیک ہو جائیں گے ان شاء اللہ... میرا دل کہتا ہے۔ آپ کو اگر لگتا ہے کہ آپ کے گناہ زیادہ ہیں تو آپ یہ بھی تو سوچیں نا آپ نے مجھ یتیم' بے سہارا کی جس شاہانہ انداز میں پرورش کی ہے' وہ نیکی کچھ کم نہیں۔"
وہ اس کے ہاتھوں کو ہونٹوں سے لگائے تسلی دینے لگا۔
امید بھرا آخری دلاسا!
زبیر اسے دیکھتا رہ گیا۔
"آپ بالکل بھی رنجیدہ نہیں ہوں' آپ کے پاس بہت ساری نیکیوں کا ذخیرہ ہے' اللہ آپ سے خوش ہے۔ میرا دل کہتا ہے اور ابھی آپ بہت سال اور جئیں گے۔ آپ کہتے تھے نا آپ نے ابھی میرے بچوں کو بھی گود میں کھلانا ہے تو دیکھیے گا... وہ دن بھی آپ دیکھیں گے۔" وہ نم آنکھوں سے باپ کو دیکھتے ہوئے تسلیاں دے رہا تھا۔
"نہیں اور نہیں... مجھے اور نہیں جینا شہزاد! مجھے جینے کی دعا نہیں۔" وہ جیسے گڑگڑا رہا تھا۔
بے اختیار شہزاد کے آگے اس نے دونوں ہاتھ باندھ دیے تھے۔
"پاپا پلیز یہ نہیں کریں۔" وہ خود بھی رو پڑا تھا۔
"واثق کی ماں کے آگے اپنے دونوں ہاتھ باندھ کر میری طرف سے معافی مانگنا اور ان کی منت کرنا کہ وہ مجھے معاف کر دیں۔" وہ پھر گڑگڑایا۔

شہزادشششدر ساباپ کو دیکھتا رہ گیا۔
"پاپا... ان کے ساتھ میرا مطلب ہے۔" وہ سمجھ نہیں پایا کہ کیا سوال کرے۔
"کچھ نہیں پوچھو اب اس کا وقت گزر چکا بس وہ فائل ان کی امانت پہنچا دینا اور میری معافی۔" کہہ کر اس نے تھک کر آنکھیں موندلیں شہزاد دیکھتا رہا۔

☆ ☆ ☆

"پاپا کی طبیعت ٹھیک نہیں کیوں... کیا ہوا ہے انہیں۔" عفت کی بات پر مثال سخت بے چین ہو کر بولی۔
اس نے یونہی گھر فون کیا تھا یہی سوچ کر کہ اس وقت عدیل گھر پر ہو گا۔
عفت نے کال ریسیو کرتے ہوئے کچھ کوفت بھرے لہجے میں بتایا تھا۔
"موسمی فلو اور کچھ ٹمپریچر سا ہوا ہے۔" عفت کے لہجے سے صاف لگ رہا تھا کہ وہ بتانا تو نہیں چاہ رہی مگر مجبوراً اسے مثال سے بات کرنا پڑ رہی ہے۔
"کل تو وہ ٹھیک تھے بالکل۔" مثال بڑبڑائی۔
"تم نے کل بھی فون کیا تھا عدیل کو؟" عفت چونک کر بولی۔ مثال ایک دم سے چپ کر گئی۔
"کیا تمہارا جی نہیں لگتا اپنے گھر میں یوں ہڑک ہڑک کر باپ کی طرف کیوں لپکتی ہو؟ ہر روز کا رابطہ کہاں تمہارا جی لگنے دے گا وہاں لڑکی! سنبھالو خود کو... یہ گھر بسانے کے طریقے نہیں ہوتے۔" وہ اس پر جیسے برس ہی پڑی۔
"پاپا گھر پر ہیں' میری بات کرادیں ان سے۔"
"نہیں ہیں گھر پر... آرام کرنے دو انہیں اور خود بھی کچھ کام وام کرلو' تمہاری ساس نے تمہیں یوں ہی چھوڑ رکھا ہے' بڑی بھاگوان ہو کہیں کوئی روک ٹوک نہیں۔" عفت بول رہی تھی۔ اس نے فون رکھ دیا۔

☆ ☆ ☆
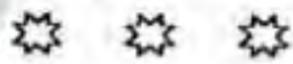
"یہ کیا کہہ رہے ہیں احسن آپ؟" بشریٰ پریشان ہو کر اسے دیکھنے لگی۔
"تم سے زیادہ یہ خبر میرے لیے کسی بم بلاسٹ سے کم نہیں ہے۔" وہ سخت اذیت میں جیسے کراہ کر بولا۔
دونوں کے درمیان چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔
"مگر وہ کیوں چلا گیا پاکستان؟" کچھ دیر کے بعد بشریٰ ہی بولی تھی۔
"اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اس کا ایسا کچھ ارادہ ہے تو کیا میں اس سے بات نہیں کرتا اسے منع نہیں کرتا۔" احسن تلخی سے بولا۔
یوں بھی کچھ دنوں سے احسن ایسے ہی تلخ لہجے میں بات کرنے لگا تھا بشریٰ کو پہلے اس کے سخت لہجے نے ہراساں رکھا۔ اب اس تلخ لہجے نے اندر تک دکھی کر دیا تھا' یہ الگ بات کہ بہت سالوں سے اس نے اپنے دل میں خود سے سمجھوتا کر لیا تھا ان ساری سختیوں' ان ساری تلخیوں کو اس نے اپنی زندگی کا حصہ سمجھ کر جینا تھا۔
اور اس خود ساختہ سمجھوتے کی سختی دن بدن بڑھتی جا رہی تھی۔
"آپ کی بات ہوئی اس سے فون پر؟" اس نے کچھ دیر بعد پھر ڈھٹائی سے خود ہی پوچھا۔ ورنہ سیفی سے اسے رتی برابر دلچسپی نہیں تھی۔ بلکہ اگر دنیا میں کسی سے نفرت اور شدید بیزاری تھی تو وہ یہ سیفی ہی تھا! مگر اس کی مجبوری کی انتہا تھی کہ وہ یہ کسی پر ظاہر بھی نہیں کر سکتی تھی۔ احسن کمال پر تو بالکل بھی نہیں۔
"نہیں' نہ وہ میری کال پک کر رہا تھا نہ مجھے کال بیک کر رہا تھا' کئی دنوں سے یہی معاملہ چل رہا تھا اور اب میری

اس کے ایک دوست سے بات ہوئی' اس نے مجھے بتایا کہ سیفی باہر چلا گیا ہے' میں نے اس کا فون ٹرائی کیا۔ پہلے تو آف تھا پھر بعد میں اس کی کال آگئی۔" وہ بولتے ہوئے تھک کر رک گیا۔ بشریٰ اسے دیکھتی رہ گئی۔

"کتنی ڈھٹائی سے اس نے اقرار کرلیا کہ کچھ دوستوں کے ساتھ پلان بنا تھا یونہی انڈیا' پاکستان کا وزٹ کرنے کا ابھی تو کچھ دن پاکستان رکے گا۔ پھر دیکھے گا اس نے کیا کرنا ہے۔" احسن ہارے ہوئے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"اور اس کی اسٹڈیز......"

"جہنم میں گئیں' میری طرف سے' یہ موت سے پہلے میرے مرنے کا بندوبست کرکے رہے گا۔" وہ تلخی سے کہہ کر اٹھ کر چلا گیا' بشریٰ گم صم سی بیٹھی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆
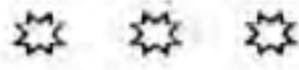
"یار یہ سب۔ ایک کیوزز ہیں تمہارے فادر کے۔" وکی دانی کا کندھا اپنائیت سے تھپکتے ہوئے بولا۔

"نہیں یار!" دانی نے کمزور سا دفاع کیا۔

"نہیں بیٹا ایک بار تمہارا نام پولیس کی ایف آئی آر میں آگیا تو پھر تمہارے یہ فادر بھی کچھ نہیں کرسکیں گے۔" وکی تفریحاً" کہہ رہا تھا یا سنجیدہ تھا دانی اسے دیکھتا رہ گیا۔

"باہر کی آزاد عیش بھری زندگی یا پھر ادھر جیل کی سلاخوں کے پیچھے گلی سڑی قابل رحم زندگی' ایک بار حوالات میں چلا گیا پھر تو شہر میں جو چھوٹی موٹی واردات ہوتی ہے اس میں بھی پولیس نے تجھے ہی لائن حاضر کرلینا ہے۔ تیرا آنا جانا تو بھیا وہاں اب لگا ہی رہے گا۔"

وکی نے اس کے ہوش محاورتاً" نہیں حقیقتاً" اڑا دیے تھے۔

"یار ایسی باتیں نہیں کرو۔ مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔ میری کچھ سمجھ میں نہیں آرہا۔" وہ خوف زدہ ہو کر بولا۔

"بہت آسان میری جان۔" وہ اس کا کندھا زور سے تھپک کر بولا۔ دانی اس کی طرف دیکھ کر رہ گیا۔

"اپنے جاوید بھائی ہیں نا یار! کیا ہاتھ کی صفائی ہے اس بندے میں۔" وہ آنکھ دبا کر بولا۔

"میں سمجھا نہیں بالکل بھی۔" دانی ناسمجھی سے بولا۔

"صرف تھوڑی سی رقم کے بدلے وہ تجھے تیرے ڈریم لینڈ میں پہنچادے گا۔ بس تجھے حوصلہ دکھانا ہوگا۔" وہ پھر سے اسی لہجے میں عادتاً" آنکھ دبا کر بولا۔

"میں ابھی بھی نہیں سمجھا۔"

"یار! تیری عقل دانی تو بہت چھوٹی ہے سن صرف چھ سات لاکھ روپے کا انتظام کرنا ہوگا۔ جاوید بھائی تجھے پانچ دن کے اندر ملک سے باہر بحفاظت بالکل لیگل طریقے سے پہنچادیں گے اور وہاں جاکر تیری جاب کا بھی بندوبست ان کے ذمے ہوگا' ایڈمیشن بھی ہوجائے گا تیرا کالج میں شان دار زندگی بن جائے گی تیری سوچ لے' صرف چوبیس گھنٹے ہیں تیرے پاس سوچنے کے لیے۔ آگے تیری مرضی۔"

"مگر یار! اتنی بڑی رقم میں کہاں سے لاؤں گا؟" دانی پریشان سا بولا تھا۔

"تو بھی ننھا ہی ہے دانی سن بہت آسان ہے۔" وہ آہستہ آہستہ اسے بتانے لگا۔

☆ ☆ ☆
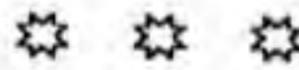
"مثال! تم ٹھیک ہو ناں؟" بشریٰ بے چین لہجے میں اس سے فون پہ پوچھ رہی تھی۔

جب سے اس نے احسن کمال سے سنا تھا کہ سیفی پاکستان چلا گیا ہے جانے کیوں بشریٰ کے دل کو عجیب سی بے کلی نے آگھیرا تھا۔ اسے رہ رہ کر مثال کا خیال آرہا تھا۔

"جی ماما!" وہ بہت آہستگی سے بولی تھی۔ بشریٰ ذرا سا چونکی۔

"کوئی آیا تھا۔ تم سے ملنے۔" رک کر اس نے بے ربط انداز میں پوچھا تھا۔

"کون۔۔۔ کس نے آنا تھا؟" مشال بے دھیانی سے پوچھ رہی تھی۔

"نہیں۔۔۔" بشریٰ نے یونہی سر جھٹکا۔

"تم خوش ہو ناں؟" وہ برے خیالات اور وسوسوں کو دور دھکاتی ذرا بشاش لہجے میں بولی۔

"ہوں!" مشال کا لہجہ بجھا ہوا تھا۔

"عدیل۔۔۔ مطلب اپنے پاپا سے ملنے جاتی ہو۔ وہ ٹھیک ہیں نا؟"

"آج صبح کال کی تھی۔ عفت ماما کہہ رہی تھیں انہیں ٹمپریچر ہے۔" مشال کے بتانے پر بشریٰ خاموش ہو گئی۔

"واثق تمہارے ساتھ کیسا ہے؟ مطلب اس کا رویہ۔۔۔ میری دو بار بات ہوئی ہے اس سے کافی اچھے مزاج کا لگا ہے مجھے وہ۔" بشریٰ جانے کیا معلوم کرنا چاہ رہی تھی۔

"جی!" مشال بہت مختصر جواب دے رہی تھی۔ جانے کہاں الجھی ہوئی تھی۔

"تم کچھ پریشان ہو مشال؟" وہ چونک کر پوچھ رہی تھی۔

"نہیں میں ٹھیک ہوں ماما۔۔۔ آپ پاکستان نہیں آئیں گی۔۔۔ آئی مس یو ماما۔" وہ آہستگی سے بولی تو بشریٰ کے دل کو کچھ ہوا۔

"مس تو میں بھی بہت کر رہی ہوں تمہیں۔ دیکھنا چاہتی ہوں تم سے ملنا چاہتی ہوں۔ شادی کے بعد میری بیٹی کیسی لگ رہی ہے۔ میں دیکھنا چاہتی ہوں، تمہیں گلے سے لگانا چاہتی ہوں۔" بشریٰ ایک دم سے جذباتی ہو کر کہتی چلی گئی۔

"مما!" وہ آہستگی سے بولی۔

"بولو میری جان! کچھ چاہیے تمہیں؟" وہ آنکھوں میں آئے آنسو صاف کرتے ہوئے اسی جذباتی لہجے میں بولی۔

"نہیں۔۔۔" وہ گہرا سانس لے کر بولی۔

"مشال!" بشریٰ کچھ چونکی۔ اس کے لہجے میں کچھ تھا۔

"بہت اکیلا محسوس کر رہی ہوں خود کو۔" وہ ہولے سے بولی بہت جی چاہ رہا تھا بشریٰ کو وہ سب کچھ بتا دے جو کچھ اس کے دل پر بیت رہی ہے لیکن۔۔۔ ہمیشہ اس لیکن نے ہی تو اسے روکے رکھا تھا سو اب بھی اسے خاموش ہی رہنا تھا۔

"کسی سے جھگڑا ہوا ہے" بشریٰ فوری طور پر یہی سوچ سکی تھی۔

"نہیں۔"

"پلیز مشال! مجھے پریشان نہیں کرو میں پہلے ہی بہت ڈسٹرب ہوں۔ بتاؤ مجھے کیا ہوا ہے؟" بشریٰ حقیقتاً" پریشان ہو گئی تھی۔

"کیا ہوا آپ کیوں ڈسٹرب ہیں۔"

"احسن ٹھیک نہیں ہیں۔ بائی پاس ایڈوائز کیا ہے ڈاکٹرز نے۔" وہ لمحہ بھر خاموش رہ کر آہستگی سے بولی۔

"اوہ۔۔۔!" وہ بے اختیار صرف یہی کہہ سکی۔

"تم کیوں پریشان ہو۔ بتاؤ مجھے؟" بشریٰ کو پھر سے خیال آیا۔

"نہیں کچھ خاص نہیں ماما!" وہ ٹال کر بولی۔

"تمہاری ساس آئی مین عاصمہ بہن' تمہاری نندوہ تو ٹھیک ہیں نا۔۔۔ تمہارے ساتھ ان کا رویہ' ان کا سلوک ۔" بشریٰ اس کی پریشانی کو پہنچ گئی تھی۔
"نہیں مما! سب ٹھیک ہے۔ بس یونہی کچھ ڈیپریشن سا ہو رہا تھا۔ ہو جائے گا ٹھیک خود ہی۔" وہ ٹالتے ہوئے بولی۔
"مثال! ایک بات تم سے کہنا چاہتی ہوں۔" پتا نہیں بشریٰ نے اس کا جواب سنا تھا یا نہیں کسی اور ہی دھیان میں بولی۔
"کون سی بات ماما؟" وہ کچھ چونکی۔
"سیفی پاکستان میں ہے اگر وہ تمہیں کہیں نظر آئے تو پلیز تم اسے اگنور کر دینا' بالکل بات نہیں کرنا اس سے' تم سمجھ رہی ہو ناں۔" مثال اس کی بات سن کر جیسے سناٹے میں آ گئی۔

☼ ☼ ☼

شہزاد کو لاکر میں مختلف ڈاکومنٹس کے درمیان وہ زرد فائل مل گئی تھی اور خط بھی!
وہ چند لمحے دونوں چیزیں ہاتھ میں لیے بیٹھا رہا۔
"اس فائل اور خط میں کیا ہے؟ پاپا نے یہ دونوں چیزیں مجھے عاصمہ آنٹی تک پہنچانے کو کہا تھا' مگر انہوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں انہیں کھول کر دیکھ سکتا ہوں یا نہیں؟"
وہ لاکر بند کر دونوں چیزیں لے کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ معلوم نہیں پاپا کا عاصمہ آنٹی کے ساتھ کیا تعلق ہے' شاید دونوں رشتہ دار ہوں یا پھر کچھ اور۔"
وہ فائل کھولتے کھولتے رک گیا۔
"نہیں۔ مجھے امانت میں خیانت نہیں کرنی۔ میں پاپا سے پوچھ لوں گا کہ اگر وہ اجازت دیں تو میں یہ دونوں چیزیں دیکھ لوں۔"
وہ ایک بڑے لفافے میں ڈال کر باہر جانے لگا۔
اس کا ارادہ آفس جانے کا تھا۔
آفس اتنے دنوں سے واثق ہی دیکھ رہا تھا لیکن جانے کیوں شہزاد کو آج کل واثق کا رویہ بھی کچھ عجیب سا محسوس ہو رہا تھا۔
بہت اکھڑا اکھڑا اور روکھا سا!
وہ شہزاد سے بات بھی کرتا تو نظریں چرا کر۔۔۔
واثق نے مجھ سے آج کوئی بہت ضروری بات کرنی تھی اسے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے یاد آیا۔
اس نے گاڑی کا رخ آفس کی طرف کر لیا۔
"میں وہیں سے واثق کے ساتھ اس کے گھر چلا جاؤں گا عاصمہ آنٹی سے مل کر انہیں یہ امانت پہنچا دوں گا۔"
وہ پلان کر رہا تھا کیونکہ اسے جلدی فارغ ہو کر ہسپتال بھی پہنچنا تھا' پاپا اکیلے تھے واثق آفس میں موجود نہیں تھا۔
"واثق صاحب تو کچھ دیر پہلے چلے گئے ہیں۔" شہزاد کے منیجر نے پوچھنے پہ اسے بتایا۔
"کیا گھر چلے گئے ہیں؟" وہ سوچ میں پڑ گیا۔
"نہیں کچھ بتا کر نہیں گئے لیکن کہہ رہے تھے۔ شاید وہ واپس چکر لگائیں گے آفس کا۔"

''اوہ لیکن میں ویٹ نہیں کر سکتا یہاں بیٹھ کر پاپا کے پاس جانا ہے مجھے ہسپتال۔'' وہ بڑبڑایا۔
''میں واثق صاحب کو کال کرتا ہوں اگر وہ کہیں قریب میں ہوں تو آجائیں گے اگر آپ کو ضروری بات کرنا ہے ان سے۔'' منیجر اس کی شکل دیکھ کر بولا۔
''نہیں اس کی ضرورت نہیں میں خود بات کرلوں گا آپ سنائیں آفس میں سب ٹھیک چل رہا ہے نا؟'' وہ اس سے تفصیلات پوچھنے لگا۔

☆ ☆ ☆
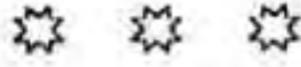
واثق پری کو اپنے سامنے دیکھ کر کچھ حیران سا رہ گیا۔
اسے عاصمہ کی کال آئی تھی کہ اس کی ایک بہت ضروری دوا قریب کے اسٹور سے نہیں مل رہی اگر واثق بھجوا دے۔
واثق کو خود اٹھ کر اس مخصوص اسٹور تک جانا پڑا جہاں سے وہ ٹیبلٹ عموماً ملا کرتی تھی وہ میڈیسن لے کر نکلا تو گاڑی میں بیٹھتے ہوئے ٹھٹھک گیا۔
''کین یو ڈراپ می پلیز۔'' وہ گاڑی کی کھڑکی پر جھکی کچھ رسمی لہجے میں کہہ رہی تھی۔ وہ فوری طور پر کچھ بول ہی نہیں سکا۔
''میں اپنی فرینڈ کے ساتھ بک شاپ پر آئی تھی۔ اسے ایمرجنسی میں جانا پڑ گیا۔ آٹو یہاں سے مل نہیں رہا ٹیکسی میں اکیلے جانا مجھے عجیب سا لگ رہا تھا آپ نظر آگئے تو سوچا۔ کسی اجنبی کے ساتھ جانے سے بہتر ہے آپ سے لفٹ کی ریکویسٹ کرلوں۔'' اس نے لمبی چوڑی تفصیل بتائی تو واثق کچھ کہہ نہیں سکا۔
''میں بیٹھ سکتی ہوں۔'' وہ اسے یوں خاموش دیکھ کر پھر سے بولی۔
اور وہ صاف انکار بھی نہیں کر سکتا تھا اس نے ہاتھ بڑھا کر دروازہ کھول دیا پری نے اسے کچھ حیران نظروں سے دیکھا تھا تھینکس کہتے ہوئے وہ گاڑی میں بیٹھ گئی۔

☆ ☆ ☆
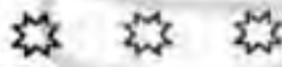
سیفی ہاتھ میں ایک چھوٹی سی چٹ لیے ٹیکسی ڈرائیور کو راستہ سمجھا رہا تھا۔
''ٹھیک ہے صاحب پہنچا دوں گا لیکن پیسے ڈبل لوں گا۔''
آج کل اس طرف جانے والی تقریباً سب ہی سڑکوں پر کام ہو رہا ہے گھنٹوں ٹریفک جیم رہتا ہے۔'' وہ سر ہلا کر بولا تھا۔
''اوکے میں دے دوں گا لیکن کوشش کرنا ذرا صاف راستے سے لے کر جاؤ مجھے ڈسٹ الرجی ہے۔'' وہ ٹیکسی میں بیٹھتے ہوئے بولا۔
''ٹھیک ہے جی! آپ فکر ہی نہ کریں۔'' وہ سر ہلا کر ٹیکسی بڑھا لے گیا۔

(آخری قسط ان شاءاللہ آئندہ ماہ)

رخسانہ نگار عدنان

عدیل اور فوزیہ نسیم بیگم کے بچے ہیں۔ بشریٰ ان کی بہو ہے اور ذکیہ بیگم کی بیٹی ہے۔ عمران بشریٰ کا بھائی ہے۔ مثال ذکیہ بیگم کی نواسی اور نسیم بیگم کی پوتی ہے۔ بشریٰ اور نسیم بیگم میں روایتی ساس بہو کا تعلق ہے۔ نسیم بیگم مصلحتاً "بیٹا" بہو سے لگاوٹ دکھاتی ہیں۔ دوسری طرف ذکیہ بیگم کا کہنا ہے۔ ان کی بیٹی بشریٰ کو سسرال میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔پانچ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد بشریٰ کی نند فوزیہ کا بالآخر ایک جگہ رشتہ طے پا جاتا ہے۔ نکاح والے روز بشریٰ دولہا ظہیر کو دیکھ کر چونک جاتی ہے۔

عدیل سے شادی سے قبل ظہیر کا بشریٰ کے لیے بھی رشتہ آیا تھا مگر بات نہ بن سکی تھی۔ نکاح والے دن فوزیہ کی ساس زاہدہ اور ذکیہ بیگم بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔ بشریٰ اپنی ماں سے یہ بات چھپانے کے لیے کہتی ہے مگر عدیل کو پتا چل جاتا ہے۔ وہ ناراض ہوتا ہے مگر فوزیہ اور نسیم بیگم کو بتانے سے منع کر دیتا ہے۔ بشریٰ اور عدیل ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جاتے ہیں۔ وہاں انہیں پتا چلتا ہے کہ بشریٰ کے ہاں سات سال بعد پھر خوش خبری ہے۔

عفان اور عاصمہ اپنے تین بچوں اور والد کے ساتھ کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔ عفان کے والد فاروق صاحب سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ گریجویٹی اور گاؤں کی زمین فروخت کر کے وہ اپنا گھر خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ڈیڑھ کروڑ میں زمین کا سودا کر کے وہ عفان کے ساتھ خوشی خوشی شہر آ رہے ہوتے ہیں کہ ڈکیتی کی واردات میں قتل ہو جاتے ہیں۔

عفان کے قریبی دوست زبیر کی مدد سے عاصمہ عفان کے آفس سے تین لاکھ روپے اور فاروق صاحب کی گریجویٹی سے سات لاکھ روپے وصول کر پاتی ہے۔ زبیر گھر خریدنے میں بھی عاصمہ کی مدد کر رہا ہے۔

چھبیسویں قسط

وردہ سامنے کھڑے شہزاد کو دیکھ کر لمحہ بھر کو چونک سی گئی۔
"واثق بھائی تو گھر پر نہیں ہیں۔" اس کے تعارف کرانے پر اس نے نفی میں سر ہلا کر کہا۔ "وہ آفس میں ہوں گے۔" وہ رک کر پھر سے بولی۔
وردہ پنک کلر کے سادہ سے سوٹ میں لاپروائی سے دوپٹا کندھوں کے اطراف ڈالے شہزاد کو گلابی شام کا ہی کوئی حصہ لگی۔
اس کے سیدھے سیاہ ریشمی بالوں کی لٹیں چہرے کے دائیں بائیں جھول رہی تھیں۔ آنکھوں میں بچوں کی سی معصومیت اور سادگی تھی۔
شہزاد لمحہ بھر کو بھول ہی گیا کہ وہ یہاں کیا کرنے آیا تھا۔
"تو کیا آپ ویٹ کریں گے بھائی کا۔" اس کی اتنی لمبی چپ سے وردہ نے یہی اخذ کیا تو پوچھنے لگی۔
"آپ کی ماما آئی مین عاصمہ آنٹی تو گھر پر ہوں گی۔" اسے لمحہ موجود میں آنے میں چند ثانیے لگے اور وردہ اس کی اس بات پر مزید حیران سی ہو گئی۔
"ماما۔ ماما سے آپ کو کیا کام ہے؟" وہ اپنی حیرانی چھپا نہیں سکی تو پوچھنے لگی۔
"ایکچوئلی مجھے آنٹی ہی سے کام ہے' پلیز اگر آپ انہیں جا کر بتائیں کہ میں ان سے ملنا چاہتا ہوں اینڈ اٹس ارجنٹ۔"
شہزاد کو زبیر کی التجائیہ نظریں یاد آئیں تو لہجے میں کچھ منت سی سمو کر بولا۔ وہ بس اسے دیکھ کر رہ گئی۔
"میں کہتی ہوں جا کر ماما سے' آپ آجائیں' اندر بیٹھ جائیں۔" اسے جاتے جاتے خیال آگیا تو اسے دعوت دیتے ہوئے کہہ گئی۔
"تھینکس۔ آپ وردہ ہیں نا۔" وہ اس کی دعوت پر نظروں میں پسندیدگی لیے اسے دیکھ کر بولا۔
"آپ۔ کو۔ میرا نام معلوم ہے؟" وہ کچھ ناپسندیدگی سے پوچھ رہی تھی۔
"واثق کافی ذکر کرتا ہے تو۔" وہ صفائی دینے والے انداز میں جلدی سے کہہ گیا۔
"آپ پلیز بیٹھیں یہاں' میں ماما کو آپ کا پیغام دے کر آتی ہوں۔" وہ کچھ ناراض سی ہو کر اسے بیٹھنے کا کہہ کر اندر چلی گئی۔
شہزاد احتیاط سے ہاتھ میں پکڑا بڑا سا لفافہ اپنے ساتھ رکھتے ہوئے لاؤنج میں بیٹھ گیا۔
"معلوم نہیں عاصمہ آنٹی کس طرح ری ایکٹ کریں۔" وہ انتظار کرتے ہوئے سوچ رہا تھا۔

☆ ☆ ☆

"آپ شاید ناراض ہیں مجھ سے۔" پری زیادہ دیر خاموش نہیں رہ سکی تھی۔ کچھ دیر بعد بولی۔ واثق نے سختی سے ہونٹ بھینچ رکھے تھے۔ وہ کچھ نہیں بولا۔ جیسے بات ہی نہیں کرنا چاہتا ہو۔ پری اس پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔
"واثق! آپ شاید مجھ سے بات نہیں کرنا چاہتے' لیکن جس طرح آپ مجبور ہیں اسی طرح میں بھی مجبور ہوں۔ اپنے دل اور اپنے جذبوں کے ہاتھوں۔ میں بہت کوشش کرتی ہوں۔ میں اپنے دل سے آپ کی خواہش کھرچ کر نکال دوں۔"
بولتے بولتے اس کی آواز بھاری ہو گئی تھی۔ وہ اپنے جذبات چھپانا تو نہیں چاہ رہی تھی لیکن جانے کیوں دل بھر آرہا تھا۔

میں نے بہت کوشش کی واثق۔۔۔ پلیز آپ مجھے معاف کر دیں ہیں۔ میں آپ کے ساتھ کچھ برا نہیں کرنا چاہتی مگر میں بے بس ہوں رئیلی۔۔۔" اس نے بہت آہستگی سے واثق کے اسٹیرنگ پر رکھے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا تھا۔
واثق کو جیسے کسی سانپ نے ڈنک مارا تھا۔ اس نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ پرے کھینچا تھا۔
"صرف تمہاری ان ہی باتوں کی وجہ سے میں تمہیں لفٹ نہیں دینا چاہتا تھا کیونکہ میں جانتا تھا کہ تم باز نہیں رہ سکتیں۔"
وہ نفرت بھرے لہجے میں پھنکار کر بولا۔
"میں بتا چکی ہوں آپ کو نہیں ہے میرا خود پر اختیار۔۔۔" وہ یوں ہاتھ پرے جھٹکے جانے پر زخم خوردہ لہجے میں چیخی تھی۔
"تو بہتر ہے پھر اپنا کہیں سے علاج کراؤ یا جو تمہیں ٹھیک لگتا ہے وہ کرو لیکن مجھ سے کوئی امید کبھی نہیں رکھنا نہ میرے رستے میں یوں بار بار آکر میرا دماغ خراب کرو۔" وہ اسی نفرت بھرے لہجے میں غرا کر بولا جیسے پہلے چلایا تھا۔
پری کو شدید ذلت کا احساس ہوا تھا۔
"میں چاہوں تو تمہاری یہ گھٹیا حرکتیں تمہارے فادر کو بتا سکتا ہوں لیکن خدا کی قسم مجھے ان کی عزت کی شرم مار دیتی ہے وہ اتنے اچھے رکھ رکھاؤ والے انسان ہیں اور میرا دل کبھی کبھی یہ ماننے سے بھی انکار کرتا ہے کہ تم واقعی میں ان کی بیٹی ہو بھی یا نہیں۔" وہ حقارت سے اسے دیکھ رہا تھا۔
"شٹ اپ۔۔۔ آپ کو مجھے گالی دینے کا کوئی حق نہیں۔" پری کا چہرہ شدید غصے سے سرخ ہو گیا تھا۔
"اگر تم غور کرو تو تم صرف گالی کی مستحق نہیں ہو اوکے۔۔۔" وہ حقارت سے بولا تو پری کا جی چاہا وہ چلتی گاڑی سے کود جائے۔
"روکیں گاڑی اترنا چاہتی ہوں میں۔" وہ غصے میں کانپتی آواز میں چیخی۔
"میں نے تمہیں گھر تک ڈراپ کر دیا ہے آخری بار تمہیں سمجھا رہا ہوں خود کو سنبھال لو تو زیادہ بہتر ہے ورنہ کسی دن زیادہ بڑا نقصان اٹھاؤ گی۔ اگر تمہیں اپنا نہیں تو اپنے باپ کی عزت کا ہی کچھ خیال کر لو۔" واثق نے جھٹکے سے بریک لگائی تھی۔
پری کا سر ڈیش بورڈ سے ٹکراتے ہوئے بچا تھا۔
"شاید میں پہلے اس بارے میں کچھ سوچ لیتی لیکن اب چاہے میں فائدے میں رہوں یا بہت بڑا نقصان اٹھاؤں میں پیچھے نہیں ہٹوں گی۔" وہ اسے چیلنج کرنے والے انداز میں غرا کر بولی۔
"اس سے تو بہتر ہے تم خودکشی کر لو اگر ایسا ہی خود کو تباہ کرنے کا شوق ہے تو۔۔۔" واثق نے تمسخر سے اسے دیکھتے ہوئے مشورہ دیا تھا۔
پری غصے میں اسے دیکھتی رہ گئی۔
"اس کا فیصلہ آنے والے کچھ دنوں میں ہو جائے گا ہم تینوں میں سے خودکشی کون کرتا ہے۔ آپ میں یا وہ مثال۔۔۔" کہہ کر اسے دیکھتی رہی پھر گاڑی کا دروازہ بند کر کے آگے بڑھ گئی۔
اور گلی کے موڑ پر آتی مثال سکتے کے عالم میں دور جاتی واثق کی گاڑی کو دیکھتی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

"دو لاکھ روپے۔۔۔" دانی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

"کچھ بھی نہیں ہے یہ رقم اتنے میں تو آپ ساتھ کے کسی پڑوسی ملک میں نہیں جاسکتے، دبئی وزٹ نہیں کرسکتے، تمہیں تو یار! دنیا کا کچھ بھی پتا نہیں ہے۔" جاوید منہ بنا کر بولا۔
دانی کچھ شرمندہ سا ہو گیا۔
"لیکن میں اتنی بڑی آئی مین اتنی رقم ارینج نہیں کر سکتا۔" اس نے دل کڑا کر کے کہہ ہی دیا۔
جاوید اور اس کا دوست اسے تاسف سے دیکھتے رہے۔
"اوکے جیسے تمہاری مرضی۔ میرے پاس تو تین چار اور آپشنز بھی ہیں اور وہ شام سے پہلے مجھے رقم بھی دے دیں گے۔ مجھ سے تو تمہارے اس دوست نے تمہارے لیے بڑی منت سماجت کی تھی تو میں نے تمہارے بارے میں سوچا' اینی وے ہم نکلتے ہیں۔" جاوید کندھے جھٹک کر کھڑا ہو گیا۔
"یار! تم بہت پچھتاؤ گے' یہ گولڈن چانس تمہارے ہاتھ سے نکل گیا تو ساری زندگی ہاتھ ملتے ایڑیاں رگڑتے یہیں پڑے رہو گے اور وہ شہری لوگ تمہیں جینے دیں گے' نہ مرنے۔" اس کا دوست اسے شرمندہ کرتے ہوئے کچھ خوف زدہ کر رہا تھا۔
"جانتا ہوں یار! لیکن یہ رقم۔۔۔" دانی ہتھیلیاں مسل کر بولا۔
"یار! طریقہ بتایا تو تھا میں نے' آج شام تک اگر بندوبست نہیں کر سکا تو کھیل ختم' اوکے۔۔۔" دانی پریشان سا اسے دیکھتا رہ گیا۔ کھیل تو اسے ختم نہیں کرنا تھا۔

☆ ☆ ☆

"تمہارے پاپا آفس چلے گئے' اگر ٹھیک نہیں ہوتے تو نہیں جاتے۔" عفت کے چہرے پر لکھی ناگواری صاف پڑھی جا رہی تھی۔
"میری دن میں بھی ان سے بات ہوئی تھی۔ ہی از آل رائٹ۔ مگر ظاہر ہے تمہیں ان کو دیکھے بغیر چین تو ملے گا نہیں' اگر تم یہ سب نہیں کرو گی تو ان کو کیسے پتا چلے گا کہ تم ان سے کتنا پیار کرتی ہو۔" آخر میں اس کا لہجہ طنز اور حقارت سے بھرا تھا۔
"ٹھیک کہا آپ نے عفت ماما! میں جب تک انہیں دیکھوں گی نہیں تو مجھے واقعی میں سکون نہیں ملے گا۔" وہ عفت کو جواب دیتے ہوئے قدرے اطمینان سے بولی۔ عفت جل کر رہ گئی۔
"آج کل تو خیر وہ یوں بھی آفس سے لیٹ آتے ہیں' کوئی بہت خاص پروجیکٹ ملا ہوا ہے انہیں۔" وہ پھر سے ایک نیا بہلنہ گھڑتے ہوئے بولی۔
"اب آئی ہوں تو کچھ انتظار کر لوں گی' انہیں دیکھنا تو ہے مجھے۔۔۔" وہ اطمینان سے صوفے پر بیٹھتے ہوئے میگزین اٹھا کر بولی۔
وہ اب میگزین کے صفحات الٹ پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔ عفت کوفت سے اسے دیکھتی رہی۔
"مجھے جانا تھا' ایک ضروری کام ہے۔" وہ جیسے منہ میں بڑبڑائی۔
"میں نے آپ کو رکنے کے لیے تو نہیں کہا۔ آپ کو جہاں جانا ہے آپ چلی جائیں۔" وہ سر ہلا کر بولی تھی۔ "یا آپ کو لگتا ہے۔ میرا مطلب ہے آپ گھر اکیلا چھوڑ کر میری موجودگی میں نہیں جانا چاہتیں۔" وہ مسکرا کر کچھ طنز سے بولی تھی۔
"سمجھ دار تو تمہیں نہیں کہوں گی۔"
"بہت ہوشیار۔ چالاک بلکہ مکار سمجھتی ہی نہیں۔ مانتی بھی ہیں آپ مجھے۔" وہ تیزی سے عفت کی بات

کاٹ کر بولی۔
"تم سمجھتی کیا ہو خود کو؟" عفت کو اس کے اس انداز پر غصہ آگیا۔
"عفت ماما! دلوں کے بھید اللہ سے بہتر کوئی نہیں جانتا تو اور ہمارے اعمال ہماری تقدیر بناتے ہیں۔ اعمال' نیت کے محتاج ہوتے ہیں' جس کی جیسی نیت ہوتی ہے اسے اس کا پھل اچھی بری تقدیر کی شکل میں ملتا ہے' ہم میں سے کس کی نیت کیسی ہے' اس کا فیصلہ آنے والے چند سالوں میں خود بخود ہو جائے گا' نہ آپ کو بہت انتظار کرنا پڑے گا' نہ مجھے۔ کس کو کیا ملے گا' معلوم ہو جائے گا۔"
وہ ٹھنڈے ٹھار لہجے میں عفت کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔
"تم مجھے ذلیل کرنے کے لیے یوں برا بھلا کہنے کے لیے میرے گھر میں آئی ہو کہ میری نیت خراب ہے' میرے اعمال برے ہیں' میری قسمت بہت بری لکھی جا رہی ہے' یہ سب بکواس کرنے آئی ہو تم یہاں۔" عفت غصے میں تلملا کر رہ گئی تھی۔
مثال تاسف سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔
"میرا ایسا کوئی مقصد نہیں تھا۔ آپ..." وہ گہرا سانس لے کر قدرے نرم لہجے میں بولنے لگی۔
"بس کرواپنے باپ سے ملو اور جاؤ یہاں سے۔ مثال! میں تمہیں اپنی برداشت سے بھی بہت زیادہ سہہ چکی ہوں۔ اس لیے زیادہ بہتر یہی ہو گا کہ تم میرا مزید امتحان نہیں لو۔"
عفت مٹھیاں بھینچ کر ضبط کے کن مرحلوں سے گزر رہی تھی' مثال کو اندازہ ہو رہا تھا۔
"مطلب ؟ میں سمجھی نہیں آپ کی بات..." وہ شاید عفت کو چڑانے کے لیے پوچھنے لگی۔
"اتنی سادہ نہیں ہو تم... بہت بار تم سے براہ راست اور بہت بار ان ڈائریکٹ کہہ چکی ہوں۔ مت آیا کرو یہاں۔ چھوڑ دو ہمارا پیچھا۔ بخش دو ہمیں۔" وہ جیسے پھٹ کر بولی۔
"بہت مشکل ہے۔" وہ تاسف سے بولی۔
"کیا مطلب...؟" عفت پھنکاری۔
"میں اپنے لیے دعا نہیں مانگتی' صرف اپنے پاپا کے لیے مانگتی ہوں' ان کی زندگی' صحت اور سکون کے لیے۔ اور جب تک میرے پاپا ہیں' میں یہاں آتی رہوں گی' کیونکہ مجھے یقین ہے اللہ پاپا کے لیے مانگی ہوئی میری کوئی دعا رد نہیں کرے گا۔"
وہ بہت یقین' بڑے مان بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ لحہ بھر کو تو عفت گنگ سی رہ گئی۔
اس نے ایسی بات کہہ دی تھی جو عفت کو لاجواب کر گئی تھی۔ پری زور سے دروازہ بجاتی اندر آئی تھی۔
مثال نے صرف نفرت بھری نظر سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔ کالج ڈریس کے ساتھ اس کا انداز' بالوں کا اسٹائل' چہرے کی سنوری نوک پلک اس کی فطرت کی غمازی کر رہے تھے۔
"آپ ہر وقت اس کے ساتھ کیوں سر پھوڑتی رہتی ہیں ماما! یہ لطف لیتی ہے آپ کو' مجھے یوں اذیت پہنچا کر۔ مت بات کیا کریں اس سے۔" وہ اندر آتے ہی نفرت بھرے انداز میں ماں سے بولی تھی۔
اس کے لہجے میں جو بے زاری اور حقارت تھی۔ وہ مثال کو چونکا گئی۔ اسے کچھ دیر پہلے کا وہ کریہہ منظر یاد آگیا۔
"میں کب اس سے کچھ بات کرنا چاہتی ہوں' مگر جب یہ خود بار بار آکر ہماری برداشت کا امتحان لے گی تو میں کتنی دیر تک خاموش رہ سکتی ہوں۔" عفت چہرے پر مظلومیت اور دکھ سجا کر بولی۔
"کب تک آئے گی' مت منہ لگایا کریں اسے' خود ہی تھک کر جان چھوڑ دے گی ہماری۔" وہ ماں کو جیسے دلاسا دیتے ہوئے بولی۔ دونوں باتیں کرتی باہر نکل گئی تھیں۔

"مجھے جانا ہے کچھ دیر کے لیے گھر سے باہر، تم خیال رکھنا۔" عفت اسے ہدایات دے رہی تھی۔
مثال رنجیدہ نڈھال سی صوفے پر گر سی گئی۔
اگر میں واثق سے پوچھوں گی پری کے ساتھ آنے کی وجہ۔ تو ایک نیا جھگڑا جبکہ اس نے مجھے کہہ دیا تھا کہ وہ اس ٹاپک پر نہ تو کوئی آرگومنٹ دے گا نہ بات کرے گا۔ اگر یہ سلسلہ بڑھتا چلا گیا میرے یوں خاموش رہنے سے تو۔
وہ سخت پریشان سی سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔

☆ ☆ ☆
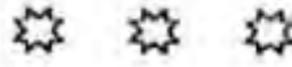
"کیا ہے اس میں؟" عاصمہ ناگوار نظروں سے سامنے کھڑے شہزاد کو دیکھ کر بولی۔
شہزاد لفافہ ہاتھ میں لیے کھڑا تھا۔ "آپ کی امانت۔" وہ مختصراً بولا۔
"تمہارے پاس تو میری کوئی امانت نہیں تھی کبھی بھی۔ کیونکہ ہم پہلے سے نہیں جانتے ایک دوسرے کو۔" وہ کچھ رکھائی سے بولی۔ "ہاں واثق کے حوالے سے ہماری کچھ جان پہچان ہے۔" اس کا انداز جتانے والا تھا۔
شہزاد لمحہ بھر کو خاموش رہ گیا۔
"آپ کی امانت ہے یہ اور یہ مجھے آپ ہی تک پہنچانی تھی۔ آپ اسے کھول کر دیکھیں گی تو آپ کی سمجھ میں آجائے گا۔" وہ کچھ رک کر بولا۔
"مگر میں یہ نہیں لینا چاہتی۔ بہتر ہے تم اسے واپس لے جاؤ۔" وہ اسی خشک لہجے میں کہہ رہی تھی۔
شہزاد متذبذب سا کھڑا رہ گیا۔
"ایک بات پوچھوں آپ سے آنٹی؟" وہ کچھ دیر بعد قدرے نرم لہجے میں بولا۔ عاصمہ نے کچھ جواب نہیں دیا۔
"آپ میرے پاپا کو جانتی ہیں؟" وہ اس کے چہرے پر نظریں جما کر آہستگی سے بولا۔
"میں اس شخص کا نام نہیں سننا چاہتی، بہتر ہے اگر تم اس کے بارے میں کوئی بات کرنا چاہتے ہو تو چلے جاؤ یہاں سے مجھے کوئی بات نہیں کرنی۔"
وہ اپنے شدید امڈتے جذبات پر بمشکل بند باندھ کر رخ پھیرے کانپتی آواز میں بولی تھی۔
شہزاد نے چونک کر اسے دیکھا۔
"ٹھیک ہے جیسے آپ کی مرضی۔ میں چلتا ہوں خدا حافظ۔" اس نے آہستہ سے کہا اور چلا گیا۔ عاصمہ کچھ دیر یونہی کھڑی رہی پھر آنکھیں صاف کرتی مڑی اور چونک گئی۔ شہزاد جا چکا تھا۔ وہ لفافہ وہیں پڑا تھا۔

☆ ☆ ☆

"کیوں، آپ کو بتا کر نہیں گئی مثال؟" واثق کچھ ناگواری سے بولا۔
عاصمہ اسے دیکھ کر رہ گئی۔ وہ خود اس وقت بہت الجھی ہوئی تھی۔
"عدیل بھائی کی طبیعت اچھی نہیں تھی، انہیں دیکھنے گئی ہے۔" عاصمہ خود کو سنبھال کر بولی۔
"مگر میری تو انکل سے ایک گھنٹہ پہلے بات ہوئی ہے۔ وہ اپنے آفس میں تھے اور ٹھیک تھے۔"
"مگر تم نے انہیں کال کیوں کی تھی؟" عاصمہ نے چونک کر پوچھا۔
"نہیں کچھ خاص نہیں۔ آفس کے سلسلے میں کچھ کام تھا۔" وہ سرسری لہجے میں بولا۔
"آپ نے کہتیں تو رکنے کا۔ میں اسے لے جاتا۔"
"میں نے کہا تھا بلکہ یہ بھی کہا تھا کہ میں بھی ساتھ چلتی ہوں لیکن اس نے کہا کہ وہ زیادہ رکے گی نہیں۔ بس

تھوڑی دیر میں آجائے گی اور تم اتنی ٹینشن کیوں لے رہے ہو۔ آجائے گی کچھ دیر میں وہ۔ تم فریش ہو جاؤ۔ میں چائے بنوائی ہوں تمہارے لیے۔"

عاصمہ کہہ کر باہر نکل گئی۔

واثق کچھ الجھا ہوا جانے لگا تو میز پر پڑا لفافہ دیکھ کر چونکا پھر سر جھٹک کر باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

مثال دروازہ کھولے سامنے کھڑے سیفی کو دیکھ کر سکتے میں رہ گئی۔

سیفی کے چہرے پر بڑی جان دار معنی خیز مسکراہٹ تھی جیسے دونوں میں بڑی مدت کی شناسائی ہو اور اب ایک عرصے کے بعد سامنا ہو رہا ہو۔

"ہاؤ آر یو؟" وہ مسکرا کر اس کے چہرے پر نظریں جمائے بولا۔

مثال نے زور سے ہونٹ بھینچ لیے۔

"کم آن یار! کیا شادی مرگ ہو گیا مجھے یوں اپنے سامنے اتنے ٹائم کے بعد دیکھ کر۔ رئیلی مثال آئی مس یو یار!" وہ بے تکلف لہجے میں گویا تھا۔

"بہت دنوں تک میں خود کو جھٹلاتا رہا کہ میرے اندر جو یہ ڈپریشن سا ہے یہ یونہی بے وجہ ہے۔" وہ اس کے کچھ اور قریب ہوا۔

"شٹ اپ!" وہ دھیمی آواز میں غرائی۔

"وہ تم تھیں مثال جس نے میرے لیے سب راستے بند کر دیے تھے۔ جس طرف کو بھی بھاگ کر جانا چاہتا تم وہاں میرا راستہ روکے کھڑی تھیں۔" وہ جانے کیا کچھ بول رہا تھا۔ مثال کو لگا اس کا دماغ بھک سے اڑ رہا ہے۔

"تم نے میرے لیے ہر رستہ بند کر دیا میرے پاس تمہارے پاس آنے کے علاوہ اور کوئی چوائس نہیں بچی سو آئی ہیو ٹو کم ڈیئر۔" وہ بے تکلفی سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھنے لگا۔ مثال کو جیسے ہزار واٹ کا کرنٹ لگا۔

"بکواس بند کرو تم۔ تمہاری ہمت کیسے ہوئی یہاں آنے کی اور مجھ سے یہ ساری بکواس کرنے کی۔" اس کی آواز لرز رہی تھی۔ جیسے اس کا پورا وجود کپکپا رہا تھا۔

"تم نے۔ تمہارے خیال نے۔ اور اگر میں سچ بولوں تو تمہاری محبت کی شدت نے مجھے یہ ہمت یہ طاقت دی کہ میں نے سب کچھ۔ اپنا فیوچر اپنا کیریئر اپنے خواب اپنے رشتے سب کچھ داؤ پر لگا دیا اور صرف تمہارے خیال کی طاقت مجھے یہاں تک لے آئی۔ دیکھ لو محبت کا کمال۔"

وہ کیا کہہ رہا تھا۔ کیا بول رہا تھا۔ مثال کے کان سائیں سائیں کرتے سن تو رہے تھے مگر اس کا مفہوم وہ نہیں سمجھ پا رہی تھی۔ بس آنکھیں پھاڑے ٹکر ٹکر اسے دیکھے جا رہی تھی۔

اس کی نظروں کے سامنے اس بھیانک رات کے منظر تیرنے لگے تھے جب یہ شیطان بد روح کی طرح اس کو برباد کرنے جا رہا تھا۔

مثال نے پوری قوت سے اسے دھکا دے کر باہر نکالنا چاہا۔ سیفی نے بہت مضبوطی سے اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیے تھے۔

وہ شاید اس حملے کی توقع کر رہا تھا سو چوکنا تھا۔

"تو۔ تم نے مزید بکواس کی تو میں تمہیں مار ڈالوں گی۔ ختم کر لوں گی۔ چلے جاؤ یہاں سے۔ چلے جاؤ۔" وہ ایک دم جیسے ہوش و حواس کھو بیٹھی تھی۔

وہ کہاں ہے، کس جگہ ہے کیا بات کر رہی ہے۔ سب کچھ فراموش کر چکی تھی۔

"ارے۔ ارے اتنا غصہ میری جان! میرے چلے جانے کا تمہیں۔ ایسا رنج تھا۔ تم نے مجھے بھی بتایا ہی نہیں۔ میں پہلے ہی بھاگا چلا آتا۔" وہ الٹا اس کے غصے کو دیوانگی قرار دے رہا تھا۔

"دفع ہو جاؤ یہاں سے ورنہ میں تمہیں جان سے مار دوں گی۔ سنا تم نے۔" وہ کانپتی آواز میں چیخی۔

"تمہیں لینے کے لیے آیا ہوں میری جان! میں واقعی تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔۔۔ نہیں رہ سکتا۔" وہ اس کے ہاتھ زور سے اپنے ہاتھوں میں دبائے جذباتی پن سے کہہ رہا تھا۔

"واؤ انٹرسٹنگ۔۔۔ یہ کون سی فرینڈلی ریسلنگ ہو رہی ہے یہاں پر۔" پری ایک دم سے آکر ان کے بالکل قریب کھڑے ہو کر بولی تھی۔

سیفی نے ایک دم سے مثال کے ہاتھ چھوڑ دیے۔ مثال تو ساکت سی کھڑی رہ گئی تھی۔

"میں سفیان ہوں سیفی۔۔۔ سفیان احسن کمال۔" سیفی تھوڑا سا گھبرانے کے بعد فوراً" سنبھل چکا تھا۔

"اوہ تو آپ ہیں وہ سیفی۔" پری ہونٹ سکیڑے دلچسپ نظروں سے دیکھنے لگی۔

"اور آپ تو شاید پری ہیں' ہیں نا؟" وہ بھی جواباً" ان ہی نظروں کا تبادلہ کرتے ہوئے سراہنے والے انداز میں بولا تھا۔

"آف کورس۔ میرے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔ مثال کے ساتھ کوئی جھگڑا ہوا ہے آپ کا۔"

"جھگڑا۔۔۔ تھا اب نہیں ہے۔" سیفی زور دیتے ہوئے بولا۔ مثال اسے نفرت بھری نظروں سے دیکھنے لگی۔ اسی وقت دروازے کے پاس آہٹ سی ہوئی' تینوں نے بیک وقت مڑ کر دیکھا۔

واثق وہاں کھڑا کچھ متذبذب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"آیئے واثق بھائی! آیئے نا' وہاں رک کیوں گئے۔ آئی مین یوں دروازے پر کیوں کھڑے ہیں۔ اندر آئیں نا۔۔۔ آپ کا اپنا تو گھر ہے یہ۔" پری کچھ دیر پہلے والے غصے کے بجائے خوش دلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے بڑے اپنائیت بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"یہ کون ہیں؟" سیفی بے وجہ ہی الجھا تھا۔ اس کی چھٹی حس نے کچھ الارم کیا تھا۔

"ارے آپ کو نہیں پتا' مثال نے نہیں بتایا آپ کو' یہ واثق احمد ہیں' مثال آپی کے شوہر' ابھی کچھ ہی ماہ پہلے تو شادی ہوئی ہے بڑے ڈرامائی انداز میں دونوں کی۔"

"شادی۔۔۔ مثال کی۔" سیفی کے لیے شاک تھا' دہرا کر بولا۔

"کمال ہے اتنی بڑی نیوز آپ کے علم ہی میں نہیں تھی۔" پری اس کی حیرت کو ہوا دیتے ہوئے بولی۔

"مثال! چلو میں لینے آیا ہوں تمہیں۔" واثق سرد لہجے میں بولا تو مثال کچھ کہے بغیر اس کے ساتھ خاموشی سے باہر نکل گئی۔

☼ ☼ ☼
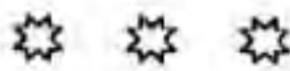
دونوں رات کے پھیلتے اندھیرے میں یونہی گاڑی میں سفر کرتے جا رہے تھے دونوں کے چہروں پر گہری سوچ اور فکر مندی سی تھی۔ دونوں ہی ایک دوسرے سے بات نہیں کر رہے تھے۔

"اگر میں واثق سے پوچھوں کہ وہ پری کے ساتھ گاڑی میں کہاں سے آ رہا تھا تو یہ مجھ پر برسنے لگے گا۔" مثال نے کن اکھیوں سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھے واثق کو دیکھتے ہوئے سوچا مگر کچھ بول ہی نہیں سکی۔

اسے یوں لگ رہا تھا جیسے اس کے ہونٹ آپس میں سل گئے ہوں وہ اب کبھی ایک لفظ بھی بول نہیں پائے گی۔

اور یہ کمینہ سیفی۔۔۔ یہ کیوں آگیا اور جو یہ بکواس کر رہا تھا۔ مائی گاڈ اگر کوئی سن لیتا اس پری نے اگر کچھ سن لیا ہوا ۔۔۔ واثق کے کان میں کچھ پڑ جاتا۔"

واثق کو ترچھی نظروں سے دیکھتے ہوئے وہ پریشان سی ہوئی۔

سیفی کی نظریں اس کا انداز جس طرح وہ مثال کو دیکھ رہا تھا اس میں بہت کچھ تھا۔

"لیکن اگر میں مثال سے کچھ پوچھوں گا تو یہ انکار کر دے گی۔ الٹا مجھے جھٹلا دے گی نہیں مجھے مثال سے کچھ نہیں پوچھنا کوئی بات نہیں کرنی۔" اس نے سر جھٹکا۔

"اگر یہ مجھ سے کوئی بات نہیں کریں گے تو مجھے پتا کیسے چلے گا کہ ان کے دل میں کیا چل رہا ہے۔" مثال کی پریشانی بڑھتی جا رہی تھی۔

"ہم کہاں جا رہے ہیں۔" ایک مسلسل سفر۔ ایک سڑک کے بعد دوسری سڑک ۔۔۔ نہ ختم ہونے والے راستوں پر سفر نے جیسے اسے اکتا دیا۔ بہت دیر بعد بالآخر اس نے پوچھ ہی لیا۔

"کہیں نہیں۔" واثق بوجھل آواز میں بولا۔ جیسے وہ بھی اس بے مقصد مسافت سے تھک گیا ہو۔ اس نے ایک دم سے ایک طرف کر کے گاڑی روک دی تھی۔ مثال نے کچھ پریشان ہو کر اسے دیکھا۔

"یہاں کیوں رکے؟" وہ رستے کی ویرانی سے خائف ہو کر بولی۔

"پتا نہیں۔" واثق کو باہر کی ویرانی سے زیادہ اندر کے شور نے ڈسٹرب کر رکھا تھا۔

"گھر کیوں نہیں جا رہے؟" وہ کچھ دیر بعد اسے احساس دلاتے ہوئے بولی۔

"کیا تمہیں مجھ سے کچھ نہیں کہنا۔" واثق جتانے والے لہجے میں بولا۔ مثال ہاتھ مل کر رہ گئی۔

"تو وہ لمحہ آن پہنچا اگر واثق نے واقعی سیفی کی کچھ بکواس سن لی ہے تو؟" وہ کانپ کر رہ گئی۔

"میں تو سمجھی شاید آپ کو مجھ سے کچھ کہنا ہے اس لیے اتنی دیر سے ہم یوں ہی چلے جا رہے ہیں۔" وہ کچھ ہمت کر کے بولی۔

"مجھے بھی یہی لگ رہا ہے۔" وہ زیر لب بڑبڑایا۔

"کیا مطلب۔۔۔ کیا لگ رہا ہے؟" وہ پریشان ہو گئی۔

"ہم دونوں بس یوں ہی چلے جا رہے ہیں۔" وہ کچھ افسردگی اور بے دلی سے بولا۔

مثال اسے دیکھ کر رہ گئی۔

"میں تو پہلے سے ہی جانتی تھی۔" وہ آہستگی سے بولی۔

"کیا۔ کیا جانتی تھیں تم؟" واثق بے قراری سے بولا۔

مثال اسے دیکھنے لگی۔

"ابھی سفر شروع ہی ہو گا ہم کچھ ہی دیر ساتھ چلیں گے کہ آپ کو سفر کی رائیگانی کا احساس ستانے لگے گا۔" وہ بوجھل سی آواز میں بولی۔

"کیا مطلب؟" واثق قطعاً "نہیں سمجھا۔

"ہمیں گھر چلنا چاہیے۔ آنٹی پریشان ہو رہی ہوں گی۔" وہ کچھ دیر بعد باہر پھیلتے اندھیرے کو دیکھ کر بولی۔

"تمہیں مجھ سے کچھ نہیں کہنا؟" وہ کچھ مایوس ہوا تھا۔

"الفاظ سے زیادہ ہمیں ایک دوسرے کے احساسات کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے واثق! اگر واقعی آپ چاہتے ہیں کہ آپ کو یہ سفر بے مقصد نہ لگے تو" وہ جانے کیا سمجھانا چاہ رہی تھی۔

واثق اسے دیکھتا رہا پھر ایک جھٹکے سے گاڑی دوڑا لے گیا۔

☼ ☼ ☼

وہ بے یقین نظروں سے ڈاکٹر کو دیکھتا جا رہا تھا۔
سامنے بیڈ پر پڑے وجود پر اس کی نظریں ٹھٹک گئیں۔
ابھی کچھ ہی لمحے پہلے تو اس نے زبیر کو بتایا کہ وہ اس کی امانت عاصمہ تک پہنچا آیا ہے۔ اسے لگا زبیر کی آنکھوں میں چمک آئی تھی۔ ہونٹوں پر معدوم سی مسکراہٹ مگر دوسرے ہی لمحے سب کچھ جیسے بجھ سا گیا تھا۔
سینے میں رک رک کر چلتی سانسیں تھم سی گئی تھیں۔ آنکھوں کی جوت بجھ گئی تھی۔
"پاپا آپ ٹھیک ہیں نا... خوش ہیں نا... میں وہ دے آیا ہوں عاصمہ آنٹی کو۔" وہ پھر سے اس کا سینے پر رکھا ہاتھ ہولے سے ہلاتے ہوئے کہہ رہا تھا۔
ہاتھ بے جان ہو کر پھر سے سینے پر گر گیا۔
اسی وقت ڈاکٹر اور نرس اندر آئے۔ اسے ہٹا کر ڈاکٹر زبیر کا معائنہ کرنے لگا تھا۔
"یہ اب حیات نہیں ہیں، مجھے افسوس ہے۔" ڈاکٹر نے مختصر معائنے کے بعد ہی مدھم آواز میں گویا اعلان کیا تھا۔
شہزاد کے کان جیسے سننے سے قاصر تھے۔ وہ نا سمجھی سے ڈاکٹر کو دیکھتا جا رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

عدیل گاڑی گھر کی طرف موڑتے ہوئے بے اختیار ٹھٹکا تھا۔ وہ سیفی ہی تھا۔ عدیل اسے پہچانتا تھا۔
کچھ عرصہ پہلے وہ اسے دیکھ چکا تھا جب بشریٰ ــــــ وہ ایک بار باہر شاپنگ مالز میں، ہوٹلز میں اپنے شوہر اور دوسری بیٹی کے ساتھ نظر آئی تھی تو یہ لڑکا بھی ساتھ ہوتا تھا۔
مثال کو بشریٰ! جس طرح یہاں چھوڑ کر گئی تھی اور جس خوف کا اظہار وہ الفاظ میں نہیں کر سکی تھی، وہ اس کی آنکھوں، اس کے لہجے سے عیاں تھا۔
"وہ چاہتے ہوئے بھی عدیل کو نہیں بتا سکی تھی۔ مگر ایک مرد ہونے کے ناتے وہ یہ ساری سچویشن سمجھ چکا تھا مگر بیٹی کا باپ ہونے کی وجہ سے اس نے اس واہمے کو اپنے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں کہیں دفن کر دیا تھا۔
اگر عفت کو پتا چل جاتا تو وہ رائی کا پہاڑ بنا ڈالتی، اس کی معصوم بیٹی کے کیا قصے کیا واقعے بنتے۔ عدیل نے اس گہرے راز کو دل کی گہرائیوں میں چھپا لیا تھا۔
لیکن آج یہ پھر یہاں کیوں آ گیا؟
اور عدیل کی آنکھوں نے دھوکا نہیں کھایا تھا۔ وہ عدیل کے گھر سے نکل کر آیا تھا۔
اس کا خون کھولنے لگا تھا۔ گھر میں عفت نہیں تھی۔ پری بظاہر ٹی وی کے چینلز گھمانے میں مصروف تھی مگر اس کی یہ مصروفیت ایک بہانہ نظر آ رہی تھی۔
"دادی کہاں ہے؟" عدیل کچھ اور پوچھنا چاہتا تھا لیکن اس کے منہ سے یہی نکل سکا۔
"پاپا! وہ گھر پر نہیں ہے۔" پری باپ کو دیکھ کر کچھ مؤدب ضرور ہوئی تھی۔
"یہی تو پوچھ رہا ہوں، وہ کہاں ہے۔" وہ کچھ جھنجلا کر بولا۔
"مجھے نہیں معلوم پاپا!" وہ کچھ ڈر کر بولی۔
"ابھی کون آیا تھا یہاں؟" محتاط لہجے میں اس نے پوچھ ہی ڈالا۔
"کوئی نہیں... ہاں وہ مثال آپی آئی تھیں، مطلب پہلے ہی سے آئی ہوئی تھیں پھر واثق بھائی کے ساتھ چلی

گئیں۔" وہ رک رک کر بولی۔
"مثال آئی تھی؟" وہ کچھ حیران سا ہوا "اور چلی کیوں گئی۔"
پری نے کچھ کوفت سے کندھے اچکائے۔
عدیل سیفی کے بارے میں پوچھتے ہوئے رک گیا اور اندر چلا گیا پری پھر سے ٹی وی میں مصروف ہو گئی۔

☼ ☼ ☼
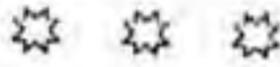
"یہ کیا کہہ رہی ہو تم مثال!" بشریٰ کے لیے یہ خبر کسی بم بلاسٹ سے کم نہیں تھی۔
اسے تو لمحہ بھر کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا اگرچہ سیفی کے پاکستان جانے کی خبر نے اس کا دل ضرور دھڑکایا تھا لیکن اسے ایک فیصد بھی امید نہیں تھی کہ وہ مثال سے ملنے چلا جائے گا۔
"ماما! آپ نہیں جانتیں یہ سب کچھ میرے لیے کتنا شاکنگ تھا اور اس کو دیکھ کر میں کتنا ڈر گئی تھی۔ وہ کیا کچھ بولے جا رہا تھا۔ میری کچھ بھی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ میں اپنے دفاع میں کچھ نہیں بول پا رہی تھی۔" وہ سخت پریشان اور ہراساں تھی۔
بشریٰ بھی پریشان ہو گئی۔
"یہی تمہاری غلطی ہے۔ تم بلاوجہ ڈر سے کانپنے لگتی ہو۔ تم نے اس کا منہ کیوں نہیں توڑا' اسے دھکے دے کر نکال دینا چاہیے تھا تمہیں فوراً۔" بشریٰ کو مثال کی بزدلی پر اور بھی غصہ آ گیا۔
"اور میں تو یہ شکر کر رہی ہوں' وہ ذلیل تمہارے سسرال نہیں پہنچا۔ عدیل کے گھر میں تمہیں نا تم۔ واثق کو اگر معلوم ہو جاتا تو بات بہت فکر والی تھی۔" بشریٰ جیسے خود کو تسلی دے رہی تھی۔
"ماما! واثق بھی اس کی موجودگی میں وہاں آ گئے تھے اور۔۔۔" وہ کچھ دیر بعد رک کر بولی تو بشریٰ کا دل دھک سے رہ گیا۔
"او مائی گاڈ! یہ کیا کہہ رہی ہو تم مثال؟" مثال لب کاٹ کر رہ گئی۔
"واثق کو کچھ اندازہ تو نہیں ہوا اس کی کمینگی کا؟" وہ بڑی بے چینی سے پوچھ رہی تھی۔
"مجھے نہیں پتا چلا۔" وہ کچھ بے بسی سے اعتراف کرتے ہوئے بولی۔
"کیا مطلب؟ کیا پتا نہیں چلا؟" بشریٰ نا سمجھی میں بولی۔
"واثق کا لہجہ' ان کا انداز۔۔۔ بہت عجیب سا ہو رہا ہے اس کے بعد۔ انہوں نے مجھ سے بعد میں ٹھیک طرح سے بات بھی نہیں کی۔" وہ نم لہجے میں کہہ رہی تھی۔
"یہ تم کیا کہہ رہی ہو مثال! کیا واثق کو کچھ شک ہو گیا ہے سیفی کے آنے سے؟" بشریٰ کی پریشانی بڑھ گئی۔
"معلوم نہیں ماما! ان کے دل میں کیا چل رہا ہے۔ ہمارے درمیان پہلے ہی۔۔۔ میری سمجھ میں نہیں آ رہا میں کس الجھن کے بارے میں آپ کو بتاؤں اور کس کے بارے میں نہیں۔"
وہ تھک کر رہ گئی تھی' اب اسے یہ بوجھ کسی نہ کسی سے تو شیئر کرنا ہی تھا۔
"مائی گاڈ مثال! تم نے مجھے سخت پریشان کر دیا ہے' سنو' میری بات غور سے۔ یہاں بھی حالات کچھ اتنے اچھے نہیں چل رہے کہ میں جلدی جلدی تم سے کانٹیکٹ کر سکوں۔ احسن کی طبیعت کچھ اتنی اچھی نہیں پھر آئینہ کی شادی کا مسئلہ' احسن کے بزنس کے معاملات۔ گھر کا مسئلہ۔ کچھ بھی ٹھیک نہیں ہے لیکن میں صرف تمہاری طرف سے مطمئن تھی کہ آخر کار اللہ نے میری بیٹی کی سن لی۔ اسے محبت کرنے والا شوہر اور قدر کرنے والا سسرال مل لیکن جو کچھ تم اب مجھے سنا رہی ہو' مثال! مجھے یوں لگ رہا ہے۔ میرے قدموں کے نیچے سے زمین

سرک رہی ہے۔" بشریٰ کی پریشانی دوچند ہو چکی تھی۔

"ماما! میں آپ سے یہ سب نہیں کہنا چاہتی تھی لیکن آج اس سیفی کی آمد نے مجھے بہت خوف زدہ کردیا ہے۔" وہ بے بسی سے بولی۔

"سنو تم اب میرڈ ہو۔ تمہارے ساتھ تمہارا شوہر ہے جو تم سے محبت کرتا ہے۔ تمہاری قدر کرتا ہے۔ تم پر بھروسا کرتا ہے۔ تمہیں اس سیفی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں تم اب اگر وہ تمہارے راستے میں آئے تم سے بات کرنے کی کوشش کرے۔ اس کا منہ توڑ دو۔ سختی سے منع کردو بلکہ مناسب موقع دیکھ کر واثق کو بھی بتادو لیکن وہ واقعہ ہرگز نہیں۔" وہ تنبیہہ کرتے ہوئے بولی۔

"تم سمجھ رہی ہو نا میں کیا بات کررہی ہوں۔ مثال اب معاملہ صرف تمہاری ذات کا نہیں۔ میری بیٹی تمہاری پوری ازدواجی زندگی اور تمہارے گھر کا بھی ہے۔ تمہیں ہر حال میں خود کو مضبوط رکھنا ہے۔ سیفی جیسا گھٹیا انسان اگر تم تھوڑی بھی مضبوطی دکھاؤ گی تو زیادہ وقت تمہارے سامنے کھڑا نہیں رہ سکے گا۔" وہ اسے آہستہ آہستہ سمجھارہی تھی۔

"مگر ماما! واثق کے دل میں کیا ہے، میں سمجھ نہیں پارہی اور وہ پری۔ وہ بہت عجیب ہے اور واثق کے ساتھ۔" اس کے گلے میں آنسوؤں کا پھندا سا لگا۔

اتنی گری ہوئی بات وہ کیسے اپنی ماں سے بھی شیئر کرسکتی ہے، وہ بھی اپنے شوہر کے بارے میں۔" وہ بولتے بولتے رک گئی تھی۔

"کیا مطلب؟ میں سمجھی نہیں۔ پری کا یہاں کیا ذکر آگیا؟" بشریٰ ایک دم سے چونکی تھی۔

"نہیں۔ وہ بھی وہاں آگئی تھی جب وہ سیفی آیا تھا تو اسی نے واثق سے سیفی کا تعارف بہت عجیب انداز میں کرایا تھا جس کی وجہ سے....." وہ رک رک کر بات کو پلٹنے کی کوشش کرنے لگی۔

"مثال! میری سمجھ میں بالکل نہیں آرہا تم اب سیریس رہو، واثق سے تو محبت کرتی ہو نا؟"

"ماما!" اسے بشریٰ سے اس سوال کی توقع نہیں تھی۔

"بیٹا! وہ شوہر ہے تمہارا اور خدا کے لیے اس کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط کرو۔ اس سے دور نہیں رہو نہ اسے خود سے دور ہونے دو۔ تم سمجھ رہی ہو نا؟"

"ہوں!" مثال بے دھیان سی تھی۔

واثق کھانے کے بعد کمرے میں نہیں آیا تھا۔

اس نے بہت دیر تک انتظار کیا تھا۔ ایک بار باہر بھی گئی تھی مگر وہ لاؤنج میں بھی نہیں تھا۔ وردہ بیٹھی اپنے نوٹس بنارہی تھی۔ اسے اتنی عجیب سی نظروں سے دیکھا۔ وہ شرمندہ سی واپس آگئی۔ اور اب کافی رات ہوگئی تھی۔

"کیا آج واثق کمرے میں نہیں آئے گا۔" وہ پریشان ہو کر سوچنے لگی۔

"تمہارے پاس اس کی کال تو نہیں آئی؟" بشریٰ پوچھ رہی تھی۔

"نہیں ماما! میرا نمبر چینج ہو چکا ہے۔ میرا نہیں خیال اس کے پاس ہو گا وہ نمبر۔" وہ کچھ سوچ کر بولی۔

"ٹھیک ہے پھر بھی تم بہت احتیاط کرنا اور پلیز واثق کے ساتھ رہو، خوامخواہ کی الجھن جو بھی ہے اسے تمہیں ہی ختم کرنا ہے میں پھر کال کروں گی تمہیں۔"

بشریٰ نے کہہ کر فون بند کردیا مثال یونہی بیٹھی کچھ سوچتی رہی۔

☆ ☆ ☆

"عاصمہ بہن!
مجھے آپ کو بہن کہنے کا بھی حق نہیں ہے۔ بلکہ مجھے آپ سے بات کرنے کا کوئی بھی رعایت لینے کا کوئی حق نہیں ہے لیکن اس کے باوجود وہ جو کہتے ہیں جب کشتی ڈوبنے لگتی ہے تو بوجھ اتارا کرتے ہیں اور میری زندگی کی کشتی پر تو گناہوں کے اتنے بوجھ ہیں میں چاہوں بھی تو اپنی گردن ان کے عذاب سے آزاد نہیں کرا سکتا۔
اگرچہ آپ کو دھوکا دینے کے بعد سے میں مسلسل گرفتار عذاب ہوں ایک لمحہ بھی میری زندگی میں ایسا نہیں آیا جب مجھے سکون' خوشی یا راحت ملی ہو ایک کرب مسلسل۔ ایک عذاب مسلسل!
پہلے بیوی اور بچوں کی ناگہانی ہلاکت!
پھر سارا بزنس جو بڑی محنتوں اور دھوکے سے اپنے پیروں پر کھڑا کیا تھا کچھ بھی نہیں بچا۔ سب کچھ تباہ و برباد ہو گیا۔
میں لوگوں کے لیے ایک عبرت کی تصویر بن گیا تھا! جیتی جاگتی زندہ لاش!
کئی مہینے ہوش و خرد سے بے گانہ رہا لیکن ایک احساس ہمہ وقت دامن سے لپٹا تھا کہ کس طرح سے آپ کا پتا معلوم کرکے آپ کے قدموں میں گر کر آپ کے یتیم بچوں کا دامن پکڑ کر معافی مانگ لوں لیکن اللہ کو یہ بھی منظور نہیں تھا۔
جب تک میں ہوش و حواس کی دنیا میں واپس آیا' آپ کہیں اور شفٹ ہو چکی تھیں۔
پھر لاکھ کوششوں اور تلاش کے باوجود آپ کو تلاش نہیں کر سکا تھا۔
گناہ اور پچھتاوے میرے پورے وجود کو دن رات زہریلے سانپوں کی طرح ڈستے اور میں شرمندگی اور ندامت کی ایسی دلدل میں دھنس چکا تھا کہ میرے ہاتھ نہ دعا کے لیے اٹھتے تھے نہ توبہ کے لیے! سب کچھ ختم ہو گیا تھا۔
پھر مجھے شہزاد مل گیا۔
دور کے رشتے داروں کا ایک لاوارث' یتیم بچہ شاید یہ میرے گناہوں کو دھو سکے ان کا مداوا بن سکے ایک موہوم سی آس۔ ایک ٹوٹی ہوئی امید کا سرا پکڑ کر پھر سے زندگی کے میدان میں قدم رکھ دیا۔
آہستہ آہستہ سب ٹھیک ہو گیا۔ نہیں ٹھیک ہو سکا تو میرا دل' میری روح! سب زخم زخم تھے اور مرہم کہیں بھی نہیں تھا۔
اتنے سال جو کمایا' لگتا تھا یتیموں کا حق کھا رہا ہوں' نوالے میرے حلق میں اٹکتے تھے۔ کبھی کسی نعمت سے لطف اندوز نہیں ہو سکا اس کے بعد اندر سے بیماریوں کی آماجگاہ بن گیا۔
"میں ٹھیک نہیں ہونا چاہتا تھا' اپنا علاج بھی نہیں کروانا چاہتا تھا۔ لیکن آپ کو تلاش کرنا اور اپنے گناہوں کی معافی مانگنا اور آپ کا قرض۔۔۔ زندگی کا مقصد تھا جس کے لیے میں اللہ سے مہلت مانگ رہا تھا۔
لیکن اب لگتا ہے' یہ مہلت ختم ہونے کے قریب ہے۔ میرے پاس وقت کم رہ گیا ہے۔ اس خط کے ساتھ جو فائل ہے اس میں کچھ پراپرٹی کے پیپرز ہیں جو میں نے آپ کے بچوں کے نام وقف کی ہے۔
اصل میں تو یہ ان کی ہی ہے۔ میں تو بس۔۔۔۔
اب اور دم نہیں لکھنے کا۔۔۔ دم جیسے گھٹا جا رہا ہے
ایک مرتا ہوا شخص جسے اپنے آگے صرف اندھیرے اور عذاب نظر آ رہے ہوں۔ وہ آپ سے صرف اپنے گناہوں کی معافی ہی مانگ سکتا ہے۔
اگر ہو سکے۔۔۔ اگرچہ یہ ناممکن ہے۔ لیکن پھر بھی ایک آس ہے۔ اگر آپ مجھے معاف کر دیں تو شاید اللہ بھی مجھے معاف کر دے۔ اللہ کے بندوں کو ناراض و ناخوش کر کے اللہ کے گھر سے کچھ بھی نہیں ملتا! اپنے بچوں کا

صدقہ سمجھ کر مجھ گناہوں سے لتھڑے شخص کو معاف کردیں۔

گناہ گار زبیر

واثق نے ہاتھ میں پکڑا خط رکھ دیا۔ عاصمہ تاریک چہرے کے ساتھ بیٹھی تھی اس کے آگے فائل پڑی تھی۔

واثق فائل اٹھا کر کھول کر دیکھنے لگا۔

اس میں واقعی جس پراپرٹی کے ڈاکومنٹس تھے' وہ اتنے تھے کہ اس نقصان کا کئی گنا ازالہ ہو سکتا تھا جو زبیر نے انہیں کئی سال پہلے پہنچایا تھا۔

لیکن کچھ نقصان ناقابل تلافی ہوتے ہیں۔ وہ ماں کے چہرے کو دیکھ کر سر جھکا کر رہ گیا۔ اس نے بے دلی سے فائل بند کردی۔

"آپ کو شہزاد کو یہ سب کچھ واپس کردینا چاہیے تھا' مطلب لینا ہی نہیں چاہیے تھا۔ ہمیں یہ سب نہیں چاہیے تھا۔" وہ کچھ تلخی سے بولا۔

"میں نے اسے منع کردیا تھا صاف' وہ خود ہی یہاں رکھ کر چلا گیا۔ یہ سب کچھ میری برداشت سے بہت بڑھ کر ہے واثق... تم کسی بھی طرح یہ سب ان لوگوں کو واپس کرکے آؤ میں اس بارے میں کچھ سوچنا بھی نہیں چاہتی۔"

وہ درد سے کراہ کر بولی۔

"واثق! میں نے دعا کی تھی اللہ سے کہ یہ شخص مجھے دوبارہ زندگی میں کبھی نہیں ملے' کبھی نظر نہیں آئے۔ میں اس کے بارے میں کبھی کسی سے کچھ نہیں سنوں لیکن..."

وہ رخ پھیرے بوجھل لہجے میں رک رک کر کہہ رہی تھی۔

"ایسا تو خیر ماما ہونا ہی تھا۔ ایسا تو ہو نہیں سکتا کہ وہ نشان عبرت بھی بنتا اور آپ اس کے بارے میں کچھ معلوم بھی نہیں ہوتا۔" واثق افسردگی سے بولا۔

"تم بس یہ سب واپس کرکے آؤ۔ میں۔" وہ زور سے سر جھٹک کر بولی جب ہی واثق کا فون بجا۔

شہزاد کی کال تھی۔ اس نے کچھ سوچ کر گہرا سانس لیتے ہوئے عاصمہ سے نظریں چرا کر کال ریسیو کی دوسرے لمحے اس کے چہرے کا رنگ بدل سا گیا۔

"اوہ انا للہ وانا الیہ راجعون!" وہ ہولے سے بولا۔ عاصمہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

"شہزاد کے والد... زبیر صاحب کے انتقال ہوگیا ہے اس کا فون تھا۔" دونوں گم صم سے تھے۔

☆ ☆ ☆

"مجھے نہیں معلوم میں اسے گھر پر چھوڑ کر گئی تھی بلکہ میں نے اس سے کہا تھا کہ آپ کی طبیعت ٹھیک ہے لیکن وہ رک کر یہیں انتظار کرنا چاہتی تھی تو میں اسے منع تو نہیں کرسکتی تھی کہ وہ یہاں نہیں رکے چلی جائے۔"

عفت پوچھنے پر ناراض لہجے میں کہتی چلی گئی۔

عدیل اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"اور حیرت کی بات یہ ہے کہ پھر وہ آپ سے ملے بغیر چلی بھی گئی' مجھے پری نے بتایا کہ اسے واثق لینے کے لیے آیا تھا اور وہ لڑکا اس کا یہاں کیا کام تھا بھلا ہم لوگ تو اسے جانتے بھی نہیں... یہ قصہ کیا ہے؟"

وہ متجسس لہجے میں پوچھ رہی تھی۔

"مجھے نہیں معلوم سر درد سے پھٹ رہا ہے میرا پہلے ہی۔" وہ عفت سے یہ سب پوچھ کر پچھتایا اب عفت کو

بولنے سے کون روک سکتا تھا۔
"عدیل! کہیں ایسا تو نہیں کہ بشریٰ بھی واپس آچکی ہے، جس کی وجہ سے یہ لڑکا بھی آگیا ہو۔" اس نے اندھیرے میں تیر چلایا۔
عدیل اسے چونک کر دیکھنے لگا یہ بات تو اس نے سوچی ہی نہیں تھی۔

☆ ☆ ☆

سیفی بستر پر چت لیٹا چہرے پر گہری مسکراہٹ سجائے کچھ سوچ رہا تھا۔
اس کے دماغ میں وہ منظر آتا جب مثال اور واثق کے جانے کے بعد پری اسے دیکھتی رہی تھی۔
"ایسے کیا دیکھتی جا رہی ہو۔" اس کی نظروں سے خائف ہو کر اسے کہنا پڑا۔
"مجھے لگ رہا ہے، آپ کو مثال آپی کی شادی کا کچھ زیادہ ہی شاک لگا ہے ویسے ایسا کیسے ہو سکتا ہے کہ آپ کو اس شادی کے بارے میں پتا نہیں چلا ہو جبکہ ان کی ماما تو ہر پل ان ٹچ تھیں۔" پری جانے کیا معلوم کرنا چاہ رہی تھی۔
"میں لندن سے آرہا ہوں۔" وہ کچھ کوفت سے بولا۔
"لندن سے مثال آپی کے لیے؟" پری کے بے ساختہ کہنے پر سیفی نے بھی اسے چونک کر دیکھا تھا فوری طور پر وہ کچھ بول نہیں پایا۔
"میں سمجھ گئی سب کچھ۔" وہ جوش بھرے انداز میں چٹکی بجا کر بولی۔ "تو وہ آپ تھے... مثال آپی کی اداسیوں کی وجہ۔" وہ اندھیرے میں تیر چلاتے ہوئے بولی۔
سیفی نے چونک کر اسے دیکھا۔
فوری طور پر وہ تردید یا تائید نہیں کر سکا تھا۔ پری کو دیکھتا رہا۔
"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں نا... آپ مثال آپی کو پسند کرتے ہیں نا... مطلب محبت کرتے تھے اور اب یہ نیوز آپ کے لیے کسی صدمے سے کم نہیں ہے۔ میں نے صحیح کہا نا۔" وہ اپنے ٹھیک ٹھیک اندازے لگانے پر بہت خوش تھی۔
"لیکن اب ان باتوں سے کچھ فائدہ نہیں۔" وہ مایوس سا ہو کر بولا اور جانے کے لیے مڑا۔
"ایک بات تو یہ بھی ہے کہ مثال آپی بھی اس شادی سے کچھ زیادہ خوش نہیں۔" پری پیچھے سے بولی تھی "اس وقت کوئی اور آپشن بھی تو نہیں تھا۔" وہ ٹھٹک کر رک گیا۔
"کیا مطلب؟" وہ سمجھا نہیں پری اس سے کیا کہنا چاہتی ہے۔
"مطلب تو آپ کو خود مثال آپی سے پوچھنا چاہیے۔ کیا معلوم وہ دل میں آپ کے آنے سے خوش ہی ہوں۔" وہ معنی خیزی سے بولی تو سیفی خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگا۔ پری کا آئیڈیا کچھ ایسا فضول بھی نہیں تھا۔
"تم کہنا کیا چاہتی ہو۔" وہ کچھ الجھ کر پوچھ بیٹھا۔
"میرے کہنے کا مطلب ہے اگر اتنی دور سے مثال کی چاہت میں دوڑے آئے ہیں تو ایک بار کھل کر ان سے بات تو کر لیں مل کر۔" وہ اسے اکساتے ہوئے بولی۔
"مل کر؟" وہ کچھ چونکا۔ "میرے پاس نمبر بھی تو نہیں ہے اس کا۔" وہ مایوسی سے بولا۔
"خیر اتنا سا کام تو میں بھی آپ کا کر ہی سکتی ہوں۔" وہ معنی خیزی سے ہنستے ہوئے سیفی کو مثال کا نمبر لکھوانے

"یہ نمبر میرے' بہت کام آسکتا ہے۔" وہ سیل میں مثال کے نمبر کو دیکھتے ہوئے خود سے بولا۔
اور پری نے کچھ غلط بھی نہیں کہا جب اتنی دور آہی گیا ہوں تو مجھے یوں ناکام ہو کر تو نہیں لوٹنا چاہیے۔
وہ سرہلا کر کچھ سوچنے لگا۔ پھر کچھ سوچ کر وہ ایک نمبر ملا کر سیل فون کان سے لگا کر کال ریسیو ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

"پری! میں سیفی بات کر رہا ہوں 'کیا ہم تھوڑی دیر بات کر سکتے ہیں؟" پری کے جواب پر وہ تھینکس۔" کہہ کر آہستہ آہستہ اس سے کچھ بات کرنے لگا۔

☼ ☼ ☼

دانی نے کچھ مایوسی سے لاکر میں موجود لفافے میں بڑی رقم کو گنا۔
"صرف ڈھائی لاکھ' اس سے کیا ہوگا۔ وہ لوگ چھ لاکھ سے کم پر نہیں مانیں گے۔" وہ مایوس سا تھا۔
پھر وہ لاکر میں ادھر ادھر ہاتھ مارنے لگا۔
ایک جیولری باکس میں سے عفت کی کچھ جیولری ملی ہے تو اس کی آنکھوں میں چمک آگئی۔
"اس سے تو میرا کافی کام نکل جائے گا بلکہ میں ان لوگوں کو صرف دولاکھ.... نہیں ڈیڑھ لاکھ اور جیولری ہی دوں گا کہ میں بس یہی ارینج کر سکا ہوں۔" وہ دل میں پلان کرنے لگا۔
اپنے گولڈن فیوچر کے بارے میں اس نے جو کچھ سوچ رکھا تھا' اسے لگ رہا تھا سب کچھ اس کی مٹھی میں آگیا ہے۔
اس نے بہت محتاط انداز میں سب چیزیں ایک پاؤچ میں ڈالیں اور چابی اسی جگہ پر رکھ کر خاموشی سے باہر نکل گیا۔

☼ ☼ ☼

آئینہ کی شادی کی ڈیٹ طے ہو گئی تھی۔
بشریٰ عجیب سے اکیلے پن کا شکار ہو رہی تھی۔ ایک نئی جگہ' نیا ملک' نئے لوگ.... ولید کی فیملی بیس سال سے آسٹریلیا میں تھی' ان کے لیے کچھ بھی عجیب نہیں تھا شاید.... لیکن بشریٰ کو اپنی بیٹی ایک ایسی جگہ بیاہنا جس سے وہ خود بھی ابھی مانوس نہیں ہو سکی تھی' بہت مشکل لگ رہا تھا۔
اور مشکل تو یہ بھی تھا کہ احسن کی حالت دن بدن ایسی ہوتی جا رہی تھی کہ بشریٰ اس سے کوئی بھی اپنی بات شیئر نہیں کر سکتی تھی۔ سیفی کی خودسری نے اسے توڑ کر رکھ دیا تھا۔ اس کا بزنس جم نہیں سکا تھا۔
آئینہ کی شادی کے بعد ان کا پاکستان واپس چلے جانے کا پلان تھا۔ احسن وہاں بھی کچھ لوگوں سے رابطے میں تھا' گھر اور بزنس کے معاملات کے لیے....
اور بشریٰ خود کو بہت اکیلا محسوس کر رہی تھی۔ بہت سارے دن وہ مثال کو فون ہی نہیں کر سکی اسے پتا ہی نہیں چلا کہ سیفی کیسے مثال کی زندگی برباد کرنے چلا ہے۔

(آخری قسط ان شاءاللہ اگلے ماہ)

رخسانہ نگار عدنان

ایک تھی مثال

عدیل اور فوزیہ نسیم بیگم کے بچے ہیں۔ بشریٰ ان کی بہو ہے اور ذکیہ بیگم کی بیٹی ہے۔ عمران بشریٰ کا بھائی ہے۔ مثال ذکیہ بیگم کی نواسی اور نسیم بیگم کی پوتی ہے۔ بشریٰ اور نسیم بیگم میں روایتی ساس بہو کا تعلق ہے۔ نسیم بیگم مصلحتاً بیٹا بہو سے لگاوٹ دکھاتی ہیں۔ دوسری طرف ذکیہ بیگم کا کہنا ہے۔ ان کی بیٹی بشریٰ کو سسرال میں بہت کچھ برداشت کرنا پڑتا ہے۔ پانچ سال کی مسلسل کوششوں کے بعد بشریٰ کی نند فوزیہ کا بالآخر ایک جگہ رشتہ طے پا جاتا ہے۔ نکاح والے روز بشریٰ دولہا ظہیر کو دیکھ کر چونک جاتی ہے۔

عدیل سے شادی سے قبل ظہیر کا بشریٰ کے لیے بھی رشتہ آیا تھا مگر بات نہ بن سکی تھی۔ نکاح والے دن فوزیہ کی ساس زاہدہ اور ذکیہ بیگم بھی ایک دوسرے کو پہچان لیتی ہیں۔ بشریٰ اپنی ماں سے یہ بات چھپانے کے لیے کہتی ہے مگر عدیل کو پتا چل جاتا ہے۔ وہ ناراض ہوتا ہے مگر فوزیہ اور نسیم بیگم کو بتانے سے منع کر دیتا ہے۔ بشریٰ اور عدیل ایک ہفتے کے لیے اسلام آباد جاتے ہیں۔ وہاں انہیں پتا چلتا ہے کہ بشریٰ کے ہاں سات سال بعد پھر خوش خبری ہے۔

عفان اور عاصمہ اپنے تین بچوں اور والد کے ساتھ کرائے کے گھر میں رہتے ہیں۔ عفان کے والد فاروق صاحب سرکاری نوکری سے ریٹائر ہوئے ہیں۔ گریجویٹی اور گاؤں کی زمین فروخت کر کے وہ اپنا گھر خریدنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ ڈیڑھ کروڑ میں زمین کا سودا کر کے وہ عفان کے ساتھ خوشی خوشی شہر آ رہے ہوتے ہیں کہ ڈکیتی کی واردات میں قتل ہو جاتے ہیں۔

عفان کے قریبی دوست زبیر کی مدد سے عاصمہ عفان کے آفس سے تین لاکھ روپے اور فاروق صاحب کی گریجویٹی سے سات لاکھ روپے وصول کر پاتی ہے۔ زبیر گھر خریدنے میں بھی عاصمہ کی مدد کر رہا ہے۔

ستائیسویں اور آخری قسط

وہ ایک برا دن تھا۔
مثال کے لیے شاید بہت برا۔ سیفی اس کی زندگی تباہ کرنے کا پورا منصوبہ بنائے ہوئے تھا۔ اس کا پہلا فون میسج مثال کو خوف زدہ کر گیا۔
"میں جانتا ہوں تم مجھے مس کرتی ہو۔ ہو سکتا ہے یہ میرا وہم ہو لیکن یہ بھی سچ ہے کہ میں ابھی بھی تمہارے حسن کے سحر میں گرفتار ہوں اور اتنی دور سے صرف تمہیں دیکھنے نہیں آیا بلکہ تمہیں اپنے ساتھ لے جانے کے لیے آیا ہوں اور میرا دل کہتا ہے تم چند ہی دنوں میں واثق کو چھوڑ کر میرے ساتھ جا رہی ہو گی۔۔۔ میرے ساتھ۔۔۔"
وہ دہل کر رہ گئی تھی اس کا یہ میسج پڑھ کر۔۔۔
اور یہ آخری اور کاری ضرب ہوگی میری تباہ شدہ زندگی کو فنا کرنے کے لیے۔۔۔" اس نے ایک دم سے ہتھیار ڈال دیے۔ وہ پہلے والی ڈری سہمی مثال بن گئی تھی۔
واثق کب اس کے پاس آکر کھڑا ہوا اسے کچھ پتا نہیں چلا تھا۔
"یہ میری شرٹ پریس ہونے والی ہے۔" اس کی قریب سے آتی آواز نے اسے بے اختیار چونکایا تھا۔
سیل فون اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر کارپٹ پر گر گیا تھا۔
اس نے تیزی سے جھپٹ کر فون اٹھایا اور دوسرے ہاتھ سے شرٹ لے کر جانے لگی۔
"کس کا فون تھا؟" واثق نے پوچھا۔
"کسی کا نہیں۔" وہ مڑے بغیر جواب دے کر باہر چلی گئی۔
دونوں کے درمیان پچھلے کچھ دنوں سے عجیب سی سرد مہری آگئی تھی۔ دونوں ہی ایک دوسرے سے بات کرنے سے گریزاں تھے۔
اسے لگتا تھا کہ واثق اس سے بے زار ہو گیا ہے' دل اکتا گیا ہے اس کا مثال سے۔۔۔ یہ سوچ اسے رلا دیتی۔ وہ آنسو ضبط کیے بے دھیان سی یوں ہی پھرتی رہتی اور واثق کو لگتا وہ مثال کو سمجھ ہی نہیں سکا۔ وہ اسے خوش بھی نہیں کر سکا۔ وہ ساری خوشیاں جو اس نے مثال کو دینے کا وعدہ کیا تھا۔ ان میں سے کچھ بھی نہیں دے سکا۔
پری کچھ دنوں سے خاموش تھی۔ پردہ اسکرین سے غائب۔ واثق کو لگنے لگا تھا شاید وہ سدھر گئی ہے۔ اگرچہ اس کا امکان کم ہی تھا۔ وہ تیار ہوتے ہوئے یہی کچھ سوچے جا رہا تھا۔
مثال کمرے کی چیزیں ٹھکانے پر رکھتے ہوئے باہر جانے لگی تو واثق نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔
وہ کچھ پریشان سی اسے دیکھنے لگی۔
"بیٹھو یہاں میرے پاس۔۔۔ بات کرو مجھ سے۔۔۔ تمہارے دل میں کیا ہے' کیوں تمہارا رویہ میرے ساتھ اتنا تکلیف دہ ہو رہا ہے۔" وہ جیسے برداشت کی سب حدوں سے گزر رہا تھا۔
"میرا رویہ تکلیف دہ ہے؟" وہ پھٹی ہوئی آواز میں بولی۔
"میں کئی بار تو تمہیں بلانے کی کوشش کر چکا ہوں۔" وہ نرمی سے بولا۔
"کیا میں نے کوشش نہیں کی؟" وہ رندھے گلے کے ساتھ بولی۔
وہ اسے دیکھتا رہ گیا۔
"ہم دونوں ہی ایک دوسرے کے ساتھ غلط کر رہے ہیں' یہ خوامخواہ کی غلط فہمیاں۔۔۔" وہ رک گیا۔
"مثال! میں نے صرف تم سے محبت کی ہے۔ صرف تمہیں چاہا ہے۔ تمہیں ہی سوچا ہے۔ کم از کم تمہیں مجھ پر' میری محبت پر یوں شک نہیں کرنا چاہیے تھا۔ اس لڑکی کی وجہ سے۔" وہ رک رک کر وہ بات کر رہا تھا۔ جو بات کبھی نہ کرنے کا اس نے اعلان کیا تھا۔

"تم تو اسے مجھ سے بہتر جانتی ہو' وہ کبھی نہیں چاہے گی کہ تم ایک خوش حال اچھی زندگی گزارو۔۔۔"
"لیکن وہ سب کچھ جو اس نے کہا۔۔۔ واثق۔۔۔" مثال کہے بغیر رہ نہ سکی۔ واثق اسے دیکھتے ہوئے کچھ سوچنے لگا۔ پھر فیصلہ کن انداز میں سر جھٹک کر رہ گیا۔

"وہ ورده کی دوست تھی اور ایک دو بار ہمارے گھر آچکی تھی اور بہت گھٹیا انداز میں وہ مجھے ٹریپ بھی کرنا چاہتی تھی مگر مجھے تو وہ کبھی بھی اچھی نہیں لگی۔۔۔ کچھ لوگ جن سے آپ پہلی بار ملیں یا ہر روز اگر ایک بار آپ کا دل ان کے لیے ناپسندیدگی کا اظہار کر چکا ہے تو پھر وہ کبھی اچھے نہیں لگتے۔ لگ ہی نہیں سکتے۔ مجھے پری کبھی بھی اچھی نہیں لگی' جبکہ میں اس سے ملنے سے ہی پہلے تمہاری محبت میں گرفتار ہو چکا تھا۔ اسے کیسے پسند کر سکتا تھا۔" وہ رک رک کر بتا رہا تھا۔

"اور آپ نے پہلے مجھے یہ سب کچھ نہیں بتایا۔" مثال تلخی سے جتا کر بولی۔
"میرے نزدیک یہ اتنا اہم نہیں تھا کہ میں۔۔۔ تمہیں بتاتا۔۔۔" وہ اسی لہجے میں بولا تو مثال اسے دیکھ کر رہ گئی۔
"کیا اب بھی تمہیں میرا یقین نہیں؟" وہ کچھ خائف ہو کر پوچھ رہا تھا۔
"ایک آپ پر ہی تو مجھے یقین ہے اس پوری دنیا میں واثق! آپ ناراض تھے۔ مجھے لگ رہا تھا۔ ساری دنیا مجھ سے روٹھ گئی ہے۔ کوئی ایک بھی ایسا نہیں تھا جس سے میں اپنا درد کہہ سکتی۔ اتنے دن مجھے اس واثق کی کمی شدت سے محسوس ہوئی' جس کے مجھ سے دوستی کے دعوے تھے اور اس سے میں اپنی ہر مشکل کہہ دیتی تھی۔" وہ آنکھوں میں آنسو لیے شکایتی لہجے میں کہہ رہی تھی۔
"وہ تو اب بھی تمہارا دوست ہے۔ دیکھو۔۔۔ میں پکڑ لایا ہوں اسے تمہارے پاس۔۔۔" وہ ہنستے ہوئے کہہ رہا تھا اور وہ اس کے سینے سے لگی روتے ہوئے مسکرا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ورده!" وہ بک شاپ سے نکل رہی تھی' جب پیچھے سے کسی نے اسے پکارا۔ اس کے پیچھے شہزاد کھڑا تھا۔
وہ اسے سوالیہ نظروں سے دیکھنے لگی۔
"کیسی ہیں آپ؟" وہ پاس آکر قدرے اپنائیت سے بولا۔
"فائن!" وہ نارمل انداز میں کہہ کر جانا چاہتی تھی۔
"کیا ہم کچھ دیر کے لیے بات کر سکتے ہیں۔" وہ پوچھ رہا تھا۔
"کون سی بات۔۔۔؟" وہ چونکی۔
"اگر آپ کچھ ٹائم دیں تو۔۔۔؟" وہ کچھ جھجکا۔
"مجھے گھر جانا ہے۔ میں لیٹ ہو جاؤں گی۔" وہ گھڑی دیکھ کر متذبذب لہجے میں بولی۔
"میں آپ کو ڈراپ کر دوں گا۔" وہ جلدی سے بولا۔
"نہیں! اس کی ضرورت نہیں۔۔۔ میں خود چلی جاؤں گی۔" اس نے فوراً انکار کیا۔ وہ شہزاد کی نظروں سے الجھ رہی تھی۔
"پلیز۔۔۔ میں آپ کا زیادہ ٹائم نہیں لوں گا۔" وہ ملتجی لہجے میں بولا۔
وہ جیسے کچھ سوچنے لگی۔
"آپ کو مجھ پر بھروسا نہیں ہے کیا؟" وہ کچھ شکایتی لہجے میں بولا۔
"نہیں ایسا۔۔۔ نہیں ہے۔۔۔" اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا جواب دے۔

"چلیں... میں آپ کو ڈراپ کر دیتا ہوں۔ ہم راستے میں بات کر لیں گے۔ اس میں آپ کو دیر بھی نہیں ہوگی۔" اس نے نورہ کا تذبذب بھرا انداز دیکھ کر آفر کی۔

"ٹھیک ہے۔ چلیں..." وہ انکار نہیں کر سکی' وہ دونوں پارکنگ میں کھڑی شہزاد کی گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔

☆ ☆ ☆

"کیا مطلب... میں سمجھی نہیں..." پری نے الجھن بھری نظروں سے سامنے بیٹھے سیفی کو دیکھا۔

سیفی' پری کو گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے ہنس پڑا۔

وہ بلیک سلیولیس آؤٹ فٹ میں بھرپور دعوت نظارہ دے رہی تھی۔ حالانکہ عفت نے اسے گھر سے اس ڈریس میں نکلتے ہوئے ٹوکا بھی تھا۔ عفت کے سامنے اس نے ہلکا سا دوپٹا لے لیا تھا۔ جو اب اس کے ہینڈ بیگ میں پڑا تھا۔

"ہنسے کیوں...؟" وہ کچھ سمٹ کر خفگی سے بولی۔

"ہاں تو یار محبت کرتا ہوں تو اس کے پیچھے لندن سے دوڑا یہاں تک آیا ہوں۔"

"پھر تم اب کیا کرنے والے ہو؟" وہ کچھ بے چینی سے پوچھ رہی تھی۔

"تمہیں جلدی کیوں ہے؟" وہ جیسے اسے سامنے دیکھ کر انجوائے کر رہا تھا۔

"جلدی نہیں... میں جاننا چاہتی ہوں' تمہارے دماغ میں کیا چل رہا ہے۔" وہ بات بدل کر بولی۔

"اگر میں کہوں اس وقت تو میرے دل و دماغ میں صرف تم چل رہی ہو تو...؟" وہ معنی خیزی سے بولا۔

"تو ٹھیک ہے... میں چلتی ہوں۔ اگر تم نے صرف مذاق کرنے کے لیے مجھے یہاں بلایا ہے تو..." وہ سنجیدگی سے کہہ کر اٹھنے لگی۔

"اونہوں بیٹھو... سوری نا۔ یوں ہی اچھا لگ رہا ہے' تم سے یوں فرینڈلی ہو کر بات کرنا۔ تمہاری پرسنالٹی میں بہت چارم ہے۔" وہ الٹا اسے سراہنے لگا تو پری بیٹھ گئی۔

"کیا تم واثق کو پسند کرتی ہو؟" سیفی نے پری کے قریب ہی دھماکا کیا۔ "اسی لیے چاہتی ہو نا کہ ان دونوں میں سپریشن ہو جائے۔" وہ تاک تاک کر نشانے لگا رہا تھا۔

"ہرگز نہیں... میں کیوں ایسا چاہوں گی۔" وہ چہرے کا رخ دوسری طرف کر کے بولی۔

"دیکھو... کسی بھی ڈیل کا پہلا اصول آنیسٹی ہوتی ہے' جب تک مجھے نہیں معلوم ہوگا کہ تم مجھ سے کیا چاہتی ہو اور تمہیں پتا نہیں ہوگا کہ میں کیوں انٹرسٹڈ ہوں اس سارے معاملے میں' تو کچھ بھی حاصل نہیں کر سکیں گے ہم..." وہ اسے بچوں کی طرح سمجھا رہا تھا۔

"ٹھیک ہے میں جھوٹ نہیں بولوں گی۔ مجھے واثق پسند ہے' اسی لیے چاہتی ہوں کہ..."

"ان دونوں میں علیحدگی ہو اور واثق تمہیں مل جائے' مثال مجھے... ہے نا؟" وہ اس کی بات درمیان سے اچک کر بولا۔ وہ کندھے اچکا کر رہ گئی۔

"او کے نائس... میں مثال سے ملنے کے لیے جا رہا ہوں' ابھی کچھ دیر میں... تم کسی طرح واثق کو یہ بتا دو' اگر وہ وہاں اچانک سے آجائے تو میرے خیال میں ہمارا کام بن جائے گا۔ آج ہی..." وہ جوش بھرے لہجے میں کہہ رہا تھا۔

"ابھی شام ہو رہی ہے۔ موسم بھی کچھ بارش والا ہو رہا ہے۔ واثق تو میرے خیال میں آفس سے اٹھنے والا ہوگا۔" وہ سوچ کر بولی۔

"اونہوں... سنو..." وہ اسے کچھ بتانے لگا۔

✿ ✿ ✿

"یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟" وردہ کچھ پریشان ہوگئی۔

"کیا میں نے کچھ غلط کہہ دیا؟" وہ الٹا پوچھ رہا تھا۔

"اتنا ٹھیک بھی نہیں ہے۔" وہ بڑبڑائی۔

"کسی کو پسند کرنا جرم نہیں ہے۔ وردہ میں آپ کو پسند کرتا ہوں اور آپ کا پروپوزل لے کر آپ کی ماما اور واثق کے پاس آنا چاہتا ہوں لیکن میں جانتا ہوں' وہ دونوں صاف انکار کردیں گے۔ مجھے اس جرم کی سزا ضرور ملے گی جو میں نے کیا ہی نہیں۔" وہ کچھ تلخی سے بولا۔

"آپ مجھ سے کیا چاہتے ہیں؟" وہ کچھ الجھ کر بولی۔

"اگر میں اپنا پروپوزل لے کر آؤں' آپ سے پوچھا جائے تو..." وہ بولتے ہوئے رک گیا۔

"آپ انکار تو نہیں کریں گی وردہ؟"

"میں صرف وہ کروں گی جو میری ماما اور بھائی چاہیں گے۔" وہ دوٹوک لہجے میں بولی۔

وہ اسے دیکھ کر رہ گیا۔

"واثق بزنس سے پارٹنر شپ الگ کرنا چاہتا ہے۔ یقین کرو ورمہ! میں نے واثق کو اپنا بھائی ہی سمجھ لیا تھا' بہت اپنائیت محسوس کرنے لگا تھا میں آپ کی فیملی کے لیے... پاپا سے بات کرکے آپ کے لیے پروپوزل بھیجنے والا تھا لیکن پھر سب کچھ الٹ پلٹ ہوگیا۔" وردہ اسے دیکھتی رہ گئی۔

✿ ✿ ✿

دانی پوری رات گھر نہیں آیا تھا اور اس بات کا علم عفت کو بہت دیر میں ہوا تھا۔ اس کا سیل بھی آف جارہا تھا۔ وہ بار بار دانی کا نمبر ملاتی اور اس کی پریشانی ایک ہی ٹیپ کو چلتے سن کر بڑھتی جارہی تھی۔

"او مائی گاڈ! مجھے یہ خیال تو آیا نہیں۔" مسلسل کمرے میں ٹہلتے ہوئے وہ ایک خیال سے ٹھٹکی تھی۔ تیزی سے لاکر کی چابی نکال کر اس نے الماری کا لاکر کھولا۔

"عدیل نے جو رقم کا لفافہ دیا تھا۔ وہ کہاں ہے؟" وہ لاکر میں تلاش کررہی تھی۔ ایسا کوئی بھی لفافہ صرف لاکر ہی نہیں اس کے پرس میں موجود تھوڑی بہت رقم میں سے کچھ بھی موجود نہیں تھا۔ وہ سخت ہراساں سی بیٹھی رہ گئی۔

"تو کیا یہ ساری رقم دانی لے گیا... نہیں... نہیں ایسا نہیں ہوسکتا۔ دانیال ایسا تو کبھی نہیں کرسکتا۔ اتنی بڑی رقم وہ نہیں لے جاسکتا۔" اس کا دل کسی بھی طور اس حقیقت کو ماننے کے لیے تیار نہیں تھا۔

"میری جیولری' پری کا زیور..." بجلی کے کوندے کی طرح خیال اس کے دماغ میں لپکا تھا۔ اس نے جلدی سے جیولری باکس کھولے۔ اس کی چھٹی حس نے ٹھیک الارم کیا تھا۔ وہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ خالی لاکر اس کا منہ چڑا رہا تھا۔

"میرے اللہ! یہ کیا ہوگیا میرے ساتھ۔ میں نے تو کبھی کسی کے ساتھ برا نہیں کیا' برا نہیں چاہا' پھر میرا بیٹا ایسا کیوں نکلا۔ وہ کس شاطر کے جال میں پھنس گیا۔ میں اب عدیل کو کیا بتاؤں گی۔" وہ دونوں ہاتھوں میں سر پکڑے ساکت بیٹھی رہ گئی۔

✿ ✿ ✿

مثال آج بہت دل سے تیار ہوئی تھی۔
شادی کے تین مہینے بعد آج پہلی بار جیسے وہ خود کو بہت مضبوط محسوس کر رہی تھی۔ واثق نے جس طرح اپنے دل کی ہر بات اس سے کھول کر کی تھی۔ اس کی محبت اور شدت نے مثال کو کچھ شرمندہ کر دیا تھا۔
پری کی فطرت کا اندازہ ہوتے ہوئے بھی واثق اور پری کے درمیان تعلق کو ایسا رنگ دینا بہت ہی گھٹیا بات تھی۔ جیسے واثق سے کرتے ہوئے اسے پری کے نہیں اپنے شوہر کے بارے میں سوچنا چاہیے تھا۔
"اور یہ پری تو چاہتی یہی ہے کہ کسی بھی طرح میری زندگی میں صرف مشکلات اور مصیبتیں آئیں۔۔۔ ماما ٹھیک کہتی ہیں کہ مجھے صرف واثق کے ساتھ اپنے تعلق کو مضبوط کرنا چاہیے' صرف اسی پر بھروسا کرنا چاہیے۔"
وہ خود کو سجانے سنوارنے کے بعد آئینے میں دیکھ رہی تھی۔
اس کی آنکھوں میں خوشی۔۔۔ سچی خوشی کی چمک تھی۔ وہ خود کو دیکھتی جا رہی تھی۔ مجھے چاہیے تھا۔ میں واثق سے کہتی وہ آج جلدی گھر آجاتے ہم کہیں آؤٹنگ پر جاتے' خیال آیا تو فون اٹھا کر واثق کا نمبر ملانے لگی۔
"مثال بیٹا! تمہارے پاپا آئے ہیں' تم سے ملنے کے لیے۔۔۔" اسی وقت عاصمہ اندر آکر بولی تو اسے خوش گوار سی حیرت ہوئی۔
"پاپا آئے ہیں۔۔۔" وہ بے یقینی سے جیسے پوچھ رہی تھی۔
"ہاں آجاؤ جلدی۔۔۔ اور سنو مجھے اپنی ایک دوست کی عیادت کے لیے اسپتال جانا ہے۔ اس کا آپریشن ہوا ہے۔ واثق تو لیٹ ہے۔ میری ابھی اس سے بات ہوئی ہے۔ ورنہ آتی ہے تو میں اس کے ساتھ چلی جاؤں گی۔ تم بعد میں سب دیکھ لوگی نا۔" وہ بہت محبت سے کہہ رہی تھی۔
"میں دیکھ لوں گی آنٹی! آپ پریشان نہ ہوں' واثق آجائے تو آپ ان کے ساتھ چلی جائیں۔"
"بیٹا! دو دن سے ٹال رہی ہوں۔ اب فون بھی کر دیا ہے کہ میں آرہی ہوں' پھر موسم بھی خراب ہو رہا ہے۔ اگر کچھ دیر اور انتظار کرتی رہی تو ایسا نہ ہو کہ بارش شروع ہو جائے۔ میں جلدی واپس آجاؤں گی۔"
دونوں باتیں کرتی ہوئی باہر نکل گئیں۔

☼ ☼ ☼

عدیل کی آمد مثال کو جیسے کوئی خزانہ دے گئی۔ بہت سے پھل' مٹھائیاں' تحفے اور پتا نہیں کیا کیا۔۔۔
"بھائی صاحب! آپ یہ سب اتنا کچھ کیا اٹھا کر لے آئے۔ کیا ضرورت تھی اس سارے تکلف کی' آپ کا اپنا گھر ہے۔" عاصمہ نے سب کچھ دیکھ کر کچھ خفگی سے کہا۔
"اپنا گھر ہے تو اسی لیے لے کر آیا ہوں نا' آدمی اپنے گھر میں ہی اتنا کچھ خوشی سے لاتا ہے نا۔" عدیل بہت اپنائیت بھرے انداز میں سجی سنوری مثال کو دیکھ کر دل میں شکر کرتے ہوئے بولا۔
"آپ نے تو لاجواب کر دیا عدیل بھائی! اگرچہ اس سب کی ضرورت نہیں تھی۔ آپ نے ہمیں اتنی پیاری بیٹی جو دے دی ہے۔ ہمیں اس سے بڑھ کر اور کچھ چاہیے بھی نہیں۔"
عاصمہ مثال کو اپنے ساتھ لگا کر پیار سے بولی۔ عدیل کا دل گہرے جذبات سے بوجھل سا ہو گیا۔
دل چاہ رہا تھا ابھی سجدے میں گر کر اللہ کا جتنا بھی شکر ادا کرے کم ہے کہ بالآخر اس کی مثال کی سختی کے دن کٹ ہی گئے۔ خوشیاں اسے مل ہی گئیں۔
عاصمہ دو چار باتیں کرنے کے بعد معذرت کر کے چلی گئی تھی۔
"فوزیہ پھپھو!" مثال ششدر سی باپ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

"ہاں۔۔۔ ابھی کچھ دیر میں نکلوں گا۔ ایئرپورٹ کے لیے سات بجے فلائٹ ہے اس کی۔ سوچا جانے سے پہلے تم سے مل جاؤں' اتنے دنوں سے میں نے اپنی بیٹی کو دیکھا نہیں۔" عدیل محبت سے اس کے چہرے پر نظریں جمائے کہہ رہا تھا۔

"میں بھی آپ کو بہت مس کررہی تھی پاپا۔ اینڈ تھینکس یہ سب کچھ جو آپ لے کر آئے ہیں۔" وہ باپ سے لپٹ گئی۔

"ونہوں۔۔۔ نو تھینکس۔۔۔" وہ اس کا سر تھپک کر محبت سے بولا تھا۔

☼ ☼ ☼
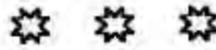
"یہ کیا کہہ رہی ہو تم وردہ!" پری کچھ بے یقینی سے بولی۔

"ہاں نا یار! بالکل سچ!" وردہ دبے دبے جوش سے بولی۔

"اتنا ہینڈسم ہے' اتنا گڈ لکنگ اور بے حد سمجھ دار' اتنی بڑی پراپرٹی کا اکلوتا وارث۔۔۔ یار! آئی ایم کنفیوزڈ۔۔۔" اس کے لہجے سے صاف لگا وہ پری کو جلانا چاہ رہی ہے۔

"رئیلی۔۔۔ ویسے بائی داوے اسے کیا تم اتنی حسین لگیں؟" پری بھی چوکنے والی نہیں تھی۔ طنز سے بولی۔

"تو کیا نہیں ہوں میں۔۔۔؟" وہ بھی کچھ اترا کر بولی۔ "اچھا یار! بتاؤں نا۔ اس نے مجھ سے جواب مانگا ہے' اگر وہ میرے گھر پروپوزل بھیجتا ہے تو میرا جواب کیا ہو گا؟" وہ اصرار بھرے لہجے میں بولی۔

"تم کیا چاہتی ہو؟" پری کچھ اکتا کر بولی۔ اسے واثق سے ملنے جانا تھا اور وردہ فضول بکواس میں اس کا ٹائم خراب کررہی تھی۔

"یار! تم بتاؤ نا میں کیا کروں۔ مجھے کیا کرنا چاہیے؟" وہ بھی ننھی بچی کی طرح کچھ پریشانی سے پوچھ رہی تھی۔

"میں ہوتی نا تمہاری جگہ تو اس پروپوزل کے چکر میں ہی نہیں پڑتی۔" پری نے اپنے میک اپ کو آخری ہلکا سا ٹچ دیا۔

"کیا مطلب۔۔۔؟" وردہ ناسمجھی سے بولی۔

"اس سے کہتی ابھی چلو میرے ساتھ کورٹ میرج کرلو' سب معاملہ سیٹل ہو جاتا ایک دم سے۔۔۔" وہ اچانک سے بولی تو وردہ دھک سے رہ گئی۔

"یہ کیا کہہ رہی ہو؟"

اسے پری سے اس جواب کی امید نہیں تھی۔

"وہی جو میرا جواب ہونا چاہیے تھا۔ سچ کہوں یار! ایسا گولڈن چانس کبھی مس نہیں کرتی' تم بھی بہادر بنو۔" وہ اسے اکسا رہی تھی۔ باہر سے عفت کی چیخ سی سنائی دی۔

"اوہ ماما۔۔۔ مجھے بلا رہی ہیں۔۔۔ میں تم سے بعد میں بات کرتی ہوں۔"

"یار! اس کی ماں آئے گی ابھی۔۔۔" وردہ پریشان سی بولتی رہ گئی۔ دوسری طرف سے فون بند ہو چکا تھا۔ وردہ کچھ سوچنے لگی۔

☼ ☼ ☼
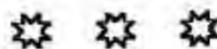
"میں نہیں جانتا پاپا نے آپ لوگوں کے ساتھ کتنا برا کیا ہے لیکن میں اتنا جانتا ہوں واثق! انہیں میں نے پوری زندگی میں کبھی خوش نہیں دیکھا۔ آخری وقت تک وہ عاصمہ آنٹی سے معافی مانگنا چاہتے تھے۔"

شہزاد آہستہ آہستہ مدھم لہجے میں کہہ رہا تھا۔ کافی دنوں بعد دونوں یوں آمنے سامنے بیٹھ کر بات کررہے تھے۔

"اب ان باتوں سے کچھ فرق نہیں پڑتا شہزاد! وہ کڑا وقت جو ہم نے جھیلا' میری ماں چار بچوں کے ساتھ بے آسرا' بے سہارا اور جس کی ساری متاع کوئی لوٹ کر لے جائے' میں اور تم کبھی بھی اس کی بے کسی کا اندازہ نہیں کرسکتے۔" واثق تلخی سے بولا۔ "معاف کرونا آسان لگتا ہے مجھے اور تمہیں۔۔۔ لیکن ایسا ہے نہیں۔" وہ جتانے والے انداز میں بولا۔

"میں جانتا ہوں۔۔۔" شہزاد آہستگی سے بولا۔

"میں صرف یہ چاہتا ہوں جب تک ہم دونوں میں پارٹنر شپ ہے تم اپنے لیگل ایڈوائزر سے مشورہ کرچکے ہو اور بزنس کی کنڈیشن بھی تمہارے سامنے ہے۔ ایک دم سے تم اپنا شیئر نہیں نکال سکتے۔" وہ بولتے ہوئے رکا۔ واثق کے چہرے پر کچھ سختی تھی۔

"لیکن میں تمہیں پارٹنر شپ کے لیے فورس بھی نہیں کروں گا۔ چھ سات ماہ میں جیسے ہی حالات بہتر ہوتے ہیں تم الگ ہونا چاہو گے تو میں بخوشی وہ سب کروں گا جو تم چاہو گے۔"

"لیکن اس طرح ساتھ کام کرنا بھی مشکل ہے۔" واثق جتا کر بولا۔

"سب کچھ بھولنا ناممکن ہے' لیکن ہم کوشش تو کرسکتے ہیں' جتنا بھی وقت ہمیں ساتھ گزارنا ہے۔ ہم اچھے طریقے سے گزاریں۔"

"میں کوشش کروں گا۔" واثق یوں ہی سرہلا کر بولا۔

کمرے میں کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔

"کیا یہ ممکن ہے واثق۔۔۔ میں عاصمہ آنٹی کے پاس آنا چاہتا ہوں۔ ان سے ملنا چاہتا ہوں۔" وہ کچھ دیر بعد جھجک کر بولا۔

"ابھی نہیں۔۔۔ ابھی ماما اس بات کے لیے تیار نہیں ہوں گی۔"

"میں بات کرلوں گا' پلیز۔۔۔ اگر تم منع نہیں کرو تو۔۔۔ میں کسی دن۔۔۔"

"ٹھیک ہے۔۔۔ دیکھ لینا۔۔۔" واثق صاف منع بھی نہیں کرسکا۔ شہزاد کے چہرے پر خوشی تھی۔

☼ ☼ ☼

"ماما پلیز۔۔۔ پانچ منٹ صرف رکنا ہے۔ مجھے پری سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔ پلیز' صرف پانچ منٹ کے لیے۔۔۔"

وردہ' عاصمہ کے ساتھ آگئی تھی اور پری کے گھر کی طرف گاڑی مڑواتے وہ ماں سے منت بھرے لہجے میں کہنے لگی۔

"وردہ! تم جانتی ہو ہم لیٹ ہورہے ہیں۔ ابھی اسپتال کے راستے میں بھی بہت رش ہوگا۔ موسم بھی ٹھیک نہیں ہے' تمہیں سمجھنا چاہیے۔"

عاصمہ' ڈرائیور کا لحاظ کرتے ہوئے دھیمے لہجے میں کچھ سختی سے بولی۔

"پلیز ماما! صرف پانچ منٹ میں آجاؤں گی۔ پرامس۔۔۔۔۔ مجھے اس سے ایک بہت اہم بات پوچھنی ہے۔ میں ابھی آتی ہوں۔"

وہ عاصمہ کا جواب سنے بغیر تیزی سے گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ عاصمہ بے بسی سے اسے جاتا دیکھتی رہی۔

"پانچ بجنے والے ہیں۔ یہ لڑکی مجھے اور دیر کروائے گی۔ مجھے اس کو ساتھ لے کر ہی نہیں آنا چاہیے تھا۔"

عاصمہ دل میں پچھتا رہی تھی۔ وردہ کو ساتھ لانے پر۔ اسی وقت واثق کا فون آگیا۔
"ہاں بیٹا! ہم لوگ گھر سے تو چل پڑے ہیں۔"
"وردہ ہے میرے ساتھ.... تم گھر آرہے ہو نا؟"
"نہیں امی! مجھے آفس میں کچھ وقت لگ جائے گا لیکن پھر بھی میں کوشش کروں گا۔ آپ جلدی آجائیے گا۔"
"میں تو آہی جاؤں گی تم بھی دیر نہیں کرنا۔" اسے یہ کہہ کر اور فون بند کر کے وہ وردہ کا انتظار کرنے لگی۔

☼ ☼ ☼

"دانی کے بارے میں.... میں آپ کو بہت پہلے سے خبردار کرتی آرہی تھی۔ وہ کسی بہت بری کمپنی میں پھنس گیا ہے۔" پری کچھ جھنجلاتے ہوئے لہجے میں ماں سے کہہ رہی تھی۔ عفت وقفے وقفے سے رو رہی تھی۔ اسے کچھ بھی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ عدیل کو فون کرے تو کیا بتائے، وہ تو پہلے ہی اس سے بہت نالاں تھا۔
"مگر اس کا کچھ پتا تو چلے۔ وہ خیریت سے ہے۔ اتنی زیادہ رقم، زیور لے کر وہ کہاں گیا ہے۔ پری! میرا دل بیٹھا جارہا ہے۔" عفت بے تحاشا روتے ہوئے تڑپ رہی تھی۔
"اس کے فرینڈز کو کال کی آپ نے؟" وہ کچھ سوچ کر بولی۔
"جتنے نمبر میرے پاس تھے، سب سے بات کر چکی ہوں۔ کسی کو بھی اس کے بارے میں کچھ معلوم نہیں۔" عفت غم سے نڈھال تھی۔
"نہ جانے میرے گھر کو کس کی نظر لگ گئی۔ کس کی بددعا کھا گئی میں نے تو کبھی کسی کے ساتھ برا نہیں کیا۔ اس مثال منحوس کی نحوست میرے گھر کی خوشیوں کو کھا گئی۔ وہی تھی ایک بلا سب کچھ تباہ و برباد کرنے والی، میرا دل کہتا ہے...." وہ روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔
"اس کو تو آپ دیکھیے گا، اس کی تباہی کا میں نے کیا بندوبست کیا ہے۔ ساری زندگی سر پکڑ کر روتی رہے گی۔" یہ پری کی آواز تھی جو باہر سے تیزی سے آتی وردہ نے سنی تھی۔
"کیا کہہ رہی ہو، اس منحوس کو کیا ہونے والا ہے، کچھ بھی نہیں۔ شوہر اور دم بھرنے والی ساس کے ساتھ عیش بھری زندگی گزار رہی ہے۔" عفت جل بھن کر کہہ رہی تھی۔
"ختم ہونے والا ہے ماما جانی! آپ دیکھیے گا۔ واثق اسے طلاق دینے والا ہے۔ میری بات لکھ لیجیے۔" وہ نفرت بھرے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ باہر کھڑی وردہ دھک سے رہ گئی۔
"کیا اول فول بک رہی ہو، دیوانہ ہے وہ اس کا.... وہ کیوں اسے چھوڑے گا۔" عفت جیسے کراہی۔
"سیفی.... اس کی بشریٰ ماما کا سوتیلا بیٹا۔ ابھی کچھ دیر میں مثال کی زندگی تباہ کرنے جارہا ہے۔ کچھ نہیں بچے گا اس کے پاس، ساری زندگی منہ چھپاتی پھرے گی۔ لوگ تھو تھو کریں گے اس پر اور اس کے ماں کے کردار پر.... ماما ہمارے سارے بدلے پورے ہو جائیں گے۔"
"اور وہ واثق.... اس نے جتنا مجھے دھتکارا ہے، وہ بھی ساری زندگی پچھتائے گا، آگ میں جلے گا، جب اس کی بہن کو میں گھر سے بھاگنے پر اکساؤں گی۔ صرف چند دن کی بات ہے۔ اس کا بزنس پارٹنر واثق صاحب کی بہن کو لے کر اڑن چھو ہو جائے گا۔ ساری عزت خاک میں ملنے والی ہے ان لوگوں کی۔ واثق مجھے ملے یا نہ ملے مگر میں اسے مثال کا بھی نہیں رہنے دوں گی پاپا.... جو جان دیتے ہیں اپنی اس مثال پر.... کبھی اس کی شکل نہیں دیکھیں گے۔ عبرت کی مثال بننے والی ہے وہ۔" وہ نفرت، جوش اور جلن میں بولے چلے جارہی تھی۔
وردہ سے اس سے زیادہ سنا نہیں گیا۔ وہ پتھر ہوتے قدموں کے ساتھ باہر نکل گئی۔

☆ ☆ ☆

عدیل، فوزیہ کو اتنے سالوں بعد اپنے سامنے دیکھ کر بہت جذباتی ہو رہا تھا۔ وہ بھی اس سے لپٹ کر روئے جا رہی تھی۔

"بہت تڑپی ہوں عدیل تمہارے لیے۔ تم سے ملنے کے لیے۔ اپنے گھر، وطن کے لیے۔ اتنی دور مجھے کیوں بھیج دیا تھا۔" وہ اس کے گلے سے لگی تڑپ رہی تھی۔

"تقدیر کے لکھے کو پورا کرنا ہی پڑتا ہے پگلی! تم ٹھیک ہو نا۔ اتنے سالوں بعد سہی ہم مل تو لیے۔" عدیل نے اس کی آنکھیں صاف کیں۔

"ہاں بس میں دن رات دعا کرتی تھی کہ ایک بار میں اپنے بھائی سے مل لوں۔ اسے دیکھ لوں، کچھ قرض ہے، وہ ادا کر دوں، پھر بھلے وہ مجھے بلا لے اپنے پاس۔" وہ بہت جذباتی ہو رہی تھی۔

"شش۔۔۔ کیسی باتیں کر رہی ہو، اللہ نہ کرے تمہیں کچھ ہو اور قرض کون سا ہے بھلا تم پر۔۔۔" عدیل اس کی طرف کا گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے محبت سے کہہ رہا تھا۔

"اور تم خالد کو ساتھ نہیں لائیں۔ اتنے سال ہو گئے اس سے ملے ہوئے۔ میری تو فون پر بھی اس سے بات ہوئے شاید تین سال سے زیادہ کا وقت بیت گیا ہے۔ وہ ٹھیک تو ہے نا؟" گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے اس نے پوچھا۔

"ہاں ٹھیک ہے۔۔۔" فوزیہ باہر دیکھتے ہوئے مختصراً بولی۔

عدیل کچھ اور پوچھنے لگا تھا۔ پھر کچھ سوچ کر خاموش ہو گیا۔

☆ ☆ ☆

"اس وقت۔۔۔" پری نے کچھ چونک کر کہا۔ وہ فون پر کسی سے بات کر رہی تھی۔ "مشکل ہے۔" وہ محتاط لہجے میں بولی۔

"جانتی ہوں میں کتنا ضروری ہے۔" وہ زیر لب بولی۔

"او کے۔۔۔ میں دیکھتی ہوں۔" اس نے کہہ کر فون بند کر دیا۔

عفت، دانی کے کچھ اور دوستوں کے نمبروں پر کوشش کر رہی تھی۔

"ماما! میں جا کر معلوم کروں اس کا جو فاسٹ فرینڈ عاصم ہے۔ اس کے گھر جا کر۔" وہ پاس آ کر کچھ سوچتے ہوئے بولی۔

"تم جاؤ گی اس وقت۔۔۔ اور پھر وہ صاف کہہ چکا ہے کہ اسے کچھ معلوم نہیں ہے دانی کے بارے میں۔۔۔" عفت کچھ تشویش سے بولی۔

"ماما! فون پر بات کرنے سے زیادہ سامنے بات کرنا موثر ہوتا ہے۔ میں اس سے کچھ نہ کچھ اگلوا لوں گی، اس کا گھر بھی یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے میں پاپا کے آنے سے پہلے واپس آ جاؤں گی۔"

وہ سب کچھ سوچ چکی تھی کہ اسے کس بہانے سے گھر سے نکلنا ہے۔

"پری! یہ مجھے ٹھیک نہیں لگ رہا۔" عفت متذبذب لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"تو کیا کریں گی۔ پاپا کو بتا دیں گی کہ دانی رات سے گھر سے غائب ہے۔ نہ صرف غائب ہے بلکہ تین لاکھ کی رقم اور گھر میں موجود سارا زیور بھی لے جا چکا ہے۔"

"یہ کیا کہہ رہی ہو تم؟" عدیل کی زوردار آواز ان دونوں کے لیے دھماکے سے کم نہیں تھی۔

☆ ☆ ☆

عدیل سر پکڑے بیٹھا تھا۔ فوزیہ اور عفت اس کے پاس بالکل خاموش بیٹھی تھیں۔
"میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ اس حد تک بھی جا سکتا ہے۔" عدیل بے حد تھکی ہوئی آواز میں کہہ رہا تھا۔
"میں نے ہر ممکن کوشش کی عدیل! کہ میں اسے راہ راست پر لا سکوں۔" عفت صفائی دینے والے انداز میں کہہ رہی تھی۔
"تم تو چپ ہی کر جاؤ عفت' یا تمہارے پاس ابھی بھی کچھ کہنے کے لیے ہے۔" عدیل کا لہجہ کچھ ایسا تھا کہ عفت دوبارہ کچھ بول ہی نہ سکی۔
"مجھے تو بالکل اندازہ نہیں تھا کہ دانی کو یہ جنون اتنا زیادہ ہے۔ میں تو اس لیے منع کر رہی تھی کہ ابھی اس کی ایج کم ہے۔ وہ کچھ تو اپنی اسٹڈیز مکمل کر لے تو ایک دو سالوں میں اسے بلالوں گی' پھر سیٹل ہونے میں زیادہ مسئلہ نہیں ہوگا۔" فوزیہ دکھی سے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ عفت نے اسے تیز نظروں سے دیکھا اور یوں ہی سر کو جھٹکا۔
"سب طرف معلوم کر آیا ہوں' اس کے سب دوستوں کی طرف۔ کہیں بھی نہیں ہے وہ' کسی کو بھی نہیں معلوم اس کے بارے میں کچھ۔۔۔ کیا کروں میں' کہاں جاؤں۔ رات سر پر ہے۔ موسم خراب ہو رہا ہے۔ کہاں تلاش کروں اسے جا کر۔ دانی! یہ تم نے کیا کیا" عدیل نڈھال سا کرسی کی بیک سے سر ٹکا کر بیٹھ گیا۔
فوزیہ ترس بھری نظروں سے عدیل کو دیکھتی رہی۔
"پری کہاں ہے؟" عدیل کو خیال آیا تھا۔
"اپنے کمرے میں ہی ہے۔ بہت پریشان ہے وہ بھی۔۔۔" عفت کچھ نظریں چرا کر بولی۔
"پولیس اسٹیشن جاؤں۔ اب رپٹ کراؤں۔" عدیل تھکی ہوئی آواز میں بولا تو عفت مزید پریشان ہو گئی۔
"عدیل۔۔۔ ابھی۔۔۔ پولیس کو انوالو تو نہ کریں۔" وہ کچھ رک کر بولی۔
"پھر کس بات کا انتظار کروں اور کیا ہو جائے جس کے بعد پولیس کو انوالو کیا جائے۔" وہ طنز بھرے لہجے میں ہنکارا۔ عفت کا سر جھک گیا۔
"یہ بھی تو ہو سکتا ہے عدیل! وہ غلط ہاتھوں میں چلا جائے۔ کچھ ایسا ویسا قدم اٹھا لے جس میں خدانخواستہ اس کو کوئی بڑا نقصان ہو جائے۔" فوزیہ دونوں کو دیکھ کر بولی۔
"اب اس سے بڑا قدم وہ کیا اٹھائے گا جو وہ کر چکا ہے۔" عدیل منہ میں بڑبڑایا۔
کمرے میں کچھ دیر کے لیے خاموشی چھا گئی۔
"اس سے پہلے بارش شروع ہو جائے' میں جا کر دیکھتا ہوں اسے' کہاں تلاش کیا جا سکتا ہے۔" عدیل اپنے تھکن زدہ وجود کو بمشکل اٹھا کر بولا ہی تھا کہ اس کا فون بجا۔
"جی بات کر رہا ہوں عدیل۔۔۔" فون سنتے ہوئے بولا۔
"واٹ!" اس کی آنکھیں پھٹ سی گئی تھیں۔

✡ ✡ ✡
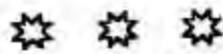
واثق سامنے کھڑی پری کو دیکھ کر لمحہ بھر کو شاکڈ رہ گیا۔
وہ گھر جانے کے لیے آفس سے نکلنے لگا تھا' جب وہ دروازہ کھول کر اندر آئی۔
"سوری' کبھی آپ کو زحمت نہ دیتی مگر پتا نہیں کیسا اتفاق ہے کہ ہر بار مجھے آپ سے ہیلپ لینی پڑتی ہے۔" وہ بظاہر بے ضرر لہجے میں کچھ معذرت خواہانہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔
"اب کیا ہے؟" وہ کوفت بھرے لہجے میں بولا۔

"میں اپنی فرینڈ کے ساتھ ادھر پاس میں ایک بک اسٹور میں تھی۔ اس کی گاڑی خراب ہوگئی۔ ورنہ وہی مجھے ڈراپ کرتی۔ وہ تو جا رہی تھی، میں رک جاؤں گاڑی ٹھیک ہونے تک لیکن پاپا گھر آنے والے ہوں گے۔ آپ کے آفس کا خیال آیا تو یہی سوچ کر آگئی کہ شاید آپ ابھی گھر کے لیے نہیں نکلے ہوں۔ دوسرے مجھے آپ کو ایک اہم بات بھی بتانی تھی۔" وہ آخر میں کچھ عجیب سے لہجے میں بولی۔

"کون سی بات؟" واثق ناگواری سے پوچھ رہا تھا۔

"راستے میں بتادوں گی، ابھی ہم لیٹ ہو رہے ہیں، پلیز۔" واثق اپنی چیزیں اور چابیاں اٹھا کر خاموشی سے باہر نکل گیا۔

پری چہرے پر معنی خیز مسکراہٹ لیے اس کے پیچھے باہر نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

"دانی اسپتال میں ہے۔" عدیل فون بند کر کے تھکے ہوئے لہجے میں بولا۔

"او مائی گاڈ! اسپتال میں؟" فوزیہ ایک دم سے بولی۔

"کک... کیا ہوا ہے اسے عدیل... ؟ کیوں ہے اسپتال میں وہ... ٹھیک تو ہے نا؟ پلیز کچھ تو بتائیں۔ اس سے بات ہوئی تھی آپ کی؟" عفت تڑپ کر بے قراری سے بولی۔

"ابھی کچھ پتا نہیں... اسے زخمی حالت میں کوئی راہ گیر اسپتال چھوڑ گیا ہے۔" وہ سخت پریشان تھا۔

"معلوم نہیں اس کے ساتھ کیا ہوا ہے، جس کی وجہ سے..." وہ بولتے ہوئے کچھ وحشت زدہ سا اپنی گاڑی کی چابیاں اٹھا کر باہر جانے لگا۔

"میں بھی آتی ہوں عدیل تمہارے ساتھ..." فوزیہ اس کے پیچھے گئی۔

"فوزیہ! تم اتنا لمبا سفر کر کے آئی ہو۔ آتے ہی یہ مشکل پڑ گئی، تم ریسٹ کرو، میں اسپتال جا کر فون کردوں گا تمہیں۔" عدیل نے اسے نرمی سے روکا۔

"نہیں عدیل! گھر میں چین نہیں ملے گا۔ کسی بھی طرح ایک نظر اسے دیکھ لوں تو تسلی ہو جائے گی، پلیز... چلیں عفت بھابھی!"

"میں نہیں رکوں گی کسی بھی صورت... مجھے اپنے دانی کو دیکھنا ہے۔" عفت روتے ہوئے ان دونوں سے پہلے باہر نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

"کیا بکواس ہے یہ؟" واثق نے ایک دم غصے میں گاڑی کو بریک لگائی تھی۔ اس کا چہرہ غصے میں سرخ ہو گیا تھا۔

"یقین کریں واثق! میں خود سے یہ سب نہیں کہہ رہی۔ یہ سب تو وہ سیفی اس دن جب ہمارے گھر آیا تو وہ بتا کر گیا کہ مشال بھی اس کے ساتھ..."

"پری! میں تمہیں چلتی گاڑی سے دھکا دے دوں گا، اب اگر تم نے ایک لفظ بھی بولا تو..." وہ ضبط کھو کر زور سے دھاڑا تھا۔ پری نے اسے سہم کر دیکھا۔

کچھ لمحے خاموشی میں گزرے۔

"میرا مقصد آپ کو پریشان کرنا نہیں تھا۔ وہ سیفی... ان ٹچ ہے مشال کے ساتھ۔ ابھی بھی دونوں کا سیل فون پر رابطہ ہے۔" وہ رک رک کر کچھ ڈرے ہوئے لہجے میں کہہ رہی تھی۔

"تم یہ ساری باتیں کیوں کر رہی ہو؟ پوچھ سکتا ہوں میں تم سے..." وہ طنز سے ٹھنڈے لہجے میں بولا۔

"شاید وہ یہ سمجھتا ہے کہ میں مشال تک اس کی فیلنگز زیادہ بہتر طریقے سے پہنچا سکتی ہوں۔" وہ کندھے اچکا کر بولی۔

"آپ کو میری باتوں پر یقین نہیں آرہا نا تو اپنے گھر چلیں۔ وہ دونوں ابھی بھی ملاقات کر رہے ہوں گے۔ وہاں مشال نے سیفی کو بلایا ہے وہاں۔۔۔

ابھی کچھ دیر پہلے مشال کی کال آئی ہوگی کہ آپ آفس سے لیٹ آئیں گے تو اس نے سیفی کو فون کر کے بلایا ہے۔ میری بات کی چاہے تو ابھی جا کر تصدیق کر لیں۔"

واثق الجھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔ وہ مزید سوال کرنا ہی بھول گیا کہ سیفی نے اسے یہ سب کیوں بتایا۔

اس نے گاڑی کی رفتار بڑھا دی۔ گاڑی اب ہواؤں سے باتیں کرتی ہوئی جا رہی تھی۔

پری کچھ بے خوف سی بیٹھی ہر سچویشن کا سامنا کرنے کے لیے تیار تھی۔

✲ ✲ ✲

دانی آئی سی یو میں تھا۔ گولی اس کی پسلیوں سے گزر گئی تھی۔

خون بہت بہہ گیا تھا کیونکہ وہ کافی دیر یوں ہی سڑک پر پڑا رہا تھا۔ عفت مسلسل روئے جا رہی تھی۔

"فوزیہ اسے چپ کراتے عدیل کی پریشان شکل دیکھتے ہوئے خود بھی بہت دکھی ہو رہی تھی۔"

وہ کم از کم یہ سب کچھ سوچ کر پاکستان نہیں آئی تھی۔

"پری کو فون کر کے بلا لیں، ہم اسے آتے ہوئے بتا کر بھی نہیں آئے۔ وہ پریشان ہوگی عدیل؟" فوزیہ ہی کو یہ خیال آیا تھا۔

عفت نے چونک کر عدیل کو دیکھا۔

"اگر عدیل کو پتا چل گیا کہ پری بھی گھر پر نہیں ہے تو۔" وہ فون لے کر ایک طرف چلی گئی۔

"میں پری کو بتا کر آتی ہوں۔ وہ کہیں زیادہ پریشان نہ ہو جائے۔" عفت کو جاتے دیکھ کر عدیل نے کچھ بھی نہیں کہا۔

"عدیل زیادہ پریشان نہ ہو ان شاء اللہ دانی ٹھیک ہو جائے گا۔ اسے کچھ نہیں ہوگا۔" فوزیہ نے اٹھ کر بھائی کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"جو کچھ ہو رہا ہے کم و بیش ایسا ہی کچھ ہونے کا میں منتظر تھا۔ یہ عفت! اس نے مجھے اولاد تو دی مگر اولاد کا سکھ، اس کی خوشیاں کیا ہوتی ہیں مجھے پتا ہی نہیں۔" وہ بے حد رنجیدہ تھا۔

"پتا نہیں فوزیہ! کبھی کبھی میں سوچتا ہوں۔ معلوم نہیں کس کی بددعا کی زد میں آیا ہوں۔ کبھی مجھے چند دن بھی سکون اور خوشی کے نہیں مل سکے۔ حالانکہ میں نے کبھی کسی کی حق تلفی نہیں کی۔"

وہ دکھی لہجے میں جیسے خود سے حساب کتاب کر رہا تھا۔

"میں بھی تو اسی لیے یہاں آئی تھی عدیل اور یہ ہمیں لگتا ہے کہ ہم نے کبھی کسی کے ساتھ برا نہیں کیا۔ کسی کا حق نہیں مارا ورنہ کہیں نہ کہیں کچھ ایسا ہم سے ضرور سرزد ہوا ہوتا ہے جو ہمارے لیے مسلسل ایک سزا بن جاتا ہے اور میں پاکستان آئی ہی بشریٰ سے معافی مانگنے کے لیے تھی کہ شاید اس طرح میری سزا میں قدرت کی طرف سے کچھ کمی ہو سکے۔"

وہ افسردہ سی کہہ رہی تھی اور عدیل چونک کر اسے دیکھ رہا تھا۔

✲ ✲ ✲
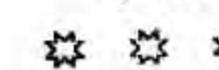
ڈور بیل بجنے پر مثال نے آخری بار اپنا سجا سنورا سرخ اور سیاہ امتزاج سے کڑھائی کیے ہوئے سوٹ کا تنقیدی نظر سے جائزہ لیا۔ لپ اسٹک کا شیڈ کچھ اور گہرا کیا۔

"آج میں واثق سے اپنے دل کی ہر بات کہہ دوں گی۔" وہ لبوں پر دل فریب مسکراہٹ لیے دھڑکتے دل کے ساتھ دروازہ کھولے کھڑی تھی۔ اور سامنے کھڑے سیفی نے اسے لحہ بھر کو ہلا ہی دیا۔

وہ کسی بھی طرح اس کی یہاں موجودگی کی امید نہیں کر رہی تھی۔

"تو تم میری ہی منتظر تھیں۔ تو میری محبت کا جنون تمہارے دل پر بھی اثر کر گیا۔ یہ پھولوں کا خوشبودار مہکتا تحفہ تمہارے لیے۔ اگرچہ یہ خوشبو تمہارے حسن کی خوشبو اور چمک کے سامنے بہت مدھم بے معنی ہے پھر بھی تمہارے حسن کا صدقہ۔ یہ میرا حقیر تحفہ۔"

وہ سرخ پھولوں کا خوب صورت بکے اور اس میں ایک چھوٹا سا گفٹ پیک رکھے اس کے سامنے ذرا سا جھکا پیش کر رہا تھا۔ وہ دم بخود تھی۔

"تم یہاں کیسے آئے۔ یہاں کا ایڈریس۔۔۔ میرے گھر میں تمہیں آنے کی۔۔۔ تم نے ہمت کیسے کی۔" وہ اتنی حواس باختہ ہو رہی تھی کہ کوئی بھی جملہ مکمل نہیں بول پا رہی تھی۔

"میری جان! محبت تو خوشبو کی طرح ہوتی ہے اس کو تلاشنا نہیں پڑتا اور رہا محبوب کا پتا تو دل کی دھڑکنیں اور دل میں دوڑتا لہو سب ہی رہنما بن جاتے ہیں تو تمہیں کھوجنا کیا مشکل تھا۔" وہ غیر محسوس انداز میں اس کے قریب ہوا۔

مثال بے حرکت سی کھڑی تھی۔

جانتی ہو مثال! میں تمہارے بغیر جینے کا سوچ بھی نہیں سکتا۔ اتنے مہینے تمہیں بھلانے کی جتنی کوشش کرتا تھا تم اور بھی دل کے پاس آتی جاتی تھیں۔ میں ہار گیا مثال میں اس محبت کے سامنے اس شدت کے سامنے ہار گیا۔ تمہاری کشش مجھے تم تک کھینچ کر لے آئی۔ مثال! میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔ تم صرف میری ہو۔ صرف میری۔ پلیز چلو ابھی میرے ساتھ۔ میں تمہیں لینے کے لیے آیا ہوں۔ چلو۔" وہ اسے کندھوں سے پکڑے اس کے گرد بازو حائل کیے اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔

"چھو۔ چھوڑو۔ چھوڑو مجھے۔ خدا کے لیے ایسا نہیں کرو میرے ساتھ' مجھے چھوڑ دو۔ میں نہیں جاؤں گی تمہارے ساتھ۔" مثال کے حلق میں کانٹے پڑ گئے تھے اس کا گلا گھٹ رہا تھا۔ وہ بولنے کی کوشش کر رہی تھی اور اس سے کچھ بھی بولا نہیں جا رہا تھا۔ وہ مزاحمت بھی نہیں کر پا رہی تھی۔

اپنی گردن اور کندھوں کے گرد حائل سیفی کے بازوؤں کو وہ چاہتے ہوئے بھی جھٹک نہیں رہی تھی۔ اسے خود سے دور بھی نہیں کر پا رہی تھی۔ وہ لمحوں میں بے دم ہوئی تھی۔ وہ چیخنا چاہتی تھی اور آواز کہیں اندر ہی دم توڑ رہی تھی۔

"نہیں اب تمہیں چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ تم سے بچھڑ کر میں جی نہیں پاؤں گا۔ تمہاری محبت تمہاری کشش میرے پاؤں کی زنجیر بن گئی ہے۔" وہ بول رہا تھا۔

مثال پھٹی پھٹی آنکھوں سے فق چہرے کے ساتھ سامنے یک ٹک دیکھتی جا رہی تھی۔

سیفی کی پیچھے' دروازے کی طرف پشت تھی۔

واثق اور پری کب اندر آئے اسے پتا نہیں چلا۔ سیفی کو پیچھے گردن سے پکڑ کر واثق نے ایک زوردار جھٹکے سے اپنی طرف کھینچا تھا۔

"تم۔ تم ذلیل انسان گھٹیا کتے میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس حد تک بھی

جاسکتے ہو۔ تم آج یہاں سے زندہ بچ کر نہیں جاؤ گے۔"
وہ غصے، طیش اور جذبات میں جیسے پاگل ہو گیا تھا۔ اندھا دھند سیفی کو نیچے لٹائے پیٹے جا رہا تھا۔ پری کا فون بج رہا تھا۔
اور واثق کا یہ وحشی روپ دیکھ کر وہ خود بھی بے حد ڈر گئی تھی۔ وہ فون مٹھی میں دبائے باہر برستی بارش میں بھاگ گئی تھی۔
سیفی نے کچھ مزاحمت کرنے کی کوشش کی اور پھر اپنا دفاع کرتے ہوئے اسے پرے دھکا دے کر وہ چیزوں کو ٹھوکریں مارتا اندھا دھند باہر کی طرف بھاگا۔
واثق کچھ دور اس کے پیچھے گیا پھر ہانپتا ہوا واپس مڑ آیا۔ مثال اسی طرح بت کی مانند ساکت کھڑی تھی۔
"تو تم یہ کھیل، کھیل رہی تھیں میرے ساتھ بھی اور اس کے ساتھ بھی۔" واثق دھاڑا۔
"نن۔۔۔ نہیں واثق۔۔۔ میں تو۔۔۔" وہ پھر بولنے سے قاصر تھی۔
"وہ تمہیں اپنے ساتھ جس طرح لپٹائے کھڑا تھا، تم کس بات سے مکرو گی، کس بات سے انکار کرو گی، مجھے جھٹلا نہیں سکتیں تم۔ میں نے بہت دھوکا کھالیا۔"
وہ حلق کے بل زور سے چیخا۔
"میں غلط تھا۔ میں نے غلط لڑکی پر اپنے جذبے لٹائے۔ تم اس قابل نہیں تھیں۔" وہ کچھ بھی سنے اور سمجھے بغیر چیخ رہا تھا۔
"واثق۔۔۔ میں نے کوئی دھوکا نہیں دیا۔ کسی کو بھی نہیں۔۔۔ محبت کی ہے آپ سے۔۔۔ میں قسم کھاتی ہوں۔" وہ پوری طاقت کے ساتھ چیخی تھی۔
"ختم ہو گیا سب کچھ۔۔۔ سب ختم ہو گیا۔ کچھ نہیں بچا اب ہم دونوں کے درمیان۔ کچھ مت بولو۔۔۔ میں تمہیں۔۔۔"
"واثق۔۔۔ نہیں۔۔۔" وہ زور سے چیخی اور دوسرے لمحے تیورا کر گر گئی۔ وہ بے ہوش ہو چکی تھی۔

☆ ☆ ☆

عفت کی کال سننے کے بعد وہ برستی بارش میں اندھا دھند بھاگ رہی تھی کہ پیچھے سے آتی گاڑی اس کے برابر میں آکر رک گئی۔
"آؤ۔۔۔ میں تمہیں ڈراپ کر آؤں۔" سیفی نے اسے آفر کی۔
پری شام والے سیاہ لباس میں بھیگی کھڑی تھی۔ سیفی کی نظریں اٹک گئی تھیں۔
"نن۔۔۔ نہیں۔۔۔ میں چلی جاؤں گی۔ مجھے گھر ہی تو جانا ہے۔ یہ قریب میں۔۔۔ دانی، میرا بھائی اسپتال میں ہے۔ مجھے اس کی ٹینشن ہو رہی ہے۔" وہ بارش سے بچنے کے لیے ماتھے پر ہاتھ کا شیڈ بنائے جلدی جلدی کہہ رہی تھی۔
واثق اور سیفی کے درمیان کیا ہوا۔ یہ پوچھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ سیفی کا سوجا ہوا منہ اور پھٹا ہوا کوٹ ساری کہانی سنا رہا تھا۔
"تو میں تمہیں اسپتال ڈراپ کر دیتا ہوں۔۔۔ آجاؤ۔۔۔"
"اس حلیے میں نہیں۔۔۔ مجھے چینج کرنا ہو گا۔" وہ اپنے گیلے سراپے پر نظر ڈال کر بولی۔
"تم آؤ تو تمہیں گڈ نیوز سنانی ہے۔ واثق نے مثال کو چھوڑ دیا ہے۔ تمہارے لیے میدان صاف ہو چکا ہے۔" وہ اسے آخری "لالچ" دیتے ہوئے بولا تو پری بے یقین سی کچھ بھی مزید پوچھے بغیر گاڑی میں بیٹھ گئی۔

✡ ✡ ✡

رات گزر گئی تھی۔
دانی کا آپریشن کامیاب رہا تھا۔ اسے ہوش بھی آگیا تھا۔
وہ لڑکے اس سے سب کچھ چھیننا چاہتے تھے۔ مزاحمت پر انہوں نے اسے گولی ماردی اور وہ بات جو اس کو باپ کے سمجھانے پر، ماں کی منت سماجت پر سمجھ میں نہیں آرہی تھی۔ وہ اس ایک گولی نے سمجھادی تھی۔
وہ ہوش میں آتے ہی رو، رو کر سب سے معافیاں مانگ رہا تھا۔
"پاپا... بائی گاڈ میں اب آپ کو کبھی تنگ نہیں کروں گا۔ میں آپ کو چھوڑ کر کہیں جانے کا اب سوچ بھی نہیں سکتا۔ میں آپ کے پاس رہوں گا۔ پلیز پاپا مجھے معاف کردیں۔ میں نے آپ کے ساتھ بہت برا کیا ماما! پلیز فارگیو می۔"
اس کے آنسو کسی بھی طرح سے تھم نہیں رہے تھے۔ نہ جذباتی پن کم ہو رہا تھا۔ ڈاکٹر کو اسے انجکشن لگا کر سلانا پڑا۔
تھوڑی تکلیف سہنی پڑی اور کچھ نقصان بھی اٹھانا پڑا لیکن بالآخر ان کا بیٹا انہیں مل گیا تھا۔
عدیل اور عفت نے ایک عرصے کے بعد ماں باپ والی وہ طمانیت اور سکون محسوس کیا تھی جو سعادت مند اولاد کے والدین محسوس کرتے ہیں۔
"یہ پری کہاں ہے۔ اس کا فون بھی بند ہے۔ مجھے اس کے بارے میں معلوم کرنا چاہیے جا کر۔" عفت کو دوسری پریشانی نے آگھیرا۔ پہلی فون کال کے بعد دونوں میں رابطہ نہیں ہوسکا تھا۔
ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ وہ دانی کی حالت کا سن کر گھر میں پڑی سوتی رہے۔ عفت اب ہراساں ہو رہی تھی۔
"بہت تیز بخار تھا پری کو۔ مجھے اب اس کی فکر ہو رہی ہے عدیل! میں گھر جا کر اسے دیکھ آؤں۔" وہ دانی کے سوتے ہی بولی۔
"ہاں چلی جاؤ اور فوزیہ کو بھی ساتھ لے جاؤ۔ یہ بے چاری بھی رات بھر جاگتی رہی ہے۔ سفر کے بعد اسے آرام بھی نہیں مل سکا۔" عدیل کو فوزیہ کی بے آرامی کی فکر تھی۔
"میں ٹھیک ہوں عدیل! میری فکر نہ کرو۔" فوزیہ کے جواب نے عفت کو کچھ آسرا دیا۔
"لیکن اب دانی ٹھیک ہے۔ کوئی پریشانی والی بات نہیں۔ میں اس کے پاس ہوں۔ تم پلیز عفت کے ساتھ گھر جا کر تھوڑا ریسٹ کرلو۔" عدیل اسے ٹوک کر بولا۔
"ریسٹ کی ضرورت تو تمہیں بھی ہے عدیل...!" فوزیہ ہمدردی سے بولی۔
"فوزیہ! تم جاؤ عفت کے ساتھ میں ٹھیک ہوں بالکل۔ یہیں بیٹھا ہوں تم دونوں جاؤ۔" عدیل کے کہنے پر فوزیہ نے مزید بحث نہیں کی۔ عفت کو بھی مجبوراً اسے ساتھ لے جانا پڑا۔

✡ ✡ ✡

پوری رات گزر گئی تھی۔ واثق کو اسپتال کے کوریڈور میں مسلسل ٹہلتے ہوئے...
"واثق بیٹا! اللہ کے لیے بیٹھ جاؤ۔ تھک جاؤ گے تم۔ تھوڑی دیر کے لیے تو بیٹھ جاؤ۔" عاصمہ ملتجی لہجے میں بولی۔
وہ خالی خالی نظروں سے ماں کو دیکھ کر رہ گیا۔
پوری رات گزر گئی مثال کو ہوش نہیں آسکا تھا۔ اس کا نروس بریک ڈاؤن ہوا تھا اور وہ بے ہوش تھی۔

"اگر آئندہ چوبیس گھنٹوں میں انہیں ہوش نہیں آیا تو یہ کومے میں بھی جاسکتی ہیں۔" ابھی کچھ دیر پہلے ڈاکٹر مایوس لہجے میں انہیں بتا کر گیا تھا۔

اور واثق کو لگا کہ اگر مثال کو ہوش نہیں آیا' وہ کومے میں چلی گئی۔ اس نے دوبارہ آنکھیں کھول کر نہیں دیکھا تو... اس کا دل بند ہو جائے گا۔

وہ جس جذباتی پن کا شکار ہو کر اس پر چلایا تھا' وہ تو اس کے بے ہوش ہوتے ہی جھاگ کی طرح بیٹھ گیا تھا۔

سیفی کی خصلت' اس کی بلیک میلنگ کو جانتے بوجھتے بھی وہ مثال پر چلایا تھا۔ اسے لعن طعن کیا' اس کے کردار پر شک کیا اور جیسے ہی وہ بے ہوش ہوئی۔ اسے ہوش آگیا۔

وہ اس کی بے ہوشی کو معمولی سمجھا تھا لیکن...

جب ورود نے گھر آکر روتے ہوئے پری کی حقیقت ماں اور بھائی کو بتاتے ہوئے' جس طرح معافی مانگی۔

مثال کی معصومیت تو پہلے بھی عاصمہ اور واثق کو معلوم تھی مگر وہ جو شک کی دھند کچھ دیر کے لیے چھائی تھی۔

واثق کو لگا جیسے وہ اپنی ہی نظروں میں گر گیا ہو۔

اگر مثال ہوش میں آکر... اس نے واثق سے نفرت کا اظہار کر دیا تو وہ کیا کرے گا۔

وہ کچھ بھی کرے... میں اس سے معافی مانگ لوں گا' اس کو منالوں گا... یہ آنکھیں تو کھولے۔

وہ خود میں کھویا' خود سے باتیں کیے جا رہا تھا۔ اس کی حالت دیوانوں جیسی ہو رہی تھی۔

عدیل جس طرح اسپتال میں آیا اور دیوانہ وار مثال کی طرف بھاگا تھا' واثق کچھ اور بھی نادم ہو گیا۔

عاصمہ نے ہی عدیل کو کال کی تھی۔ اسے دانی کے بارے میں تو پتا ہی نہیں تھا۔

اور عدیل' مثال کا سنتے ہی دوسرا کوئی سوال کیے بغیر اسپتال پہنچا تھا اور اب اسے یوں بے حس و حرکت دیکھ کر خود بھی ساکت سا ہو گیا تھا۔

"یہ... یہ تو کل شام کو بالکل ٹھیک تھی' ہنستی کھیلتی مجھ سے باتیں کرتی۔" وہ گنگ سا اسے دیکھتا رہ گیا۔

✲ ✲ ✲

عفت نے سارا گھر چھان مارا تھا' پری کہیں بھی نہیں تھی۔

اس کے پیروں تلے سے زمین کھسک گئی تھی۔ فوزیہ کو اس نے بمشکل کمرے میں بھیجا۔

"چوکیدار بتا رہا ہے' وہ ٹیکسی کروا کے اسپتال چلی گئی ہے۔ اس کی طبیعت بھی اچھی نہیں تھی۔ میں نے منع بھی کیا تھا کہ اکیلی گھر سے نہیں نکلے مگر بھائی کی محبت میں وہ کہاں رک سکی ہو گی۔ بہت پیار ہے اسے دانی سے..."

فوزیہ کو گیسٹ روم میں لاتے ہوئے نظریں چرا کے وہ بولتی جا رہی تھی۔

اس کا دماغ ماؤف ہو گیا تھا۔ پہلے دانی کی حرکتیں اور اب پری... اگر پری نہیں ملی تو...؟

"نہیں... نہیں... عدیل کو یہ بات معلوم ہو' اس سے پہلے میں خود کو ختم کر لوں گی مگر عدیل کا سامنا نہیں کر سکوں گی۔" اسے ٹھنڈے پسینے آرہے تھے۔

پری کا فون بند تھا۔

وہ تھک کر بیرونی گیٹ کے سامنے سیڑھیوں پر ہی دونوں ہاتھوں میں سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ اس کے پاس فخر کرنے کے لیے اب کچھ بھی نہیں بچا تھا۔ اس کا سارا غرور' ساری اکڑ' خود پسندی' سب کچھ تہس نہس ہو کر رہ گیا تھا۔

پری اور دانی اس کا فخر' اس کا غرور...

ان دونوں نے ہی اس کا گھمنڈ اپنے پیروں کے نیچے روندا تھا۔

"ہمیشہ میں نے مثال کے لیے برا چاہا' برا سوچا اور آج نتیجہ کیا نکلا' میرے اپنے دونوں بچے۔۔۔"
"میرے اللہ! مجھے معاف کردے۔۔۔ معاف کردے مجھے۔۔۔" وہ ہاتھ منہ پر رکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔
باہر گاڑی رکنے کی آواز آئی تھی۔
"عدیل۔۔۔ عدیل گھر آگیا ہے۔" اس کا سینے میں سہما ہوا دل جیسے دھڑکنا ہی بھول گیا۔
اور گیٹ کھلنے کے بعد اندر آنے والے کو دیکھ کر اس کی تو سانسیں ہی رک گئیں۔
پری اجڑے حلیے اور لٹے پٹے حال میں بکھرے بالوں' دریدہ لباس کے ساتھ۔۔۔ ایک کھلی داستان عبرت بنی اپنے قدموں پر گرتی ڈولتی آرہی تھی۔
اس سے پہلے کہ عفت اسے جاکر تھامتی' وہ اس کے پاس سیڑھیوں پر آکر گری اور بے ہوش ہوگئی۔

☼ ☼ ☼

سیفی نے ائیرپورٹ پر جاکر ہوٹل کی گاڑی کو فارغ کیا۔ اس کے چہرے پر خوشی اور اطمینان تھا۔
"مثال نہ سہی' پری سہی۔۔۔ مثال سے زیادہ بہترین انتخاب۔۔۔" وہ خود ہی ہنسا۔
اسی وقت اس کا فون بجا۔
"وہی پری ہوگی' مجھے بددعائیں دے رہی ہوگی۔" اس نے فون جیب سے نکالتے ہوئے جیسے مزا لے کر خود سے کہا۔
"جی بشریٰ ماما! فرمائیے۔۔۔ آج اتنے مہینوں بعد آپ کو میری یاد کیسے ستائی۔ آپ کو بھی مجھے کال کرنا یاد آگیا۔"
وہ کال ریسیو کرتے ہوئے شوخی سے طنز بھرے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔
دوسری طرف بشریٰ نے جو کچھ اسے بتایا۔ وہ اس کے ہوش اڑانے کے لیے کافی تھا۔ وہ گنگ سا فون کان سے لگائے ساکت کھڑا تھا۔
"جھوٹ بول رہی ہیں آپ۔۔۔ مجھے ٹیز کرنے کے لیے آپ ایسی بری بات کریں گی۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔" اسے بہت دیر بعد ہوش آیا تو وہ اردگرد کا خیال کیے بغیر زور سے چیخا تھا مگر دوسری طرف سے فون بند ہوچکا تھا۔
"پاپا۔۔۔ میرے پاپا۔۔۔ اب اس دنیا میں نہیں رہے' یہ کیسے ہوسکتا ہے۔" وہ بے یقین سا کھڑا رہا۔

☼ ☼ ☼

فوزیہ ساکت سی بے ہوش پڑی مثال کو دیکھے جارہی تھی۔ پھر وہ بیڈ کی پٹی پکڑ کر جھکی۔ وہ رو رہی تھی۔
"مثال! میری گڑیا! میری جان! میں تو تم سے معافی مانگنے کے لیے آئی تھی۔ تمہاری زندگی کی بہت ساری مصیبتوں کی ذمہ دار میں بھی ہوں۔ میری جلن' میرے حسد اور بے جا انا نے تمہارے ماں باپ کی زندگی میں زہر گھولا اور تم سے اتنے پیار کرنے والے ماں باپ' ایک مکمل گھر چھین لیا۔ جب بھی مجھے یہ سب یاد آتا تھا۔ میں ساری ساری رات سو نہیں پاتی تھی۔ اسی لیے آئی تھی تمہارے سامنے دل کھول سکوں۔ معافی مانگ سکوں۔" وہ پٹی پر سر رکھے روئے جارہی تھی۔
عدیل نے اسے کندھوں سے پکڑا اور زبردستی باہر لے آیا۔
"فوزیہ! سنبھالو خود کو جو کچھ ہوا' اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں تھا۔ یہ سب اسی طرح ہونا تھا۔" وہ اسے ساتھ لگائے تسلی دے رہا تھا۔
"نہیں عدیل! میں جانتی ہوں کہاں کہاں میری غلطی' میرا قصور تھا اور مجھے سزا بھی ملی۔ خالد ایک شکی مزاج'

بے رحم، کنجوس شخص تھا۔ زندگی کے اتنے سارے سال میں نے ایک قفس میں گزارے، جب اس کو مجھ پر کچھ یقین آیا، ہمارے حالات بہتر ہوئے تو ایک ایکسیڈنٹ نے خالد کی ٹانگیں چھین لیں اور عمر بھر کی محتاجی مل گئی۔ عدیل میں نے کبھی تمہیں یہ سب نہیں بتایا، کیسے بتاتی، مجھے میرے اعمال کی سزا ملی تھی، قدرت کی طرف سے۔" وہ روئے جارہی تھی۔ عدیل گم صم تھا۔

☼ ☼ ☼

تین ماہ گزر گئے تھے۔

مثال کو ہوش نہیں آسکا تھا۔

ڈاکٹرز کچھ کچھ ناامید ہو چکے تھے۔ لیکن واثق کی امیدیں اسی طرح روشن تھیں، وہ چوبیس میں سے اٹھارہ گھنٹے مثال کے پاس گزارتا، اس کا دل کہتا تھا مثال کو ہوش ضرور آئے گا۔

وہ ابھی بھی اس کے پاس بیٹھا ایک ٹک اس کو دیکھتا جارہا تھا۔ جس کے چہرے پر اتنا گہرا سکون اور اطمینان تھا جیسے برسوں بعد وہ اتنی میٹھی پرسکون نیند سوئی ہو۔

"مجھے معاف کردو مثال، پلیز۔ یوں نہیں کرو میرے ساتھ۔ آنکھیں کھول دو۔ پلیز، مثال۔" اس کی آنکھوں سے بے آواز آنسو بہہ رہے تھے۔

شہزاد نے ان مشکل ترین دنوں میں ایک بھائی کی طرح اس کا ساتھ دیا تھا۔ عاصمہ کا، گھر کا، ورده کا سب کا خیال رکھ رہا تھا۔

وہ گھر کے ایک فرد کی طرح ہو چکا تھا۔ ورده، بہت بدل گئی تھی۔ گھنٹوں مثال کے پاس بیٹھی رو، رو کر اس کی صحت یابی کی دعائیں مانگتی رہتی۔

"واثق۔!" کسی نے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے پکارا تھا۔ وہ چونک کر مڑا اور چند لمحے خالی خالی نظروں سے دیکھتا رہا۔

"یہ بشریٰ ہے، مثال کی ماما۔ مثال سے ملنے کے لیے آئی ہیں۔" عدیل اس سے کہہ رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

بشریٰ، مثال کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیے روئے جارہی تھی۔

"میں تمہیں اس لیے تو چھوڑ کر نہیں گئی تھی مثال کہ تم یوں خاموش ہو کر لیٹ جاؤ۔ مجھ سے یوں ناراض ہو جاؤ کہ کبھی بات ہی نہ کرو۔ مجھے دیکھو مثال! میں آگئی ہوں تمہارے پاس۔ اپنی بیٹی کے پاس۔ زندگی کی تمام مجبوریوں کی زنجیریں توڑ کر، سب کچھ چھوڑ کر تمہارے پاس آگئی ہوں۔ تم یہی چاہتی تھیں نا، ہم دونوں تمہارے پاس ہوں، تمہارے پاپا اور میں۔ دیکھو ہم تمہارے پاس ہیں۔ میری جان آنکھیں کھولو مثال۔ مثال۔ مثال۔!" وہ اسے پکارتی جارہی تھی۔ جب واثق اور عدیل نے دیکھا۔

مثال کی پلکوں میں ہلکی سی جنبش ہوئی تھی۔ اس کے لب ہولے سے کھلے۔

"مثال۔ مثال۔ بیٹا میری جان! آنکھیں کھولو، تمہاری ماما آئی ہے۔" عدیل تیزی سے جھکا اس پر کہہ رہا تھا۔

مثال نے آہستگی سے آنکھیں کھول دیں۔

"ڈاکٹر۔ ڈاکٹر۔ واثق! ڈاکٹر کو بلاؤ۔ مثال کو ہوش آگیا ہے۔ مثال۔ تم ٹھیک ہونا۔ بیٹا تم سن رہی ہو نا ہمیں۔" عدیل روتے ہوئے کہے جارہا تھا۔ وہ یک ٹک بشریٰ کو دیکھتی جارہی تھی۔

"ماما!" اس نے بہت مدھم آواز میں پکارا تھا۔ بشریٰ اسے دیکھتی رہ گئی۔

☆ ☆ ☆

دالی ٹھیک ہوچکا تھا۔
باقاعدگی سے کالج بھی جانے لگا تھا اور باقی کا سارا وقت عدیل کے ساتھ گزارتا تھا۔
مثال کو آج اسپتال سے ڈسچارج کردیا گیا تھا۔
پری بالکل بدل چکی تھی۔ اس کی شوخی' خود پسندی' غرور' تکبر سب ختم ہوچکا تھا۔ اپنے آپ میں گم' اردگرد سے بے خبر' ایک ڈری سہمی لڑکی تھی' جواب کسی سے نہیں ملتی تھی۔ کسی سے بات نہیں کرتی تھی۔
بشریٰ' احسن کمال کی موت کے بعد ابھی پاکستان میں تھی۔
"کچھ عرصہ عمران کے پاس رکوں گی۔ اگر آئندہ ولید کے ساتھ پاکستان سیٹ نہیں ہوئی تو پھر میں بھی اس کے پاس چلی جاؤں گی۔" بشریٰ نے عدیل کو بتایا تھا اور وہ جواب میں کچھ بول ہی نہیں سکا۔
چند لمحوں کی جذباتیت نے ان کی زندگی کی بساط پلٹ کر رکھ دی تھی۔ اب بولنے کو کچھ بچا بھی نہیں تھا۔
دونوں ایک دوسرے کے ساتھ تھے۔ چند لمحوں بعد ہمیشہ کے لیے بچھڑنے والے' دونوں کے دلوں میں بہت کچھ تھا مگر بولنے کا حکم نہیں تھا۔
"میں چلتی ہوں۔ عمران آگیا ہے مجھے لینے کے لیے۔" بشریٰ بہت دیر بعد اٹھتے ہوئے بولی۔ عدیل اسے چھوڑنے گیا اور عفت دونوں کو جاتا دیکھتی رہی۔

☆ ☆ ☆

مثال کو لگا جیسے وہ تین مہینوں بعد نہیں تین صدیوں بعد اپنے کمرے میں آئی ہے۔
پھولوں سے سجا بے حد خوب صورت کمرہ جس میں اس کی اور واثق کی تصویریں لگی تھیں۔ شادی کی' وہ یک ٹک ان تصویروں کو دیکھتے ہوئے' بہت کچھ یاد کررہی تھی۔
پچھلی بہت ساری چیزوں کو یاد کرتے ہوئے اس کا دماغ تھکنے لگتا تھا۔ وہ بہت کچھ بھول جاتی۔
چیزیں گڈمڈ ہوجاتی تھیں۔ وہ خالی خالی نظروں سے سب کو دیکھتی۔
"میری جان! کوئی جلدی نہیں۔ کچھ بھی یاد کرنے کی تمہاری پچھلی زندگی میں کیا ہوا تھا۔ اچھا یا برا' سب بھول جاؤ۔ کچھ بھی یاد رکھنے کی ضرورت نہیں' صرف یہ یاد رکھو۔ اس دنیا میں تمہیں سب سے زیادہ چاہنے والا تمہارا شوہر ہے۔ تم جو تین مہینے مزے کی نیند سوئی ہو وہ ان تین مہینوں میں ایک پل سکون سے سو نہیں سکا۔ تم میری بات سن رہی ہو نا مثال۔"
وہ اس کے دونوں ہاتھ تھامے گرم جوشی سے کہہ رہا تھا۔
مثال نے آہستگی سے مسکرا کر سر ہلایا۔
"کچھ کھو گی نہیں مثال!" وہ اس کے ہاتھوں پر پیار کی مہر ثبت کرتے ہوئے بولا۔
اس نے آہستگی سے نفی میں سر ہلایا اور واثق کے کندھے پر سر رکھ دیا۔
محبت کی اس یقین دہانی کے بعد واثق کو مثال سے کچھ اور چاہیے بھی نہیں تھا۔ اس نے بھی سکون سے آنکھیں موند لیں۔